بسم الله الرحمن الرحيم
تبارك الذي نزل الفرقان على عبده ليكون للعالمين نذيرا
معارف الفرقان
جمہ کریم
فی تفسیر القرآن
اردو زبان میں عام فہم مختصر جامع حسین گلدستہ تفاسیر، تفسیر القرآن بالقرآن
اہتمام کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ مباحث قابل دید ہیں۔
toobaa-elibrary.blogspot.com
جلد 1
سورۃ فاتحہ تا بقرہ مکمل
تفسیر:
حضرت مولانا عبد القیوم قاسمی صاحب
مہتمم مدرسہ معارف اسلامیہ سعید آباد کراچی
ترجمہ:
حضرت مولانا صوفی عبد الحمید صاحب سواتی نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید
امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب نور اللہ مرقدہ
القاسمی اکیڈمی مدرسہ معارف اسلامیہ کراچی
سعید آباد، کراچی

معارف الفرقان

فی تفسیر القرآن

جلد: 2 سورۃ آل عمران تا سورۃ مائدہ

اردو زبان میں عام فہم مختصر جامع حسین گلدستہ تفاسیر، تفسیر القرآن بالقرآن تفسیر القرآن بالحدیث کا خصوصی اہتمام، آسان الفاظ میں احکام و مسائل، مستند اسباب نزول، ترتیب سورۃ باعتبار تلاوت، ترتیب نزول، وجہ تسمیہ، مکی اور مدنی سورتوں کا بیان، موضوع سورۃ، ربط آیات، خلاصہ سور، خلاصہ رکوعات، فضائل سور، فرق باطلہ کے شبہات اور ان کے ٹھوس جوابات کا قرآن وحدیث، مستند تفاسیر اور کتب فقہاء کی روشنی میں اہتمام کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ مباحث قابل دید ہیں۔

ترجمہ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی نور اللہ مرقدہ

تفسیر حضرت مولانا عبدالقیوم قاسمی صاحب

تلمیذ رشید امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب نور اللہ مرقدہ

مہتمم مدرسہ معارف اسلامیہ سعید آباد کراچی

ناشر القاسمی اکیڈمی مدرسہ معارف اسلامیہ کراچی

نام کتاب : تفسیر معارف الفرقان

تفسیر : حضرت مولانا عبدالقیوم قاسمی صاحب

ترجمہ : حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحبؒ سواتی نوراللہ مرقد

کمپوزنگ: عبدالقدوس خان

صفحات : 503

ناشر: القاسمی اکیڈمی، مدرسہ معارف اسلامیہ سعید آباد کراچی

رابطہ : 0334.3277892

اشاعت : پنجم

ملنے کے دیگر پتے

❊ اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

حضرت مولانا مفتی محمد صادق صاحب۔ رابطہ نمبر 0301-7766937

❊ مکتبہ عمر فاروق فیصل کالونی کراچی۔

❊ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

❊ مکتبہ حقانیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

❊ مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

❊ مکتبہ نور علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

❊ نور محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی

❊ وحیدی کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور

❊ دارالکتاب اردو بازار لاہور

❊ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

❊ دارالاشاعت اردو بازار کراچی

❊ مکتبہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

❊ علمی کتاب گھر اردو بازار کراچی

❊ دارالایمان موتی محل کراچی

❊ مکتبہ زکریا لاہور

فہرست مضامین تفسیر معارف الفرقان : جلد 2

ختم شد فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ آل عمران

نام اور کوائف: اس سورۃ کا نام سورۃ آل عمران ہے چونکہ اس میں عمران کی اولاد کا ذکر ہے اس لئے یہ نام رکھا گیا ہے جس طرح گزشتہ سورۃ کا نام سورۃ بقرہ یعنی (گائے کا ذکر) تھا تو اس مناسبت سے اُس کا نام سورۃ بقرہ رکھا گیا تھا یہ سورۃ بالاتفاق مدنی ہے اور ترتیب نزول میں ۸۹ نمبر پر ہے اور ترتیب تلاوت میں تیسرے نمبر پر ہے اور اس کی دوسو آیات ہیں اور ۹ھ میں نازل ہوئی ہے۔

حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ عمران دو ہیں ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد اور دوسرے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے والد، چونکہ اس سورۃ میں زیادہ تر حضرت مریم سلام اللہ علیہا اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اس لیے یہاں پر عمران سے مراد حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے والد ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد پیغمبر نہیں تھے اور نہ حضرت مریم کے والد پیغمبر تھے البتہ یہ دونوں حضرات نیک صالح اور ایماندار تھے تاہم حضرت مریم کے والد عمران ''بیت المقدس'' کے امام تھے اور حضرت مریم کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔

ربط آیات ❶ گزشتہ سورۃ کے آخر میں تھا "فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ" کہ کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد ونصرت فرما، اور مدد ونصرت دو قسم کی ہوتی ہے باللسان اور بالسنان یعنی زبانی اور تلوار کے ساتھ اس سورۃ میں دونوں کا ذکر ہے پہلے نصرت باللسان کا ذکر ہے کہ نجران کے عیسائیوں کو زبان سے مغلوب کیا گیا اور آگے نصرت بالسنان کا ذکر ہے جو غزوہ بدر کی صورت میں پیش آئی ہے۔ (محصلہ بیان القرآن: ص:۱۱: ج۔۲)

❷ حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں سورۃ بقرہ میں یہود مخاطب بالذات تھے اور نصاریٰ بالتبع اور اس سورۃ آل عمران میں نصاریٰ کی اصلاح مقصود بالذات ہے اور یہود کی بالتبع اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ کا بھی یہی خیال ہے۔

❸ جس سورۃ میں جس قوم کی اصلاح پیش نظر ہوتی ہے بطور براعۃ استہلال اسی کے خیالات کو مدنظر رکھ کر ابتداء سورۃ میں تمہید اٹھائی جاتی ہے چنانچہ سورۃ بقرہ میں یہود مخاطب تھے اس لیے انہیں "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ" سے دعوت دی گئی تھی، اور نصاریٰ چونکہ مسئلہ توحید میں غلطی کر چکے تھے اور تثلیث فی التوحید کے قائل ہو گئے تھے، اس لیے آل عمران میں انہیں "لا الٰہ الا اللہ" کی طرف دعوت دی گئی۔ (ترجمہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

موضوع سورۃ: نصاریٰ کے لئے دعوت الی التوحید کے ضمن میں اہل عرب کی اصلاح اور اہل ایمان کے لئے احکامات ضروریہ کا بیان ہے

خلاصہ سورۃ: اس سورۃ کی تقریباً اسّی آیات میں نجران کے عیسائی وفد کے ساتھ جو مناظرہ ہوا اس کا ذکر ہے، عیسائیت کی تردید میں حضرت مریم سلام اللہ علیہا، حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر اٹھایا جانا، یہود کی دینی اور مالی خیانت، مسلمانوں کو اعتصام واتفاق کی تاکید، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم، بدر کی فتح، پچپن آیات میں احد کی شکست اور اس کے اسباب اور اس کی حکمتوں کا بیان۔ شہداء کی فضیلت، کعبۃ اللہ کی فضیلت، حج کی فرضیت۔ کفار اور اہل کتاب سے دوستی کی ممانعت، اس کے علاوہ غزوہ حمراء الاسد اور اس کے بعد پچیس آیات میں منافقین کا تذکرہ اور سورۃ کے اختتام میں کامیابی کے چار اصول بیان فرمائے ہیں۔

❶ صبر۔ ❷ مصابرہ۔ ❸ مرابطہ۔ ❹ تقویٰ۔ صبر: کا مطلب یہ ہے کہ میدان جہاد میں دشمنوں سے زیادہ تم صبر کا مظاہرہ دکھاؤ، ایسا نہ ہو کہ کافر ومشرک صبر میں اور جرأت وشجاعت وہمت میں تم سے سبقت لے جائیں۔ (کشاف ج:۱ ص۔۴۶۰)

مصابرہ: کا مطلب قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سب سے زیادہ صبر کی ضرورت نفس کی خواہشات کا مقابلہ کرنے سے ہوگی۔ (بیضاوی ج ۲ ص ۶)

مرابطہ: کا مطلب یہ ہے کہ دشمنان دین سے مقابلہ کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھنا۔ (بیضاوی ج:۲ ص۔۱۳۷)

تقویٰ: کا مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں اور ہر جگہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ تقویٰ کی مزید تفسیر سورۃ بقرہ کی آیت (۲) میں دیکھ لیں۔

فضیلت سورۃ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ دو روشن سورتیں یعنی بقرہ اور آل عمران کو پڑھا کرو۔ (مسلم شریف ج:۱ ص۔۲۷۰)

اور حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن قرآن کو لایا جائے گا جس کے آگے آگے سورۃ بقرہ اور آل عمران ہوں گی۔ (مسلم شریف حوالہ بالا قرطبی: ص:۶ ج:۴، مظہری: ص:۲۰۸ ج:۲، تفسیر منیر: ص:۱۴۲ ج۔۳)

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ وَهِيَ مِائَتَا اٰيَةٍ وَعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الٓمّٓ ۝١ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝٢ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا

الم ﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں (کوئی عبادت کے لائق نہیں) وہی ہے زندہ تھامنے والا ﴿۲﴾ اس نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری ہے تصدیق کرنے والی ہے ان کی جو

بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝٣ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ

اس سے پہلے ہیں اور اس نے اتاری ہے تورات اور انجیل ﴿۳﴾ اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے، اور نازل کیا اس نے

الْفُرْقَانَ ۛ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ

فرقان (فیصلہ کرنے والی بات) بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اللہ کی آیتوں کے ساتھ ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غلبے والا

ذُو انْتِقَامٍ ۝٤ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۝٥

انتقام لینے والا ہے ﴿۴﴾ بے شک اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں ﴿۵﴾

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٦

وہ وہی ہے جو تمہاری تصویر بناتا ہے (نقشہ بناتا ہے) رحموں کے اندر جس طرح چاہے کوئی عبادت کے لائق نہیں اس کے سوا وہی ہے کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا ﴿۶﴾

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ

وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری اس میں بعض آیتیں محکم ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری

مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ

متشابہ ہیں پس جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھاپن ہے پس وہ پیچھے لگتے ہیں متشابہات کے

ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ

اور اس میں تلاش کرتے ہیں گمراہی اور تلاش کرتے ہیں ان کی تاویلیں حالانکہ نہیں جانتا ان کی تاویل مگر اللہ اور جو پختہ ہیں

فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۞

علم میں وہ کہتے ہیں ہم ایمان لاتے ہیں ان سب پر یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نہیں نصیحت پکڑتے مگر عقلمند لوگ ﴿۷﴾

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۞

اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر جبکہ تونے ہدایت بخشی ہے اور بخش ہمارے لیے اپنی طرف سے مہربانی بیشک تو ہی بخشش کرنے والا ہے ﴿۸﴾

رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۞

اے ہمارے رب تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو اس دن میں جس میں کوئی شک نہیں بے شک اللہ جو وعدہ کرتا ہے اس کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرتا ﴿۹﴾

ع ۱

خلاصہ رکوع ❶ دعویٰ توحید، دلیل عقلی، دلیل نقلی ووحی سے نصاریٰ اور مشرکین کو دعوت الی التوحید، جامعیت قرآن مصدق انبیاء منکرین توحید کے لئے وعید، تتمہ دلیل نقلی جزء دوم، نتیجہ ادلہ سابقہ، قرآنی الفاظ پر شبہات کا ازالہ، تمیز بین الزائغین والراسخین، علامت اہل زیغ، راسخین کے اوصاف وکمالات۔ ا۔ ۲۔ ۳۔ ماخذ آیات ۲ تا ۹ +

شان نزول : مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تفسیر عثمانی میں اور دیگر مفسرین لکھتے ہیں کہ یمن کے نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد جو تقریباً ساٹھ افراد پر مشتمل تھا جن میں چودہ سرکردہ آدمی اور تین سردار تھے، ان میں عبدالمسیح عاقب امارت اور سیادت کے اعتبار سے اعلیٰ حیثیت رکھتا تھا۔ "ایھم السید" عقلمندی اور تدبیر میں کامل تصور کیا جاتا تھا۔ اور تیسرا شخص ابو حارثہ بن علقمہ مذہبی اعتبار سے ایک جید عالم پادری وسیع عالم اور معزز شخص تھا۔ یہ آدمی دراصل عربوں کے مشہور قبیلہ بکر بن وائل سے تعلق رکھتا تھا، اس قبیلہ نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا، روم کے عیسائی بادشاہ نے انہیں جاگیریں بخشیں اور ان کی بڑی قدر ومنزلت کی انہیں ایک بہت بڑا گرجا بنا کر دیا تھا۔ (تفسیر عثمانی: ص: ۲۰۷، ج: ا، وقرطبی: ص: ۸، ج: ۴، ومعالم التنزیل: ص: ۲۱۱، ج: ۱)

مؤرخین کے اقوال، سیرت کی کتابوں اور ذخیرہ احادیث سے وفد نجران کی آمد کے دو مقاصد سمجھ میں آتے ہیں۔

وفد نجران کا پہلا مقصد : اس وفد کا پہلا مقصد سیاسی تھا یہ وہ زمانہ تھا جب مکہ فتح ہو کر عرب کی پوری سرزمین اور یمن کے کچھ علاقے بھی مسلمانوں کے زیر نگین آچکے تھے۔ اور نجران کے یہ عیسائی مسلمانوں سے بہت زیادہ خائف تھے۔ ادھر مدینہ طیبہ کے اردگرد یہودیوں کی اکثریت بھی جن میں تین خاندان بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ بڑے متعصب یہودی تھے سود خور اور سازشی ذہن کے حامل تھے۔ ان کی اس خباثت کی وجہ سے ان میں سے دو قبیلوں یعنی بنو نضیر اور بنو قینقاع کو جلا وطن کردیا گیا تھا۔

تیسرے قبیلہ بنو قریظہ کا فیصلہ جنگ خندق کے بعد کیا گیا تھا، ان لوگوں نے اس جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ غداری کی تھی، چنانچہ جنگ کے بعد ان کا مقدمہ پیش ہوا کہ وہ اپنی سزا خود ہی تجویز کریں انہوں نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اس سلسلے میں

اپنا فیصل تسلیم کیا، انہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ ان کے تمام مردوں کو جن کی تعداد چار سو یا چھ سو تھی قتل کر دیا جائے، ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے، اور ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ چنانچہ اس فیصلہ پر عمل کر کے ان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا گیا۔ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہے۔

ان واقعات سے نجران کے عیسائی سخت ڈرے ہوئے تھے کہ کہیں مسلمان ان کے ساتھ بھی یہودیوں جیسا سلوک نہ کریں، لہٰذا انہوں نے اس وفد کے ذریعے مسلمانوں سے صلح کرنے اور ان سے امان حاصل کرنے کی کوشش کی جزیہ ادا کر کے مسلمانوں کے زیر تسلط اپنے ہی علاقے میں آباد رہنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

وفد نجران کا دوسرا بڑا مقصد: عیسائیت کی تبلیغ تھا ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں وہ خود خدا ہیں۔ اس عقیدہ اور نظریے کی بنیاد پر آنحضرت ﷺ سے بحث ومباحثہ کرنا چاہتے تھے جس کا ذکر آگے آتا ہے کہ یہ لوگ اگر آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں تو پھر آپ ان کو دعوت مباہلہ دے دیں کہ تم اپنی اولاد اور عورتوں کے ساتھ میدان میں نکل آؤ جو جھوٹا ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کریں مگر عیسائیوں نے آپ ﷺ کے اس چیلنج کو قبول نہ کیا جس کا آگے ذکر (آیت۔ ۶۱) میں آتا ہے۔

موضوع بحث مسئلہ الٰہ تھا: چونکہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ مانتے ہیں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت کی چار صفات بیان کر کے ان سے پوچھا کیا یہ صفات حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں پائی جاتی ہیں؟

پہلی صفت: کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ازلی اور ابدی ہیں جن کو کبھی فنا نہ آئے؟ عیسائیوں نے اقرار کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حیات ابدی اور سرمدی حاصل نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے دوسرا سوال یہ کیا کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا علم ہر چیز پر محیط ہے کہ ان سے کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو؟ انہوں نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ پھر آپ ﷺ نے تیسرا سوال کیا کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ سے پیدا نہیں ہوئے؟ انہوں نے کہا بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے چوتھا سوال کیا کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام قادر مطلق ہیں کہ انہیں ہر چیز پر تصرف کامل حاصل ہے عیسائیوں کا وفد یہ بات بھی ثابت نہ کر سکا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ چاروں صفات الوہیت کی صفات ہیں اگر تمہارے قول کے مطابق ان سب میں سے ایک بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں نہیں پائی جاتی تو پھر انہیں الٰہ کیسے تسلیم کرتے ہو؟ ان چاروں سوالات کے جوابات سے عیسائیوں کا وفد لاجواب ہو گیا اور دعوت مباہلہ سے راہ فرار اختیار کیا جیسا کہ تفصیل اسی سورۃ کی آیت ۶۱: میں آرہی ہے۔

﴿۱﴾ الٓمّٓ: حروف مقطعات میں سے ہے اور اس پر بحث سورۃ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔

﴿۲﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ :دعویٰ توحید :اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ :دلیل عقلی :اس میں عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث اور عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ازلی اور ابدی کی تردید ہے۔ اللہ تعالیٰ حی زندہ ہے جس پر کبھی موت طاری نہیں ہو سکتی اس نے تمام مخلوقات کو وجود عطا کیا اور سامان بقاء پیدا کر کے ان کو اپنی قدرت کاملہ سے تھام رکھا ہے۔ برخلاف عیسیٰ علیہ السلام کے ان پر یقیناً موت اور فنا آئے گی۔

قرآن وحدیث سے کلمہ طیبہ کا ثبوت: حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ جس کو کلمہ توحید بھی کہا جاتا ہے جس کثرت سے قرآن پاک اور حدیث شریف میں ذکر کیا گیا ہے شاید ہی اس کثرت سے کوئی دوسری چیز ذکر کی گئی ہو۔ (فضائل اعمال ۴۵۱) پورا کلمہ طیبہ یعنی "لا الہ الا اللہ" (سورۃ محمد) یا کسی معمولی تغیر کے ساتھ جیسے یہاں "اللہ لا الہ الا ھو" وغیرہ اور اس کا دوسرا جزو سورۃ فتح میں موجود ہے۔ "محمد رسول اللہ" اور احادیث میں دونوں جزوًا اکٹھے موجود ہیں چنانچہ حافظ ابن عساکر دمشقیؒ (۵۷۱ھ) نے اسے یکجا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور حضرت ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) نے اسے اس طرح یکجا حضرت امام حسن بصری (۱۱۰ھ) سے روایت کیا ہے، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

سے نقل کرتے ہیں کہ "تنز کی" سے مراد یہ ہے کہ، لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ (فضائل اعمال ص ۴۵۹) تو انہوں نے بھی دونوں جزو کو یکجا جمع کیا ہے اور دونوں اجزاء یکجا جمع ہونے پر صحیح حدیث بھی موجود ہے۔ چنانچہ مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ لکھتے ہیں : عن انس رضی اللہ عنہ قال : "قال رسول الله صلی الله علیه وسلم دخلت الجنة فرأیت فی عارضتی الجنة مکتوبًا ثلاثة اسطر بالذهب السطر الاول لا اله الا الله محمد رسول الله والسطر الثانی ما قدمنا و جدنا و ما اکلنا ربحنا وما خلفنا خسرنا، ولسطر الثالث، امة مذنبة ورب غفور، رواه الرافعی و ابن النجار وهو حدیث صحیح، الجامع الصغیر ج ا ص ۶۴۵"

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں جنت میں داخل ہوا تو میں جنت کے دونوں طرف تین سطریں سونے کے پانی سے لکھی ہوئی دیکھیں، پہلی سطر "لا اله الا الله محمد رسول الله" دوسری سطر "جو ہم نے آگے بھیج دیا یعنی صدقہ وغیرہ کر دیا اس کا ثواب ہمیں مل گیا اور جو دنیا میں ہم نے کھا پی لیا اس کا ہم نے نفع اٹھا لیا اور جو کچھ ہم نے چھوڑ آئے اس میں ہمیں نقصان ہوا" تیسری سطر "امت گنہگار ہے اور رب بخشنے والا ہے" (رافعی، ابن نجار، جامع صغیر، بحوالہ منتخب احادیث ص ۱۴۷ فضائل اعمال ص ۴۹۸) یاد رکھیں اگر کلمہ طیبہ کے یکجا جمع پر ضعیف احادیث ہیں تو وہ بھی قابل عمل ہیں اور ان کو ضعیف کہنا بھی درست نہیں ہے اس لیے کہ ان احادیث کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے جس کے لیے سند کی بھی ضرورت نہیں ہے اور یہ کلمہ امت کے چودہ سو سال کے اجماع سے ثابت ہے تو الحمد للہ کلمہ طیبہ کا ثبوت دلائل قطعیہ یقینیہ سے ہے جس میں شکوک وشبہات پیدا کرنا کوئی دینی خدمت نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کے ایمان کو شک میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

﴿۳﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ : دلیل نقلی ووحی سے نصاریٰ اور مشرکین کو دعوت الی التوحید : جس میں بتایا گیا ہے کہ الوہیت یا ابنیت مسیح کا عقیدہ اور فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہونے کا عقیدہ کسی آسمانی کتاب میں موجود نہ تھا کیونکہ اصول دین کے اعتبار سے تمام کتب سماویہ متفق ومتحد ہیں اور ان کتب میں مشرکانہ نظریات کی تعلیم کبھی نہیں دی گئی۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ : جامعیت قرآن: وہ تصدیق کرتا ہے اس آسمانی کتابوں کی جو اس سے پہلے آچکی ہیں اور اسی طرح بھیجا تھا تورات وانجیل کو اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے۔

﴿۴﴾ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ... الخ مصدق انبیاء : اس میں اشارہ ہے کہ جن مسائل میں یہود ونصاریٰ انبیاء سے اختلاف کرتے تھے ان کا فیصلہ قرآن کریم کے ذریعہ کر دیا گیا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ : منکرین توحید کے لئے وعید۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ : اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کے قادر مطلق ہونے کا ابطال ہے کہ جو اپنے آپ کو ظالموں کے پنجہ سے نہ چھڑا سکے بالآخر اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھا لیا وہ اقتدار کلی اور ہر چیز پر تصرف کا اختیار کس طرح رکھ سکتا ہے۔ پھر خدا کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے؟

﴿۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ الخ تتمہ دلیل نقلی جزء اول: اس میں بتلایا گیا ہے کہ علم محیط اللہ تعالیٰ کی صفت ہے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق علم محیط کا دعویٰ باطل ہے وہ تو اس قدر جانتے تھے جتنا اللہ تعالیٰ نے ان کو بتلایا تھا باقی تمام مجرموں کے جرم اور ان کی نوعیت ومقدار اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اس کا اقرار خود نجران کے عیسائیوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے کیا اور آج بھی مروجہ اناجیل سے ثابت ہے۔

﴿۶﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ ... الخ جزء دوم : عیسائیوں کا اعتراض تھا کہ جب ظاہری طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ

نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہوسکتا ہے؟ تو اس کا جواب دیا کہ "یُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ" اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت تامہ ہے کہ جس طرح چاہے آدمی کا نقشہ اور تصویر تیار کرے خواہ ماں باپ دونوں کے ملنے سے یا صرف ماں کا قوت اثر قبول کرنے سے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا یا دونوں کے بغیر جیسے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء کو پیدا فرمایا۔

لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ : نتیجہ ادلۂ سابقہ۔ اس لیے فرمایا "الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ" یعنی زبردست ہے جس کی قدرت کو کوئی محدود نہیں کرسکتا۔ حکیم جہاں جیسا مناسب جانتا ہے کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی، ص: ۷۴، ج۔۱)

﴿۷﴾ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ ... الخ قرآنی الفاظ پر شبہات کا ازالہ: جب نصاریٰ کا عقیدہ تثلیث کا بطلان ثابت ہوگیا، تو ان لوگوں نے قرآن کے الفاظ پر کچھ شبہات پیش کئے۔ ایک شبہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن کریم میں روح اللہ یا کلمۃ اللہ کہا گیا ہے، اور ان الفاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شرکت الوہیت ثابت ہوتی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کو اس آیت سے دور فرمایا کہ یہ کلمات متشابہات میں سے ہیں، ان کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے درمیان ایک راز ہیں جن کی حقیقت پر عوام مطلع نہیں ہوسکتے بلکہ ان الفاظ کی تحقیق میں بھی پڑنا جائز نہیں ہے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ ... الخ تمیز بین الزائغین والراسخین۔ فَيَتَّبِعُونَ : علامت اہل زیغ۔ "تاویله" غلط مطلب "تاویله" صحیح مطلب۔ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ ... الخ اس سے کون لوگ مراد ہیں اس میں مختلف اقوال ہیں۔ سب سے راجح قول یہ ہے کہ اس سے مراد اہل سنت والجماعت ہیں (مظہری، ص: ۱۱، ج۔۲) جو قرآن کریم کی تعلیمات کا محور اور مرکز محکمات کو مانتے ہیں۔ اور متشابہات کے جو معانی فہم وادراک سے باہر ہیں انھیں اپنی قصور علمی کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں، اور دونوں قسم کی آیات کا سرچشمہ ایک ہی ذات کو مانتے ہیں۔ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ : راسخین کا وصف وکمال۔۱۔

﴿۸﴾ رَبَّنَا لَا تُزِغْ ... الخ راسخین کا وصف وکمال۔۲۔

ربط : گزشتہ آیت میں راسخون فی العلم کا ذکر تھا کہ باوجود علمی کمال رکھنے کے اس پر مغرور نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کرتے ہیں اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ ان کے دوسرے وصف وکمال کو بیان فرمارہے ہیں کہ وہ عجب سے خالی ہیں بلکہ وہ سب کچھ عنایات خداوندی سمجھتے ہیں۔

﴿۹﴾ وصف وکمال : ۳۔ ایمان بالآخرۃ رکھتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا ہرگز کام نہ آئیں گے ان کے لئے ان کے مال اور نہ ان کی اولادیں اللہ کے سامنے

وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ

اور یہی لوگ ہیں دوزخ کے ایندھن ﴿۱۰﴾ (ان کا حال ایسا ہی ہے) مثل عادت آل فرعون کے ان لوگوں کے جو ان سے پہلے گزرے ہیں

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلْ

انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا پس پکڑا اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کے بدلے اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ﴿۱۱﴾ آپ کہہ دیجئے

لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ كَانَ

ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا کہ تم مغلوب ہوگے اور اکٹھے کئے جاؤ گے جہنم کی طرف اور بہت بڑا ٹھکانہ ہے ﴿۱۲﴾ تحقیق

لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ

تمہارے لیے نشانی ہے ان دوگروہوں میں جو آپس میں ٹکرائے ایک گروہ اللہ کے راستے میں لڑتا ہے اور دوسرا کفر کرنے والا ہے

يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

دیکھتے ہیں ان کو اپنے سے دگنا آنکھ کے ساتھ دیکھنا اور اللہ تعالیٰ تائید کرتا ہے اپنی مدد سے جس کو چاہے بے شک اس میں

لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿١٣﴾ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ

عبرت ہے آنکھیں رکھنے والوں کے لیے ﴿۱۳﴾ مزین کی گئی ہے لوگوں کے لئے مرغوب چیزوں کی محبت عورتوں سے اور بیٹوں سے

وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ

اور سونے چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانوں سے اور عمدہ نشان لگے ہوئے گھوڑوں سے اور مویشیوں سے اور کھیتی سے

ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ﴿١٤﴾ قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِنْ

یہ تو دنیا کی زندگی میں فائدہ اٹھانے کا سامان ہے اور اللہ کے ہاں بہترین ٹھکانہ ہے ﴿۱۴﴾ (اے پیغمبر ﷺ) آپ کہہ دیجئے کیا میں تمہیں ان چیزوں سے بہتر نہ بتاؤں

ذَٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَ

ان لوگوں کے لئے جو ڈرتے رہے ان کے رب کے ہاں باغات ہیں ان کے سامنے نہریں جاری ہیں یہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور

أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿١٥﴾ الَّذِينَ يَقُولُونَ

بیویاں ہیں پاکیزہ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اللہ تعالیٰ نگاہ میں رکھتا ہے بندوں کو ﴿۱۵﴾ وہ لوگ جو کہتے ہیں

رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾ الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ

اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم ایمان لائے ہیں پس بخش دے ہم کو ہمارے گناہ اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا ﴿۱۶﴾ وہ صبر کرنے والے ہیں اور سچائی والے ہیں

وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ﴿١٧﴾ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ

اور اطاعت کرنے والے ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں اور بخشش طلب کرنیوالے ہیں سحریوں کے وقت ﴿۱۷﴾ اللہ نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا عبادت کے کوئی لائق نہیں

إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾

اور فرشتوں نے بھی اور اہل علم نے بھی وہ قائم ہے انصاف کے ساتھ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے وہ زبردست اور حکمت والا ہے ﴿۱۸﴾

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ

بے شک سچا اور پسندیدہ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے اور نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی مگر اس کے بعد

مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ

کہ ان کے پاس علم آگیا سرکشی کرتے ہوئے اپنے درمیان اور جو شخص اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ جلدی

الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُل

حساب لینے والا ہے ﴿۱۹﴾ پس اگر یہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہہ دیجئے میں نے سونپ دیا ہے اپنے چہرے کو اللہ کے لئے اور ان لوگوں نے بھی جنہوں نے میری پیروی کی اور آپ

لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا

ان لوگوں سے کہہ دیجئے جن کو کتاب دی گئی اور ان پڑھوں سے کیا تم اسلام لاتے ہو پس اگر وہ اسلام لائیں تو بے شک وہ ہدایت پاگئے اور اگر منہ پھیر دیں

فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

پس بیشک تیرے ذمے پہنچا دینا ہے اور اللہ نگاہ میں رکھنے والا ہے بندوں کے حالات ﴿۲۰﴾

ع ۱۰

﴿۱۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ... الخ ربط آیات : پہلے نصرت باللسان کا ذکر تھا اب کفار کا مقولہ ذکر کرتے ہیں کہ کفار نے مسلمانوں سے کہا تم کہتے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں حالانکہ نہ تمہارے پاس مال ہے نہ اولاد۔

خلاصہ رکوع : ❷ نتیجہ دنیوی، نتیجہ اخروی، نمونہ تخویف دنیوی، نتیجہ تکذیب، فرائض خاتم الانبیاء وعید مغلوبیت، نمونہ مغلوبیت سے جنگ بدر کی کیفیت، اسباب محرومی، تفصیل حسن مآب، بعضے اوصاف متقین، رجوع مضمون توحید یعنی نقلی دلائل حقانیت اسلام، تنبیہ اہل کتاب، سلوک الرسول بالمعاندین، فرائض خاتم الانبیاء۔ ماخذ آیات ۱۰: تا ۲۰ +

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ : نتیجہ دنیوی : شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ وضوح حق کے بعد جو لوگ محض دنیوی متاع (اموال و اولاد وغیرہ) کی خاطر ایمان نہیں لاتے وہ خوب سمجھ لیں کہ مال و دولت اور جتھے نہ ان کو دنیا میں خدائی سزا سے بچا سکتے ہیں۔ وَاُولٰٓئِکَ هُمْ : نتیجہ اخروی : نہ آخرت میں عذاب عظیم سے بچا سکتے ہیں۔

﴿۱۱﴾ کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ : نمونہ تخویف دنیوی : ان لوگوں کا معاملہ ایسا ہے جیسا معاملہ تھا فرعون والوں کا اور ان سے پہلے والے کافر لوگوں کا وہ معاملہ یہ تھا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو یعنی اخبار و احکام کو جھٹلایا۔

ترکیب : یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے "ای دأبهم کدأب"۔ (مظہری: ص: ۱۴: ج۔۲)

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ : نتیجہ تکذیب : اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی۔

﴿۱۲﴾ فرائض خاتم الانبیاء سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ : وعید مغلوبیت دنیا و آخرت۔ "سَتُغْلَبُوْنَ" دنیا میں یعنی یہود و نصاریٰ اور مشرکین غزوہ بدر میں جب مسلمانوں کو فتح اور کفار و مشرکین کو شکست ہوئی تو یہودی کہنے لگے کہ تم ناتجربہ کار لوگوں سے لڑے ہو آؤ ہمارے ساتھ لڑ دتا کہ پتہ چل جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿۱۳﴾ قَدْ کَانَ لَکُمْ ... الخ نمونہ مغلوبیت سے جنگ بدر کی کیفیت۔ ربط : گزشتہ آیات میں کفار کے مغلوب ہونے کی خبر دی گئی تھی اب اس آیت میں جنگ بدر کی کیفیت اور نمونہ مغلوبیت کو بیان کیا گیا ہے۔ جس میں کفار کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی جن کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے، دوسری طرف مسلمان مجاہدین تین سو سے کچھ اوپر تھے جن کے پاس کل ستر اونٹ دو گھوڑے چھ زرہ اور آٹھ تلواریں تھیں اور تماشہ یہ تھا کہ ہر ایک فریق کو حریف مقابل دوگنا نظر آتا تھا۔

(عثمانی: ص ۷۷، ج۔۱)

يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ :اس کی دو ترکیبیں ہیں جس طرح اوپر تفسیر سے واضح ہے۔ ❶ یرون : کی ضمیر مسلمانوں کی طرف راجع ہے یعنی مسلمانوں نے کافروں کو اپنے سے دوگنا دیکھا۔ ❷ یرون : کی ضمیر کافروں کی طرف راجع ہے یعنی کافر اپنے آپ کو مسلمانوں سے دوگنا دیکھنے لگے۔ (مظہری،ص:۱۶،ج۔۲)

الغرض جب مسلمانوں نے کافروں کو اپنے آپ سے اکثریت میں دیکھا تو ایمان کے جذبات بھڑکے اور حق تعالیٰ کی طرف زیادہ متوجہ ہوئے اور کامل توکل واستقلال کے ساتھ خدا کے وعدہ پر اعتماد کرکے فتح ونصرت کی امید رکھتے تھے۔

لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ :جنگ بدر میں (جس کا قصہ سورۃ الانفال کی آیت:۶۵ میں ہے) ایک مسلمان کے برابر تین کافر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے دو کے برابر کرکے دکھایا تاکہ مسلمان خوف نہ کھائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اس سے چاہئے کہ سب کافر عبرت پکڑیں۔

﴿۱۴﴾ زُيِّنَ لِلنَّاسِ... الخ اسباب محرومی : ربط : گزشتہ آیات میں کفار ومشرکین کی مخالفت اور ان کے مقابلہ میں جہاد کا ذکر تھا اور اب ان آیات میں اسباب محرومی کو بیان کیا گیا ہے وہ دنیا کی محبت ہے، کوئی جاہ ومال کے لالچ میں حق کی مخالفت کرتا ہے کوئی نفسانی خواہشات کی وجہ سے اور کوئی اپنی آبائی رسوم کی محبت کی وجہ سے حق کے مقابلہ پر کھڑا ہے ان ساری چیزوں کا نچوڑ اور خلاصہ دنیا کی محبت ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی محبت ایک فطری چیز ہے مگر اس میں حد سے زیادہ غلو کرنا باعث ہلاکت ہے۔ ان چیزوں کی محبت طبعی طور پر انسان کے دلوں میں ڈال دی ہے جس میں ہزاروں حکمتیں ہیں۔

ان میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ ان چیزوں کی طرف انسان طبعی طور پر مائل نہ ہوتا تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہوجاتا کسی کو کیا غرض تھی کہ وہ محنت مزدوری کرتا، تو دنیا کی مرغوب، اشیاء نے ہر ایک انسان کو اپنے گھر سے نکالا اور دنیا کے تمدنی نظام کو نہایت مضبوط ومستحکم اصول پر قائم کردیا ہے۔ دوسری حکمت یہ بھی ہے کہ اگر دنیوی نعمتوں سے انسان کو رغبت نہ ہوتی تو اس کو اخروی نعمتوں کا ذائقہ معلوم نہ ہوتا اور ان کو حاصل کرنے کی رغبت پیدا نہ ہوتی، تو پھر اس کو کیا ضرورت تھی کہ محنت کرکے جنت حاصل کرے اور برے اعمال سے بچ کر جہنم سے نجات حاصل کرے۔

تیسری حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ان اشیاء کی محبت انسان کے دل میں پیدا کرکے اس کو امتحان میں مبتلا کیا گیا ہے کہ کون ان اشیاء میں لگ کر اپنے خالق ومالک کو بھولتا ہے اور کون مرغوبات یاد رکھتا ہے۔ الغرض ضرورت کیلئے کمانا محنت کرنا اور اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرنا جائز ہے۔ (محصلہ معارف القرآن م۔ش۔د)

سُؤَالٌ :اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا کی ان مرغوب چیزوں کو انسان کے لیے اللہ تعالیٰ نے مزین کیا ہے جب کہ بعض دوسری آیات میں ان کی تزیین کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں ایسی چیزوں کی تزیین مراد ہے جو شرعاً اور عقلاً بری ہیں۔ یا تزیین کا وہ مرتبہ مراد ہے جو حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے برا ہے ورنہ مباحات کو مزین کردینا مطلقاً برا نہیں اور اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ ہر چیز کی تزیین کے مادہ کو اللہ نے پیدا کیا ہے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور شیطان کی طرف جو نسبت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تزیین کی دو قسمیں بنائی ہیں (۱) جائز (۲) ناجائز، ناجائز کی نسبت شیطان کی طرف ہے، شیطانی تزیین کا ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ اَلْمُسَوَّمَةِ :اس لفظ کے تین معانی ہیں۔ ❶ خوبصورت گھوڑے۔ ❷ تام الخلقت گھوڑے۔ ❸ نشان لگائے ہوئے گھوڑے۔ یاد رکھیں آج مسلمان دنیا کے سامان جمع کرنے کے چکر میں پھنسا ہوا ہے اور یہی چیز اس کے لیے باعث ذلت ہے۔

﴿۱۵﴾ تفصیل حسن مآب : یعنی نفاست نعمائے آخرت۔ ﴿۱۶،۱۷﴾ بعض اوصاف متقین۔

مسلمانوں کی ذلت کے چار اسباب

حضرت بنوریؒ بصائر و عبر میں لکھتے ہیں کہ: آج مسلمانوں کی ذلت کا سبب وسائل کی کمی نہیں بلکہ اس کا اصل باعث ہمارا باہمی شقاق و نفاق ہے، ہم نے اجتماعی ضروریات پر شخصی اغراض کو مقدم رکھا، انفرادی مصالح کو قومی مصالح پر ترجیح دی، راحت و آسائش کے عادی ہوگئے، روح جہاد کو کچل ڈالا اور آخرت اور جنت کے عوض جان و مال کی قربانی کا جذبہ سرد پڑ گیا۔ یہ ہیں وہ اسباب جن کی بدولت مسلمان قوم اوج ثریا سے ذلت و حقارت کی عمیق وادیوں میں جا گری۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو امام ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا، اہل علم کے حلقہ میں معروف ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ زمانہ قریب ہے جب کہ تمام اسلام دشمن قومیں تمہارے مقابلے میں ایک دوسرے کو دعوتِ ضیافت دیں گی، ایک صاحب نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا اس وجہ سے کہ اس دن ہماری تعداد کم ہوگی؟ فرمایا: نہیں! بلکہ تم بڑی کثرت میں ہوگے لیکن تم سیلاب کے جھاگ کی مانند ہوگے، اللہ تعالیٰ دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری اور دوں ہمتی ڈال دے گا، ایک صاحب نے عرض کیا، یارسول اللہ! دوں ہمتی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: دنیا کی چاہت اور موت سے گھبرانا''۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الامم علی الاسلام ج ۲ ص ۵۹ ،، ط: حقانیہ پشاور مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب تغیر الناس، الفصل الثانی ج ۲ ص ۴۵۹ ،، ط: قدیمی)۔

بہر حال جب ہم مسلمانوں کی موجودہ ناگفتہ بہ زبوں حالی کے اسباب کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمارے سامنے چند چیزیں ابھر کر آتی ہیں جن کی طرف ذیل میں نہایت اختصار سے اشارہ کیا جاتا ہے: اول: اعداء اسلام پر وثوق و اعتماد اور بھروسہ کرنا (خواہ روس ہو یا امریکہ و مغربی اقوام) ظاہر ہے کہ کفر اپنے اختلافات کے باوجود ایک ہی ملت ہے، اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل اور مسلمانوں پر بھروسہ نہ کرنا جب کہ تمام مسلمانوں کو حکم ہے کہ: وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (آل عمران۔ ۱۶۰)

صرف اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے مسلمانوں کو۔

اس آیت میں نہایت حصر و تاکید کے ساتھ فرمایا گیا کہ مسلمانوں کو اللہ رب العزت کے سوا کسی شخصیت پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔

دوم: مسلمانوں کا باہمی اختلاف و انتشار اور خانہ جنگی، جس کا یہ عالم ہے کہ اگر وہ آپس میں کہیں مل بیٹھ کر صلح صفائی کی بات کرتے ہیں تب بھی ان کی حالت یہ ہوتی ہے۔ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى (الحشر۔ ۱۴)

بظاہر تم ان کو مجتمع دیکھتے ہو مگر ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔

سوم: توکل علی اللہ سے زیادہ مادی اسباب پر اعتماد، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان تمام اسباب و وسائل کی فراہمی کا حکم دیا ہے جو ہمارے بس میں ہوں اور جن سے دشمن کو مرعوب کیا جاسکے، لیکن افسوس ہے کہ ایک طرف سے تو ہم مادی اسباب کی فراہمی میں کوتاہ کار ہیں اور دوسری طرف فتح و نصرت کا جو اصل سرچشمہ ہے اس سے غافل ہیں، ارشاد خداوندی ہے: وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (آل عمران۔ ۱۲۶) نصرت و فتح تو صرف اللہ عزیز و حکیم کے پاس ہے اور اسی کی جانب سے ملتی ہے۔

تاریخ کے بیسوں نہیں سینکڑوں واقعات شاہد ہیں کہ کافروں کے مقابلہ میں بے سروسامانی اور قلتِ تعداد کے باوجود فتح و نصرت نے مسلمانوں کے قدم چومے۔

چہارم: دنیا سے بے پناہ محبت، عیش اور راحت پسندی، آخرت کے مقابلے میں دنیا کو اختیار کرنا، قومی اور ملی تقاضوں پر اپنے ذاتی تقاضوں کو ترجیح دینا اور روح جہاد کا نکل جانا، اس کی تفصیل طویل ہے قرآن کریم کی اس سورہ آل عمران اور سورہ توبہ میں نہایت عالی مرتبہ عبرتیں موجود ہیں۔ امت کا فرض ہے کہ اس روشن مینار کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔

بہرحال اللہ کے راستے میں کلمہ اسلام کی سربلندی کے لیے دشمنوں سے معرکہ آرائی راہِ خدا میں جہاد کرنا اور اسلام کی خاطر اپنی جان قربان کر دینا نہایت بیش قیمت جوہر ہے۔ قرآن کریم اور سیدنا رسول اللہ ﷺ نے اس کے دنیوی فوائد اور اخروی درجات کو ہر پہلو سے روشن کر دیا ہے اور اس کی وجہ سے امت محمدیہ پر جو عنایات الٰہیہ نازل ہوتی ہیں ان کے اسرار کو نہایت فصاحت و بلاغت سے واضح کر دیا ہے۔ فرمایا: قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ط لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ج اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ج اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۔ (آل عمران ۱۴۔۱۵۔۱۶)

﴿۱۸﴾ شَهِدَ اللّٰهُ ۔۔۔ الخ رجوع مضمون توحید یعنی نقلی دلیل ۔ ربط: گزشتہ آیات میں توحید کا ذکر تھا مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت میں بھی توحید خداوندی کا ایک خاص انداز میں ذکر ہے اور اس پر دلائل نقلی سے شہادتوں کا ذکر ہے۔ ایک تو خود اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے تمام مظاہر ومصنوعات اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی کھلی نشانیاں ہیں۔

دوسری شہادت اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے امور تکوینی کے اہلکار ہیں۔ تیسری شہادت اہل علم کی ہے اس سے مراد انبیاء علیہم السلام اور علماء کرام ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں اس آیت میں علماء کرام کی بڑی فضیلت کا ذکر ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور فرشتوں کی شہادتؑ کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا ہے۔ (ابن کثیر: ص: ۵۵۵: ج: ۲، وقرطبی: ص: ۴۴ج ۔ ۴)

اس آیت کی فضیلت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں دو یہودی عالم ملک شام سے آئے جیسے ہی آپؐ پر نظر پڑی توراۃ میں جو آپؐ کی صفات مذکور تھے وہ سب سامنے آگئے آپ سے پوچھا کہ آپ محمد (ﷺ) ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر انہوں نے دریافت کیا کہ آپؐ احمد ہیں آپ نے فرمایا میں محمد بھی ہوں اور احمد بھی ہوں پھر انہوں نے پوچھا اللہ کی کتاب میں سب سے بڑی شہادت کونسی ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے پڑھ کر ان کو سنائی وہ دونوں اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

(روح المعانی: ص: ۹۹ ۱۳: ج: ۳، وخازن: ص: ۲۳۷: ج: ۱، النھر الماد: ص: ۱۰۰ ۳ج: ۲، ومعالم التنزیل: ص: ۲۱۹: ج ۔ ۱)

﴿۱۹﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۔۔۔ الخ حقانیت اسلام ۔ ربط: گزشتہ آیت میں توحید خداوندی پر نقلی دلائل کا ذکر تھا جو اسلام کی جڑ اور بنیاد ہے اب اس آیت میں حقانیت اسلام کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ دین صرف دین اسلام ہے۔

دین اور اسلام کے الفاظ کی تشریح

عربی زبان میں لفظ دین کے چند معانی آتے ہیں جس میں ایک معنیٰ طریقہ بھی ہے قرآن کریم کی اصطلاح میں لفظ دین ان اصول واحکام کے لیے بولا جاتا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے آنحضرت ﷺ تک تمام انبیاء میں مشترک ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنی ذات اور جامع کمالات میں یکتا ہے اور تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں حساب وکتاب، جنت، جہنم، جزاء وسزا پر دل سے ایمان لانا اور زبان سے اقرار کرنا اور اس کے ہر نبی ورسول پر ایمان رکھنا اور وہ جو احکام لائے ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اور لفظ اسلام کا معنی ہے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا تو اس معنی کے اعتبار سے ہر نبی اور رسول پر ایمان لانے والوں کو مسلم کہا جائے گا، مگر بعض اوقات یہ لفظ خصوصیت سے اس دین و شریعت کے لیے بولا جاتا ہے، جو سب سے آخر میں آنحضرت ﷺ لے کر آئے ہیں۔ جس نے تمام گزشتہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ تو اس معنی کے لحاظ سے اب یہ لفظ صرف شریعت محمدی کے لیے مخصوص ہے تو اس اعتبار سے اسلام کا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول دین صرف دین اسلام ہے۔ اس پر قرینہ "وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ"۔ (سورۃ آل عمران آیت ۸۵) اور بعض حضرات اس کا معنی کرتے ہیں "اِنَّ الدِّيْنَ مَرْضِيًّا عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ"۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے اس پر قرینہ "وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا"۔
(سورۃ المائدہ آیت ۳) (معالم التنزیل: ص ۲۲۰ ج ۱، و خازن: ص ۲۳۷ ج ۱)

اور بعض حضرات اس کا معنی کرتے ہیں "اِنَّ الدِّيْنَ كَامِلاً عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ"۔ یعنی کامل دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے۔ اسپر قرینہ "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ"۔ (سورۃ المائدہ آیت۔ ۳)

اور لفظ شریعت یا منہاج یہ بعد کی اصطلاحات ہیں لفظ مذہب فروعی احکام پر بولا جاتا ہے۔ جو مختلف زمانوں اور مختلف امتوں میں مختلف ہوتے ہیں۔ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ... الخ تنبیہ اہل کتاب : یہ اختلاف کسی اشتباہ یا بے علمی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں سے حسد حب جاہ و مال کی وجہ سے کرتے تھے "سَرِيْعُ الْحِسَابِ" اول تو مرنے کے بعد اس عالم کا امتحان داخلہ قبر کے اس عالم میں ہوگا جس کو برزخ کہا جاتا ہے اور پھر تفصیلی حساب و کتاب قیامت میں ہوگا سب جھگڑوں کی حقیقت کھل جائے گی، باطل پرستوں کو اپنی حقیقت سامنے نظر آجائے گی اور اس کی سزا کے مظہر کو پالیں گے۔

دین اسلام کا ادیانِ عالم سے تقابلی جائزہ

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : ہمارا دعویٰ یہ نہیں کہ اور مذاہب اور دین بالکل ساختہ اور پرداختہ بنی آدم ہیں، بطور جعلسازی ایک دین بنا کر خدا کا نام لگا دیا۔ نہیں دو مذہبوں کو تو ہم یقیناً دین آسمانی سمجھتے ہیں ایک دین یہود اور ایک دین نصاریٰ، ہاں اتنی بات ہے کہ بوجہ تحریفِ بنی آدم کے رائے کی آمیزش بھی ان دونوں دینوں میں ہوگئی۔ باقی رہا دینِ ہنود (ہندوؤں) اس کی نسبت اگرچہ ہم یقیناً نہیں کہہ سکتے کہ اصل سے یہ دین بھی آسمانی ہے مگر یقیناً یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ دین اصل سے جعلی ہے، خدا کی طرف سے نہیں آیا کیونکہ اول تو قرآن شریف میں یہ ارشاد ہے "وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ"۔ (فاطر۔ ۲۴) جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی امت یعنی گروہ عظیم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو پھر کیونکر کہہ دیجئے کہ اس ولایت ہندوستان میں جو ایک عریض و طویل ولایت ہے کوئی ہادی نہ پہنچا ہو۔ کیا عجب ہے کہ جس کو ہندو صاحب اوتار کہتے ہیں اپنے زمانے کے نبی یا ولی یعنی نائب ہوں۔ دوسرے مقام پر قرآن شریف میں یہ بھی ارشاد ہے: مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ" (المومن۔ ۷۸) اس کا حاصل یہ ہے بعض انبیاء کا قصہ تو ہم نے تجھ سے بیان کر دیا اور بعضوں کا قصہ بیان نہیں کیا۔ سو کیا عجب ہے کہ انبیاء ہندوستان بھی انہی نبیوں میں سے ہوں جن کا تذکرہ آپ سے نہیں کیا گیا۔

دیگر مذاہب کے بانیوں کی طرف منسوب لغویات و کفریات کی حقیقت : رہی یہ بات کہ اگر ہندوؤں کے اوتار انبیاء یا اولیاء ہوتے تو دعویٰ خدائی نہ کرتے، ادھر افعال ناشائستہ مثل زنا چوری وغیرہ ان سے سرزد نہ ہوتے حالانکہ اوتاروں کے معتقد یعنی ہندو ان دو باتوں کے معتقد ہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ دونوں باتیں بے شک ان سے سرزد ہوئی ہیں۔ سو اس شبہ کا جواب یہ

ہوسکتا ہے کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف دعویٰ خدائی نصاریٰ نے منسوب کر دیا اور دلائل عقلی ونقلی اس کے مخالف ہیں۔
ایسے ہی کیا عجب ہے کہ سری کرشن اور سری رام چندر جی کی طرف بھی یہ دعویٰ بدروغ (جھوٹا) منسوب کر دیا ہو، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بدلالتِ آیتِ قرآنی نیز بدلالت آیاتِ انجیل اپنے بندہ ہونے کے مقر اور معترف تھے اور پھر وہی کام مدت العمر کیے جو بندگی کو سزاوار ہیں، دعویٰ خداوندی پر نہیں پھبتے، یعنی نماز روزہ ادا کیے، زبان سے عجز ونیاز کرتے رہے، جب کہا اپنے آپ کو ابن آدم کہا اور بندہ قرار دیا، پھر اس پر ان کے ذمے تہمت دعویٰ خدائی لگادی گئی، ایسے ہی کیا عجب ہے کہ سری کرشن اور سری رام چندر کی نسبت تہمت خدائی لگادی ہو۔ علیٰ ہذا القیاس جیسے حضرت لوط اور حضرت داؤد علیہم السلام کی نسبت باوجود اعتقاد نبوت یہود ونصاریٰ کے تہمت شراب خوری اور زنا کاری لگاتے ہیں اور ہم (مسلمان ان کو ان عیوب سے بری سمجھتے ہیں ایسے ہی کیا عجب ہے کہ سری کرشن اور سری رام چندر بھی مذکورہ عیوب سے مبرا ہوں، اوروں نے ان کے ذمہ یہ تہمت زنا اور سرقہ لگادی ہو۔

الحاصل: ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ اور ادیان ومذاہب اصل سے غلط ہیں، دین آسمانی نہیں بلکہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اس زمانے میں سوائے اتباع محمدی ﷺ اور کسی طرح نجات متصور نہیں، اس زمانے میں یہ دین سب کے حق میں واجب الاتباع ہے۔

﴿۲۰﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ۔۔۔ الخ سلوک الرسول بالمعاندین: پھر اگر جھگڑیں تجھ سے کافر لوگ اے محمد ﷺ دین اسلام میں مثلاً نصرانی کہیں کہ دین تو نصرانیت ہے اور یہود کہیں کہ دین تو دین یہود ہے اور یہ نہ مانیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں دین فقط دین اسلام ہے "وَجْهِيَ لِلّٰهِ" یہاں خاص کر منہ کا ذکر کیا اس وجہ سے کہ منہ اشرف ہے تو منہ کے سوا جو کچھ بدن رہا وہ بدرجہ اولیٰ تابع ہوگا۔ "اَسْلَمْتُ" میں اسلام بمعنی انقیاد ہے معنی ہے "اخلصت نفسی الله وحدہ" میں نے خالص کر دیا اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کے لئے۔ (البیضاوی والمدارک)

اور فراء نے کہا کہ "اخلصت جهتی و عملی لله وحدہ" یعنی میرے سب کام خالص اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کے واسطے ہیں۔ (ذکرہ فی العالم بحوالہ مواہب الرحمٰن ص ۱۴۱ ج ۱۲)

اُوْتُوا الْكِتٰبَ: یعنی یہود ونصاریٰ "وَالْاُمِّیّٖنَ" یعنی مشرکین عرب۔ "فَاِنْ اَسْلَمُوْا" پھر اگر یہ لوگ اسلام لائے تو راہ پائی گمراہی سے اور اگر انہوں نے اسلام لانے سے منہ موڑا تو سمجھ لو۔ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ: فرائض خاتم الانبیاء: آپ کے ذمہ تبلیغ رسالت واجب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ
بے شک وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کے ساتھ اور قتل کرتے ہیں اللہ کے نبیوں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو

يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ
جو حکم دیتے ہیں لوگوں کو انصاف کرنے کا لوگوں میں سے پس ایسے لوگوں کو خوشخبری سنا دیجئے عذاب الیم کی ﴿۲۱﴾ یہی لوگ ہیں جن کے

اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا
اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوگئے ہیں اور ان کے لیے کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا ﴿۲۲﴾ کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کو جن کو

نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ
کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ان لوگوں کو کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر ان میں سے ایک گروہ منہ پھیرتا ہے

وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ

اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے ہیں ﴿۲۳﴾ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا ہرگز نہ چھوئے گی ہم کو دوزخ کی آگ مگر چند دن گنے ہوئے

وَّغَرَّهُمْ فِىْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ

اور دھوکہ دیا ان کو ان کے دین کے بارے میں ان باتوں نے جو وہ افتراء کیا کرتے تھے ﴿۲۴﴾ پس کیسے ہوگا ان کا حال جب ہم ان کو اکٹھا کریں گے اس دن میں کہ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ

اور پورا پورا دیا جائے گا ہر ایک نفس کو جو اس نے کمایا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿۲۵﴾ اے پیغمبر (آپ اپنی دعا میں اس طرح) کہیں اے اللہ جو بادشاہی کا مالک ہے

تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ

تو جس کو چاہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لیتا ہے اور تو جس کو چاہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہے

مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ

ذلیل کرتا ہے تیرے ہاتھ میں خیر ہے بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۲۶﴾ تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں

وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَىِّ ۡ وَتَرْزُقُ

اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور تو روزی دیتا ہے

مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ

جس کو چاہے بغیر حساب کے ﴿۲۷﴾ مؤمن کافروں کو دوست نہ بنائیں سوائے مؤمنوں کے اور جو شخص ایسا کرے گا

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِىْ شَىْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ

پس نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی چیز میں مگر یہ کہ تم ان کافروں سے بچاؤ اختیار کرو

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِىْ صُدُوْرِكُمْ

اور ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ تم کو اپنے آپ سے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿۲۸﴾ اے پیغمبر (ﷺ) آپ کہہ دیجئے اگر تم چھپاؤ اس چیز کو جو تمہارے سینوں میں ہے

اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

یا اس کو ظاہر کرو (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر

شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ

قدرت رکھنے والا ہے ﴿۲۹﴾ جس دن حاضر پائے گا اپنے سامنے ہر ایک نفس جو کچھ اس نے عمل کیا ہے نیکی سے اور جو اس نے

مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ

برائی کی ہے اس کو بھی اپنے سامنے حاضر پائے گا پسند کرے گا کاش اس کے اور برائی کے درمیان بہت دور کا فاصلہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ تم کو ڈراتا ہے اپنے آپ سے

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

اور اللہ تعالیٰ شفقت کرنے والا ہے بندوں کے ساتھ ﴿۳۰﴾

﴿۲۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ ... الخ ربط آیات: اوپر یہود ونصاریٰ کی سرکشی کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہودیوں کے بعض خاص احوال اور ان کے خبائث کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع: ❶ خبائث یہود۔ ❶ ❷ ❸ تخویف اخروی نتیجہ خباثت، تتمہ خبائث یہود، سبب تکذیب، کیفیت حشر، بشارت، غلبہ مؤمنین بعنوان مناجات، تتمہ ماقبل وتصرف باری تعالیٰ، مقاطعہ عن الکفار۔ ا۔ موالات کا حکم۔ ۲۔ مدارات کا حکم، نہی تعمیم موالات کفار تاکید مضمون سابق ونتیجہ اعمال۔ ماخذ آیات ۲۱ تا ۳۰+

خبائث یہود ... ❶ ❷ ❸۔ ابن ابی حاتم سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل نے تینتالیس انبیاء کو ایک وقت میں قتل کیا، اور ان کی نصیحت کے لئے ایک سو ستر بزرگ کھڑے ہوئے اسی دن ان کو بھی قتل کر دیا گیا۔ (روح المعانی: ص: ۱۴۵، ج۔۳) فَبَشِّرْهُمْ ... الخ تخویف اخروی۔ ﴿۲۲﴾ نتیجہ خبائث: کافر اگر دنیا میں کوئی نیک عمل کرتا ہے۔ تو حق تعالیٰ دنیا میں اس کا اس کو بدلہ دے دیتے ہیں بخلاف انبیاء کے قاتل کے وہ دنیا میں سب سے بڑا لعنتی ہوتا ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سخت عذاب اس شخص پر ہوگا جس نے کسی پیغمبر کو قتل کیا یا اس کو کسی پیغمبر نے جہاد میں قتل کیا ہو۔ (تفسیر مواہب الرحمٰن: ص: ۱۴۳، ج۔۱)

﴿۲۳﴾ تتمہ خبائث یہود: اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ: کتاب کے کچھ حصہ سے مراد یہ ہے کہ صرف الفاظ دیے گئے نہ کہ معنی اور بعض نے کہا کچھ الفاظ۔ اور "يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ" میں کتاب سے مراد توراۃ ہے۔ (بحر محیط: ص: ۴۱۲، ج۔۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ (تفسیر کبیر: ص: ۱۷۹، ج۔۳)

شان نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے باشندوں میں ایک مرد وعورت نے زنا کیا اور ان کی کتاب میں زنا کی سزا رجم (سنگسار کرنا) مقرر تھی مگر زانی بڑے مرتبہ والا تھا اس لیے یہود نے ان کو سنگسار کرنا مناسب نہ سمجھا اور معاملہ آنحضرت ﷺ کی خدمت عالی میں پیش کیا ان کو یہ توقع تھی کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس سزا سے تخفیف مل جائے گی، مگر آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ نعمان بن اوفیٰ اور بحر بن عمرو نے اس سزا کو سن کر آپ ﷺ کا فیصلہ غلط قرار دیا کہ ان کے لیے سنگسار کا حکم نہیں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرے اور تمہارے قول کا فیصلہ توراۃ سے ہوسکتا ہے۔؟

پھر آپ ﷺ نے فرمایا توراۃ لاؤ چنانچہ لائی گئی آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے اندر توراۃ کا بڑا عالم کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک یک چشم آدمی ہے جو فدک کا باشندہ ہے اور اس کو ابن صوریا کہا جاتا ہے چنانچہ یہود نے ابن صوریا کو مدینہ منورہ بلوالیا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو ابن صوریا کی علامتیں وغیرہ بتا دیں جب ابن صوریا آنحضرت ﷺ کی خدمت عالی میں حاضر ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم ابن صوریا ہو؟ اس نے جواب دیا جی ہاں میں ابن صوریا ہوں آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم یہود کے سب سے بڑے عالم ہو؟ ابن صوریا نے کہا جی لوگ ایسے ہی خیال کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے توراۃ کا وہ حصہ پڑھنے کو کہا

جس میں رجم کا حکم تھا اس نے توراۃ پڑھنی شروع کی اور آیت رجم پر پہنچا اپنی ہتھیلی اس پر رکھ دی اور آگے پڑھنے لگا۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ اس نے آیت رجم کو چھوڑ دیا ہے پھر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے خود اٹھ کر اس کا ہاتھ آیت رجم سے ہٹایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود کو پڑھ کر سنایا کہ محصن اور محصنہ جب زنا کریں اور شہادت سے ثبوت ہو جائے تو ان کو سنگسار کر دیا جائے، اور اگر عورت حاملہ ہو تو بچہ کی پیدائش تک سزا موقوف رکھی جائے، اس فیصلہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو سنگسار کرایا اور یہود اس پر ناراض ہو گئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(مظہری: ص: ۲۷، ج: ۲؛ وخازن: ص: ۲۳۹، ج: ۱؛ ومعالم التنزیل: ص: ۲۲۲، ج: ۱؛ وکبیر: ص: ۱۷۸، ج: ۴)

لِیَحْکُمَ بَیْنَهُمْ : تاکہ آپ ان کے درمیان کتاب کے مطابق فیصلہ کردیں۔ ثُمَّ یَتَوَلّٰی: "ثُمَّ" کا لفظ بعد مسافت یا بعد زمان کو ظاہر کرتا ہے۔ اس جگہ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ رجم کی سزا کو حق جانتے ہوئے اس سے منہ موڑنا بہت بعید ہے "وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ" کا جملہ فریق مخالف کی حالت بیان کر رہا ہے کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ فیصلہ سے روگردانی کرتے ہیں۔

(مظہری: ج: ۲؛ ص۔ ۲۸)

﴿۲۴﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ... الخ سبب تکذیب: یہاں سے یہود کے تین جھوٹ بیان کئے ہیں ایک جھوٹ تو یہ ہے کہ ہمیں صرف چالیس دن آگ چھوئے گی۔ دوسرا جھوٹ یہ ہے کہ ہمارے اسلاف جو انبیاء تھے وہ ہماری شفاعت کریں گے۔ تیسرا جھوٹ یہ گھڑا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے اللہ نے وعدہ کیا تھا کہ ان کی اولاد کو عذاب نہیں دوں گا۔

(مظہری: ج: ۲؛ ص: ۲۸؛ وروح المعانی: ص: ۱۴۹، ج: ۳؛ وتفسیر منیر: ص: ۱۹۰، ج۔ ۳)

﴿۲۵﴾ فَكَیْفَ... الخ کیفیت حشر: وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ: "هُمْ" ضمیر جمع کی "كُلُّ" کی طرف راجع ہے لفظ "کل" معنی کے لحاظ سے جمع ہے مطلب یہ ہے کہ نہ کسی انسان کی نیکی میں کمی کی جائے گی اور نہ بدی میں اضافہ کیا جائے گا۔

غزوہ احزاب

﴿۲۶﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ... الخ بشارت غلبہ مؤمنین بعنوان مناجات۔

شان نزول: غزوہ احزاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خندقیں کھودنے کا حکم فرمایا تھا اور ہر دس آدمیوں کو چالیس ہاتھ کھودنے کے لیے مقرر فرمایا تھا جب کھودائی شروع ہوئی تو اس میں ایک بڑی چٹان ظاہر ہوئی جس پر کدال کچھ کام نہیں کرتی تھی جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس تشریف لائے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کدال لے کر اس چٹان پر ضرب لگائی جس سے وہ چٹان شق ہو گئی اور اس سے ایک ایسی روشنی ظاہر ہوئی جس سے تمام مدینہ منورہ روشن ہو گیا جس سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اندھیرے میں چراغ روشن ہو گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر کہا اور صحابہ کرام نے بھی اللہ اکبر کہا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے اس روشنی میں حیرہ کے محلات دکھلائے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ضرب لگائی اس سے بھی ایک روشنی ظاہر ہوئی آپ نے فرمایا مجھے اس روشنی میں روم کے سرخ محلات دکھائے گئے پھر آپ نے تیسری بار ضرب ماری جس سے پھر روشنی ظاہر ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے اس روشنی میں صنعاء یمن کے محلات دکھلائے گئے اور مجھے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ عنقریب ان سب ممالک پر میری امت کا غلبہ ہو گا منافقوں نے یہ سنا تو کہنے لگے اے مسلمانو تمہارا نبی کیسی عجیب باتیں کرتا ہے یثرب سے اس کو حیرہ کی عمارتیں نظر آتی ہیں اور ڈر کا حال یہ ہے کہ ایک معمولی دشمن کے خوف سے خندقیں کھدوا رہا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کفار کی مذاق پر توجہ نہ فرمائیں بلکہ یوں دعا کریں ہم آپ کے

غلاموں کو سلطنت عطا فرمائیں گے۔ (مظہری، ج:۲، ص:۹۲، وتفسیر کبیر، ص:۱۸٦، ج:۳، وکشاف، ص:۵۰۳، ج:۱، وابو سعود، ص:۳۴۵، ج:۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسم اعظم آل عمران کی اسی آیت میں ہے جس کے ذریعہ دعا قبول ہوتی ہے۔ (ابن کثیر، ج:۲، ص:۵٦۰، وتفسیر منیر، ص:۱۹٦، ج:۳)

﴿۲۷﴾ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ... الخ تتمہ ماقبل وتصرف باری تعالیٰ: ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جانور کو نطفہ اور انڈے سے چوزہ اور نطفہ اور انڈے کو جانور سے پیدا کرتا ہے اور سبزہ کو خشک بیج سے اور خشک بیج کو سبزہ سے پیدا کرتا ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر کو مؤمن سے اور مؤمن کو کافر سے پیدا کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ... الخ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف اس تفسیر کی نسبت کی ہے۔ (مظہری، ج:۲، ص:۳۱)

اس لئے کہ کافر مردہ ہے اور مؤمن زندہ ہے۔ (خازن، ص:۲۴۱، ج:۱، ومعالم التنزیل، ص:۲۲۳، ج:۱)

مقبول الشفاعت آیات: علامہ بغوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا سورۃ فاتحہ، آیۃ الکرسی اور آل عمران کی دو آیات یعنی "شَهِدَ اللّٰهُ" سے "اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ" تک اور "قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ" سے "بِغَيْرِ حِسَابٍ" تک مقبول الشفاعت آیات ہیں ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ان آیات نے عرض کیا اے اللہ تو نے ہمیں زمین پر کیوں اتارا؟ ایسے لوگوں کے پاس بھیج رہا ہے جو تیری نافرمانی کریں گے حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا میں اپنی ربوبیت کی قسم کھاتا ہوں کہ میرے بندوں میں سے جو کوئی آدمی ہر نماز کے بعد تمہاری تلاوت کرے گا وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو میں اس کو جنت میں جگہ دوں گا حظیرۃ القدس میں ضرور ٹھہراؤں گا میں اس کی طرف نظر رحمت کروں گا (یعنی روزانہ ستر بار) اور میں اس کی ستر ضرورتیں پوری کروں گا جن میں ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کی مغفرت کروں گا اور میں ہر دشمن سے اس کو پناہ دوں گا اور اس کی مدد کروں گا۔

(معالم التنزیل، ج:۱، ص:۲۲۴)

مذکورہ بالا آیات کی خصوصیات جو ان دو آیات کی تلاوت پر مداومت کرلے اللہ تعالیٰ اس کو قرض سے دستبردار فرمادیتے ہیں۔

اور جو شخص ہر نماز کے بعد سات مرتبہ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کو قرض سے چھٹکارہ عطا فرمادیتے ہیں۔ اور اس عمل کو مجرب لکھا ہے۔

﴿۲۸﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ... الخ مقاطعہ عن الکفار ❶ موالات۔ کفار سے اہل ایمان کی دلی دوستی ممنوع ہے حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کفار سے حسن سلوک کی تین قسمیں ہیں۔ ❶ موالات۔ یعنی دلی دوستی۔ ❷ مدارات یعنی ظاہری دوستی وخوش خلقی۔ ❸ مواسات۔ یعنی احسان ونفع رسانی۔

تینوں صورتوں کے احکامات

① موالات کا حکم: یعنی دلی دوستی تو کسی حال میں جائز نہیں۔

② مدارات کا حکم: یہ ہے کہ یہ تین حالتوں میں درست ہے ایک ضرر سے بچنے کے لیے۔ دوسرے اس کافر کی دینی مصلحت یعنی ہدایت کی امید کے لیے تیسرے کافر مہمان کے اکرام کی غرض سے اگر دینی نقصان کا خوف ہو تو یہ ظاہری دوستی اور میل جول بھی حرام ہے۔ ③ مواسات کا حکم: یہ ہے کہ اہل حرب یعنی برسر جنگ کفار کے ساتھ عدل وانصاف تو اسلام میں ضروری ہے اور ممانعت صرف موالات یعنی دلی دوستی کی گئی ہے بر واحسان کی ممانعت نہیں کی گئی بشرطیکہ احسان کا معاملہ کرنے سے مسلمانوں کو کسی نقصان وضرر کا خطرہ نہ ہو جہاں یہ خطرہ ہو وہاں بر واحسان جائز نہیں۔ ہاں عدل وانصاف ہر حال میں ہر شخص کے لیے ضروری اور واجب ہے۔ اور ذمی کافر کے ساتھ بر واحسان جائز ہے۔

مدارات کا حکم (اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے) اس کے متعلق فرمایا "اِلَّآ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً" مگر اس صورت میں کہ تم ان سے بچاؤ کرنا چاہو تو اس میں مدارات کی صورت کو مستثنیٰ کیا گیا ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ ہمارے دشمنوں سے دوستی نہ رکھو کیونکہ دشمن کا دوست دشمن ہوتا ہے جس قدر تمہیں ملاپ کی ضرورت ہے اس سے اگر ایک ذرہ برابر آگے بڑھے تو اللہ تعالیٰ حساب لے گا جس طرح زندگی بچانے کے لیے مردار کھانے کی بقدر ضرورت اجازت مل سکتی ہے اور پیٹ بھرنا حرام ہے بعینہ یہی حال کفار کی دوستی کا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس وجہ سے ڈراتے ہیں تا کہ آخرت کے عذاب سے بچ جائیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اعمال بد کو ترک کر دیں اور یہ ڈرانا عین شفقت اور رحمت ہے۔

اہل تشیع کا تقیہ پر استدلال اور اس کی تردید

اِلَّآ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً : اس سے شیعہ نے تقیہ پر استدلال کیا ہے:

مذہب اسلام میں جھوٹ بولنا بہت بڑا گناہ اور سنگین جرم ہے مگر شیعہ امامیہ کے نزدیک اصل بات کو چھپانا جھوٹ بولنا اور تقیہ کرنا خالص دین ہے بلکہ ان کے نزدیک دین کے نو حصے جھوٹ اور تقیہ میں مضمر ہیں۔

چنانچہ اصول کافی میں تقیہ کا مستقل باب ہے اس میں امام ابوعبداللہ جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد ہے کہ "اِنَّ تِسۡعَةَ اَعۡشَارِ الدِّيۡنِ فِي التَّقِيَّةِ وَلَا دِيۡنَ لِمَنۡ لَّا تَقِيَّةَ لَهٗ" بے شک دین کے نو حصے تقیہ میں ہیں اور جو شخص تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔

(اصول کافی : ج ۲: ص: ۲۱۷ : طبع طہران اور مع الصافی جلد چہارم حصہ دوم صفحہ ۱۳)

اور امام ابوعبداللہ جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں "سَمِعۡتُ اَبِيۡ يَقُوۡلُ لَا وَاللّٰهِ مَا عَلٰى وَجۡهِ الۡاَرۡضِ شَيۡءٌ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنَ التَّقِيَّةِ يَا حَبِيۡبُ اِنَّهٗ مَنۡ كَانَتۡ لَهٗ تَقِيَّةٌ رَفَعَهُ اللّٰهُ يَا حَبِيۡبُ اِنَّهٗ مَنۡ لَّمۡ تَكُنۡ لَّهٗ تَقِيَّةٌ وَضَعَهُ اللّٰهُ"۔ (اصول کافی : ج ۲: ص: ۲۱۷ : طبع طہران و مع الصافی جزء چہارم حصہ دوم : ص۔ ۱۴)

میں نے اپنے والد محترم سے سنا انہوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم روئے زمین پر مجھے کوئی چیز تقیہ سے زیادہ محبوب نہیں۔ (امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) اے حبیب (بن بشر) جو شخص تقیہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرے گا اے حبیب جو شخص تقیہ نہیں کرے گا اللہ اسے ذلیل کرے گا۔

اور حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ ہی اپنے شاگرد اور مرید سے یوں گویا ہیں کہ "يَا سُلَيۡمَانُ اِنَّكُمۡ عَلٰى دِيۡنٍ مَنۡ كَتَمَهٗ اَعَزَّهُ اللّٰهُ وَمَنۡ اَذَاعَهٗ اَذَلَّهُ اللّٰهُ"۔ (اصول کافی، ج: ۲، ص: ۲۲۲، طبع طہران ۳ و مع الصافی جزء چہارم حصہ دوم، ص۔ ۲۲)

اے سلیمان (بن خالد) تم ایسے دین پر ہو جو اس کو چھپائے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے عزت دے گا اور جو دین کو ظاہر اور اس کو شائع کرے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ ذلیل و رسوا کرے گا۔

تقیہ واجب ہے: روافض کے مشہور مستند محقق صدوق بن بابویہ قمی اپنے رسالہ اعتقادیہ میں لکھتے ہیں۔ وَالتَّقِيَّةُ وَاجِبَةٌ لَا يَجُوۡزُ رَفۡعُهَا اِلٰى اَنۡ يَّخۡرُجَ الۡقَائِمُ فَمَنۡ تَرَكَهَا قَبۡلَ خُرُوۡجِهٖ فَقَدۡ خَرَجَ عَنۡ دِيۡنِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمِنۡ دِيۡنِ الۡاِمَامِيَّةِ وَخَالَفَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَالۡاَئِمَّةَ۔ (رسالہ اعتقادیہ مع اردو شرح احسن الفوائد: ص: ۲۷۰ طبع سرگودھا)

تقیہ واجب ہے اس کا ترک کرنا جائز نہیں اس وقت تک جب تک کہ القائم امام مہدی کا ظہور نہ ہو جس نے ان کے ظہور سے پہلے اسے چھوڑا تو وہ اللہ تعالیٰ کے دین اور امامیہ (روافض) کے دین سے نکل جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور حضرات ائمہ کا مخالف ہو گا۔

اس ساری بحث کے بعد یہ سمجھیں کہ شیعہ حضرات کا اس آیت "اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً" سے تقیہ کے بارے میں استدلال کرنا درست نہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک قرآن محرف شدہ ہے لہٰذا اس آیت سے تقیہ ثابت کرنا درست نہیں۔ البتہ یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ روافض کو تقیہ کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ درحقیقت یہود نے جب روافض کو آنحضرت ﷺ کے دین کے علاوہ دوسرا دین بنا کر پیش کیا تو اس میں یہ تھا کہ خلفاء ثلاثہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خلافت غصب کرلی تھی درحقیقت خلیفہ بلافصل حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے پھر جب مسلمانوں نے روافض سے یہ سوال کیا کہ حضرت علی اگر خلیفہ بلافصل تھے تو انہوں نے حق کا اعلان کیوں نہیں کیا۔؟ ۲۶ سال تک اُن کے مشوروں میں کیوں شریک رہے؟ اور ان کے پیچھے نمازیں کیوں پڑھتے رہے۔؟

اس پر روافض کے اُستاد یعنی یہود نے اُن کو یہ سبق سکھایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ کرلیا تھا، اور یہ تقیہ کا ہتھیار ان کے ہاتھوں میں دشمن نے ایسا دیا، جس کو روافض نے دین کا بہت بڑا استون بنالیا، اور ہر بات میں تقیہ کے ذریعہ گرفت میں آنے سے بچ جاتے ہیں، باوجود اس کے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا خلیفہ بلافصل ہونے کے تقیہ کے ذریعے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دب گئے تھے اور یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ اللہ کے رسول کا خلیفہ مخلوق سے دب جائے۔

روافض کے نزدیک جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ کیا ایسے ہی ان کے بعد کے ائمہ نے تقیہ کیا (العیاذ باللہ) روافض کے اس تقیہ سے قرآن کریم کا کوئی تعلق نہیں۔ اور اس آیت "اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کافروں میں پھنس جائے مثلاً ان کی قید میں آجائے اور کافر کفر کا کلمہ کہلوانے پر ایسی تکلیف دینے کی دھمکی دیں کہ جو قابل برداشت نہ ہو اور وہ جو دھمکی دے رہے ہیں اس پر قادر بھی ہوں تو زبان سے کلمہ کفر کہنے کی اجازت ہے جیسا کہ سورۃ نحل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ" میں اجازت ہے لیکن فضیلت اسی میں ہے کہ جان دے دے کلمہ کفر زبان پر نہ لائے۔

﴿۲۹﴾ نہی تعمیم موالات کفار، مطلب یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خواہ چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ اس کو خوب جانتا ہے یعنی کافروں سے موالات کے متعلق۔

﴿۳۰﴾ تاکید مضمون سابق ونتیجہ اعمال: "وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ" بغرض تاکید مکرر ذکر فرمایا ہے۔ (بیضاوی)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشش

رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝

کرنے والا ہے ﴿۳۱﴾ آپ کہہ دیجئے اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اگر تم اعراض کرو گے تو بے شک اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۳۲﴾

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓي اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ ذُرِّيَّةً

بے شک اللہ تعالیٰ نے منتخب کیا آدم (علیہ السلام) کو اور نوح (علیہ السلام) کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو جہان والوں پر ﴿۳۳﴾ یہ اولاد تھی

بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ

بعض بعض سے اور اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿۳۴﴾ جب عمران کی بیوی نے کہا اے پروردگار! میں نے تیرے لیے نذر مانی ہے

لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا

کہ جو کچھ میرے پیٹ میں ہے آزاد کیا ہوا پس قبول فرما مجھ سے بے شک تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿۳۵﴾ اور جب اس کو جنا

قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ

تو کہنے لگی اے پروردگارا میں نے جنا ہے اس کو لڑکی اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ اس نے جنا ہے اور نہیں ہے لڑکا مثل لڑکی کے

وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾

اور بے شک میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو تیری پناہ میں دیتی ہوں اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے ﴿۳۶﴾

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ

پس قبول کیا اس کو اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول کرنا اور بڑھایا اس کو اچھی طرح بڑھانا اور کفیل بنایا اسکا زکریا علیہ السلام کو جب

عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ

زکریا علیہ السلام اس کے پاس حجرے میں داخل ہوتے تو اس کے پاس روزی پاتے تو انہوں نے کہا اے مریم! یہ روزی تیرے پاس کہاں سے آئی تو وہ کہتی یہ

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ

اللہ کی طرف سے ہے بے شک اللہ تعالیٰ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بغیر حساب کے ﴿۳۷﴾ اس موقع پر حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے پروردگار کے سامنے دعا کی

قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ

اور عرض کیا اے میرے پروردگارا بخش دے مجھ کو اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد بے شک تو دعا کا سننے والا ہے ﴿۳۸﴾ پس زکریا (علیہ السلام) کو فرشتوں نے آواز دی

وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ

جب کہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے کمرے کے اندر بے شک اللہ تعالیٰ تجھ کو یحییٰ بیٹے کی خوشخبری دیتا ہے جو تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ کے کلمے کی

مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ

اور جو سردار ہوگا اور جو خواہشات سے مکمل طور پر رکنے والا ہوگا اور نبی ہوگا نیکوں میں سے ﴿۳۹﴾ حضرت زکریا (علیہ السلام) نے عرض کیا اے پروردگار کس طرح ہوگا میرے لیے

غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ

لڑکا حالانکہ تحقیق پہنچ چکا ہے مجھ کو بڑھاپا اور میری بیوی بھی بانجھ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ اسی طرح کرتا ہے جو چاہے ﴿۴۰﴾ عرض کیا

رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ

اے پروردگارا بنادے میرے لیے نشانی فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن کلام نہیں کرسکے گا مگر اشارے سے اور یاد کر

رَبَّكَ كَثِيرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿٤١﴾

اپنے پروردگار کو کثرت کے ساتھ اور تسبیح کر پچھلے پہر اور صبح کے وقت ﴿۴۱﴾

﴿۳۱﴾ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ الخ ربط آیات: پہلے رکوع میں توحید کا ذکر تھا اب یہاں سے رسالت کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع : ❹ حکم اتباع رسول، نتیجہ اتباع رسول، حکم اطاعت، نتیجہ عدم اطاعت، تمہید داستان حضرت مریم وعیسیٰ علیہما السلام، وانتخاب بعض انبیاء علیہم السلام، حضرت آدم ونوح اور آل ابراہیم کی خصوصیت، حضرت حنہ کی منت اور دعا، حضرت مریم کی ولادت، حضرت حنہ کی معذرت وحضرت مریم کی تفصیلی داستان، حضرت مریم کی قبولیت، حضرت مریم کی پرورش، کرامت حضرت مریم، حضرت زکریا کا مکالمہ جواب مکالمہ، حضرت زکریا کی دعا، اجابت دعا، اوصاف حضرت یحییٰ علیہ السلام ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی کیفیت سوال، درخواست برائے علامت۔ ماخذ آیات ۳۱ تا ۴۱+

حکم اتباع رسول : ﷺ محبت ایک پوشیدہ چیز ہے کسی کو کسی سے کس حد تک محبت ہے اس کا کوئی پیمانہ نہیں البتہ حالات وواقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے، محبت کے کچھ آثار اور علامات ہوتی ہیں، ان سے پہچانا جاسکتا ہے، جولوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کے دعوے رکھتے ہیں ان آیات میں ان کا معیار بتلایا ہے کہ اگر دنیا میں آج کسی کو حق تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ ہے تو اس کو آنحضرت ﷺ کی اتباع کی کسوٹی پر پرکھا جائے، جو شخص اپنے دعوے میں زیادہ سچا ہوگا وہ آنحضرت ﷺ کی اتباع کا زیادہ اہتمام کرے گا، اور جو شخص اپنے دعوے میں کمزور ہوگا اس قدر اطاعت میں سست اور کمزور ہوگا۔ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔۔۔ الخ نتیجہ اتباع رسول ﷺ۔

﴿۳۲﴾ حکم اطاعت۔ اتباع اور اطاعت میں فرق: اتباع عمل میں ہوتی ہے اور اطاعت قول میں ہوتی ہے۔

قرآن کریم میں لفظ اطاعت کئی مقامات پر آیا ہے چنانچہ سورۃ النساء میں ہے "اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ" (آیت ۵۹) کہ تم اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان کی بھی جو تم میں سے صاحب حکم ہیں۔ اس آیت میں پہلے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو لازمی قرار دیا گیا ہے پھر مستقل طور پر آنحضرت ﷺ کی وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ: میں اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس کے بعد صرف واو عطف کے ذریعہ اہل ایمان کو جو اولوا الامر ہیں انکی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے جس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ مستقل اطاعت تو اللہ اور اس کے رسول کی ہے ہاں ان کے ساتھ اہل ایمان اولوا الامر کی اطاعت بھی ضروری ہے بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے پابند ہوں اور ان کی اطاعت اللہ کے رسول کی طرح مستقل نہیں ورنہ ان کے متعلق "واطیعوا اُولی الامر منکم" کہا جاتا بلکہ اولی الامر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں لازم ہے۔

بالفاظ دیگر اگر وہ مسلمان نہ ہوں تو اطاعت نہیں کی جائے گی اور اگر وہ مسلمان ہوں مگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے راستے سے ہٹے ہوئے ہوں تو پھر ان کی اطاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ قانون ہے "لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ" یہ مسلمانوں کا واضح نظریہ ہے۔

منکرین حدیث کا اطاعت کے متعلق نظریہ

حافظ اسلم جیراجپوری منکر حدیث لکھتا ہے قرآن میں جہاں جہاں اللہ ورسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے جب تک محمد ﷺ امت میں موجود تھے ان کی اطاعت اللہ ورسول کی اطاعت تھی (اور یہ امت ہمیشہ آپ کی امت رہے گی کیونکہ آپ کے اوپر ایمان لائی ہے) اور اطاعت عربی میں کہتے ہیں زندہ کی فرمانبرداری کو رسول کی

اطاعت یہ ہرگز نہیں کہ ان کے بعد جو کوئی ان کے نام سے کچھ کہہ دے اس کی تعمیل کرنے لگیں الخ۔ (مقام حدیث: ج:۱: ص۔۱۵۵)

اسلم منکر حدیث کے اس باطل نظریہ میں چند وجوہ سے کلام ہے

ایک وجہ تو یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو امام وقت اور مرکز ملت کا نام نہیں آتا تھا؟ اس لئے اس نے لوگوں کو "اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" کی زنجیر میں جکڑ دیا تا کہ لوگ انکار نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کا کام بھی چلتا رہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر اللہ اور رسول کی اطاعت سے امام وقت اور مرکز ملت کی اطاعت مراد ہے تو اس کا ذکر "اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" میں آچکا ہے پھر علیحدہ "وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" کے ذکر کرنے کی اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت پیش آئی؟

تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ بات تو اسلم منکر حدیث پر بھی پوشیدہ نہیں کہ خلافت راشدہ کے بعد وہ کون سا امام وقت یا مرکز ملت تھا جس کی اطاعت مسلمانوں پر لازم تھی، جب کوئی نہیں تھا تو اس سے لازم آیا کہ خلافت راشدہ کے بعد تمام مسلمانوں کی ساری زندگی اللہ اور رسول کی اطاعت کے خلاف گزری ہے؟ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اگر اطاعت صرف زندہ کی ہوتی ہے تو اس کا مطلب واضح یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد "وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" کا کوئی مفہوم نہ رہا؟ گویا آپ کی اطاعت صرف: ۲۳: سال نبوت تک محدود رہی ہے اس کے بعد اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ اطاعت کے معنی لغت عربی میں فرمانبرداری کرنے کے آتے ہیں زندہ کی فرمانبرداری ہو یا مردہ کی، لغت عربی کی رو سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہے کہ اطاعت کا لفظ صرف زندہ کی فرمانبرداری پر بولا جاتا ہے اور جو وفات پا گیا ہو اس کی فرمانبرداری اطاعت نہیں کہلاتی، یہ اسلم منکر حدیث کی جہالت ہے۔

دیکھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک جذام زدہ عورت کے قریب سے گزرے جو بیت اللہ کا طواف کر رہی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے اللہ کی بندی لوگوں کو اذیت مت پہنچا تو معذور ہے اپنے گھر آرام کر۔ چنانچہ وہ عورت حکم کی تعمیل میں گھر بیٹھی رہی، کچھ عرصہ بعد ایک شخص اس مجذومہ کے پاس گیا اور کہا کہ "اِنَّ الَّذِیْ کَانَ نَهَاكِ قَدْ مَاتَ فَاخْرُجِیْ فَقَالَتْ مَا کُنْتُ لِاُطِیْعَهٗ حَیًّا وَاَعْصِیَهٗ مَیِّتًا"۔ (مؤطا امام مالک: ص۔۱۶۵)

جو شخص (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ) تجھے منع کرتا تھا وہ تو وفات پا چکا ہے اب تو طواف کے لیے نکل سکتی ہے، وہ کہنے لگی میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کی اطاعت کرتی رہی تو آج ان کی وفات کے بعد کیسے ان کی نافرمانی کر سکتی ہوں۔؟ اس سے واضح معلوم ہوا کہ وفات کے بعد بھی فرمانبرداری پر اطاعت کا اطلاق درست اور صحیح ہے۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ اطاعت اتباع اور اقتداء کا قرآن کریم اور لغت کے اعتبار سے مفہوم تقریباً ایک ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد جن حضرات نے ان کی اتباع اور پیروی کی ہے ان کی یوں تعریف کی ہے۔

"اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا"۔ (آل عمران آیت۔۶۸)

بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ مناسبت رکھنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی اتباع کی ہے اور ہمارے یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں۔ اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کی اطاعت اور پیروی کرنے والوں پر لفظ اتباع یعنی (اتبعوا) کا اطلاق کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ایک مقام پر اٹھارہ انبیاء کرام علیہم السلام کا نام لے کر اور بقیہ حضرات کا اجمالی ذکر فرما کر آنحضرت ﷺ کو یوں خطاب فرمایا "فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ" (انعام آیت۔۹۰) پس آپ ان کے طریقہ کی اتباع کیجئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ادریس علیہ السلام کے علاوہ تمام انبیاء کرام وفات پا چکے ہیں مگر آنحضرت ﷺ کو ان کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے

لہٰذا یہ کیسے باور کیا جائے کہ اطاعت، اتباع اور اقتداء صرف زندہ ہی کی ہوتی ہے؟ (محصلہ انکار حدیث کے نتائج)

﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ : تمہید داستان مریم وعیسیٰ علیہم السلام وانتخاب بعض انبیاء علیہم السلام یہاں سے آنحضرت ﷺ کی رسالت کی تائید میں چند مقبول برگزیدگان کا ذکر ہے۔ اس آیت میں عمران سے مراد عمران بن ماثان ہے جو حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے والد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا تھے۔ (روح المعانی، ج:۳، ص:۱۴۷، کشاف، ج:۱، ص:۳۵۴)

اور آگے امرأۃ عمران سے مراد بھی عمران بن ماثان ہے، اور ان کی بیوی کا نام حنہ بنت فاقوذا ہے۔ جو حضرت مریم کی والدہ اور حضرت عیسیٰ کی نانی ہیں۔ (روح المعانی، ج:۳، ص:۱۴۷، خازن، ص:۲۴۴، ج:۱، ومعالم التنزیل، ص:۲۲۶، ج:۱)

فائدہ: عمران دو ہیں ایک حضرت موسیٰ وھارون کے والد۔ دوم حضرت مریم کے والد ان دونوں کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو برس کا فرق ہے۔ (مواہب الرحمٰن، ص:۱۶۲، ج:۱)

﴿۳۴﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا الخ ترکیب: "ذُرِّيَّةً" منصوب ہے "اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ" "وَاٰلَ عِمْرٰنَ" سے بدل ہے۔ (کشاف، ص:۳۵۴، ج:۱)

یا نصب ہے آدم یا نوح سے بدل ہونے کی وجہ سے "ذُرِّيَّةً" واحد وجمع وتذکیر وتانیث میں یکساں ہے۔

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا ... الخ حضرت آدم ونوح اور آل ابراہیم کی خصوصیت: یہ اولاد ہیں بعض بعض سے حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ توحید واخلاص ونیت عمل میں یعنی ایمان وتقویٰ کی راہ سے باہم ایک سے دوسرے پیدا ہوئے ہیں اس قول پر دین ونسل دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ (تفسیر مواہب الرحمٰن، ص:۱۶۲، ج:۱)

﴿۳۵﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ ... الخ حضرت حنہ کا مکالمہ۔ اِنِّيْ نَذَرْتُ : حضرت حنہ کی منت اور دعا۔

﴿۳۶﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا ... الخ حضرت مریم کی ولادت۔ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ : حضرت حنہ کی معذرت وحضرت مریم کی تفصیلی داستان: یہاں سے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کا تفصیلی واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ عمران کی بیوی نے حالت حمل میں نذر مانی کہ جو بچہ میرے پیٹ میں ہے اس کو میں خانہ خدا کی خدمت کے لیے آزاد کرتی ہوں اور اس کو اپنے کام میں نہیں لگاؤں گی اے اللہ تو اس کو قبول فرمالے۔ اور اس زمانے میں نرینہ اولاد کے ساتھ ایسی نذر جائز تھی۔ (مظہری، ص:۳۰، ج:۲)

اللہ تعالیٰ نے اس کو لڑکی عطا فرمائی جس کی وجہ سے اس کو افسوس ہوا کہ یہ تو بیت المقدس کی خدمت کے لائق نہیں کیونکہ یہ کام تو مردوں کا ہے رب العزت نے لڑکی کو قبول فرمالیا کیونکہ وہ حقیقت حال کو بہتر جانتا ہے، پھر اس خاتون صالحہ نے اپنی لڑکی کا نام مریم تجویز کیا۔ مریم کا معنی ہے عبادت گزار۔ (بحر محیط، ص:۳۹۹، ج:۲، ومعالم التنزیل، ص:۲۲۷، ج:۱)

﴿۳۷﴾ حضرت مریم کی قبولیت : چنانچہ حضرت مریم کی والدہ اپنی نذر پوری کرنے لیے بیت المقدس لے آئیں اگر خدمت نہیں کر سکتی تو عبادت ہی کرے گی، جب وہاں پہنچیں تو بیت المقدس کے عبادت گزاروں سے کہا میں نے اس کو خدا کے لیے مانا ہے اس کو میں اپنے پاس نہیں رکھ سکتی، حضرت مریم کے والد حضرت عمران بیت المقدس کے امام رہ چکے تھے اور ان کی والدہ کی حالت حمل میں ہی وہ وفات پا چکے تھے وگرنہ وہ خود اس کو لینے کے زیادہ مستحق تھے اب حضرت مریم کو بیت المقدس کے عبادت گزاروں میں سے ہر شخص لینے اور پالنے کی خواہش رکھتا تھا، حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی وجہ ترجیح یہ بیان فرمائی کہ میرے گھر میں ان کی خالہ ہیں۔

اور وہ بمنزلہ ماں کے ہیں اس لیے ماں کے بعد وہی رکھنے کی مستحق ہیں مگر باقی حضرات اس پر راضی نہ ہوئے آخر کار قرعہ اندازی ہوئی جس کا ذکر آگے آتا ہے چنانچہ حضرت مریم حضرت زکریا علیہ السلام کو مل گئی، جب وہ کچھ بڑی ہوگئیں تو ان کو مسجد سے متصل

ایک خوبصورت حجرہ میں رکھا، جب کہیں جاتے تو سات دروازوں کو ان پر تالا لگا دیتے تھے پھر آ کر کھول لیتے۔
(معالم التنزیل: ص: ۲۲۸ ج: ا: کشاف: ص: ۵۸ ۳ ج: ا: وتفسیر کبیر: ص: ۲۰۷، ج: ۳ و بحر محیط: ص: ۴۴۲ ج۔ ۲)

استخراج مسئلہ برائے جماعتی کام : حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں جب ایک عورت اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے خلوص دل سے دعا کرتی ہے اور اپنے پیٹ والے بچے کو اللہ کے نام پر آزاد کرتی ہے تو دیکھئے اس دعا سے کیسے نتائج حسنہ نکلتے ہیں کہ مریم سلام اللہ علیہا جیسی برگزیدہ بچی پیدا ہوتی ہے اور پھر اس کے پیٹ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے باخدا پیدا ہوتے ہیں، جب ایک عورت کی دعا اتنے نتائج بارگاہ الٰہی سے لے کر آ سکتی ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ تم جماعتی حیثیت میں جو کام شروع کرو گے اور دعاؤں سے اُسے تقویت پہنچاؤ گے تو ایسے نتائج پیدا ہوں جو قیامت کے لیے نمونہ بن سکیں۔ (ترجمہ قرآن: ص۔ ۱۸)

وَاَنۡۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا : حضرت مریم کی پرورش : اور اسے اچھی طرح بڑھایا۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ابتدا سے عبادت واطاعت میں مشغول رکھا۔ دوسرا یہ ہے کہ اور بچوں کی معمولی نشوونما سے ان کی ظاہری نشوونما زائد تھی۔

وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًا : کرامت حضرت مریم سلام اللہ علیہا : اسباب دنیا میں اللہ تعالیٰ کی تدابیر اسہل فالاسہل راستہ اختیار کیا کرتی ہیں ایک طرف حضرت زکریا علیہ السلام متوکل علی اللہ ہیں جن کے گھر میں کبھی فاقہ ہوتا ہے کبھی خشک کھانا ملتا ہے ادھر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ مریم سلام اللہ علیہا جلدی جوان ہوں اور ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوں تا کہ امرأۃ عمران کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اس لیے اللہ تعالیٰ کی تدبیر یہ کام کرتی ہے کہ خرق عادت کے طور پر مریم سلام اللہ علیہا کی تربیت ہوتی ہے کیونکہ اگر خاص بندگان خدا کی پرورش کے لیے ظاہری اسباب نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ عالم مثال کی قوتوں سے رزق بہم پہنچاتا ہے۔ (تفسیر حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

قَالَ يٰمَرۡيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا : حضرت زکریا علیہ السلام کا حضرت مریم سے مکالمہ۔ قَالَتۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ : جواب مکالمہ۔ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ : حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا : حضرت زکریا علیہ السلام کا ذہن منتقل ہوا کہ جو خدا حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو بے موسم پھل کھلا سکتا ہے وہ بے موسم اولاد بھی دے سکتا ہے۔ پس محراب میں داخل ہوئے اور اس کے دروازے بند کر کے بارگاہ عالی میں بدست دعا ہوئے۔ (معالم التنزیل: ص: ۲۲۹ ج۔ ۱)

مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر اس وقت ننانوے برس تھی اور ان کی بیوی بانجھ اٹھانوے برس کی تھیں۔
(مدارک: ص: ۲۴۷ ج: ا: وخازن: ص: ۲۴۸ ج: ا: وکشاف: ص: ۳۶۰ ج: ا: وبحر محیط: ص: ۴۴۹ ج۔ ۲)

اور ان کا نام تفاسیر میں اشیاع یا اشیع بنت فاقوذ آتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا میں سب مضامین تھے جو مختلف مقامات پر مذکور ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ ذُرِّيَّةً سے مراد اولاد ہے اس کا اطلاق واحد جمع اور مذکر مؤنث سب پر ہوتا ہے۔ "طَيِّبَةً" سے مراد ہے نیک گناہوں سے پاک معصوم۔ (مظہری: ص: ۴۴ ج۔ ۲)

﴿۳۹﴾ فَنَادَتۡهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ... الخ اجابت دعا۔ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّىۡ فِى الۡمِحۡرَابِ : یہاں محراب سے مراد مسجد کا محراب نہیں بلکہ کمرہ مراد ہے۔

سؤال: حضرت زکریا علیہ السلام سے فرشتوں نے نماز میں کلام کیا اس سے تو حضور قلب جاتا رہتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی پیغام اللہ تعالیٰ کا تھا اس کی طرف توجہ عین حضور قلب ہے لہٰذا اس میں کوئی تضاد نہیں۔ (بیان القرآن: ص: ۶۱ ج۔ ۲)

فائدہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک مساجد میں موجودہ محراب نہیں تھے بلکہ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانہ میں شروع ہوئے۔ (تفسیر معالم العرفان: ج: ۳ ص۔ ۱۳۸)

مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ : حضرت یحیٰ علیہ السلام کے اوصاف ❶ جمہور حضرات فرماتے ہیں کہ کلمہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ (تفسیر کبیر: ص:۲۱۱: ج:۲؛ وقرطبی: ص:۷۷: ج:۴؛ وخازن: ص:۲۴۷: ج:۱؛ وروح المعانی: ص:۱۹۵: ج:۳)

کلمۃ اللہ ان کا لقب ہے کیونکہ ان کی ولادت براہ راست اللہ کے کلمے کی تاثیر سے ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یحیٰ علیہ السلام جیسے بیٹے کی بشارت دی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے والا تھا۔ وَسَيِّدًا : وصف ❷ "سید" یعنی یحیٰ علیہ السلام سردار ہوگا۔

وَحَصُوْرًا : وصف ❸ یحیٰ حصور یعنی خواہشات سے مکمل طور پر رکنے والا ہوگا، اور وہ عورت کے قریب بالکل نہیں جائے گا۔ چنانچہ حضرت یحیٰ علیہ السلام نے زندگی بھر شادی نہیں کی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ شادی کے قابل نہ تھے بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ آپ تمام تر مردانہ قویٰ کی موجودگی میں عبادت وریاضت میں اس قدر منہمک رہتے تھے کہ دنیوی خواہشات خاص طور پر عورت کی طرف ان کی توجہ ہی نہیں ہوتی تھی۔ یہ ان کی شان تھی کہ ان کو اپنی خواہشات پر مکمل کنٹرول حاصل تھا۔ (معالم العرفان: ص:۱۴۰: ج:۳)

﴿۴۰﴾ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ ... الخ حضرت زکریا علیہ السلام کا کیفیت سوال برائے غلام۔

سُؤال: حضرت زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت کے معتقد ہونے کے اور بے موسمی پھلوں کے مشاہدہ کرنے کے باوجود اور خود ہی درخواست کی تھی اور دعا کی قبولیت کا علم بھی ہو گیا تھا پھر "اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ" کہنے کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا سوال کرنے سے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک کرنا مقصود نہ تھا بلکہ اس کی کیفیت معلوم کرنی تھی کہ ہم دونوں میاں بیوی کی موجودہ حالت یہی بڑھاپے والی رہے گی یا اس میں کچھ تبدیلی ہوگی، تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا نہیں تم بوڑھے ہی رہو گے اور اسی حالت میں تمہیں لڑکا ملے گا۔

﴿۴۱﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً : درخواست برائے علامت۔

سُؤال: جب دعا قبول ہو چکی تھی کہ لڑکا ملے گا پھر نشانی معلوم کرنے کا کیا مطلب تھا؟ جواب: اس سے مقصود جلدی خوشی محسوس کرنا تھا تاکہ حمل ٹھہرتے ہی ہم شکر خداوندی میں مشغول ہو جائیں اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کے لیے نشانی یہ مقرر فرمائی کہ آپ لوگوں سے تین دن تک بات نہ کر سکیں گے۔ اس میں کیا لطافت ہے تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نشانی کی درخواست سے مقصود ان کا ادائے شکر تھا تو نشانی بھی ایسی تجویز فرمائی کہ بجز اس مقصود یعنی ادائے شکر کہ دوسرا کام ہی نہ رہے۔ تو نشانی ہونے کے ساتھ مقصود بھی بدرجہ اتم حاصل ہے۔ (محصلہ بیان القرآن: ص:۱۷: ج:۲)

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى

اور جب فرشتوں نے مریم سے خطاب کرتے ہوئے کہا اے مریم بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھ کو منتخب کیا ہے اور تجھ کو پاکیزہ بنایا ہے اور تجھ کو بزرگی عطا فرمائی ہے

نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۲ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ

سب جہان والی عورتوں پر ﴿۴۲﴾ اے مریم اپنے پروردگار کی اطاعت کرو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ﴿۴۳﴾

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے ہم اس کو آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب کہ وہ اپنے قلموں کو ڈالتے تھے

اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝۴۴ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ

کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب کہ وہ آپس میں جھگڑتے تھے ﴿۴۴﴾ اس واقعہ کو سامنے لاؤ جب فرشتوں نے مریم سے کہا

يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا

بے شک اللہ تعالیٰ تجھ کو خوشخبری دیتا ہے ایک کلمے کی اس کی طرف سے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا وہ وجاہت والا ہوگا

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ

دنیا میں اور آخرت میں مقربین میں سے ہوگا ﴿۴۵﴾ اور وہ کلام کرے گا لوگوں کے ساتھ گہوارے میں اور ادھیڑ عمر میں اور

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ

نیکوکاروں میں سے ہوگا ﴿۴۶﴾ مریم نے عرض کیا اے پروردگار کہاں سے ہوگا میرے لئے لڑکا حالانکہ نہیں ہاتھ لگایا مجھے کسی آدمی نے اس نے فرمایا اسی طرح

يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ

اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جو چاہے جب وہ کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو پھر وہ اسے کہتا ہے ہو جا پس وہ بات ہو جاتی ہے ﴿۴۷﴾ اور سکھائے گا اس کو کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ

اور حکمت اور تورات اور انجیل ﴿۴۸﴾ اور اللہ تعالیٰ اس کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا (اور وہ ان سے کہے گا) بے شک میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانی

بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـــَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ

تمہارے رب کی طرف سے (اور وہ یہ ہے) کہ میں بناتا ہوں تمہارے سامنے گارے سے پرندے کی شکل کی طرح پس میں پھونک مارتا ہوں اس میں پس وہ ہوتا ہے

طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

اڑنے والا اللہ کے حکم سے اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور برص والے کو اور میں زندہ کرتا ہوں مردوں کو اللہ کے حکم سے

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ

اور میں بتلاتا ہوں تم کو جو تم کھاتے ہو اور جو تم ذخیرہ بنا کر رکھتے ہو اپنے گھروں میں بے شک البتہ اس میں نشانی ہے تمہارے لیے اگر

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ

تم ایماندار ہو ﴿۴۹﴾ اور میں تصدیق کرنے والا ہوں اس کی جو مجھ سے پہلے ہے تورات اور میں اس واسطے آیا ہوں کہ میں حلال کردوں تمہارے لیے بعض

الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾

وہ چیزیں جو تم پر حرام قرار دی گئی ہیں اور میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے پس اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ﴿۵۰﴾

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى

بے شک اللہ تعالیٰ میرا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے پس اسی کی عبادت کرو یہی سیدھی راہ ہے ﴿۵۱﴾ پھر جب عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان لوگوں کی طرف سے

مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا

کفر محسوس کیا تو کہا کون میری مدد کرنے والا ہے اللہ کی راہ میں حواریوں نے کہا ہم ہیں اللہ کے مددگار ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور تو بھی گواہ بن جا کہ بے شک ہم فرمانبرداری

بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ

کرنے والے ہیں ﴿۵۲﴾ (حواریوں نے کہا) اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے ہیں اس چیز پر جس کو تو نے نازل کیا ہے اور ہم نے رسول کی تابعداری کی ہے پس لکھ لے ہم کو

الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾

گواہی دینے والوں میں ﴿۵۳﴾ اور ان لوگوں نے مخفی تدبیر کی اور اللہ نے بھی مخفی تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر (پوشیدہ) تدبیر کرنے والا ہے ﴿۵۴﴾

ع ۱۳ / ۱۲

﴿۴۲﴾ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ ... الخ ربط آیات: اوپر سے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کا قصہ چلا آرہا تھا درمیان میں ان کی مناسبت سے حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بھی آگیا پھر اب آگے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کا قصہ پورا فرماتے ہیں۔

خلاصہ رکوع : ⑤ فضائل حضرت مریم ۔۱۔۲۔۳۔ فرائض حضرت مریم، جملہ معترضہ برائے اثبات رسالت خاتم الانبیاء، خاتم الانبیاء کے فضائل، حاضر و ناظر کی نفی، قرعہ اندازی برائے کفالت مریم، فرشتوں کا مکالمہ، فضائل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۔۱۔۲۔۳۔۴۔ حضرت مریم کا مکالمہ برائے کیفیت، جواب مکالمہ، بقیہ فضائل حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم کی تسلی، آمد حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات، تشریح معجزات، کیفیت عیسیٰ اظہار حلال کا بیان، خلاصہ تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام، عناد قوم کا احساس، حضرت عیسیٰ کا مکالمہ، جواب مکالمہ، مناجات حواریین، حضرت عیسیٰ کے قتل کی خفیہ تدبیر، خباثت یہود۔ ماخذ آیات ۴۲ تا ۵۴ +

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ : فضائل حضرت مریم۔ ① یعنی عبادت کے لئے۔ ② یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو تمام ناپسندیدہ افعال و اخلاق سے پاک کر دیا۔ (روح المعانی: ص: ۲۰۵: ج۔۳)

یا اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو مردوں کے اختلاط سے پاک بنایا۔ (معالم التنزیل: ص: ۲۳۱: ج: ۱؛ و کبیر: ص: ۲۱۸: ج۔ ۳)

وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۔ ③ حضرت مریم کو سب جہان کی عورتوں پر جزوی فضیلت حاصل ہے، اور اپنی ہم زمانہ عورتوں پر کلی فضیلت حاصل ہے۔ (کبیر ص: ۲۱۸: ج: ۳؛ و بحر محیط: ص: ۵۶: ج: ۲؛ و معالم التنزیل: ص: ۲۳۲: ج۔۱)

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا فرشتوں کا کلام کرنا صرف نبوت کے ساتھ خاص نہیں۔ مسلم شریف میں روایت ہے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرشتوں سے سلام کیا ہے۔ نبوت کا خاصہ اس کلام سے ہے جو امت تک تبلیغ کے لیے نازل کیا گیا ہو خواہ فرشتے کے ذریعے سے ہو یا کسی اور طریقہ سے ہو۔

﴿۴۳﴾ فرائض حضرت مریم : "رَاكِعِيْنَ" کے ساتھ رکوع کرنے سے ظاہر یہ ہے کہ جماعت سے نماز ادا کرنے اور بعض نے کہا کہ "رَاكِعِيْنَ" کے مانند ادا کرلے اگرچہ تنہا ہو۔ (مواھب الرحمٰن: ص: ۱۸۱: ج۔۱)

﴿۴۴﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ ... الخ جملہ معترضہ برائے اثبات رسالت خاتم الانبیاء۔ ربط: اوپر اور آگے حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت مریم سلام اللہ علیہا دونوں کے قصے کچھ کچھ مذکور ہیں اب درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کا بیان ہے کہ گزشتہ واقعات کی طرح اس واقعہ کی خبر دینا نہ کسی سے سنا نہ خود دیکھا اور نہ کسی کتاب میں پڑھا۔ یہ آپ کی شان خرق عادت میں سے ہے اور آپ کی نبوت کی واضح دلیل ہے۔ حضرت مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں علم حاصل

کرنے کے تین ذرائع ہیں۔ ❶ عقل۔ ❷ کانوں سے سننا ❸ مشاہدہ کرنا۔ (مظہری: ص:۸۰، ج۔۲)

گزشتہ واقعات کا عقل سے دریافت کرنا تو بداہتہً ناممکن ہے۔ اور نہ سننا بھی تسلیم شدہ امر ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کو ان واقعات کی خبر دینے والا کوئی نہیں تھا۔ مشاہدہ کا تو کوئی عقلمند گمان ہی نہیں کرسکتا کیونکہ آنحضرت ﷺ اور حضرت مریم کے زمانہ میں پانچ سو برس کا فاصلہ ہے لہٰذا ایسی خبریں وحی کے ذریعہ ہی ہوسکتی ہیں۔ "ذٰلِكَ" یہ جوز کریا و مریم ﷺ کا حال مذکور ہوا "مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ" اخبار غیب سے ہے۔

فائدہ: "انباء" جمع "نبا" بمعنی خبر اور "غیب" مصدر ہے جو چیز غائب ہو وہ مراد ہے اور حاصل آنکہ اخبار اس چیز کے ہیں جو تجھ سے غائب ہے۔ (کبیر: ص:۲۱۹، ج۔۳) نوٹ لفظ "نبا" کی مزید تفصیل آگے آیت ۱۶۴ کے مقدمہ نمبر ا میں آرہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

کیونکہ آنحضرت ﷺ سے بہت پہلے کا یہ واقعہ ہے۔ "نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ" ہم تجھ کو وحی کرتے ہیں اے محمد ﷺ۔ یقین جانئے ہمارا مقصد معاذ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے علم شریف کی تنقیص کرنا نہیں ہے ایسا عقیدہ رکھنے والا انتہائی درجہ کا بے ایمان اور اعلیٰ درجہ کا شیطان ہوگا بلکہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد کمال علمی میں آنحضرت ﷺ کا مقام ہے۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ اللہ تعالیٰ نے جو علوم و معارف آنحضرت ﷺ کو عطاء فرمائے وہ بحیثیت مجموعی کسی دوسرے رسول اور کسی دوسرے نبی اور کسی مقرب ترین فرشتے کو بھی عطاء نہیں ہوئے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ارشاد فرماتے ہیں علوم اولین اور ہیں اور علوم آخرین اور ہیں لیکن وہ سب علوم رسول اللہ ﷺ میں جمع ہیں۔ (تحذیر الناس: ص۔۴)

قرآن کریم میں ہے "وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا" (نساء۔ ۱۱۳) اور تجھے وہ باتیں سکھائی ہیں جو تو نہ جانتا تھا اور اللہ کا تجھ پر بہت بڑا فضل ہے بس آپ ﷺ ہی معارف الٰہی کے آخری معلم ہیں اور علوم ربانیہ کے آخری مبلغ لیکن بایں ہمہ آپ کے علوم کو علوم الٰہیہ سے وہی نسبت ہے جو ایک مخلوق کی کسی صفت کو خالق کی صفت سے ہوسکتی ہے، نیز آپ کے علم کی اس غیر معمولی بلکہ بے نظیر وسعت کی وجہ سے "جمیع ما کان و مایکون" کا عالم بھی آپ کو نہیں کہا جاسکتا کیونکہ یہ عقیدہ نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے خلاف ہے۔ یاد رکھیں اس آیت سے واضح معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اقدس دنیا میں نہیں آیا تھا اس وقت آپ عالم الغیب نہیں تھے اسی طرح سورۃ یوسف آیت (۱۰۲) سورۃ قصص آیت (۴۴، ۴۵، ۴۶) کو بھی ضرور دیکھیں ان آیات سے بھی یہی عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔

وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ... الخ خاتم الانبیاء کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی: آپ ان کے پاس نہیں تھے جبکہ ڈالتے تھے وہ لوگ یعنی احبار بیت المقدس اپنے قلموں کو پانی میں۔ (مواھب الرحمٰن: ص:۱۸۲، ج۔۱)

اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ... الخ: قرعہ اندازی برائے کفالت مریم: ہر خواہش مند نے اپنی اپنی قلمیں جن سے تورات لکھتے تھے نہر میں ڈال دیں حضرت زکریا ﷺ نے بھی قرعہ ڈالا چنانچہ وہ قلمیں پانی کے بہاؤ کی طرف ڈالی گئیں تو سب قلمیں پانی کے بہاؤ کی طرف بہہ نکلیں مگر حضرت زکریا ﷺ کا قلم پانی کے بہاؤ کی بجائے الٹی طرف چل پڑا تو قرعہ اندازی سے کفالت کا فیصلہ آپ کے حق میں ہوگیا چنانچہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو آپ کی کفالت میں دے دیا گیا، اور یہ قرعہ کی صورت خرق عادت تھی جو ان کا معجزہ تھا۔

قرعہ کی شرعی حیثیت

جن حقوق کے اسباب شرعی طور پر معلوم اور متعین ہوں ان میں قرعہ اندازی ناجائز ہے مثلاً چیز مشترک میں جس کا نام نکل آئے

وہ سب لے لے یہ ناجائز اور قمار میں داخل ہے۔ یا شرعی طور پر جس چیز کا حصہ مقرر ہو مگر آپس کی رائے میں اختلاف ہو کہ کونسا کس کو ملے تو اس حصہ کو متعین کرنے کے لیے قرعہ جائز ہے۔ مثلاً مشترک زمین میں شمالی جنوبی یا شرقی حصہ کا معاملہ تو قرعہ ڈالنا جائز ہے۔ (بیان القرآن: ص:۱۸، ج۔۲)

﴿۴۵﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ ... الخ فرشتوں کا مکالمہ۔ ربط آیات: گزشتہ آیت میں بطور جملہ معترضہ کے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا اثبات تھا پھر آگے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے لئے بشارت کا ذکر ہے جس میں مقصود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنا ہے۔ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ: فضائل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ❶ اس کلمہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

عیسیٰ اور مسیح کا معنی

عیسیٰ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے یہ اصل میں الیشوع تھا جس کا معنی ہے سردار۔ عیسیٰ آپ کا نام اور مسیح لقب اور ابن مریم کنیت تھی۔ (مظہری: ص:۹۳ ج۔۲)

لفظ مسیح کے متعلق سب سے آسان بات حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں لکھی ہے کہ مسیح اصل میں مشیحا تھا عبرانی زبان میں اس کے معنی مبارک کے ہیں معرب ہو کر مسیح ہو گیا۔ جیسے موسیٰ موشا کا معرب ہے۔ باقی دجال کو جو مسیح کہا جاتا ہے وہ بالاجماع عربی لفظ ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مسیح کے معنی پونچھ دینے اور زائل کر دینے کے ہیں چونکہ دجال سے تمام عمدہ خصلتیں پونچھ دی گئی ہیں اس لیے اس کو مسیح دجال کہتے ہیں۔ (معارف القرآن: ج:۱، ص۔۲۱۴)

مرزا کا نظریہ ہے کہ پہلے مسیح سے دوسرا مسیح بڑھ کر ہے

چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ: ”خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے مسیح کا نام غلام احمد رکھا“۔ (مقدمہ دافع البلاء: ص:۱۳، مندرجہ روحانی خزائن: ج:۱۸، ص:۲۳۳، از مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی کی یہ اپنی اصطلاح ہے مسیح موعود یہ اصطلاح قرآن وسنت سے ماخوذ نہیں اور یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے عربی زبان میں مسیح کہتے ہیں کہ جو تمام خوبیوں سے خالی ہو مرزا بھی اپنے آپ کو مسیح کہلاتا ہے جو کہ تمام خوبیوں سے خالی اور یک چشم تھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے مختلف دعاوی

مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۸۰ء تک صرف اپنے ملہم من اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا رہا ۱۸۸۲ء میں مجدد ہونے کا ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا ۱۸۹۸ء میں مہدی ہونے کا اور ۱۸۹۹ء میں ظلی بروزی نبوت کا اور ۱۹۰۱ء میں باقاعدہ نبوت کا دعویٰ کیا۔ ان میں سارے اہم دعاوی مالیخولیا مراق کے لاحق ہونے کے بعد کے ہیں اس لئے ان کو اسی بیماری کا اثر سمجھنا چاہئے۔ اب ذیل میں چند اہم دعاوی باحوالہ سنہ وار لکھے جاتے ہیں۔

بیت اللہ ہونے کا دعویٰ:

خدا نے اپنے الہام میں میرا نام بیت اللہ بھی رکھا ہے۔ (اربعین: ص ۴۰، روحانی خزائن، ج ۱۷، ص۔۴۴۵)

۱۸۸۲ء مجدد ہونے کا دعویٰ:

جب تیرہویں صدی کا اخیر ہوا اور چودھویں صدی کا ظہور ہونے لگا تو خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے مجھے خبر دی کہ تو اس

صدی کا مجدد ہے۔ (کتاب البریہ: ص ۱۶۸؛ بر حاشیہ روحانی خزائن: ج: ۱۳؛ ص۔ ۲۰۱)

۱۸۸۲ء مامور ہونے کا دعویٰ:

میں خدا کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہوں۔ (نصرۃ الحق در روحانی خزائن: ج ۲۱؛ ص ۶۶؛ و کتاب البریہ در روحانی خزائن: ج ۱۳؛ ص۔ ۲۰۳)

۱۸۸۲ء نذیر ہونے کا دعویٰ:

"الرحمن علم القرآن لتنذر قوما ما انذر اباؤھم"۔ (ترجمہ) خدا نے تجھے قرآن سکھلایا تا کہ تو ان لوگوں کو ڈرائے جن کے باپ دادے ڈرائے نہیں گئے۔ (تذکرہ: ص ۴۴؛ براہین احمدیہ در روحانی خزائن: ج ۱؛ ص ۶۹؛ ضرورۃ الامام در روحانی خزائن: ص ۵۰۲؛ ج ۱۳؛ براہین احمدیہ حصہ ۵ در روحانی خزائن: ج ۲۱؛ ص۔ ۶۶)

۱۸۸۳ء آدم، مریم اور احمد ہونے کا دعویٰ:

"یا آدم اسکن انت وزوجك الجنة یا مریم اسکن انت وزوجك الجنة یا احمد اسکن انت وزوجك الجنة نفخت فیك من لدنی روح الصدق"۔ (ترجمہ) اے آدم، اے مریم، اے احمد! تو اور جو شخص تیرا تابع اور رفیق ہے جنت میں یعنی نجات حقیقی کے وسائل میں داخل ہو جاؤ میں نے اپنی طرف سے سچائی کی روح تجھ میں پھونک دی ہے۔

(تذکرہ: ص ۷۰؛ براہین احمدیہ روحانی خزائن: ج ۱؛ ص ۵۹۰؛ حاشیہ)

تشریح: مریم سے مریم اُم عیسیٰ مراد نہیں اور نہ آدم سے آدم ابو البشر مراد ہے اور نہ احمد سے اس جگہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ مراد ہیں اور ایسا ہی ان الہامات کے تمام مقامات میں کہ جو موسیٰ اور عیسیٰ اور داؤد وغیرہ نام بیان کئے گئے ہیں ان ناموں سے بھی وہ انبیاء مراد نہیں ہے بلکہ ہر ایک جگہ یہی عاجز مراد ہے۔ (مکتوبات احمدیہ: ج ۱؛ اول: ص ۸۲؛ بحوالہ تذکرہ: ص۔ ۷۰)

۱۸۸۴ء رسالت کا دعویٰ: الہام: "انی فضلتك علی العلمین قل ارسلت الیکم جمیعاً"۔ (ترجمہ) میں نے تجھ کو تمام جہانوں پر فضیلت دی کہہ میں تم سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

(تذکرہ: ص ۱۲۹؛ مکتوب حضرت مسیح موعود علیہ السلام مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۸۸۴ء اربعین نمبر ۲: ص ۷؛ روحانی خزائن: ج ۱۷؛ ص۔ ۳۵۳)

۱۸۸۶ء توحید و تفرید کا دعویٰ:

الہام: تو مجھ سے ایسا ہے جیسی میری توحید اور تفرید۔ تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔

(تذکرہ: ص ۱۴۱؛ و ۳۸۴؛ براہین احمدیہ در روحانی خزائن: ج ۱؛ ص ۵۸۱؛ حاشیہ در حاشیہ، اربعین نمبر ۳؛ در روحانی خزائن: ج ۱۷؛ حاشیہ: ص۔ ۴۱۳)

۱۸۹۱ء مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ:

اللہ جل شانہ کی وحی اور الہام سے میں نے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور یہ بھی میرے پر ظاہر کیا گیا ہے کہ میرے بارے میں پہلے سے قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں خبر دی گئی ہے اور وعدہ دیا گیا ہے۔ (تذکرہ: ص ۱۷۲؛ تبلیغ رسالت: ج ۱؛ ص۔ ۱۵۹)

۱۸۹۱ء مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ:

الہام: "جعلناك المسیح ابن مریم"۔ (ہم نے تجھ کو مسیح ابن مریم بنایا) ان کو کہہ دے کہ میں عیسیٰ کے قدم پر آیا ہوں۔ (تذکرہ: ص ۱۸۵؛ ازالہ اوہام در روحانی خزائن: ۴۴۲؛ ج۔ ۳)

ابن مریم کے ذکر چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

(دافع البلاء درروحانی خزائن : ص : ۲۴۰ ; ج ۔ ۱۸)

۱۸۹۲ء صاحب کن فیکون ہونے کا دعویٰ:

الہام : "انما امرك اذا اردت شیأ ان تقول له کن فیکون"۔ یعنی تیری بات یہ ہے کہ جب تو کسی چیز کا ارادہ کرے تو اسے کہہ کہ ہوجا تو وہ ہوجائے گا۔ (تذکرہ : ص ۲۰۳ ; براہین احمدیہ حصہ ۵ ; درروحانی خزائن : ص : ۱۲۴ ; ج ۔ ۲۱)

۱۸۹۴ء مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ:

بشرنی وقال ان المسیح الموعود الذی یرقبونه والمهدی المسعود الذی ینتظرونه هو انت"۔

(ترجمہ) خدا نے مجھے بشارت دی اور کہا کہ وہ مسیح موعود اور مہدی مسعود جس کا انتظار کرتے ہیں وہ تو ہے۔

(تذکرہ : ص ۲۵۷ ; انجام آتھم درروحانی خزائن : ج : ۸ ; ص ۔ ۲۷۵)

۱۸۹۸ء امام زماں ہونے کا دعویٰ:

سو میں اس وقت بے دھڑک کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل اور عنایت سے وہ امام زماں میں ہوں۔

(ضرورۃ الامام درروحانی خزائن : ج : ۱۳ ; ص ۔ ۴۹۵)

۱۹۰۰ء تا ۱۹۰۸ء ظلی نبی ہونے کا دعویٰ:

جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں۔ تو پھر کونسا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ (ایک غلطی کا ازالہ درروحانی خزائن : ج : ۱۸ ; ص ۔ ۲۱۲)

نبوت و رسالت کا دعویٰ:

❶ انا انزلناه قریبا من القادیان ۔۔۔ الخ ہم نے اس کو قادیان کے قریب اتارا ہے۔

(براہین احمدیہ حاشیہ درروحانی خزائن : ج : ۱ ; ص : ۵۹۳ ; الحکم جلد نمبر : ۴ شمارہ نمبر : ۲۴ ; اگست ۱۹۰۰ء بحوالہ تذکرہ : ص ۶۷ ۳ ; مطبوعہ ربوہ)

❷ سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ (دافع البلاء درروحانی خزائن : ج : ۱۸ ; ص ۔ ۲۳۱)

❸ میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ہوں یعنی بھیجا گیا بھی اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا بھی۔

(ایک غلطی کا ازالہ درروحانی خزائن : ج : ۱۸ ; ص ۔ ۲۱۱)

❹ خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا۔

(تذکرہ : ص ۴۹۲ ; اربعین نمبر ۳ ; درروحانی خزائن : ج : ۱۷ ; ص ۴۲۶ ; وضمیمہ تحفہ گولڑویہ درروحانی خزائن : ج : ۱۷ ; ص ۔ ۴۳)

❺ وہ قادر خدا قادیان کو طاعون کی تباہی سے محفوظ رکھے گا تا کہ تم سمجھو کہ قادیان اسی کیلئے محفوظ رکھی گئی کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا۔ (دافع البلاء درروحانی خزائن : ج : ۱۸ ; ص : ۲۲۵ ۔ ۲۲۶)

مستقل صاحب شریعت نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ:

❶ قل یاایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا ۔ ای مرسل من الله"۔ اور کہہ کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا رسول ہو کر آیا ہوں۔ (اشتہار معیار الاخیار : ص ۳۱ ; منقول از تذکرہ : ص ۳۵۲ ; مطبوعہ ربوہ)

❷ ان ارسلنا الیکم رسولا شاهدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا"۔ ہم نے تمہاری طرف

ایک رسول بھیجا ہے اسی رسول کی مانند جو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔ (حقیقۃ الوحی در روحانی خزائن: ص: ۱۰۵: ج۔۲۲)

۳ اور اگر کہو کہ صاحب الشریعت افتراء کر کے ہلاک ہوتا ہے نہ کہ ہر ایک مفتری تو اول تو یہ دعویٰ بے دلیل ہے۔ خدا نے افتراء کے ساتھ شریعت کی کوئی قید نہیں لگائی ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو شریعت کیا چیز ہے؟ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر اور نہی بیان کئے اور اپنی امت کیلئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔ مثلاً یہ الہام: "قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم ويحفظوا فروجهم ذلك ازكى لهم"۔ یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور اس پر ۲۳: برس کی مدت گزر گئی اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی۔ اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں یہ باطل ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ان هذا لفی الصحف الاولىٰ صحف ابراهيم وموسىٰ" یعنی قرآنی تعلیم توریت میں بھی موجود ہے اور اگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے جس میں باستیفاء امر اور نہی کا ذکر ہو تو یہ بھی باطل ہے کیونکہ اگر توریت یا قرآن شریف میں باستیفاء احکام شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔ (اربعین نمبر ۴: در روحانی خزائن: ج: ۱۷: ص: ۴۳۵۔۴۳۶)

۴ یٰس انك لمن المرسلين على صراط مستقيم"۔ (بے شک تو رسولوں میں سے ہے۔ سیدھی راہ پر ہے (از مرتب)) (حقیقۃ الوحی در روحانی خزائن: ج: ۲۲: ص۔ ۱۱۰)

۵ فكلمنى ونادانى وقال انى مرسلك الى قوم مفسدين وانى جاعلك للناس اماماً وانى مستخلفك اكراماً كما جرت سنتى فى الاولين"۔ (انجام آتھم در روحانی خزائن: ج: ۱۱: ص: ۷۹)

هو الذى ارسل رسوله بالهدىٰ ودين الحق ليظهره على الدين كله"۔

(اعجاز احمدی: ص: ۷: در روحانی خزائن: ج: ۱۹: ص۔ ۱۱۳)

اب ظاہر ہے کہ ان الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ، خدا کا مامور، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔ (انجام آتھم در روحانی خزائن: ج: ۱۱: ص۔ ۶۲)

یہ ہیں مرزا غلام احمد کے چند دعاوی جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں ان سبھی دعاوی کے صرف دو محرکات ہیں:

۱ مسلمانوں میں افتراق پیدا کر کے حکومت برطانیہ کی کاسہ لیسی کرنا۔

۲ مالیخولیا مراق کا اثر ظاہر ہونا۔

انہی دو وجوہات کو عوام کے سامنے بیان کر کے مرزا غلام احمد کے دعاوی بتدریج بیان کرنے چاہئیں تا کہ عوام کا ذہن اس بات کو بآسانی قبول کرنے پر آمادہ ہو کہ ان بلند پایہ دعوؤں کی بنیاد روحانیت، عقلیت یا حقیقت پر نہیں بلکہ صرف اور صرف مادیت پرستی، بدعقلی اور کذب پر ہے۔ (رد قادیانیت کے زریں اصول: ص۔ ۱۸۳ تا ۱۷۷)

فضیلت۔ ۲ وَجِيهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ فضیلت۔ ۳ الْمُقَرَّبِيْنَ۔ دنیا اور آخرت میں وجاہت والا ہو گا یعنی عزت اور مرتبہ والا ہو گا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں کی تمام تر دشمنی اور ہرزہ سرائی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الزامات سے بری قرار دیا اور ان کی ناپاک سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیا جس کو اللہ تعالیٰ عزت کا اعلیٰ مقام عطا کرے اسے کون ذلیل کر سکتا ہے۔

مرزا قادیانی کا عقیدہ کہ انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فضیلت ہے

❶ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: "یہ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح نے تو صرف مہد میں ہی باتیں کیں مگر اس (مرزا قادیانی) لڑکے نے پیٹ میں ہی دو مرتبہ باتیں کیں"۔ (تریاق القلوب، ص: ۸۹، مندرجہ روحانی خزائن، ج: ۱۵، ص: ۲۱۷، از مرزا قادیانی)

❷: "ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے"

(دافع البلاء، ص: ۲۰، مندرجہ روحانی خزائن، ج: ۱۸، ص: ۲۴۰، از مرزا قادیانی)

❸ "دنیا میں بہت سے نبی گزرے ہیں مگر ان کے شاگرد محدثیت کے درجہ سے آگے نہیں بڑھے سوائے ہمارے نبی ﷺ کے کہ اس کے فیضان نے اس قدر وسعت اختیار کی کہ اس کے شاگردوں میں سے علاوہ بہت سے محدثوں کے ایک (مرزا قادیانی) نے نبوت کا درجہ بھی پایا اور نہ صرف یہ کہ نبی بنا بلکہ اپنے مطاع کے کمالات کو ظلی طور پر حاصل کر کے بعض اولوالعزم نبیوں سے بھی آگے نکل گیا چنانچہ خدا تعالیٰ نے مسیح ناصری جیسے اولوالعزم نبی پر اسے فضیلت دی"۔ (حقیقۃ النبوۃ، ص: ۲۵۷، از مرزا بشیر الدین محمود ابن مرزا قادیانی)

❹ مرزا بشیر احمد کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر الزام کہ وہ سوروں کا شکار کرتے تھے

چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ: "میاں امام الدین صاحب سیکھوانی نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) اکثر ذکر فرمایا کرتے تھے کہ بقول ہمارے مخالفین کے جب مسیح آئے گا اور لوگ اس کو ملنے کے لئے اس کے گھر پر جائیں گے تو گھر والے کہیں گے کہ مسیح صاحب باہر جنگل میں سور مارنے کے لئے گئے ہوئے ہیں پھر وہ لوگ حیران ہو کر کہیں گے کہ یہ کیسا مسیح ہے کہ لوگوں کی ہدایت کے لئے آیا ہے اور باہر سؤروں کا شکار کھیلتا پھرتا ہے پھر فرماتے تھے کہ ایسے شخص کی آمد سے تو ساہنسیوں اور گنڈیلوں کو خوشی ہو سکتی ہے جو اس قسم کا کام کرتے ہیں مسلمانوں کو کیسے خوشی ہو سکتی ہے یہ الفاظ بیان کر کے آپ بہت ہنستے تھے یہاں تک کہ اکثر اوقات آپ کی آنکھوں میں پانی آجاتا تھا"۔ (سیرت المہدی، ج: ۳، ص ۲۹۱، ۲۹۲، از مرزا بشیر احمد ایم۔ اے ابن مرزا قادیانی)

اوپر گزر چکا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دونوں جہان میں صاحب عزت بنایا ہے الحمد للہ دنیا میں ان کی عزت کرنے والے اربوں کی تعداد میں موجود ہیں اگرچہ عیسائیوں کا اس وقت عقیدہ مشرکانہ ہے مگر وہ بھی آپ کی عزت کرتے ہیں مگر آپ نے مرزا صاحب اور اس کے حواریوں کی الزام تراشیاں پڑھیں یہ محض بکواسات ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے عظیم مقام پر سرفراز فرمایا اور اپنے ہاں مقربین میں سے بہت بڑا مرتبہ عطا فرمایا اور مقرب وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی نگاہ ہمیشہ اپنے مالک حقیقی کی طرف لگی رہتی ہے نہ یہ کہ وہ ان خرافات کے حامل ہوتے ہیں جو مرزائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بکے ہیں۔

﴿۴۶﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ... الخ فضیلت۔ ❺ یعنی وہ لوگوں سے باتیں کرے گا جب کہ ماں کی گود میں ہوگا اور جب کہ پوری عمر کا ہوگا۔ اب یہاں قابل فہم بات یہ ہے کہ بچپن کی حالت میں کلام کرنا تو ان کا ایک معجزہ اور نشانی تھی اس کا ذکر کرنا اس جگہ مناسب ہے مگر ادھیڑ عمر میں لوگوں سے کلام کرنا تو کوئی انوکھی بات نہیں بلکہ ہر انسان مومن، کافر، عالم، جاہل، کیا ہی کرتا ہے اس میں ان کا وصف خاص کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مقصد اصل میں حالت بچپن ہی کے کلام کو بیان کرنا ہے اس کے ساتھ بڑی عمر کے کلام کا ذکر اس غرض سے کیا گیا کہ ان کا بچپن کا کلام بھی ایسا نہیں ہوگا جیسے بچے عموماً اور ابتداء میں بولا کرتے ہیں بلکہ

عاقلانہ، عالمانہ، فصیح و بلیغ، کلام تھا جیسے ادھیڑ عمر کے آدمی کیا کرتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآنی عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا ہے۔ روایات سے ثابت ہے کہ رفع سماء کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر تقریباً تیس پینتیس سال کے درمیان تھی جو عین عنفوان شباب کا زمانہ تھا ادھیڑ عمر جس کو "کھل" کہتے ہیں اس دنیا میں ان کی ہوئی ہی نہ تھی، اس لیے ادھیڑ عمر میں لوگوں سے کلام جبھی ہو سکتا ہے جبکہ وہ پھر دنیا میں تشریف لائیں گے، اس لیے جس طرح ان کا بچپن کا کلام معجزہ تھا اسی طرح ادھیڑ عمر کا کلام بھی معجزہ ہی ہے۔ (معارف القرآن: ج:۲: ص:۷۶:۔ م، ش، د)

﴿۴۷﴾ قَالَتْ رَبِّ... الخ حضرت مریم سلام اللہ علیہا کا مکالمہ برائے کیفیت: "وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ" یعنی مجھ کو کسی بشر نے (صحبت کے طور پر) ہاتھ نہیں لگایا۔ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ: جواب مکالمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم جس چیز کو بغیر اسباب ظاہرہ کے کہہ دیں وہ وجود میں آجاتی ہے۔

① مرزا کا نظریہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کنجریوں سے میلان رکھتے تھے

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: "آپ (عیسیٰ علیہ السلام) کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا مگر شاید یہ بھی خدائی کیلئے ایک شرط ہوگی۔ آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقعہ نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر ناپاک ہاتھ لگادے اور زنا کاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے"۔ (انجام آتھم: ص:۷: مندرجہ روحانی خزائن: نمبر:۱۱: ص:۲۹۱: از مرزا غلام احمد قادیانی)

② "اور نہ عیسائی مذہب کی طرح یہ سکھلاتا ہے کہ خدا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے انسان کی طرح ایک عورت کے پیٹ سے جنم لیا اور نہ صرف نو مہینہ تک خون حیض کھا کر ایک گنہگار جسم سے جو بنت سبع اور تمر اور راحاب جیسی حرام کار عورتوں کے خمیر سے اپنی فطرت میں ابنیت کا حصہ رکھتا تھا خون اور ہڈی اور گوشت کو حاصل کیا بلکہ بچپن کے زمانے میں جو جو بیماریوں کی صعوبتیں ہیں جیسے خسرہ چیچک دانتوں کی تکالیف وغیرہ تکلیفیں وہ سب اٹھائیں اور بہت سا حصہ عمر کا معمولی انسانوں کی طرح کھو کر آخر موت کے قریب پہنچ کر خدائی یاد آگئی مگر چونکہ صرف دعویٰ تھا اور خدائی طاقتیں ساتھ نہیں تھیں اس لئے دعویٰ کے ساتھ ہی پکڑا گیا"۔

(ست بچن: ص:۱۷۳: مندرجہ روحانی خزائن: ج:۱۰: ص:۲۹۷: ۲۹۸: از مرزا قادیانی)

قارئین کرام توجہ فرمائیں ابتداء آیت میں گزر چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسی پاکدامن عورت سے پیدا ہوئے جس کو کسی انسان نے چھوا ہی نہیں تھا جبکہ مرزا قادیانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر الزام لگاتا ہے کہ وہ کنجریوں کی اولاد اور خمیر تھے۔ (العیاذ باللہ)

﴿۴۸﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ الخ بقیہ فضائل حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کی تسلی: اس جملہ کا عطف "يَخْلُقُ" یا "يُبَشِّرُكِ" پر ہے۔ (کشاف: ص:۳۶۴: ج:۱: و روح المعانی: ص:۲۱۰: ج۔۳)

حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو جب معلوم ہوا کہ بچہ یونہی بغیر باپ کے پیدا ہوگا تو ان کو فکر ہوئی اور لوگوں کی ملامت کا اندیشہ ہوا تو اس فکر کو دور کرنے کے لیے حق تعالیٰ شانہ نے تسکین دل کے لیے فرمایا کہ میں اس کو لکھنا سکھاؤں گا کتاب سے مراد تحریر اور خط ہے۔ (قرطبی: ص:۹۴: ج:۴: و کبیر: ص:۲۲۶: ج۔۳)

چنانچہ آپ اپنے زمانے کے سب سے بڑے خوشنویس تھے۔ یا آسمانی کتابیں مراد ہیں کہ ان کو آسمانی کتابوں کا علم عطا کروں گا جیسے آیت سے واضح ہے۔ (مظہری: ص:۵۱: ج۔۲)

① مرزا کا نظریہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل چرا کر لکھی تھی

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: ''نہایت ہی شرم کی بات یہ ہے کہ آپ نے پہاڑی تعلیم کو جو انجیل کا مغز کہلاتی ہے یہودیوں کی کتاب طالمود سے چرا کر لکھا ہے اور پھر ایسا ظاہر کیا ہے کہ گویا یہ میری تعلیم ہے''۔

(حاشیہ انجام آتھم؛ ص:۶؛ مندرجہ روحانی خزائن؛ نمبر:۱۱؛ ص:۲۹۰؛ از مرزا قادیانی)

اوپر گزر چکا ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو توراۃ اور انجیل کا علم دیا جبکہ مرزا کا عقیدہ ہے کہ انہوں نے یہ کتاب چوری کر کے لکھی ہے (العیاذ باللہ) یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر محض الزام اور اللہ تعالیٰ کے علم پر تہمت ہے۔

② مرزا قادیانی کا نظریہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گالیاں دیتے تھے

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: آپ (عیسیٰ علیہ السلام) کو گالیاں دینا اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی ادنیٰ ادنیٰ بات میں غصہ آجاتا تھا اپنے نفس کو جذبات سے روک نہیں سکتے تھے مگر میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔ یہ بھی یاد رہے کہ آپ (عیسیٰ علیہ السلام) کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی''۔

(حاشیہ انجام آتھم؛ ص:۵؛ مندرجہ روحانی خزائن؛ ج:۱۱؛ ص:۲۸۹؛ از مرزا قادیانی)

مرزا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر گالی دینے کا الزام لگایا ہے (العیاذ باللہ) یہ سفید جھوٹ ہے جھوٹ بولنا کبیرہ گناہ ہے اور جبکہ نبی گناہ کبیرہ و صغیرہ دونوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

مرزائیوں کا عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والد یوسف نجار تھے

اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کنواری ماں حضرت مریم کے پیٹ سے بن باپ ہوئی جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے اس حقیقت کا انکار گمراہوں کے سوا کسی نے نہیں کیا۔ چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے ا: ۱۷۱/ ''ہمارا ایمان اور اعتقاد یہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بن باپ تھے اور اللہ تعالیٰ کو سب طاقتیں ہیں۔ نیچری جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا باپ تھا وہ بڑی غلطی پر ہیں ایسے لوگوں کا خدا مردہ خدا ہے اور ایسے لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بن باپ پیدا نہیں کر سکتا ہم ایسے آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ (مباحثہ راولپنڈی: ص ۸۰ سے۔ ملفوظات: ص: ۳۰۳ ج۔ ۲)

۲/ ۱۷۲ ۔''ومن عقائدنا ان عیسیٰ و یحیٰ قد ولدا طریق خرق العادۃ''۔

(مواہب الرحمٰن؛ ص ۷۰۔ روحانی خزائن؛ ص:۲۸۹؛ ج۔۱۹)

۳/ ۱۷۳ ۔''ویقولون ان عیسیٰ تولد من نطفۃ یوسف ابیہ الیٰ قولہ اویقال ونعوذ باللہ منہ انہ من الحرام''۔ (مواہب الرحمٰن؛ ص ۷۷۔ روحانی خزائن؛ ص:۲۹۶؛ ج۔۱۹)

لیکن افسوس ہے کہ مرزا قادیانی کی لاہوری جماعت مرزا کے ایمان واعتقاد سے بھی محروم ہے، یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کنواری ماں کا بن باپ بیٹا نہیں سمجھتے لاہوری جماعت کے امیر و قائد اول جناب محمد علی صاحب نے ''ولم یمسسنی'' کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ پیدا نہیں ہوئے تھے اور پھر مرزا قادیانی کی دورخی دیکھئے کہ: ازالہ اوہام؛ ص:۲۷؛ روحانی خزائن؛ ج: ۳؛ ص: ۲۵۴؛ پر لکھا ہے کہ ۴/ ۱۷۴۔ ''حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں''۔ ۵/ ۱۷۵۔ ''پس یہ تمام امور اس بات پر دلیل ہیں کہ قرآن کریم حضرت عیسیٰ کی بن باپ بیان نہیں کرتا''۔

"وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ"۔ آئندہ مس بشر سے مانع نہیں۔ (بیان القرآن: ص:۱۵، سو طبع چہارم محمد علی لاہوری)

۶/۶/۱۷ "کشتی نوح حاشیہ: ص ۱۶۔ روحانی خزائن: ج:۱۹؛ ص۔ ۱۸ پر لکھا ہے" یسوع مسیح کے چار بھائی اور بہنیں تھیں"۔ (کشتی نوح ایضاً حالت حمل میں مریم کا نکاح، بتول کے عہد کو توڑنا)۔ مرزا قادیانی کی اوپر دو متضاد عبارات آپ پڑھ چکے ہیں۔ ایک عبارت میں کہتا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کی طرف باپ کی نسبت کرتا ہے ہم ایسے آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ اور دوسری عبارت میں کہتا ہے کہ قرآن کریم حضرت عیسیٰ کی پیدائش بن باپ بیان نہیں کرتا یہ اس کے کذب پر واضح دلیل ہیں۔ جھوٹ بولنے والا شخص نبی نہیں ہوسکتا کیونکہ نبی امت کے لئے نمونہ ہوتا ہے اگر وہ بھی جھوٹ بولنے لگ جائے تو پھر کس کی بات پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

حاصل کلام: پوری امت مسلمہ کا عقیدہ ہے جو کہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے صراحتاً ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔

﴿۴۹﴾ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ۔۔۔ الخ: آمد حضرت عیسیٰ علیہ السلام "رَسُولًا" پر تنوین اظہار عظمت کے لیے ہے اور اصل عبارت یوں ہے "ونجعله رسولاً عظيماً"۔ (مظہری: ص:۵۱، ج۔۲)

یعنی ہم اس کو بنی اسرائیل کے پاس عظیم الشان پیغمبر بنا کر بھیجیں گے۔ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات: یہاں "بآیات" کی جگہ "بآیة" کیوں فرمایا ہے؟ جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اگرچہ بہت تھے مگر سب معجزات سے آپ کی صداقت ثابت ہوتی ہے اس لیے "بآیة" فرمایا ہے۔

أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ: تشریح معجزات فعلی: پہلا معجزہ پرندوں کی شکل بنانا۔ دوسرے اور تیسرے معجزے کو ذکر فرمایا "وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ"۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو اللہ کے حکم سے تندرست کر دیتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں علم طب کا بڑا چرچا تھا اس لیے آپ نے طبی جوہر دکھایا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور اور چرچا تھا اس لیے آپ نے جادوگروں کو عاجز کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کلام کی بلاغت و فصاحت کا بڑا چرچا تھا اس لیے قرآن کریم نے ان کو بلاغت میں شکست دی اور حکم فرمایا "فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ"۔

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک ایک دن میں پچاس پچاس ہزار مریض جمع ہو جاتے تھے جو خود نہیں آسکتے تو آپ خود ان کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کے حق میں دعا کرتے شرط ایمان کیساتھ اللہ جل شانہ انہیں تندرست فرما دیتے۔ (مظہری: ص:۵۲، ج:۲، معالم التنزیل: ص:۲۳۴، ج:۱، وروح المعانی: ص:۲۲۴، ج:۳)

وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ: چوتھے معجزہ کا ذکر: علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار اشخاص کو باذن اللہ زندہ کیا۔ ① عازر کو۔ ② ایک بڑھیا کا لڑکا۔ ③ عاشر کی لڑکی۔ ④ سام بن نوح علیہ السلام۔ سام بن نوح کے متعلق آتا ہے کہ آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اللہ کا اسم اعظم لے کر صاحب قبر کو پکارا سام قبر سے نکل آیا قیامت برپا ہونے کی وجہ سے اس کا آدھا سر سفید ہو چکا تھا اس زمانے میں لوگوں کے بال سفید نہیں ہوتے تھے سام نے کہا کیا قیامت برپا ہوگئی ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نہیں میں نے تو اللہ کا اسم اعظم لے کر پکارا تھا پھر آپ نے فرمایا اب مرجاؤ سام نے کہا اس شرط پر مرنے کو تیار ہوں کہ اللہ موت کی تلخی سے محفوظ رکھے آپ نے اللہ سے دعا کی اور حق تعالیٰ شانہ نے دعا قبول فرمائی۔

(معالم التنزیل: ص:۲۳۴، ج:۱، ومظہری: ص:۵۲، ج:۲، وروح المعانی: ص:۲۲۵، ج:۳)

معجزہ علمی وقولی : اوپر چاروں معجزات فعلی کا ذکر تھا اب آگے پانچویں معجزے کا ذکر کرتے ہیں جو علمی اور قولی معجزہ ہے "وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ"۔ یعنی اور میں تم کو خبر دوں گا اس چیز کی جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔ یعنی وحی کے ذریعہ بعض مغیبات پر تم کو مطلع کروں گا یہ ان چار معجزات کے بعد ایک علمی معجزہ ہے۔

① مرزا کا نظریہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی معجزہ نہیں ہے

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: "عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزات لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا اور اس دن سے کہ آپ نے معجزہ مانگنے والوں کو گندی گالیاں دیں اور ان کی حرام کار اور حرام کی اولاد ٹھہرایا اسی روز سے شریفوں نے آپ سے کنارہ کیا"۔ (حاشیہ انجام آتھم: ص:٦، مندرجہ روحانی خزائن: نمبر ١١، ص: ٢٩٠ از مرزا قادیانی)

② مرزا کا نظریہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کی حقیقت کچھ نہیں ہے

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: "سو کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دے دی ہو جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبانے یا کسی پھونک مارنے کے طور پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسے پرندہ پرواز کرتا ہے یا اگر پرواز نہیں تو پیروں سے چلتا ہو کیونکہ حضرت مسیح بن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ بڑھئی کا کام درحقیقت ایک ایسا کام ہے جس میں کلوں کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی صنعتوں کے بنانے میں عقل تیز ہو جاتی ہے اور جیسے انسان میں قویٰ موجود ہوں انہی کے موافق اعجاز کے طور پر بھی مدد ملتی ہے"۔

(ازالہ اوہام: ص:١٥٥، ١٥٤، مندرجہ روحانی خزائن: ج: سوم ص: ٢٥٥، ٢٥٤ از مرزا قادیانی)

گزشتہ آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی تصریح آچکی ہے قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو واضح طور پر بیان کیا ہے جس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں جبکہ مرزا قادیانی نے ان کا انکار کر کے قرآن کریم کو جھٹلایا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس کی تحریریں غلاظت سے بھری ہوئی ہیں جن میں حضرات انبیاء کرام کی معصوم شخصیات کو تنقیص کا نشانہ بنا کر یہودیت سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں اور خارج از اسلام ہونے کا واضح ثبوت پیش کیا ہے۔

﴿٥٠﴾ وَمُصَدِّقًا۔ کیفیت عیسیٰ علیہ السلام: یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلی تعلیم کے مصدق ہیں اور یہی انبیاء کی شان ہوتی ہے کہ وہ آسمانی کتابوں کو سچا بتاتے ہیں اور ایک نبی دوسرے نبی کی تصدیق کرتا ہے۔ وَلِأُحِلَّ لَكُم الخ اظہار حلال کا بیان: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں اس لیے آیا ہوں تا کہ حلال کر دوں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جو تم پر تورات میں حرام تھیں مثلاً اونٹ کا گوشت اور چربی اور ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ حلال وحرام کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کا کام صرف ان کی حلت وحرمت کو ظاہر کرنا اور بیان کرنا ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مرزا قادیانی کے چند غلیظ نظریات ملاحظہ فرمائیں

① عیسیٰ علیہ السلام (معاذ اللہ) شراب پیتے تھے: چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ: "یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے"۔

(کشتی نوح حاشیہ: ص ٧٣، مندرجہ روحانی خزائن: ج ١٩، ص ٧١ از مرزا قادیانی)

② شراب اور افیون : "ایک دفعہ مجھے ایک دوست نے یہ صلاح دی کہ ذیابیطس کے لئے افیون مفید ہوتی ہے پس علاج کی غرض سے مضائقہ نہیں کہ افیون شروع کردی جائے میں نے جواب دیا کہ آپ نے بڑی مہربانی کی کہ ہمدردی فرمائی لیکن اگر میں ذیابیطس کے لیے افیون کھانے کی عادت کرلوں تو میں ڈرتا ہوں کہ لوگ ٹھٹھا کر کے یہ نہ کہیں کہ پہلا مسیح تو شرابی تھا، اور دوسرا افیونی"۔

(نسیم دعوت، ص:۶۹، مندرجہ روحانی خزائن ج:۱۹، ص ۴۳۴،۴۳۵،ازمرزا قادیانی)

③ شراب اور خدائی کا دعویٰ : "یسوع اس لئے اپنے تئیں نیک نہیں کہہ سکا کہ لوگ جانتے تھے کہ یہ شخص شرابی کبابی ہے اور یہ خراب چال چلن نہ خدائی کے بعد بلکہ ابتداء ہی سے ایسا معلوم ہوتا ہے چنانچہ خدائی کا دعویٰ شراب خوری کا ایک بدنتیجہ ہے"۔

(ست بچن حاشیہ، ص:۱۷۲، مندرجہ روحانی خزائن، ج:۱۰، ۲۹۶،ازمرزا قادیانی)

④ شراب اور فاحشہ عورتیں : "لیکن مسیح کی راستبازی اپنے زمانے میں دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی بلکہ یحیٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی اسی وجہ سے خدا نے یحیٰ کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے"۔

(مقدمہ دافع البلاء، ص: ۴، مندرجہ روحانی خزائن، ج:۱۸، ص: ۲۲۰،ازمرزا قادیانی)

مرزا قادیانی چونکہ خود شراب پیتا تھا اس لئے اس نے اپنے لئے جواز پیدا کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر الزام لگا دیا۔ حالانکہ اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تمہارے لئے ان چیزوں کی حلت کو ظاہر کیا ہے جو تمہارے اوپر حرام تھیں مثلاً اونٹ وغیرہ۔

﴿۵۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ ... الخ خلاصہ تعلیم عیسیٰ علیہ السلام : حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا! میرا اور تمہارا رب اللہ ہے لہٰذا معجزات کی وجہ سے کوئی مجھ کو خدا نہ سمجھ لے بلکہ میرا تمہارا سب کا خدا ایک ہے ہم سب اسی کی عبادت کرتے ہیں اس تک پہنچنے کا راستہ توحید اور تقویٰ اور اطاعت رسول ہے توحید اور تقویٰ وہی معتبر ہے جو نبی کی ہدایت کے مطابق ہو خود ساختہ توحید اور تقویٰ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

﴿۵۲﴾ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى ... الخ عناد قوم کا احساس : جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی طرف سے اپنی تکذیب اور اللہ تعالیٰ کے متعلق کفریہ کلمات سنے جیسے انہوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا تھا اور ایسی حرکتیں دیکھیں جس سے کفر ظاہر ہو رہا تھا یعنی ان کا ارادہ قتل تو فرمایا۔ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ : حضرت عیسیٰ کا مکالمہ : "الی" بمعنی "فی" ہے یعنی اللہ کی راہ میں مددگار کون ہے؟ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ : جواب مکالمہ : حواری کہنے لگے۔ حواری خالص دوست کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ حور سے ماخوذ ہے حور کا معنی خالص سفیدی۔ (کبیر، ص ۲۳۳، ج ۳)

حواری کا معنی : قاموس میں ہے حواری مددگار یا پیغمبر کا مددگار اور دھوبی اور گہرہ دوست کو کہتے ہیں۔

حواری کہنے کی وجہ تسمیہ : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو حواری کہنے کی ایک وجہ : یہ ہے کہ ان کی نیتیں دینی امور میں خالص تھیں۔ دوسری وجہ : یہ ہے کہ وہ چند شہزادے تھے جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مدد کے خواستگار ہوئے تھے چونکہ وہ سفید لباس پہنتے تھے اس لیے ان کو حواری کہتے ہیں۔ تیسری وجہ : یہ ہے کہ وہ دھوبی تھے لوگوں کے کپڑے دھو کر سفید کرتے تھے۔

چوتھی وجہ : یہ ہے کہ ان کے دل گناہوں سے پاک صاف تھے۔ ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا ان کے چہروں پر عبادت کا اثر اور نور ایمان نمایاں تھا اس لیے ان کو حواری کہتے ہیں۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو صحابی کا لقب ملا ہے۔ بعض مفسرین

نے حواریوں کی تعداد بارہ بتائی ہے۔ (مظہری، ص:۵۵، ج:۲، قرطبی، ص:۹۸، ج۔۴) یہ تمام اقوال اپنی جگہ پر درست ہیں۔ واللہ اعلم
نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ ۔۔۔الخ یعنی ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں ہم اللہ پر ایمان لے آئے ہیں قیامت کے دن ہمارے فرماں بردار ہونے کی گواہی دیں۔

﴿۵۳﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا ۔۔۔الخ مناجات حواریین۔ وَاتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ ۔۔۔الخ اس رسول سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ (قرطبی، ص:۹۹، ج:۴، ومدارک، ص:۲۵۴، ج:۱، وبحر محیط، ص:۴۷۲، ج۔۲)

فَاكۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ : پس تو ہم کو ان لوگوں کی فہرست میں لکھ دینا جنہوں نے تیری وحدانیت اور تیرے انبیاء کی صداقت کی شہادت دی ہے۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ کے نزدیک "الشّٰهِدِيۡنَ" سے مراد انبیاء ہیں کیونکہ ہر نبی اپنی اُمت کا شاہد ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "الشّٰهِدِيۡنَ" سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت ہے کیونکہ امت محمدیہ قیامت کے دن انبیاء کی رسالت وتبلیغ کی گواہی دے گی۔ (معالم التنزیل، ص:۱۲۳، ج:۱، ومظہری، ص:۵۵، ج:۲) جیسا کہ دوسرے پارہ میں آیت: ۱۴۳ میں گزر چکا ہے۔

﴿۵۴﴾ وَمَكَرُوۡا ۔۔۔الخ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی خفیہ تدبیر وخباثت یہود: اور جن لوگوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کفر کا احساس کیا تھا انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خفیہ قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ وَمَكَرَ اللّٰهُ : حفاظت باری تعالیٰ: یعنی اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بچانے اور قتل کے ارادہ سے آنے والے کو قتل کرانے کی خفیہ تدبیر کی۔ "مکر" اصل میں کسی کو نقصان پہنچانے کی تدبیر کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت حقیقتاً نہیں کی جاسکتی بلکہ برسبیل تقابل ومشاکلت اللہ کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے۔ جیسے اس جگہ "وَمَكَرُوۡا" کے مقابل "وَمَكَرَ اللّٰهُ" آیا ہے۔ (مواهب الرحمٰن، ص:۲۰۰، ج۔۱)

سولی پر چڑھانے کی حقیقت

یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مارنے پر متفق الرائے ہوئے اور قتل کرنے کے ارادہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑ کر سولی پر چڑھانا چاہا اور اللہ پاک نے یہ خفیہ تدبیر فرمائی جو سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے گیا تھا اسی کو اللہ پاک نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صحیح سلامت آسمان پر اٹھالیا، یہود نے اسی شخص کو عیسیٰ سمجھا اور وہ روتا پیٹتا رہا اور اپنے پتے نشان اور حالات بتا تا رہا لیکن ایک بھی سنائی نہ دی اور انجام کار اس کو سولی پر چڑھا دیا۔ (تفسیر میرٹھی) جسکو سولی پر چڑھایا تھا وہ کون تھا؟ اسکی تفصیل سورۃ نساء آیت ۱۵۷ کے ذیل میں دیکھیں۔

اِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسٰۤى اِنِّىۡ مُتَوَفِّيۡكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ بے شک میں تجھ کو قبض کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور پاک کرنے والا ہوں ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا

وَجَاعِلُ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡكَ فَوۡقَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرۡجِعُكُمۡ

اور میں بنانے والا ہوں تیرا اتباع کرنے والوں کو اوپر ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا قیامت (کے قریب تک) پھر میری طرف ہی تم سب کا لوٹ کر آنا ہوگا

فَاَحۡكُمُ بَيۡنَكُمۡ فِيۡمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَاُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا

پھر میں فیصلہ کروں گا تمہارے درمیان ان باتوں میں جن میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿۵۵﴾ پس بہر حال وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا پس میں ان کو سزا دوں گا

شَدِيۡدًا فِي الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا

سخت سزا دنیا اور آخرت میں اور ان کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا ﴿۵۶﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے

الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتۡلُوۡهُ عَلَيۡكَ

اچھے کام کیے پس (وہ اللہ تعالیٰ) پورا پورا دے گا ان کو ان کا بدلہ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۵۷﴾ یہ بات ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں

مِنَ الۡاٰيٰتِ وَالذِّكۡرِ الۡحَكِيۡمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيۡسٰى عِنۡدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ

یہ آیتیں ہیں اور محکم بیان ہے ﴿۵۸﴾ بے شک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسی آدم (علیہ السلام) کی مثال اس کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا

ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿۵۹﴾ اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنۡ حَآجَّكَ

پھر اس نے فرمایا ہو جا پس وہ ہو گیا ﴿۵۹﴾ حق وہ ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے ہے پس آپ شک کرنے والوں میں نہ ہوں ﴿۶۰﴾ پس جو شخص اس بارے میں آپ سے جھگڑا

فِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَكُمۡ وَنِسَآءَنَا وَ

کرے بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے پس کہہ دیجئے آؤ بلائیں ہم اپنی اولادوں کو تم اپنی اولادوں کو ہم اپنی عورتوں کو

نِسَآءَكُمۡ وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَكُمۡ ثُمَّ نَبۡتَهِلۡ فَنَجۡعَلْ لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿۶۱﴾

تم اپنی عورتوں کو، ہم اپنی جانوں کو، تم اپنی جانوں کو پھر ہم التجا کریں اور گڑگڑائیں پھر ہم سب اللہ کی لعنت کریں ان لوگوں پر جو جھوٹے ہیں ﴿۶۱﴾

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡقَصَصُ الۡحَـقُّ ۚ وَمَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ

بے شک یہی بات صحیح اور سچا بیان ہے اور نہیں ہے کوئی عبادت کے لائق سوائے اللہ کے اور بے شک البتہ اللہ زبردست

الۡحَكِيۡمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِالۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۶۳﴾

اور حکمت والا ہے ﴿۶۲﴾ پس اگر یہ لوگ قبول نہ کریں تو بے شک اللہ خوب جانتا ہے مفسدوں کو ﴿۶۳﴾

﴿۵۵﴾ اِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسٰى ... الخ ربط آیات : گزشتہ آیات میں یہود کی سازشوں اور خباثتوں کا ذکر تھا اب یہاں سے ان کی سازشوں کے ناکام ہونے کا بیان ہے۔

خلاصہ رکوع : ❶ مواعید اربعہ بمقابلہ تدابیر اربعہ، تفصیل فیصلہ معاندین، بشارت متبعین، جملہ معترضہ برائے اثبات رسالت خاتم الانبیاء، ازالہ شبہ، گزشتہ مضمون کی تاکید، دعوت مباہلہ، کیفیت مباہلہ، نتیجہ بحث، وسعت علم باری تعالیٰ۔

ماخذ آیات ۵۵: تا ۶۳ +

مواعید اربعہ بمقابلہ تدابیر اربعہ:۔ ❶ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کیا جائے۔ ❷ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے بعد ان کو سولی پر چڑھا دیا جائے۔ ❸ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر مارنے کے بعد ان کی لاش کی خوب بے حرمتی کی جائے۔ ❹ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین اور مشن کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی چاروں تدبیروں کے مقابلے میں چار

وعدے فرمائے ہیں:

❶ اے عیسیٰ وہ یہود تجھے گرفتار کرنا چاہتے ہیں مگر میرا وعدہ یہ ہے کہ "اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ" میں تجھے پورا پورا اپنے قبضہ میں لے لوں گا۔ ❷ وہ یہودی گرفتاری کرنے کے بعد تجھے سولی پر چڑھانا چاہتے ہیں لیکن میرا وعدہ یہ ہے کہ "وَرَافِعُكَ" میں اپنے قبضہ میں لے کر تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا۔ ❸ وہ یہود سولی کے بعد تیرے جسم کو ذلیل و رسوا کرنا چاہتے ہیں لیکن میرا وعدہ یہ ہے کہ "وَمُطَهِّرُكَ" اور میں تیرے جسم کو ایسا پاک رکھوں گا کہ ان کے گندے ہاتھ آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔

❹ یہودی یہ سارا کھیل اس لیے کھیل رہے ہیں کہ دنیا سے تیرا مشن اور اللہ کا دین مٹ جائے لیکن میرا وعدہ یہ ہے کہ "وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" تیرے تابعداروں کو کافروں پر غالب رکھوں گا، اللہ تعالیٰ کی یہ چاروں تدبیریں کامیاب ہوئیں اور یہود اپنی تمام سازشوں میں ناکام ہوئے۔ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ ۔۔۔ الخ۔۔ تتمہ موعید اربعہ: اس کے بعد ایک وقت آئے گا جب تجھ کو اور تیرے موافق و مخالف سب لوگوں کو میرے حکم کی طرف لوٹنا ہے، اس وقت میں تمہارے سب جھگڑوں کا دوٹوک فیصلہ کردونگا اور سب اختلاف ختم کردیئے جائیں گے یہ فیصلہ کب ہوگا؟ اس فیصلہ کی تفصیل اگلی آیت میں موجود ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابعدار کافروں پر غالب رہیں گے۔ تفسیر مظہری میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبع حواری تھے نیز وہ اسرائیلی بھی تھے جو عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے تھے اور وہ آپ کی بعثت کے بعد مسلمان بھی ہوئے اور آپ ہی کے دین پر ہیں اور آپ کی تصدیق کی اور آپ کے دین توحید کو قبول کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کے اتباع کی وصیت کی تھی جس کا ذکر "وَمُبَشِّرًا ۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ ۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ" (سورۃ الصف۔ آیت ۶)

مسلمانوں نے اس آیت پر عمل کیا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے مراد نصاریٰ ہیں نصاریٰ یہودیوں پر غالب رہیں گے ابتک کبھی عیسائیوں پر یہودیوں کا غلبہ نہیں سنا گیا۔ اس قول پر اتباع سے مراد اتباع دین نہ ہوگا موجودہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصل دین پر نہیں ہیں بلکہ صرف محبت و اتباع کا دعویٰ مراد ہوگا۔ (مظہری، ص ۵۷، ج ۲)

نوٹ: موجودہ اسرائیل کی حکومت اس دعویٰ کے خلاف نہیں ہے چونکہ اس کی حیثیت امریکا اور برطانیہ کی چھاؤنی کی ہے وہ ان کے بل بوتے پر قائم ہے۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔

وفات حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مرزائیوں کا استدلال

اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ : میں تجھے قبض کرنے والا ہوں۔ مرزائی اس آیت کے لفظ "مُتَوَفِّیْكَ" سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر استدلال کرتے ہیں کہ ان کو وفات دی گئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لغت میں "توفی"۔ "وفّی" کا معنی ہوتا ہے "اخذ الشئی وافیا"۔ یعنی کسی چیز کا مکمل طور پر وصول کرلینا کسی چیز کو قبض کرلینا مراد ہوتا ہے۔ یہ تب ہی ہوسکتا ہے جب کہ روح مع الجسم ہو نہ ہو کہ روح کو اخذ الشئ وافیا کہتے ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اس کا ترجمہ کیا ہے میں لے لوں گا تجھ کو اور اٹھالوں گا تجھ کو اپنی طرف تو اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا تو اشارہ تک بھی نہیں ہے، اور اس کا مجازی طور پر اطلاق موت اور نیند پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا" اللہ تعالیٰ موت کے وقت نفسوں کو قبض کرلیتا ہے۔ "وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا" اور جو نیند کے وقت نہیں مرتی اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ گویا "توفی" کا لفظ نیند کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ تو "توفی" کے تین معنی ہوگئے ۱ایک حقیقی معنی ہے وصول کرنا اور مجازی معنی موت اور نیند ہے۔

اگر یہاں حقیقی معنی مراد لیں تو معنی ہوگا کہ میں تمہیں پورا پورا لوں گا اور اس میں موت کا کوئی معنی بھی نہیں ہوا، اور اگر معنی مجازی

یعنی موت لے لیں تو بھی اہل حق پر کوئی زد نہیں پڑتی کیونکہ "مُتَوَفِّيكَ" ای "مميتك" اسم فاعل ہے اور اسم فاعل میں زمانہ استقبال ہوتا ہے تو معنی ہوگا کہ میں تجھے وفات دوں گا اور اب اپنی طرف اٹھاتا ہوں لہٰذا موت کا معنی کرنے سے بھی ان کا استدلال باطل ہے۔ نیز یہ بات بھی یاد رکھیں کہ دنیا بھر کے قادیانی کسی کتاب سے توفی کا حقیقی معنی موت ثابت نہیں کر سکتے۔

❶ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے "توفی" کا معنی موت نقل کیا گیا ہے۔ اور یہ معنی نقل کرنے والا راوی علی بن ابی طلحہ ہے۔
(تفسیر ابن جریر ج: ۳، ص۔ ۲۹۰)

علماء اسماء الرجال نے اس کے متعلق ضعیف الحدیث، منکر، لیس بمحمود المذہب، کے جملے فرمائیں ہیں اور اس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زیارت بھی نہیں کی درمیان میں مجاہد رحمہ اللہ کا واسطہ ہے۔ (میزان الاعتدال، ج: ۵، ص: ۱۶۳، تہذیب التہذیب، ج: ۴، ص۔ ۲۱۳)

ان سے تفسیر ابن کثیر میں صحیح روایت منقول ہے: "ورفع عيسیٰ من روزنة فی البيت الی السماء هذا اسناد صحيح الی ابن عباس"۔ (ابن کثیر، ج: ۲، ص۔ ۹۱۱)

ترجمہ: عیسیٰ علیہ السلام گھر کے روزن (روشن دان) سے (زندہ) آسمان کی طرف اٹھا لئے گئے ہیں یہ اسناد ابن عباس رضی اللہ عنہما تک بالکل صحیح ہے۔ (بحوالہ تحفہ قادیانیت)

❷ اور دوسری یہ روایت بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صراحتاً منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لم يمت عيسیٰ" یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو موت نہیں آئی بلکہ وہ زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا ہے آپ قیامت کے قریب دوبارہ نزول کریں گے الخ۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حیات مسیح علیہ السلام کے بارے میں روایات اس کثرت سے ہیں کہ وہ تواتر کا درجہ رکھتی ہیں اور یہی بات صاحب کشاف لکھتے ہیں ابن عطیہ کے حوالہ سے۔

دوسرا جواب: اگر ایک منٹ کے لیے فرض کرلیا جائے کہ "متوفی" کا معنی موت دینا ہے تو پھر گزشتہ آیت کی تکذیب لازم آئے گی کیونکہ گزشتہ آیت میں گزر چکا ہے کہ مخالفوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مارنے کی تدبیر کی اور ادھر اللہ تعالیٰ نے انہیں بچانے کی تدبیر کی اگر مخالفین آپ کی جان لینے میں کامیاب ہوئے ہیں تو پھر "وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ" کا کیا معنی نکلا؟ اس سے مراد تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کامیاب ہوئی اور عیسیٰ علیہ السلام کو بچالیا گیا ہے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام کو موت دی گئی ہے پھر مطلب نکلا کہ اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر میں ناکام ہوا اور مخالف اپنی تدبیر میں کامیاب ہوگئے اور یہ قطعاً درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر کی کامیابی کا اعلان کیا ہے جو حیات مسیح پر قطعی دلیل ہے۔ یاد رکھیں

ہمارا اور ہمارے مشائخ کا مدعی نبوت و مسیحیت قادیانی کے بارے میں یہ قول ہے کہ جب اس نے نبوت و مسیحیت کا دعویٰ کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کا منکر ہوا اور اس کا خبیث عقیدہ اور زندیق ہونا ہم پر ظاہر ہوا تو ہمارے مشائخ نے اس کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا۔ (خلاصہ عقائد علمائے دیوبند)

نصیب شاہ سلفی کا جھوٹا دعویٰ سب سے اول مرزا پر کفر کا فتویٰ لگانے والا اہل حدیث عالم تھا۔

مرزا صاحب پر سب سے اول کفر کا فتویٰ لگانے والا اہلحدیث عالم تھا جس کا مرزا نے خود اپنی کتاب کشتی نوح صفحہ ۶۹۔۷۰۔۷۱ پر اعتراف کیا ہے کیونکہ مقولہ ہے (الفضل ما شهدت به الاعداء) کہ فضیلت تو اسی میں ہے کہ دشمن خود اقرار کریں تمہاری حقانیت کا۔ اس کے الفاظ ملاحظہ ہوں اور جیسا کہ مسیح کے مقدمہ میں یہودی مولوی نے گواہی دی ضروری تھا کہ اس مقدمہ میں بھی کوئی مولوی گواہی دیتا اس کام کے لیے اللہ نے مولوی محمد حسین بٹالوی کا انتخاب کیا اور وہ لمبا جبہ پہن کر (میری نبوت کے خلاف) گواہی دینے کے لیے آئے۔ موازنہ کیجئے ص ۱۲، ۱۳۔

جواب: نصیب شاہ سلفی نے بزبان حال مرزا قادیانی پر علماء دیوبند کی طرف سے کفر کے فتوے کو تو تسلیم کرلیا مگر ساتھ ہی ایک جھوٹا دعویٰ بھی کر دیا کہ مرزا پر سب سے پہلے کفر کا فتویٰ اہلحدیث عالم (محمد حسین بٹالوی) نے لگایا ہے حالانکہ اس کی کوئی اصل نہیں البتہ یہ حقیقت ہے کہ مرزا کی سب سے پہلے حمایت محمد حسین بٹالوی نے کی ہے۔

مرزا کے حق میں سب سے اول گواہی اہلحدیث عالم نے دی: ہمارا دعویٰ ہے کہ مرزا کے حق میں سب سے پہلے گواہی دینے والا اہلحدیث عالم تھا نہ کہ مرزا کے خلاف کفر کا فتویٰ دینے والا۔ فریق مخالف کی پیش کردہ عبارت جو کہ مرزا کی کتاب سے نقل شدہ ہے اس پر دال ہے کیونکہ مرزا کی عبارت میں بین القوسین عبارت (میری نبوت کے خلاف) موجود نہیں اس عبارت کا اضافہ خود انہوں نے کیا ہے، مرزا کی عبارت میں اس کا نام ونشان تک نہیں یہ محض اپنے حواریوں سے مفت داد وصول کرنے کے لیے عبارت میں تحریف کی گئی ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں: اور جیسا کہ مسیح کے مقدمہ میں یہودی عالم نے گواہی دی ضروری تھا کہ اس مقدمے میں کوئی اور مولوی گواہی دیتا اس کام کے لیے اللہ نے مولوی محمد حسین بٹالوی کا انتخاب کیا اور وہ لمبا جبہ پہن کر گواہی دینے کے لیے آئے۔ (کشتی نوح ص۔ ۵۴)

یہ کتاب طبع شدہ ہے جس کا دل چاہے خود کشتی نوح ص۔ ۵۴ میں دیکھ سکتا ہے۔ مرزا کی اس عبارت میں دو قرینے ایسے موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ محمد حسین بٹالوی نے مرزا کے حق میں اثبات نبوت کی گواہی دی ہے۔

پہلا قرینہ یہ ہے کہ مسیح کے مقدمے میں یہودی عالم نے گواہی دی تمام مسلمانوں کو یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ یہود ہمیشہ سے اسلام اور ختم نبوت کے دشمن سازش کر رہے ہیں وہ کیا ختم نبوت کا دفاع کر سکتے ہیں؟

اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ محمد حسین بٹالوی کے متعلق مرزا نے لکھا ہے کہ اس کام کے لیے اللہ نے محمد حسین بٹالوی کو منتخب کیا۔

آج ہر مسلمان جانتا ہے جس نے بھی مرزا کے خلاف زبان کھولی یا قلم اٹھایا تو مرزا کی زبان اس کے خلاف کبھی بھی خاموش نہیں رہی بلکہ مرزا نے اس کے خلاف گندی زبان استعمال کی ہے جب کہ محمد حسین بٹالوی کے متعلق کہا کہ اس کام کے لیے اللہ نے محمد حسین بٹالوی کو منتخب کیا۔ اب کیا بات باقی رہ گئی؟ گندی زبان کے لیے چند حوالے ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا سعد اللہ لدھیانوی حنفی اور لدھیانہ کے دیگر علما نے جب مرزا پر کفر کا فتویٰ لگایا تو مرزا نے ان کے بارے میں کیا کہا: ملاحظہ فرمائیں عربی اشعار کا ترجمہ:

(۱) اور لئیموں میں سے ایک فاسق آدمی کو دیکھتا ہوں کہ ایک شیطان ملعون ہے سفیہوں کا نطفہ۔

(۲) بدگو ہے اور خبیث اور مفسد اور جھوٹ کو ملمع کر کے دکھلانے والا منحوس ہے جس کا نام جاہلوں نے سعد اللہ رکھا ہے۔

(۳) تیرا نفس ایک خبیث گھوڑا ہے اس کی پیٹھ کی بلندی سے تو خوف کر۔ (۴) جو کچھ دنیا میں ہے ان سب سے بدتر زہریں ہے اور زہروں سے بدتر صلحاء کی دشمنی ہے (بحوالہ: انجام آتھم صفحہ ۲۸۱؛ تتمہ حقیقۃ الوحی ص۔ ۱۵)

مرزا نے دوسری جگہ لکھا ہے: ایک نہایت کمینہ اور گندہ زبان شخص سعد اللہ نام لدھیانہ کا رہنے والا میری ایذاء کے لیے کمربستہ ہوا اور کئی کتابیں نثر اور نظم سے بھری ہوئی تالیف کر کے اور چھپوا کر میری توہین اور تکذیب کی غرض سے شائع کیں اور پھر اسی پر اکتفاء نہ کر کے آخر کار مباہلہ کیا۔ (بحوالہ: چشمہ معرفت ۲ ص۔ ۳۲۱)

مرزا قادیانی نے مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں لکھا ہے: "اٰخرهم الشيطان الاعمى والغول الاغوى يقال له رشيد احمد جنجوهى وهو شقى كالامروهى الملعونين"۔ (انجام آتھم ص۔ ۲۵۲)

ان میں سے آخری شخص وہ ہے جو شیطان، اندھا اور بہت گمراہ ہے اس کو رشید احمد گنگوہی کہا جاتا ہے۔ اور وہ امروہی کی طرح شقی اور ملعونین میں سے ہے۔

ان حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے بھی مرزا کے خلاف کچھ لکھا یا کہا تو مرزا نے غلیظ ترین گالیوں سے اس کا استقبال کیا۔ اگر غیر مقلد مولوی محمد حسین بٹالوی نے سب سے پہلے مرزا کے بارے میں کفر کا فتویٰ دیا ہوتا تو مرزا کبھی بھی یہ نہ کہتا کہ "اللہ نے اس کا انتخاب کیا ہے" بلکہ اپنی عادت مالوفہ کو خوب استعمال کرتا۔

علماء لدھیانہ پر مولوی بٹالوی کی تنقید :لدھیانہ کے علماء نے جب مرزا پر کفر کا فتویٰ لگایا تو مولوی بٹالوی نے علماء لدھیانہ پر سخت تنقید کی۔ (اشاعۃ السنۃ، ۸ شمارہ نمبر ۶ صفحہ نمبر ۱۷۰ تا ۱۷۲، بر حاشیہ)

مرزا غلام احمد قادیانی کو الہامی مان کر سب سے پہلے مولوی بٹالوی نے مرزا کی موافقت کی۔ ملاحظہ فرمائیں

(۱) مشہور اہلحدیث عالم ابراہیم میر سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ :اس سے پیشتر اسی طرح کے اختلاط سے جماعت اہلحدیث کے کثیر التعداد لوگ قادیانی ہو گئے تھے جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ابتداء میں مولوی محمد حسین بٹالوی نے مرزا کو الہامی مان کر ان کی موافقت کی اور ان کی تائید میں اپنے رسالے "اشاعۃ السنۃ" میں زوردار مضامین بھی لکھتے رہے جس سے جماعت اہلحدیث کے معزز افراد مرزا کی بیعت میں داخل ہو گئے۔ (احتفال الجمہور صفحہ ۲۳)

(۲) تاریخ احمدیت کے مصنف لکھتے ہیں کہ :جون ۱۸۸۷ء میں قادیان سے انبالہ جاتے ہوئے حضور (مرزا قادیانی) اہل وعیال سمیت مولوی محمد حسین بٹالوی کے مکان پر ایک رات ٹھہرے تھے اور مولوی صاحب نے حضرت اقدس اور ان کے اہل بیت کی پر تکلف دعوت بھی کی تھی (تاریخ احمدیت صفحہ نمبر ۲۷۷ ۱۳)

مولوی محمد حسین بٹالوی نے کافی عرصے مرزا کی حمایت کے بعد محسوس کیا کہ میں جواب تک مرزا کی حمایت کرتا رہا یہ بڑی غلطی تھی اور مرزا کے خلاف فتویٰ طلب کرنے سے پہلے مرزا کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ اس کی تفصیل رئیس قادیان ابوالقاسم دلاوری میں یوں ہے :دعویٰ مسیحیت کے بعد جب مرزا کی لن ترانیاں حد سے تجاوز کرنے لگیں تو مولوی محمد حسین بٹالوی نے کچھ تو پرانی دوستی کا لحاظ کر کے اور کچھ یہ سوچ کر کے کہ کسی گم کردہ راہ کو راستے پر لگانا بہت بڑا کار ثواب ہے ارادہ کیا مرزا کو راہ راست پر لانے کی از سر نو کوشش کی جائے۔

ان ایام میں مولوی صاحب لاہور میں اقامت فرماتے اور مسجد چینیاں کے خطیب تھے ایک دن کسی کام سے امرتسر گئے تو کسی نے بیان کیا کہ مرزا غلام احمد نے اپنے دعووں کے متعلق ایک نیا رسالہ لکھا ہے جس کا نام "فتح الاسلام" ہے اور وہ رسالہ امرتسر کے مطبع "ریاض ہند" میں چھپ رہا ہے۔ مولوی صاحب نے اس کے پروف منگوا کر پڑھے تو معلوم ہوا کہ کشتی شکستہ ایمان اب اسلام کے شارع عام سے اور بھی دور چلا گیا ہے اور عزم مصمم کر لیا کہ اس شخص پر اس کی غلط روی کو واضح کریں۔

چنانچہ لاہور آ کر ۳۱۔ جنوری ۱۸۹۱ء کو مرزا صاحب کے نام ان کے دعووں کے متعلق ایک چھٹی لکھی۔

الہامی صاحب نے اس کے جواب میں کچھ باتیں بنائیں مولوی صاحب نے پھر جواب الجواب لکھ بھیجا۔ غرض اس طرح دو ڈھائی مہینے تک خط وکتابت ہوتی رہی لیکن بھلا پتھر میں بھی کبھی جونک لگی ہے۔ قادیانی صاحب پر اس افہام وتفہیم کا کچھ اثر نہ ہوا اور یہ دلچسپ خط وکتابت اشاعۃ السنۃ جلد ۱۲ شمارہ نمبر ۱۲ کے صفحہ ۳۵۴ سے شروع ہو کر صفحہ نمبر ۳۸۸ تک چلی گئی۔ (رئیس قادیان صفحہ ۴۰۹ تا صفحہ ۴۱۰ بحوالہ سب سے پہلا فتویٰ تکفیر صفحہ ۱۲۳)

بالآخر جب مولوی بٹالوی صاحب مرزا قادیانی کو راہ راست پر لانے میں ناکام رہے تو انہوں نے ایک استفتاء علماء ہند کے

سامنے پیش کیا۔ دیکھیے رئیس قادیان صفحہ ۴۴۶ تا صفحہ ۴۴۷ بحوالہ سب سے پہلا فتویٰ تکفیر صفحہ ۱۲۴۔

رئیس قادیان کی اس تحریر سے معلوم ہوا کہ بٹالوی نے ۱۸۹۱ء کے بعد مرزا کے خلاف فتویٰ طلب کیا۔ تھوڑی دیر کے لیے یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ بٹالوی نے مرزا کے خلاف فتویٰ دیا تھا تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سب سے پہلا فتویٰ کفر کا بٹالوی نے دیا تھا۔ حقیقت یہی ہے کہ بٹالوی نے سب سے پہلے قادیانی کفر کے خلاف فتویٰ نہیں دیا اور جو فتویٰ مرزا کے خلاف دیا تھا اس سے رجوع ثابت ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں۔

قادیانی لاہوری جماعت کے پیشوا محمد علی لاہوری لکھتے ہیں کہ :مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنے فتویٰ کفر سے رجوع کیا اور ۱۸۹۹ء میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کی عدالت میں اس اقرار نامے پر دستخط کیے ہیں کہ میں آئندہ مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر، کاذب اور دجال نہیں کہوں گا۔ (مغرب میں تبلیغ اسلام صفحہ ۲۱، ضرورت مجدد صفحہ نمبر ۳۳)

قادیانی پیشوا محمد علی لاہوری لکھتے ہیں کہ :(بٹالوی نے) سیالکوٹ کے منصف کی عدالت میں یہ حلفیہ بیان بطور گواہ دیا کہ نہ صرف ان کے نزدیک بلکہ ان کے فرقے اہلحدیث کے نزدیک غلام احمد قادیانی کافر نہیں۔ (مغرب میں تبلیغ اسلام صفحہ نمبر ۲۱)

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں :محمد حسین (بٹالوی) ہمارے مقابل پر بیٹھا اور اس وقت مجھے اس کا سیاہ رنگ معلوم ہوتا اور بالکل برہنہ ہے، پس مجھے شرم آئی کہ میں اس کی طرف نظر کروں پس اس حال میں (یعنی برہنہ حالت میں) وہ میرے پاس آیا میں نے اس سے کہا کہ کیا وقت نہیں آیا کہ تو صلح کرلے اور کیا تو چاہتا ہے کہ تجھ سے صلح کی جائے۔ اس نے کہا ہاں پس وہ میرے نزدیک آیا اور بغل گیر ہوا۔ (سراج منیر ۷۸، روحانی خزائن صفحہ نمبر ۸۰)

مرزا غلام احمد قادیانی کے خواب کی مرزا بشیر کے زمانے میں تکمیل :قادیانیوں کی مشہور کتاب تذکرہ کے حاشیہ میں ہے :یہ رؤیا (خواب) حضرت امیر المؤمنین خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے زمانے میں پوری ہوئی۔ چنانچہ حضور (یعنی مرزا بشیر الدین) فرماتے ہیں کہ جب میرا زمانہ آیا اللہ نے ان کے دل میں ندامت پیدا کی۔ چنانچہ میں ایک دفعہ بٹالہ گیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے آئے اور میں نے دیکھا کہ ان پر سخت ندامت طاری تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اس رؤیا کو اس رنگ میں پورا کر دیا کہ ان کے دو لڑکے تعلیم حاصل کرنے کے لیے قادیان آئے اور انھوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی۔ (تذکرہ صفحہ نمبر ۲۷۲ برحاشیہ مطبوعہ ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۵۶)

اس تحریر سے معلوم ہوا کہ بٹالوی صاحب اپنے فتویٰ تکفیر پر نادم تھے اور مرزا کی وفات کے بعد بھی ان کے مرزائیوں سے روابط تھے اور ان کے دو لڑکے مرزا بشیر الدین قادیانی سے بیعت ہو کر ان سے قادیان میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔

﴿۵۶﴾ تفصیل فیصلہ معاندین :حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کے معاندین کی سزا کا ذکر اس کا پیشتر نمونہ دنیا سے شروع ہو جائے گا۔ قتل ہوں گے، قیدی ہوں گے اور جزیہ دیں گے۔ (مظہری: ص: ۵۸: ج۔ ۲)

﴿۵۷﴾ بشارت متبعین :حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کا اتباع کرنے والوں کے لئے بشارت ہے۔

﴿۵۸﴾ جملہ معترضہ برائے اثبات رسالت خاتم الانبیاء وصداقت قرآن :یہ گزشتہ شرائع کے واقعات بطور نمونہ آنحضرت ﷺ کو آپکی اثبات رسالت کے لئے بتائے جا رہے ہیں۔ یاد رکھیں قرآن کریم کے ذریعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کیا جا رہا ہے۔ جب قرآن سچی کتاب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بھی سچی ثابت ہوئی۔

﴿۵۹﴾ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ... الخ ازالہ شبہ :اس آیت میں نجران کے نصاریٰ کے ایک شبہ کا جواب ہے اس شبہ کا ذکر پہلے بھی گزر چکا ہے کہ عیسائیوں کے ایک وفد کا آپ ﷺ سے مناظرہ ہوا جب دلائل سے عاجز آ گئے تو کہنے

لگے کہ تمہارے قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے اگر بیٹا نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کون ہے؟ تو یہاں سے اس کا جواب دیا گیا کہ اے نصاریٰ جب تم حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے تسلیم کر چکے ہو تو اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو بغیر باپ کے ہونے میں کیوں شک کرتے ہو۔ (تفسیر منیر)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے مشابہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر پیدا کیا پھر آسمانوں پر اٹھالیا پھر زمین پر خلافت کبریٰ کیلئے بھیجا گیا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا، کہ ان کو زمین پر پیدا فرمایا، پھر آسمانوں پر اٹھالیا پھر قرب قیامت میں زمین پر اتارا جائے گا۔

(محصلہ معارف القرآن: ج:۱: ص۔ ۶۲۵)

﴿۶۰﴾ گزشتہ مضمون کی تاکید : مطلب یہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ حق تھا وہ فرمادیا ہے جس میں کوئی بھی شک اور شبہ نہیں، اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو خطاب ہے کہ آپ شک نہ کریں تو اس کا پہلا جواب، یہ ہے کہ خطاب ہر ایسے شخص کو جو مخاطب ہو سکتا ہے یعنی اے مخاطب تو اس معاملہ میں شک کرنے والوں کے ساتھ نہ ہو، پس یہ بلیغ ہے بہ نسبت اس کے کہ تو شک مت کر۔ فافھم۔ دوسرا جواب، یہ ہے کہ یہ خطاب آنحضرت ﷺ کو نہیں بلکہ اور لوگ مراد ہیں جیسے "یَاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ" میں ہے منادیٰ آنحضرت ﷺ کو کیا اور "طَلَّقْتُمْ" جمع کا خطاب مؤمنوں کو ہے۔

(معالم وسراج المنیر بحوالہ مواہب الرحمٰن: ص: ۲۰۹: تا ۲۱۰ ج۔ ۱)

﴿۶۱﴾ فَقُلْ تَعَالَوْا ... الخ آیت مباہلہ، دعوت مباہلہ ... نجران کے عیسائیوں کے وفد کا تذکرہ ابتدائے سورۃ سے ہو رہا ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مباہلہ کرنے کا ایک طریقہ بتایا ہے کہ اگر واضح دلائل دینے کے باوجود یہ لوگ حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں تو پھر آپ انہیں چیلنج کریں کہ تم خود بھی آجاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی میدان میں لے آؤ۔

ثُمَّ نَبْتَهِلْ ... الخ کیفیت مباہلہ: پھر ہم سب مل کر اللہ کے سامنے نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعا کریں مولا کریم! جو فریق جھوٹا ہے اس پر تیری لعنت ہو اور ایسا گروہ تیرے عذاب میں گرفتار ہو، جب آنحضرت ﷺ نے نصاریٰ کو یہ دعوت دی تو کہنے لگے کہ ہم آپس میں مشورہ کرنے کے بعد جواب دیں گے۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ہے عاقب جو ان میں سب سے زیادہ عقلمند اور سوجھ بوجھ رکھنے والا تھا اہل وفد نے اس سے علیحدگی میں پوچھا عبدالمسیح آپ کی کیا رائے ہے؟ عاقب نے جواب دیا برادران عیسائیت تم خوب پہچان چکے ہو کہ محمد نبی مرسل ہیں خدا کی قسم کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قوم نے کسی نبی سے مباہلہ کیا ہو اور پھر وہ قوم زندہ رہی ہو بلکہ اس قوم میں سب چھوٹے بڑے مرجاتے ہیں اب اگر تم نے ایسا کیا تو سب تباہ ہو جاؤ گے، لہٰذا اگر تم خیریت سے رہنا چاہتے ہو تو ان سے صلح کرلو اور اپنے ملک کی طرف لوٹ جاؤ۔ اس مشورہ کے تحت سب لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ صبح کو گھر سے باہر تشریف لائے حضرت حسین رضی اللہ عنہ آپ کی گود میں تھے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پیچھے تھیں، اور ان کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور آپ فرمارہے تھے جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔

یہ دیکھ کر نجران کا پادری کہنے لگا اے نجران کے وفد مجھے ایسے چہرے نظر آرہے ہیں کہ اگر یہ اللہ سے دعا کریں تو اللہ تعالیٰ پہاڑ کو بھی اس کی جگہ سے ہٹادیں گے لہٰذا تم ان سے مباہلہ مت کرو ورنہ سب مرجاؤ گے اور قیامت کے دن تک کوئی عیسائی بھی باقی نہیں رہے گا۔

آخر اہل وفد نے کہا ابوالقاسم ہماری رائے یہ ہے کہ ہم آپ سے مباہلہ نہیں کرتے ہم اپنے مذہب پر قائم رہیں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم مباہلہ نہیں کرنا چاہتے تو مسلمان ہو جاؤ جو مسلمانوں کے حقوق و فرائض ہیں وہ تمہارے بھی ہو جائیں گے جب اہل

وفد نے مسلمان ہونے سے انکار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اب میری تمہاری جنگ ہوگی، کہنے لگے عرب سے لڑنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے ہم آپ سے اس شرط پر صلح کر سکتے ہیں کہ آپ ہم پر لشکر کشی نہ کریں نہ ہم کو خوف زدہ کریں نہ اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور کریں اور ہم سالانہ دو ہزار جوڑے کپڑوں کے آپ کو ادا کرتے رہیں گے ایک ہزار صفر میں اور ایک ہزار رجب میں آنحضرت ﷺ نے اس شرط پر ان سے صلح کر لی اور فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میری جان ہے اہل نجران کے سروں پر عذاب آہی گیا تھا اگر وہ مباہلہ کرتے تو ان کی صورتیں مسخ ہو کر بندروں اور سوروں جیسی ہو جاتیں ساری وادی آگ سے بھڑک اٹھتی یہاں تک کہ نجران کے درختوں پر پرندے بھی تباہ ہو جاتے اور سال گزرنے نہ پاتا کہ سارے عیسائی ہلاک ہو جاتے۔

(کبیر: ص ۲۴۷، ج: ۳؛ و: کشاف: ص: ۳۶۹؛ ج: ۱؛ و: ابوسعود: ص: ۳۴۷؛ ج: ۱؛ و: روح المعانی: ص: ۲۲۴۸؛ ج۔ ۳)

آیت مباہلہ سے روافض کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بلا فصل ہونے پر استدلال

اس آیت سے روافض نے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کا ابطال اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ اول ہونے پر استدلال کیا ہے وہ اس طرح کہ اس آیت میں "اَبْنَآءَ" سے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما اور "نِسَآءَ" سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور "اَنْفُسَنَا" سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کو نفس محمد قرار دیا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فضائل میں حضرت محمد ﷺ کے مساوی تھے اور ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کو لوگوں کی امارت کا سب سے زیادہ حق تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" نبی زیادہ قریب ہیں مومنوں کی جانوں سے بھی پس حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ایسے ہی ہوئے لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی آنحضرت ﷺ کے بعد امام ہوئے۔

اس استدلال کے ابطال کے چند جوابات ہیں

❶ اَنْفُسَنَا : جمع کا صیغہ ہے جو کئی نفوس پر دلالت کرتا ہے ایک نفس آنحضرت ﷺ کا، اور دوسرے نفوس آپ ﷺ کے متبعین کے، وحدت نفس پر کوئی لفظ دلالت نہیں کر رہا ہے لہٰذا استدلال باطل ہوا۔ ❷ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کے تمام اوصاف میں مساوات تو بالاتفاق حضرات روافض کے ہاں بھی غلط ہے کیونکہ وصف رسالت میں شرکت نہیں اگر ہے تو ثابت کریں؟ اگرچہ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ امام میں وہی شرائط و کمالات پائے جاتے ہیں جو نبوت کے ہیں مگر عملی طور پر وصف رسالت میں شریک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ثابت نہیں کر سکتے، اور اگر بالفرض بعض اوصاف میں برابری ہے تو اس سے مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ ❸ ممکن ہے بطور عموم مجاز حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شمار بھی "اَبْنَآءَ" ہی میں ہو جائے کیونکہ عرف عام میں داماد پر بھی "ابن" کا اطلاق ہوتا ہے۔

❹ یہ بھی ممکن ہے کہ "اَنْفُسَنَا" سے مراد وہ سب لوگ ہوں جو نسب اور دین کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ سے وابستہ ہوں۔ دیکھو آیت "وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ" اور "تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ" میں وہ لوگ مراد ہیں جو دین اور نسب میں متحد ہیں لہٰذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فضائل میں بھی سب برابر ہوں۔ (تفسیر مظہری، ج۲، ص ۶۶)

الغرض یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محض ایک گونہ فضیلت کی طرف مشیر ہے باقی خلافت بلا فصل کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ شیعہ روافض اس آیت سے یہ بھی استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی صرف ایک ہی بیٹی تھی کیونکہ اگر اور ہوتیں تو آپ ان کو بھی ساتھ لے کر آتے۔

جواب: ساتھ نہ لانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سرے سے ان کا وجود ہی نہیں ہے حالانکہ آپ ﷺ کی تین صاحبزادیاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ تھیں جو واقعہ مباہلہ سے قبل فوت ہو چکی تھیں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سن ۲ ہجری میں فوت ہوئی آپ غزوہ بدر کے لیے

تشریف لے گئے تو رقیہ رضی اللہ عنہا مدینہ میں فوت ہوگئیں آپ ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہو سکے بدر سے واپس آ کر ان کی قبر پر جا کر دعا کی۔ اس کے بعد ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا مگر وہ بھی شعبان ۷ ھ میں وفات پا گئیں۔ پھر آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سن ۸ ہجری میں فوت ہوئیں اس کا ذکر احادیث میں موجود ہے۔ واقعہ مباہلہ ۹ ہجری تا ۱۰ ہجری میں پیش آیا جب کہ آپ کی تین صاحبزادیاں ۹ ہجری تک فوت ہو چکی تھیں۔ اس کی واضح تصریح کتب شیعہ میں موجود ہے۔ لہٰذا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی بنات رسول کا انکار محض ضد پر مبنی ہے۔ حق بات یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں چار تھیں سنی اور شیعہ کتب میں اس کی تصریح موجود ہے تفصیل آگے آئے گی۔ جنات نبی کا کن لوگوں سے نکاح ہوا؟

جواب: کتب اہل سنت اور اہل تشیع سے صراحتاً ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جب سن بلوغت میں قدم رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے خواہر زادہ حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ سے کر دیا، اور چچا ابولہب سے بھی رشتہ داری کے عام مراسم تھے دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نابالغی کی عمر میں ابولہب کے لڑکوں عتبہ عتیبہ سے نکاح کر دیا اور جب سورۃ لہب نازل ہوئی ابولہب آپ کا اعلانیہ دشمن بن گیا تو آپؐ نے اپنی دونوں صاحبزادیوں کی طلاق قبل از رخصتی نابالغی کی عمر میں لے لی تھی۔ جب حضرت رقیہ بالغ ہوئی تو آپؐ نے ان کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا جب ان کی وفات ہوگئی تو پھر اپنی لخت جگر ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا یہ شرف صرف حضرت عثمان کو ملا۔ اور چوتھی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا۔ سوال۔ اگر وہ تین صاحبزادیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ہوتی تو ان کا مقام بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جیسا ہوتا؟ **جواب:** یہ کوئی اصول نہیں ہے کہ ایک ہی ماں باپ کی سب اولاد مراتب اور درجات میں برابر ہوں تو ایک ماں باپ کے ہیں ورنہ نہیں آپ دیکھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اور دو بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح پکے اور سچے مسلمان تھے اور ان کے حقیقی بھائی تھے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ ان دونوں سے اعلیٰ وارفع تھا۔ تو یہ کہنا کہ اگر وہ تینوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی بیٹیاں ہوتی تو ان کا مقام و مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جیسا ہوتا یہ عقل میں آنی والی بات نہیں۔ یاد رکھیں اصول کافی، حیاۃ القلوب، منتہی الآمال میں واضح تصریح موجود ہے کہ یہ چاروں صاحبزادیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی بیٹیاں تھیں۔

﴿۶۲﴾ **نتیجہ بحث:** یہ صحیح واقعات بیان ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس مباہلہ کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ ایک خدائے قدوس وحدہ لاشریک لہٗ کے سوا اور کوئی معبود نہیں نہ عیسیٰ علیہ السلام اور نہ عزیز علیہ السلام۔

﴿۶۳﴾ **وسعت علم باری تعالیٰ:** اگر ان سب حجتوں کے بعد اب بھی نہ مانیں تو اللہ تعالیٰ ان کے فساد سے خوب آگاہ ہے وہ جانتا ہے کہ مخالفت توحید محض شرارت اور ہٹ دھرمی پر مبنی ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا

اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب آؤ ایک کلمے کی طرف جو تمہارے اور ہمارے درمیان برابر (مسلّم) ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں

نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا

اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ بنائیں ہم میں سے بعض بعض کو رب اللہ کے سوا پس اگر یہ لوگ اعراض کریں (قبول نہ کریں) تو (اے مسلمانو) تم ان سے کہہ دو

اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ

تم گواہ رہو بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں ﴿۶۴﴾ اے اہل کتاب تم کیوں جھگڑا کرتے ہو ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں حالانکہ نہیں نازل کی گئی

التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٥﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا

تورات اور انجیل مگر ان کے بعد کیا تم عقل نہیں رکھتے ﴿۶۵﴾ سنو اے لوگو! جھگڑا کیا تم نے اس چیز میں

لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

جس کا تمہیں علم تھا اب کیوں جھگڑا کرتے ہو اس چیز میں جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿۶۶﴾

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ

ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی مگر وہ حنیف (سب طرف سے ہٹ کر ایک طرف لگنے والے) اور مسلمان (اللہ کے فرمانبردار) تھے اور وہ

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٦٧﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ

شرک کرنے والوں میں نہیں تھے ﴿۶۷﴾ بے شک لوگوں میں سے ابراہیم (علیہ السلام) کے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا اتباع کیا اور یہ نبی

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَدَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ

اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا ولی (کارساز) ہے ﴿۶۸﴾ اہل کتاب میں سے ایک گروہ پسند کرتا ہے

لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٩﴾ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ

کہ وہ تم کو گمراہ کریں اور وہ نہیں گمراہ کرتے مگر اپنی جانوں کو اور وہ نہیں سمجھتے ﴿۶۹﴾ اے اہل کتاب!

لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿٧٠﴾ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ

تم اللہ کی آیتوں کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو اور تم گواہ ہو ﴿۷۰﴾ اے اہل کتاب! کیوں ملاتے ہو تم

الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٧١﴾ ع

حق کو باطل کے ساتھ اور تم حق کو چھپاتے ہو اور تم جانتے ہو۔ ﴿۷۱﴾

﴿۶۴﴾ قُلْ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ ۔۔۔ الخ ربط آیات : گزشتہ آیات میں یہود کی تردید اور نصاریٰ سے مباہلہ اور مناظرہ کا ذکر تھا جس کو عمدہ طریقہ سے پورا کر کے اب آگے لطف و نرمی کے ساتھ اہل کتاب کو پھر دعوت حق دی جا رہی ہے۔

خلاصہ رکوع ۵ اہل کتاب کو دعوت توحید، ازالہ شبہ، تنبیہ اہل کتاب، شہادت خداوندی، متعلقین حضرت ابراہیم علیہ السلام اہل کتاب کی گمراہ کرنے کی تمنا، اہل کتاب کے گمراہ ہونے اور کرنے پر ملامت۔ ۱ ملامت۔ ۲۔ ماخذ آیات ۶۴: تا ۷۱ +

قُلْ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ ۔۔۔ الخ اہل کتاب کو دعوت توحید : "سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ" جو ہمارے اور تمہارے درمیان ایک ہے یعنی مسلم ہوتا ہے اس بات میں قرآن، توراۃ اور انجیل کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ (سَوَاۗءٍ مصدر بمعنی اسم فاعل یعنی برابر کے) ہے۔ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ : وہ بات یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجیں یعنی عبادت میں کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں نہ انسان کو نہ بت کو نہ فرشتہ کو نہ شیطان کو۔ (مظہری، ص ۶۰ ج ۲)

وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَـيْـــًٔـا : اور کسی چیز کا واجب الوجود ہونے میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ جیسے یہودی عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا

اور عیسائی مسیح علیہ السلام کو خدا بیٹا کہتے ہیں یا تین میں سے تیسرا قرار دیتے ہیں، اور نتیجہ میں عزیز علیہ السلام اور مسیح کی پوجا کرتے ہیں۔ وَلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا :اور ہم میں سے بعض آدمی بعض آدمیوں کو رب نہ بنائیں یعنی بعض لوگ بعض کی اطاعت نہ کریں اللہ کی معصیت میں۔ (روح المعانی: ص: ۲۵۴: ج: ۳: و: ابن کثیر: ص: ۵۸۲: ج: ۲: و معالم التنزیل: ص: ۱۴۲: ج۔۱)

مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ :اللہ کے بغیر۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب آیت "اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم تو علماء و مشائخ کی پوجا نہیں کرتے تھے آپ نے فرمایا کیا وہ (اپنی مرضی سے اشیاء کو) حلال وحرام نہیں بنایا کرتے تھے اور تم ان کے قول پر عمل نہیں کیا کرتے تھے؟ میں نے کہا جی ہاں ایسا تو کرتے تھے آپ نے فرمایا یہی تو غیر اللہ کو رب بنانا ہے۔ (مدارک: ص: ۲۵۹: ج: ۱) (ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے)

(روح المعانی: ص: ۲۵۵: ج: ۳: و: ابوسعود: ص: ۴۷ سو: ج: ۱: و مظہری: ص: ۶۴: ج: ۲: تفسیر منیر: ص: ۲۵۳: ج۔ ۳)

یہود ونصاریٰ کے لیے متفق اصول

اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ آپ یہود ونصاریٰ کو چیلنج کریں کہ اگر صداقت ہے تو آؤ ایک متفق اصول پر بات کریں۔ اس آیت میں متفقہ اصول کو واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیچے اگر کوئی کسی مکلف کو رب قرار دے تو وہ بھی اسلام سے نکل جائے گا اور مشرک ہو جائے گا، اگر شرک صرف اصنام اور غیر اللہ ہی کی عبادت کی وجہ سے ہوتا ہے تو "بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کی بجائے "اَصْنَامًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" ہونا چاہئے تھا کہ آؤ ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ بتوں کی عبادت نہ کریں، اور ان کو رب نہ قرار دیں، حالانکہ معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ ایک فریق میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابہ کرام ہیں اور دوسرے گروہ میں یہود ونصاریٰ ہیں جن کو اہل کتاب سے تعبیر کیا گیا ہے، ان میں سے ایک بھی بت نہ تھا لیکن حکم یہ ہو رہا ہے کہ آؤ ہم آپس میں اللہ کے سوا ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں، اگر اے اہل کتاب تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں۔

علامہ ابوبکر ہیثمی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں (اور فرماتے ہیں اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے ہیں مگر علی بن المنذر بخاری کا راوی نہیں ہے لیکن ہے وہ بھی ثقہ) کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو منافقین نے بڑی بڑی خوشیاں منائیں اور حضرات صحابہ کرام پر سراسیمگی طاری ہو گئی (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل جذبہ محبت سے تھا یا کسی مصلحت سے" وھو الحق عندی" بہرحال) حضرت عمر تلوار پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابھی وفات نہیں ہوئی اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور فرمانے لگے اے عمر! سوچ تو لو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اے نبی! آپ بھی فوت ہونے والے ہیں اور یہ مخالف بھی مرنے والے ہیں" نیز فرماتا ہے ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کو دوامی زندگی نہیں بخشی اگر آپ فوت ہو جائیں تو آپ کے مخالف دنیا چھوڑ ہی دیں گے پھر ابوبکر کھڑے ہو گئے حمد وثنا کے بعد فرمایا "ایها الناس ان كان محمد الهكم الذی تعبدون فان الهكم قدمات وان كان الهكم الذی فی السماء فان الهكم حی لا یموت ثم تلا وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ"۔ (مجمع الزوائد ص ۳۸ ج ۹، البدایہ ص ۲۴۳ ج ۵)

ترجمہ: اے لوگو! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے الہ تھے تو تمہارا الہ فوت ہو چکا ہے اگر تمہارا الہ وہ ہے جو آسمانوں میں ہے تو وہ الہ ہمیشہ رہے گا کبھی نہیں مرے گا۔ پھر آپ نے آیت پڑھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہی تھے اور آپ سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں، اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ مرنا اور ہمیشہ زندہ رہنا صرف الہ کا خاصہ ہے۔ (اہل حق کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی ہے حضرات صحابہ کرام مہاجرین والانصار نے آپ کا نماز جنازہ پڑھا ہے البتہ ہم اس حیات کے قائل ہیں جو حضرات انبیاء علیہم السلام کو دنیا والے ابدان کے ساتھ قبر و برزخ میں حاصل ہے)

ہمیشہ زندہ رہنے کی صفت میں اگر کوئی شخص حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا کا شریک بنالے تو وہ بھی مشرک ہو جائے گا

اور گویا اس نے حضرت محمد ﷺ کو الٰہ بھی بنایا، اگر شرک صرف بتوں کو الٰہ بنانے سے ہوتا ہے تو حضرت ابوبکر کو کیا ہوا تھا کہ انہوں نے اس مضمون کو برسر منبر بیان فرمایا، آپ کو فرمانا چاہیئے تھا "ایھا الناس شرک یہ ہے کہ بتوں کو اللہ کا شریک بنایا جائے لیکن حضرت ابوبکر صدیق کی نظر بصیرت اور دور رس نگاہ اس کو تاڑ گئی کہ لوگوں کا یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات نہیں ہوئی اور نہ آپ کی وفات ہو گی اس سے توحید پر ضرب کاری لگتی ہے اور خاصہ خداوندی میں آپ کو شریک کرنا لازم آتا ہے بالفاظ دیگر آپ کو الٰہ بنانا پڑتا ہے اس لئے بروقت انہوں نے اس عقیدہ کا قلع قمع کر دیا، اور امت کو ایک بہت بڑے فتنے سے بچا لیا۔ اس حدیث اور اس مضمون کی دوسری احادیث سے یہ استدلال کرنا کہ آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد قبر مبارک میں آپ کی حیات ثابت نہیں یہ نرا مغالطہ ہے کیونکہ صحیح احادیث اجماع امت سے آپ کی حیات طیبہ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی قبر کی حیات طیبہ ثابت ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے کہا "ما شاء الله وشئت" جو خدا کو منظور ہو گا وہ کرے گا اور آپ کریں گے آپ نے فرمایا کہ "اجعلتني لله ندا وفي رواية عدلا" کیا تو نے مجھے خدا تعالیٰ کا شریک بنا لیا؟ بلکہ یوں کہو "ما شاء الله وحده" جو خدا تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کو منظور ہو گا وہی ہو کر رہے گا۔ (مسند احمد: ص: ۲۱۴: ج ا: وغیرہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت میں شریک کرے گا تو وہ بھی مشرک ہو جائے گا۔ اور بارشاد آنحضرت ﷺ ایسا کہنے والا گویا اللہ تعالیٰ کا ند بنا رہا ہے یہ حدیث بھی صاف دلیل ہے کہ دوسرے کسی کو تو کیا اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کو بھی کارخانہ خداوندی میں شریک ٹھہرائے گا تو وہ بھی کافر ہو جائے گا حالانکہ آنحضرت ﷺ امام الانبیاء، اور سید الرسل تھے بت نہ تھے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

﴿۶۵﴾ یَاَھْلَ الْکِتٰبِ ۔۔۔ الخ ازالہ شبہ: اہل کتاب کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام طریق یہودیت پر یا طریق نصرانیت پر تھے تو اس کا یہاں سے جواب دیا ہے کہ توراۃ و انجیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک ہزار سال بعد آئے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو دو ہزار سال بعد آئے ہیں اور بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر ہیں۔ (مظہری: ص: ۶۶: ج ۲)

شان نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نجران کے عیسائی اور یہودی علماء آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جمع ہوئے علماء یہود نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور عیسائیوں نے کہا کہ وہ عیسائی تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی: ص: ۲۵۵: ج: ۳: و: ابن کثیر: ص: ۵۸۴: ج ۲)

﴿۶۶﴾ هٰاَنْتُمْ ۔۔۔ الخ تنبیہ اہل کتاب: "ھا" حرف تنبیہ ہے اور مراد یہ ہے کہ غفلت سے ہوشیار ہو کر سنو "فِيمَا لَكُم بِهِ عِلْمٌ" ان امور میں جن کا تم کو علم ہے یعنی تم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں جھگڑا کیا، اور ان کے دین پر ہونے کا دعویٰ کیا، حالانکہ تم واقف ہو کہ توراۃ و انجیل کا دین کیا ہے اور تم نے کتنی تلبیس کی ہے توراۃ و انجیل میں آنحضرت ﷺ کے اوصاف موجود ہیں اور یہ بھی مذکور ہے کہ دین محمدی سے ان کے احکام منسوخ ہو گئے ہیں مگر تم ان سب باتوں کو چھپاتے ہو لیکن اللہ نے یہ پردہ چاک کر کے تم کو رسوا کر دیا ہے۔ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُم بِهٖ عِلْمٌ: یعنی جن امور میں تمہیں علم نہیں ان میں کیوں جھگڑا کرتے ہو۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام کے دین و شریعت میں کیوں نزاع کرتے ہو وہ تو تم سے ہزاروں برس پہلے گزر چکے ہیں۔ توراۃ و انجیل میں انکی شریعت کی کوئی تفصیل مذکور نہیں۔ ﴿۶۷﴾ شہادت خداوندی: حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے "وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا" بلکہ وہ تمام غلط عقائد سے روگردان تھے۔

فائدہ: حنیف کا معنی یعنی سب دینوں سے منہ موڑ کر دین قیم اور صراط مستقیم کی طرف جھکنے والا تھا۔ (مواہب الرحمٰن: ص: ۲۲۴: ج ۱)

بعض علماء نے کہا ہے حنیف وہ ہے جو موحد ہو قربانی کرے ختنہ کرے اور کعبہ کی طرف نماز میں منہ کرے۔

(قرطبی: ص: ۱۰۹: ج: ۱: و: معالم التنزیل: ص: ۲۴۲: ج: ۱: و: خازن: ص: ۲۶۰: ج ۱)

اور یہ باتیں نہ یہودیوں میں تھیں نہ عیسائیوں میں۔ (مظہری: ص:۶۸: ج۔۲)

مُسۡلِمًا: اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی تعمیل کرنے والے تھے۔ نفسانی خواہشات کے پیروکار نہ تھے اور تم احکام کی تعمیل نہیں کرتے۔

﴿۶۸﴾ اِنَّ اَوۡلَی النَّاسِ ... الخ متعلقین حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ لَلَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ: جن لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کی وہ لوگ بلاشبہ آپ کے دین پر تھے۔ وَهٰذَا النَّبِيُّ: اور یہ نبی یعنی محمد ﷺ۔

(مدارک: ص:۲۶۱: ج:۱: و: ابن کثیر: ص:۵۸۴: ج۔۲)

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا: اور وہ لوگ جنہوں نے محمد ﷺ کو پیغمبر مانا کیونکہ یہ لوگ اکثر احکام میں ملت ابراہیمی کے موافق ہیں۔

﴿۶۹﴾ وَدَّتۡ طَّآئِفَةٌ ... الخ اہل کتاب کی گمراہ کرنے کی تمنا۔ شان نزول: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو یہود نے اپنے مذہب کی دعوت دی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی: ص: ۲۶۱: ج:۳: و: کشاف: ص۷۳: ج:۱: و: معالم: ص: ۲۴۴: ج:۱: و: ابوسعود: ص:۵۷: ج:۱: و: قرطبی: ص:۱۱۰: ج۔۴)

وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ: یعنی ان کو اپنی گمراہی کی سزا ملے گی۔ دوسرا ان کو دوسروں کو گمراہ کرنے کی دوہری سزا ملے گی۔

﴿۷۰﴾ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ ... الخ اہل کتاب کے گمراہ کرنے اور ہونے پر ملامت ❶: ربط: امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اوپر یہود کے جاہل طائفہ کا ذکر تھا اب علماء یہود کا ذکر ہے۔ "وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ" مطلب یہ ہے کہ تم خود اقرار کرتے ہو کہ محمد ﷺ سچے نبی ہیں جن کا ذکر توراۃ وانجیل میں موجود ہے یا یہ مطلب ہے کہ معجزات کو دیکھ کر تم جانتے ہو کہ یہ نبی برحق ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین یہی دین اسلام ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم سب آیات الٰہی کے یقین ہونے کو جانتے ہو بغیر کسی شبہ کے اور یہ علم تمہیں بمنزلہ علم مشاہدہ کے حاصل ہے پھر بھی انکار کرتے ہو۔ (روح المعانی: ص:۶۲: ج۳)

﴿۷۱﴾ لِمَ تَلۡبِسُوۡنَ ... الخ ملامت ❷ یعنی اصل توراۃ کی آیات کے ساتھ اپنی طرف سے لکھے ہوئے باطل کو ملا دیتے ہو۔ "وَتَكۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ" یعنی محمد ﷺ کے جو اوصاف توراۃ میں مذکور ہیں ان کو چھپاتے ہو۔ (مظہری: ج:۲: ص۔۷۱)

وَقَالَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اٰمِنُوۡا بِالَّذِيۡۤ اُنۡزِلَ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ ایمان لاؤ اس چیز پر جو نازل کی گئی ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے ہیں

وَجۡهَ النَّهَارِ وَاكۡفُرُوۡۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ۝۷۲ وَلَا تُؤۡمِنُوۡۤا اِلَّا لِمَنۡ

دن کے پہلے حصے میں اور کفر کرو اس کے ساتھ دن کے آخری حصے میں شاید لوگ پھر جائیں ﴿۷۲﴾ اور تم نہ تصدیق کرو مگر اس کی

تَبِعَ دِيۡنَكُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنۡ يُّؤۡتٰۤى اَحَدٌ مِّثۡلَ مَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ

جو تمہارے دین کی پیروی کرتا ہے آپ کہہ دیجئے بےشک ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے (تصدیق نہ کرو اس وجہ سے) کہ دیا جائے کوئی مثل اس کے جو تم دیئے گئے ہو

اَوۡ يُحَآجُّوۡكُمۡ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

یا وہ جھگڑا کریں تمہارے ساتھ رب کے پاس آپ کہہ دیجئے بے شک فضیلت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ

وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾

بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۷۳﴾ وہ خاص کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ﴿۷۴﴾

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُم مَّنْ إِن

اہل کتاب میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس ایک خزانہ امانت رکھیں تو وہ اس کو تمہاری طرف لوٹا دے گا اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر

تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا

آپ ان کے پاس ایک دینار امانت رکھیں تو اسے آپ کی طرف واپس نہیں کرے گا جب تک کہ آپ اس پر قائم نہ رہیں یہ اس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں کہ

لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾

ہمارے اوپر امی لوگوں کے حق میں کوئی گناہ نہیں ہے اور یہ لوگ اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں ﴿۷۵﴾

بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٧٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ

کیوں نہیں جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے گا اور ڈرتا رہے گا پس بے شک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے ڈرنے والے اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کو ﴿۷۶﴾ بے شک جو لوگ

بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ

اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے تھوڑی سی قیمت خریدتے ہیں یہی لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا

اللَّهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٧﴾

اور نہ ان کی طرف نگاہ کرے گا قیامت کے دن اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۷۷﴾

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ

اور بے شک ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو موڑتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ تاکہ تم اسے کتاب سے گمان کرو حالانکہ وہ

مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ

کتاب سے نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی جانب سے نہیں ہے اور یہ

عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ

اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں حالانکہ یہ جانتے ہیں ﴿۷۸﴾ کسی انسان کے لئے یہ بات (مناسب) نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور حکم

وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن كُونُوا

اور نبوت عطاء فرمائے پھر وہ شخص لوگوں سے کہے کہ ہوجاؤ تم میرے بندے اللہ کے سوا لیکن وہ یوں کہے گا کہ ہوجاؤ

رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ

رب والے اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھلاتے ہو اور اس وجہ سے تم اس کو پڑھتے ہو ﴿۷۹﴾ اور وہ تم کو اس بات کا حکم نہیں دے گا کہ

تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨٠﴾

تم اللہ کے فرشتوں اور نبیوں کو رب بناؤ کیا وہ تم کو کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم فرمانبردار ہو چکے ہو ﴿۸۰﴾

﴿۷۲﴾ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۔۔۔ الخ ربط آیات۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ بیان القرآن میں لکھتے ہیں اوپر اہل کتاب کے گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے پر ملامت کا ذکر تھا، آگے اہل حق کو گمراہ کرنے کی ان کی ایک تدبیر کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ۸: اہل کتاب کی سازش کا انکشاف۔ ا۔ ۲۔ جواب سازش، یہود کے مشورہ وتدبیر کی علت، ردعلت، ازالہ شبہ، منصفین اہل کتاب کی امانت کا بیان، اہل کتاب کی خیانت کا بیان، طریق وصول حق ایفاء عہد کی فضیلت، نقض عہد کی مذمت، نتیجہ، اہل کتاب کی علمی خیانت، نفی معبودیت از حضرات انبیاء علیہم السلام۔ جملہ مستانفہ غرض علت۔ ماخذ آیات ۷۲: تا ۸۰+

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ ۔۔۔ الخ اہل کتاب کی سازش کا انکشاف ۱ شان نزول: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عبداللہ بن صیف، عدی بن زید اور حارث بن عوف نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے چند لوگ صبح کے وقت چل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس پر ظاہراً ایمان لے آئیں اور پھر شام کو اس کا انکار کر دیں تاکہ لوگ شک وتردد میں پڑ جائیں کہ یہ لوگ علماء اہل کتاب ہیں انہوں نے دین اسلام میں ضرور کوئی عیب اور نقصان کی بات دیکھی ہوگی جو اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس سے پھر گئے ہیں شاید دوسرے لوگ بھی ہم کو اس طرح دیکھ کر اسلام سے پھر جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سازش اور تدبیر سے مطلع فرمادیا کہ یہ لوگ اس قسم کے مکر وفریب اور تدابیر سے مسلمانوں کو گمراہ نہیں کر سکتے اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں چنانچہ اسی بات کا ذکر اسی آیت میں ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ: غرض علت: شاید کہ وہ مسلمان بھی دین حق سے پھر جائیں کہ یہ لوگ صاحب علم اور بے تعصب ہیں آخر انہوں نے دین اسلام میں کوئی خرابی دیکھی ہوگی جو اسلام میں داخل ہو کر اس سے پھر گئے ہیں۔

﴿۷۳﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۔۔۔ الخ اہل کتاب کی سازش کا انکشاف۔ ۲ اپنے مذہب والوں کے سوا کسی کی بات نہ مانو۔ یعنی صدق دل سے کسی کے قول کی تصدیق نہ کرو مگر جو شخص تمہارے دین کا پیروکار ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو یہود، مسلمانوں کے پاس جا کر شروع دن میں ظاہراً ان کی کتاب پر ایمان لائیں وہ اس ظاہری ایمان کی وجہ سے اپنے آپ کو مسلمان نہ سمجھیں بلکہ صدق دل سے اپنے آپ کو یہودی ہی سمجھیں اور سچے دل سے اسی شخص کی بات کو قبول کریں جو ان کے دین کا پیروکار ہو اور اپنے مذہب والوں کے علاوہ کسی کی بات کا یقین نہ کریں، اور اس صورت میں "لمن تبع" میں لام زائدہ ہوگا۔

اور بعض مفسرین "وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ" کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ تمہارا صبح کے وقت ظاہری طور پر ایمان لانا بھی محض ان لوگوں کے دین کی حفاظت کے لیے ہو جو تمہارے ہم مذہب اور تمہارے پیروکار ہیں، اس صورت میں "لمن تبع" کلام انتفاع کے لیے ہوگا۔ یعنی اس تدبیر سے اپنے ہم مذہبوں کی حفاظت ملحوظ ہونی چاہئے کہ وہ آئندہ چل کر مسلمان نہ ہو جائیں۔ یا جو ہمارے ہم مذہب مسلمان ہو چکے ہیں وہ اس تدبیر سے پھر واپس آجائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ: جواب سازش: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو کوئی دوسرا کسی تدبیر سے ہٹا نہیں سکتا کیونکہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ: یہود کے مشورہ وتدبیر کی علت: یہود نے آپس میں یہ مشورہ اور تدبیر کی کہ تم ان کی تصدیق نہ کرنا اس لئے کہ

جو علم اور کتاب تم کو دی گئی ہے اس جیسی کسی اور کو بھی عطا کی گئی ہے ایسا نہیں ہے بلکہ علم اور کتاب کا حصہ صرف ہمارا ہے اور کسی کا نہیں ہے۔ اگر تم نے ان کی تصدیق کر دی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس تمہارے خلاف حجت قائم کر دیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس کا مطلب یہ لکھتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ تم مسلمانوں پر حسد کرتے ہو کہ ان کو آسمانی کتاب کیوں مل گئی؟ یا یہ لوگ ہم پر مذہبی مناظرہ میں کیوں غالب آجاتے ہیں، اس حسد کی وجہ سے اسلام اور اہل اسلام کو گرانے کی کوشش کر رہے ہو۔

قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللهِ : **رد علت**: یہاں سے اس حسد کا رد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل و رحمت اپنی حکمت بالغہ سے حضرت محمد ﷺ پر فرمایا کہ انہیں کتاب و حکمت سے نواز دیا تو اس میں حسد کرنا فضول اور جہالت ہے۔

﴿۷۴﴾ **ازالہ شبہ** : کہ نبوت صرف آنحضرت ﷺ کو کیوں دی گئی ہے؟ **جواب** : وہ اپنی خصوصی رحمت سے جس کو چاہتا ہے نبوت کے لئے مختص کرتا ہے۔

﴿۷۵﴾ **وَمِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ**... الخ **منصفین اہل کتاب کی امانت کا بیان۔ ربط آیات** : یہاں سے اہل کتاب کی چند اور خرابیوں کا ذکر فرماتے ہیں مثلاً چند ایک کے علاوہ عام طور سے اہل کتاب کا مال میں خیانت کرنا۔ جس سے بعض ہستیوں کا استثناء کیا گیا ہے جو قابل قدر بھی ہیں اور یہ لوگ اس سازش میں شریک نہیں جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ جو پہلے یہودی تھے اور بعد میں انہوں نے اسلام قبول کیا "يُؤَدِّهٖٓ إِلَيْكَ" کا یہی حضرات مصداق ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے بارہ سو اوقیہ سونا امانت کے طور پر رکھ دیا تھا انہوں نے اس کو ادا کر دیا۔ (واضح رہے کہ ایک اوقیہ چالیس درہم کے وزن کے برابر ہوتا ہے) گویا یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ **وَمِنْهُمْ مَّنْ إِنْ تَأْمَنْهُ** : **اہل کتاب کی خیانت کا بیان**: اور "لَا يُؤَدِّهٖٓ" سے وہ یہود مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا بدستور حب دنیا اور حب مال میں مستغرق تھے جیسے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی۔ کسی قریشی نے فنحاص بن عازوراء یہودی کے پاس ایک دینار امانت رکھا مگر فنحاص نے بے ایمانی کر لی۔

(معالم التنزیل: ص: ۲۴۶: ج: ۱: و: مظہری: ص: ۷۳: ج: ۲: بحر محیط: ص: ۴۹۹: ج: ۲: والنہر الماد: ص: ۴۹۸: ج: ۲: و: کشاف: ص: ۳۷۴: ج: ۱: و: خازن: ص: ۲۶۴: ج: ۱: و: کبیر: ص: ۲۶۲: ج: ۳)

إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا : **طریق وصول حق**: ہاں جب تک کہ تو اس کے سر پر کھڑا ہو۔ یعنی جب تک شدید تقاضہ نہ کرو اور اپنے تقاضے پر نہ جم جاؤ تو مال واپس نہیں کرتے۔ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس کا حق ہے وہ اس کے پیچھے مسلسل پڑ سکتا ہے تا کہ حق وصول ہو جائے۔ (احکام القرآن: ج: ۲: ص۔ ۱۷)

وقد دلت الأية على ان للطالب ملازمة المطلوب للدين : اس آیت میں اہل کتاب کے علاوہ اس امت کے نادہندہ لوگوں کو بھی تنبیہ ہے کہ قرض دینے میں ٹال مٹول سے کام نہیں لینا چاہئے۔

کافر حربی کا مال زور سے لینا روا ہے

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ : **وجہ خیانت** : یہ بے ایمانی اس لیے کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک مسئلہ وضع کر رکھا ہے کہ علماء کو امیین یعنی عرب کا مال کھانا جائز ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ موضح القرآن میں لکھتے ہیں ہمارے ہاں بھی کافر حربی کا مال زور سے لینا روا ہے لیکن امانت میں خیانت روا نہیں۔ "وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ وَهُمْ

"یَعْلَمُوْنَ" اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر اہل عرب کا مال حلال کر دیا ہے یہ اللہ پر ان کا سفید جھوٹ ہے اور وہ اس کو جانتے ہیں۔

سوال: اگر اس بعض سے مراد وہ اہل کتاب ہوں جو ایمان لا چکے تھے تو ان کی تعریف کرنے پر کوئی اشکال نہیں، اور اگر خاص مومن مراد نہ ہوں بلکہ مطلق اہل کتاب مراد ہوں جن میں غیر مسلم بھی شامل ہیں، تو اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کافر کا تو کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا پھر اس کی تعریف کا کیا فائدہ؟

جواب: کسی کا مقبول ہونا اور چیز ہے اور اس کی تعریف کرنا اور چیز ہے تعریف کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مقبول ہے اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اچھی بات کافر کی ہو وہ بھی کسی درجہ میں اچھی ہی ہے جس کا فائدہ اس کے لئے دنیا میں "نیک نامی" ہے اور آخرت میں عذاب کی کمی کی صورت میں ملے گا، جیسے ابو طالب کے عذاب کی بظاہر تخفیف کا واقعہ مشہور ہے۔

﴿۷۶﴾ **بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ الخ ایفاء عہد کی فضیلت:** ربط: اوپر "وَیَقُوْلُوْنَ" سے اہل کتاب کے دعویٰ کی تکذیب کا ذکر تھا، آگے ان آیات میں اس تکذیب کی تاکید اور ایفائے عہد کی فضیلت اور نقض عہد کی مذمت کی تصریح ہے۔ بِعَهْدِهٖ: کی "ہٖ" ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں ❶ "من" کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے جو شخص اپنے عہد مخلوق سے پورا کرے یعنی امانت میں خیانت نہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو اللہ تعالیٰ متقیوں کو دوست رکھتا ہے۔ ❷ "بِعَهْدِهٖ" کی "ہٖ" ضمیر کا مرجع اللہ ہے تو مطلب یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے وعدہ کو پورا کرتا ہے، وہ وعدہ تورات میں ہے کہ تمام انبیاء پر اور حضرت محمد ﷺ پر اور قرآن پر ایمان لانا اور امانت ادا کرتے رہنا۔ (مظہری: ص: ۷۴، ج۔ ۲)

﴿۷۷﴾ **نقض عہد کی مذمت:** بخاری شریف میں ہے کہ حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا میرے اور ایک یہودی کے درمیان ایک زمین کے بارے میں جھگڑا ہو گیا، اس نے انکار کر دیا کہ تیرا کوئی حق نہیں۔ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مقدمہ لے گیا آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کیا تمہارے پاس گواہ ہیں میں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے یہودی سے فرمایا کہ تو قسم کھا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ تو قسم کھا لے گا اور میرا مال لے جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔

(بخاری ج: ۱، ص: ۶۶ سے ابن کثیر: ص: ۵۸۹ ج۔ ۲)

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ : نتیجہ: ان کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے۔

﴿۷۸﴾ **وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقًا ... الخ اہل کتاب کی علمی خیانت:** ربط: اوپر اہل کتاب کے نقض عہد کا ذکر تھا آگے اہل کتاب کی علمی خیانت کی ایک عادت کا ذکر ہے کہ ایک خاص طریقے سے کتاب اللہ کی تحریف کرتے ہیں۔

فائدہ: اہل کتاب تحریف لفظی کرتے تھے یا معنوی تو اس کا ذکر سورۃ البقرۃ کی (آیت ۷۵) میں گزر چکا ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں)

﴿۷۹﴾ **مَا كَانَ لِبَشَرٍ ... الخ نفی معبودیت از انبیاء علیہم السلام:** ربط: اوپر اہل کتاب علمی خیانتوں کا ذکر تھا، آگے بھی ایک اور خیانت کا ذکر ہے کہ سازش کرنے والے مسلک اسلاف کے خلاف ہیں مثلاً قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو "وحدہ لا شریک لہ" جانو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ انبیاء علیہم السلام کو بندہ خدا مانو، یہ اس آواز کی بھی مخالفت کرتے ہیں۔

شان نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب علماء یہود اور نجران کے نصاریٰ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جمع ہوئے اور آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو ابو رافع قرظی (مدنی) نے آنحضرت ﷺ سے کہا محمد (ﷺ) کیا چاہتے ہیں کہ ہم تمہاری

ایسی ہی پوجا کریں جیسے نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی کرتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ کی پناہ میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو پوجنے کا کیسے حکم دوں، اللہ نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا اور نہ اس کا مجھے حکم دیا ہے اس پر اللہ نے آیت "مَا كَانَ لِبَشَرٍ" سے "مُسْلِمُونَ" تک نازل فرمائی۔
(تفسیر کبیر: ص: ۲۰۷، ج: ۳، وابن کثیر: ص: ۵۹۰، ج: ۲، ومعالم التنزیل: ص: ۲۴۸، ج: ۱، ومنیر: ص: ۲۷۴، ج: ۳، ومظہری: ص: ۸۷، ج: ۲)

ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ: یعنی جس بشر کو اللہ پاک کتاب وحکمت عطا فرمائے اور مقبولیت سے نوازے اس کے لیے کسی طرح بھی یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو اپنا بندہ بنانے کی دعوت دے، نبیوں کا کام تو یہ تھا کہ لوگوں کو خدائے پاک کی بندگی کی طرف بلائیں، اور خدا کا بندہ بنائیں وہ خدائے پاک کی عبادت چھڑا کر اپنی عبادت یا کسی بھی غیر اللہ کی طرف دعوت نہیں دے سکتے، اس میں نصاریٰ کی تردید ہوگئی جو یہ کہتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی اور اپنی ماں کی عبادت کی دعوت دی ہے اور یہودیوں کے اس قول کا بھی رد ہو گیا جو انہوں نے کہا کہ اے محمد تم اپنی عبادت کرانا چاہتے ہو جس کو بھی اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اس نے یہی دعوت دی ہے کہ تم ربانی بن جاؤ۔

عبدالنبی اور عبدالرسول وغیرہ نام رکھنے کا شرعی حکم

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بہتر نام ہے (وہ جس میں لفظ عبد کی اللہ کی طرف اضافت ہو مثلاً) عبداللہ اور عبدالرحمٰن وغیرہ اور پھر وہ نام جن میں محمد کا نام ہو مثلاً محمد ابراہیم اور محمد اسماعیل وغیرہ۔ لفظ عبد ایک مشترک لفظ ہے عبد کے معنی عابد کے بھی آتے ہیں اور خادم اور غلام کے معنی بھی آتے ہیں جب اس کی اضافت غیر اللہ کی طرف ہوتی ہے تو اس سے مراد خادم اور غلام ہوتا ہے جیسے "وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ" لیکن نام اور تسمیہ کے موقع اور محل پر عموماً یہ لفظ عبادت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور ایسے موقع پر اس کے متبادر معنی بھی ہیں اس لئے ایسا نام ایہام شرک سے خالی نہیں ہے جس سے احتراز کرنا نہایت ضروری ہے۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ: اقسام شرک میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنی اولاد کا نام عبدالعزیٰ اور عبدشمس وغیرہ رکھتے تھے (پھر فرمایا) کہ یہ نام شرک کے قالب اور اس کے سانچے ہیں اس لئے شارع نے ان ناموں سے منع کیا۔

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: کسی کا شہنشاہ نام رکھنا حرام ہے کیونکہ یہ نام صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور اسی طرح عبدالنبی اور عبدالکعبہ اور عبدالدار اور عبدالعلی اور عبدالحسن نام بھی صحیح نہیں ہیں کیونکہ ان میں ایہام شرک ہے۔ (شرح منہاج)

لفظ علی چونکہ اللہ تعالیٰ کا بھی نام ہے اور قرآن کریم میں "الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ" وغیرہ آیا ہے تو اگر کسی کی مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہو تو عبدالعلی نام بلا کراہت جائز ہے۔ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

عبدالنبی نام جو مشہور ہے بظاہر یہ کفر ہے مگر یہ کہ عبد سے مملوک مراد ہو تو پھر کفر نہ ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کفر نہیں تو جائز ہو گیا بلکہ یہ بہرحال ناجائز ہوگا۔ چنانچہ خود ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: عبدالحارث اور عبدالنبی نام رکھنا جائز نہیں ہے اور لوگوں میں جو یہ نام رائج ہیں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (مرقات، ج: ۹، ص: ۱۱ طبع کوئٹہ)

الغرض قرآن وحدیث سے اس قسم کے نام رکھنے کی ممانعت ہے علماء امت نے اس کی جابجا تصریح فرمائی ہے۔ واللہ اعلم

مفتی احمد یار خان کا عبدالنبی اور عبدالرسول نام رکھنے پر استدلال اور اس کا جواب

مفتی صاحب لکھتے ہیں: عبدالنبی اور عبدالرسول، عبدالمصطفیٰ اور عبدالعلی وغیرہ نام رکھنا جائز ہے اسی طرح اپنے کو حضور ﷺ کا

بندہ کہنا جائز ہے۔قرآن وحدیث واقوال فقہاء سے ثابت ہے۔(جاء الحق: ص ۳۰۰ طبع مکتبہ اسلامیہ لاہور)

جواب: مفتی احمد یار خان صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے کہ اس قسم کے نام رکھنا مکروہ تنزیہی کے مد میں ہیں۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں عبدی کہنا بہتر نہیں بلکہ غلامی کہنا اولیٰ ہے (بلفظ جاء الحق ص ۳۳۲)

اور پہلے لکھا ہے کہ جب عبد کو اللہ کی طرف نسبت کیا جاوے گا تو اس کے معنی عابد کے ہوں گے اور غیر اللہ کی طرف نسبت ہوگی تو معنی ہوں گے خادم، غلام لہٰذا عبدالنبی کے معنی ہوئے نبی کا غلام۔ (ص۔۳۳۱)

ان دونوں عبارتوں کو ملا کر نتیجہ یہ نکلا کہ غیر اللہ کی طرف عبد کی نسبت کراہت تنزیہی سے خالی نہیں اور یہی کچھ ہم کہتے ہیں کہ ایہام شرک سے خالی نہیں گو شرک کا فتویٰ نہ لگایا جائے ایسے موہم شرک نام سے بچنا روح عین اسلام کے مطابق ہے۔اور قرآن کریم کی آیت قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا ۔۔۔الخ سے یہ احتمال پیدا کرنا کہ حضور ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ فرمادوا ے میرے بندو یہ سراسر باطل اور قرآن کریم کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کسی بشر کو یہ لائق ہی نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نبوت کتاب اور حکمت دی ہو "ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ" الخ الغرض یہ معنی کرنا کہ "يٰعِبَادِيَ" میں آنحضرت ﷺ لوگوں کو اپنا بندہ فرمارہے ہیں قرآن کریم کے سراسر خلاف ہے۔

باقی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آنحضرت ﷺ کے بارے میں یہ فرمانا کہ "كُنْتُ عَبْدَهٗ وَخَادِمَهٗ" بصورت صحت حدیث اس سے خادم اور غلام مراد ہے کیونکہ "قَدْ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَكُنْتُ عَبْدَهٗ وَخَادِمَهٗ" اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آپ کی زندگی میں تھا ورنہ معیت اور "کنت عبدہ" کی حاجت ہرگز نہ تھی یوں فرماتے میں ابھی آپ کا عبد اور بندہ ہوں آنحضرت ﷺ کی زندگی میں چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر طرح آپ کی غلامی اور خدمت اختیار کی اس لئے انہوں نے یہ فرمایا اس سے بندہ کا ترجمہ کرنا باطل ہے۔

رہا مولانا روم وغیرہ کا ارشاد تو وہ قابل تاویل ہے اس پر فتویٰ کی بنیاد ہرگز نہیں رکھی جاسکتی گزر چکا ہے کہ مفتی احمد یار خان صاحب بھی ایسے نام کو کراہت تنزیہی کی مد میں رکھتے ہیں۔(بحوالہ راہ سنت)

ربانی کون لوگ ہیں؟

وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ : بلکہ وہ کہتا ہے کہ تم ربانی ہوجاؤ۔یعنی احکام خداوندی کے مبلغ۔اس جملہ کی کئی تفسیریں ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد فقہاء وعلماء ہیں۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حکماء اور علماء مراد ہیں۔حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد العالم الذی یعمل بعلمه : یعنی وہ عالم ہے جو اپنے علم پر عمل کرے۔ (معالم التنزیل: ص ۲۴۹، ج۔۱)

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد "الکامل فی العلم والعمل" یعنی جو اپنے علم اور عمل میں کامل ہو۔ان سب اقوال کا حاصل یہ ہے کہ ربانی وہ لوگ ہیں جو علم وعمل والے ہیں اخلاص اور درجات قرب میں وہ خود بھی کامل ہیں اور کامل گر بھی ہیں۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے "اللہ والے" یہ ترجمہ بہت جامع ہے اس میں علم وعمل، تعلیم وتدریس، عبادت، اخلاق حسنہ سب کچھ آجاتا ہے۔ربانیین کی یہ ذمہ داری ہے کہ خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی عمل پر ڈالیں۔

﴿۸۰﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ ۔۔۔الخ : جملہ مستانفہ : مشہور قرأت کے مطابق یہ جملہ مستانفہ ہے اور اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہاں، اور کس کتاب میں اجازت دی ہے کہ فرشتوں اور نبیوں کو خدا بنایا جائے۔

(مواھب الرحمٰن: ص ۲۳۹، ج۔۱)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں اور نبیوں کو بھی رب بنانے کی وجہ سے کافر ہوجاتا ہے اور پیغمبر ایسی تعلیم سکھایا نہیں کرتے کہ فرشتوں کو رب بنالیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو رب اور الٰہ قرار دیا جائے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ

اور اس وقت کو دھیان میں لاؤ جب اللہ نے نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ جب میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی پھر آیا تمہارے پاس رسول

مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ

تصدیق کرنے والا اس کی جو تمہارے پاس ہے البتہ ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور البتہ ضرور اس کی مدد کرو گے فرمایا اللہ نے کیا اقرار کیا تم نے اور لیا تم نے اس بات پر

اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى

میرا پختہ عہد انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا اللہ نے فرمایا گواہ ہوجاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی دینے والوں میں ہوں ﴿۸۱﴾ پس جس نے اس کے بعد روگردانی کی

بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ

وہی لوگ نافرمان ہیں ﴿۸۲﴾ کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں حالانکہ اسی اللہ کے لئے فرمانبرداری کرتے ہیں جو

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ

آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں خوشی اور ناخوشی سے اور اسی کی طرف سب لوٹائے جائیں گے ﴿۸۳﴾ اے پیغمبر (ﷺ) آپ کہہ دیجئے ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور

اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

اس چیز پر جو اتاری گئی ہے ہمارے اوپر اور اس چیز پر جو اتاری گئی ہے حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب (علیہم السلام)

وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ

اور ان کی اولاد پر اور جو دی گئی ہے موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کو اور جو چیز دی گئی ہے سب نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے ہم تفریق نہیں کرتے کسی

اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ

ایک کے درمیان اور ہم اسی اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں ﴿۸۴﴾ اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا پس اس سے ہرگز

يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا

نہ قبول کیا جائے گا اور وہ شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ﴿۸۵﴾ اللہ کس طرح راہ بتلائے گا اس قوم کو

كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ

جنہوں نے کفر کیا ایمان کے پیچھے اور انہوں نے گواہی دی کہ بے شک رسول برحق ہے اور ان کے پاس کھلی نشانیاں آئیں اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ

نہیں راہ دکھاتا اس قوم کو جو ظلم کرنے والی ہو ﴿۸۶﴾ یہی لوگ ہیں جن کا بدلہ یہ ہے کہ بے شک ان پر

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ

اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں اور سب لوگوں کی ﴿۸۷﴾ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا

وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ

اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ﴿۸۸﴾ ہاں! مگر وہ لوگ جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اچھے کام کیے تو اللہ تعالیٰ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ

بخشش کرنے والا مہربان ہے ﴿۸۹﴾ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے ایمان لانے کے بعد اور پھر وہ کفر میں بڑھتے رہے پس ان کی

تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ

توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور یہی لوگ گمراہ ہیں ﴿۹۰﴾ بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اس حالت میں مر گئے کہ وہ کفر کرنے والے ہیں پس ان میں سے کسی ایک سے ہرگز قبول نہیں کی جائے گی

مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

سونے سے بھری ہوئی زمین اگرچہ وہ اس کا فدیہ دے یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے درد ناک عذاب ہے

وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع

اور ان کے لیے کوئی بھی مددگار نہ ہوگا ﴿۹۱﴾

ع ۹ / ۱۷

﴿۸۱﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ... الخ ربط : گزشتہ آیت میں تھا کہ عبادت صرف اللہ کا حق ہے یہ ناممکن ہے کہ کوئی نبی اپنی عبادت و بندگی کی تعلیم دے اب اس آیت میں فرمایا کہ انبیاء کا حق یہ ہے کہ لوگ ان پر ایمان لائیں اور بے چوں و چراں ان کی اطاعت کریں اور ان کی ہر قسم کی مدد و نصرت کریں۔ ہر نبی کے زمانہ میں ہر امت سے یہی عہد کرنے کے بعد روگردانی کرنا فسق ہے آگے "فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ الخ" میں فسق سے یہی بدعہدی مراد ہے۔

خلاصہ رکوع : ❾ میثاق انبیاء سے اثبات رسالت خاتم الانبیاء، استفسار خداوندی، جواب استفسار، ترک اسلام پر تنبیہ، خلاصہ حقیقت اسلام، کیفیت ایمان، غیر متلاشی اسلام کا نتیجہ، مرتدین کی قسمیں، قسم اول مرتدین، انجام مرتدین قسم دوم تائبین، بغیر ایمان عدم قبول توبہ کا بیان، مطلق کفار سے عدم قبول فدیہ، نتیجہ اخروی۔ ماخذ آیت ۸۱ تا ۹۱ +

میثاق انبیاء سے اثبات رسالت خاتم الانبیاء : میثاق سے کیا مراد ہے اور کہاں ہوا ہے؟ حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں یا تو عالم ارواح میں ہوا یا دنیا میں بذریعہ وحی ہوا یہ دونوں احتمال ہیں۔ (بیان القرآن)

میثاق کے متعلق تو قرآن کریم نے تصریح کردی ہے لیکن یہ میثاق کس چیز کے بارے میں لیا گیا ہے؟ اس میں کئی اقوال ہیں:

حضرت علی ﷛اور حضرت ابن عباس ﷠فرماتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء ﷩سے صرف حضرت محمد ﷺ کے بارے میں یہ وعدہ لیا تھا کہ اگر وہ خود ان کا زمانہ پائیں تو ان پر ایمان لائیں اور ان کی تائید و نصرت کریں۔ اور اپنی اپنی امتوں کو بھی یہی ہدایت کر جائیں۔

حضرت طاؤس، حسن بصری ﷫اور قتادہ ﷫فرماتے ہیں کہ یہ میثاق انبیاء سے اس لیے لیا گیا تھا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی تائید و نصرت کریں۔ (ابن کثیر؛ ص: ۹۳۲؛ ج: ۲؛ و: کبیر؛ ص: ۲۷۳؛ ج۔ ۳)

اس دوسرے قول کی تائید سورہ احزاب کی آیت ۷: وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ الخ سے بھی ہوتی ہے کیونکہ یہ عہد ایک دوسرے کی تائید اور تصدیق کے لیے لیا گیا تھا۔ (تفسیر احمدی)

حافظ ابن کثیر ﷫فرماتے ہیں دونوں تفسیروں میں کوئی تعارض نہیں اس لیے دونوں ہی مراد لی جا سکتی ہیں۔ یہاں بظاہر ایک شبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہونے کے باوجود اس کو اچھی طرح معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی نبی کی موجودگی میں تشریف نہیں لائیں گے تو پھر انبیاء کے ایمان لانے کا کیا مطلب و فائدہ؟ تو اس کا جواب واضح ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی ذات و صفات پر ایمان قبول کرنے کا پختہ ارادہ کریں گے تو اس وقت سے ثواب پائیں گے۔ (صاوی بحوالہ حاشیہ جلالین)

حضرت مفتی محمد شفیع ﷫نے معارف القرآن میں علامہ سبکی ﷫کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس آیت میں رسول سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اور کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات صفات کے بارے میں تائید و نصرت اور آپ پر ایمان لانے کا عہد نہ لیا ہو، اور کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی امت کو آپ ﷺ پر ایمان لانے اور تائید و نصرت کی وصیت نہ کی ہو۔ (معارف القرآن؛ ج: ۲؛ ص۔ ۱۰۰)

جمہور مفسرین کے نزدیک مختار اور راجح قول یہی ہے کہ اس رسول سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اگرچہ یہاں رسول نکرہ ہے مگر اشارہ معین اور مخصوص کی طرف ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ" میں رسول سے آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات مراد ہے۔ (قرطبی؛ ص: ۱۲۲؛ ج۔ ۴)

قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ: استفسار خداوندی۔ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا: جواب استفسار۔

اہل تشیع کا عقیدہ رجعت

اس آیت کے ذیل میں اور دیگر آیات میں اہل تشیع نے عقیدہ رجعت اختراع کیا ہے۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب حق الیقین؛ ص: ۵۳۵؛ مقصد نہم در اثبات رجعت است" میں لکھا ہے کہ رجعت شیعہ کا اجماعی عقیدہ اور ضروریات مذہب حق میں سے ہے اور اس عقیدہ کو دلائل سے مبرہن کیا ہے شائقین اصل کتاب سے ملاحظہ فرمائیں یہاں صرف جلاء العیون کے دو حوالے لکھیں جائیں گے۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد اور قیامت کے آنے سے پہلے کوئی فرد بشر مسلم ہو یا غیر مسلم زندہ ہو کر اس دنیا میں واپس نہیں آئے گا ہاں البتہ وہ چند واقعات جو قرآن کریم میں ہیں مثلاً بقرہ والا وہ اس سے مستثنیٰ ہیں وغیرہ مگر حساب و کتاب کے لئے قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام اور اسکی تمام اولاد زندہ کی جائے گی اور سب اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب و کتاب کے لئے پیش کیے جائیں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام کا یہی عقیدہ رہا ہے اور اسی کی تعلیم دیتے رہے۔ جبکہ اہل تشیع کا عقیدہ اس کے خلاف ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور

حضرت علیؓ اور حضرت حسنین کریمین اوران کے متعلقین کوزندہ کرکے میدان کربلا میں لایا جائے گا پھر اسی میدان میں خون ریزی ہوگی یزید اور اسکے رفقاء کو کمال ذلت سے مارا جائے گا اور اہل تشیع کو فتح عظیم حاصل ہوگی اور ایک ایک شیعہ کی نسل ۴۴ ہزار تک پہنچے گی اور کرۂ ارض پر شیعوں کی حکومت ہوگی۔ اب ہم اس مضمون پر فریق مخالف کے چند حوالہ جات پیش کرتے ہیں تا کہ بات مبرہن ہو جائے۔

❶ مقبول حسین دہلوی لکھتا ہے کہ تفسیر قمی اور تفسیر عیاشی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آئندہ جس قدر نبی خدا تعالیٰ نے مبعوث فرمائے ہیں وہ سب دنیا میں رجعت فرمائیں گے اور جناب امیر المومنین علیہ السلام کی نصرت کریں گے اور یہ بات خدا کے اس قول سے ثابت ہے "لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ" یعنی تم سب ضرور اس (محمد مصطفیٰ) پر ایمان لانا (وَلَتَنْصُرُنَّهٗ) اور تم سب ضرور اس (علی مرتضیٰ) کی نصرت کرنا۔

(ترجمہ مقبول ص ۱۷ پارہ تین، تفسیر قمی سورۃ آل عمران: آیت: ۱۸: ص: ۱۰۳: طبع بیروت)

❷ ضمیمہ ترجمہ مقبول ص ۴۶،۴۵ میں لکھتے ہیں کہ چنانچہ وہ سب انبیاء میری مدد ضرور ضرور کریں گے انبیاء اور رسولوں میں سے کسی کو موقعہ نہیں ملا کہ وہ میری مدد کرتے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انکو میرے ظاہر ہونے سے پہلے اٹھالیا لیکن عنقریب وہ میری مدد کریں گے اور اللہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم النبیین تک ہر نبی اور رسول کو مبعوث کرے گا۔ اور میری مدد کے لئے کل جن اور آدمیوں کو خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ ہوں جیسے ہوں زندہ کرے گا وہ گروہ کے گروہ لبیک لبیک یا داعی اللہ کہتے ہوئے آئیں گے کوفہ کے بازاروں میں یہ کثرت ہوگی کہ بازار پٹ جائیں گے، تلواریں اپنی کھینچے ہوئے اپنے کندھوں پر رکھے ہوئے کافروں کو اور ظالموں کو اور ظالموں کے پیروں کے سر توڑتے ہونگے اور ان کو تقیہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ ہم نے صرف اختصاراً دو حوالہ ترجمہ مقبول سے نقل کیئے ہیں ایسے حوالہ جات ترجمہ مقبول میں بیسیوں موجود ہیں۔

❸ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ : حضرت امام جعفر صادقؒ سے کسی مرید نے دریافت کیا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی تعریف فرمائی ہے کہ "اِنَّهٗ كان صادق الوعد وكان رسولا نبيا" (سورۃ مریم پارہ ۱۶) تحقیق اسماعیل وعدہ میں سچے اور پکے تھے۔ اور رسول اور نبی تھے۔ یہ اسماعیل حضرت ابراہیم کے فرزند تھے یا ان کے علاوہ کوئی اور تھے؟ امام جعفر نے فرمایا کہ یہ اسماعیل بن ابراہیم نہیں بلکہ حضرت حزقیل کے فرزند ہیں اللہ تعالیٰ نے اسماعیل بن حزقیل کو ایک جماعت کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ اس قوم نے حضرت اسماعیل کو مارا پیٹا اور داڑھی اور سر کے بال نوچ ڈالے۔ تب اللہ تعالیٰ نے غضب ناک ہو کر اس قوم کی بربادی کے لئے سطاطائیل نامہ فرشتہ عذاب کے لیے بھیجا۔ اس فرشتے نے نازل ہو کر اسماعیل سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے کہ اگر تو مجھے حکم دے تو میں اس بدکار قوم کو مختلف قسم کے عذاب میں گرفتار کروں۔ حضرت اسماعیل نے کہا مجھے اس قوم کو عذاب دینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے اسماعیل جو دعا بھی تو چاہے مانگ میں قبول کروں گا۔ تب اسماعیل نے کہا کہ اے اللہ تعالیٰ تو نے ہم سب پیغمبروں سے توحید پر ایمان لانے کا وعدہ لیا ہے۔ اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا بھی وعدہ لیا ہے اور حضرت محمد ﷺ کے تمام اوصیاء کی ولایت اور امامت پر ایمان لانے کا وعدہ لیا ہے اور تو نے تمام پیغمبروں کی امتوں کو آگاہ کیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی وفات کے بعد اسکی امت حسین بن علیؓ پر ظلم وستم کرے گی اور تو نے حضرت حسین کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ دوبارہ دنیا میں آ کر ظالموں اور اہل بیت کے دشمنوں سے انتقام لیں گے۔ اے اللہ مجھے بھی تو اس وقت زندہ کرنا تا کہ میں اپنے دشمنوں کو قتل کروں اور ان سے بدلہ لوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول کر لی اور حضرت اسماعیل بن حزقیل حضرت امام حسینؓ کی طرح دنیا میں دوبارہ آ کر دشمنوں سے بدلہ لیں گے (جلاء العیون ص: ۴۷۷: باب زندگی سید الشہداء)

ملاباقرمجلسی دوسرے مقام پرلکھتا ہے کہ حضرت امام حسین نے میدان کربلا میں محرم کی ۱۰ تاریخ کو جمعہ کے دن اپنے رفقاء سے فرمایا کہ اب میں اپنے نانا جان کے پاس جاتا ہوں اور قیامت سے پہلے میں قبر سے نکلوں گا اور حضرت امیر المومنین بھی میرے ساتھ ہی قبر سے باہر آئیں گے۔ اور یہ وہ زمانہ ہوگا جب امام مہدی کا ظہور ہو چکا ہوگا۔ (جلاء العیون ص ۵۸۴: ۵۸۵ باب مؤلف راجع بواقعہ کربلا)
اس سے زیادہ دل خراش روایت حق الیقین باب رجعت میں لکھی ہے۔ قابل دید ہے۔
ناظرین کرام یہ عقیدہ قرآن کریم کے صریح مخالف ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ۝٩٩ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۝١٠٠
(سورۃ مؤمنون آیت ۹۹، ۱۰۰) کہے گا اے رب مجھ کو بھیج دو، شاید کچھ میں بھلا کام کرلوں اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا ہرگز نہیں یہ ایک بات ہے جس کو وہ کہتا ہے اور ان کے پیچھے پردہ ہے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں۔ ترجمہ شیخ الہندؒ۔ مطلب یہ ہے کہ اجل آجانے کے بعد دنیا میں واپس ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔ اب آپ خود فیصلہ کریں کہ یہ عقیدہ رجعت کسی مسلمان کا ہوسکتا ہے یا ایسا عقیدہ رکھنے والا مسلمان کہلا سکتا ہے؟ فَاعْتَبِرُوْا یا اولی الابصار۔
حاصل کلام: پہلی صدی میں اس کا موجد عبداللہ بن سبا یہودی ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عقیدہ رجعت افتراء کیا دوسری صدی میں جابر جعفی ہے جس نے حضرت علی کے بارے میں افتراء کیا تیسری صدی میں روافض نے تمام ائمہ کے بارے میں گھڑا ہے۔ واللہ اعلم
﴿۸۲﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى ۔۔۔ الخ **اعراض وعدہ**: یہ حکم امت کو ہے یعنی جو شخص آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں اقتداء سے جی چرائے گا تو وہ عہد الٰہی کو توڑے گا بفضلہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام تو اس عہد شکنی سے پاک رہے لیکن تم ان کی امتیں کہلا کر اس عہد کو توڑ رہے ہو۔
﴿۸۳﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ ۔۔۔ الخ **ترک اسلام پر تنبیہ**: کیا دین اسلام سے جس کا عہد لیا گیا ہے اس سے روگردانی کر کے پھر اس دین خداوندی کے سوا کسی اور طریقہ کو چاہتے ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا نام اسلام رکھا ہے جس کا معنی فرمانبردار ہونے کا ہے ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار ہے اور ہمیشہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین اسلام ہی تھا یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی دعوت دی جس کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ معلوم ہوتا رہا ہے۔ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا: **عظمت خداوندی**: جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی سے یا لاچاری سے سب اسی کے تابع ہیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ بیان القرآن میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے احکام دو قسم کے ہیں۔
① تکوینی۔ ② تشریعی۔ ❶ تکوینی کا مطلب یہ ہے کہ جن کو پورا کرنا بندہ کے اختیار میں نہیں جیسے موت وحیات بیماری وغیرہ۔ ❷ تشریعی کا مطلب یہ ہے کہ جن کو پورا کرنا بجالانا بندے کے اختیار میں ہے جیسے نماز، زکوٰۃ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کے احکام تکوینیہ کے سب تابع ہیں خواہ دل سے ان پر راضی ہوں جیسے اللہ تعالیٰ کے فرشتے اور نیک صالح بندے یا محض مجبور لاچار جیسے عالم کا ذرہ ذرہ ہے۔
﴿۸۴﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۔۔۔ الخ **خلاصہ حقیقت اسلام**: **ربط**: اوپر ترک اسلام کی تنبیہ کا ذکر تھا، اب آنحضرت ﷺ کو حکم ہے کہ اسلام کی حقیقت اور خلاصہ بیان فرمائیں کہ جس دین کی میں تم کو دعوت دے رہا ہوں وہی تمام انبیاء کا دین ہے۔ جس کا حاصل اور خلاصہ اس آیت میں موجود ہے۔ وَالْاَسْبَاطِ: اور ان کی اولاد، یعنی جن کو حق تعالیٰ شانہٗ نے نبوت کے منصب پر فائز فرمایا، اور جن پر اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ: **کیفیت ایمان**: ہم تفریق نہیں کرتے ان انبیاء میں سے کسی ایک کے درمیان جیسا کہ یہود ونصاریٰ کا حال ہے کہ کسی کی تصدیق کریں اور کسی کی تکذیب، سب انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے فرستادہ تھے اور سب دین حق پر تھے دین سب کا ایک ہی تھا مگر احکام میں جو اختلاف تھا وہ وقتی طور پر اسی زمانہ اور اس

ملک اوراس کے باشندوں کے لحاظ سے تھا۔

﴿۸۵﴾ وَمَنۡ يَّبۡتَغِ الخ غیر متلاشی اسلام کا نتیجہ :اس میں کافروں کے حال اور ان کے دنیوی اور اخروی نتیجہ کا ذکر ہے۔

مرتدین کی قسمیں

﴿۸۶﴾ كَيۡفَ يَهۡدِى اللّٰهُ۔۔۔ الخ قسم اول مرتدین :ربط:اوپر ان لوگوں کا بیان تھا جنہوں نے اسلام میں داخل ہونے سے روگردانی کی۔اب آنے والی آیت میں ان لوگوں کا بیان ہے۔جو اسلام میں داخل ہونے کے بعد پھر گئے،ایسے لوگوں کو شریعت کی اصطلاح میں مرتد کہتے ہیں۔پھر یہ مرتدین دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں جو اپنے کفر اور ارتداد پر ہمیشہ قائم رہے اور ایک قسم وہ ہے جو تائب ہوکر پھر صدق دل سے اسلام میں داخل ہوگئے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ :اللہ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو،اس ظالم سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہٹ دھرم اور ضدی ہوں ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں ملتی۔

﴿۸۸،۸۷﴾ انجام مرتدین :"وَلَا هُمۡ يُنۡظَرُوۡنَ" اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا۔۔۔ الخ قسم دوم تائبین :یعنی ان لوگوں کا ذکر ہے جو تائب ہوکر صدق دل سے مسلمان ہوگئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک انصاری مسلمان ہونے سے کچھ مدت کے بعد مرتد ہوگیا لیکن پھر اسے ندامت ہوئی اس نے اپنے خاندان والوں کے پاس پیغام بھیجا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی کو بھیج کر یہ دریافت کراؤ کہ کیا اب میرے لیے توبہ کی گنجائش ہے اس پر یہ آیت "غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ" تک نازل ہوئی اس کے خاندان والوں نے توبہ کا پیغام بھیجا پھر وہ شخص مسلمان ہوگیا۔ (مظہری :ج ۲ :ص :۸۴ :و :منیر :ص :۲۸۸ ج ۳ :و :قرطبی ۱۲۶ :و :ابن کثیر :ص :۵۹۵ :ج۔۲)

﴿۹۰﴾ بغیر ایمان عدم قبول توبہ کا بیان :ایک وہ کافر جو حق کو مان کر اور سمجھ بوجھ کر منکر ہوئے پھر آخر تک کفر میں دن بدن ترقی کرتے رہے نہ کبھی کفر سے ہٹنے کا نام لیا،نہ حق اور اہل حق کی عداوت ترک کی بالآخر توبہ کے بغیر مر گئے۔ان کا ذکر "اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا" سے ہے "ثُمَّ ازۡدَادُوۡا كُفۡرًا" پھر اپنے کفر میں بڑھتے رہے یعنی کفر پر دوام رکھا ایمان نہیں لائے اور بعض دوسرے اعمال سے توبہ کرلی جنہیں وہ اپنے گمان میں گناہ سمجھ رہے تھے، یہ توبہ کسی کام کی نہیں اس کی قبولیت کی امید نہ رکھیں۔ایسے لوگوں کو سچی توبہ نصیب نہ ہوگی۔ (محصلہ تفسیر عثمانی)

﴿۹۱﴾ مطلق کافر سے عدم قبول فدیہ :وہ لوگ جو کافر ہوئے اور کفر کی حالت میں مرے ان کا ذکر فرمایا :"فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡ اَحَدِهِمۡ مِّلۡءُ الۡاَرۡضِ ذَهَبًا" اگر بالفرض والمحال قیامت کے دن روئے زمین کے برابر سونا بھی اس کے پاس ہو(نہ ہونا تو معلوم ہے)اور وہ عذاب الٰہی سے بچنے کے لیے یہ سونا بطور فدیہ دیں تب بھی قبول نہیں ہوگا۔اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ :نتیجہ اخروی:ان کیلئے دردناک سزا ہوگی اور ان کے لئے کوئی حامی و مددگار بھی نہ ہوگا وہاں تو صرف دولت ایمان ہی کام دے سکتی ہے۔

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ

تم ہرگز حاصل نہ کرسکو گے نیکی یہاں تک کہ تم خرچ کرو اس چیز میں سے جسے تم پسند کرتے ہو اور جو چیز بھی تم خرچ کرو گے بے شک اللہ تعالی

بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ

اس کو خوب جاننے والا ہے ﴿۹۳﴾ بنی اسرائیل کے لئے ہر قسم کی کھانے کی چیزیں حلال تھیں سوائے ان کے جن کو اسرائیل (علیہ السلام) نے

منزل اول

عَلٰی نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىةُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰىةِ فَاتۡلُوۡهَاۤ اِنۡ

خود اپنے اوپر حرام قرار دیا تھا اس سے قبل کہ توراۃ نازل ہو آپ کہہ دیجئے تورات لاؤ اور اس کو پڑھو اگر

كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۞ فَمَنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ

تم سچے ہو ﴿۹۳﴾ پس جو شخص اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اس کے بعد پس یہی لوگ

هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۞ قُلۡ صَدَقَ اللّٰهُ ۚ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ

بڑے بے انصاف ہیں ﴿۹۴﴾ اے پیغمبر (ﷺ) آپ کہہ دیجئے اللہ نے سچ فرمایا ہے پس تابعداری کرو ملت ابراہیم (علیہ السلام) کی جو حنیف تھے اور وہ

مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۞ اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى

شرک کرنے والوں میں نہیں تھے ﴿۹۵﴾ بے شک اللہ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے البتہ وہ ہے جو بکہ (یعنی مکہ مکرمہ) میں ہے برکت والا ہے اور تمام

لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۞ فِيۡهِ اٰيٰتٌ ۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ ۚ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ

جہان والوں کے لئے ہدایت ہے ﴿۹۶﴾ اس میں واضح نشانیاں ہیں جیسا کہ مقام ابراہیم (علیہ السلام) اور جو شخص اس میں داخل ہوگا وہ امن والا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کیلئے

عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا ؕ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ

لوگوں پر حج ہے اس گھر کا جو طاقت رکھتا ہے اس کی طرف راستے پر جانے کی اور جس شخص نے انکار کیا تو بے شک اللہ تعالیٰ

غَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ۞ قُلۡ يٰۤـاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيۡدٌ

سب جہان والوں سے بے پرواہ ہے ﴿۹۷﴾ اے پیغمبر (علیہ السلام) آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو اور اللہ گواہ ہے

عَلٰى مَا تَعۡمَلُوۡنَ ۞ قُلۡ يٰۤـاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ مَنۡ

ان چیزوں پر جو تم کرتے ہو ﴿۹۸﴾ آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب تم اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو اس شخص کو جو ایمان لاتا ہے

اٰمَنَ تَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا وَّاَنۡتُمۡ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۞

تم اس راستے میں کجی تلاش کرتے ہو حالانکہ تم گواہ ہو اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کرتے ہو ﴿۹۹﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِيۡعُوۡا فَرِيۡقًا مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ يَرُدُّوۡكُمۡ بَعۡدَ

اے ایمان والو اگر تم ان لوگوں میں سے ایک فریق کی بات مانو گے جنہیں کتاب دی گئی ہے تو وہ تمہیں پلٹادیں گے

اِيۡمَانِكُمۡ كٰفِرِيۡنَ ۞ وَكَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيۡكُمۡ

تمہارے ایمانوں کے بعد کفر کی طرف ﴿۱۰۰﴾ اور تم کفر کس طرح کرو گے حالانکہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تمہارے درمیان

رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

اللہ کا رسول موجود ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑے گا تو اس کو سیدھے راستے کی ہدایت دی گئی ﴿۱۰۱﴾

محبوب مال راہ خدا میں خرچ کرو

﴿۹۲﴾ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ ۔۔۔ الخ ربط آیات: اس سے پہلی آیت میں کفار ومنکرین کے مال کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیر مقبول ہونے کا ذکر تھا اب اس آیت میں اہل ایمان کے صدقۂ مقبولہ اور اس کے آداب کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ۱۰ ترغیب انفاق فی سبیل اللہ، ازالہ شبہ، ظہور حجت کے بعد نتیجہ، فریضہ خاتم الانبیاء، ملت ابراہیمی کا مرکز اول وفضائل بیت اللہ، بیت اللہ کی تین خصوصیات، فرضیت حج، منکرین فریضہ حج، اہل کتاب کے گمراہ ہونے پر ملامت۔ا۔۲۔فہمائش مؤمنین، اسباب مانع کفر۔ ماخذ آیات ۹۲ تا ۱۰۱+

ترغیب انفاق فی سبیل اللہ بِرّ کا معنی ہے انعام، جنت، بھلائی، احسان کی وسعت، سچائی، طاعت۔ (قاموس)

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر "بِرّ" کی نسبت بندہ کی طرف کی جائے تو اس سے مراد طاعت، سچائی اور احسان کی وسعت ہے اور اس کے مقابل فجور اور عقوق یعنی نافرمانی کا لفظ آتا ہے۔ اور اگر "بِرّ" کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے تو اس سے مراد اللہ کی رضا، رحمت اور جنت ہے اور اس کے مقابل غضب اور عذاب کا لفظ آتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد جنت ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تم برابر نہیں ہوسکتے یعنی کثیر الخیر، وسیع الاحسان اور طاعت گزار نہیں ہوسکتے جب تک محبوب مال راہ خدا میں خرچ نہ کرو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ صدق کو اختیار کرو صدق "بِرّ" کے ساتھ ہوتا ہے یہ دونوں جنت میں لے جاتے ہیں اور کذب سے پرہیز کرو کذب فجور کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ دونوں دوزخ میں لے جاتے ہیں۔

(رواہ احمد وابن ماجہ والبخاری فی الادب: بحوالہ مظہری: ص: ۸۶: ج۔۲)

حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ: یہاں "مِمَّا" میں "مِن" تبعیضیہ ہے یعنی کچھ مال "ما تحبون" سے مراد ہر قسم کا مال ہے۔ جمہور محققین نے اس آیت کے مفہوم کو صدقات واجبہ اور نافلہ دونوں میں عام قرار دیا ہے۔

(ابن کثیر: ص: ۶۸: ج: ۱: تفسیر منیر: ص: ۵۷: ج: ۱: خازن: ص: ۶۴: ج: ۱: کشاف: ص: ۴۱: ج۔۱)

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جو صدقہ بھی ادا کرو خواہ زکوٰۃ فرض ہو یا کوئی نفلی صدقہ وخیرات، ان سب میں مکمل فضیلت اور ثواب اس وقت ہوگا جب اپنی محبوب اور پیاری چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو، یہ نہیں کہ صدقہ کو تاوان کی طرح سر سے ٹالنے کے لیے فالتو، بیکار یا خراب چیزوں کا انتخاب کرو۔

﴿۹۳﴾ كُلُّ الطَّعَامِ ۔۔۔ الخ ازالہ شبہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اصول اور اکثر فروع کے اعتبار سے اپنا ملت ابراہیمی پر ہونا بیان فرمایا: تو یہود نے اعتراض کیا کہ آپ اونٹ کا گوشت اور دودھ استعمال کرتے ہیں حالانکہ یہ ابراہیم علیہ السلام پر حرام تھا اس کی حرمت ہم تک پہنچی ہے۔ یہود کے اس اعتراض کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی تکلیف ہوگئی تھی تو انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حق تعالیٰ شانہ مجھے شفاء عطا فرمائیں تو مجھے جو چیز سب سے زیادہ محبوب ہوگی اس کو میں نہیں کھاؤں گا، ان کو اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ سب سے زیادہ محبوب تھا۔ جب حق تعالیٰ نے شفاء عطا فرمائی تو انہوں

نے ترک کر دیا۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہود نے اعتراض کر دیا کہ آپ ملت ابراہیمی پر ہونے کے دعوے دار بھی ہیں اور اونٹ کا گوشت اور دودھ بھی استعمال کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرات علماء کرام نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام نہیں تھا بلکہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام کر لیا تھا ان کی حرمت روایتی طور پر ان کی اولاد میں چلتی رہی، اور یہ واقعہ تورات کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے تو راۃ میں اونٹ کے گوشت اور دودھ کی حرمت کا ذکر نہیں ہے۔

قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرٰةِ ۔۔۔ الخ :یہود کے لئے چیلنج: کہہ دو تو راۃ لاؤ اور اسے پڑھو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ چیزیں حرام ہوتیں تو تو راۃ میں ان کی حرمت کا ذکر ہوتا حالانکہ اس کا ذکر نہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سینکڑوں سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تو راۃ نازل ہوئی ہے۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں وہ لوگ تو راۃ لا کر سنانے کی ہمت نہ کر سکے اور لاجواب ہو کر رہ گئے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں یہود کو چیلنج ہے تو راۃ لاؤ، حالانکہ آپ نے نہ تو راۃ پڑھی تھی اور نہ کوئی دوسری آسمانی کتابیں پڑھی تھی ظاہر ہے کہ آپ نے یہود کو چیلنج دیا وہ سب کچھ وحی کے ذریعہ تھا۔ (روح المعانی: ص ۳۵: ج ۳)

﴿۹۴﴾ فَمَنِ افْتَرٰى الخ ظہور حجت کے بعد نتیجہ : پس جو شخص اللہ پر جھوٹ باندھے۔ یعنی بعد اس حجت کے ظاہر ہونے کے کہ حرام کر لینا فقط یعقوب علیہ السلام ہی کی طرف سے تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں نہ تھا اس حق کے ظاہر ہونے کے بعد جو کوئی حق کو قبول نہ کرے وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ (مظہری: ص ۹۱: ج ۲)

﴿۹۵﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ الخ فریضہ خاتم الانبیاء : آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ نے سچ کہا بس اب تم کو چاہئے کہ بعد نبوت کے حقیقت قرآن ملت ابراہیم یعنی اسلام کا اتباع کرو اللہ کے بند و خصوصیات اسرائیلی کو چھوڑ دو اور ملت ابراہیمی میں ہمارے دوش بدوش چلو تا کہ مل کر کام کر سکیں۔

﴿۹۶﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ ۔۔۔ الخ ملت ابراہیمی کا مرکز اول وفضائل بیت اللہ ❶ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں سب سے پہلا عبادت خانہ کعبہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مجاہد رحمہ اللہ، قتادہ رحمہ اللہ، سدی وغیرہ صحابہ و تابعین اسی کے قائل ہیں کہ کعبہ دنیا کا سب سے پہلا گھر ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ لوگوں کے رہنے سہنے کے مکانات پہلے بھی بن چکے ہوں مگر عبادت کے لیے یہ پہلا گھر بنا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی منقول ہے۔ (مظہری: ص ۹۲: ج ۲: خازن: ص ۲۷۵: ج ۱: کبیر: ص ۲۹۶: ج۔)

وُضِعَ لِلنَّاسِ : میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس گھر کی تعظیم وتکریم کسی خاص قوم یا جماعت ہی کا حصہ نہیں بلکہ عام خلائق اور سب انسان اس کی تعظیم کریں اور اس کی طرف خود بخود، دل مائل ہوں گے۔

بکہ اور مکہ ہم معنی ہیں

بِبَكَّةَ : بکہ اور مکہ دونوں ہم معنی ہیں اہل عرب میم کو باء سے بدل دیتے ہیں نمیط، نبیط، لازم، لازب، راتبہ وراتمہ۔ بعض علماء نے کہا کہ مکہ شہر کا نام ہے اور بکہ صرف وہ جگہ ہے جہاں کعبہ یا مقام طواف ہے "بکہ" کا معنی ہے اژدہام۔ مکہ میں (ایام حج میں) لوگوں کا اژدہام ہوتا ہے اس لیے اس کو "بکہ" کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مکہ بڑے بڑے جابروں کی گردنیں توڑ دیتا ہے، جس جابر نے اصحاب فیل کی طرح کعبہ کو ڈھانے کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی گردن توڑ دی۔ مکہ کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ "مکہ" کا معنی ہے پانی کی قلت، مکہ میں پانی کم ہے۔ (مظہری: ص ۹۲: ج ۲)

مُبٰرَکًا۔ ❷ برکت والا ہے۔ ❸ پورے جہاں کے لیے ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ ہے۔ تعمیری تاریخ ادوار کعبۃ اللہ کا ذکر سورۃ بقرہ کی (آیت۔ ۱۲۷) میں گزر چکا ہے۔

بیت اللہ کی برکات

اس میں ظاہری برکات بھی ہیں اور معنوی برکات بھی ہیں۔ ظاہری برکات یہ ہیں کہ مکہ اور اس کے آس پاس ایک خشک ریگستان اور بنجر زمین ہونے کے باوجود، اس میں ہمیشہ ہر موسم میں مختلف قسم کے پھل، اور ترکاریاں اور تمام ضروریات کی اشیاء مہیا رہتی ہیں، صرف اہل مکہ کے لیے نہیں بلکہ اطراف عالم سے آنے والوں کے لیے بھی کافی ہوجاتی ہیں، ہر سال لاکھوں انسان اطراف عالم سے حج وعمرہ کے لئے جمع ہوتے ہیں، صرف قربانی کے لیے لاکھوں بکرے ذبح کئے جاتے ہیں وہ ہمیشہ وہاں سے ملتے ہیں۔

معنوی برکات تو اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شمار کرنا بھی مشکل ہے بعض اہم عبادات تو بیت اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں، ان میں جو اجر عظیم اور برکات روحانی ہیں ان سب کا مدار بیت اللہ پر ہے مثلاً حج وعمرہ اور بعض دوسری عبادات کا بھی مسجد حرام میں ثواب بدرجہا بڑھ جاتا ہے جیسے مسجد حرام میں ایک نماز قائم کرنے سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ (ابن ماجہ، طحاوی)

بیت اللہ کی تین خصوصیات

﴿۹۷﴾ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ ۔۔۔ الخ۔ ❶ اس میں اللہ کی قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ یعنی جب سے بیت اللہ قائم ہوا ہے اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو مخالفین کے حملوں سے محفوظ فرما دیا ہے، ابرہہ نے ہاتھیوں کا لشکر لے کر چڑھائی کی تو اللہ جل شانہٗ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کو پرندوں کے ذریعہ تباہ وبرباد کردیا اور ان نشانیوں میں سے اس میں مقام ابراہیم بھی ہے۔ اس کی تفصیل سورہ بقرہ کی (آیت۔ ۱۲۵) میں گزر چکی ہے۔

❷ جو شخص اس میں داخل ہوجائے وہ امن والا اور محفوظ ہوجاتا ہے کوئی اس کو قتل نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر ہر قوم وملت کے دلوں میں بیت اللہ کی تعظیم وتکریم ڈال دی ہے، اور وہ سب عموماً ہزاروں اختلافات کے باوجود اس عقیدے پر متفق ہیں کہ اس میں داخل ہونے والا اگرچہ مجرم یا ہمارا دشمن ہی کیوں نہ ہو حرم کا احترام اس کا مقتضی ہے کہ وہاں اس کو کچھ نہ کہیں حرم کو عام جھگڑوں لڑائیوں سے محفوظ رکھا جائے۔ زمانہ جاہلیت کے عرب اور ان کے مختلف قبائل خواہ کتنی خرابیوں میں مبتلا تھے مگر بیت اللہ اور حرم محترم کی عظمت پر سب جان دیتے تھے۔ اگر باپ کا قاتل آنکھوں کے سامنے آجاتا تو آنکھیں نیچی کر کے گزر جاتے، اس کو کچھ بھی نہ کہتے تھے۔ فتح مکہ کے دن صرف آنحضرت ﷺ کے لیے چند گھنٹوں کے لیے قتال کی اجازت دی گئی تھی۔ صرف بیت اللہ کی تطہیر کے لیے اس کے بعد ہمیشہ کے لیے وہی حرمت ہے۔

❸ اس میں تیسری خصوصیت یہ بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر بیت اللہ کا حج کرنا لازم اور واجب قرار دیا ہے۔ بشرطیکہ بیت اللہ پہنچنے کی قدرت واستطاعت رکھتے ہوں۔ یعنی ضروریات اصلیہ سے فاضل اتنا مال ہو جس سے بیت اللہ تک آنے جانے اور وہاں قیام کا خرچ برداشت کرسکے، اور اپنی واپسی تک اہل وعیال کا بھی انتظام کرسکے۔ ان کا خرچہ ان کے ذمہ واجب ہے۔ نیز وہ شخص معذور نہ ہو مثلاً ہاتھ، پاؤں آنکھیں درست ہوں تاکہ حج کے ارکان ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔

(محصلہ معارف القرآن، م، ش، و)

وَمَنْ كَفَرَ الخ منکرین فریضہ حج: اس میں وہ شخص داخل ہے جو صراحتاً فریضہ حج کا منکر ہو، جو حج کو فرض نہ سمجھے اس کا دائرہ اسلام سے خارج اور کافر ہونا ظاہر ہے۔ اور جو شخص باوجود استطاعت قدرت کے حج نہیں کرتا وہ بھی ایک حیثیت سے منکر ہے اس پر لفظ

"وَمَنْ كَفَرَ" کا اطلاق بطور تہدید وتاکید کے ہے کہ یہ شخص بھی کافروں جیسے عمل میں مبتلا ہے۔

(کبیر ص ۵۵ ۳ ج ۸ روح المعانی: ص ۱۳ ۳ ج۔ ۴)

اعتراض: دیانند سرسوتی نے یہ اعتراض کیا کہ اگر ہم بتوں کو سجدہ کریں تو ہمیں کافر کہا جاتا ہے اور تم لوگ کعبہ کو سجدہ کرتے ہو مگر تمہیں کافر نہیں کہا جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: ❶ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ نے دیا کہ کعبہ مسجود لہ نہیں بلکہ مسجود الیہ ہے۔ مسجود لہ صرف اللہ کی ذات ہے اور کعبہ سجدہ کی جہت ہے تم بتوں کو مسجود لہ سمجھ کر سجدہ کرتے ہو۔

❷ کعبہ نہ بھی ہو ہمیں صرف اس کی سمت کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دور میں کعبۃ اللہ کو تعمیر کے لئے گرایا گیا تو اس وقت بھی سمتِ بیت اللہ کی طرف نمازیں ادا کی گئیں لیکن کعبہ کی دیوار موجود نہیں تھی اس سے واضح ثابت ہو گیا کہ مسلمان نہ کعبہ کو اور نہ اس کی دیواروں کو سجدہ کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص اس تجلی کو سجدہ کرتے ہیں جس کا مرکز اور محور بیت اللہ ہے لہٰذا تمہارا اعتراض لایعنی اور فضول ہے۔

اہل تشیع کے نزدیک کربلا کعبۃ اللہ سے افضل اور برتر ہے

چنانچہ باقر مجلسی لکھتا ہے کہ زمین کے مختلف قطعات نے ایک دوسرے پر فخر اور برتری کا دعویٰ کیا تو کعبہ معظمہ نے کربلائے معلیٰ کے مقابلے میں فخر اور برتری کا دعویٰ کیا تو اللہ نے کعبہ کو وحی فرمائی کہ خاموش ہو جاؤ اور کربلا کے مقابلہ میں فخر اور برتری کا دعویٰ مت کرو آگے روایت ہے کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے کربلا کی وہ خصوصیت اور فضیلتیں بیان فرمائیں جن کی وجہ سے اس کا مرتبہ کعبہ معظمہ سے برتر اور بالا ہے۔ (حق الیقین ص ۵۷۵: مقصد ۹: اثبات رجعت: ناشر انتشارات سرور، قم)

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ: امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ تمام روئے زمین پر افضل مقامات اور بزرگ ترین شہروں میں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ ہے زادہا اللہ تشریفاً وتعظیماً۔ (حاشیہ مسلم للنوویؒ: ص: ۶۴۳: ج: ۱)

جبکہ اہل تشیع کا عقیدہ پوری امت مسلمہ کے اجماعی عقیدہ کے خلاف ہے کہ کربلا کو کعبۃ اللہ سے برتری اور فضیلت حاصل ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ بیت اللہ میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ملتا ہے اس روایت کے سب رجال صحیح ہیں، اور دوسری روایت میں ہے کہ دس کروڑ نمازوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔ (عمدۃ الفقہ: ص: ۶۶۱: ج۔ ۴)

جبکہ کربلا میں اکیلے نماز پڑھنے میں صرف ایک نماز کا ثواب ملتا ہے اور اگر جماعت کی نماز نصیب بھی ہو گئی تو زیادہ سے زیادہ ستائیس نمازوں کا ثواب ملے گا پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ کربلا کا مقام بیت اللہ سے برتر ہے نظر انصاف سے غور فرمائیں۔

اہل کتاب کی ملامت

﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ ۔۔۔ الخ ربط آیات: گزشتہ آیات میں یہود کے شبہات کا جواب دے کر ثابت کیا گیا تھا کہ آنحضرت ﷺ دین ابراہیمی پر ہیں اور خانہ کعبہ سب سے پہلا عبادت خانہ ہے۔ اب ان آیات میں اہل کتاب کی ملامت کی جاتی ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد تمہارا عجیب حال ہے کہ خود بھی قبول حق سے محروم ہو، اور دوسروں کو بھی قبول حق سے ہٹانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہو، اسلام میں جھوٹے اور فرضی شکوک وشبہات نکال کر لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہو کہ اسلام سیدھا راستہ نہیں بلکہ ٹیڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری سازشوں سے غافل نہیں ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ ۔۔۔ الخ اہل کتاب کے گمراہ ہونے پر ملامت ❶ "بِاٰيٰتِ اللّٰهِ" اللہ تعالیٰ کی نشانیاں، جن سے

بیت اللہ کا قبلہ ابراہیمی ہونا اور آنحضرت ﷺ کا ملت ابراہیمی پر ہونا خوب واضح اور روشن ہے، اور تمہیں یقین ہے کہ دین محمدی بالکل سچا ہے، اور بیت اللہ کا حج فرض ہے، اس کا علم اور یقین ہونے کے باوجود پھر انکار کیوں کرتے ہو؟ اور اللہ گواہ ہے جو تم کرر ہے ہو لہٰذا حق کا چھپانا تمہیں فائدہ نہیں دے گا۔

﴿۹۹﴾ لِمَ تَصُدُّوْنَ ... الخ اہل کتاب کے گمراہ ہونے پر ملامت ❷ اے اہل کتاب اسلام کی راہ سے جو اللہ تک پہنچتی ہے ایمان والوں کو روکتے ہو کہ ایمان نہ لاؤ تمہارے اس عمل کی سزا ضرور ملے گی "تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا" "عِوَجًا" مصدر بمعنی اسم مفعول ہے یعنی تم چاہتے ہو کہ اللہ کا راستہ ٹیڑھا ہو یا مصدری معنی مراد ہے اور "ھا" سے پہلے لام محذوف ہے یعنی تم اللہ کے راستے کے طلبگار ہو۔ (مظہری: ص: ۱۰۱: ج۔ ۲)

وَاَنْتُمْ شُهَدَآءُ : تم اپنے نازیبا کرتوت کے خود گواہ ہو یا مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اوصاف اور اسلام کا دین خداوندی ہونا جو توراۃ میں مذکور ہے تم خود اس کے گواہ ہو، اگرچہ زبان سے اس کی شہادت نہیں دیتے۔ (مظہری: ص: ۱۰۲: ج۔ ۲)

پہلی آیت میں اہل کتاب کے عمل کو کفر سے بیان فرمایا، اور اس کو "وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ" پر ختم فرمایا اور دوسری آیت میں ان کا عمل اہل ایمان کو حیلہ اور مکر کے ذریعہ اسلام سے روکنا تھا جو مخفی اور پوشیدہ تھا اس لیے دوسری آیت کو "وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ" پر ختم فرمایا، دونوں آیات میں ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو اہل کتاب کے عمل کے مناسب تھے۔

﴿۱۰۰﴾ فہمائش مؤمنین ﴿۱۰۱﴾ اسباب مانع کفر ❶ یہ استفہام ان کو تعجب دلانے اور ملامت کے طور پر ہے کہ تم کیوں کفر کی بات کرتے ہو حالانکہ تمہاری شان یہ ہے کہ تم پر آیات الٰہی تلاوت کی جاتی ہیں چونکہ آنحضرت ﷺ مسجد نبوی میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو قرآن کریم پڑھ کر سناتے تھے۔

❷ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ : اور تم میں اللہ تعالیٰ کا رسول پاک (محمد ﷺ) موجود ہے۔ ف : پھر بھلا کون سی صورت ہے کہ کفر پیدا ہو۔ (مواہب الرحمٰن: ص: ۱۳۱: ج۔ ۲)

شان نزول : شماس بن قیس ایک یہودی تھا مسلمانوں کی باہمی اتفاق ومحبت کو دیکھ کر جلتا رہتا تھا، ایک دن ایک مجلس مسلمانوں کی لگی ہوئی تھی جس میں کچھ "خزرج" کے لوگ مسلمان اور کچھ "اوس" کے تھے، اس یہودی نے اس مجلس میں اوس اور خزرج کی پرانی جنگوں کا تذکرہ اشعار میں کیا، جس کی وجہ سے ان کے درمیان دوبارہ انتقامی جذبہ زندہ ہوا اور ایک دوسرے کو مارا پیٹا اس کی خبر آنحضرت ﷺ کو دی گئی، تو آپ نہایت غمگین ہوئے، مہاجرین وانصار کی معیت میں ان کی مجلس میں تشریف لے گئے۔

فرمایا تم لوگ پھر جاہلیت کی باتوں کی طرف چلے جارہے ہو، حالانکہ میں تمہارے اندر موجود ہوں، اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کی عزت عطا فرمائی ہے، اور تمہارے دلوں میں الفت ومحبت ڈال دی ہے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی پر ندامت ہوئی فوراً ہتھیار ڈال دیے، ایک دوسرے کو گلے ملے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ : میں کفر سے عام معنی مراد ہیں جو کفر اعتقادی اور کفر عملی دونوں کو شامل ہے، اس لیے کہ مسلمانوں کی نااتفاقی اور باہمی قتال وجدال کفر ہے کیونکہ نااتفاقی مسلمان کو کفر کے قریب پہنچا دیتی ہے، تو ایسے عمل والے شخص کو عملی کافر کہا جائے گا نہ کہ اعتقادی تو اس وجہ سے کافر کی بھی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی کافر جو اعتقادی طور پر کفر کا مرتکب ہو۔ دوسرا عملی کافر جو کافروں جیسا عمل کرتا ہو۔ مگر معتزلہ اور خوارج نے اس کو کفر کے حقیقی معنی پر محمول کر کے حکم لگا دیا کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب حقیقی کافر ہے

یا گناہ کبیرہ کا مرتکب حقیقتاً ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ (معارف القرآن: ج:۲: ص:۲۲،۴، ۱۰۴، ۱۷۱)

اہل بدعت کا آنحضرت ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے پر استدلال

چنانچہ مولوی محمد عمر اس جملہ "وَفِيكُمْ رَسُولُهُ" سے بھی آنحضرت ﷺ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کیا کرتے ہیں۔ (دیکھئے مقیاس حنفیت۔۲۷۰)

جواب: ❶ قرآن کریم کے اس جملہ "وَفِيكُمْ رَسُولُهُ" سے خطاب آنحضرت ﷺ کی تمام امت کو نہیں بلکہ آپ کے بعض حضرات صحابہ کرام ﷺ کو ہے جو ان آیات کے نزول کا داعیہ اور سبب تھے اور جن کی اصلاح اور طہارت اللہ تعالیٰ کو منظور تھی جیسا کہ شان نزول سے واضح ہے اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ یہ خطاب عام بھی ہو تب بھی صرف مؤمنوں کو ہوگا (جیسا کہ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا" سے ظاہر ہے) اور ہر جگہ اور ہر ایک کے حق میں حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ پھر بھی باطل ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

جواب: ❷ اگر "وَفِيكُمْ رَسُولُهُ" سے آنحضرت ﷺ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا مراد ہو جیسا کہ اہل بدعت کا خیال ہے تو پھر قرآن کریم کی آیات کا آپس میں تعارض اور تضاد واقع ہوگا اور یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تعارض کا شائبہ بھی پایا جاتا ہو کیونکہ اگر "وَفِيكُمْ رَسُولُهُ" سے مراد یہ ہو کہ آپ ہر جگہ اور ہر مقام میں حاضر و ناظر ہیں تو قرآن کریم کی دوسری آیات کا یہ مضمون ہے کہ آپ کو بری مجلسوں میں حاضر اور شریک ہونے کی قطعاً اجازت نہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے (۱) "وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ"۔ (انعام۔۶۸)

ترجمہ: اور جب دیکھے تو ان لوگوں کو جو مزاح اڑاتے ہیں ہماری آیات سے تو ان سے کنارہ کر یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی اور بات میں اور اگر بھلا دیں تجھ کو شیطان تو مت بیٹھ یاد آنے کے بعد ظالموں میں۔ اس آیت سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو خلاف شرع مجالس میں شریک اور حاضر ہونے کی قطعاً اجازت نہیں ہے تو پھر آپ ہر جگہ حاضر و ناظر کیسے ہوئے؟

(۲) سورۃ نساء آیت نمبر ۱۴۰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ

ترجمہ: کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی آیات مجرمین کی طرف سے انکار اور ہنسی کرتے سنو تو نہ بیٹھو ان کے ساتھ حتی کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جاتے ورنہ تم بھی ان جیسے (ظالم) ہو جاؤ گے۔ ان آیات میں واضح حکم ہے آنحضرت ﷺ کو اور دیگر مؤمنین کو کہ خلاف شرع مجالس میں نہ بیٹھیں ورنہ وہ بھی ظالم ہو جائیں گے اگر آپ ﷺ حاضر و ناظر ہوتے اور دیگر مؤمنین تو پھر ایسا کیوں کہا جاتا؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾

اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے جیسا کہ حق ہے اس سے ڈرنے کا اور تم نہ مرو مگر اس حالت میں کہ تم فرمانبرداری کرنے والے ہو (۱۰۲)

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ

اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو سب کے سب اور تفرقہ نہ ڈالو اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر کی جبکہ تم

اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا

آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پس تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہوگئے اور تم

حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ

آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پس اللہ نے تم کو بچالیا اسی طرح اللہ کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم

تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ

ہدایت پاجاؤ ﴿۱۰۳﴾ پس چاہیے کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہو جو خیر کی دعوت دے اور معروف کا حکم کرے

وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ تَفَرَّقُوۡا

اور برائی کے کاموں سے منع کرے اور یہی لوگ کامیاب ہیں ﴿۱۰۴﴾ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنہوں نے تفرقہ ڈالا

وَاخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۰۵﴾

اور اختلاف کیا جبکہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آچکیں اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے ﴿۱۰۵﴾

يَّوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ اَكَفَرۡتُمۡ

جس دن کئی چہرے سفید ہونگے اور کئی چہرے سیاہ ہونگے بہرحال وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہونگے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے

بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ

ایمان کے بعد کفر اختیار کیا پس عذاب چکھو یہ بدلہ ہے اس کا جو تم کفر کرتے تھے ﴿۱۰۶﴾ اور بہرحال وہ لوگ

ابۡيَضَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ فَفِىۡ رَحۡمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ

جن کے چہرے سفید ہونگے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿۱۰۷﴾ یہ اللہ کی آیتیں ہیں

نَتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ بِالۡحَـقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ

جنہیں ہم آپ پر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ظلم کا ارادہ نہیں کرتا جہان والوں پر ﴿۱۰۸﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۱۰۹﴾

اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹائے جائیں گے ﴿۱۰۹﴾

﴿۱۰۲﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ... الخ ربط آیات: گزشتہ آیات میں اہل کتاب کی گمراہ کرنے کی تدبیروں سے بچنے کا ذکر تھا، اب یہاں سے مسلمانوں کو اپنی اجتماعی قوت مضبوط کرنے کے لیے تقویٰ اور باہمی اتفاق واتحاد برقرار رکھنے اور اختلاف وتفریق

سے بچنے کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ۱۱ اصول کامیابی۔ ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ شفقت خداوندی، داعی جماعت کی ضرورت، نہی عن التفرق مع تخویف اخروی، اہل سنت اور اہل بدعت کی پہچان یا اہل ایمان اور اہل کفر کی پہچان، بشارت اہل سنت، صداقت قرآن، عدل وانصاف باری تعالیٰ، حصر المالکیت باری تعالیٰ۔ ماخذ آیات۔ ۱۰۲ تا ۱۰۹+

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ: اصول کامیابی ۱ : کامل ڈرنے کا بیان : اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا کامل حق ہے اس کے بقدر ڈرنا تو کسی کے بس کی بات نہیں البتہ جتنا ممکن ہو اس میں کوتاہی نہ کرے اللہ تعالیٰ سے کامل ڈرنے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ کفر وشرک سے بچے۔ اور ایک مطلب یہ بھی ہے کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے اور صغیرہ گناہوں پر ہمیشہ سے بچنے کے لئے دوام اختیار کرے اور یہ تقویٰ کا دوسرا درجہ ہے۔

﴿۱۰۳﴾ وَاعْتَصِمُوْا۔ ۲ دین کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا بیان : اسی سے مراد اسلام، دین اور شریعت ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو۔ وَلَا تَفَرَّقُوْا۔ ۳ دین میں نااتفاقی کی ممانعت : اس میں اس اختلاف اور تفریق کی ممانعت کا ذکر ہے جو دین کے صریح اور واضح احکام میں محض نفسانیت کی بناء پر ہو اور اگر غیر منصوص اور ظنی مسائل میں محض حق کو تلاش کرنے کے لیے ہو تو ایسا اختلاف مسلمانوں کے حق میں رحمت ہے۔ حدیث پاک میں ہے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں بہتر فرقے ہوئے، اور میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے سوائے ایک فرقے کے سب کے سب دوزخ میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا وہ کونسا فرقہ ہوگا جو دوزخ سے محفوظ ہوگا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "ما انا علیہ واصحابی" نجات پانے والا فرقہ وہ ہوگا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہوگا۔ اسی کو اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے یہی فرقہ آنحضرت ﷺ کی سنت اور طریقہ پر ہے، اور جماعت صحابہ کے طریقہ پر بھی ہے اس کے علاوہ باقی سب فرقے فی النار والسقر ہوں گے۔

وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ ۴ تذکیر نعمت اسلامی اخوت واتحاد : اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو کہ تم اسلام سے پہلے باہم دشمن تھے چنانچہ اوس اور خزرج کے دو قبیلوں میں طویل مدت سے جنگ چلی آرہی تھی، اور عام طور پر اکثر عرب کے لوگوں کی یہی حالت تھی، اب اللہ نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت ومحبت ڈال دی ہے، جس کی وجہ سے تم آپس میں بھائی بھائی کی طرح ہو گئے ہو۔

وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا : اصول کامیابی ۵ اللہ تعالیٰ نے یہ انعام فرمایا جو سب سے بڑا ہے کہ تم لوگ دوزخ کے کنارے پر کھڑے تھے کافر ہونے کی وجہ سے صرف مرنے کی دیر تھی اللہ نے اسلام کی دولت نصیب کر کے دوزخ سے بچا لیا، تو اب ان نعمتوں کو ختم نہ کرو کیونکہ باہمی جنگ وقتال سے پہلا انعام آپس کی الفت ومحبت کا تعلق ٹوٹ جائے گا۔ اور دوسرا انعام ایمان وایقان کی روشنی سینوں میں ڈال کر جہنم سے بچا لیا۔

کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ شفقت خداوندی : اللہ تعالیٰ نے یہ احکام واضح طور پر بیان فرمائے ہیں تاکہ تم لوگ راہ راست پر قائم رہو اور ظاہری باطنی دشمنی سے محفوظ رہو۔

امت اسلامیہ میں فرقوں کا ظہور

اقوام عالم پر نظر ڈالنے کے بعد اب ہم اس امت اسلامیہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ وہ تمام گمراہیاں، سب افراط وتفریط اس امت میں بھی ظاہر ہوا، اور وہ ساوی چیزیں یقیناً اس میں ظاہر ہوئی تھیں، یعنی تینوں گمراہ طبقے اس امت میں یقیناً ظاہر ہونے تھے اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی پیشین گوئی فرمائی تھی۔ چنانچہ لسان نبوت نے یہ اطلاع دی :

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمُ الشِّبْرَ بِالشِّبْرِ وَالذِّرَاعَ بِالذِّرَاعِ وَالْبَاعَ بِالْبَاعِ حَتَّى لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ دَخَلَ جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمُوهُ (مسند احمد: ١٦_٤٨٣)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تم ضرور بضرور اتباع کرو گے پہلوں کی جس طرح ایک بالشت دوسری بالشت کے برابر، ایک ذراع دوسرے ذراع کے برابر اور ایک باع یعنی دو ہاتھ دو ہاتھوں کے برابر تم بھی ان کے برابر چلو گے یہاں تک کہ اگر ان میں کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا تم میں بھی ایسے لوگ آئیں گے جو گوہ کے سوراخ میں داخل ہوں گے۔

اور دوسری روایت میں رسول ﷺ نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ اس کو تشبیہ دی اور بڑی بری صورت اور بڑی کراہت کے ساتھ بیان فرمایا: عن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليأتين على أمتي ما أتى على بني إسرائيل حذو النعل بالنعل حتى إن كان منهم من أتى أمه علانية لكان في أمتي من يصنع ذلك. (سنن الترمذي: ج:١،ص:٢٠٦٢،رقم الحديث:٢٦٤١)

ترجمہ: فرمایا میری امت پر بھی ایسے احوال آئیں گے جیسے بنی اسرائیل پر آئے تھے اور اس طرح برابر سرابر آئیں گے جس طرح جوتا جوتے کے برابر ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر ان میں سے کوئی شخص علانیہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے والا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا فعل کرنے والا شخص ظاہر ہوگا۔

پہلا فرقہ: کتاب اللہ سے بھی بیزار اور رجال اللہ بھی بیزار: گزشتہ اقوام عالم کی طرح تینوں مزاج کے حامل لوگ اس امت اسلامیہ میں بھی پائے جاتے ہیں، چنانچہ سب سے پہلا طبقہ اور پہلا طرز فکر کہ ''رجال اللہ اور کتاب اللہ میں سے کسی کی ہمیں ضرورت نہیں'' اس طرز فکر کے لوگ بھی اس امت میں موجود ہیں، جنہوں نے کتاب اللہ کو بھی ٹھکرایا اور رجال اللہ کو بھی ٹھکرایا، نہ وہ کتاب اللہ پر مطمئن نہ رجال اللہ پر مطمئن، نہ کتاب اللہ کے قائل، نہ قانون کے قائل، نہ شخصیت مقدسہ کے عقیدت مند اور نیاز مند، دونوں کے بارے میں وہ غیر مطمئن اور شکوک وشبہات کا اظہار کرنے والے ہیں، یوں تو وہ خود جو بھی کہتے ہیں دبے لفظوں اور حکیمانہ انداز میں کہتے ہیں، اور اپنا نام انہوں نے مسلمان رکھا ہوا ہے، لیکن مزاج وہی پیش کرتے ہیں جو سابقہ امتوں کا تھا، چنانچہ وہ اپنے لفظوں میں کتاب اللہ اور قانون کو اس طرح ٹھکراتے ہیں کہ ''اب پرانے اسلام کی ضرورت نہیں رہی۔ اب تعبیرات بدلنے کی ضرورت ہے، ترمیم کی ضرورت ہے، اس زمانہ میں پتھر کا قانون کارآمد نہیں، اب روشنیوں کا جدید دور ہے اب اور تعبیرات کی اور نئے مسائل کی ضرورت ہے، ہمیں زمانہ کے دوش بدوش چلنا ہے، ترقی کرنا ہے'' کبھی کہتے ہیں کہ فقہ پر نظر ثانی کی ضرورت ہے، یہ تو پرانی فقہ ہے آج کل نئی فقہ کی ضرورت ہے، جدید دور سے ہم آہنگ نئے اجتہاد کی ضرورت ہے۔

یہ کس چیز کا انکار ہو رہا ہے؟ قانون کا اور کتاب اللہ کا، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ آج کے اس روشن خیال دور میں پتھر کے دور کی باتیں نہ کرو، چنانچہ ان کی دعوت کا زور اس بات پر ہے کہ قدیم اسلام کو اب ماڈرن اسلام بنایا جائے، اس کو جدید لباس میں پیش کیا جائے یوں انہوں نے کتاب کو ٹھکرایا۔ کبھی کھل کر شراب، جوا، سود، حجاب اور جہاد وغیرہ مسلمہ اور واضح قوانین کا انکار کرتے ہیں، کبھی کہتے ہیں پرانے زمانے میں اس کا مدار عادت وعرف پر تھا اب حالات بدل چکے ہیں لہٰذا ان احکامات میں ترمیم کی ضرورت ہے، صحیح تشریح کی ضرورت ہے۔

اور بعض مسلمان تو ایسے ہیں جو اپنے آپ کو کھل کر ''لبرل'' کہتے ہیں، بڑی بڑی جماعتیں سیاسی اور اقتصادی مفادات کے

لیے اپنے آپ کو قانونِ اسلام سے علی الاعلان کاٹتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم تو بائیں بازو کی جماعت ہیں ہمارا دائیں بازو سے یعنی اسلام اور مسلمانیت سے کوئی رشتہ نہیں صاف کتاب اللہ، قانون کا انکار کرتے ہیں، اور قانون و شریعت مقدسہ سے انکار کے اسباب یا تو سیاسی، اقتصادی اور معاشی مفادات ہیں۔ ''حب الدنیا و کراھیة الموت'' یا کفار سے ان کی مجالست سے جو مرعوبیت کا ذہن بنا اس نے کتاب اللہ سے ان کا اعتماد ختم کر دیا، چنانچہ اتنا بڑا طبقہ اپنے آپ کو صرف نام کا مسلمان کہتا ہے، ان کے دل و دماغ میں یہ چیز پیوست ہوگئی ہے کہ یہ کتاب اللہ اس دنیا میں نافذ نہیں ہو سکتی ہے، نہ اسلام کا معاشی نظام، نہ عائلی نظام، کوئی چیز بھی نافذ نہیں ہو سکتی، وہ ''کتاب اللہ'' کو محض ایک کتابِ تلاوت سمجھتے ہیں، یا مکانوں یا دکانوں کے افتتاح کے وقت باعثِ برکت سمجھتے ہیں اس کے علاوہ کچھ نہیں، گویا انہوں نے دبے لفظوں میں اس کتاب اللہ اور قانون الٰہی کو ٹھکرا دیا اور ان کی یہ کیفیت پیدا ہوگئی جو رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ :

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ "بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اعمال کرنے میں جلدی کرو ان فتنوں سے جو اندھیری رات کے حصوں کی طرح ہوں گے، آدمی صبح کے وقت مومن ہوگا اور شام کو کافر ہونے کی حالت میں ہو جائے گا یا شام کے وقت مومن ہوگا اور صبح کو کافر ہونے کی حالت میں کرے گا، اپنے دین کو دنیا کے تھوڑے سے سامان کے بدلے بیچ دے گا۔ (مسلم: ج:۱: ص ۷۷، رقم الحدیث ۱۱۸)

اگر ان لوگوں کے سامنے کتاب کا ذکر آئے تو یہ رویہ آتا ہے۔

اور اگر ان کے سامنے رجال اللہ کا ذکر آئے انبیاء کرام، صحابہ کرام تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین تو یوں کہتے ہیں ''نحن رجال هم رجال'' ہم بھی آدمی وہ بھی آدمی، گویا وہ یوں کہتے ہیں کہ علماء، فقہاء اور اہل اللہ کو کسی قسم کی فوقیت ہم پر نہیں اور کسی قسم کی فوقیت تسلیم کرنے کو تیار نہیں، بلکہ یہاں تک پہنچے کہ وہ ان رجال اللہ کو اپنی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اور حائل سمجھتے ہیں اور وہ نہ صرف یہ کہ ان سے کٹے ہوئے بلکہ ایسا کینہ و بغض رکھتے ہیں کہ ان کو رکاوٹ سمجھنے لگے، چنانچہ آج کل علماء کو، مدارس کو فقہاء کو، اہل اللہ کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھا جاتا ہے اور رجال اللہ کو پسماندگی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں ''انا لله و انا اليه راجعون'' اس وقت جتنی ذلت، پسماندگی اور دوسری قوموں سے پستی ہے اس کا ذمہ دار رجال اللہ کو ٹھہراتے ہیں، اور ان کی حالت وہی ہے جو قوم شعیب کی تھی، قوم شعیب کے لوگوں نے کہا تھا: ''لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ''۔ (اعراف۔۸۸)

ترجمہ: ہم ضرور بالضرور آپ کو اے شعیبؑ اور آپ کے ساتھیوں کو شہر سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں لوٹ جاؤ۔

اگر باریک بینی سے دیکھو تو یہ لوگ بھی اسی طرح ''رجال اللہ'' کو ختم کرنا چاہتے ہیں، دینی مدارس، مساجد اور مراکز کو جہاں اللہ کے خاص بندے پیدا ہوتے ہیں ان کو ختم کرنا چاہتے ہیں، یا اپنے شہروں سے نکالنا چاہتے ہیں، تو کتاب و سنت کے اس مجموعے کے بارے میں بظاہر بڑے ادب سے پیش آتے ہیں کیونکہ کھل کر تو کافر نہیں ہیں، مسلمانوں کا نام ہے، مسلمانوں کے رجسٹر میں نام لکھا ہوا ہے، اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر ''لا يبقى من الاسلام الا اسمه'' کا مصداق ہیں، وہ اس کتاب و سنت کے قانون کو اس روشن خیال دور کے لیے کافی نہیں سمجھتے، نہ کتاب اللہ کو قابل عمل سمجھتے ہیں اور نہ سنت رسول اللہ ﷺ کو قابل عمل

سمجھتے ہیں۔ یوں کہتے ہیں کہ لوگ چاند پر چلے گئے اور مولوی اب بھی وہی پرانی دقیانوسی باتیں کر رہا ہے اور یوں طعنے دیتے ہیں کہ ان کو اب وقت کے تقاضوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے، گویا دبے لفظوں میں کتاب اللہ میں اور قانون الٰہی میں تحریف کی دعوت دے رہے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ نہ تو وہ کتاب اللہ پر مطمئن نہ رجال اللہ پر مطمئن، نہ قانون پر مطمئن، نہ شخصیت مقدسہ پر مطمئن، اسی لیے کتاب و سنت کو تھامنے والوں کو جو ایک ہاتھ میں کتاب اللہ کو تھامے ہوئے ہیں اور دوسرے ہاتھ میں رجال اللہ کو لیے ہوئے ان کو دقیانوس، بنیاد پرست، قدامت پرست، شدت پسند اور اس قسم کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں یہ تو وہ طبقہ تھا جو دونوں کا انکار کرتا ہے۔

دوسرا طبقہ: رجال اللہ سے بیزار۔

ایک طبقہ اس امت مسلمہ میں ایسا بھی پیدا ہوا جو بالکل یہودی نظریات اور طرز فکر کا حامل ہے۔ آپ ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ تم یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چلو گے۔ لازم تھا کہ ایک طبقہ ایسا بھی ہو جس کی سوچ، جس کا طرزِ فکر اس طرح کا ہو جیسا کہ یہود کا تھا، چنانچہ وہ طبقہ بظاہر ایسا پیدا ہوا جنہوں نے بزعم خود اپنے خیال میں کتاب اللہ کو تھاما اور علمیت کا انداز اختیار کیا اپنے زعم میں دلیل سے گفتگو کی، رجال اللہ کو تکالیف اور آزار پہنچانے لگے، ان میں سے سب سے پہلے جو لوگ ظاہر ہوئے وہ ''خوارج'' تھے، یہ یہود کے نقش قدم پر تھے انہوں نے بڑا دلکش نعرہ لگایا: ''ان الحکم الا للہ'' اور یہ نعرہ لگا کر انہوں نے تمام رجال اللہ سے ترک اور گریز کیا، بلکہ اپنی عقل سقیم (یعنی بیمار عقل) اور فہم باطل سے جو کتاب اللہ سمجھا اسی کو حق سمجھنے لگے، اور اس زمانہ میں جو رجال اللہ موجود تھے ان سے کتاب و سنت سیکھنے کی بجائے ان کی تکفیر کرنے لگے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافر قرار دے دیا جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ''علم کا دروازہ'' فرمایا، اور ان کو ''اقضھم علی'' فرمایا یہ ان کی تکفیر اور تحقیر کرتے رہے، اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اذیتیں بھی دیں اور ان کو تکالیف بھی پہنچائیں، ان کے مقابلے میں بھی آئے، ان کی تکفیر بھی کی، تو یہ علمی فتنہ خوارج کی شکل میں پھیلا، یہ یہودی نظریات کا حامل پہلا فرقہ تھا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا، کہ جب عقل پرستی عام ہوگئی اور ''کتاب اللہ'' کے الفاظ کو دیکھ کر وہ اسی کو حق سمجھنے لگے، ان معانی اور حقیقت کے بغیر جو انہیں معلم اور استاد سمجھاتا، کیونکہ وہ شخصیت مقدسہ سے تو دور ہو گئے، انہوں نے لفظوں سے جو سمجھا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سب سے پہلے ان کے عقائد و نظریات غلط ہو گئے اور اس بیج سے جو آگے پودے اور جڑی بوٹیاں پیدا ہوئیں وہ خاردار تھیں اور اس میں بہت سارے فتنے پیدا ہوئے اور ان فتنہ پردازوں نے وحی کو اپنی عقل کے تابع کر دیا، انہوں نے عقائد کے لیے بھی نقل صحیح سے مدد لینے کی ضرورت نہیں سمجھی، بلکہ عقل سقیم کو ہی معیار بنایا، اور متشابہات میں عقلی گھوڑے دوڑانے لگے کیونکہ انہوں نے سب کچھ اپنی عقل کو سمجھ لیا تھا نہ وہ خود عقل سلیم رکھتے تھے اور نہ انہوں نے کسی صاحب عقل سلیم سے پوچھنے کی زحمت گوارا کی اور نہ ہی ''فاسئلوا اھل الذکر'' کا مصداق بنے، تو نتیجہ یہ نکلا کہ آگے اتنے فرقے ابھرے جو انہی کے مزاج کے اندر رنگے ہوئے تھے، ان میں ایک فرقہ قدریہ رونما ہوا انہوں نے اللہ کی تخلیق کو اللہ کی قدرت کو مخلوق میں بانٹ دیا۔ کہنے لگے کہ یہ مخلوق یہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں۔ ایک فرقہ جبریہ ظاہر ہوا جنہوں نے بندوں کو اینٹ اور پتھر کی طرح مجبور سمجھا، جیسے اینٹ اور پتھر مجبور ہیں کچھ نہیں کر سکتے ہیں بندے بھی کچھ نہیں کر سکتے گویا اللہ نے جو ان کو اختیار دیا اس پر نقلی دلیل کے ساتھ ساتھ، عقلی دلیل بلکہ حسی مشاہدات بھی دلالت کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے نقل، عقل اور حس کا سب کا انکار کر دیا اور کہا کہ انسان صرف مجبور محض ہے۔

اور اسی بیج سے ایک فرقہ ظاہر ہوا جس کا نام مجسمیہ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے مشابہ قرار دیا جب خدا تعالیٰ کو مخلوق کے مشابہ قرار دیا تو مخلوق والی ساری صفات بھی اس میں مان لیں، اور اللہ کے جسم کے قائل ہو گئے۔ معاذ اللہ!

ایک اور فرقہ معطلہ کے نام سے ظاہر ہوا جس نے صفاتِ خدا کا سرے سے ہی انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو صفاتِ کمال سے خالی سمجھا، کہ اللہ تعالیٰ کسی صفات سے متصف نہیں ہے (نعوذ باللہ) اور بزعم خود اسی کو توحید سمجھنے لگے کہ یہ ہی توحید ہے یعنی ذات کو صفات سے الگ کرنے کو توحید سمجھنے لگے، یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ انہوں نے ''کتاب اللہ'' کو ہاتھ میں تھاما اور ''کتاب اللہ'' کو سمجھنے کے لیے ''عقل'' کو معیار بنایا اور ''رجال اللہ'' اور معلم واستاذ کی صحبت کو ترک کیا۔

ایک فرقہ قدریہ کے نام سے ظاہر ہوا وہ کہنے لگے کہ پوری کائنات کا کوئی حسی وجود نہیں یہ محض ایک خیال اور وہم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک جب حق پہچاننے کا معیار عقل ہے تو جتنی عقلیں تھیں اتنے فرقے وجود میں آتے گئے، اتنی جماعتیں بنتی گئیں اور ساری عقلیں چونکہ بیمار تھیں لہٰذا اس کے نتیجے میں غلط عقائد ونظریات کی بھرمار ہوگئی، اگر یہ ''کتاب اللہ'' کو ''رجال اللہ'' سے سمجھتے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ یہ کتاب اللہ کے معانی اور اس کی حقیقت تک پہنچ جاتے لیکن انہوں نے اپنی بیمار عقل کے ذریعے کتاب اللہ کو سمجھنے کی کوشش کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہود کے نظریات کے حامل فرقوں نے قرآن پاک میں تحریف کا آغاز کر دیا، جس طرح یہود ''یُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ'' (المائدہ ۱۳:) کرتے تھے، اسی طرح یہ طبقہ قرآن پاک کے لفظوں میں تو اگرچہ تبدیلی نہیں کر سکا کیونکہ اللہ نے اس کو محفوظ بنایا لیکن تحریف معنوی کا ارتکاب کرنے لگے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا''۔ (فصلت ۴۰:)

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جو ہماری آیات میں ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہیں وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے۔

اور بعض وہ لوگ ظاہر ہوئے جنہوں نے اس طرح تحریف کی کہ اللہ کے اسماء اور صفات کے مرادی معنیٰ چھوڑ دیئے اپنی عقل سے گڑھے ہوئے معانی انہوں نے مراد لیے، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ (الاعراف ۱۸۰:) ترجمہ: اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

انکار حدیث کا سبب: جب ان کے نزدیک عقل حق و باطل کو سمجھنے کے لیے سب سے زیادہ مدار ٹھہری تو اب اگر کہیں حدیث صحیح ان کے نظریہ میں رکاوٹ بنتی نظر آئی تو انہوں نے حدیث کا انکار کر دیا، یوں انکار حدیث کا بیج پڑ گیا، اور فتنہ انکار حدیث وجود میں آیا۔ خلاصہ اس فتنہ کا یہ تھا کہ گویا ان کے نزدیک قولِ پیغمبر کی وہ حیثیت نہیں جو ان کے اپنے سمجھے ہوئے نظریہ کی ہے، اور اس فتنہ نے یہ بھی کیا کہ اگر کہیں فقہ ان کے نظریات میں آڑے آئی تو اس کا بھی انکار کر دیا۔

ان تمام فتنوں کے بیج پڑنے کی وجہ وہی یہودیانہ مزاج ہے، کہ وہ علمی غرور اور عقلی تکبر میں مبتلا تھے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے نہ صرف مقدس شخصیات اور رجال اللہ سے اعراض کیا بلکہ ان کے مقابلہ پر آگئے، اور اسی چیز کو وہ علم سمجھنے لگے، قرآن نے ان کے اس خیالی علم کی قلعی یوں کھولی جس کو وہ علم سمجھتے تھے: ''فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا (۲۹) ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ''۔ (النجم ۳۰:)

ترجمہ: پس آپ اس سے اعراض کیجئے جو ہمارے ذکر سے منہ پھیرے اور ان کا مقصد صرف دنیاوی زندگی ہے، ان کے علم کا منتہی یہی ہے (جو انہوں نے سمجھا) اور اللہ بہتر جانتے ہیں کہ ہدایت یافتہ کون ہے اور ہدایت سے دور کون ہے۔

الحمدللہ دو قسم کے طبقوں کے بارے میں بات واضح ہوگئی جو کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں کا رد کرنے والے تھے اور شخصیت مقدسہ کا رد کرنے والے اور اپنے خیالِ باطل میں کتاب اللہ کو تھامنے والے۔

تیسرا طبقہ : کتاب اللہ سے بیزار: تیسری قسم کا طبقہ بھی اس امت میں ظاہر ہوا جو نصرانی مزاج کا حامل طبقہ ہے، جنہوں

نے کتاب اللہ سے اعراض کیا اور رجال اللہ سے اتنی گہری عقیدت وابستگی کہ حدود سے تجاوز کر گئے چنانچہ کتاب اللہ یعنی قرآن کریم کو کتاب ساکت سمجھنے لگے اور رجال اللہ کو کتاب ناطق کہنے لگے، اور رجال اللہ کے ہر قول وفعل کو کتاب اللہ پر ترجیح دینے لگے، (جب کتاب اللہ کہا جائے گا مراد قانون ہے جس میں قرآن پاک بھی داخل، حدیث بھی داخل اور فقہ بھی داخل ہے) انہوں نے گویا شخصیت ہی کو مراد اور محور بنالیا، شخصیت کا ہر قول ان کے ہاں حرف آخر اور شریعت قرار پایا۔

اس گمراہی کی جو ابتداء ہوئی اس کا سب سے پہلا مصداق روافض ہیں۔ روافض کا مذہب ہی شخصیت پرستی اور خاندان نوازی ہے، ان کے نزدیک ''کتاب اللہ'' کی کوئی حیثیت نہیں ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے زعم باطل میں چند صحابہ کرام کو حق پر سمجھا، باقی صحابہ کرام پر لعن وطعن، تبرا کو جائز سمجھا اور اس کو عبادت بنالیا، اور جن چند صحابہ کو انہوں نے حق پر سمجھا، ان کو بھی انہوں نے پنجتن پاک کا درجہ دیا، اور کبھی ان کو معصومیت والے مقام پر پہنچایا، اور ان میں نصاریٰ کی طرح ''شرک فی الحکم'' والا درجہ یوں ظاہر ہوا کہ انہوں نے شریعت میں امامت کا منصب نکال لیا، اور اپنے اماموں کو حلال وحرام میں اور حق وباطل میں وہی درجہ دیا جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بھی نہیں دیا تھا، کیونکہ انبیاء علیہم السلام بھی حلال وحرام کو بیان کرنے والے ہیں، بنانے والے نہیں ہیں، انہوں نے بنانے کا اختیار بھی اپنے ائمہ کو دے دیا، چنانچہ اس منصب امامت پر اعتقاد کی وجہ سے یہ نصاری کی طرح ''شرک فی الحکم'' کے مرتکب ہوئے اور اِتَّخَذُوٓا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَالۡمَسِيۡحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ وَمَآ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا (التوبہ :۳۱) کا مصداق بن گئے۔

بلکہ اس سے بڑھ کر اسی مزاج پر چلتے ہوئے (شبرا بشبرٍ) جس طرح انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کا عقیدہ اختیار کیا انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حلول کا عقیدہ اختیار کرلیا اور حضرت علی کو خدا کا درجہ دیا، الوہیت علی کا نعرہ لگایا، جب الوہیت علی کے قائل ہوئے خالق اور مخلوق میں فرق مٹا دیا، تو خالق کی صفات بھی حضرت علی رضی عنہ میں ماننے لگے، انہی سے مدد مانگنے لگے، انہی کو اپنا مشکل کشا کہنے لگے، چنانچہ یہ لوگ اسی نقش قدم پر نصاریٰ کے مزاج پر چلتے ہوئے شرک کا ارتکاب کرنے لگے۔

اور بعض لوگ اس امت میں انہی کے نقش قدم پر ظاہر ہوئے جنہوں نے محبت اولیاء کا نعرہ لگایا اور محبت اولیاء کے نام سے انہوں نے شرک اور بدعات کو اختیار کیا، رجال اللہ سے محبت اور عقیدت کو انہوں نے عبادت تک پہنچا دیا، زندگی میں جو اولیاء اللہ تھے ان کو سجدہ تعظیمی کرنے لگے اور وفات پا جانے والے اولیاء کی قبور پر سجدہ اور طواف شروع کر دیئے، مزارات پر اعتکاف شروع کر دیئے، انہی اولیا اللہ سے استغاثہ کرنے لگے، یا غوث اعظم دستگیر کے نعرے لگائے، معین الدین چشتی لگادے پار کشتی، اور اولیاء اللہ کے نام کے وظیفے کرنے لگے، یا عبد القادر شیئاً للہ، گیارہ مرتبہ، سومرتبہ کی تسبیحات ایجاد کیں، اور اولیاء اللہ کے نام پر منتیں ماننے لگے، انہی کے نام کی نذر ونیاز دینے لگے، ان کے نام پر قربانیاں اور ان کے نام پر جانور چھوڑنے لگے، الغرض حدود شریعت کو پامال کرتے ہوئے محبت اور عقیدت میں اتنے آگے بڑھے کہ یہ ان تمام شرکیات میں مبتلا ہو گئے، اور اپنی بندگی اور عقیدت ظاہر کرنے کے لیے اپنی اولادوں کے نام بھی ان کی طرح رکھنے لگے، عبد النبی، عبد الرسول، عبد المصطفیٰ نام رکھے جانے لگے، جس طرح زمانہ جاہلیت کے لوگ عبد اللات۔ عبد العزیٰ، عبد المنات رکھتے تھے، انہوں نے اپنے بزرگوں کے ساتھ عقیدت کا اظہار بھی اسی طرح کیا۔

ان کی یہ کیفیت یہاں تک پہنچی کہ جب ان کے سامنے ''کتاب اللہ'' بیان کی جاتی ہے، شریعت کے احکام بیان کیے جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ مولویوں کا دین ہے، مولویوں کا دین اور ہے پیروں کا دین اور ہے، شریعت اور ہے تصوف وطریقت اور چیز ہے ان

کی وہ حالت ہوگئی جو کفار کی تھی کہ جب ان کے سامنے رب حقیقی اور توحید کا ذکر کیا جاتا ہے، تو ان کے چہروں پر سیاہی چھا جاتی ہے، چہرے سکڑ جاتے ہیں، اور جب ان کے سامنے شرک کا ذکر آئے، ان محلاتِ شرک، آستانوں، مزاروں کا ذکر آئے تو ان کے چہرے فرطِ مسرت سے کھل جاتے ہیں، چنانچہ قرآن نے اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا: "وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ"۔(الزمر :۴۵)

ترجمہ: اور جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل گھٹ جاتے ہیں اور جب اللہ کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو فوراً خوش ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ یہ طبقہ بھی موجود ہے جنہوں نے کتاب اللہ سے انقطاع اختیار کیا اور رجال اللہ سے اپنے آپ کو اس حد تک پہنچایا۔

خلاصۂ کلام: اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک فرقہ شُبہات کا شکار ہوا جو علمی انداز میں رونما ہوا، دوسرا شہوات کا شکار ہوا جو عملی انداز میں رونما ہوا، ایک فرقہ کتاب اللہ سے جڑا اور رجال اللہ سے کٹ گیا اور دوسرا فرقہ رجال اللہ سے جڑا اور کتاب اللہ سے کٹ گیا، اور شریعت اور طریقت میں فرق کرنے لگا، تو ایک فرقہ یہودیوں کے نقش قدم پر چلا اور علمیت کے انداز میں پھیلا، اپنے زعم میں دلائل کے انداز میں پھیلا، اور دوسرا عقیدت کے رنگ میں بہکا، اور نصرانیوں کے مزاج پہ چلا۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا حکیمانہ ارشاد: حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے بڑی خوبصورت بات ارشاد فرمائی اور یاد رکھنے کے قابل ہے اس بات کو علامہ ابن تیمیہ نے اقتضاء الصراط المستقیم میں نقل فرمایا: "من فسد من علمائنا ففيه شبه من اليهود و من فسد من عبادنا ففيه شبه من النصارى"۔(اقتضاء الصراط ا :۵)

ترجمہ: ہمارے مولویوں میں اگر کوئی بگڑا تو اس میں مشابہت یہود کی پائی جاتی ہے اور اگر صوفیوں میں کوئی بگڑا تو اس میں مشابہت نصاریٰ کی پائی جاتی ہے۔

ہدایت کے جو دو عنصر قرآن کریم نے بیان فرمائے، کتاب اللہ اور رجال اللہ ان دونوں عناصر سے یا کسی ایک سے کٹ جانا یہ گمراہی کا سبب ہے۔ امام ابن تیمیہ نے سلف کا یہ مقولہ بھی نقل فرمایا کہ ایک اس عالم سے ڈرو جس کو اس کی خواہش نفس نے فتنے میں مبتلا کر دیا دوسرے اس عبادت گزار صوفی سے ڈرو جس کو اس کی دنیا نے اندھا کر دیا ہے۔

دونوں عناصر کو جمع رکھنے کا حدیث میں حکم فرمایا گیا ہے: عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطب الناس في حجة الوداع فقال يا أيها الناس أني قد تركت فيكم ما إن اعتصمتم به فلن تضلوا أبدا كتاب الله وسنة نبيه (سنن البيهقي الكبرى: ج ۱۰ ص ۱۱۴)

ترجمہ: لوگوں سے ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، جن کو اگر تم نے مضبوطی سے تھام لیا تو ہرگز کبھی گمراہ نہ ہوگے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔

جس نے دو باتوں کو تھاما وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگا، ایک کتاب اللہ کو دوسری سنت رسول اللہ ﷺ کو، اور سنت میں اشارہ کیا گیا ہے نمونۂ عمل کی طرف یعنی رسول اللہ ﷺ کی طرف اس سے مراد "شخصیت مقدسہ" ہے۔

اب ہم اقوام عالم اور اس امت کی تاریخ پر انصاف سے نظر ڈالیں اور ہر قسم کے تعصب سے ہٹ کر حق کی تلاش میں اگر ہم دیکھیں تو ہمیں یہ صاف نظر آئے گا کہ اس امت کا ہدایت یافتہ طبقہ جو دونوں یعنی کتاب اللہ اور رجال اللہ کو تھامے ہوئے ہے وہ "اہل السنۃ والجماعۃ" ہے، اور "اهل السنة والجماعة" کا مزاج کہ انہوں نے تمام رجال اللہ کو تھاما یعنی انبیاء علیہم السلام،

صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین، بزرگان دین، اولیاء اللہ کو مانا اور ان کی اقتداء اور پیروی کو نجات کا راستہ سمجھا، لیکن ان میں سے کسی کی عبادت نہیں کی اور انہوں نے یہ سمجھا کہ شخصیات مقدسہ کی محبت درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے:
فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ، فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ (مشکاۃ المصابیح :۳ ص ۳۰۹) اور دوسری طرف انہوں نے کتاب اللہ کو اپنے راستہ کے قانون اور نظریہ کے طور پر اپنایا جس کو مولانا رومؒ نے یوں فرمایا:

بر کف جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق برہوسنا کہ نداند جام وسنداں باختن

بر کف جام شریعت سے کتاب اللہ کی طرف اشارہ ہے، اور بر کفِ سندانِ عشق یہ عشق ومحبت کا راستہ یعنی رجال اللہ کا راستہ ہے۔
ترجمہ: ہر ناقص آدمی اور نفس کی خواہشات کا بندہ نہیں جانتا کہ اس ہتھوڑے کو شریعت کے نازک پیالے کے ساتھ کس طرح ٹکرانا ہے بلکہ جامع اور محقق آدمی جانتا ہے کہ شریعت اور طریقت کی حدود کا کس طرح خیال کرنا ہے۔
حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا خوبصورت ارشاد:
اس لیے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا ایک ارشاد بڑا خوبصورت اور ہدایت کے لیے مشعل راہ ہے، فرماتے ہیں کہ ہم رجال اللہ اور کتاب اللہ دونوں کو تھامتے ہیں، رجال اللہ کو ہم کتاب اللہ سے پہچانیں گے اور کتاب اللہ ہم رجال اللہ سے سیکھیں گے، یعنی ہم رجال اللہ کو کتاب اللہ کے اوصاف سے پہچانیں گے اور کتاب اللہ، رجال اللہ سے سیکھیں گے تو جس کی کیفیت اس آیت میں ہے۔ وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ج وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهٖ (الأنعام :۱۵۳) کے تقاضے پر عمل پیرا ہو سکے گا۔
خلاصہ یہ کہ آخری دور میں اس امت میں ہدایت کا راستہ اہل السنۃ والجماعۃ ہے، اب ہمیں یہ سمجھنا ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ ہے کون؟ اس کا مصداق کون ہے؟ اس کے لیے آپ ﷺ کی یہ حدیث سامنے رکھنی چاہیے:
عن أنس ابن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن بني إسرائيل افترقت على إحدى وسبعين فرقة۔ وإن أمتي ستفترق على ثنتين وسبعين فرقة۔ كلها في النار إلا واحدة۔ وهي الجماعة) في الزوائد إسناده صحيح۔ رجاله ثقات۔ (سنن ابن ماجه :ج۲ص ۱۳۲۲) اس حدیث کی تشریح آیت (۱۰۵) کے ذیل میں آرہی ہے ملاحظہ فرمائیں اور اہل سنت والجماعت کی تحقیق آیت (۱۰۷) کے ذیل میں آرہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔
﴿۱۰۴﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ ۔۔۔الخ داعی جماعت کی ضرورت واوصاف۔ ربط: اوپر مسلمانوں کے باہمی اتحاد واتفاق کا ذکر تھا، اب آگے فرماتے ہیں کہ اس اتحاد واتفاق کا بقاء اس میں ہے کہ مسلمان صرف اپنے اعمال وافعال کی اصلاح پر اکتفاء نہ کریں، بلکہ دوسرے بھائیوں کی اصلاح کی بھی فکر کریں اور اس کے لئے جماعت کی ضرورت ہے۔
جو اللہ تعالیٰ کے دین کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچائے کیونکہ دین وہ بنیادی چیز ہے جسے انسان کے بدن پر جاری کرنے کیلئے اس کائنات کو پیدا کیا گیا اور دین اس کائنات کیلئے ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی بدن کے لئے روح جب روح کسی بدن میں موجود ہوتی ہے تو یہ جسم حرکت اور کام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور جب روح نہیں رہتی تو پھر جسم اور پتھر کام کرنے اور نہ کرنے کے لحاظ سے برابر ہیں اسی طرح جب دین دنیا میں زندہ ہوگا تو کائنات کا نظام قائم ودائم رہے گا اور جب دین زندگیوں سے نکل جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کائنات کو لپیٹ دے گا اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو زندہ کرنے کیلئے ہر زمانے میں انبیاء کرام کو بھیجا انہوں نے دین کو زندہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اس کی وجہ سے ان کو تکلیفیں دی گئیں اور بعضوں کو اپنے وطن سے نکالا گیا اور بعضوں کو شہید کیا گیا

اور آخر میں امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کو ساری انسانیت اور قیامت کے دن تک کیلئے بھیجا آپ ﷺ نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا اور یہی کام آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کی نیابت میں آپ کی امت کے ذمہ لگایا۔

تبلیغی جماعت کا اہم کردار

اس گئے گزرے دور میں بھی تبلیغی جماعت کا دین اسلام کی اشاعت میں اہم کردار ہے اور دین اسلام کو اس سے مجموعی طور پر بڑا نفع پہنچا ہے اس کام میں شریک ہونا بڑی سعادت اور خوش قسمتی کی بات ہے البتہ جماعت کے بعض امراء عالم نہ ہونے کی وجہ سے غیر محتاط باتیں کرتے رہتے ہیں اس کو ان کی کم علمی اور کم فہمی پر محمول کیا جائے اور اس کو بہت بڑا اختلاف سمجھ کر کام کو نہ چھوڑا جائے کسی کی غلط باتوں کی وجہ سے اس عظیم کام کو چھوڑنا عقلمندی نہیں ہے ایسے تو دین کے فروعات میں بہت سا اختلاف ہے مثلاً ایک نماز کو لے لو اس کے مسائل میں کتنا زیادہ اختلاف ہے تو کیا ان مسائل میں اختلاف کی وجہ سے نماز کو بھی چھوڑ دیا جائے گا؟

حالانکہ ایسا نہیں کیا جائیگا بلکہ نماز کو پانچ وقت قائم کیا جائے گا، اسی طرح تبلیغ میں کوئی کم فہم غلط بات کہتا ہے تو اس کی وجہ سے اس مبارک کام کو نہیں چھوڑا جائیگا۔

الحمد للہ اس کام کی وجہ سے بہت سارے انسانوں کی زندگیوں میں تبدیلیاں آئی ہیں اس میں کوئی شک وشبہ نہیں اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو تادم زندگی اس عظیم کام کے ساتھ جوڑے رکھے اور اپنی منشاء کے مطابق زندگی گذارنے کے لئے قبول کرلے اور ہم سب پر راضی ہوجائے اور یہ بات یاد رکھیں کہ تمام ائمہ جن کو امت مسلمہ قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے مثلاً:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ سب اس مسئلہ پر متفق ہیں کہ دعوت الی اللہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کام فرض کفایہ ہے البتہ اپنی اصلاح فرض ہے اس غرض کے لیے نکلتا ہے تو درست ہے پوری امت کی فکر لیکر نکلنا فرض کفایہ ہے اگر ایک جماعت یہ کام کر رہی ہے تو سب مسلمانوں کا فریضہ ادا ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم

يَدْعُونَ ... الخ وصف۔ ❶ وَيَأْمُرُونَ الخ۔ ❷ وَيَنْهَوْنَ ... الخ۔ ❸ وَأُولَٰئِكَ ... الخ نتیجہ۔

﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَكُونُوا ... الخ تفرقہ بازی کی ممانعت مع تخویف اخروی ‹‹جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ›› علامہ آلوسی ؒ لکھتے ہیں: جس کے پاس واضح احکام آئے، اس سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں جنہوں نے اختلاف وافتراق کا راستہ اختیار کیا، امت محمدیہ کو حکم ہے ان جیسے نہ ہوجاؤ، ان کا یہ اختلاف محض نفسانی خواہشات کی بناء پر تھا، بہت سے اصحاب ہوا دین کو اپنی افکار وآراء کے تابع بنا کر چلتے ہیں، ایسے لوگ ملت اسلامیہ سے خارج ہیں جیسے منکر حدیث، تحریف قرآن کے قائل، آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کے منکر، ان کے لیے آخرت کا عذاب تیار ہے۔ باقی آیت میں مجتہدین کا اختلاف داخل نہیں ہے کیونکہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی حاکم شرعی اپنے اجتہاد سے کوئی حکم کرے اور وہ ٹھیک ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جب اجتہاد سے حکم کرے اور وہ غلط ہوجائے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔ (روح المعانی ج ۴ ص ۲۲، بحوالہ بیان القرآن)

تفرقہ بازی کی ممانعت کے سلسلے دو احادیث کی تشریح (۱) حدیث اختلاف امتی رحمۃ کی تشریح

حضرت بنوریؒ بصائر وعبر میں لکھتے ہیں کہ: حدیث ‹‹اختلاف امتی رحمۃ›› کے بارے میں عرصہ سے بحث کا میدان گرم ہے، کسی کو مضمون سے اختلاف ہے اور کسی کو اس کے لفظ حدیث ہونے میں اشتباہ وتردد ہے اور اتنی بات تو معقول ہے کہ تشتت وافتراق کو عذاب بتلایا گیا ہے۔ اس سے نجات و پناہ مانگی گئی ہے۔ نصوص کتاب وسنت میں افتراق واختلاف کی مذمت بیان ہوئی ہے، قرآن

وحدیث کی نصوص کے پیش نظر یہ شبہ درست ہے کہ جو چیز سراسر عذاب ورحمت ہے وہ رحمت کیوں کر بنی؟ الغرض اکثر ارباب فکر ونظر کے لیے یہ موضوع مرکز توجہ بنا ہوا ہے اس لیے خیال آیا کہ اس کے اسنادی پہلو کو بھی روشن کیا جائے اور اس کے معنوی حیثیت سے بھی پردہ اٹھایا جائے۔ نیز دور حاضر کے بعض ارباب فکر پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فروعی اختلاف کی بنا پر ان کی دینی منزلت وشرعی منصب مشتبہ ہو گیا ہے اور وہ ان کی حیثیت کو قابل تنقید سمجھ کر ایک بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ایک حد تک ان کے شبہات کا بھی ازالہ ہو جائے، لیکن اس وقت تو اس مضمون سے ضمناً موضوع کے ایک رخ سے نقاب کشائی ہو جائے گی۔ واللہ سبحانہ ہو الموفق۔

حدیث اختلاف امت کی رواۃ اور اس کے الفاظ :حدیث ''اختلاف امت'' کا یہ مضمون مجموعی طور پر مندرجہ ذیل صحابہؓ سے مرفوعاً وموقوفاً روایت کیا گیا ہے :(۱) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ (۲) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ۔ (۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

نیز حسب ذیل تابعین سے بھی مروی ہے :(۱) قاسم بن محمد بن ابی بکر، جن کا شمار مدینہ کے فقہاء سبعہ میں ہے۔ (۲) عمر بن عبد العزیز، خلیفہ راشد۔ (۳) یحییٰ بن سعید الانصاری۔

اور مندرجہ ذیل کتب حدیث وغیرہ میں مختلف الفاظ سے مذکورۃ الصدر حدیث کسی صحابی یا تابعی سے روایت کی گئی ہے :

مسند عبد بن حمید، مسند دارمی، سنن ابن ماجه، الجمع بین الصحاح للعبدری، مستدرك حاكم، تاريخ ابن عساكر، فضائل الصحابه للدار قطني، المدخل للبيهقي، طبقات ابن سعد، معجم طبراني، مسند الفردوس للديلمي، كتاب الحجة في اثبات المحجة لنصر بن ابراهيم المقدسي، كتاب العلم والحكم لادم بن ابي اياس، الرسالة الاشعريه للبيهقي، المختصر في اصول الفقه حاجب المالكي، غريب الحديث للامام الخطابي، مشكوٰة المصابيح للخطيب، جمع الفوائد لمحمد بن سليمان المغربي وغیرہ۔ (ملاحظہ ہو :تفسیر مظہری ج ۲ :۱۱۶ :مطبوعہ دھلی جید برقی پریس، المقاصد الحسنہ للسخاوی ص ۲۷ :۲۶، طبع مصر، فیض القدیر للمناوی ج ۱ :ص ۲۰۹ تا ۲۱۱ طبع مصر، کتاب الموضوعات الکبیر للقاری ص ۲۰ :، مطبع محمدی لاہور، طبقات ابن سعد ج ۵ : ص ۱۸۹ :مطبوعہ قاہرہ)

جن کبار محدثین اور محققین نے اپنی اپنی تصانیف میں اس کا ذکر کیا ہے ان میں سے چند کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں :

امام خطابی، ابو عبد اللہ الحسین بن الحسن الحلیمی الشافعی، قاضی حسین الشافعی، امام الحرمین الاسد بن الاسد الشافعی، ابو العباس القرطبی المالکی، حافظ حدیث برہان الدین زرکشی، حافظ ولی الدین العراقی، بلکہ عبد الرؤف مناوی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالکؒ نے اس کو صراحت کے ساتھ حدیث ہی کہا ہے (دیکھو فیض القدیر ج ۱ :ص۔ ۲۱)

اب نہایت اختصار کے ساتھ چند منتخب روایت پیش کی جاتی ہیں :(۱) عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللهﷺ سالت ربي عن اختلاف اصحابي. قال الله يا محمد، ان اصحابك عندي كالنجوم بعضها اقوى من بعض و في رواية بعضها اضوء من بعض ولكل نور فمن اخذ بشيء مما هم عليه من اختلافهم فهو عندي على هدى.

حضرت فاروق اعظمؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے صحابہ کے اختلافات کے بارے میں حق تعالیٰ سے عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی فرمایا کہ آپ کے صحابہ کی مثال آسمان کے تاروں جیسی ہے، بعض زیادہ روشن ہیں بعض سے اور ہر ایک کے لیے نور ہے ان میں سے کسی کے قول کا بھی اتباع کیا گیا تو وہ ہدایت پر ہے۔ یہ روایت مسند عبد بن

حمید و مسند دارمی و ابن ماجہ، رزین عبدری، حاکم وغیرہ کی ہے۔ (بحوالہ تفسیر مظہری ج ۲ : ص ۱۱۶ : مطبوعہ دہلی)

(۲) یہی حدیث امام حدیث دار قطنی نے اپنی کتاب "فضائل الصحابہ" میں اور حافظ ابن عبد البر نے حضرت جابر کی روایت سے نقل کی ہے (بحوالہ مذکورہ) (۳) یہی حدیث امام بیہقی نے "کتاب المدخل" میں بروایت ابن عباس نقل کی ہے (بحوالہ مذکورہ) محدثین کی اصطلاح میں یہ تین حدیثیں ہوگئیں۔

(۴) عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ مهما اوتيتم من كتاب الله فالعمل به ولا عذر لا حدفی تركه. فان لم يكن فی كتاب الله فسنة ماضية. فان لم يكنفی سنة نبی فما قال اصحابی. ان اصحابی بمنزلة النجوم فی السماء فايها اخذتم به اهتديتم و اختلاف اصحابی لكم رحمة.

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کتاب اللہ میں ہے اس پر عمل ضروری ہے اور کسی کا بھی ترک کرنے میں عذر قبول نہیں اور کتاب اللہ میں نہیں تو پھر سنت میں ہوگا اور اگر میری سنت میں نہیں تو پھر جو میرے صحابہ کہیں اور میرا صحابہ کی مثال آسمان کے تاروں جیسی ہے کسی کے قول پر بھی عمل کرو گے تو ہدایت پر چلو گے اور میرے اصحاب کا اختلاف تمہارے لیے رحمت ہے۔

یہ حدیث بیہقی نے "المدخل" میں روایت کی ہے اور طبرانی نے "معجم" میں دیلمی نے "مسند الفردوس" میں اور بدر الدین زرکشی نے بحوالہ "کتاب الحجہ للنصر المقدسی" ذکر کی ہے۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے، اس کی سند میں جو جویبر بن معبد ضعیف ہے اور انقطاع بھی ہے لیکن واضح رہے کہ یہ ابن ماجہ کا راوی ہے اور حماد بن زید و ابن المبارک و یزید بن ہارون جیسے اکابر محدثین نے اس سے روایت کی ہے (دیکھو "میزان الاعتدال للذہبی" ج ۱ : ص۔ ۱۹۸) اور انقطاع امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں علت قادحہ نہیں، منقطع روایت ان ائمہ کے نزدیک احکام میں بھی قابل عمل ہے۔

(۵) اختلاف اصحابی رحمة لامتی : میرے صحابہ (ساتھیوں) کا اختلاف میری امت کے لیے رحمت ہے۔

امام بیہقیؒ نے اس کو "رسالہ اشعریہ" میں بغیر سند نقل کیا ہے، یہی روایت حافظ عراقی نے بحوالہ آدم بن ابی ایاس نقل کی ہے سند کا ذکر نہیں کیا جس کی تفصیل حافظ سخاوی نے "المقاصد الحسنہ" میں کی ہے۔

(۶) عن القاسم بن محمد قال اختلاف اصحاب محمد رحمة لعباد الله "حضرت قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا اختلاف اللہ کے بندوں کے لیے رحمت ہے۔

یہ روایت تفسیر مظہری میں بحوالہ "کتاب المدخل للبیہقی" وطبقات ابن سعد مذکور ہے۔ طبقات ابن سعد (ج ۵ : ص ۱۸۹ : مطبوعہ قاہرہ) کے الفاظ سند کے ساتھ یہ ہیں : اخبرنا قبيصة بن عقبة حدثنا افلح بن حميد عن القاسم بن محمد قال كان اختلاف اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم رحمة للناس "۔ قبیصہ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ افلح بن حمید، قاسم بن محمد سے روایت فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا اختلاف لوگوں کے لیے باعث رحمت ہے۔

(۷) عن عمر بن عبد العزيز قال ما سرنی لو ان اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم لم يختلفوا لانهم لو لم يختلفوا لم يكن رخصة.

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ فرماتے ہیں مجھے اس کی خوشی نہ ہوتی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں اختلاف نہ ہوتا اگر اختلاف نہ ہوتا تو رخصت کہاں سے نکلتی۔ یہ روایت بیہقی نے کتاب المدخل میں نقل کی ہے۔ (بحوالہ سخاوی و مظہری)

الغرض ان مختلف روایات اور مختلف الفاظ اور متعدد طرق و مخارج سے قدر مشترک یہی نکلا کہ حدیث کا مضمون محدثانہ نقطہ نگاہ

سے قابل اعتبار ہے اور ایک حدیث کا صحیح ہونا بقیہ روایات کی تصحیح کی دلیل ہے۔ نیز ان مختلف الفاظ سے مقصود بھی واضح ہو گیا کہ اصلی مقصد یہ ہے کہ اختلاف کی وجہ سے حکم کا وزن ہلکا ہو جاتا ہے اور گنجائش نکل آتی ہے۔ چنانچہ حافظ شمس الدین سخاوی نے المقاصد الحسنہ میں یحییٰ بن سعید انصاری سے نقل کیا ہے "اھل العلم اھل توسعة "یعنی علماء توسع کیا کرتے ہیں، پھر خود سخاویؒ فرماتے ہیں کہ مفتیان کرام میں ہمیشہ اختلاف رہا ایک جائز کہتا ہے ایک ناجائز لیکن دوسرے کی عیب جوئی نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ منصوص حکم کے خلاف کرنا یا قطعی حکم کی نافرمانی کرنا یا اجماعی فیصلہ کی خلاف ورزی کرنا جتنا بڑا جرم ہوگا کسی اختلافی مسئلہ کی مخالفت کرنا اتنا بڑا جرم ہرگز نہ ہوگا۔ بہر حال گزشتہ روایات والفاظ سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں :

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ کے آئندہ کے اختلاف سے اندیشہ ہوا کہ غیر منصوص مسائل میں ضرور اختلاف ہوگا ایسا نہ ہو کہ یہ اختلاف قلوب میں اختلاف وتفرق وتحزب وتشیع کا ذریعہ بنے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اطمینان دلا دیا کہ صحابہ حق پر ہیں، ان کے مراتب علم وفقہ میں ضرور تفاوت ہوگا لیکن کوئی مضائقہ نہیں ان میں ہر ایک کا اتباع رہنمائی کے لیے کافی ہوگا۔ (۴) جس طرح عام انسانوں کے مزاجوں میں تفاوت ہوتا ہے کوئی عزیمت کو پسند کرتا ہے کوئی رخصت وآسانی کا متلاشی رہتا ہے، کوئی احتیاط وورع کے پہلو کو ترجیح دیتا ہے، کوئی عام نظام کے پیش نظر تیسیر و سہولت کو پسند کرتا ہے، ٹھیک اسی طرح سے صحابہ کے مزاجوں میں بھی تفاوت ہوگا اور تابعین کی آئندہ نسلیں اپنے اپنے مزاج کے مطابق اپنے لیے ہیرے منتخب کرلیں گی۔

(۵) دین اسلام کے فطری نظام کا بھی فطری تقاضا تھا کہ مسائل اجتہادیہ میں اتنی لچک رہے کہ ہر شخص اپنے ماحول اور طبعی افتاد کے مطابق انتخاب کا فیصلہ کر سکے۔

(۶) قلوب میں اتنی وسعت ہونی چاہیے کہ اجتہادی امور میں تنگ نظری وتعصب سے کام نہ لیا جائے اور اس اختلاف کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سمجھے۔ دیکھئے اس مضمون کو کتنی صراحت کے ساتھ حضرت خلیفہ راشد امیر المومنین عمر ثانیؒ نے بیان فرمایا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور مدینہ طیبہ کے فقہاء سبعہ میں ممتاز ترین شخص حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر نے کس صراحت کے ساتھ اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت بتلایا۔ چنانچہ الشیخ عبدالرؤف المناوی نے فیض القدیر میں بڑے شرح وبسط کے ساتھ فرمایا کہ حدیث مذکورہ کا مصداق فروعی احکام اجتہادیہ ہیں اور مذاہب امت کا فروعی اختلاف اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت اور بڑا فضل وکرم ہے، ہاں اصول وعقائد میں اختلاف کرنا یہ گمراہی وضلالت ہے۔ حافظ ابوعمرو بن الصلاح سے بھی یہی مضمون موصوف نے نقل کیا ہے، اس لیے امام خطابی نے بڑے زور وشور سے فرمایا کہ اس حدیث پر صرف دو شخصوں نے اعتراض کیا ہے کہ اگر اختلاف رحمت ہے تو اتفاق عذاب ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ یہ کہنے والا ایک اسحاق موصلی ہے جو بے دین ہے اور دوسرا جاحظ ہے جو ملحد ہے، موصوف کے الفاظ ہیں "ناعترض علی هذا الحديث رجلان، احدهما ماجن والآخر ملحد، وهما اسحاق الموصلي و عمرو بن بحر الجاحظ"۔

(ملاحظہ ہو "المقاصد الحسنہ للسخاوی" ص۔ ۲۷)

بہر حال امام خطابی اور بہت سے محققین نے یہی سمجھا ہے کہ حدیث کا تعلق اور اس اختلاف کا محل فروعی اجتہادی مظنون مسائل شرعیہ ہیں، دین اسلام کے منصوص مسائل وآیات بینات جو قرآن وسنت میں فیصلہ شدہ ہیں وہ نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ ان میں اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ ان نصوص کی دلالت اگر قطعی نہیں یا تعارض ہے اور اجماع وغیرہ اس بات میں نہ ہو تو نصوص شرعیہ اور احادیث نبویہ کے محامل ومعانی ومقاصد میں اختلاف کا درجہ بھی ہوگا جو فروعی مسائل اجتہادیہ کا ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی محدث وقت اپنی بے نظیر تفسیر "مظہری" (ج ۲، ص۔ ۱۱۵) میں آیت کریمہ ذیل کی تفسیر میں

رقمطراز ہیں: "ولا تکونوا کالذین تفرقوا" یعنی الیهود، تفرقوا علی ثنتین و سبعین فرقة "واختلفوا من بعد ما جاء هم البینات" الدلائل الواضحة القاطعة من الآیات المحکمة والاخبار المتواترة المحکمة من الانبیاء و نحوذلک کاجماع هذه الامة سواء کان ذلک الاختلاف فی اصول الدین کاختلاف اهل الاهواء مع اهل السنة و فی الفروع المجمع علیها کمسالة غسل الرجلین و مسح الخفین فی الوضوء و خلافة الخلفاء الاربعة، واحترز بهذا القید عن اختلاف بالاجتهاد فی ماثبت بالادلة الظنیة فان الاختلاف فیها ضروری ضرورة خطا بعض المجتهدین، فذلک الاختلاف بعد بذل الجهد بلا مکابرة و تعصب معفو بل هو رحمة وسعة للناس"۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یہ یہود کا کام ہے بینات آنے کے بعد تفرق و اختلاف کرتے ہیں۔ بینات سے مراد قرآن کریم کی آیات محکمہ یا احادیث متواترہ قطعیہ اور اجماع امت ہے، الغرض مضر اختلاف وہ ہے جو اصول دین میں ہو یا ان فروع دین میں ہو جو اجماع امت سے ثابت ہیں جیسے وضو میں پاؤں کا دھونا یا موزوں پر مسح کرنا یا خلفاء راشدین کی خلافت کا ثبوت۔ رہا مجتہدین امت کا وہ اختلاف جو سعی و کوشش کے باوجود ادلہ ظنیہ کی وجہ سے باقی رہا تو یہ معاف ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ پھر قاضی صاحب نے اس کی تائید میں گزشتہ روایات ذکر فرمائی ہیں، تابعین کے ان آثار سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث "اختلاف امتی رحمة" سے مراد یہی فروعی اختلاف ہے۔ دین کے مسائل شرعیہ میں ائمہ کا اجتہادی اختلاف ایک مسلمہ حقیقت ہے، نقل کے علاوہ عقل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور ائمہ دین کے اجتہادی دور کی پوری تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر کسی کو مجال انکار باقی نہیں رہ سکتا اور حدیث کا مقصد بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ مزید غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات میں وہی حقیقت جلوہ گر ہے جو فضائل صحابہ اور مناقب امت محمدیہ میں آئی ہے کہ یہ امت کبھی گمراہی پر متفق نہ ہوگی اور حق ان کے اندر دائر سائر رہے گا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری امت گمراہی پر متفق نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے میری درخواست قبول فرمالی۔ وغیرہ وغیرہ مختلف روایات جو متعدد صحابہ کرام سے کتب حدیث میں موجود ہیں۔

دراصل اختلاف امت کا سب سے پہلے ظہور عہد صحابہ میں ہوا ہے، صحابہ کرام کے دور میں جتنا بھی مسائل دین اور فروعی اجتہادی احکام شرعیہ میں اختلاف ہوا ہے وہ سب دین کے دائرے کے اندر ہوا ہے، یہ ممکن نہیں کہ صحابی میں سنت نبویہ کے خلاف کوئی جدید بدعت راستہ نکالے، اگر کوئی اختلاف بھی پیش آئے گا تو غور کرنے کے بعد ہر ہر بات کی سند یا کسی حدیث قولی یا فعلی سے مل جائے گی یا قرآن کریم سے صاف و صریح استنباط ہوگا، اس کا کوئی امکان نہیں کہ بلا سند و حجت اپنی خواہش پر کوئی بات کہے۔

"ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر"۔ (سنن الترمذی، ابواب المناقب ابی حفص عمر بن الخطاب ج ۲ : ص ۲۰۹ ::، ط: فاروقی کتب خانہ ملتان۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة ج ۲، ص ۶۳۵ ::، ط قدیمی)

اللہ نے عمرؓ کی بات میں حق رکھا ہے۔

پھر خلفاء راشدین کے مرتبہ کا تعین فرمایا علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ و ایاکم و محدثات الامور۔ (سنن الترمذی، ابواب العلم، باب الاخذ بالسنة ج ۲، ص ۹۲، ط فاروقی کتب خانہ ملتان) سنن ابن ماجه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین ص ۵، ط قدیمی۔ مسند احمد بن حنبل، حدیث عرباض بن ساریة ج ۴، ص ۱۲۶، ط عالم الکتب بیروت۔

تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو اختیار کرو۔ اس کو دانتوں سے پکڑ لو اور نئی نئی باتوں سے بچتے رہو"۔

پھر عام صحابہ کے بارے میں ارشاد ہے: "واصحابی أمنة لامتی فاذا ذهب اصحابی اتی امتی مایو عدون" (الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب بیان ان بقاء النبی امان لاصحابہ ج ۲، ص ۳۰۸، ط بقلابمی۔

میرے صحابہ میری امت کے امین ہیں جب میرے صحابی چلے جائیں گے تو میری امت پر پھر وہ حالات آئیں گے جن سے ان کو ڈرایا جارہا ہے۔ بلکہ حدیث "خیر القرون قرنی" الخ میں تابعین کے دور کی طرف اشارہ کیا ہے (الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب فضل الصحابة ثم الذین یلونهم، ج ۲، ص ۳۰۹، ط بقلابمی)

بہر حال اس قسم کی روایات کا ایک وسیع باب ہے جن سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ سنت نبوی کے بعد صحابہ کرام کا درجہ ہے اگر سنت نبوی میں دین کی کوئی بات نہ ملے تو تعلیم صحابہ میں تلاش کرنا چاہیے۔ اگر بلا اختلاف عہد صحابہ میں کوئی بات طے ہو جاتی ہے تو پھر کسی کو اس کی مخالفت کا حق نہیں پہنچتا اور اگر ان میں اختلاف پایا گیا تو ان کے اقوال میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ہوگا، جدید اجتہاد کی نہ ضرورت ہے نہ اس کی اجازت، اس کا کوئی امکان نہیں کہ صحابہ بدعت یا احداث فی الدین اختیار کریں۔ اس لیے کہ ان کے دینی منصب کی ضمانت دی گئی ہے اور ان کی پیروی کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ اب اگر قرآن وحدیث میں کسی امر کا کوئی فیصلہ نہ ملے تو اسے صحابہ کے اقوال اور ان کی سنت میں تلاش کرنا چاہیے جو شخص ان کی سنت ہوتے ہوئے جدید اجتہاد کرے گا یا اس سے انکار کرے گا وہ مبتدع ہوگا بلکہ ان احادیث کا مخالف ومنکر ہو جائے گا جو آپ نے اپنے صحابہ کرامؓ کے حق میں ارشاد فرمائی ہیں، صحابہ سے بھی اس سلسلہ میں متعدد تصریحات ملتی ہیں۔

(۱) حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں: "کل عبادة لم یتعبدها اصحاب رسول الله ﷺ فلا تعبدوها وخذو ابطریق من کان قبلکم"۔ (الاعتصام للشاطبی ج ۲، ص ۱۳۲)

یعنی جو عبادت صحابہ نے نہیں کی تو تم بھی وہ عبادت مت کرو اور سلف کا طریقہ اختیار کرو۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: "من کان منکم مستنا فلیستن بمن قدمات فالحی لا یؤمن علیه الفتنة"۔ (مشکوٰۃ، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثالث ج: ص ۳۲، ط: قدیمی

جو کوئی تم میں سے کسی کی اقتدا کرنا چاہے تو اس کی اقتدا کرے جس کا انتقال ہو چکا ہے۔ کیونکہ زندہ آدمی کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۳) یا فرمایا: "اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا"۔ (سنن الدارمی، باب فی کراھیۃ اخذ الرأی ج ۱ : ص ۸۰، دار الکتاب العربی بیروت۔ ہمارے آثار واقوال کا اتباع کرو اپنی طرف سے نئی باتیں مت نکالو۔ وغیرہ وغیرہ۔

صحابہ وتابعین کے اتنے کثرت سے آثار واقوال اس سلسلے میں ملتے ہیں کہ جمع کرنے سے ایک دفتر تیار ہو جائے گا اور جب کہ قرآن میں صحابہ کے فضائل ومناقب اتنی وضاحت کے ساتھ موجود ہیں تو پھر ان کے ہوتے ہوئے ان کے اس دینی منصب کو سمجھنے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ غالباً اس وقت یہ چند اشارے کافی ہوں گے۔

(۲) حدیث افتراق امت کا تعلق اس اختلاف سے ہے جو اصول دین میں ہے:

بہر حال حدیث "افتراق امت" اس کا تعلق اس افتراق وشقاق سے ہے جو اصول دین میں ہے اور انتہائی مذموم ہے۔ نصوص قرآن وحدیث میں اس کی مذمت وقباحت بیان کی گئی ہے۔ امت اسلامیہ اور امت اجابت میں جو فرقے اصولی پیدا ہوئے جن کو اہل اہوا، اور اہل بدع کہا جاتا ہے، ان میں خوارج وقدریہ، رافضہ مرجئہ، جہمیہ، کرامیہ، حشویہ وغیرہ شامل ہیں ان سب کا تعلق حدیث افتراق امت سے ہے جس کے لیے معیار اتباع سنت "ما انا علیه و اصحابی" کا جادۂ مستقیمہ بتلایا گیا اور جو اس معیار پر صحیح نہ

اترے وہ اس دائرہ سے خارج ہوں گے اور ”حدیث اختلاف امت“ کا دائرہ فروعی اجتہادی مسائل تک منحصر ہے۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ خلفاء راشدین، توقیر صحابہ، اجماع امت واجتہاد واستنباط کے اصولی طرق میں سب اہل سنت متفق ہیں ان کے جزوی اختلافات کو قابل گرفت نہیں سمجھا گیا اور ہدایت کی گئی کہ اس قسم کے اختلاف کو افتراق کا ذریعہ نہ بنایا جائے بلکہ اس اختلاف کو تکوینی مصالح واسرار اور فطری اختلاف سمجھ کر اس کو سراسر حکمت ومصلحت سمجھا جائے۔ اس دائرے میں تحزب وتشیع کو برسر کار نہ لایا جائے اور قلوب کے نفاق وشقاق کا ذریعہ بننے نہ دیا جائے۔ دونوں حدیثوں کے مضمون جدا جدا ہیں ان کو ایک ہی مصداق پر عمل کرنا یہ سراسر غلط مبحث ہے۔ اگر قرون متاخرہ میں چند افراد نے تصلب مذہبی میں غلو کر کے تعصب وفرقہ بندی کے ذریعہ امت محمدیہ میں شقاق ونفاق کا راستہ کھول دیا تو یہ اتباع مذاہب کی ناعاقبت اندیشی ہے۔ یہ ان کا جرم ہے کہ ایک صحیح ومفید چیز سے ناجائز وغلط فائدہ اٹھایا گیا۔ کچھ ظاہر بین اور عواقب ناشناس حضرات نے غلو کر کے اتباع کے اس غلط طریقہ عمل سے متاثر ہو کر اصل اختلاف فکری کو غیر اسلامی نظریہ قرار دے دیا اور حنفیہ ومالکیہ، شافعیہ وحنابلہ کی گروہ بندیوں کو بیچ میں لا کر انہیں قدریہ وجہمیہ بلکہ کفار ومشرکین کی صف میں کھڑا کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حالانکہ صاف بات ہے کہ جن مسائل واحکام میں کوئی قرآنی وحدیثی فیصلہ موجود نہ ہو اور صحابہ کے دور میں ان کا فیصلہ نہ ہو سکا ہو تو چونکہ انسانی دماغ کے مراتب مختلف ہیں اور ہر دماغ کا زاویہ نگاہ فطری طور پر ضروری نہیں ہے کہ دوسرے سے متفق ہو جائے اور ہر صاحب فکر وصاحب اجتہاد کا مکلف ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منشا کو سمجھنے کی کوشش کرے اور وحی الٰہی کے اصل سرچشمہ سے سیراب ہو اس کے لیے اختلاف تو ناگزیر تھا، لہٰذا شریعت نے اس کے دائرے کو وسیع بنا دیا اور پابندی نہیں لگائی اور فطری ضرورتوں کی تکمیل میں توسع سے کام لیا اور اس کو رحمت کہا۔ شرط صرف اتنی ہے کہ اصولی دائرے سے باہر نہ جائے اور نیت بخیر ہو اور علم وتقویٰ وبحث وتحقیق کی اہلیت موجود ہو۔

محدثانہ نقطۂ نگاہ سے اس حدیث کی نفس صحت میں کوئی کلام نہیں : ترمذی وابن حبان وحاکم سے لے کر زیلعی، ابن حجر، سخاوی، سیوطی اور محمد بن اسماعیل عجلونی تک محدثین اس کی تصحیح کے قائل ہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر اسناد کے اعتبار سے عدم صحت کا حکم ساری امت میں سوائے ابن حزم کے اور کسی نے نہیں لگایا اگرچہ ابن حزم بھی نفس ثبوت سے گو باسناد ضعیف ہو منکر نہیں ہیں۔ فیروزآبادی کا قول جس پر ان کی کتاب سفر السعادۃ ختم ہوئی ہے یہ ہے :

"وباب افتراق الامة الى اثنتين وسبعين فرقة لم يثبت فيه شيء"

لیکن اتنی بات سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ وہ بھی موضوع ہونے کا حکم لگاتے ہیں، آگے چل کر ہم یہ واضح کر دیں گے کہ ان دونوں بزرگوں کی اس جرح کی فنی قیمت کتنی ہے اور فیروزآبادی کا رتبہ اس بارے میں کیا ہے، لیکن یہاں صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ "لم يصح من جهة الاسناد" یا "لم يثبت" سے کسی روایت کا بالکل بے اصل یا موضوع ہونا محدثانہ اصول سے ثابت نہیں ہو سکتا، بہرحال ہم اگر ان دونوں کی بات کو بھی حدیثی اعتبار سے وقعت دیں تو اس بات میں یہ بھی ایک قول ہوگا اور یہاں ایک تیسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ اصل حدیث بالکل صحیح ہے لیکن اس میں یہ زیادتی "كلها في النار الا واحدة" کہ تہتر فرقوں میں سے بہتر دوزخ میں ہوں گے صرف ایک جنت میں ہوگا۔

صحیح نہیں۔ محدثانہ نقطہ نگاہ سے غور کرنے پر یہ معلوم ہوگا کہ یہ قول زیادہ اقرب الی التحقیق ہے۔ اور حسن اتفاق یہ ہے کہ امام ترمذی وحاکم وغیرہ نے جس حدیث کی تصحیح فرمائی ہے اس میں یہ زیادتی سرے سے ہے ہی نہیں۔ چنانچہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو مسند احمد ترمذی، ابوداؤد، مستدرک حاکم اور صحیح ابن حبان میں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "افترقت النصاریٰ علی احدیٰ او قال اثنتین و سبعین فرقۃ و تفترق امتی علی ثلاث و سبعین فرقۃ" (سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی شرح السنۃ ج ۲ ص ۶۳۱ ط: قدیمی۔ سنن الترمذی، ابواب الایمان، باب افتراق ہذہ الامۃ ج ۲ ص ۸۸ ط: فاروقی کتب خانہ ملتان۔ المستدرک، کتاب الایمان ج ۱ ص ۴۷ ط: دار الکتب العلمیۃ بیروت۔ مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۱۰۲ ط: عالم الکتب بیروت)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود اکہتر فرقوں میں اور نصاریٰ بھی اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہوگی۔ اب رہی وہ زیادتی جو ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے، اس کے متن میں حسب ذیل اضطراب ہے:

الف) ثنتان و سبعون فی النار و واحدۃ فی الجنۃ: یا اس کے ہم معنی لفظ۔

ب) اثنتان و سبعون فی الجنۃ و واحدۃ فی النار: بعض محدثین نے اسنادی اعتبار سے اس کو زیادہ واضح کیا ہے۔ شمس الدین محمد بن احمد المقدسی "احسن التقاسیم" میں اسی کے قائل ہیں۔

ج) بعضہ فی الجنۃ و بعضہ فی النار الا ہلۃ الامۃ فانہا کلہا فی الجنۃ۔

د) کلہا فی الجنۃ الا الزنادقۃ، اب ظاہر ہے کہ اس اضطراب میں اگر صحیح ترجیح کا معیار قائم ہو سکے تو ترجیح دی جائے گی ورنہ سقوط متعین ہے۔ اگرچہ جمہور محدثین کے نزدیک آخری تین صورتیں مرجوح اور پہلی صورت راجح ہے تاہم اضطراب سے اس کی وہ قوت نہیں رہی جو اصل متن کے بقیہ حصہ کی ہے۔

علامہ ابن حزمؒ اور حدیث افتراق: حدیث میں امام ابن حزم کی جلالت قدر اور تبحر و وسعت علم سے کوئی انکار نہیں لیکن ان سارے کمالات اور خصائص کے باوجود یہ کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ان کا ہر قول صحیح ہے، یہ عصمت تو صرف نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ ان کا قول ایک حد تک جرح و تعدیل میں مسلم ہے، محدثین میں مشہور ہے کہ ابن حزم کو باوجود جلیل القدر حافظ حدیث ہونے کے جامع ترمذی ان تک نہیں پہنچی بلکہ وہ اس کے مصنف امام ترمذی کے مرتبہ اور حالات سے بھی ناواقف تھے اور اسی لیے انہوں نے ابوعیسیٰ ترمذی کو مجہول کہا ہے (دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۹ ص۔ ۲۸۸) اس سے اتنا تو بالکل صاف ہو گیا کہ امام ترمذی کی تصحیح اور ان کی خاص روایت کا تو ان کو علم نہیں ہوا، ورنہ شاید اتنی صفائی کے ساتھ "لا یصح من جھۃ الاسناد" نہ فرماتے، پھر ابن حزم نے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ وہ کس اسناد کے پیش نظر یہ فرماتے ہیں اور کس راوی کی وجہ سے ایسا فرماتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس حدیث کے بعض طرق میں عبدالرحمن بن زیاد افریقی ہے اور بعض میں کثیر بن عبداللہ نخعی ہے اور بعض میں عباد بن یوسف یا رشد بن سعد ہے اور کسی میں ولید بن مسلم ہے اور ان سب میں ان کے علاوہ بھی کوئی مجہول یا مجروح ضرور ہے، بہت ممکن ہے کہ ابن ماجہ اور بیہقی و بزار کی یہ روایتیں ان کے پیش نظر ہوں اور ان اسانید کے اعتبار سے حکم عدم صحت کا لگایا ہو۔

مثبت کے قول کو ترجیح دی جائے گی نہ کہ منکر کے: کچھ بھی ہو اس قسم کے مواقع پر مثبت کے قول کو ترجیح دی جائے گی نہ کہ منکر کے قول کو، یا نافی کے قول کو۔ رہا یہ فرمانا کہ "جرح تعدیل پر مقدم ہے" پہلے تو یہ کہ علی الاطلاق نہیں، ورنہ دنیا میں کوئی محدث کوئی حافظ حدیث اور کوئی امام ثقہ نہیں ہو سکے گا اور امام احمد، مالک، شافعی، بخاری، مسلم، داؤد ظاہری اور خود ابن حزم سب ختم ہو جائیں گے، بلکہ محدثین نے تصریح فرما دی ہے کہ جس کی شخصیت مشتبہ ہو اور اس کی قدر و منزلت مشہور نہ ہو اس وقت جرح تعدیل پر مقدم ہوگی۔

دوسرے یہ کہ یہ اصول اس وقت مسلم ہوگا کہ کسی شخص کے متعلق اس قسم کے متعارض اقوال ملیں تو یہ ہرگز مراد نہیں کہ کسی حدیث کے اسناد کو اجمالاً کسی نے مجروح کر دیا اور دوسرے نے تصحیح کی تو جرح مقدم سمجھی جائے گی۔

بہرحال ابن حزم نے "ملل و نحل" کی کتاب الایمان میں اس حدیث کی صحت سے انکار فرمایا۔

لیکن حیرت ہے کہ اپنی کتاب "محلی" کی پہلی جلد اور "کتاب الاحکام" کی آخری جلد میں عوف بن مالک کی حدیث:
قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "تفترق امتي على بضع وسبعين فرقة اعظمها فتنة على امتي قوم يقيسون الامور برأيهم"
کی روایت لا کر اس کی تصحیح کی کوشش کی ہے اور اپنے خیال میں ابطال قیاس کے لیے دلیل پیش فرمائی ہے، حالانکہ ابن حزم سے پہلے اور ابن حزم کے بعد اندلس سے لے کر خراسان تک کے محدثین اس حدیث کی تضعیف میں ہم زبان ہیں۔ گویا علامہ ابن حزم احادیث افتراق امت میں ابوہریرہؓ کی صحیح حدیث کی تو تضعیف فرماتے ہیں اور عوف بن مالک کی ضعیف حدیث کی یہاں توثیق فرماتے ہیں، خیر یہ توثیق صحیح ہو یا غلط لیکن بہرحال ابن حزم کے قلم سے بھی حدیث افتراق امت کی توثیق کا ایک طریق ظہور میں آ گیا۔
اگر ابن حزم ہی کے قول پر مدار ہے تو لیجیے یہ بھی حاضر ہے اور سنیے! ابن حزم کی کتاب "الفصل" جس کے حوالے سے حدیث کی تضعیف نقل ہوئی ہے وہ "کتاب الاحکام" سے پہلے کی تالیف ہے اور "کتاب الاحکام" اس کے بعد لکھی ہوئی ہے، چنانچہ "کتاب الاحکام" کی پہلی جلد میں خود ابن حزم اس کی تصریح فرماتے ہیں، اب ابن حزم کے اگر دو متعارض قولوں میں کسی ایک کو ترجیح دے سکتے ہیں تو وہ ان کا آخری قول ہوگا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ حدیث کی صحت سے انکار اب ابن حزم بھی نہیں کر سکتے۔ نہ ابن حزم کی سابق تضعیف و انکار قابل قبول ہو سکتا ہے جب کہ ان کے آخری قول خود اس کے خلاف موجود ہے۔ فرحم الله انصف واذعن اللحق۔
مجد الدین فیروز آبادیؒ اور حدیث افتراق امت: اب لے دے کے صرف مجد الدین فیروز آبادی رہ جاتے ہیں، پہلے تو یہ عرض ہے کہ فیروز آبادی کا شمار نہ تو حفاظت میں ہے نہ کبار محدثین میں، جرح و تعدیل اور نقد حدیث کے باب میں ان کے قول کا کیا مرتبہ ہو سکتا؟ بالخصوص جب کہ جہابذہ امت کے اقوال ان کے مخالف موجود ہوں؟
رفع یدین کے بارے میں ان کا یہ قول ہے: "فقد صح في هذا الباب اربعمائة خبر و اثر، ورواه العشرة المبشرة ولم يزل على هذه الكيفية حتى رحل من هذا العالم ولم يثبت شيء غيرها۔
ان کی مبالغہ آمیزی اور معرفت حدیث میں ان کا کیا مرتبہ ہے اس کی قلعی کھول دیتا ہے اور محدثین کے نزدیک اس بات میں ہر ہر جز و خبر غلط ہے اور تحقیق و واقعیت سے کہیں بعید ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ان کا "سفر السعادۃ" میں اس قسم کے جتنے دعوے ہیں تحقیق کے بعد بہت کم صحیح ثابت ہو سکے۔ اس لیے شارحین "سفر السعادۃ" وغیرہ محققین نے تصریح فرمادی ہے کہ اس قسم کے مبالغہ آمیز دعاوی تحقیق کے خلاف ہیں۔ اگر مضمون کی طوالت کا خطرہ نہ ہوتا تو یہاں اس کے چند نمونے بھی پیش کرتا، فیروز آبادی کی تفسیر "تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس" ان کی حدیث دانی کی تردید کے لیے کافی ہے جس کو علماء نے "اکذب التفاسیر" کا لقب دیا ہے، اس لیے فیروز آبادی ایک طرف تصحیح میں انتہائی متساہل اور دوسری طرف تضعیف میں انتہائی متشدد واقع ہوئے ہیں۔ اس لیے نہ ان کی تصحیح قابل اعتماد ہے نہ تضعیف قابل وثوق ہے۔ امہات حدیث ہمارے سامنے ہیں، محدثین کے اقوال کا ذخیرہ سامنے موجود ہے، رجال و اسانید کی تحقیق کا دروازہ کھلا ہوا ہے ان حقائق ثابتہ کے سامنے فیروز آبادی کے محض ایک دعوے کی کیا وقعت رہ جاتی ہے۔
في طلعة الشمس ما يغنيك عن زحل
ابن جوزی جیسے جلیل القدر محدث جنہوں نے سب سے پہلی تنقید حدیث کے لیے اصول درایت بھی مفصل مرتب فرمائے ہیں انہوں نے اس حدیث پر کوئی عقلی جرح نہیں فرمائی اور نہ اپنی کتاب "موضوعات" میں اسے ذکر فرمایا ہے۔ حدیث کے اسنادی صحت کے بعد اس کے مقصد کی تعیین میں گو علماء امت کا کچھ معمولی سا اختلاف ہے کہ آیا یہ عدد بہتر و تہتر تحدید کے لیے ہے یا محض تکثیر کے لیے اور اس اختلاف و تفرق سے مراد اصولی تفرق و اختلاف ہے یا فروعی اور امت سے مراد امت اجابت ہے یا امت

دعوت وغیرہ وغیرہ۔ اگر اتنا کہہ دیا جائے کہ مراد تعداد سے محض تکثیر ہے اور جس طرح قرآن کریم میں "سبعون ذراعا" اور "سبعین مرۃ" وغیرہ کے عدد تکثیر ہی کے لیے مستعمل ہیں اسی طرح یہاں بھی ہے، افتراق واختلاف سے مراد عام اختلاف ہے، فروعی ہو یا اصولی اور مقصد اھل اھواء اور اھل بدع کا افتراق ہے، اہل سنت محدثین وفقہاء، ظاہریہ وغیرہ سب فرقہ ناجیہ میں شمار ہیں۔

حدیث افتراق کا خلاصہ: حدیث کا خلاصہ صرف اتنا ہوا کہ یہود ونصاریٰ میں بہت سے فرقے پیدا ہوئے ہیں اور میری امت میں ان سے زیادہ فرقے پیدا ہوں گے نجات کا انحصار صرف میری اتباع اور میرے اصحاب کے اتباع میں ہے، تو بتلائیے کہ اس حدیث میں عقلی کیا اشکال رہ جاتا ہے۔ کیا تاریخی شہادت اس کے اثبات میں ہے یا نفی میں، بہر حال یہ چیز تو بطور نمونہ ومثال کے عرض کر دی ہے ورنہ بہت کچھ تفصیل وتحقیق کی گنجائش ہے۔ معنوی حیثیت سے اس حدیث کی تحقیق وتشریح مطالب میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔

﴿۱۰۶﴾ **يَوْمَ تَبْيَضُّ: اہل سنت اور اہل بدعت کی پہچان یا اہل ایمان اور اہل کفر کی پہچان:** یعنی بہت سے چہرے سفید اور بہت سے چہرے سیاہ ہوں گے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن اہل سنت کے چہرے سفید اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اہل سنت کے چہرے سفید اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ (تفسیر مظہری: ص:۱۱۶، ج۔ ۲)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں: "یوم القیامة حین تبیض وجوہ اهل السنة والجماعة وتسود وجوہ اهل البدعة والفرقة قاله ابن عباس رضی الله عنهما"۔ (ابن کثیر؛ ص:۶۱۲، ج:۲؛ و: قرطبی؛ ص:۱۶۳، ج:۴)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت اس امت اور گزشتہ امتوں کے بدعتیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ (مظہری ص:۱۱۶، ج۔ ۲)

أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ أَيْ يُقَالُ لَهُمْ: ایمان کے بعد کفر کرنے کا کیا مطلب ہے؟ تو علماء تفسیر نے اس کے مختلف جواب دیے ہیں: ایک یہ کہ اس آیت کا نزول مرتدوں کے حق میں ہوا تھا، جو ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اس آیت کا نزول اہل کتاب کو قرار دیا ہے جنہوں نے حضرت موسیٰ اور تورات پر ایمان لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیا، یا بعثت سے پہلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غائبانہ ایمان رکھتے تھے۔ مگر بعثت کے بعد انکار کر دیا۔ بعض علماء نے کہا کہ تمام کفار کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب کو ازل میں اپنی ربوبیت کا شاہد بنا لیا تھا، اور دنیا میں آنے کے بعد لوگ کافر ہو گئے لہٰذا جو شخص بھی دنیا میں کفر کرتا ہے وہ اس ایمان کے بعد ہی کرتا ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو بظاہر منہ سے کلمہ اسلام پڑھتے تھے اور عقیدہ اسلام کے خلاف رکھتے تھے۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں حق بات یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے اور علیٰ حسب المراتب سب کفر کرنے والوں کو شامل ہے قیامت کے دن تمام کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے کسی خاص کافر کی تخصیص نہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝" اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا "وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ ۚ الزمر ۶۰" اور اگر آیت میں کفر سے عام معنی مراد لیے جائیں کہ کفر اعتقادی ہو یا عملی تو پھر اس آیت کے عموم میں اہل بدعت اور اہل ہوا مثل خوارج اور روافض وغیرہ بھی داخل ہو جائیں گے جیسا کہ امام رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ "أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ" سے اس امت کے اہل بدعت اور اہل ہوا مراد ہیں۔ (تفسیر کبیر: ج: ۳ ص: ۲۳، بحوالہ معارف القرآن)

﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ :بشارت اہل سنت: اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے یعنی اہل سنت "فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ"۔ پس وہ اللہ کی رحمت یعنی جنت میں لازوال ثواب میں ہوں گے۔ جنت کی تعبیر بلفظ رحمت کرنے سے اس امر پر تنبیہ کی گئی ہے کہ مومن کی چاہے پوری عمر اللہ کی طاعت میں صرف ہوئی ہو، مگر جنت میں اس کا داخلہ اللہ کی رحمت اور فضل کے بغیر ممکن نہیں البتہ اعمال کے ذریعہ جنت کے مختلف درجات حق تعالیٰ نے جو بنائے ہیں وہ ملیں گے، پل صراط پر گزر معافی سے ہوگا اور جنت میں داخلہ رحمت خداوندی سے ہوگا۔

نکتہ: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ﷫ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے "يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ"۔ میں بیاض کو سواد پر مقدم کیا، لیکن "فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ" میں سواد کو بیاض پر مقدم کیا حالانکہ ترتیب کا تقاضا یہ تھا کہ بیاض کو یہاں بھی مقدم رکھا جاتا، اس ترتیب کو برعکس کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقصد تخلیق کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ مقصد اپنی مخلوق پر رحمت کرنا ہے نہ عذاب، اس لیے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اصل بیاض کو بیان کیا جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ثواب کے مستحق ہیں اس کے بعد اہل سواد کو ذکر کیا گیا جو عذاب کے مستحق ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آیت کے خاتمہ پر "فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ" سے اپنی رحمت عظمیٰ کا بھی اظہار فرمایا تو آیت کے شروع اور اس کے آخر دونوں جگہ اہل رحمت کو بیان کیا درمیان میں اہل سواد کا، جس میں اپنی رحمت بیکراں کی طرف اشارہ کر دیا کہ بنی نوع انسان کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ ان کو اپنے عذاب کا مظہر بنایا جائے بلکہ اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری رحمت سے فائدہ اٹھا سکیں۔ (معارف القرآن، ج:۲، ص ۱۴۷)

حدیث افتراق کی روشنی میں اہل سنت والجماعت کی تحقیقی تشریح

اہل سنت والجماعت کی تحقیق سے پہلے خوبصورت تمہید یادرکھیں

ایک لایعنی محنت :اب یہ بحث کرنا کہ فرقے سارے کے سارے ختم ہوجائیں، یہ لاحاصل ہے، یہ پانی میں مدھانی چلانے کے مترادف ہے کہ اس سے کبھی مکھن نکلنے کی امید نہیں ہے، فرقے کبھی ختم نہیں ہوسکتے، اس لیے کہ ان کی پیشینگوئی خود رسول اللہ ﷺ نے کی ہے، اس لیے میڈیا پر آنے والی، اخباروں میں آنی والی بحثیں کہ فرقے بالکلیہ ختم ہوجائیں، یہ کوششیں کبھی بارآور نہیں ہوسکتیں۔

البتہ کرنے کا کام یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے ان میں سے حق فرقے کی علامات اور نشانیاں واضح کی جائیں، تاکہ باطل فرقوں کا ووٹ بینک کم سے کم ہوجائے، ان کی تعداد کم سے کم کی جائے تاکہ لوگ ان باطل فرقوں کو، ان کے نظریات کو چھوڑ کر حق کی طرف آجائیں، اختلافات کو سرے سے ختم نہیں کیا جاسکتا، البتہ اختلاف کو کم کیا جاسکتا ہے۔

اتفاق کے حصول کا صحیح راستہ :

اختلاف کم کرنے کی جو کوششیں اس وقت دنیا میں رائج ہیں وہ اکثر غیر معقول کوششیں ہیں، آج کل اختلاف کو ختم کرنے کے لیے حق والے کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ حق کو چھوڑ کر باطل کو اختیار کرے، ایسا کبھی نہیں ہوسکتا، حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اختلاف کو ختم کرنے کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ باطل کو مجبور کیا جائے کہ وہ باطل کو چھوڑ کر حق کو اختیار کرے، آپ نے ایک مقام پر فرمایا :اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک شخص نے دوسرے پر ظلم کیا، اس کے مال، جان یا عزت پر ہاتھ ڈالا اور اس مظلوم نے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا، اب مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان اختلاف ہے، ایک ظالم ہے اور ایک مظلوم ہے، اب ان کے اختلاف کو ختم کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ مظلوم کو مجبور کیا جائے کہ تم ظالم کا ساتھ دو، یہ طریقہ اور طرز فکر دنیا کے ہر قانون میں اور ہر عقل مند کے نزدیک غیر معقول حرکت ہے، یہاں ان کے اختلاف کو مٹانے کا صحیح راستہ یہ ہے کہ ظالم کو مجبور کیا جائے کہ وہ مظلوم کا حق ادا کرے، یہی راستہ معقول ہے، جس کو دنیا کی عقلیں تسلیم کرتی ہیں، اس طرح نظریاتی اور فکری اختلافات میں، عقیدہ کے اختلافات میں، باطل کو دلائل اور تبلیغ کے ذریعے مجبور کیا جائے کہ وہ حق عقیدہ پر اور صحیح نظریات پر مطمئن ہوجائے اور وہ حق کی طرف رجوع کرلے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کی تحقیق :

آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں ایک فرقے کو ناجی فرمایا اور باقی بہتر (۷۲) فرقوں کو ناری فرمایا، نجات پانے والا ایک فرقہ ہوگا اور باقی فرقے دوزخ میں جائیں گے، اور نجات پانے والے فرقے کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" یہاں اس حدیث میں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" سے کیا مراد ہے۔

مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ سے مراد وہ "دستور اور قانون" ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عمل پیرا تھے اور "اصحابی" سے مراد حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت اور ان کا طریقہ عمل ہے۔ حضرات علماء نے اسی حدیث کے پہلے جزء سے "اہل السنت" کا لفظ ماخوذ کیا کہ آپ ﷺ کے طریقے کو سنت کہا جاتا ہے، "واصحابی" سے مراد الجماعۃ ہے، گویا اس حدیث سے "اہل

السنۃ والجماعۃ'' کا لقب ماخوذ ہوا۔

''اہل السنۃ والجماعۃ'' کا لقب کب مشہور ہوا؟

یہ لقب ''اہل السنۃ والجماعۃ'' آج کے زمانے کا نوزائیدہ یا نومولود لقب نہیں ہے بلکہ خیر القرون سے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ سے چلا آرہا ہے، اور حدیث کے قرائن اور شواہد بتلاتے ہیں کہ صحابہؓ کے زمانے میں یہ لقب معروف تھا۔

امام سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''البدور السافرۃ'' میں جیسا کہ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

آیت مذکورہ کے اہم نکات: اس تفسیر سے کئی باتیں معلوم ہوئیں (۱) ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کے لقب کی مستحق جماعت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں موجود تھی، اسی لیے آپ اس کی تفسیر فرما رہے ہیں۔ (۲) یہ لقب خیر القرون کے زمانے میں بھی معروف تھا، اس وقت سے استعمال ہو رہا ہے، اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جب ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کا لفظ استعمال فرمایا، اس کی تشریح نہیں فرمائی، اس لیے کہ مخاطب اس کو سمجھتا تھا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں۔

(۳) اس تفسیر میں تقابلی انداز سے معلوم ہوا کہ اهل السنة و الجماعة کی مخالف جتنی جماعتیں ہوں گی وہ اہل البدع والضلال ہوں گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ''اہل السنۃ والجماعۃ'' وہ جماعت ہے جس جماعت کا محور اور پہچان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اور دوسری جماعتوں کے لوگوں کی پہچان نئی نئی ایجادات، اور بعد کے زمانے کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔

اہم نوٹ: یہاں ایک بڑی باریک بات یہ ملحوظ رکھنی چاہیے کہ "ما انا علیہ و اصحابی" کی جو تشریح ''اہل السنۃ والجماعۃ'' سے کی گئی ہے، اس میں جو واو عاطفہ استعمال کی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ نجات کے لیے دونوں باتیں ہونا ضروری ہے، خالی سنت کافی نہیں، بلکہ وہ ''سنت'' ضروری ہے جس کے ساتھ جماعت کی تائید بھی شامل ہو، محض اہل السنۃ یا اہل الحدیث ہونا کافی نہیں بلکہ سنت کا وہ مفہوم معتبر ہوگا جس کو الجماعت نے بیان فرمایا یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے، دوسرے لفظوں میں ان کے اقوال، ان کے فتاویٰ بھی حجت ہیں اور آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال کی تشریح کے لیے سب سے پہلے شارح کی حیثیت رکھتے ہیں۔

لقب ''اہل السنۃ والجماعۃ'' سے لطیف اشارہ:

''اہل السنۃ والجماعۃ'' کے لفظ میں اگر ہم غور کریں، یا ''ما انا علیہ و اصحابی'' کو لیں تو ہدایت کے دو عناصر ''کتاب اللہ اور رجال اللہ'' کی بحث تازہ ہو جاتی ہے، ''ما'' سے اشارہ ہوا ہے دستور کی طرف، قانون کی طرف اور شریعت کی طرف اور "انا عَلَيه وَأَصحَابي" سے اشارہ ہوا شخصیات مقدسہ کی طرف، گویا اس زمانہ میں بھی مختلف فرقوں میں نجات والا فرقہ، وہ ہوگا جو کتاب اللہ سے اور رجال اللہ سے بیک وقت وابستہ ہو، کسی ایک سے جڑنے والا اور دوسرے سے کٹ جانے والا ''فرقہ ناجیہ'' اور ''اهل السنة والجماعة'' یا "ما انا علیہ و اصحابی" کے راستے پر چلنے والا نہیں ہے۔

''الجماعۃ'' کی حقیقت:

الجماعۃ کا لفظ گزشتہ حدیث سے ماخوذ کیا گیا ہے اور بعض روایات میں اس لفظ کو صراحۃً ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں حضرت معاویہؓ کی روایت ہے، مشکوٰۃ شریف کے الفاظ ہیں عَنْ أَبِي عَامِرٍ عَبْدِاللهِ بْنِ لُحَيٍّ قَالَ حَجَجْنَا مَعَ مُعَاوِيَةَ أَبِي سُفْيَانَ فَلَمَّا قَدِمْنَا مَكَّةَ قَامَ حِينَ صَلَّى صَلَاةَ الظُّهْرِ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابَيْنِ افْتَرَقُوا فِي دِينِهِمْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَإِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلَى

ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً يَعْنِي الْأَهْوَاءَ كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً وَهِيَ الْجَمَاعَةُ ۔ (مسند احمد ۲۸: ۱۳۴) ترجمہ : ابو عامرؒ کہتے ہیں کہ ہم نے معاویہ بن ابوسفیانؓ کے ساتھ حج کیا، پس جب ہم مکہ آئے تو حضرت معاویہؓ ظہر کی نماز پڑھ کر کھڑے ہوئے اور فرمایا بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب کے دونوں طبقے اپنے دین میں بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور بیشک یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی، تمام جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے اور وہ ایک جماعت ہے۔

یہاں محض ''الجماعۃ'' کا لفظ استعمال فرمایا گیا، لیکن اس میں لفظ ''ما'' والا مفہوم یعنی دستور اور کتاب اللہ کا مفہوم بھی شامل ہے، کیونکہ صحابہ کرامؓ کو جو ''الجماعۃ'' ہونے کا شرف حاصل ہوا، وہ اسی سنت اور دستور کی پیروی کی وجہ سے ہوا، صحابہؓ کی پہچان اتباع سنت ہے، بعد کی ایجادات نہیں، اس لیے جب ''الجماعۃ'' کہا گیا تو سنت کا لفظ خود بخود اس کے اندر شامل ہو گیا۔

ایک اور روایت جو تفسیر در منثور میں ہے اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں نقل فرمائی :

"عن ابی سعید ان رسول اللہ ﷺ قرا یوما "يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ" قال تبیض وجوہ اہل الجماعات والسنۃ وتسود وجوہ اہل البدع والاہواء" (در منثور : ج:۲،ص:۶۳)

ترجمہ : حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک دن یہ آیت تلاوت فرمائی (جس دن بعض چہرے سفید اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے) فرمایا جماعات اور سنت والوں کے چہرے روشن اور اہل بدعت وخواہشات کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

گویا روایت سے بھی اس کی تائید ہوگئی، یہاں جو ''الجماعات'' جمع کا لفظ فرمایا گیا کہیں یہ شبہ نہ ہو کہ اس سے مختلف جماعات مراد ہیں، بلکہ صحابہ کرامؓ کی جو مختلف چھوٹی چھوٹی جماعتیں ملکوں میں پھیلیں، ان کو الجماعات سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ مختلف علاقوں میں انھوں نے تعلیم وتدریس کے مراکز بنائے۔

بہر حال! آج کے دور میں مختلف فرقوں میں صحیح راستہ پر چلنے والا اور فرقہ ناجیہ وہ ہوگا جو متصل سند کے ساتھ اور تسلسل کے ساتھ ہدایت کے ان دونوں عناصر کے ساتھ جڑا ہوگا، یعنی سنت کے ساتھ اور الجماعۃ یعنی صحابہؓ کے ساتھ، اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن میں عام انسانوں کے ایمان اور عقیدے کے معتبر ہونے کے لیے اسی جماعت صحابہؓ خیر القرون کی اسی جماعت کو معیار بنایا، چنانچہ سورۃ بقرہ میں "وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ (البقرہ :۱۳) قیامت تک کے لیے دنیا سے ایمان کے معتبر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ان کا ایمان صحابہؓ کے ایمان کی طرح ہو۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (البقرۃ ۱۳۷)

ترجمہ : پس اگر وہ اس طرح ایمان لائیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت پا جائیں گے اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو وہی ضد پر ہیں، پس اللہ ان کو کافی ہوگا اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اس آیت میں بھی واضح فرما دیا کہ ان لوگوں کا ایمان بھی جب معتبر ہوگا اور وہ ہدایت یافتہ کہلائیں گے جب ان کا ایمان صحابہ جیسا ہوگا۔

اور اس کے بعد فرمایا "وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ" جو صحابہ کرامؓ جیسے ایمان لانے سے اعراض کرے گا ان کے

راستہ سے اختلاف کرنے والا وہی ہے جو سیدھے راستہ سے ہٹ جانے والا ہے اور اللہ ان کے لیے کافی ہے اور وہ سننے اور جاننے والا ہے۔

"اہل السنۃ والجماعۃ" کے لقب میں لطیف حکمت: یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ فرقہ ناجیہ کے لیے کچھ اور القاب بھی ہو سکتے تھے جیسے اہل القرآن، اہل الحدیث، اہل الفقہ، اہل اسلام، اہل تصوف، لیکن "اہل السنۃ والجماعۃ" کا لقب کیوں منتخب فرمایا، اس لیے کہ اگر یہ القاب ہوتے تو ان سے خالی دستور اور قانون کی طرف تو اشارہ ہوتا لیکن شخصیات مقدسہ کی طرف اشارہ نہ ہوتا اور رجال اللہ سے نسبت کٹ جاتی اور ان القابات سے یوں محسوس ہوتا کہ شاید اس جماعت کا محور صرف علمیت اور خود رائی، آزاد خیالی، اپنا مطالعہ اور اپنی تحقیق ہے، اور اس کے بالمقابل اگر یہ لقب ہوتا، عاشقانِ رسول، محبان صحابہ، اتباع المحدثین، اصحاب الفقہاء، یا والہانِ اولیاء، عشاق اولیاء، یا اس جیسا کوئی اور لقب ہوتا تو ان الفاظ سے اشارہ شخصیات کی طرف ہوتا، لیکن دستور قانون اور کتاب اللہ کا مفہوم کٹ کر رہ جاتا، کیونکہ ان الفاظ سے خالی شخصیت پرستی سمجھ میں آتی ہے، تو ہمیں جو اسلاف نے لقب دیا اہل السنۃ والجماعۃ ہے، اس میں ہدایت کے دونوں عناصر کے مجموعہ کی طرف اشارہ ہے، اور اس میں اس مزاج کے ساتھ حسین امتزاج ہے جو شروع سے چلا آرہا ہے۔

خلاصہ بحث: یہ ہوا کہ اعتدال کا راستہ اور انصاف کا راستہ وہ ہے جس میں افراط اور تفریط نہ ہو۔ نہ حدود سے تجاوز کیا گیا ہو اور نہ حدود کے اندر کمی کی گئی ہو، "افراط" کرنے والے یہود کے مزاج پر چلنے والے اور "تفریط" کرنے والے نصاریٰ کے مزاج کے حامل لوگ ہیں، اور جب بندہ ان دونوں مزاجوں سے اپنے نفس کو پاک کر کے ہدایت کے دونوں عناصر سے جڑ جاتا ہے تو اس کے اندر وہ اعتدال پیدا ہو جاتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے ہاں پسندیدہ اور مطلوب ہے، اور اس آیت کا مصداق ہو جاتا ہے "لیقوم الناس بالقسط" (تا کہ لوگ انصاف کے ساتھ قائم رہیں)، کسی ایک سے بھی کٹ جانے سے افراط و تفریط پیدا ہو جاتا ہے۔ اعتدال ختم ہو جائے گا اور میانہ روی جو مطلوب ہے وہ ختم ہو جائے اور بندہ صراط مستقیم سے جب ہٹے گا تو ان راستوں پر چلے گا جن کو "فتفرق بکم عن سبیله" فرمایا۔

اہم بات نظریات صحابہؓ اور خالص سنت میں فرق: یہاں ایک بات ذکر کرنا ضروری ہے، دور حاضر میں بھی اس وقت حق کا معیار مختلف جماعتوں اور افکار میں وہ جماعت اور فکر ہوگی جس کے نظریات کا محور صحابہؓ کرام ہوں گے، اگر خالص صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی کہہ دیا جائے تو کافی ہے اس لیے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جو امتیاز ہے وہ سنت نبوی کی اتباع ہے، اور خالص سنت کہہ دیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ خود اپنی رائے، اپنے مطالعہ سے سنت کا مفہوم سمجھنے والا ہے۔

اسلاف بزرگانِ دین کی تعلیم: حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد قیامت تک کے لیے مشعل راہ ہے۔ وقال ابن مسعود: "من كان منكم متأسيا فليتأس بأصحاب محمد صلى الله عليه وسلم، فإنهم كانو أبرهذه الأمة قلوبا وأعمقها علما و أقلها تكلفا وأقومها هديا و أحسنها حالا، قوما اختارهم الله لصحبة نبيه صلى الله عليه وسلم واقامة دينه، فاعرفوا لهم فضلهم، واتبعوهم فى آثارهم فإنهم كانوا على الهدى المستقيم" (السلسلة الصحيحة المجلدات الكاملة (٦ ١٣٧)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میں سے جو پیروی کرنا چاہے تو وہ محمد ﷺ کے صحابہؓ کی پیروی

کرے، اس لیے کہ وہ اس امت کے سب سے نیک دل، مضبوط علم والے، بے تکلف، بہترین سیرت اور حالت والے ہیں، وہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت، اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لیے چن لیا، لہٰذا ان کی فضیلت کو پہچانو اور ان کے نشان قدم کی پیروی کرتے رہو اس لیے کہ وہ صراط مستقیم پر تھے۔

تو حضرت سیدنا ابن مسعودؓ نے ان تمام لوگوں کو جو کسی راستہ پر چلنے والے ہوں صحابہ کرامؓ کا راستہ بطور رہنمائی اور مشعل راہ کے بیان فرمایا۔

امام اوزاعیؒ نے اپنے شاگرد بقیۃ بن ولید کو یہ وصیت فرمائی : ”حدثنا بقیة. قال :سمعت الاوزاعی، یقول : العلم ماجاء عن اصحاب محمد ومالم یجئ عن واحد منهم فلیس بعلم“ جامع بیان العلم و فضله (مؤسسة الریان: ج:۲ص:۶۵)

ترجمہ :بقیہؒ بیان کرتے ہیں کہ امام اوزاعیؒ نے فرمایا :علم وہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے منقول ہو اور جو ان کی طرف سے نہ ہو وہ علم نہیں ہے۔

امام ابن عبد البر نے اپنی کتاب جامع بیان العلم میں اس کو نقل فرمایا، اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے :لا یزال الناس بخیر ما اتاهم العلم من قبل اکابرهم فاذا اتاهم عن اصاغرهم هلکوا“ ترجمہ :ہمیشہ لوگ بھلائی پر رہیں گے جب کہ علم ان کے اکابر کی طرف سے آتا رہے اور جب علم ان کے اصاغر کی طرف سے آئے گا تو ہلاک ہو جائیں گے۔

عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا :یہاں اصاغر سے مراد اہل الرائے ہیں جو اپنی رائے اور اپنی تحقیق سے مطالعہ کرنے والے ہوں اور اکابر سے مراد حضرات صحابہ کرامؓ ہیں۔

حضرت حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے ان کے ناجی (نجات پانے والا) اور ناری (دوزخی) ہونے کا مطلب بیان فرمایا، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنے فتاوی میں اس کی جزوی اصلاح کر کے اس کو نقل کیا، کہ فرقہ ناجی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ فرقہ بغیر کسی ادنیٰ عذاب کے سیدھا جنت میں چلا جائے گا، اور یہ وہ فرقہ ہے جس سے کوئی اعتقادی و عملی بدعت ظاہر نہیں ہوئی، اگر ان سے کوئی اور عملی خرابی ہو گئی تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ معاف فرمادے اور اگر معاف نہ فرمایا تو قبر اور حشر کی سختیوں میں ان کا حساب کر دیا جائے گا۔

اور ناری ہونے والے باقی تمام فرقے اپنے افتراق و اختراع کی وجہ سے اولاً جہنم میں جائیں گے پھر عذاب بھگتنے کے بعد جنت میں جائیں گے۔ وہ فرقے جو اسلام کے اندر پیدا ہوئے، بالآخر ان کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائیں گے، مراد یہ ہے کہ ان کا دخول اولی جنت میں نہیں ہو گا یہ نہ سمجھا جائے کے ان کا ”خلود فی النار“ یعنی ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں جانا ہے کیونکہ ”خلود فی النار“ بغیر کفر و شرک کے نہیں ہو گا۔

یاد رہے کہ یہ بات ان فرقوں کے بارے میں ہے جن کے عقائد کفر تک نہ پہنچے ہوں، اگر وہ کفر کی حد تک پہنچے ہوں تو اگرچہ وہ اسلام کا نام لیتے ہوں کفر زندقہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے زندیق ہیں مثلاً تحریف قرآن کے قائل ہوں، حضرت علیؓ کی الوہیت کے قائل ہوں، ان کا حکم سابقہ فرقوں کی طرح نہیں ہو گا کہ عذاب بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہوں گے بلکہ ان کے لیے ”خلود فی النار“ ہو گا۔

خلاصہ بحث :پچھلے مضمون اور اس تحریر کا خلاصہ یہ نکلا کہ کامیابی اور کامرانی کے لیے مختلف فرقوں میں مختلف جماعتوں میں ہدایت اور روشنی کا راستہ یہ ہے کہ سنت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے راستے کو مضبوطی سے پکڑ لیا جائے،

اس راستے پر چلنے والا اللہ کی رحمت سے سیدھا جنت میں چلا جائے گا، اور سنت اور صحابہؓ کے راستے سے ہٹنے والے ہی کو اختلاف کرنے والا سمجھا جائے گا۔

اللہ کی راہیں سب ہیں کھلی آثار و نشاں سب قائم ہیں اللہ کے بندوں نے لیکن ان راہوں پر چلنا چھوڑ دیا

فلاح پانے والے دو طبقے: پہلا طبقہ: وہ لوگ جن کا کتاب اللہ سے بھی تعلق ہے اور رجال اللہ سے بھی تعلق ہے اس سے مراد اور اس کا مصداق جیسے گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ سب سے پہلے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت ہے جنہوں نے کتاب اللہ سے بھی اپنا تعلق برقرار رکھا اور رجال اللہ سے بھی، انہوں نے شخصیت مقدسہ کو بھی تھاما اور قانون کو بھی، کسی ایک سے انقطاع اختیار نہیں کا۔ اس کا کسی قدر اجمالاً ذکر سورۃ فاتحہ میں ہو چکا ہے تاہم اس طبقہ پر انعام فرمایا۔

نمبر ا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :* لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (آل عمران۔ ۱۶۴)

ترجمہ: ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں پر بڑا انعام کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک صاف بنانے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے جب کہ اس سے پہلے یہ لوگ یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔“

اور ان مومنین کا مصداق جن میں رسول کو مبعوث فرمایا اولاً وہ حضرات صحابہ کرامؓ ہیں تو رسول کو مبعوث فرمانا، یہ تو رجال اللہ کا ذکر ہے، وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، اس سے مراد کتاب اللہ یعنی قانون کی تعلیم ہے، اور ان کو دونوں سے واسطہ ہے، اور قرآن نے ان دونوں چیزوں سے انحراف کو کھلی گمراہی بھی بتلایا ہے، وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ، اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے یعنی جب تک رسول نہیں آئے تھے یعنی رجال اللہ نہیں تھے، جب تک کتاب اللہ نہیں تھی اور قانون نہیں تھا، یہ لوگ بھی کھلی گمراہی میں تھے، تو دونوں سے انقطاع کو قرآن نے کھلی گمراہی قرار دیا ہے۔ اور دونوں کو تھام کر یہ حضرات ہدایت یافتہ قرار پائے۔

دوسرا طبقہ: وہ لوگ جنہوں نے دونوں سے انقطاع کیا، اس کی سب سے پہلی مثال حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم ہے، اب قرآن پاک کی آیات پر غور کیجئے گا۔ حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم نے رجال اللہ کو بھی ٹھکرایا اور کتاب اللہ کو بھی ٹھکرایا، وہ اس کا سب سے پہلا مصداق ہیں، چنانچہ شخصیت مقدسہ، رجال اللہ کا انکار یوں کیا اور شکوہ کرنے لگے۔ نمبر ا بِمَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (هود :۲۷) ہم آپ کو نہیں سمجھتے مگر اپنی طرح کا ایک انسان۔ کفار نے ہمیشہ انبیاء کرام کو ان کے فضائل اور مراتب وکمال سے خالی سمجھ کر ان شخصیت مقدسہ کو ٹھکرایا۔

نمبر ۲ ۔ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ (هود :۲۷) ہمیں آپ لوگوں کو ہمارے اوپر کوئی فضیلت کوئی قابلیت نظر نہیں آرہی، لہٰذا ہم آپ لوگوں کو اپنے سے زیادہ کوئی فضیلت والا، کوئی کامل نہیں سمجھتے تم ہماری طرح کے انسان ہو۔

نمبر ۳ ۔ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ (هود :۲۷) اور ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں صرف وہ لوگ آپ کے پیچھے لگے ہیں جو ہم میں سب سے زیادہ بے حیثیت ہیں اور وہ بھی سطحی طور پر رائے قائم کر کے۔

تو گویا انہوں نے انبیاء علیہم السلام جو رجال اللہ کا سب سے پہلا مصداق تھے ان شخصیات کا انکار کیا اور کتاب اللہ اور قانون کا انکار ان الفاظ میں کیا، قوم نوح کہنے لگی بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ (هود :۲۷) ہم تو تمہارے بارے میں یہ گمان کرتے ہیں کہ تم

جھوٹے ہو یعنی جو باتیں بتا رہے ہو وہ جھوٹ ہیں تو کتاب اللہ کا انکار کر دیا، نیز کتاب اللہ کا انکار اپنے عمل سے بھی کرتے تھے، قرآن نے ذکر فرمایا وہ اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالتے تھے، کانوں میں انگلیاں ڈالنا، اللہ کی کتاب کو نہ سننا، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کتاب سے اعراض کرتے ہیں، قانون نہیں چاہتے ہیں۔ اور منہ پر نقاب ڈالتے تھے، یہ ان کی عادت تھی، تو یہ پہلی قوم ہے جس نے رجال اللہ کا بھی انکار کیا اور کتاب اللہ کا بھی انکار کیا۔ اس کے بعد آگے چلتے ہیں تو قرآن کریم نے دوسری مثال قوم عاد کی بیان فرمائی، قوم عاد کے افراد بھی ایسے تھے جنہوں نے ہدایت کے دونوں عنصروں سے احتراز کیا، چنانچہ شخصیت اور رجال اللہ کا انکار تو یوں کہہ کر کیا: إِنْ نَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ (ھود :۵۴) کہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ آپ کو ہمارے بعض معبودوں نے تمہارے کسی جرم میں، کسی برائی میں مبتلا کر دیا ہے، تو اس طرح انہوں نے شخصیت کا انکار کیا، کتاب اللہ کا انکار یوں کیا۔ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ (ھود :۵۳) ہم آپ کی باتوں پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ نیز قرآن کریم نے اس قوم کے بعد اگلی قوم کا ذکر فرمایا قوم ثمود کا، اس کا مزاج بھی یہ تھا کہ اس نے شخصیت مقدسہ کا بھی انکار کیا اور کتاب اللہ اور قانون کا بھی انکار کیا، چنانچہ کتاب اللہ کا انکار کرنے کے لیے جو الفاظ استعمال کیے قرآن نے ان کی بات کو نقل کیا: وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ (ھود :۶۲) کہ جس بات کی طرف آپ ہمیں دعوت دے رہے ہو ہم اس میں شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں تو یہ کہہ کر انہوں نے کتاب اللہ کو ٹھکرا دیا، اور ذات مقدسہ و رجال اللہ کا انکار یوں کیا، کہنے لگے: قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا (ھود :۶۲) اے صالح آج سے پہلے آپ سے امیدیں تھیں آپ کس راستے پر چل پڑے ہو۔ أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ (ھود :۶۲)

ترجمہ: ''جن بتوں کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں کیا تم ہمیں ان کی عبادت کرنے سے منع کرتے ہو جس بات کی تم ہمیں دعوت دے رہے اس کے بارے میں تو ہمیں ایسا شک ہے جس نے ہمیں اضطراب میں ڈال رکھا ہے۔''

چنانچہ یہ کہہ کر انہوں نے حضرت صالح کی شخصیت مقدسہ کا انکار کیا۔

چوتھی مثال قرآن کریم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی بیان فرمائی، اس قوم کے افراد نے بھی اسی طرح کیا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَذَا بِآلِهَتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ (الانبیاء :۵۹)

ترجمہ: ''کہنے لگے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے، وہ کوئی بڑا ہی ظالم ہے۔''

قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ (الأنبياء :۵۵) کیا تم ہم سے سچ مچ کی بات کر رہے ہو یا دل لگی کر رہے ہو۔ اس طرح انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر، آپ کے وقار اور متانت پر انگلی اٹھائی اور آپ کی شخصیت کا انکار کیا اور آپ کو جھوٹا کہا۔

پانچویں مثال قوم شعیب کی بیان کی گئی ہے، حضرت شعیب علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسی ''رجال اللہ'' کا ایک فرد بنایا تھا، ہدایت کے لیے پیغمبر بھی آئے اور ان کی کتاب قانون بھی موجود تھی، چنانچہ انہوں نے رجال اللہ کا تو انکار یوں کیا کہ کہنے لگے: وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا (ھود :۹۱) ہم آپ کو بہت کمزور خیال کرتے ہیں آپ طاقتور نہیں ہیں وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ (ھود :۹۱)

اور پھر دھمکی پر اتر آئے۔ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا (الاعراف :۸۸) تو ان تمام باتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے شخصیت مقدسہ اور رجال اللہ کو ٹھکرایا اور جب قانون کی باری آئی تو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ: يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِمَّا تَقُولُ (ھود :۹۱) ہم آپ کی باتیں سمجھتے ہی نہیں، کس قسم کی

باتیں کرتے ہو، اس طرح انہوں نے ہدایت کے دوسرے عنصر کا بھی انکار کر دیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے بعد باری آتی ہے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں بھی وہ افراد موجود تھے جو ہدایت کے ان دونوں عناصر سے انقطاع کرنے والے اور بیزاری کا اظہار کرنے والے تھے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو یوں کہا : إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ (الاعراف :۱۰۹) تو جادوگر ہے اور کبھی یوں کہتے (فرعون نے یوں کہا تھا :وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ (القصص :۳۸) کہ میں تو اس کو جھوٹوں میں سے ہی سمجھتا ہوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے شخصیت مقدسہ کا انکار کر دیا، اور آپ کی کتاب کا انکار یوں کیا : إِنَّ هَٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوهُ فِي الْمَدِينَةِ (الاعراف :۱۲۳) یہ جو کچھ تم بیان کر رہے ہو یہ تو تمہاری چالیں ہیں جو تم شہر میں اختیار کیے ہوئے ہو۔

اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے انکار کے جو اسباب ذکر فرمائے ہیں اگر اس پر غور کریں تو قارون، ہامان، فرعون یہ جاہ پسندی، اقتدار پسندی اور تعلّی کے طالب اور اپنے آپ کو بڑا بنانا چاہتے تھے، استکبار اور تکبر کی بیماری میں مبتلا تھے چنانچہ اس وجہ سے انہوں نے رجال اللہ کو بھی ٹھکرایا اور کتاب اللہ کو بھی ٹھکرا دیا، اور فرعون، ہامان، قارون کے علاوہ جو عام لوگ تھے ان کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی ہدایت سے محروم ہونے کے اسباب یہ تھے کہ ان میں جاہلانہ تعصب موجود تھا، ان میں شخصیت پرستی کا مرض تھا، چنانچہ وہ یوں کہنے لگے وَمَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ (القصص :۳۶) ان کے انکار کی وجہ یہ بھی کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں مبتلاء تھے اور تعصب میں آگئے تھے، اس لیے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی کتاب کا انکار کر دیا۔

پھر آخر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آفتاب رسالت طلوع ہوا اور اسلام کا پیغام دنیا میں پھیلنا شروع ہوا تو اس قسم کے لوگ آئے جو دونوں عناصر کا انکار کرنے والے تھے رجال اللہ کا بھی اور کتاب اللہ کا بھی، چنانچہ مشرکین نے اپنے سے پہلے والے کافروں کے طریقہ پر چلتے ہوئے رجال اللہ کا بھی انکار کیا اور کتاب اللہ کا بھی انکار کیا، شخصیت مقدسہ کو بھی ٹھکرایا اور قانون الٰہی کو بھی ٹھکرایا۔ شخصیت مقدسہ اور رجال اللہ کے بارے میں تو ان کا عمل یہ تھا کہ کبھی آپ کو شاعر کہا، کبھی کاہن کہا، کبھی ساحر، کبھی کذاب کہا، کبھی اشر کہا، کبھی مجنون کہا، یہ ساری باتیں اس بات کو واضح کر رہی ہیں کہ انہوں نے رجال اللہ کو ٹھکرایا اور قانون اور کتاب اللہ کو یہ کہہ کر ٹھکرایا : إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (الانعام :۲۵) قرآن کے بارے میں یہ کہنے لگے کہ پہلوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں تو مشرکین کا طبقہ وہ طبقہ تھا جنہوں نے دونوں قسم کے عناصر کو ٹھکرا دیا، چنانچہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ "رجال اللہ" سے احتراز اور انقطاع کیا بلکہ تکالیف پہنچانے کے درپے ہو گئے، رجال اللہ کو ستایا اور تکالیف پہنچائیں، (یاد رہے کہ یہاں رجال اللہ ایک اصطلاح کے طور پر استعمال ہو رہا ہے)، اور اس ستانے کی مثالیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ اور صحابہؓ کی حیات کتابوں میں ہیں کہ انہوں نے رجال اللہ کو کس کس طرح کی تکلیفیں پہنچائیں اور ستایا، اور کتاب اللہ کے مقابلے کے لیے بھی تیار ہو گئے، انکار کرنے کے ساتھ ساتھ کتاب اللہ سے دور کرنے کی کوشش بھی کی، چنانچہ قرآن کریم نے ذکر کیا کہ جیسے قرآن نازل ہوتا، تلاوت ہوتی تو شور و شغب کرتے، یہ کس لیے کرتے تھے؟

تاکہ لوگ کتاب اللہ سے دور ہوں، اپنے بچوں کو روکتے تھے کہ کہیں ان کے کان میں قرآن کی بات نہ پڑ جائے اور اثر نہ کر جائے۔ تو یہ مشرکین اس مزاج کے حامل تھے کہ انہوں نے رجال اللہ کو بھی ٹھکرایا اور کتاب اللہ کو بھی ٹھکرایا، منافقین بھی ان میں شامل تھے، اگرچہ زبان سے وہ اقرار کرتے تھے، لیکن دل سے وہ بھی دونوں کے منکر تھے، یعنی کتاب اللہ کے بھی اور رجال اللہ کے بھی، اور زبان سے اس اقرار کرنا بھی دنیاوی مفاد کو حاصل کرنے کے لیے تھا، یہ بھی اسی طبقہ میں شامل ہیں، اللہ نے ان دونوں کا انجام یوں

ذکر فرمایا "وَعَدَ اللهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ"۔ (التوبۃ :۶۸)

ترجمہ: "اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور تمام کافروں سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہی ان کو راس آئے گی اللہ تعالیٰ نے ان پر پھٹکار ڈال دی ہے اور ان کے لیے اٹل عذاب ہے۔" سورۃ توبہ میں ان دونوں طبقوں کا نام ذکر فرمایا۔

﴿۱۰۸﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللهِ الخ صداقت قرآن۔ وَمَا اللهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِينَ: عدل وانصاف باری تعالیٰ: اور اللہ تعالیٰ جہان والوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔ یعنی حق سے اختلاف کرنے والوں کے لیے جو عذاب تیار ہے وہ ظلم نہیں بلکہ ان کے اعمال قبیحہ کی سزا ہے۔ سَوَال: ظلم تو غیر کی ملک میں تصرف کا نام ہے، اور اس عالم وجود میں تو کوئی شئی ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کی مملوک نہ ہو پھر ظلم کے ارادہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیسی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام چیزوں کا اس کے ملک میں ہونے کا تقاضا یہ ہے وہ اپنی چیزوں میں جو چاہے تصرف کرے وہ ظلم نہیں کرتا عین عدل کرتا ہے۔

﴿۱۰۹﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ ... الخ حصر المالکیت باری تعالیٰ: یعنی کسی غیر کے اختیار کی مکمل نفی ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

تم سب سے بہتر امت ہو جس کو ظاہر کیا گیا ہے لوگوں کے فائدے کے لئے تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے منع کرتے ہو

وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ

اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو البتہ یہ ان کے لئے بہتر ہوتا ان میں سے بعض ایمان پر ہیں

وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۱۱۰ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّا اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ

اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں ﴿۱۱۰﴾ وہ تم کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے مگر زبان سے ستانا اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو تمہاری طرف پیٹھ پھیر دیں گے

ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝۱۱۱ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ

پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی ﴿۱۱۱﴾ ان پر ذلت مسلط کی گئی ہے جہاں بھی وہ پائے جائیں مگر اللہ کی رسی کے ساتھ اور

مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

لوگوں کی رسی کے ساتھ اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے اور مسلط کی گئی ان پر مسکنت یہ اس وجہ سے

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ

کہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے یہ اس وجہ سے کہ

كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۱۱۲ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ

انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے بڑھنے والے تھے ﴿۱۱۲﴾ یہ سب کے سب برابر نہیں ہیں اہل کتاب میں سے ایک امت ایسی بھی ہے جو سیدھے راستے پر قائم ہے وہ اللہ کی آیتوں کو

اٰنَآءَ الَّيۡلِ وَهُمۡ يَسۡجُدُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ

رات کی گھڑیوں میں پڑھتے ہیں اور وہ سجدہ ریز ہوتے ہیں ﴿۱۱۳﴾ وہ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں

وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُسَارِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفۡعَلُوۡا

اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور وہ نیکی کے کاموں میں سبقت کرتے ہیں اور یہی لوگ نیک بختوں میں ہیں ﴿۱۱۴﴾ اور جو بھی وہ

مِنۡ خَيۡرٍ فَلَنۡ يُّكۡفَرُوۡهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ ۢ بِالۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِىَ

نیکی کا کام کریں گے اس کی ناقدری ہرگز نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر ہے ان لوگوں سے جو متقی ہیں ﴿۱۱۵﴾ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہرگز کام نہیں آئیں گے

عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَيۡـئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ

ان کے مال اور نہ ان کی اولادیں اللہ کے سامنے کچھ بھی اور یہی لوگ دوزخ والے ہیں

هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنۡفِقُوۡنَ فِىۡ هٰذِهِ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَثَلِ رِيۡحٍ

وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿۱۱۶﴾ مثال اس کی جو خرچ کرتے ہیں اس دنیا کی زندگی میں مثل اس ہوا کے ہے

فِيۡهَا صِرٌّ اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَاَهۡلَكَتۡهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ

جس میں شدید سردی ہے جو پہنچتی ہے ایسی قوم کے کھیت کو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے پس اس کو ہلاک کردیا اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا

وَلٰكِنۡ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ

بلکہ یہ خود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے ﴿۱۱۷﴾ اے ایمان والو! نہ مخلص دوست بناؤ اپنوں کے سوا دوسروں کو

لَا يَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا ؕ وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۖۚ وَمَا

وہ تمہارے حق میں خرابی پیدا کرنے میں کمی نہیں کرتے وہ اس چیز کو پسند کرتے ہیں کہ تمہیں مشقت میں مبتلا کریں تحقیق دشمنی ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی اور جو کچھ

تُخۡفِىۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ ؕ قَدۡ بَيَّنَّا لَكُمُ الۡاٰيٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰۤاَنۡتُمۡ اُولَاۤءِ تُحِبُّوۡنَهُمۡ

ان کے سینے چھپاتے ہیں وہ بہت زیادہ تحقیق ہم نے تمہارے لیے آیتیں بیان کی اگر عقل رکھتے ہو ﴿۱۱۸﴾ سنو اے لوگو تم ان سے محبت کرتے ہو

وَلَا يُحِبُّوۡنَكُمۡ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا

اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور تم ایمان رکھتے ہو سب کتابوں پر اور وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں اور جب وہ الگ ہوتے ہیں

عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ ؕ قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَيۡظِكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ ۢ

تو غصے کی وجہ سے تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے تم اپنے ہی غصے سے مرو بے شک اللہ تعالیٰ

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا

سینے کے رازوں کو جانتا ہے ﴿۱۱۹﴾ اے اہل ایمان! اگر تم کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تم کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو اس کے ساتھ خوش ہوتے ہیں

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾

اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی تدبیر کچھ نقصان نہ پہنچائے گی بے شک اللہ تعالیٰ احاطہ کرنے والا ہے اس کا جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں ﴿۱۲۰﴾

﴿۱۱۰﴾ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ... الخ ربط آیات : گزشتہ آیات میں اہل ایمان کو ایمان پر ثابت قدم رہنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کی ہدایت کا ذکر تھا اب اس آیت میں مزید تاکید کی ہے کہ تم تمام امتوں سے افضل، اکمل، واعلیٰ اور خیر الامم کے لقب سے ملقب ہو اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ تمہارے ذمہ دعوت والا کام ہے۔ لہٰذا اس دعوت والے کام میں کمی نہ آنے پائے۔

خلاصہ رکوع ۱۲ امتیازی خصوصیت وفضیلت امت محمدیہ، ترغیب ایمان، تسلی مؤمنین، مغلوبیت اہل کتاب، یہود کی رسوائی۔ ۱۔ طریق کامیابی۔ ۱۔ ۲۔ یہود کی رسوائی۔ ۲۔ اسباب رسوائی۔ ۱۔ ۲۔ ۳۔ منصفین اہل کتاب کے اوصاف ومدح، مذمت مصرین علی الکفر، نتیجہ، کفار کے مال ضائع کرنے کی مثال، یہود سے دوستی کی ممانعت، وجہ ممانعت۔ ۱۔ ۲۔ تنبیہ مؤمنین، سلوک المنافقین بالمؤمنین، جواب سلوک کیفیت اہل کتاب تسلی مؤمنین۔ ماخذ آیات ۱۱۰: تا ۱۲۰ +

امتیازی خصوصیت وفضیلت امت محمدیہ :اس آیت میں امت محمدیہ کی پہلی امتیازی خصوصیت اور فضیلت اور صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ امت محمدیہ کے بحیثیت امت ہونے کے یہ فرض ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے۔ لہٰذا جو شخص بھی اس امت کا فرد کہلائے گا، اس کے ذمہ یہ فرض عائد ہو جائے گا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو "كُنْتُمْ" کی بجائے "انتم" فرماتا مگر اس نے "كُنْتُمْ" صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیلئے اور ان لوگوں کے لئے فرمایا جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح کام کئے یا مخاطب عام امت محمدیہ ہے دونوں مضمون نصوص سے ثابت ہیں اور یہی اجماع امت کا فیصلہ ہے کیونکہ یہ امت تمام امتوں سے افضل ہے اور اس امت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب افضل ہیں۔ (مظہری: ص:۱۱۸: ج۔ ۲)

اور اس امت کی دوسری امتیازی صفت اور فضیلت یہ ہے کہ "وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ" اس پر سوال ہوتا ہے کہ ایمان باللہ تو تمام انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کا مشترک وصف ہے پھر اس کو وجہ امتیاز کس بنا پر قرار دیا ہے؟

جواب: اصل ایمان تو سب میں مشترک ہے مگر کمال ایمان کے درجات مختلف ہیں اس امت محمدیہ کو جو درجہ حاصل ہے وہ سابقہ امتوں کے مقابلہ میں امتیاز رکھتا ہے۔ (معارف القرآن: ج:۲: ص۔ ۱۵۰)

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ ... الخ ترغیب ایمان :ایمان کے معنی حکم کا دل سے مان لینا۔ لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کی شمولیت خیر الامم میں ہو جاتی پھر یہ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے، تو ان کے لیے دہرا اجر ہوتا لیکن انھوں نے ایمان کی دولت کو قبول نہ کیا، جس کی وجہ سے خیر الامم کے حسین لقب سے موصوف نہ ہو سکے۔ "وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ" اور اکثر ان میں ایمان سے خارج ہیں۔

﴿۱۱۱﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ... الخ تسلی مؤمنین۔ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ : مغلوبیت اہل کتاب :اس آیت میں

یہود کے مغلوب ہونے کی پیش گوئی ہے جو بحمد اللہ حرف بحرف پوری ہوئی کہ جب کبھی یہود اور مسلمانوں میں لڑائی ہوئی ہے تو یہود پشت پھیر کر بھاگے ہیں، اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کبھی ان کو فتح نصیب نہیں ہوئی۔

﴿۱۱۲﴾ضُرِبَتۡ...الخ یہود کی رسوائی ❶ نقش سکہ کی ان پر ذلت و بے قدری یعنی بے امنی جمادی گئی ہے جہاں کہیں بھی پائیں جائیں گے۔اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ...الخ طریق کامیابی ❶ مگر ساتھ اللہ کی پناہ کے۔

وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ: طریق کامیابی ❷ اور لوگوں کی پناہ کے۔بعض علماء کے نزدیک "اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ" اور "وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ" دونوں ایک چیز ہیں یہاں پر "واو" صرف عطف تفسیری کے لیے ہے۔

اور بعض علماء کے نزدیک ان دونوں سے الگ الگ چیزیں مراد ہیں کہ ذلت سے بچنے کے دو طریقے ہیں: پہلا طریقہ: یہ ہے کہ "بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ" سے مراد یہ ہے کہ وہ اسلام لے آئیں اور اس ذلت سے بچ جائیں۔دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ مسلمانوں سے کوئی معاہدہ کر کے اپنی جان و مال کی حفاظت کر لیں۔(روح المعانی: ص:۳۵ ج:۴ خازن: ص:۲۹۵ ج:۱ بحر محیط: ص:۲ ج:۳)

بعض علماء نے یہ بھی تفسیر کی ہے کہ وہ اہل کتاب گرجے میں گوشہ نشین ہوں، اور اپنی عبادت میں مشغول رہیں اگرچہ وہ عبادت ان کو فائدہ نہیں دے گی، اور وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک بھی نہ ہوں، اور نہ دشمنان اسلام کو مشورہ دیتے ہوں تو ایسے اہل کتاب کو قتل نہیں کیا جائے گا۔اور یہی ان کی عورتوں اور بچوں کا حکم ہے، کہ ان کو قتل نہیں کیا جائے گا صرف ان لوگوں کو قتل کرنے کا حکم ہے جو مسلمانوں سے برسر پیکار ہوں۔

حَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی پناہ وذمہ میں آجائیں، اس سے مراد معاہدہ اور صلح ہے خواہ کفار سے ہو یا مسلمانوں سے ہو، جیسا کہ موجودہ حکومت اسرائیل کی صورتحال ہے۔جو کسی صاحب بصیرت پر مخفی نہیں کہ اسرائیل کی حکومت درحقیقت اہل یورپ وامریکا کی مشترکہ چھاؤنی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔اس کی جو کچھ قوت نظر آتی ہے وہ سب غیروں کے بل بوتے پر ہے، اگر یورپ اور امریکا آج اس پر سے اپنا ہاتھ اٹھالیں تو وہ ایک دن اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتی۔ (معارف القرآن: ص:۱۵۲ ج:۲ م ش د)

وَبَآءُوۡ: یہود کی رسوائی ❷: مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے اور جمادی گئی ان پر پستی۔ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ الخ اسباب رسوائی: ❶ آیات الٰہیہ احکام الٰہیہ کا انکار کرنا۔❷ انبیاء کا ناحق قتل کرنا ہے۔❸ دائرہ اطاعت سے خروج ہے۔

﴿۱۱۳﴾لَيۡسُوۡا سَوَآءً...الخ منصفین اہل کتاب کے اوصاف ومدح: یعنی اہل کتاب سب برابر نہیں بلکہ بعض اچھے آدمی بھی ہیں جو دین حق پر قائم ہیں۔"اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو گروہ ہدایت یافتہ اللہ کے امر پر قائم رہنے والا ہے وہ اس سے مراد ہے۔ (خازن: ص:۲۹۵ ج:۱ مظہری: ص:۱۲۲ ج:۲ معالم التنزیل: ص:۲۶۸ ج:۱)

﴿۱۱۵﴾وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالۡمُتَّقِيۡنَ: بقیہ مدح: حضرت شاہ صاحب موضح القرآن میں لکھتے ہیں کہ یہود میں سے پانچ سات آدمی حق پرست تھے مسلمان ہو گئے ان کے سردار عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تھے، حق تعالیٰ ہر جگہ اہل کتاب کی مذمت میں سے ان کو نکال لیتا ہے یہ بھی ان ہی کا ذکر تھا۔

﴿۱۱۶﴾اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا...الخ مذمت مصرین علی الکفر: یعنی جو لوگ اہل کتاب میں سے مسلمان نہیں ہوئے اور اپنے کفر پر قائم اور مصر رہے یہ ان کی مذمت ہے۔وَاُولٰٓئِكَ: نتیجہ۔

﴿۱۱۷﴾مَثَلُ مَا يُنۡفِقُوۡنَ...الخ کفار کے مال ضائع کرنے کی مثال: اس میں "ما" مصدریہ ہے یعنی خرچ کرنا اس سے مراد یہ کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں مال خرچ کرتا ہے، جیسے کفار قریش لڑائیوں میں کرتے تھے۔یا ثواب کی امید میں خرچ کرنا جیسے یہودی اپنے علماء کے لیے خرچ کرتے تھے، اور کفار قریش بتوں کے لیے خرچ کیا کرتے تھے، یا دکھاوے کے لیے

خرچ کرنا جیسے منافق کرتے تھے۔ (مظہری: ص: ۱۲۳، ج: ۲)

اسی حالت کو اللہ پاک نے بیان کیا "كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ"۔ جیسے وہ ہوا جس میں سخت سردی ہو۔ جیسے سخت سرد ہوا ظالموں کی کھیتی کو تباہ اور جلا ڈالتی ہے، اسی طرح کافروں کا مال خرچ کرنا بغیر ایمان کے بھی تباہی کا موجب ہے، نہ دنیا میں اس کا کوئی فائدہ حاصل ہے اور نہ آخرت کے عذاب سے بچاؤ کے لیے ذخیرہ ہے۔

﴿۱۱۸﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ...الخ یہود سے دوستی کی ممانعت : ربط : اوپر اہل کتاب خصوصاً یہود کی قباحتوں کا ذکر تھا، اب یہاں سے اہل ایمان کو حکم ہے کہ ان سے دوستانہ تعلق مت رکھو۔

شانِ نزول : مدینہ کے اطراف میں جو یہودی آباد تھے، ان کے ساتھ اوس اور خزرج کے لوگوں کی قدیم زمانہ سے دوستی چلی آرہی تھی، انفرادی طور پر بھی ان قبیلوں کے افراد ان کے افراد سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے، اور قبائلی حیثیت سے بھی یہ اور یہود ایک دوسرے کے ہمسایہ اور حلیف تھے، جب اوس اور خزرج کے قبیلے مسلمان ہو گئے، تو اس کے بعد بھی وہ یہود کے ساتھ پرانے تعلقات نبھاتے رہے، اور ان کے افراد اپنے سابق یہودی دوستوں سے اسی محبت وخلوص کے ساتھ ملتے رہے، لیکن یہودیوں کو حضرت خاتم الانبیاء ﷺ سے اور آپ کے لائے ہوئے دین سے جو عداوت تھی، اس کی بناء پر وہ کسی ایسے شخص سے مخلصانہ محبت رکھنے کے لیے تیار نہ تھے، جو اس دعوت کو قبول کر کے مسلمان ہو گیا ہو انھوں نے انصار کے ساتھ ظاہر میں تو وہی تعلقات رکھے جو پہلے سے چلے آرہے تھے، مگر دل میں اب وہ ان کے دشمن ہو چکے تھے۔

اور اسی ظاہری دوستی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کی جماعت میں اندرونی فتنہ وفساد برپا کر دیں، اور ان کے جماعتی راز معلوم کر کے ان کے دشمنوں تک پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ یہاں سے ان کی اس منافقانہ روش سے مسلمانوں کو محتاط رہنے کی ہدایت فرما رہے ہیں، اور ایک نہایت اہم ضابطہ بیان فرماتے ہیں کہ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ" یعنی اے ایمان والو! اپنے (مسلمانوں کے) علاوہ کسی کو گہرا اور رازدار دوست نہ بناؤ، "بِطَانَةً" کے معنی ہیں، ولی دوست، رازدار اور بھیدی، کپڑے کا باطنی استر جو جسم سے ملا رہتا ہے وہ بھی "بطانة" کہلاتا ہے۔

امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں اور علامہ قرطبی تفسیر قرطبی میں "بطانة" کے معنی بیان کرتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ "بطانة" اس شخص کو کہا جاتا ہے جو رازدار، ولی اور دوست سمجھا جائے، اور اس کو اپنے معاملات میں معتمد اور مشیر بنایا جائے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو حکم ہے کہ اپنی ملت والوں کے سوا کسی کو اس طرح کا معتمد اور مشیر نہ بناؤ کہ اس سے ملت اسلامیہ کے راز کھل جائیں گے باقی غیر مسلموں سے ہمدردی، خیر خواہی کی جائے اسلام نے اس کی اجازت دی ہے اور آنحضرت ﷺ سے عملی طور پر یہ ثابت بھی ہے، مگر قانون اسلام کے منکروں اور باغیوں سے تعلقات ایک خاص حد سے آگے بڑھانے کی اجازت مسلمانوں کو نہیں دی جاسکتی کہ اس سے فرد اور ملت دونوں کے لیے ضرر اور خطرے کھلے ہوئے ہیں، اور یہ ایسا صریح اور ضروری انتظام ہے جس سے فرد اور ملت دونوں کی حفاظت ہوتی ہے جو غیر مسلم اسلامی مملکت کے باشندے ہیں یا مسلمانوں سے کوئی معاہدہ کیے ہوئے ہیں، ان کے متعلق آنحضرت ﷺ کی تعلیمات اور ان کی حفاظت کے لیے انتہائی تاکیدات اسلامی قانون کا جزء ہیں۔ (معارف القرآن م ش د: ص: ۱۵۷، ج۔ ۲)

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت میں خارجی، رافضی اور اہل بدعت بھی شامل ہیں، ان سے بھی دوستی نہ رکھی جائے۔ (مظہری: ص: ۱۲۴، ج۔ ۲)

لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا : وجہ ممانعت ❶ یعنی وہ لوگ تمہیں وبال اور فساد میں مبتلا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے اور

تمہیں دکھ پہنچانے اور پہنچنے کی آرزو رکھتے ہیں۔ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ یہ فقرہ کافرانہ ذہنیت کا پورا ترجمان ہے۔اس کے اندر گہری تعلیم اس بات کی آگئی کہ غیر مسلم کسی حال میں مسلمانوں کا حقیقی دوست اور خیر خواہ نہیں ہوسکتا۔اس کے بعد فرمایا گیا۔

هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ : تنبیہ مؤمنین : یعنی تم ایسے ہو کہ ان سے محبت رکھتے ہو اور یہ تم سے ذرا محبت نہیں رکھتے اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو۔وَاِذَا لَقُوْكُمْ : سلوک المنافقین بالمؤمنین: اور وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر انگلیاں غصہ سے کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔قُلْ مُوْتُوْا : جواب سلوک : آپ کہہ دیجئے تم مرتے رہو اپنے غصہ میں۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یہاں کہنے کا حکم ظاہراً صرف حضور ﷺ کو ہے مگر آپ کے تابعین اس خطاب میں بھی تابع رہیں گے۔آگے اس کافرانہ ذہنیت کی مزید توضیح کا بیان ہے۔اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ : کیفیت اہل کتاب : فرمایا! ان لوگوں کی کیفیت اور حال یہ ہے کہ اگر تمہیں کوئی اچھی حالت پیش آجائے تو یہ ان لوگوں کو دکھ پہنچاتی ہے اور اگر تم پر کوئی بری حالت آپڑے ہے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔وَاِنْ تَصْبِرُوْا : تسلی مؤمنین : منافقین کے مکروفریب اور شدید مخالفین کے عناد اور مخالفت کے نتائج سے محفوظ رہنے کا آسان اور سہل الاصول نسخہ یہ بیان کیا گیا کہ اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کئے رہو تو تم کو ان کی چالیں ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔(معارف القرآن: ص:۱۶۵: ج:۲: م ش د)

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾

اور جب آپ صبح کے وقت نکلے اپنے گھر سے آپ ٹھکانے مقرر کرتے ایمان والوں کے لئے لڑائی کے واسطے اور اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے ﴿۱۲۱﴾

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

جب خیال کیا تم میں سے دو گروہوں نے کہ وہ بزدل ہوجائیں اور اللہ تعالیٰ ہی ان کا ولی ہے اور چاہئے کہ

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں ﴿۱۲۲﴾ البتہ تحقیق اللہ نے تمہاری مدد کی ہے بدر کے مقام میں اور تم نہایت کمزور اور بے سروسامان تھے پس ڈرو اللہ سے تاکہ تم شکر ادا کرسکو ﴿۱۲۳﴾

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ

اور جب آپ ایمان والوں سے کہہ رہے تھے کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ تم کو مدد پہنچائے تمہارا پروردگار تین ہزار

الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ

اتارے ہوئے فرشتوں سے ﴿۱۲۴﴾ کیوں نہیں اگر تم صبر کرتے رہو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے اور تمہارے دشمن اسی وقت تمہارے پاس یکدم آجائیں تو

رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ

تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا جو نشان لگانے والے ہوں گے ﴿۱۲۵﴾ اور نہیں بنائی اللہ نے (تمہاری یہ امداد فرشتوں کے نزول سے) مگر تمہارے لیے خوشخبری

وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ

اور تا کہ تمہارے دل مطمئن ہوں اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے جو غالب ہے اور کمال حکمت کا مالک ہے ﴿۱۲۶﴾ تا کہ قطع کردے ایک گروہ کو

طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ

ان لوگوں میں سے جنہوں نے کفر کیا یا ان کو ذلیل کردے پس وہ ناکام ہو کر لوٹیں ﴿۱۲۷﴾ اے پیغمبر! نہیں آپ کے لئے اس معاملہ میں

شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

کچھ اختیار اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرلے یا ان کو سزا دے کہ وہ ظلم کرنے والے ہیں ﴿۱۲۸﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۳

اللہ تعالیٰ بخشتا ہے جس کو چاہے اور سزا دیتا ہے جس کو چاہے اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے ﴿۱۲۹﴾

﴿۱۲۱﴾ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ ... الخ ربط آیات: اوپر ذکر تھا "اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا" کہ اگر تم نے صبر کیا اور تقویٰ کو اختیار کیا تو دنیا کی کوئی تدبیر تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی، آگے فرماتے ہیں کہ تم نے بدر میں صبر اور تقویٰ علیٰ وجہ الکمال اختیار کیا تو کامیابی اور فتح نصیب ہوئی، اور احد میں صبر اور تقویٰ کامل طور پر اختیار نہ کیا جس کی وجہ سے شکست ہوئی۔

خلاصہ رکوع ۱۳ آغاز داستان غزوہ احد، قبیلہ بنو سلمہ اور بنو حارثہ کی بزدلی کا اظہار، نصرت غزوہ بدر، غزوہ بدر میں نصرت الٰہی کا تفصیلی نمونہ۔ ا۔ ۲۔ شرائط نصرت۔ ا۔ ۲۔ فرشتوں کے ذریعہ امداد کی حکمت۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ اعادہ جنگ احد کی باقی داستان، حصر المالکیت سے گزشتہ مضمون کی تاکید۔ ماخذ آیات ۱۲۱: تا ۱۲۹ +

غزوہ احد کا پس منظر

ہجرت کے تیسرے سال غزوہ احد پیش آیا، مشرکین مکہ کو غزوہ بدر میں بہت بڑی شکست ہوئی، جس میں تین سو تیرہ مسلمان خالی ہاتھ مشرکین مکہ کی تین گنا تعداد پر غالب آئے تھے، مشرکین کے ستر آدمی قتل ہوئے، اور ستر کو قیدی بنا کر مدینہ منورہ لایا گیا، اس لیے قریش مکہ کو بدلہ لینے کی بڑی فکر تھی، ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک بدر کا بدلہ نہ لوں گا نہ غسل کروں گا اور نہ لباس تبدیل کروں گا۔

عکرمہ بن ابی جہل اور دوسرے نوجوانوں کی تقریروں اور عورتوں کی نوحہ خوانیوں نے قریش اور قبائل عرب کو غیرت اور اشتعال دلا کر جنگ کے لیے آمادہ کردیا، اس طرح تین ہزار کا لشکر جرار ابوسفیان کی قیادت میں مکہ سے نکل کر احد کے سامنے خیمہ زن ہوگیا، ادھر مسلمانوں کو جب ابوسفیان اور اس کے لشکر جرار کا علم ہوا تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو بلا کر ان سے مشورہ کیا کہ کس طرح جنگ کی جائے، مدینہ میں رہتے ہوئے لڑا جائے یا مدینہ سے باہر جا کر مقابلہ کیا جائے۔

آنحضرت ﷺ اور تجربہ کار صحابہ کا مشورہ تھا کہ مدینہ کے اندر رہ کر جنگ کی جائے مگر وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو جنگ بدر میں شرکت سے محروم ہوگئے تھے ان کی رائے تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر میدان میں دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے آنحضرت ﷺ نے جب اکثریت کا رجحان اسی طرف دیکھا تو آپ حجرہ شریف میں تشریف لے گئے سامان جنگ سے مسلح ہو کر باہر تشریف لائے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی رائے کے خلاف بات دیکھی تو اظہار ندامت کرتے ہوئے عرض کیا کہ مدینہ ہی کہ اندر رہ کر دشمنوں کا مقابلہ مناسب ہے، یہ

سن کر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا نبی کے شان کے یہ خلاف ہے کہ جب خدا کی راہ میں ہتھیار لگالے پھر معرکہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہونے سے پہلے ہتھیار اتار دے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ مدینہ سے باہر تشریف لائے، مگر عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین اپنے تین سو ساتھیوں سمیت واپس لوٹ آیا، یہ کہہ کر کہ جب میرا مشورہ نہ مانا اور دوسروں کی رائے پر عمل کیا تو ہمیں لڑنے کی ضرورت نہیں، بالآخر سات سو صحابہ کا لشکر احد کی جانب بڑھا آپ نے خود جنگ کی قیادت فرمائی، اور صفوں کو ترتیب دی ہر ایک دستہ کو اس کے مناسب مقام پر رکھا، اور فرمایا کہ جب تک میں حکم نہ دوں اس وقت تک قتال نہ کرنا، اس دوران مدینہ کے دو قبیلے بنوسلمہ اور بنو حارثہ عبداللہ بن ابی کے طرز عمل کو دیکھ کر ان کے دلوں میں تردد پیدا ہوا جس کی بناء پر ان کا ارادہ ہوا کہ میدان جنگ سے علیحدہ ہو جائیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور میدان جنگ میں ثابت قدم رکھا۔

الغرض آنحضرت ﷺ کے ساتھ سات سو آدمی رہ گئے، آپ نے احد کے پہاڑ کے قریب صف بندی کی اور عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ صحابی کو پچاس تیر اندازوں پر افسر مقرر کر کے ایک مورچہ لشکر کی پشت کی طرف مقرر فرمایا کہ اس مورچہ کی حفاظت رکھو، تا کہ دشمن ہماری پشت کی طرف سے نہ آئے، اور یہیں سے تیر اندازی کرتے رہو۔ چنانچہ لڑائی میں مسلمان غالب آگئے اور انہوں نے سمجھا کہ اب وہ حکم ختم ہو گیا ہے بارہ آدمیوں کے سوا سب کفار کے تعاقب اور مال غنیمت کے جمع کرنے میں مشغول ہو گئے، کفار نے موقع پا کر مورچہ پر قبضہ کر لیا، اور پیچھے سے حملہ کر دیا، آگے بھی کفار اور پیچھے بھی کفار اور اسی حالت میں آنحضرت ﷺ کا دندان مبارک یعنی اس کا ایک ریزہ شہید ہو گیا، اور کسی کافر نے آواز بلند کی کہ (نعوذ باللہ) محمد ﷺ قتل ہو گئے۔ اس اچانک آواز پر مسلمانوں کی پریشانی بڑھ گئی، ایک جماعت کے علاوہ سب کے پاؤں اکھڑ گئے، اور ایسے موقع پر ایسا ہو جانا کوئی ناممکن معاملہ نہیں تھا۔ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ : آغاز داستان احد : اہل سے مراد باجماع مفسرین ومحدثین وعلماء سیرت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ سے نکلنا مراد ہے جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ (قرطبی: ص:۱۸۰: ج:۴، معالم التنزیل: ص:۲۰۷: ج:۱، روح المعانی: ص:۵۰: ج:۳، بحر محیط: ص:۵۰: ج:۳، خازن: ص:۲۹۴: ج:۱، کبیر: ص:۲۳۶: ج:۸)

مواعظ ونصائح

غزوہ احد کے دن آپ کی حالت: غزوہ احد کے بارے میں لوگوں نے مشتعل کر دیا یعنی نامناسب بات کہہ کر آپ کو مشتعل کر دیا، اور اس موقع پر آپ نہ جوش میں آئے اور نہ غصہ ہوئے بلکہ پُرسکون رہے تو لوگ اس کے خلاف اور آپ کے حامی ہو جائیں گے۔

جنگ بدر میں کفار قریش کو عبرتناک شکست ہوئی تھی۔ ان کے ستر (۷۰) آدمی قتل ہوئے تھے اور ستر قید ہوئے تھے۔ باقی لشکر زخموں سے چور ہو کر پسپا ہو گیا تھا۔

اس دوران ابوسفیان کا تجارتی قافلہ شام سے واپس مکہ پہنچ گیا تھا۔ قریش کے سر برآوردہ لوگ جن کے باپ، بیٹے اور بھائی جنگ بدر میں مارے گئے تھے وہ ابوسفیان اور ان لوگوں سے ملے جن کا مال اس تجارتی قافلہ میں آیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ "اے قریش! محمد نے تمہیں بہت نقصان پہنچایا ہے، تمہارے اعزا و اقارب اور بڑے بڑے لوگوں کو قتل کر دیا ہے۔ لہٰذا تمہارا جو مال اس قافلہ میں آیا ہے اس سے ہماری مدد کرو تا ہم اس سے بدلہ لے سکیں۔

وہ لوگ راضی ہو گئے اور ان کا ایک بڑا لشکر جنگی ساز و سامان سے لیس ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس میں ان کے اتحادی بنی کنانہ اور اہل تہامہ بھی شامل ہو گئے۔ قریش کے اکثر بڑے لوگ اپنی بیویوں کو بھی ساتھ لے کر چلے تھے تا کہ کوئی جنگ سے بھاگ نہ سکے۔ کافروں کے اس لشکر جرار نے مدینہ کے سامنے ایک وادی کے کنارے پڑاؤ ڈالا۔

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب کفار کی آمد کی خبر سنی تو صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ آپ نے پوچھا کہ ''ہم مدینہ میں رہیں اور جب یہ مدینہ میں جنگ کرنے آئیں تو ہم یہاں ان کا مقابلہ کریں۔ تمہاری کیا رائے ہے؟''

جو لوگ جنگِ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے انہوں نے کہا ''یا رسول اللہ! ہم مدینہ سے باہر نکل کر مقامِ اُحد پر اُن سے جنگ کریں تو بہتر ہے۔'' ان لوگوں نے یہ مشورہ اس لیے دیا تا کہ ان کو بھی وہی فضیلت حاصل ہو جائے جو اہل بدر کو حاصل ہو چکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر اپنے گھر تشریف لے گئے اور جنگ کا لباس اور ہتھیار زیب تن فرما کر باہر تشریف لائے۔ ان لوگوں نے جب دیکھا کہ آپ لباسِ جنگ پہن کر بالکل تیار ہو گئے ہیں تو نادم ہوئے اور محسوس کیا کہ شاید ہم نے آپ کو خلافِ مرضی مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے پر مجبور کیا ہے۔

یہ سوچ کر انہوں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! اگر آپ چاہیں تو ہم مدینہ میں ہی ٹھہرتے ہیں، کیونکہ صحیح رائے تو وہی ہوگی جو آپ دیں گے۔'' آپ نے فرمایا: ''کسی نبی کے شایانِ شان نہیں کہ وہ ہتھیار اور جنگی لباس پہن کر اُتار دے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور دشمن کے مابین فیصلہ نہ فرما دے۔''

ابوسفیان اور دیگر مشرکین آگے بڑھ کر جبل اُحد پر جمع ہو گئے۔ یہ دیکھ کر وہ مسلمان جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے دشمن کے آگے بڑھ کر آنے سے بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے: ''اللہ تعالیٰ نے ہماری آرزو پوری کر دی۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: ایسا کون ہے جو ہمیں دشمن تک مختصر راستہ سے لے جائے، ایسا راستہ ہو جو ان کے قریب سے نہ گزرتا ہو؟''

حضرت ابوخیثمہ حارثیؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میں لے چلوں گا۔''

پھر وہ اپنے قبیلہ بنی حارثہ کی زمین کے راستہ ان کے کھیتوں اور مکانات کے درمیان سے آپ کو لے چلے یہاں تک کہ وہ مربع ابن قیظی نامی ایک شخص کی زمین اور نخلستان میں سے ہو کر گزرے۔ اس منافق شخص کی نظر کمزور تھی اس نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ہمراہ مسلمان مجاہدین کے آنے کی آہٹ سنی تو ان کے اوپر مٹی اٹھا کر پھینکنے لگا، اور کہنے لگا: ''اگر تم اللہ کے رسول ہو تو میں تمہیں اپنے نخلستان میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔'' پھر اس خبیث نے اپنی مٹھی میں مٹی اٹھائی اور کہنے لگا: ''اے محمد! خدا کی قسم اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ مٹی دوسرے پر بھی پڑ جائے گی تو میں اس کو تمہارے منہ پر پھینکتا''۔

یہ گستاخانہ بات سن کر صحابہ کرامؓ اُسے مارنے کے لیے دوڑے تا کہ اُسے تمیز سکھائیں۔ ممکن تھا کہ وہ اسے قتل کر دیتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کو قتل نہ کرو، کیوں کہ یہ اندھا ہے دل کا بھی اندھا ہے اور آنکھوں کا بھی اندھا ہے۔''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لے گئے اور اس منافق کی طرف کوئی توجہ نہیں دی کیونکہ آپ سنجیدہ اور باوقار، نیز دانا اور حکیم تھے، احمقوں کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے، اور نہ گھٹیا اور ذلیل لوگوں کی باتوں سے اپنے اعصاب کو متاثر ہونے دیتے تھے۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کی بات مان لی: ایک عرب شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ:

''اگر تم ہر بھونکنے والے کتے کو پتھر مارتے رہو گے تو (پتھر اتنے کمیاب ہو جائیں گے کہ) وہ سونے کے بھاؤ بکنے لگیں

گے)۔ کسی نے صحیح کہا ہے کہ "کتے بھونکتے رہتے ہیں اور قافلہ چلتا رہتا ہے۔"

یوم احد اور دکھ: اسی طرح زندگی میں ہمیں جو دکھ پہنچتے رہتے ہیں ان کو ہمیشہ یاد رکھنے اور ان کا ذکر کرتے رہنے کی کیا ضرورت ہمارے پیغمبر ﷺ کی زندگی میں بھی بڑے المناک واقعات گزرے ہیں۔ ایک دن آپ اپنی ہمدم وغمگسار زوجہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ خاموش بیٹھے ہوئے ہیں کہ انہوں نے آپ سے پوچھا۔

کیا آپ پر کوئی دن یوم اُحد سے بھی زیادہ سخت گزرا ہے؟ یہ سننا تھا کہ جنگ اُحد کے واقعات آپ کے حافظہ میں پھر گئے۔ آہ! کیسا سخت دن وہ! اس روز آپ کے چچا حمزہؓ شہید ہوئے جو آپ کو سب سے زیادہ عزیز تھے۔ اس روز آپ اپنے پیارے چچا کی نعش دیکھ رہے تھے کہ ان کی ناک اور کان کاٹ ڈالے گئے ہیں۔ پیٹ چیر دیا گیا ہے اور جسم کے ٹکڑے کر دیئے گئے ہیں۔

اس روز خود آپ کے دانت ٹوٹے، چہرہ مبارک زخمی اور خون آلود ہوا۔ اس روز آپ کے اصحاب کو آپ کے سامنے شہید کیا گیا۔ اس روز جب آپ مدینہ واپس تشریف لائے تو آپ کے ستر اصحاب شہادت پا کر کم ہو گئے تھے۔ آپ نے ان کی بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کو دیکھا کہ وہ اپنے احباب اور والدوں کو تلاش کر رہے تھے۔ واقعی یہ ایک بڑا سخت دن تھا۔ حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کے جواب کا انتظار کر رہی تھیں۔

آپ نے جواب میں فرمایا: تمہاری قوم (قریش) سے جو تکالیف اور ایذائیں مجھے پہنچی ہیں وہ اس سے بھی سخت تھیں۔ خصوصاً یوم عقبہ کے روز جب کہ میں نے اپنا پیغام اہل طائف کو پہنچایا۔ پھر آپ نے وہ پورے واقعات بیان فرمائے جو بنو ثقیف کو دعوت اسلام دینے میں پیش آئے۔ کس طرح ان کے سرداروں نے آپ کی تکذیب کی۔ ان کے بیوقوف غنڈوں نے آپ پر پتھراؤ کر کے آپ کو زخمی کیا۔ اور آپ کے پاؤں سے خون بہنے لگا۔ اپنی زندگی میں اتنی تکالیف اور اذیتیں سہنے کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ان واقعات کو اپنی زندگی کو خوشگوار رکھنے میں رکاوٹ نہ بننے دیا۔ اب وہ تکالیف آپ کی نظر میں توجہ کے لائق نہیں تھیں۔ مصائب گزر گئے تھے اور ان کے اچھے نتائج سامنے موجود تھے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ آپ رنج وغم میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کریں اور اسی طرح لوگوں کو بھی ملامت کا نشانہ بنا کر اور غم وافسوس میں مبتلا کر کے ان کی زندگی اجیرن نہ کریں۔

ہم کبھی کبھی بعض مشکلات ومسائل حل کرنے کے لیے احمق لوگوں کو منتخب کرتے ہیں جس سے وہ حل نہیں ہوسکتا۔

احنف بن قیس کی داستان: جس پر تاریخی واقعہ سنئے: احنف بن قیس اپنی قوم بنو تمیم کے سردار تھے۔ وہ اپنی قوم کے سردار اپنی جسمانی قوت کے بل پر نہیں بنے تھے۔ اور نہ مال کی کثرت یا عالی نسب کی بنا پر۔ بلکہ ان کو عقل و دانش اور حلم و برداشت کی صفات نے قوم کا سردار بنایا تھا۔

کچھ لوگوں کو کسی بات پر ان سے دشمنی ہو گئی تھی۔ انہوں نے اپنے میں سے ایک احمق شخص کو بلا کر اس سے کہا: "لو ہم یہ ایک ہزار درہم تمہیں دیتے ہیں بشرطیکہ تم ایک کام کرو، یہ کہ تم بن تمیم کے سردار احنف بن قیس کے پاس جاؤ اور اس کے منہ پر ایک چانٹا مار کے آجاؤ" وہ بیوقوف راضی ہو گیا اور وہاں گیا تو دیکھا کہ احنف کچھ لوگوں کے ساتھ سنجیدہ اور باوقار انداز میں ہنکل مارے بیٹھے ہیں، یعنی دونوں گھٹنوں کو سینے سے لگا کر کمر اور پنڈلیوں کو کپڑا باندھے بیٹھے ہیں، اور اپنے قبیلہ کے لوگوں سے باتیں کر رہے ہیں۔ وہ بیوقوف احنف قریب چلا گیا، اور آہستہ آہستہ اور قریب ہوتا گیا۔ جب وہ احنف کے پاس آ کر رک گیا تو احنف نے اس کی طرف سر بڑھایا کہ شاید یہ میرے کان میں کچھ کہنا چاہتا ہے۔

سر کے قریب آتے ہی اس احمق نے احنف کے منہ پر ایسا زوردار چانٹا لگایا کہ ان کا گال سرخ ہو گیا۔ احنف نے اس کو

پلٹ کر دیکھا، لیکن اپنی نشست اسی طرح رکھی، اور بڑے پرسکون انداز میں اس سے کہا: تم نے میرے چپٹ کیوں مارا؟
اس بیوقوف نے کہا: ''کچھ لوگوں نے مجھے اس کام کے لیے ایک ہزار درہم دیئے ہیں کہ میں بنوتمیم کے سردار کے منہ پر چپٹ ماروں۔'' احنف نے کہا: ''افسوس! تم نے وہ کام نہیں کیا بنوتمیم کا سردار میں نہیں ہوں۔ اوہ پوچھنے لگا ''عجیب بات ہے! پھر بنوتمیم کا سردار کہاں ہے؟'' احنف نے کہا: ''ذرا اُدھر دیکھو۔ کیا وہاں تمہیں ایک شخص تنہا بیٹھا ہوا نظر آرہا ہے؟ اس کے ایک طرف تلوار بھی رکھی ہے۔'' احنف نے جس شخص کی طرف اشارہ کیا تھا اس کا نام حارثہ بن قدامہ تھا۔ وہ غیظ وغضب میں بھرا بیٹھا تھا۔ اتنا غیظ وغضب تھا اس میں کہ اگر وہ ایک پوری قوم میں تقسیم کر دیا جائے تو کافی ہو جائے۔
اس احمق نے احنف سے کہا: ''وہاں! وہ مجھے وہاں بیٹھا نظر آرہا ہے۔'' احنف نے کہا: ''اچھا تو جلدی جاؤ اور اس کے چپٹ مارو، کیونکہ وہی بنی تمیم کا سردار ہے۔ وہ بیوقوف فوراً اٹھ کر حارثہ کی طرف چل دیا، وہ حارثہ کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہیں۔ وہ بیوقوف اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا، پھر ہاتھ اٹھا کر اس کے منہ پر بہت زور کا چانٹا مارا۔ لیکن جیسے ہی اس کا ہاتھ حارثہ کے گال سے الگ ہوا حارثہ نے اپنی تلوار اٹھائی اور اس بیوقوف کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ یہ نتیجہ نکلا احمق آدمی سے مسئلہ حل کرانے کا۔
﴿۱۲۲﴾ إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنكُمْ ... الخ قبیلہ بنوسلمہ اور بنوحارثہ کا بزدلی کا اظہار: یعنی مسلمانوں کی دو جماعتوں نے یعنی بنوسلمہ اور بنوحارثہ نے یہ قصد کیا ہمت ہار دیں۔ (خازن: ص:۲۹۵: ج:۱: روح المعانی: ص:۵۲: ج:۳: بحر محیط: ص:۶: ج:۳: قرطبی: ص:۱۸۲: ج:۴: کبیر: ۲۰۷: ج:۸: تفسیر منیر: ص:۷۱: ج:۴)
﴿۱۲۳﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ ... الخ غزوہ بدر کی نصرت: ربط: گزشتہ آیات میں جنگ احد کا ذکر تھا، اب یہاں سے جنگ بدر کا ذکر ہے۔

غزوہ بدر کا پس منظر

تحویل قبلہ کے کچھ دن بعد ماہ رمضان المبارک میں جنگ بدر کا وہ تاریخ ساز واقعہ پیش آیا جہاں پر حق نے باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دعوت مبارزت دی، اور تلواروں کی جھنکاروں میں نصرت الٰہی کا ظہور ہوا، اور باطل کی شکست کا ایک عملی اعلان تھا۔ بدر، ایک کنویں کا نام ہے۔ (معالم التنزیل: ص:۲۷۱: ج:۱: مظہری: ص:۱۳۱: ج:۲: ابن کثیر: ص:۲۶۹: ج:۲)
اسی مناسبت سے اس وادی کا نام بھی بدر ہے جہاں پر یہ کنواں واقع ہے۔ اس مقام پر حق وباطل کا یہ انقلابی معرکہ ہوا جس کو ہم غزوہ بدر کے نام سے یاد کرتے ہیں، کفار مکہ نے مسلسل مسلمانوں کا تعاقب جاری رکھا جب انہوں نے مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کی جڑوں کو مضبوط ہوتے اور اسلام کو پھلتے پھولتے ہوئے دیکھا تو مسلمانوں کو دنیا سے نیست ونابود کرنے کے لیے جنگی منصوبہ بنایا، جس کی مالی فراہمی کی غرض سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان بن حرب کی قیادت میں شام پہنچا۔
واپسی میں آنحضرت ﷺ کو اس قافلہ کی اطلاع ملی، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قافلہ میں ابوسفیان بن حرب، عمرو بن العاص، مخرمہ بن نوفل جیسے بڑے بڑے سرداران قریش کے ساتھ مزید تیس چالیس آدمی اور قریش کا بہت زیادہ مال تجارت ہے، آپ کو جب اطلاع ملی تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا یہ قریش کا قافلہ ہے، جنہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا، اور تمہارے اموال پر ناجائز قبضہ کر لیا، چلو شاید اللہ تعالیٰ تم کو اس کا بدلہ دلا دے۔
مسلمان بڑی عجلت میں بے سروسامانی کے عالم میں چل دیے، قریش کے جاسوس بھی لگے ہوئے تھے، جب آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو ابوسفیان کو اس کی اطلاع ہو گئی تھی، اس نے ضمضم بن عمر الغفاری کو اجرت دے کر مکہ بھیجا کہ قریش کا تجارتی قافلہ بھنور

میں ہے، اس کو بچانے کی کوشش کی جائے اور خود راستہ بدل کر دریا کی جانب سے روانہ ہو گیا جب مسلمانوں کی زد سے بچ گیا، تو پھر اس نے مکہ کی طرف ایک قاصد روانہ کیا کہ اس کا تجارتی قافلہ صحیح سالم مکہ پہنچ جائے گا لیکن قریش اس دوران اپنے قافلہ کے لیے نکل چکے تھے۔

آپ نے دوبارہ مسلمانوں سے مشورہ کیا تجارتی قافلہ تو نکل گیا ہے، اب ہمارے سامنے دو شکلیں ہیں یا تو ہم مدینہ واپس ہو جائیں یا قریش کے اس قافلے سے ٹکرا جائیں، بالآخر جنگ کا مشورہ ہوا اور ۲۳ رمضان المبارک سن ۲ ہجری میں یہ تاریخی معرکہ پیش آیا، جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے ہمکنار کیا اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ میں مسلمانوں کی بے سروسامانی اور فتح و نصرت کا تذکرہ کیا ہے "وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ" یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کر چکا ہے حالانکہ تم کمزور تھے قلت تعداد میں، قلت آلات حرب میں قلت ماء یعنی پانی اور میدان کی ناموافقت (صحابہ کرام ریتیلی زمین کی طرف تھے اور کفار عمدہ زمین کی طرف) کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مدد دی اور فتح ہوئی۔

﴿۱۲۴﴾ اِذْ تَقُوْلُ الخ بدر میں نصرت الٰہی کا تفصیلی نمونہ:۔

﴿۱۲۵﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا الخ شرائط نصرت۔ ❶، ❷

وَيَاْتُوْكُمْ ...الخ نصرت الٰہی کا نمونہ ❷ جنگ بدر میں تین وعدے تھے: پہلا وعدہ ایک ہزار کا تھا دوسرا تین ہزار کا، تیسرا پانچ ہزار کا، پہلے وعدہ کے سبب کی تصریح (سورۃ انفال کی آیت ۹) میں ہے کہ وہ استغاثہ اور دعا ہے۔ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ: تین ہزار فرشتوں کے آنے کا سبب مشرکین کے لیے امداد آنے کی خبر پا کر سب کا پریشان ہونا ہے، اور تیسرے وعدے کا سبب خود اس آیت میں موجود ہے کہ یہ لڑائی کے وقت صبر اور تقویٰ ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ بیان القرآن میں لکھتے ہیں: جنگ بدر میں فرشتوں کی وضع سفید عمامے جن کا شملہ کمر پر پڑا تھا، اور جنگ حنین میں سرخ عمامے تھے۔

﴿۱۲۶﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ ...الخ فرشتوں کے ذریعہ امداد کی حکمت ❶ اس میں حکمت یہ ہے کہ فرشتوں کے نزول سے اصل مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کو خوشخبری حاصل ہو۔ حکمت ❷ اور ان کے دلوں کو سکون ہو ورنہ ایک فرشتہ بھی کفار کو نیست و نابود کر سکتا تھا۔

﴿۱۲۷﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا ...الخ حکمت ❸ اوپر امداد بالملائکہ کی حکمت کا ذکر تھا اب آگے اس بات کی حکمت کا بیان ہے کہ یہ فتح و غلبہ تمہیں اس لیے عطا کیا گیا ہے تا کہ تم کفار میں سے ایک گروہ کو ہلاک کرو چنانچہ ستر کافر مارے گئے۔ اَوْ يَكْبِتَهُمْ: حکمت ❹ یا ان کو ذلیل و خوار کر دو۔ چنانچہ ستر قید ہو کر ذلیل ہوئے۔ باقی ذلیل و خوار ہو کر بھاگ گئے۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ الخ اعادہ جنگ احد کی باقی داستان: احد میں دراصل مسلمانوں کو اپنی غلطی کی وجہ سے شکست ملی، اور آنحضرت ﷺ کو اس کا سخت رنج ہوا، اس لیے آپ نے صبح کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد نام لے کر کفار پر بددعا شروع کی، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا کہ نام لے کر بددعا نہ فرمائیں۔ (خازن، ص: ۲۹۹، ج۔۱)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں حق تعالیٰ نے پیغمبر کو تربیت فرمائی کہ تیرے اختیار میں نہیں، اللہ تعالیٰ جو چاہے سو کرے اگرچہ کافر تمہارے دشمن ہیں اور ظلم پر ہیں، لیکن وہ چاہے تو ان کو ہدایت دے اور اگر چاہے تو ان کو عذاب دے اپنی طرف سے بددعا نہ کریں۔ ﴿۱۲۹﴾ حصر المالکیت باری سے گزشتہ مضمون کی تاکید: کیونکہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ انہی کفار میں سے بعض کو آئندہ دولت اسلام کی ہدایت عطا کرے اور سابقہ ساری غلطیاں معاف کر دے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

اے ایمان والو مت کھاؤ سود دگنے پر دگنا اور ڈرو اللہ سے تا کہ تم

تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ

فلاح پاجاؤ ﴿۱۳۰﴾ اور ڈرو اس آگ سے جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ﴿۱۳۱﴾ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اللہ کے رسول کی تا کہ تم

تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ

پر رحم کیا جائے ﴿۱۳۲﴾ اور سبقت کرو بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور جنت کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین کی طرح ہے

اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ ۙ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ

وہ تیار کی گئی ہے متقیوں کے لئے ﴿۱۳۳﴾ وہ جو خرچ کرتے ہیں خوشی کی حالت میں اور تکلیف کی حالت میں اور وہ جو غصے کو دباتے ہیں

وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ ۚ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً

اور وہ لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۳۴﴾ اور وہ لوگ کہ جب وہ کوئی بے حیائی کی بات کر بیٹھتے ہیں

اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪ۙ

یا اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں تو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اور بخشش طلب کرتے ہیں اپنے گناہوں کے لیے اور کون ہے جو گناہوں کو بخشتا ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے

وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ

اور وہ اصرار نہیں کرتے اس پر جو انہوں نے کیا اور وہ جانتے ہیں ﴿۱۳۵﴾ یہی لوگ ہیں کہ ان کا بدلہ یہ ہے کہ ان کے

رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

رب کی طرف سے بخشش ہوگی اور باغات ہوں گے جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی ان میں ہمیشہ رہیں گے اور اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا ﴿۱۳۶﴾

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

تحقیق گزر چکے ہیں تم سے پہلے واقعات پس چلو پھرو زمین میں دیکھو کیسے ہوا

الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا

جھٹلانے والوں کا انجام ﴿۱۳۷﴾ یہ لوگوں کے لئے بیان اور متقیوں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے ﴿۱۳۸﴾ اور نہ سست ہو

وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ

اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی بلند رہو گے اگر تم ایماندار ہوئے ﴿۱۳۹﴾ اگر پہنچا ہے تم کو زخم پس بے شک

مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ

پہنچا ہے ان لوگوں کو بھی زخم اس جیسا اور یہ زمانے کے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے ہیں اور تا کہ اللہ تعالیٰ ممتاز کردے ان لوگوں کو

اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۙ﴿۱۴۰﴾ وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ

جو ایمان لائے اور تا کہ بنائے تم میں سے شہید اور اللہ ظلم کرنے والوں کے ساتھ محبت نہیں کرتا ﴿۱۴۰﴾ اور تا کہ اللہ تعالیٰ پاک کردے ان لوگوں کو

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَمْحَقَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ

جو ایمان لائے اور مٹادے اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو ﴿۱۴۱﴾ کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہوجاؤ گے اور ابھی تک اللہ نے

اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ

ظاہر نہیں کیا ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور ظاہر نہیں کیا ان لوگوں کو جنہوں نے صبر کیا ﴿۱۴۲﴾ اور البتہ تحقیق تم تمنا کرتے تھے موت کی قبل

قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۪ فَقَدْ رَاَیْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع

اس کے کہ تم اس سے ملتے پس بے شک تم نے دیکھ لیا اس کو اور تم آنکھوں کے سامنے اس کو تک رہے ہو ﴿۱۴۳﴾

۱۴ ع ۱۴ ۵

﴿۱۳۰﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ... الخ ربط آیات: تفسیر ابوالسعود وغیرہ میں ہے کہ پہلے صبر اور تقویٰ کا ذکر تھا۔ اب آگے اصول کامیابی اور ان چیزوں کا ذکر ہے جو تقویٰ کو ختم کرنے والی ہیں اس میں سود خوری سر فہرست ہے۔

خلاصہ رکوع ۱۴ اصول کامیابی۔۱۔۲۔۳۔۴۔۵۔ثمرہ، اوصاف محسنین۔۱۔وصف۔۲۔اوصاف تائبین۔۱۔۲۔بشارت اخروی، بیان مذکور، تسلی مؤمنین۔۱۔۲۔۳۔اہل ایمان کو تسلی داستان احد کی چھ حکمتیں۔۱۔دستور خداوندی۔۲۔۳۔۴۔۵۔تنبیہ مؤمنین۔۱۔۲۔ماخذ آیات: ۱۳۰: تا ۱۴۳+

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ... الخ اصول کامیابی ❶ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ کفار سودی کاروبار کرتے تھے، اور جو ان کو نفع حاصل ہوتا تھا، اس سے لڑائیوں میں خرچ کرتے تھے، چنانچہ احد کی لڑائی میں جو مال خرچ کیا وہ وہی مال تھا جو اس قافلہ کی تجارت سے نفع حاصل ہوا، اور جو بدر کے سال شام سے آیا تھا، اب حق تعالیٰ مسلمانوں کو سود سے ڈراتے ہیں کہ تم کفار کی طرح یہ خیال نہ کرنا کہ ہم بھی سودی کاروبار سے جنگوں میں مدد لیں گے خوب سمجھ لو کہ سودی کاروبار کرنا اللہ سے جنگ مول لینا ہے، مسلمانوں کو اس سے دور رہنا چاہیے۔ (معارف القرآن)

اس آیت میں جو "اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً" کا لفظ آیا ہے وہ قید احترازی نہیں، بلکہ توبیخ اور سرزنش کے لیے ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ کم کھانا جائز ہے مگر زیادہ ناجائز ہے بلکہ بالکلیہ جائز نہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں شاید سود کا ذکر یہاں اس لیے فرمایا کہ اوپر مذکور ہوا کہ سود کھانا جہاد میں نامردی (یعنی بے ہمتی) کا سبب ہے اس لیے کہ سود کھانے سے نامردی (بے ہمتی) آتی ہے، دو واسطے سے ایک تو اس لیے کہ مال حرام کھانے سے توفیق طاعت کم ہوتی ہے اور جہاد بڑی طاعت ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ سود لینا کمال بخل کی علامت ہے تو جس کو مال پر اتنا بخل ہے وہ جان کب دے گا۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ ❷

﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ ❸ ﴿۱۳۲﴾ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ ❹ ﴿۱۳۳﴾ وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ ❺ ربط: اوپر دوزخ سے بچنے کا ذکر تھا، اب یہاں سے اصول کامیابی یعنی جنت لینے کا ذکر ہے۔ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا: ثمرہ۔

جنت کی تفصیلات

جنت کا ثبوت: جنت حق ہے، اس پر ایمان لانا فرض ہے یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے انعام کی جگہ ہے، اس کی لمبائی، چوڑائی بے حد وحساب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ"۔ (ق۔۳۱)

ترجمہ اور پرہیزگاروں کے لیے جنت اتنی قریب کردی جائے گی کہ کچھ بھی دور نہ رہے گی۔

جنت کا وجود: جنت پیدا ہوچکی ہے اور اس وقت موجود ہے۔

چنانچہ حدیث پاک میں کہ: "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ۔ قَالَ: "لَمَّا خَلَقَ اللهُ الْجَنَّةَ قَالَ لِجِبْرِيلَ: اذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا۔ فَذَهَبَ فَنَظَرَ إِلَيْهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: أَيْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَهَا ثُمَّ حَفَّهَا بِالْمَكَارِهِ ثُمَّ قَالَ يَا جِبْرِيلُ اذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَذَهَبَ فَنَظَرَ إِلَيْهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: أَيْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ لَا يَدْخُلَهَا أَحَدٌ"۔ قَالَ: "فَلَمَّا خَلَقَ اللهُ النَّارَ قَالَ يَا جِبْرِيلُ اذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا۔ فَذَهَبَ فَنَظَرَ إِلَيْهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: أَيْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ فَيَدْخُلُهَا فَحَفَّهَا بِالشَّهَوَاتِ ثُمَّ قَالَ يَا جِبْرِيلُ اذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا۔ فَذَهَبَ فَنَظَرَ إِلَيْهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: أَيْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ لَا يَبْقَى أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَهَا"۔ (ابوداؤد: ج:۱: ص ۱۱۷۱، رقم الحدیث ۴۷۴۴ باب فی خلق الجنۃ والنار)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا فرمادیا تو ارشاد فرمایا اے جبرائیل! جاؤ جنت کو دیکھ کر آؤ، (فرماتے ہیں) پس جبرائیل علیہ السلام گئے اور جنت کو دیکھ کر آئے اور عرض کیا: اے رب تیری عزت کی قسم کہ کوئی بھی شخص جو اس کے بارے میں سنے گا تو ضرور اس میں داخل ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ نے جنت کو مشقتوں سے ڈھانپ دیا اور فرمایا: کہ جاؤ اور جنت کو دیکھ کر آؤ جبرائیل علیہ السلام گئے اور جنت کو دیکھ کر آئے اور عرض کیا کہ: تیری عزت کی قسم مجھے خوف ہے کہ اس میں ایک شخص بھی داخل نہ ہوسکے گا، پھر جہنم کو پیدا فرمایا اور حکم فرمایا کہ اے جبرائیل جاؤ اور جہنم کو دیکھ کر آؤ، جبرائیل علیہ السلام گئے اور جہنم کو دیکھا، اور عرض کیا: (اے رب) تیری عزت کی قسم کوئی شخص بھی اس کے بارے میں نہیں سنے گا جو اس میں داخل ہوجائے، پھر اللہ تعالیٰ نے جہنم کو شہوات سے ڈھانپ دیا اور فرمایا کہ جاؤ اور دیکھ کر آؤ، جبرائیل علیہ السلام گئے دیکھا اور عرض کیا کہ اے رب! تیری عزت کی قسم مجھے خوف ہے کہ کوئی ایک شخص بھی اس میں داخل ہونے سے بچ نہ سکے گا۔

جنت میں داخلہ کا وقت: اہل جنت، جنت میں قیامت کے بعد داخل ہوں گے، قیامت سے پہلے کوئی بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا، سوائے آدم وحوا علیہما السلام کے کہ وہ زمین پر آنے سے پہلے جنت میں رہ چکے ہیں۔

* وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ (البقرۃ ۳۵) ترجمہ: اور ہم نے کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو جی بھر کر کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہیں جانا ورنہ تم ظالموں میں سے شمار ہوگے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ۔ "آتِي بَابَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَسْتَفْتِحُ فَيَقُولُ الْخَازِنُ مَنْ أَنْتَ فَأَقُولُ مُحَمَّدٌ۔ فَيَقُولُ بِكَ أُمِرْتُ لَا أَفْتَحُ لِأَحَدٍ قَبْلَكَ"۔ (صحیح مسلم ۱: ۱۱۲)۔

ترجمہ :حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا :میں قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آؤں گا اور دروازے پر دستک دوں گا، تو خازن پوچھے گا کہ آپ کا تعارف؟ تو میں جواب دوں گا کہ محمد، تو داروغہ کہے گا آپ ہی کے لیے مجھے حکم دیا گیا ہے آپ سے پہلے کسی کے لیے نہیں کھولوں گا۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ . "أَنَا أَكْثَرُ الأَنْبِيَاءِ تَبَعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ . (صحیح مسلم ۱ : ۱۱۲) ترجمہ :حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :قیامت کے دن تمام نبیوں سے زیادہ متبعین میرے ہوں گے اور سب سے پہلے میں ہی جنت کے دروازے پر دستک دوں گا۔

جنت دائمی ہے: جنت دائمی ہے یعنی ہمیشہ ہمیشہ رہے گی اور اہل جنت بھی جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ" (ھود۔۱۰۸) ترجمہ :اور جو لوگ خوشحال ہوں گے وہ جنت میں ہوں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے الا یہ کہ تمہارے رب کو ہی کچھ اور منظور ہو، یہ اللہ کی عطا ہوگی جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ "وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خٰلِدِينَ"۔ (الزمر۔۷۳)

ترجمہ :اور جنت کا داروغہ اہل جنت سے کہے گا کہ تم پر سلامتی ہو، تم خوب رہے، ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔

چنانچہ حدیث پاک میں کہ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ . قَالَ "يُدْخِلُ اللهُ أَهْلَ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَيُدْخِلُ أَهْلَ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ يَقُومُ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ لَا مَوْتَ وَيَا أَهْلَ النَّارِ لَا مَوْتَ كُلٌّ خَالِدٌ فِيمَا هُوَ فِيهِ"۔ (الصحیح لمسلم الحدیث :۷۳۶۲)

ترجمہ :حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :اللہ تعالیٰ اہل جنت کو جنت میں داخل فرمادیں گے اور اہل جہنم کو جہنم میں داخل فرمادیں گے، پھر ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا اور کہے گا کہ اے اہل جنت اب موت نہیں ہے اور اے اہل جہنم اب موت نہیں آئے گی ہر ایک جس میں داخل ہوا اسی میں رہے گا۔

جنتی کو جنت سے نکالا نہیں جائے گا :جو ایک مرتبہ جنت میں داخل ہو جائے گا، وہاں سے نکالا نہیں جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:"لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ"۔ (الحجر۔۴۸)

ترجمہ :اہل جنت کو نہ کوئی مشقت چھوئے گی اور نہ وہ جنت سے نکالے جائیں گے۔

جنت کا مستحق :جنت میں اہل ایمان ہی داخل ہوں گے، اگرچہ سزا بھگتنے کے بعد ہی کیوں نہ داخل ہوں۔ کوئی کافر ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:"وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ"۔ (الاعراف۔۴۰)

ترجمہ :اور کافر لوگ جنت میں اس وقت تک نہیں داخل ہو سکتے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو جائے۔

چنانچہ حدیث پاک میں کہ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰى ذٰلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ "۔ قُلْتُ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ "وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ"۔ قُلْتُ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ "وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ" ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ فِي الرَّابِعَةِ "عَلٰى رَغْمِ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ"۔ (صحیح مسلم: ج۱،ص ۶۶)

ترجمہ :حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کوئی بندہ بھی جو لا الہ الا اللہ کہے اور پھر اسی پر اس کا انتقال ہو جائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا، میں نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ زانی اور چور ہی کیوں نہ ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگرچہ

وہ زانی اور چوری کیوں نہ ہو، میں نے عرض کیا کہ اگر چہ وہ زانی اور چور ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر چہ وہ زانی اور چوری کیوں نہ ہو تین مرتبہ اسی طرح فرمایا پھر چوتھی دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا اگر چہ ابوذر کی ناک خاک آلود ہو۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُولَ اللهِ مَا الْمُوجِبَتَانِ فَقَالَ "مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ"۔ (صحیح مسلم: ج:۱ص:۶۶)

ترجمہ: حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول دو واجب کرنے والی چیزیں کونسی ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اس حال میں وفات پا جائے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جو اس حال میں مرجائے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہو تو وہ آگ میں داخل ہوگا۔

جنت کے فنا کا قائل: جو شخص جنت کے فنا ہونے کا قائل ہے، وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے، اس لیے کہ قرآن کریم کی متعدد آیات سے جنت کا ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنا ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا"۔ (النساء: ۱۲۲)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے تو عنقریب ہم ان کو ایسی جنتوں میں داخل کردیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور اللہ سے بڑھ کر بات میں کون سچا ہوسکتا ہے؟

جنت کا منکر: جو شخص جنت کو اللہ تعالیٰ کے انعام کی حقیقی جگہ نہیں سمجھتا بلکہ جنت کو ایک تخیلاتی جہاں سے تعبیر کرتا ہے، وہ درحقیقت جنت کا منکر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

ان ما اخبرالله تعالىٰ من الحور و القصور و الانهار و الاشجار والاثمار لاهل الجنة حق خلافا للباطنية والعدول عن ظواهر النصوص اليمعان يدعيها اهل الباطنية الحاد۔ (شرح فقه اکبر: ۱۳۳)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لیے حوروں، محلات، نہروں، درخت اور پھلوں کی جو خبر دی ہے وہ سچ اور حق ہے، برخلاف باطنیہ کے۔ اور نصوص کو ان کے ظاہری معانی سے ایسے معانی کی طرف لے جانا جو اہل باطنیہ بیان کرتے ہیں الحاد ہے۔

جنت عیش و آرام کی جگہ: جنت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام اور عیش و آرام کی جگہ ہے جنت میں ملنے والی کچھ نعمتوں کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے، جنت کی جو نعمتیں قرآن کریم یا طریق متواتر سے معلوم ہیں ان پر ایمان لانا فرض ہے، مثلاً جنت میں کسی قسم کا خوف اور غم نہیں ہوگا، جنت میں ملنے والی نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوں گی، وہاں جنتی کی ہر خواہش پوری ہوگی، جنت میں حق تعالیٰ کی رضاء اور اس کا دیدار نصیب ہوگا، اہل جنت کے لیے جنت کے دروازے پہلے سے کھلے ہوں گے، ہر جنتی کے گھر میں چار نہریں ہوں گی۔ پانی کی نہر، تازہ دودھ کی نہر جس کا ذائقہ خراب نہیں ہوگا، پاکیزہ شراب کی نہر اور صاف ستھرے شہد کی نہر، تمام جنتی کامیاب قرار دیئے جائیں گے، اہل جنت کے دل میں اگر ایک دوسرے کی طرف سے کوئی رنجش، کدورت، یا عداوت ہوگی اللہ تعالیٰ اس کو دلوں سے نکال دیں گے، اہل جنت، جنت میں بالکل خوشی خوشی اور بھائی بھائی ہو کر رہیں گے، جنت میں اونچے اونچے باغات ہوں گے جن کے خوشے لٹک رہے ہوں گے، جنتیوں کے لیے ریشم کا لباس اور سونے چاندی کے کنگن ہوں گے، جنت میں انار، انگور، کیلے اور مختلف اقسام کے میوے اور پھل ہوں گے، پرندوں کا گوشت اور حوریں ہوں گی، لمبے سائے اور پانی کی بہتی آبشاریں ہوں گی، جنت کی یہ نعمتیں قرآن کریم میں بیان کی گئیں ہیں، ان پر اور ان کے علاوہ دوسری ان نعمتوں پر جو قرآن کریم یا احادیث متواترہ میں

بیان کی گئیں ہیں، ایمان لانا فرض ہے۔ ان میں سے کسی ایک نعمت کے انکار سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ (۴۹) (الاعراف)

ترجمہ :جنت میں داخل ہو جاؤ تم پر کوئی خوف نہیں آئے گا اور نہ تم غمگین ہو گے۔

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ (الفرقان :۱۵) ترجمہ :آپ کہہ دیجئے : کیا یہ (عذابات) بہتر ہیں یا وہ ہمیشہ کی جنت جس کا پرہیز گاروں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ "وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ (الانبیاء: ۱۰۲) ترجمہ اور وہ اپنی من پسند نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ (التوبہ :۲۱) ترجمہ :ان کا پروردگار ان کو اپنی رحمت اور رضامندی کی خوشخبری سنائے گا۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۔ (القیمۃ :۲۲-۲۳) ترجمہ :بعض چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (یونس :۲۶) ترجمہ :جن لوگوں نے بہتر کام کیے ہیں، بہترین حالت انہی کے لیے ہے اور کچھ زیادہ بھی۔

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ (ق:۲۵) ترجمہ :ان کے لیے جنت میں وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس کچھ زیادہ بھی ہے۔ "مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ "۔ (محمد :۱۵) ترجمہ :جس جنت کا متقی لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے اندر ایسے پانی کی نہریں ہوں گی جو خراب نہیں ہوگا، اور ایسے دودھ کی نہریں ہوں گی جس کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوگا، اور شراب کی نہریں ہوں گی جو پینے والوں کے لیے سراپا لذت ہوگی، اور نتھرے ہوئے شہد کی نہریں ہوں گی، اور ان کے لیے جنت میں ہر طرح کے میوے گے اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہوگی۔ "وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ "۔ (الحجر :۴۷)

ترجمہ :اور ان کے سینوں میں جو رنجشیں ہوں گی وہ ہم نکال پھینکیں گے، وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ "فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ (الحاقۃ :۲۲-۲۳) ترجمہ: بلند و بالا جنت میں، جس کے پھلوں کے خوشے جھکے ہوئے ہوں گے۔ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ (الرحمن :۵۴) ترجمہ :اور دونوں باغوں کے پھل جھکے ہوئے ہوں گے۔

يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ (فاطر :۳۳)

ترجمہ :جنت میں سونے کے کنگنوں اور موتیوں کے زیور پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔

يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا "۔ (الکہف :۳۱) ترجمہ :جنت میں سونے کے کنگنوں سے زیور پہنایا جائے گا اور وہ باریک اور دبیز ریشم سے سبز رنگ کا لباس پہن کر اونچی مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے، کتنا بہترین اجر اور کیسی حسین آرام گاہ ہے۔

فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝ عُرُبًا اَتْرَابًا ۝ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ "۔ (الواقعۃ :۳۶-۳۸) ترجمہ: ان عورتوں کو ہم نے کنواریاں بنایا ہے، محبت سے بھری ہوئی عمر میں برابر، یہ سب دائیں ہاتھ والوں کے لیے ہے۔

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ (الرحمن :۷۲) ترجمہ :حوریں جنہیں خیموں میں چھپا کر رکھا گیا ہے۔

وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ (الدخان :۵۴) ترجمہ :اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں کا ان سے نکاح کر دیں گے۔
وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ (۲۱) وَحُوْرٌ عِيْنٌ (۲۲) كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ (الواقعة :۲۱۔۲۳)
ترجمہ :اوران پرندوں کا گوشت ہوگا جو وہ چاہیں گے، اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی۔ایسے جیسے چھپے ہوئے موتی۔
خبر واحد میں بھی جنت کی نعمت کا ذکر ہے :جنت کی بعض نعمتیں اخبار آحاد میں بیان کی گئی ہیں، ان پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، تاہم ان کے انکار سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔
دیدار باری تعالیٰ:دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کسی کو نصیب نہیں ہوسکتا، جنت میں ہر جنتی کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور دیدار الٰہی جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :"لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۔ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الانعام :۱۰۳) ترجمہ :اس کو نگاہیں نہیں پاسکتیں اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے اور اس کی ذات اتنی ہی لطیف اور خبر رکھنے والی ہے۔
لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (یونس :۲۶) ترجمہ :جن لوگوں نے بہتر کام کیے ہیں، بہترین حالت انہی کے لیے ہے اور کچھ زیادہ بھی۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ :عَنْ صُهَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ۔ قَالَ "إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ۔ قَالَ۔ يَقُوْلُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى تُرِيْدُوْنَ شَيْئًا أَزِيْدُكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ ۔ قَالَ۔ فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ فَمَا أُعْطُوْا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلٰى رَبِّهِمْ عَزَّ وَجَلَّ"۔
(الصحیح لمسلم ،الحدیث :۴۶۷)
ترجمہ :حضرت صہیبؓ روایت فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا :جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے کہ کسی اور چیز کی خواہش ہے جو تم پر زیادہ کی جائے ؟ تو جنتی لوگ عرض کریں گے کیا آپ نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کر دیا؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کر دیا اور جہنم سے ہمیں نجات نہیں دیدی؟ فرماتے ہیں پس اللہ تعالیٰ حجاب دور فرما دیں گے، (اب انہیں معلوم ہوگا) کہ اللہ عزوجل کی زیارت سے بڑھ کر انہیں کوئی چیز نہیں دی گئی۔
جنت میں داخلہ اللہ پر واجب نہیں ہے:تمام اہل جنت کا جنت میں داخلہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے کرم سے ہوگا جنت میں کسی کا داخلہ اللہ تعالیٰ پر واجب اور ضروری نہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے :"لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ "۔ (الانبیاء :۲۳) ترجمہ :اللہ تعالیٰ جو بھی کریں اسے کوئی پوچھنے والا نہیں اور لوگوں سے سوال کیا جائے گا۔
حدیث پاک میں ہے کہ :عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ ۔ أَنَّهَا كَانَتْ تَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ "سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَأَبْشِرُوْا فَإِنَّهُ لَنْ يُدْخِلَ الْجَنَّةَ أَحَدًا عَمَلُهُ" قَالُوْا وَلَا أَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ "وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللهُ مِنْهُ بِرَحْمَةٍ وَاعْلَمُوْا أَنَّ أَحَبَّ الْعَمَلِ إِلَى اللهِ أَدْوَمُهُ وَإِنْ قَلَّ"۔ (الصحیح لمسلم الحدیث :۷۳۰۰)
ترجمہ:حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا : کہ سیدھے ہو جاؤ اور آپس میں قریب ہو جاؤ اور بشارتیں سناؤ، اس لیے کہ کوئی ایک بھی اپنے عمل سے جنت میں ہرگز داخل نہ ہوسکے گا، صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ بھی؟ آپ نے فرمایا میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ اپنی رحمت میں ڈھانپ لے اور جان لو کہ اللہ کے ہاں بہتر عمل دائمی ہے اگرچہ کم ہو۔
کافر پر جنت حرام ہے :جنت کافر ومشرک پر حرام ہے، کوئی کافر، مشرک اور منافق ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوگا۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے :"إِنَّهُ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوٰهُ النَّارُ"۔(المائدہ :۷۲)
ترجمہ :بیشک جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے گا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کردی ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

﴿۱۳۴﴾ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ ---الخ اوصاف محسنین ❶ متقین کی دو قسمیں ہیں ایک محسنین اور دوسرے تائبین۔ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ سے اعلیٰ درجہ کے متقی لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے اپنی قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کو قوت روحانیہ کے تابع کر دیا ہے اور ان کو مقام محبوبیت حاصل ہے پس جن کو یہ مقام حاصل ہو جائے تو اس کے اجر وثواب کا کیا ذکر اور تنگی اور فراخی ہر حال میں اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں۔ وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ ---الخ وصف۔ ❷ یعنی اگر ان کو کسی ایسے شخص سے واسطہ پڑ جائے جو ان کو اذیت پہنچائے تو وہ غصہ میں مشتعل اور مغلوب نہیں ہوتے بلکہ دل سے معاف کر دیتے ہیں اور زندگی بھر جذبہ انتقام نہیں رکھتے۔ ظفر شاہ دہلوی نے اس معنی میں خوب کہا ہے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا، خواہ ہو کتنا ہی صاحب فہم وذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

سوال: وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ : کہ غصہ کو پی لیتے ہیں اور معاف کر دیتے ہیں اور دوسرے مقام پر ہے "هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ" کہ وہ انتقام لیتے ہیں، تو ان دونوں آیات میں تعارض ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ "اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" یعنی کافروں سے بدلہ لیتے ہیں، اور آپس میں شفقت اور رحم کرنے والے ہیں لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر آدمی غلطی کرے اور اس پر نادم ہو تو معاف کر دیتے ہیں اور اگر غلطی کے بعد بھی مصر ہوں تو اس کو معاف نہیں کرتے تو اس میں موضوع الگ الگ ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

حضرت زین العابدین کے ترحم کا ایک واقعہ

علامہ آلوسی رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین نے یہاں یہ واقعہ لکھا ہے کہ حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ کو ان کی باندی وضو کرا رہی تھی اس کے ہاتھ سے لوٹا گر گیا، جس کی وجہ سے ان کا چہرہ زخمی ہو گیا، انہوں نے اس کی طرف غصہ کی نظر اٹھا کر دیکھا تو اس باندی نے "وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ" پڑھ دیا اس پر انہوں نے کہا میں نے غصہ کو دبا لیا پھر اس نے "وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ" پڑھا آپ نے اس کو معاف کر دیا، پھر اس نے "وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ" پڑھا اس پر انہوں نے فرمایا اچھا جا تو اللہ کے لیے آزاد ہے۔

(روح المعانی: ص: ۴۷ ۔ج: ۳، تفسیر منیر: ص: ۸۸، ج ۔ ۴)

مواعظ ونصائح

عفو ودرگزر سے کام لیجیے: ہمیں اپنی زندگی میں لوگوں سے تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں۔ کوئی بیہودہ مذاق کر بیٹھتا ہے، کوئی کڑوی بات کہہ دیتا ہے۔ کوئی ہماری ذاتی معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے۔ کوئی بھری محفل میں جھگڑا شروع کر دیتا ہے، بعض اوقات ایک دوسرے کی باتوں میں اختلاف طول پکڑ جاتا ہے۔ بعض لوگ چھوٹی سی بات کو اپنے دل میں بڑا بنا لیتے ہیں اور اس کو نہ معاف کرتے ہیں اور نہ دل سے بھلاتے ہیں۔ بعض لوگ اتنے متکبر ہوتے ہیں کہ وہ دوسروں کے معذرت کرنے پر بھی ان کو معاف نہیں کرتے، بلکہ دل میں کینہ پالتے رہتے ہیں اور اسی کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔

یہ حسد بھی کتنا منصف مزاج ہے، یہ پہلے اسی شخص کو جلا کر ہلاک کرتا ہے جو اس کو دل میں پالتا ہے۔ لہٰذا آپ اپنی جان کو عذاب میں نہ ڈالیے، کیونکہ زندگی میں بہت سی باتیں ایسی پیش آتی ہیں جن کا کوئی علاج نہیں۔ لہٰذا بڑے بنیے، پچھلی باتوں کو بھول جائیے اور پر سکون زندگی گزاریے۔ اس سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ کا طریق کار ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں فاتحانہ دخول: رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اور وہاں آپ کا اقتدار جم گیا تو آپ اپنی رہائش گاہ سے کعبہ کے پاس تشریف لائے اور اپنی سواری پر بیٹھ کر سات بار اس کا طواف کیا۔

جب آپ طواف سے فارغ ہوئے تو کعبہ کا کلید بردار عثمان بن طلحہ سے کعبہ کی چابیاں لیں اور اس کا دروازہ کھلوا کر اندر داخل ہوئے۔ وہاں دیکھا تو فرشتوں وغیرہ کی تصویریں بنی ہوئی تھی جو قبیلہ قریش نے اپنے کافرانہ اور جاہلانہ تصورات کے مطابق بنائی تھیں ۔آپ نے یہ بھی دیکھا کہ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی تصویر ہے جس میں دکھایا گیا تھا کہ ان کے ہاتھ میں جوئے کے تیر (پانسے) ہیں جن سے وہ قسمت کا حال معلوم کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ''اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرے، ان لوگوں نے ہمارے بزرگ کو جوئے کے تیروں سے قسمت کا حال معلوم کرنے والا بنا کر دکھایا ہے۔'' حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جوئے کے ان تیروں سے کیا تعلق؟ مَا کَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۔ (ال عمران-٦٨) ''ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے، بلکہ وہ توسید ھے سچے موحد مسلمان تھے، اور وہ مشرک بھی نہیں تھے۔''

پھر آپ نے ان تصویروں کو مٹانے کا حکم دیا اور وہ مٹادی گئیں۔

وہاں آپ نے لکڑی سے بنا ہوا ایک کبوتر بھی دیکھا جس کو آپ نے خود توڑ کر پھینک دیا۔

پھر آپ کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے۔ اس وقت سب لوگ مسلمان بھی اور کفار بھی وہاں جمع ہو کر آپ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر آپ دو رکعت پڑھ کر چاہ زمزم پر تشریف لائے۔ اس میں جھانکا اور اس کا پانی منگا کر پیا اور اس سے وضو فرمایا۔ آپ کے وضو کا مستعمل پانی لینے کے لیے صحابہ کرامؓ اس پر ٹوٹ پڑے۔

یہ منظر دیکھ کر مشرکین حیران تھے اور کہہ رہے تھے کہ یہ بات تو ہم نے کسی بادشاہ کے ہاں بھی نہیں دیکھی۔

پھر آپ مقام ابراہیم کے پاس تشریف لائے اور اس کو کعبہ سے کچھ دور کر دیا۔ پہلے وہ کعبہ سے بالکل ملا ہوا تھا۔

پھر آپ کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے اور وہاں جو لوگ جمع تھے ان کو دیکھنے لگے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں تقریر فرمائی۔ آپ نے کلمہ توحید کے بعد فرمایا : ''اللہ وحدہ لاشریک نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندہ کی مدد کر کے اس کو فتح عطا فرمائی، اور تمام (مخالف اور دشمن) گروہوں کو شکست دی۔'' اس کے بعد آپ نے کچھ شرعی احکام بیان فرمائے۔ پھر فرمایا :

''سن لو! تمام قدیم مفاخر اور اعزازات اور خون کے بدلے اور قدیم مالی دعوے سب میرے ان دونوں پاؤں کے نیچے پامال ہو چکے ہیں سوائے بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کے۔''

پھر آپ نے قتل خطا اور دیت کے احکام بیان فرمائے۔ پھر آپ نے قریش کے رؤسا اور سرداروں کی طرف دیکھا اور ان کو بلند آواز سے مخاطب کر کے فرمایا : ''اے قبیلۂ قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہارا جاہلیت کا غرور و گھمنڈ ختم کر دیا، اور اپنے آباؤ اجداد پر تمہارا فخر بھی مٹا دیا۔ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔'' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی :

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۔ (حجرات : ١٣)

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہیں قوموں اور قبائل میں تقسیم کیا ہے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک سب سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ بے شک اللہ سب جانتا ہے اور سب سے باخبر ہے۔''

پھر آپ ان کفار کے چہروں کو بغور دیکھنے لگے۔ اس وقت آپ خانہ کعبہ کے دروازہ کے پاس کامل اقتدار کے مالک اور

عزت وسطوت کے بلند ترین مقام پر تھے۔اور وہ کفار انتہائی کمزوری اور ذلت کی حالت میں تھے۔یہی وہ جگہ تھی جہاں ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا تھا اور آپ سے انتہائی توہین آمیز سلوک کیا تھا حتیٰ کہ جب آپ سجدہ میں تھے تو انہوں نے آپ کے سر پر گندگی ڈالی تھی۔لیکن اب یہی کفار قریش آپ کے سامنے شکست خوردہ اور ذلیل ولاچار کھڑے تھے۔آپ نے اس موقع پر فرمایا: ''اے قوم قریش! تمہارا کیا خیال ہے، میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟''

یہ سن کر قریش چونکے اور کچھ غور کر کے کہنے لگے: ''آپ ہم سے اچھا سلوک ہی کریں گے آپ ہمارے معزز وشریف بھائی ہیں اور ہمارے معزز وشریف بھائی کے بیٹے ہیں۔'' عجیب بات ہے! کیا یہ لوگ بھول گئے جو سلوک یہ اپنے معزز وشریف بھائی سے کرتے تھے!! کیا ان برے القاب اور بدکلامی کو بھی بھول گئے جب یہ آپ کو پاگل، جادوگر اور کاہن کے خطابات سے نوازتے تھے؟۔اگر آپ معزز وشریف بھائی تھے اور ایک معزز وشریف بھائی کے بیٹے تھے تو تم نے ان سے جنگ کیوں کی؟!

تم نے جو کمزور وبے کس مسلمان پر ظلم توڑے وہ کہاں گئے؟

یہ بلالؓ کھڑے ہیں جن کی پیٹھ پر تمہاری مار پیٹ کے نشانات ابھی تک نمایاں ہیں۔

یہ کھجور کا درخت قریب ہی موجود ہے جس کے پاس تم نے سُمیہؓ کو اور ان کے خاوند یاسرؓ کو قتل کیا تھا۔ان دونوں کے بیٹے عمار مسلمانوں کے ساتھ کھڑے دیکھ رہے ہیں۔

تم کہتے ہو''معزز وشریف بھائی''!

وہ جو تم نے نبی کریم ﷺ کو کمزور مسلمانوں کے ساتھ شعب ابی طالب میں قید ونظر بند رکھا اس کے بارے میں کیا کہو گے؟ وہاں تم نے ان کا ایسا بائیکاٹ اور کھانا پانی بند کیا کہ ان بے چاروں نے بھوک کے مارے درختوں کے پتے کھائے۔اس وقت تم کو نہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے رونے پر رحم آیا اور نہ سن رسیدہ بوڑھوں کی آہوں پر ترس آیا، اور نہ حاملہ اور دودھ پلاتی عورتوں کا تم نے کوئی خیال کیا۔

وہ جو تم نے بدر اور احد کے مقامات پر آپ سے جنگیں لڑی تھیں ان کے بارے میں کیا کہو گے؟ اور غزوہ خندق کے موقع پر تو تم تمام قبیلوں کو جمع کر کے آپ پر حملہ آور ہوئے تھے؟ کیا اس وقت آپ معزز وشریف بھی نہیں تھے؟۔اور ہاں صرف دو سال پہلے کی بات ہے کہ آپ عمرہ کے ارادہ سے مکہ آرہے تھے،لیکن تم نے روک دیا اور آپ کو حدیبیہ سے آگے نہیں بڑھنے دیا۔

اور ہاں، جب آپ کے چچا ابو طالب بستر مرگ پر تھے تو تم نے ان کو بھی اسلام قبول کرنے سے روک دیا۔

اور تمہاری کن کن ظالمانہ حرکتوں کا ذکر کیا جائے۔ان تکلیف دہ یادوں کی ایک طویل فہرست ہے جو اس وقت رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہی ہوں گی۔اس وقت آپ اپنے سامنے کھڑے کفار قریش کے چہروں کو دیکھ رہے تھے۔کبھی آپ حرم کی گزرگاہوں کو دیکھتے تھے اور کبھی حرم کے گرد مکہ کے پہاڑوں پر نظر ڈالتے تھے اور کبھی مکہ کی گلیوں اور راستوں کو دیکھتے تھے۔

بلکہ یہی یادیں وہاں موجود صحابہ کرامؓ کے ذہنوں میں بھی گھوم رہی ہوں گی۔یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم ان میں سے ہر ایک پر قریش کے ہاتھوں ایک بپتا گزری تھی۔

قریش کے ان مظالم کے پیش نظر آج نبی اکرم ﷺ ان لوگوں کو سخت ترین سزا دے سکتے تھے۔کیونکہ یہ آپ سے جنگ کرنے والے دشمن تھے۔انہوں نے ہر طرح کی زیادتی روا رکھی تھی اور یہ معاہدہ کی خلاف ورزی اور غداری کے بھی مرتکب ہوئے تھے۔جی ہاں! انہوں نے معاہدہ حدیبیہ کی عہد شکنی کی تھی اور مسلمانوں کے اتحادیوں پر بڑے ظلم توڑے تھے۔

یہ مجرم تھے اور اس بات کا خود ان کو احساس تھا اور اب یہ حیران و پریشان تھے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہو گا۔

لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر ان کی توقع کے خلاف تمام کینوں اور عداوتوں کو پاؤں تلے مسل دیا۔ اپنی بلند ہمتی اور کشادہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ تاریخی الفاظ ارشاد فرمائے: ''جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

آپ کے ہونٹوں سے نکلے ہوئے عفو و درگزر کے یہ الفاظ سن کر وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ بعض کو تو آپ کے ان الفاظ پر یقین نہیں آتا تھا اور وہ پوچھتے تھے کہ ''کیا واقعی ہمیں معاف کر دیا گیا ہے؟!'' پھر رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کے گرد دیکھا تو وہاں تین سو ساٹھ بت نظر آئے۔ وہ لوگ بیت اللہ کے پاس اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی پوجا کرتے تھے۔ آپ نے دست مبارک سے ان کو ضرب لگائی اور یہ گرنے لگے۔ اس موقع پر آپ یہ کلمات دہراتے جاتے تھے: جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (بنی اسرائیل: ۸۱) حق آ گیا اور باطل نیست و نابود ہو گیا۔'' جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ''۔ (سباء۔ ۴۹)

''حق آ گیا اور (معبود) باطل نہ پہلی بار پیدا کر سکتا ہے اور نہ دوبارہ پیدا کرے گا''۔

کفار قریش کے چند سرکش و متکبر لوگ جنہوں نے مکی زندگی میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی اور ان کے یہ سیاہ کارنامے سب کو معلوم تھے وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مکہ میں فاتحانہ داخل ہونے سے پہلے ہی مکہ سے فرار ہو گئے تھے۔ انہی میں ایک صفوان بن امیہ تھا جو مکہ سے بھاگ نکلا لیکن حیران و پریشان تھا کہ کہاں جائے۔ آخر وہ جدہ چلا گیا تا کہ سمندری راستے سے یمن چلا جائے۔

حضرت عمیرؓ کی صفوان بن امیہ کے لیے امان کی درخواست: جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کا عام معافی کا اعلان سنا اور دیکھا کہ آپ نے ماضی کے المناک واقعات کو بھلا کر عفو و درگزر کا برتاؤ شروع کیا ہے تو حضرت عمیر بن وہبؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''یا نبی اللہ! صفوان بن امیہ اپنی قوم کا سردار ہے۔ وہ آپ سے ڈر کر مکہ سے نکل بھاگا ہے تا کہ سمندر کے راستہ کہیں چلا جائے۔ میری گزارش ہے کہ آپ اس کو امان دیجئے، اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے۔''

آپ نے کھلے دل سے فرمایا: ''اس کو امان ہے۔''

حضرت عمیرؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! مجھے آپ کوئی نشانی دے دیجئے تا کہ اس کو دیکھ کر وہ آپ کی امان کا یقین کر سکے۔'' رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنا وہ عمامہ دیا جس کو پہنے ہوئے آپ مکہ میں داخل ہوئے تھے، تا کہ اس کو دیکھ کر صفوان پہچان لے اور عمیر کے پیغام کا یقین کر لے۔

حضرت عمیرؓ یہ عمامہ لے کے صفوان کو تلاش کرنے نکلے، وہ سمندر کے کنارے ملا جہاں سے وہ روانہ ہونے والا تھا۔ انہوں نے صفوان سے کہا ''صفوان! تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ خدا کے واسطے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یہ دیکھو میں رسول اللہ ﷺ سے تمہارے لیے امان لے کر آیا ہوں۔''

صفوان نے کہا: ''جا میری نظروں سے دور ہو جا۔ مجھ سے کلام نہ کر۔ تو جھوٹا ہے۔'' دراصل اس نے مسلمانوں پر جو ظلم ڈھائے تھے وہ اس کے انجام سے خائف تھا۔ صفوان کا جواب سن کر حضرت عمیرؓ نے چلا چلا کر کہا: ''صفوان! تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ یقین جان کہ رسول اللہ ﷺ سب سے اعلیٰ انسان ہیں۔ سب سے بڑھ کر نیکی کرنے والے، سب سے زیادہ حلیم و بردبار اور سب سے اچھے انسان ہیں۔ وہ تمہارے چچا زاد بھائی ہیں۔ ان کی عزت تمہاری عزت ہے، ان کا شرف تمہارا شرف ہے، ان کی بادشاہت تمہاری بادشاہت ہے۔'' صفوان نے کہا: ''لیکن مجھے ان سے اپنی جان کا خطرہ ہے۔''

حضرت عمیرؓ نے کہا : نہیں بھائی۔ وہ بڑے اونچے ظرف کے مالک ہیں۔ وہ بڑے حلیم الطبع اور معاف کرنے والے ہیں۔'' حضرت عمیرؓ کی یہ باتیں سن کر صفوان ان کے ساتھ مکہ واپس آ گیا۔ حضرت عمیرؓ اس کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو صفوان آپ سے کہنے لگا کہ ''یہ عمیر بتاتا ہے کہ آپ نے مجھے امان دی ہے''

آپ نے فرمایا :ہاں! یہ صحیح کہتا ہے۔'' صفوان نے کہا ''ٹھیک ہے، لیکن اسلام میں داخل ہونے کے لیے مجھے دو مہینے کی مہلت دیجئے۔'' اس کا مطلب یہ تھا کہ میں مکہ میں رہتے ہوئے دو ماہ تک اپنے بت پرستی کے دین پر قائم رہوں گا۔ اور اس مدت میں سوچوں گا کہ اسلام میں داخل ہو جاؤں یا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ''اس کے لیے دو مہینے نہیں بلکہ تمہیں چار مہینے کی مہلت ہے۔'' بالآخر صفوان نے اس کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ رضی اللہ عنہ۔

دیکھئے، لوگوں سے عفو و درگزر کرنا کتنا اچھا عمل ہے، اور ماضی کے المناک واقعات کو بھول جانا کتنی اچھی بات ہے، لیکن ایسے اعلیٰ اخلاق کے حامل صرف وہی عظیم لوگ ہو سکتے ہیں جو انتقام، کینہ کپٹ اور غصہ جیسی گھٹیا صفات و عادات سے اپنے آپ کو دور رکھیں۔ کیونکہ زندگی بہر حال مختصر ہے، جی ہاں! یہ اتنی مختصر ہے کہ اس میں اتنا فالتو وقت نہیں جو ہم ایک دوسرے سے دشمنی اور حسد و کینہ میں ضائع کر سکیں۔

حضرت مقدادؓ اور بکریوں کا دودھ: ہمارے پیارے نبی ﷺ تو اپنے ذاتی معاملات میں بھی بڑا نرم رویہ اختیار فرماتے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت مقداد بن اسودؓ کی زبانی ایک واقعہ سنئے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ :

''میں اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ مدینہ آیا وہاں لوگوں سے بطور مہمان رکھنے کی درخواست کی، لیکن کسی نے ہمیں مہمان نہیں رکھا۔ پھر نبی اکرم ﷺ کے پاس گئے اور آپ سے یہ بات بیان کی تو آپ نے ہمیں اپنے ایک گھر میں ٹھہرایا۔ وہاں آپ کے پاس چار بکریاں تھیں۔ آپ نے فرمایا : ''مقداد! ان چار بکریوں کا دودھ دوہ کر چار حصوں میں تقسیم کرنا اور ہم چاروں کو اس میں سے ایک ایک حصہ دینا۔''

حضرت مقدادؓ کہتے ہیں کہ ''میں آپ کے فرمانے کے مطابق اسی طرح کرتا رہا۔'' حضرت مقدادؓ ہر شام کو دودھ دوہتے اور اس میں سے وہ اور ان کے دو ساتھی تو اسی وقت اپنے حصہ کا دودھ پی لیتے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے حصہ کا دودھ بچا لیتے۔ اگر آپ اس وقت موجود ہوتے تو آپ کو اسی وقت پیش کر دیتے اور اگر آپ موجود نہ ہوتے تو آپ کے آنے تک اس کو محفوظ رکھ لیتے۔

ایک رات ایسا ہوا کہ حضرت مقدادؓ نے حسب معمول بکریوں کا دودھ دوہ کر چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر اس میں سے تین حصے تو انہوں نے اور ان کے دو ساتھیوں نے پی لیے اور نبی کریم ﷺ کا حصہ کا دودھ ایک جگہ رکھ دیا تاکہ جب آپ گھر واپس تشریف لائیں تو اس کو پی لیں۔

اس رات رسول اللہ ﷺ کو گھر آنے میں خاصی دیر ہوئی، اور حضرت مقدادؓ اپنے بستر پر لیٹ گئے اور اپنے دل میں سوچنے لگے کہ شاید نبی اکرم ﷺ کسی انصاری کے گھر گئے ہوں گے اور وہاں انہوں نے آپ کو کھانا کھلا دیا ہوگا۔ لہٰذا کیوں نہ میں اٹھ کر یہ دودھ خود پی لوں۔ آخر ان سے نہ رہا گیا اور انہوں نے اٹھ کر وہ دودھ پی لیا اور رسول اللہ ﷺ کے لیے کچھ دودھ نہ بچا۔

حضرت مقدادؓ کہتے ہیں کہ جب وہ دودھ میرے پیٹ میں اتر گیا تو اب مجھے اپنی اس حرکت پر ندامت ہوئی اور میں نے سوچا کہ اگر اب نبی اکرم ﷺ بھوکے پیاسے آگئے اور انہوں نے دیکھا کہ برتن میں دودھ نہیں ہے تو آپ مجھے بددعا دیں گے۔ یہ سوچ کر میں نے اپنا منہ چادر سے ڈھانپ لیا (یعنی غم و فکر کی وجہ سے)۔

کچھ رات گزرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ نے اندر آتے ہی سلام کیا اتنی آواز میں کہ اگر کوئی جاگ

رہا ہے تو وہ سن لے، اتنے زور سے نہیں کہ سوتا ہوا آدمی جاگ جائے۔ حضرت مقدادؓ اسی طرح اپنے بستر پر لیٹے آپ کو دیکھتے رہے۔
رسول اللہ ﷺ اپنے دودھ کے برتن کے پاس گئے، اس کو کھول کر دیکھا تو اس میں دودھ نہیں تھا۔ پھر آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی۔ یہ دیکھ کر حضرت مقدادؓ گھبرا گئے کہ شاید اب رسول اللہ ﷺ مجھے بددعا دیں گے۔ لہٰذا انہوں نے آپ کے الفاظ سننے کی کوشش کی تو آپ کو یہ دعا فرماتے سنا : ''یا اللہ! جس نے مجھے پلایا تو اسے بھی پلا اور جس نے مجھے کھلایا تو اسے بھی کھلا''
جب حضرت مقدادؓ نے رسول اللہ ﷺ کی دعا کے یہ الفاظ سنے تو دل میں کہا : ''مجھے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر آپ کی دعا لینی چاہیے۔'' یہ سوچ کر وہ کھڑے ہوئے اور ایک بڑی چوڑی چھری لے کر بکریوں کے پاس گئے تا کہ کسی ایک کو ذبح کر کے رسول اللہ ﷺ کے لیے کھانا تیار کریں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے بکریوں کو ہاتھ لگا کر ٹٹولنا شروع کیا کہ کونسی موٹی، تازی اور ذبح کرنے کے لائق ہے۔ اتفاق سے ان کا ہاتھ ایک بکری کے تھن پر پڑا تو وہ دودھ سے بھرا ہوا محسوس ہوا۔ انہوں نے دوسری بکری کا تھن دیکھا تو وہ بھی دودھ سے بھرا ہوا تھا۔ پھر دیکھا تو چاروں بکریوں کے تھن بھرے ہوئے تھے۔ پھر تو انہوں نے چاروں بکریوں کا دودھ دوہ کر ایک بڑے برتن میں جمع کر لیا۔ دودھ کا جھاگ اوپر تک آ گیا تھا۔
وہ یہ دودھ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا : ''یا رسول اللہ! یہ دودھ پیجئے۔'' جب رسول اللہ ﷺ نے اتنا سارا دودھ دیکھا تو فرمایا : ''مقداد! کیا تم لوگوں نے آج رات اپنے حصہ کا دودھ نہیں پیا۔'' انہوں نے کہا : ''یا رسول اللہ! آپ پییں تو سہی!'' آپ نے فرمایا : ''مقداد! بتاؤ، اصل بات کیا ہے؟'' حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : ''آپ پی لیں، پھر میں بتاؤں گا۔'' رسول اللہ ﷺ دودھ پی کر پیالہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو دینے لگے تو انہوں نے عرض کیا : ''یا رسول اللہ! اور پیجئے نا!''
حضرت مقدادؓ کہتے ہیں کہ جب مجھے معلوم ہو گیا کہ اب رسول اللہ ﷺ خوب سیر ہو گئے ہیں اور آپ نے جو دعا فرمائی تھی کہ ''یا اللہ! جو مجھے پلائے تو اس کو پلا اور جو مجھے کھلائے تو اس کو کھلا'' وہ مجھے حاصل ہو گئی ہے، تو میں خوب ہنسا، اتنا ہنسا کہ ہنستے ہنستے زمین پر لیٹ گیا۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ''مقداد! بتاؤ تو سہی کیا بات ہوئی جو تم اتنا ہنس رہے ہو۔''
میں نے کہا : ''یا رسول اللہ! بات یہ ہوئی کہ جب رات کو آپ کے آنے میں دیر ہو گئی تو اس وقت مجھے بھوک لگنے لگی۔ میں نے سوچا کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے کسی انصاری کے ہاں کھانا کھا لیا ہوگا ''
پھر انہوں نے آگے پورا واقعہ آپ کو سنایا، اور یہ بھی بتایا کہ ان بکریوں نے خلاف عادت ایک ہی رات میں دو مرتبہ دودھ دیا!!
یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو بھی بہت تعجب ہوا کہ بکریوں کے تھن اتنے جلدی کیسے دودھ سے بھر گئے، کیونکہ ایک ہی رات میں ان کا دودھ دو مرتبہ دوہنا ممکن نہیں ہے!! آپ نے فرمایا : ''یہ بس اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے یہ بات تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتا دی۔''
یعنی میرے دودھ پینے سے پہلے بتا دیتے تو تمہارے ان دو ساتھیوں کو بھی جگا دیتے تا کہ یہ بھی اس میں سے پی لیتے۔
حضرت مقدادؓ نے عرض کیا : ''یا رسول اللہ! جب آپ کو یہ رحمت مل گئی اور آپ کے ساتھ میں بھی اس رحمت سے فیضیاب ہو گیا تو واللہ! مجھے اس بات کی فکر نہیں رہی کہ ہمارے بعد اس سے کون کون فیضیاب ہوتا ہے۔''

﴿۱۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا ... الخ اوصاف تائبین۔ ❶ وَلَمْ يُصِرُّوْا الخ وصف۔ ❷
﴿۱۳۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ بشارت اخروی۔ ﴿۱۳۷﴾ قَدْ خَلَتْ ... الخ دستور خداوندی: ربط : پھر آگے جنگ

احد کے متعلق مسلمانوں کو تسلی دی جارہی ہے کہ زمین میں سیر کر کے دیکھو مکذبین تباہ ہوئے ہیں یا نہیں اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ دستور یہی چلا آیا ہے کہ شکست کفار ہی کو ہوتی ہے اگر تم اس وقت اپنی کوتاہی اور بھول سے مغلوب ہو گئے ہو تو تم ایمان کے تقاضے تقویٰ اور استقامت کو پورا کرو، آخر میں کفار ہی مغلوب ہوں گے اور تم کامیاب ہو گے۔ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ : چنانچہ اگر تم آثار کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہو تو تم روئے زمین پر چلو پھرو، اور دیکھ لو کہ آخر انجام تکذیب کرنے والوں کا کیسا ہوا؟

﴿۱۳۸﴾ هٰذَا بَيَانٌ ...الخ بیان مذکور "وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ" اگر یہ لوگ غور کریں تو ہدایت اور نصیحت حاصل کریں ہدایت یہ ہے کہ حق و باطل کو سمجھیں اور نصیحت یہ ہے کہ اس کے موافق عمل کریں۔

﴿۱۳۹﴾ وَلَا تَهِنُوْا : تسلی مؤمنین ❶ اگر تم اس وقت مغلوب ہو گئے تو کیا ہوا ہمت مت ہارو۔ وَلَا تَحْزَنُوْا ❷ اور رنج مت کرو۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ❸ اور آخر کار تم ہی غالب رہو گے اور ایمان کے تقاضوں پر ثابت قدم رہو۔

جنگ احد میں عارضی شکست کے تین اسباب تھے

پہلا سبب : یہ تھا کہ آپس کا جھگڑا کوئی کہتا تھا کہ ہمیں جمے رہنے کا حکم ہے، اور اکثر کہتے تھے کہ اب یہاں ٹھہرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی سب مل کر غنیمت حاصل کریں۔ **دوسرا سبب** : آنحضرت ﷺ کے متعلق خبر مشہور ہوئی کہ آپ شہید ہو گئے تو مسلمانوں کے دلوں میں کمزوری پیدا ہو گئی جس کا نتیجہ بزدلی اور کم ہمتی کی صورت میں ظاہر ہوا۔

تیسرا سبب : جو ان دو اسباب سے زیادہ اہم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حکم کی تعمیل میں اختلاف پیش آیا یہ تین لغزشیں مسلمانوں سے ہو گئیں جن کی بناء پر عارضی شکست ہوئی، اگرچہ بعد میں انجام کار فتح میں تبدیل ہو گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے بطور تسلی کے ارشاد فرمایا: وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا ...الخ

مطلب یہ تھا کہ گزشتہ لغزشیں ہو چکی ہیں ان پر رنج و غم میں اپنا وقت اور توانائی صرف کرنے کی بجائے مستقبل میں اپنے کام کی درستگی کی فکر کرو۔ اس قرآنی آواز نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا، اور مردہ جسموں میں روح پھونک دی، اور ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے لیے ایک ضابطہ اور اصول دے دیا کہ گزشتہ فوت شدہ امور پر رنج و ملال کی بجائے آئندہ کیلئے قوت و شوکت کے اسباب بہم پہنچائے جائیں، اور غلبہ اور بلندی حاصل کرنے کے لیے ایمان کے تقاضے سو فیصد پورے کرنے ہیں۔

﴿۱۴۰﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ ...الخ اہل ایمان کو تسلی بتقریر دیگر : اس قوم کو بھی (جو تمہارے مقابل تھی یعنی کفار) ایسے ہی زخم (صدمہ بدر میں ان کو) پہنچ چکا ہے۔ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ : دستور خداوندی داستان احد کی چھ حکمتیں۔ ❶ اس قوم کو بھی (جو تمہارے مقابل تھی یعنی کفار (یعنی غالب و مغلوب ہونے کے زمانہ کو) لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں، یعنی کبھی ایک قوم کو غالب اور دوسری کو مغلوب کر دیا کبھی اس کے برعکس کر دیا۔

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ : حکمت ❷ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے ظاہر اور ممتاز کرنا چاہتے ہیں کہ کون مخلص اور کون غیر مخلص ہیں جس سے منافقین کا خصوصی امتیاز ہوا۔ وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ : حکمت ❸ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے شہید بنانا چاہتے ہیں، تاکہ مسلمانوں کے خون میں جوش پیدا ہو جائے زخم ہو کر بیدار ہو جائیں۔

الغرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا "اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ" اگر اس لڑائی میں تم کو زخم پہنچا، یا تکلیف اٹھانی پڑی تو اسی طرح کے حوادثات فریق مقابل کو بھی تو پیش آچکے ہیں۔ اگر احد میں تمہارے ستر آدمی شہید اور

بہت سے زخمی ہوئے ہیں، تو ایک سال سے پہلے ان کے بھی ستر آدمی جہنم رسید اور بہت سے زخمی ہو چکے ہیں، اور خود اس لڑائی میں بھی ابتداً ان کے بہت سے آدمی مقتول و مجروح ہوئے ہیں۔

﴿۱۴۱﴾ وَلِيُمَحِّصَ ...الخ حکمت ④ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پاک صاف کردے کیونکہ مصیبت پر صبر کرنے سے اخلاق اور اعمال کا تزکیہ ہوجاتا ہے۔ وَيَمْحَقَ : یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو مٹادے تاکہ وہ کافر بھرپور تیاری کر کے آئندہ آئیں کہ ہمیں غلبہ ہوگا، اور مسلمانوں کے مقابلے میں آکر ہلاک تباہ ہوجائیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اہم اصول کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ اگر کسی وجہ سے کسی باطل قوت کو عارضی فرح ہوئی ہے تو جماعت حقہ کو اس سے بددل نہیں ہونا چاہئے، اور یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اب ہمیں ہمیشہ شکست ہی ہوا کرے گی بلکہ اس شکست کے اسباب تلاش کر کے ان کا تدارک کرنا چاہئے آخر فتح جماعت حقہ کو ہی ہوگی۔

﴿۱۴۲﴾ تنبیہ مؤمنین، حکمت ⑤ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا تم چاہتے ہو کہ مصائب کی بھٹی میں پڑنے سے پہلے ہی جنت کے مستحق بن جاؤ۔

﴿۱۴۳﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ ...الخ تنبیہ مؤمنین : حکمت ⑥ مشورہ کیا گیا تھا کہ مدینہ میں ٹھہر کر کفار کا مقابلہ کریں، یا باہر میدان میں نکل کر اس وقت تم نے یہی فیصلہ کیا کہ باہر نکل کر لڑیں، تاکہ بہادری کے جوہر دکھائیں اس وقت تو موت (شہادت) کے لیے اپنے آپ کو خود پیش کیا، اور اب گھبراتے ہو۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ

اور نہیں ہیں حضرت محمد (ﷺ) مگر اللہ کے رسول تحقیق گزر چکے ہیں ان سے پہلے بھی رسول اگر وہ مرجائیں یا شہید کردیے جائیں

عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ

تو کیا تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے اور جو شخص الٹے گا اپنی ایڑیوں پر پس ہرگز وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ تعالیٰ

الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٤﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا

شکر گزاروں کو بدلہ دیتا ہے ﴿۱۴۴﴾ اور نہیں ہے کسی جان کے لئے کہ وہ مرے مگر اللہ کے حکم سے ایک مقرر کیا ہوا نوشتہ ہے

وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا

اور جو شخص دنیا کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کو بدلہ دیتے ہیں اسی میں سے اور جو آخرت کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کو اس میں سے بدلہ دیتے ہیں

وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٥﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا

اور ہم شکر ادا کرنے والوں کا بدلہ دیں گے ﴿۱۴۵﴾ اور بہت سے نبی ایسے گزرے ہیں کہ ان کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی پس وہ ہمت نہیں ہارے

لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ

اس پر جو بھی ان کو اللہ کے راستے میں تکلیف پہنچی اور نہ وہ ضعیف یا سست ہوئے اور نہ وہ (دشمن کے سامنے) دبے اور اللہ تعالیٰ

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا

صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۴۶﴾ اور نہیں تھی ان کی بات مگر یہ کہ انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہمارے لیے ہمارے گناہ بخش دے

فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ

اور ہمارے معاملے میں ہماری زیادتی کو (بھی بخش دے) اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما ﴿۱۴۷﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو

الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع

دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کا اچھا بدلہ بھی عطاء فرمایا اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۴۸﴾

﴿۱۴۴﴾ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ... الخ ربط آیات ❶ اوپر جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب تھی، اب بھی ترغیب جہاد اور مجاہدین کے اوصاف ونتائج کا بیان ہے۔

ربط ❷ اوپر سے احد کا معاملہ چلا آرہا ہے، جس میں آنحضرت ﷺ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو شدید صدمہ ہوا تھا اس پر فرمایا محمد ﷺ تو ایک رسول ہیں اگر وہ دنیا سے جائیں تو کیا تم دین چھوڑ دو گے۔

خلاصہ رکوع ⓯ تنبیہ مؤمنین، (یعنی کام فقط اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر ہونا چاہیے نہ کہ کسی خاص مقتدا کے اعتماد پر)، تذکیر بایام اللہ سے تسلی مؤمنین، تشریح تنبیہ، نتیجہ انحراف، نتیجہ حق شناس، تعلیم ثابت قدمی، نتیجہ طلب دنیا، نتیجہ طلب آخرت، استقلال مخلصین ومتقین امم سابقہ، ادعیہ مخلصین ومتقین، انجام مخلصین متقین۔ ماخذ آیات ۱۴۴ تا ۱۴۸+

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ : تنبیہ مؤمنین : فرمایا محمد (ﷺ) نہیں ہیں مگر رسول یعنی خدا نہیں ہیں جن کا مرنا اور فنا ہونا ناممکن ہوا اور نہ لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دیتے ہیں۔ شان نزول : بیہقی نے دلائل میں ابو نجیح کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک مہاجر کسی انصاری کی طرف سے گزرا انصاری خون میں تڑپ رہا تھا، مہاجر نے انصاری سے (یا انصاری نے مہاجر سے) کہا کیا تم کو معلوم ہے کہ محمد ﷺ قتل کردیے گئے، اس نے جواب دیا اگر محمد (ﷺ) قتل کردیے گئے تو وہ پیام خداوندی پہنچا گئے، اب تم اپنے دین کی طرف سے لڑو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری: ص: ۱۴۷، ج۔ ۲)

اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ : الخ ، تشریح تنبیہ : اگر آپ کا انتقال ہوجائے یا آپ شہید ہوجائیں، تو کیا تم لوگ جہاد یا اسلام سے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے جیسا کہ اس واقعہ میں بعضے مسلمان میدان جنگ سے بھاگ پڑے تھے، اور منافقین ارتداد کی ترغیب دے رہے تھے۔ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ : الخ نتیجہ انحراف : اور جو شخص ایسا کرے وہ اپنا نقصان کرے گا یعنی اپنا کچھ کھوئے گا۔ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ : الخ نتیجہ حق شناس : جلد اللہ تعالیٰ بدلہ دے گا۔

لغوی تشریح : محمد کا مادہ حمد سے ہے اور مصدر تحمید ہے۔ قاموس میں ہے کہ حمد کا معنی ہے شکر، رضا، جزا ادائے حق، اور تحمید کا معنی ہے لگاتار تعریف کرنا، پس محمد کا معنی ہوا وہ شخص جس کی لگاتار تعریف کی جائے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی ﷫ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں جس کی لگاتار مسلسل غیر متناہی تعریف کی جائے اس کو محمد کہتے ہیں۔ (مظہری: ص: ۱۴۷، ص۔ ۲)

علامہ بغوی ﷫ فرماتے ہیں کہ محمد وہ شخص ہے جو تمام محامد کا جامع ہو، کیونکہ حمد کا مستحق صرف وہی شخص ہوتا ہے جو کامل الصفات ہو اور تحمید کا درجہ حمد سے زیادہ ہے (باب تفعیل میں باب مجرد سے زیادہ قوت اور کثرت ہونی چاہیے، کثرت لفظ کثرت معنی پر دلالت

کرتی ہے) پس مستحق تحمید وہی شخص ہوگا، جو انتہائی کمالات کو محیط ہو۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "وَشَقَّ لَهُ مِنْ اِسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ" اللہ تعالیٰ نے اس کی عزت افزائی کے لیے اپنے نام سے مشتق کر کے (اس کا نام رکھا) پس عرش کا مالک محمود ہے اور یہ محمد ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) (معالم التنزیل: ص:۲۸۱: ج:۱: خازن: ص:۳۰۸ ج۔۱)

نوٹ: اس آیت کے ذیل میں چند باطل نظریات اوران کے مسائل بھی یاد رکھیں:

❶ منکرین حیات خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے استدلال

یہ بات یاد رکھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات شریفہ کا یقینا ورود ہوا ہے اور آپ نے یقینا اس دنیا میں سے انتقال فرمایا لیکن قرآن کریم اس وقوع موت کی ہرگز خبر نہیں دیتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات آچکی ہے اس کا سب سے پہلا ثبوت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطبہ سے ملتا ہے ہم اس کے قائل ہیں جیسا کہ آگے کیفیت جنازہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آرہا ہے۔ مگر وفات کے ساتھ ساتھ بعد الوفات حیات کا ثبوت یعنی واضح طور پر اس حدیث میں موجود ہے، اب ان کا استدلال سماعت کریں وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کے بعد حیات قبر حاصل نہیں مگر یہ ان کا استدلال درست نہیں چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خطبہ بخاری شریف: ص:۵۱۷: ج:۱: پر موجود ہے جس کو کبھی یہ لوگ پورا بیان نہیں کرتے جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عوالی میں بستی سخ میں تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے "وَاللّٰهِ مَا مَاتَ" (اللہ کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے "فَكَشَفَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَبَّلَهٗ فَقَالَ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَا يُذِيْقُكَ اللّٰهُ الْمَوْتَتَيْنِ اَبَدًا۔

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کپڑا اٹھایا (پھر جھک کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیا (پھر غم سے آنسو بہائے) اور کہنے لگے میرے ماں باپ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قربان آپ زندگی اور موت دونوں حال میں پاکیزہ اور اچھے ہیں قسم ہے اس پروردگار کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دوبار موت کا مزہ کبھی بھی نہیں چکھائیں گے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خاموشی کا حکم دیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا جس میں اللہ پاک کی حمد وثناء بیان فرمائی اور فرمایا "اَلَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم فَاِنَّ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ وَقَالَ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ وَقَالَ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ"۔

ترجمہ: سنو! اگر کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا پس تحقیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاچکے ہیں اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا تو پس تحقیق اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ ہیں کبھی فوت ہونے والے نہیں، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سورۃ زمر کی آیت تلاوت فرمائی: کہ اے پیغمبر! آپ بھی وفات پانے والے ہیں اور وہ بھی وفات پائیں گے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سورۃ آل عمران کی آیت تلاوت فرمائی: نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر پیغمبر ان سے پہلے کئی پیغمبر گزر چکے ہیں۔ اس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وقوع موت کا ذکر کرنے سے پہلے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کا مزہ نہیں چکھائیں گے اس کا مطلب حاشیہ بخاری میں ہے کہ "اِنَّ حَيَاتَهٗ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَعْقِبُهَا مَوْتٌ بَلْ يَسْتَمِرُّ حَيًّا وَالْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ"۔ (فتح الباری: ص:۲۱: ج:۷)

ترجمہ: بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایسی ہے کہ اس کے بعد موت وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوامی حیات حاصل ہے جس سے واضح ثابت ہوگیا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ بخاری شریف کے حاشیہ کے علاوہ بھی عبارت فتح الباری: ص:۲۱: ج:۷، عمدۃ القاری: ص:۸۹۰: ج:۷، تیسیر القاری شرح بخاری: ص:۲۵۴: ج:۳ اور: ص:۱۷۴: ج:۳، مدارج

النبوت:ص:۸۹۰:ج :۲:پر بھی ہے بلکہ مولانا غلام اللہ صاحب کے رسالہ تعلیم القرآن میں یہ بات چھپی ہے لکھتے ہیں پھر دوسرا مطلب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ارشاد گرامی کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ عوام الناس کے لئے دو موتیں ہیں پہلی دفعہ اس دنیا پر موت وارد ہوتی ہے پھر قبر میں نکیرین کے سوال و جواب کے وقت ان کو زندہ کر دیا جاتا ہے اس سے فراغت کے بعد دوبارہ ان پر موت طاری کر دی جاتی ہے لیکن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف اسی دنیا کی صرف ایک موت مقدر تھی جو آپ پر وارد ہو گئی اس کے بعد قبر مبارک میں پھر حیات بخشی جائے گی اور وہ برابر قائم رہے گی اور وہ عوام الناس کی طرح ان پر دوبارہ موت طاری نہ ہوگی۔ (رسالہ تعلیم القرآن مئی ۱۹۵۹ء:ص۔۱۲۹)

❷ کیفیت جنازۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

اعتراض: اہل تشیع کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے چونکہ یہ حصول خلافت کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں چلے گئے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی عدم موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا؟

جواب : تمام معتبر کتب اہل سنت اور کتب شیعہ سے صریح طور پر ثابت ہے کہ تمام مہاجرین اور تمام انصار اہل مدینہ واطراف مدینہ کے تمام مردوں، عورتوں، بوڑھوں، بچوں سب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ مبارکہ میں شرکت کی چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن مبارک پہنا کر چارپائی پر رکھا گیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حجرہ مبارکہ میں تشریف لے آئے اور "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ" پڑھا اور ان دونوں حضرات کے ساتھ اتنے مہاجرین اور انصار بھی تشریف لائے جتنا کہ حجرہ مبارکہ میں گنجائش تھی ان سب حضرات نے صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھا اور صفیں باندھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازے پر کوئی امام نہ تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وفاروق رضی اللہ عنہ "فِي الصَّفِّ الْاَوَّلِ حِيَالَ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی پہلی صف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سامنے کھڑے ہوئے پڑھ رہے تھے۔ "اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّهٗ قَدْ بَلَّغَ مَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ الخ پھر اسی طرح باقی حضرات جنازے کے لئے حجرہ مبارکہ سے نکلتے اور داخل ہوتے رہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مردوں نے جنازہ پڑھ لیا پھر عورتوں پھر بچوں نے پھر جب سب لوگ جنازے سے فارغ ہو گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام قبر مبارک کے متعلق بات چیت کی۔

(البدایہ والنہایہ:ص:۲۶۵:ج:۵:فصل کیفیت الصلوۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم، طبقات ابن سعد:ص:۲۹۰:جزء۵:، ذکر الصلوۃ صلی اللہ علیہ وسلم سیرت حلبیہ:ص:۹۴ س:ج۔۳)

شیعہ کی معتبر کتاب اصول کافی میں محمد بن یعقوب کلینی لکھتا ہے :"عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لَمَّا قُبِضَ صلی اللہ علیہ وسلم صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ وَالْمُهَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ فَوْجًا فَوْجًا" (ص ۵۱ س ج:۱:طبع طہران) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے بیان فرمایا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو آپ پر ملائکہ اور تمام مہاجرین وانصار نے گروہ در گروہ صلوٰۃ وسلام پڑھا۔

شیعہ مذہب کی معتبر کتاب مراۃ العقول میں ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ دس دس مہاجرین اور انصار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ (صلوۃ وسلام) پڑھتے تھے اور باہر آتے تھے۔ "حَتّٰى لَمْ يَبْقَ اَحَدٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ اِلَّا صَلّٰى عَلَيْهِ (ج:۲:ص۔۲۹۱)

یہاں تک کہ مہاجرین وانصار میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ رہ گیا کہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ نہ پڑھا ہو۔ ایسی واضح اور صریح روایات کے باوجود نہایت ہی حیرت کا مقام ہے کہ کس طرح صحابہ کرام کی وفادار و جانثار جماعت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازے پر حاضر نہ تھے۔ یہ غلط ہے۔ باقی رہا جو شیعہ حضرات ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی کی روایت پیش کرتے ہیں وہ عروہ بن زبیر سے مروی ہے جبکہ عروہ بن زبیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت پیدا ہی نہیں

ہوئے تھے۔ چنانچہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ عروہ بن زبیر کی پیدائش اس وقت ہوئی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت شروع ہو چکا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ للذہبی، ص: ۹۵، ج۔ ۱)

اعتراض: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ سے پہلے حصول خلافت کا انتظام کیوں کیا؟

جواب: حضرت صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما کی طرف سے حصول خلافت کا انتظام واہتمام تو بجائے خود رہا ان حضرات کو حصول خلافت کا خیال تک بھی نہ تھا اور پھر قدرتی طور پر خلافت کے حاصل ہو جانے کے باوجود یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین اور جنازہ ودفن وغیرہ پر اتنا صدمہ پڑا کہ بعض کہتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال نہیں ہوا۔ بعض کہتے تھے نزول وحی والی استغراقی حالت میں ہیں۔ اور بعض حالت بے خودی میں کچھ بول نہ سکتے تھے ادھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہاتھ میں تلوار لے کر کھڑے ہوئے کہہ رہے تھے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں اس کا سر قلم کر دوں گا تو اس عالم غم والم میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وہ مشہور ومعروف خطبہ دیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور رحلت کے مسئلے کو سمجھایا (جس کا ابھی اوپر ذکر ہو چکا ہے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مغموم واداس ہو کر مسجد نبوی میں بیٹھ گئے اسی اثنا میں خبر ملی کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار تقرر خلیفہ کے سلسلے میں بات چیت کر رہے ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ امت مسلمہ کو افتراق واختلاف سے بچانے کی غرض سے سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے مجمع میں پہنچے، یہ دونوں حضرات تو صدمہ فراق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مغموم واداس مسجد نبوی میں بیٹھے تھے، سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا مجمع یا مسئلہ خلافت کا تذکرہ نہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے انتظام واہتمام سے ہوا، اور نہ ان دونوں حضرات کے وہم وگمان میں یہ بات تھی اتفاق قدرت سے ان حضرات کے پہنچنے کے بعد اس مجمع نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر باوجود ان کے انکار کرنے کے ان کی صحبت وخدمت قدیمہ اور رفاقت غار، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری وقت میں اپنا قائم مقام بنا کر امامت نماز پر مقرر فرمانے کی وجہ سے بیعت کرلی، اس فیصلہ پر بیعت کے فوراً بعد اسی وقت یہ حضرات واپس مسجد نبوی میں پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین غسل وجنازہ وغیرہ تمام امور کا انتظام واہتمام فرمایا۔

بیعت خلافت کی حکمتیں

اور اس بیعت خلافت کے پہلے ہو جانے کی قدرتی طور پر کئی حکمتیں اور ضرورتیں تھیں، مثلاً اگر یہ بیعت نہ ہوتی تو خلافت کا انتظام بگڑ جاتا، اور کوئی ایسا شخص خلیفہ منتخب ہو جاتا، جس میں سیاسی قابلیت اور روحانی قوت اس درجہ کی نہ ہوتی تو اس کی اصلاح ناممکن ہوتی اور جو فتنے ارتداد ومنع زکوٰۃ وغیرہ کے پیش آئے ان میں دین اسلام کا باقی رہ جانا بظاہر ناممکن تھا۔

ایک بات یہ بھی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین جیسے عظیم الشان کام کا بغیر کسی خلیفہ کی نامزدگی کے انجام پانا ہزاروں اختلافات کا سبب بنتا مثلاً نماز جنازہ کے متعلق اختلاف ہوتا کچھ لوگ جنازہ مبارکہ کو حجرہ سے باہر لا کر نماز پڑھنا چاہتے، اور اس میں جو قیامت برپا ہوتی ظاہر ہے کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا چاہتا، کوئی روتا کوئی بیہوش ہو جاتا، عورتوں اور بچوں کا بھی ہجوم ہوتا پھر مقام دفن میں بھی اختلاف ہوتا کہ مکہ میں دفن کریں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد ہے یا شام میں جو حضرت خلیل اللہ کا مدفن ہے یا جنۃ البقیع میں اگر کوئی خلیفہ نہ ہوتا تو اس اختلاف کا فیصلہ کون کرتا؟ اب چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے تھے، لہٰذا انہوں نے سب امور کا فیصلہ کر دیا کہ نماز حجرہ مبارکہ کے اندر ہوگی دس دس آدمی جائیں، اور نماز پڑھ کر آئیں اور تنہا تنہا پڑھیں نبی کے جنازے پر کوئی امام نہیں بن سکتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود امام ہیں اور مقام دفن کے متعلق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اطہر جہاں قبض ہوئی وہی مقام دفن ہے سب اختلافات بآسانی رفع ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو نہ

خلافت کے خیال میں تھے اور نہ کسی سعی و کوشش میں تھے محض اپنے فضل و کرم اور اپنے وعدہ قرآنی کو پورا فرماتے ہوئے تمام بنی ہاشم تمام مہاجرین و انصار کو یعنی امت، یارغار، صدیق باوقار کے ہاتھ پر متفق و متحد کر کے خلیفہ بلافصل بنا دیا" الحمد للہ علیٰ ذلک۔

اس بیعت خلافت کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت سے اتنے تھوڑے سے وقت و وقفہ میں طے فرمادیا کہ خود شیعہ کی معتبر روایات میں ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی جناب رسول ﷺ کو غسل دے رہے تھے کہ مہاجرین و انصار مسجد نبوی میں آکر حضور ﷺ کے جنازہ اور دفن وغیرہ کے متعلق باہم مشورہ کر رہے تھے جس کی اطلاع حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دی۔

چنانچہ باقر مجلسی لکھتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ "عباس بخدمت حضرت علی علیہ السلام آمد و گفت مردم اتفاق کردہ اند کہ حضرت رسول ﷺ را در بقیع دفن کنند و ابو بکر پیش بایستد و بر آں حضرت نماز کنند" الخ (حیاۃ القلوب: ص:۶۹۷: ج۔۲) ترجمہ: کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جناب امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ لوگوں نے اتفاق کیا ہے کہ حضور ﷺ کو جنۃ البقیع میں دفن کریں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے جنازہ کا امام بنے۔

اور باقر مجلسی لکھتا ہے کہ حضرت سلیمان کہتے ہیں "وَقُلْتُ لِعَلِيٍّ حِيْنَ يَغْسِلُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اِنَّ الْقَوْمَ فَعَلُوْا كَذَا وَ كَذَا اِنَّ اَبَابَكْرٍ السَّاعَةَ لَعَلٰى مِنْبَرِ رَسُوْلِ ﷺ"۔ (مرآۃ العقول: ص:۳۷۱ :ج:۱) میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس وقت کہا جبکہ وہ آنحضرت ﷺ کو غسل دے رہے تھے کہ تحقیق لوگوں نے اس اس طرح کر لیا ہے اور اب ابو بکر رضی اللہ عنہ جناب رسول ﷺ کے منبر پر ہے۔ تو شیعہ مذہب کی ان معتبر روایات سے ثابت ہوا کہ حضرت علیؓ اب تک غسل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مہاجرین و انصار اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جنازہ رسول ﷺ کا کفن و دفن کا انتظام اور مشورہ کر رہے تھے حتی کہ بعض لوگ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امام جنازہ بنانے کا باہم تذکرہ کر رہے تھے۔

غور کیجیے کہ حاضرین جنازہ رسول تو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امام جنازہ بنانے کا تذکرہ کر رہے تھے لیکن چودہ سو برس بعد آنے والے کس جرأت و بے باکی سے آنحضرت ﷺ کے جنازے پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شمولیت کا انکار کرتے ہیں۔

فَاعْتَبِرُوْا يَآ اُولِي الْاَبْصَارِ: ناظرین کرام پہ بھی بخوبی واضح ہو گیا کہ تقدیم امر خلافت نہایت ضروری تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے تھوڑے سے وقت میں ہی اپنی قدرت کاملہ سے مکمل فرما کر تمام صحابہ کی مقدس جماعت کو تجہیز و تدفین اور جنازہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں شمولیت کا شرف بخشا۔ (جنازۃ الرسول ﷺ: ص ۱۲: تا ۱۶: مؤلف مولانا عبدالستار صاحب تونسوی رحمہ اللہ)

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ: تذکیر بایام اللہ سے تسلی مؤمنین: آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اسی طرح آپ بھی ایک روز گزر جائیں گے۔

③ قادیانیوں اور عیسائیوں کا وفات عیسیٰ علیہ السلام پر استدلال

اس آیت سے قادیانی اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر استدلال کیا ہے، وہ اس طرح کہ "قَدْ خَلَتْ" کا معنی ہے "قد وفت" اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جمع پر جب الف لام آجائے تو جمعیت باطل ہو جاتی ہے، اور استغراق کا فائدہ ہوتا ہے، تو یہاں "اَلرُّسُلُ" پر الف لام داخل ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ تمام رسول جو آپ سے پہلے گزرے ہیں ان کو وفات دی گئی ہے، تو اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ قواعد نحوی اکثری ہوتے ہیں اور یہ اس قاعدے میں داخل نہیں اور اگر اس کو قاعدہ کلیہ مان کر یہاں بھی تسلیم کریں، تو اس میں دوسری جگہ خرابی لازم آئے گی، چنانچہ پہلا پارہ (آیت ۸۷) "وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ"۔

میں تو اس قاعدہ کے مطابق مطلب ہوگا کہ تمام رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے ہیں، حالانکہ یہ باطل ہے لہٰذا ان کا استدلال درست نہیں ہے۔

اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں صرف گزرنے کا ذکر ہے، اور گزرنا اور آسمان کی طرف زندہ اٹھایا جانا بھی دنیا سے گزرنا ہے، اور گزرنے کا معنیٰ صرف موت لینا درست نہیں ہے، کیونکہ قرآن کریم میں ہے "وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ" اس کا کوئی یہ ترجمہ نہیں کرتا کہ جب وہ (منافق) اپنے شیطانوں کے پاس جاتے تو مرجاتے تھے، اور گزرنے کے کئی طریقے ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی یوں کہے کہ کراچی میں کئی ایس پی گزرے ہیں، تو اس کا کوئی بیوقوف یہ معنیٰ نہیں کرے گا جو ایس پی کراچی میں آتا ہے، وہ یہیں آ کر مرجاتا ہے حالانکہ یہی سمجھتے ہیں کہ کوئی ترقی کر کے چلا گیا کوئی تبادلے سے چلا گیا ہو سکتا ہے یہاں کوئی مر بھی گیا ہو، لہٰذا اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر استدلال پکڑنا درست نہیں ہے۔

ہم محمدؐ پر انگوٹھے چومنے کا استدلال اور اس کا رد

نمبر ۳۔ علامہ منظور احمد فیضی صاحب اس نمبر میں لکھتے ہیں :

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کا نام سن کر انگوٹھے چومے، اب جو لوگ حضور (اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام سن کر انگوٹھے چومنے کو ناجائز، حرام اور بدعت کہتے ہیں، وہ حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) کے منکر ہیں۔ (نظریات صحابہؓ ص۔ ۲۰)

الجواب : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی ذکر کیا جائے تو درود شریف پڑھا کرو، یہ بات احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، لیکن کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھے چومنے کا حکم دیا ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے بھی کسی صحیح سند کے ساتھ انگوٹھے چومنا ثابت نہیں ہے۔

علامہ صاحب نے روایتِ مذکورہ بالا کو جتنے حوالے دیئے ہیں، ان سب کتابوں میں اس روایت کے متعلق لکھا ہے "لم یصح!" یعنی انگوٹھے چومنے کی یہ روایت صحیح نہیں ہے، کمال افسوس ہے کہ علامہ صاحب نے ان سب کتابوں سے یہ روایت تو نقل کردی ہے، لیکن محدثین کا یہ فیصلہ نقل نہیں کیا کہ یہ روایت صحیح نہیں۔ ظاہر بات ہے اگر علامہ صاحب "لم یصح!" کا جملہ بھی نقل کردیتے تو لوگوں کو دھوکا دینا مشکل ہو جاتا، اسی لیے حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لیے "لا یصح!" کا جملہ شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے اور لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیا۔ مثلاً موضوعاتِ کبیر، حاشیہ جلالین، ردالمختار، طحاوی وغیرہ، کتابوں میں انگوٹھے چومنے کی یہ روایت بھی موجود ہے، اور ساتھ ہی محدثین کے فیصلے "لا یصح، لم یصح، بسند فیه مجاهیل، موضوع" وغیرہ کے الفاظ کے ساتھ موجود ہیں، چنانچہ بعض محققین نے علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب "تیسیر المقال" سے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں: "الاحادیث التی رویت فی تقبیل الانامل و جعلها علی العینین عند سماع اسمه صلی الله علیه وسلم عن المؤذن فی کلمة الشهادة کلها موضوعات۔"

یعنی مؤذن سے کلمۂ شہادت سن کر انگلیوں کو آنکھوں پر رکھنے اور چومنے کی تمام روایتیں موضوع ہیں، پس جب کہ انگوٹھے چومنے کی جملہ روایات غیر صحیح، ضعیف، کمزور، معلول، بلکہ موضوع ہیں تو ان سے استدلال کرنا خود باطل ہے، جب ایک چیز سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے ثابت نہیں تو نا معلوم علامہ صاحب ایک غلط نظریہ کی نسبت ان کی طرف کیوں کر رہے ہیں۔؟

علامہ صاحب نے درپردہ ان روایات کا مخدوش اور کمزور ہونا تسلیم کرلیا ہے کیونکہ جن کتابوں سے یہ روایت نقل کی ہے، انہی کتابوں میں محدثین کا یہ فیصلہ بھی ساتھ لکھا ہوا تھا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، چونکہ محدثین کا یہ فیصلہ علامہ صاحب کے مدعا و مقصد کے بالکل خلاف تھا، اسی لیے علامہ صاحب نے کسی کتاب سے یہ جملہ "و بمثله یُعمَل فی الفضائل" نقل کر کے اپنی کتاب سے

حاشیہ پر لکھ کر گلو خلاصی کی کوشش کی، یعنی علامہ صاحب کا اس جملہ سے مقصد یہ ہے کہ اگر چہ روایت صحیح تو نہیں ہے، بلکہ ضعیف، کمزور اور مخدوش ہے، لیکن ایسی ضعیف روایتوں پر عمل کرنے کی گنجائش اور اجازت ہے۔

بہر حال علامہ صاحب نے ان روایتوں کا ضعیف در پردہ تسلیم کر لیا، لیکن بہانہ یہ پیش کیا کہ فضائل کے معاملہ میں ضعیف روایتوں پر عمل کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، اسی لیے اس پر عمل کرنا جائز اور مباح ہے۔

جواباً عرض ہے کہ محدثین کرامؒ نے ضعیف روایت پر عمل کرنے کی چند شرائط مقرر کی ہیں، اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس روایت کا ضعف خفیف قسم کا ہو، لیکن انگوٹھے چومنے کی روایات کا ضعف شدید قسم کا ہے حتی کہ بعض علماء نے تو ان کو موضوع تک بھی کہہ دیا ہے، بہر حال یہ روایتیں ضعفِ شدید کی وجہ سے قابلِ عمل نہیں ہیں۔

لیکن بر سبیل تنزل اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ ان روایتوں سے جوازِ عمل ثابت ہوتا ہے تب بھی علامہ صاحب کا مدعا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ فقہائے احناف کا یہ مسلّمہ ضابطہ ہے کہ اگر لوگ کسی جائز اور مباح کام کو ضروری سمجھنے لگیں تو اس کو چھوڑ دینا لازم ہے اور اس پر عمل کرنا مکروہ ہے۔ (دیکھئے فتاویٰ عالمگیریہ جلدا: ص ۱۳۶؛ شامی جلدا: ص ۔ ۵۷۷)

چونکہ علامہ صاحب اور ان کی مذہبی برادری انگوٹھے چومنے کو ضروری سمجھتے ہیں، بلکہ فرض سے بھی زیادہ اہمیت دیتے ہیں، حتی کہ فرض کے تارک کو اتنی ملامت نہیں کرتے جتنی انگوٹھے نہ چومنے والے کو کرتے ہیں، بلکہ اس کو شعائرِ دین سے خیال کرتے ہیں، پس جبکہ ایک غیر ضروری سمجھا جارہا ہے، تو علمائے احناف اور فقہائے اُمت کے مسلمہ اُصول کے تحت اس کو چھوڑنا چاہیے، کیونکہ ایسے وقت میں اس پر عمل کرنا مکروہ ہے، اگر چہ علامہ صاحب نے ایک اُصول کے تحت جوازِ عمل کی گنجائش نکالی ہے، لیکن دوسرے اُصول کے تحت اس میں کراہت داخل ہو گئی ہے۔

دعوتِ غور و فکر: علامہ فیضی صاحب اور ان کے اکابر کو اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کو چومیں، اپنے انگوٹھوں کے چومنے سے کیا فائدہ؟ آدمی کے انگوٹھے تو ہر وقت آدمی کے ساتھ رہتے ہیں، اور آدمی کے ہر عمل میں شریک رہتے ہیں، نا معلوم ان ہاتھوں سے آدمی کیا کچھ کرتا ہے؟ پس ان کے چومنے سے کیا حاصل؟ اور کیا فائدہ؟ لہٰذا علامہ صاحب اور ان کے مذہبی برادری کو چاہیے کہ انگوٹھوں کو منہ پر رکھنے کے بجائے درود شریف پڑھ لیا کریں، ذالک خیر مما یعملون! اس مسئلہ پر بقدر ضرورت بحث سورۃ احزاب آیت ۴۰ ۔ میں بھی آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

(۵) ذکری فرقہ کا پس منظر

ذکری فرقہ اس کا اصل بانی تو سیّد محمد جونپوری ہے اس کے انتقال کے بعد ان کے مریدین کو پھر محمد مہدی اٹکی نے استعمال کیا۔ ذکری مذہب ایک ایسا مذہب ہے جس کے باقاعدہ کوئی اصول وضوابط مقرر نہیں اور نہ کوئی اس کی کتاب ہے، جو کچھ ان کے پیشوا حکم دے دیتے ہیں وہی ان کا دین اور مذہب ہے۔ آج تک ان کے مذہب پر کوئی باقاعدہ کتاب تحریر نہیں کی گئی، صرف چند قلمی نسخے ہیں۔

مذہب کی بنیاد تو ۹۰۰ھ میں سید محمد جونپوری نے رکھی اور پھر مزید اس کو محمد مہدی اٹکی نے مرتب اور پھیلایا، جس کا ظہور ۹۷۷ھ بمطابق ۱۵۶۹ء میں ہوا تھا۔

ذکری فرقہ کب وجود میں آیا؟ ذکر فرقہ دراصل مہدویہ کی ایک شاخ ہے، پہلے مہدویہ فرقہ کے بانی کے بارے میں کچھ باتیں پھر ذکری فرقہ کے بارے میں کچھ باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

فرقہ مہدویہ کا بانی سید محمد جونپوری تھا جو بروز پیر ۸۴۷ھ مطابق ۱۴۴۳ء جمادی الاولی جونپور ہندوستان میں پیدا ہوا۔ (مہدوی

تحریک :ص ۳۵) اس کو سندھ کے لوگ میرا سائیں، اور مکران اور قلات کے لوگ نور پاک سے یاد کرتے ہیں۔
سید محمد جونپوری جمادی الاولی ۸۸۷ھ کو اپنا علاقہ چھوڑ کر ۹۰۰ھ احمد نگر پہنچے اور پھر ۹۰۱ھ کو حج کے لیے چلے گئے۔ نوماہ وہاں قیام کیا۔ پھر رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میں نبی آخر الزمان ہوں، میرے ہی بارے میں اللہ نے انتباہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زبانی وعدہ فرمایا تھا (مہدوی تحریک :ص ۴۴)
حج سے واپسی پر احمد نگر سے ہوتے ہوئے یہ سندھ میں آئے چھ ماہ قیام کیا (آج وہاں پر ان کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہے)۔ ٹھٹھہ کے بعد یہ قندھار پہنچا اسی دوران اس نے مختلف امراؤ سلاطین، خوانین کو خط لکھا کہ میں مہدی ہوں، جس میں انہوں نے کہا کہ جلدی پیروی کرو تا کہ تم فلاح کو پہنچ جاؤ، جو میری نافرمانی کرے گا، اللہ اس کو سخت عذاب میں مبتلا کرے گا وغیرہ وغیرہ۔
(مہدوی تحریک :ص ۴۷)

پھر اس فرقہ کا بانی، فراہ، جواب افغانستان میں شامل ہے، وہاں پر ۹۱۰ھ میں انتقال کر گیا۔
بانی فرقہ محمد مہدی اٹکی کے حالات: اس فرقے کا پیر محمد مہدی اٹکی ہے، اس کے بارے میں ان کے پیروکار کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اللہ کا نور تھا، اس لیے نہ اس کے والدین ہیں، اور نہ اولاد اور نہ اس کی ولادت ہوئی ہے، اور نہ اس کی وفات ہوئی، نہ کفن دفن ہوا بلکہ یہ نور تھا وہ نور غائب ہو گیا یا آسمان پر چلا گیا۔
اس کا ظہور ۹۷۷ھ مطابق ۱۵۶۹ء میں ہوا یہ اصل میں اٹک پنجاب کا رہنے والا تھا۔ سید محمد جونپوری ایک آدمی تھا، اس کے بہت سے مریدین تھے، اس کی وفات کے بعد ان کے مریدین منتشر ہونے لگے تو محمد مہدی اٹکی نے اپنی سمجھداری سے ان سب کو اپنا پیروکار بنالیا۔ اس نے اپنا مرکز تربت کو بنایا، اور وہاں پر بھی اس نے کافی چیزیں بنادی اور پھر ۱۰۰۰ھ بمطابق ۱۵۹۲ء یا ۱۰۲۹ھ بمطابق ۱۶۱۹ء میں اس مہدی اٹکی نے اس خوف سے کہ کہیں راز فاش نہ ہو جائے اپنے نشست گاہ میں چادر یا عمامہ کو دفن کیا کچھ حصہ باہر رہنے دیا، اور رات ہی رات غائب ہو گیا۔ لوگوں نے شور کر دیا کہ وہ تو نور تھا آسمان پر چلا گیا۔

(۶) ذکری فرقہ کے نظریات وعقائد

پہلا عقیدہ: ان کا کلمہ اہل سنت والجماعت سے الگ ہے۔ کبھی وہ "لا الہ الا اللہ نور پاک نور محمد مہدی رسول اللہ اور کبھی لا الہ الا اللہ نور محمد مہدی رسول اللہ صادق الوعد الامین"۔ (سفر نامہ مہدی مصنف شیخ عزیز لاری ص۔ ۴)
اور کبھی "لا الہ الا اللہ الملک الحق المبین نور پاک نور محمد مہدی رسول اللہ صادق الوعد الامین" کہتے ہیں۔ (ذکر الٰہی ۱۰۔ ۱۱، نور تجلی ص ۱۱۸ :، ۱۲۲ وغیرہ)
دوسرا عقیدہ: (اپنے بانی مذہب) ملا مہدی محمد اٹکی کو نبی آخر الزماں کہتے ہیں، تمام انبیاء کا سردار مانتے ہیں۔ حضرت سید المرسلین نور محمد مہدی کی شان جو کہ اولین وآخرین ہے اور برگزیدہ ہادی ہے رب العالمین کا نور ہے۔ (سفر نامہ مہدی ص ۳ (شیخ عزیز لاری) ذکر الٰہی ص ۳۹، نور تجلی، ص ۶۸، ۷۱، نور ہدایت ۷۹، ثنائے مہدی ۹، ۷، ۱۰ مختلف عنوانات سے سید المرسلین کہا گیا ہے)
تیسرا عقیدہ: محمد اٹکی کی نبوت کا انکار کفر ہے اور محمد اٹکی کو جھوٹا کہنے والا کافر ہے۔ (قلمی نسخہ بہتر موسی نامہ ۱۲۱۱، ۱۵۸، وثنائے مہدی ۸۶، سفر نامہ مہدی ۳، فرمودات مہدی قلمی نسخہ ص ۹۹ وغیرہ)
چوتھا عقیدہ: محمد مہدی اٹکی یہ اللہ کا نور ہے اور خدا مہدی کا عاشق اور مہدی اس کا معشوق ہے۔ (قلمی نسخہ محمد قصر قندی موسی نامہ

۱۱۵، حقیقت نورہادی ۷، معراج نامہ ۲۳)

پانچواں عقیدہ: جس مہدی کا ذکر حدیث میں آیا ہے، یہ وہی مہدی ہے جو آ گیا اب کوئی مہدی نہیں آئے گا۔ (ثنائے مہدی ۱۰، قلمی ابیات سے محمد قصر قندی ص ۱۵۶، ذکر وحدت ص ۱۱، قلمی نسخہ نیز سر جہانی ص ۴۴)

چھٹا عقیدہ: قرآن مجید اصل میں محمد مہدی پر نازل ہوا تھا، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے مہدی پر نازل ہوا ہے اب قرآن کی تاویل وتشریح وہی معتبر ہوگی، جو محمد مہدی اٹکی کی ہے۔ نیز یہ کہ قرآن کے چالیس پارے تھے ان میں سے دس پارے مہدی نے منتخب کر لیے، اور باقی تیس پارے اہل ظاہر کے لیے چھوڑ دیئے ہیں۔

وہ دس پارے قرآن کے باقی تیس یہ بدی کے مثل ہے۔ اسی دس پارے کا نام برھان ہے (سفر نامہ مہدی ص ۵ ،، ثنائے مہدی ص ۷، حقیقت نور پاک، قلمی نسخہ سے قصر قندی موسی نامہ ۱۱۷ ذکر الٰہی ص ۳۹ ،، ذکر توحید ص ۳۱ ،وغیرہ)

ساتواں عقیدہ: جہاں پر قرآن مجید میں محمد کا نام آیا ہے اس سے مراد محمد مہدی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد ہے اور محمد تو مہدی کا نام ہے۔ (معراج نامہ: ص ۲، نور تجلی: ص ۱۲، ۲۲، ۲۳، ۶۲)

آٹھواں عقیدہ: "مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" اس سے مراد مقام محمود نہیں بلکہ اس سے مراد وہ پہاڑ ہے جہاں پر ذکری مذہب والوں کا حج ہوتا ہے۔ (نور تجلی: ص ۴۱)

نواں عقیدہ: تمام انبیاء علیہم السلام پر لازم ہے کہ وہ مہدی اٹکی پر ایمان لائے۔ (موسیٰ نامہ ۹۹ ،، ۱۰۱، ۱۰۰)

دسواں عقیدہ: ان کے مذہب میں انبیاء اور ملائکہ کی توہین بھی جائز ہے۔ (نور تجلی: ص ۶۹، نور ہدایت ۸۳ ،، ۸۷ وغیرہ)

گیارہواں عقیدہ: محمد مہدی اٹکی کے آنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت منسوخ ہوگئی۔

(موسیٰ نامہ: ص ۱۵۳، معراج نامہ قلمی نسخہ: ص ۳۴، ۳۵)

بارہواں عقیدہ: نماز پڑھنے والے مرتد اور بد دین شمار ہوتے ہیں (قلمی نسخہ ملا نور الدین ص ۱۲۱ :)

تیرہواں عقیدہ: رمضان کے روزے منسوخ ہیں۔ ذی الحجہ کے ابتدا کے دس روزے رکھنے چاہئیں ایام بیض اور ہر دوشنبہ کے روزہ رکھ لینا چاہیے۔ (میں ذکری ہوں: ص ۷)

چودھواں عقیدہ: زکوٰۃ دسواں حصہ ہے جو صرف مذہبی پیشوا کو دینا جائز ہے۔ (قصص العیعی: ص ۸۴)

پندرہواں عقیدہ: بیت اللہ کے حج کی فرضیت ختم ہوگی، اس کے بدلے میں ۲۷ رمضان اور نو ذی الحجہ کو کوہ مراد تربت میں حج کرنا چاہیے۔ (موسی نامہ: ص ۱۳۴)

سولہواں عقیدہ: ذکر واذکار یا سجدہ کرتے وقت قبلہ رخ کی ضرورت نہیں ہے۔ (نسخہ کمالات)

سترہواں عقیدہ: تربت میں بھی انہوں نے منی، حرم، مقام محمود، آب کوثر، شجر طوبیٰ، پل صراط، عرفات غار حرا، آب زمزم وغیرہ سب بنایا ہوا ہے اس کو حقیقی تصور کرتے ہیں۔

اٹھارہواں عقیدہ: محمد مہدی زمین پر غوطہ مار کر آسمانوں میں چلے گئے۔ اب عرش معلیٰ پر خدا کے شانہ بشانہ بیٹھے ہوئے ہیں۔

انیسواں عقیدہ: وضو، نماز، نماز جنازہ کچھ نہیں، نماز جنازہ کی صورت یہ ہے کہ اپنے ذکر خانہ میت کو لے جاتے ہیں، کچھ ذکر کرتے ہیں پھر میت کو سپرد خاک کردیتے ہیں۔

(۷) ذکری فرقہ کے نظریات وعقائد اور قرآن وحدیث سے ان کے جوابات

پہلا عقیدہ: جواب: محمد رسول اللہ کی جگہ پر نور پاک نور محمد مہدی رسول اللہ یا اس قسم کے دوسرے الفاظ پڑھنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار ہوتا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار بالاتفاق کفر ہے، اور آپ کی رسالت اور ختم نبوت کی احادیث متواتر ہیں جس کا انکار ائمہ اربعہ اور پوری امت کے نزدیک کفر ہے۔ آپ کی ختم نبوت آیات قرآنیہ اور احادیث کثیرہ اور اقوال ائمہ سب سے ثابت ہے۔ مزید یہ کہ ایسے شخص کو تو شریعت نے واجب القتل کہا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے بارے میں صرف تین احادیث فی الحال یاد رکھیں:

(۱) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ عَنْ اَبِیْهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِیٍّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهُ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ، وَفِیْ رِوَایَةِ الْمُسْلِمِ اِلَّا اَنَّهُ لَا نُبُوَّةَ بَعْدِیْ۔
(بخاری ۲ ۶۳۳، مسلم ۲ ۲۷۸)

ترجمہ: ”حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے ہے، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں اور مسلم شریف کی ایک روایت میں آتا ہے کہ میرے بعد نبوت نہیں ہے۔“ راوی حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص کے علاوہ اس حدیث کو نقل کرنے والا ۱۴ اصحابہ ہیں اس لیے یہ حدیث متواتر درجہ کی ہے۔

(۲) عَنْ ثَوْبَانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ کُلُّهُمْ یَزْعَمُ اَنَّهُ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ“۔ (ابوداؤد ۲ ۲۲۷، ترمذی ۲ ۴۵)

ترجمہ: ”حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میرے امت میں تیس جھوٹے نبی پیدا ہوں گے، ہر ایک یہی گمان کرے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔“ اس حدیث کے روایت کرنے والے ۱۱ اصحابہ ہیں یہ حدیث بھی متواتر شمار کی جاتی ہے۔

(۳) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ۔“ (ترمذی ۱ ۵۱)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رسالت و نبوت ختم ہو چکی ہے، پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔“ اس حدیث کے راوی بھی ۶ ہیں۔

دوسرا عقیدہ: محمد اٹکی کو تمام انبیاء کا سردار جانتے ہیں۔

جواب: اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء کا سردار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کے افضل الرسل سید المرسلین ہونے پر بھی سب کا اتفاق ہے، اس کا انکار بھی اہل سنت والجماعت کے نزدیک کفر ہے۔

تیسرا عقیدہ: محمد اٹکی کی نبوت کا انکار کفر ہے۔

جواب: اس سلسلہ میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار یہ کفر ہے، اور محمد مہدی کی نبوت کا اثبات کفر ہے۔

چوتھا عقیدہ: کہ محمد مہدی اٹکی، یہ اللہ کا نور ہے، یعنی ان کا یہ نبی خدا کے اندر حلول کیا ہوا ہے۔

جواب: یہ عقیدہ رکھنا بھی اہل سنت والجماعت کے نزدیک کفر ہے۔ چنانچہ قاضی عیاض (مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں:

"فَذَالِكَ كُلُّهُ كُفْرٌ بِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ كَذَالِكَ مَنِ ادَّعٰى مُجَالَسَةَ اللّٰهِ وَالْعُرُوْجَ اِلَيْهِ وَمُكَالَمَتَهُ اَوْ حُلُوْلَهُ فِيْ اَحَدِ الْاَشْخَاصِ كَقَوْلِ بَعْضِ الْمُتَصَوِّفَةِ وَالْبَاطِنِيَّةِ وَالنَّصَارٰى وَالْقَرَامِطَةِ"۔ (الشفاء : ج ۲ : ص ۔۔ ۲۴۵)

ترجمہ: "یہ باتیں (حلول) کی تمام مسلمانوں کے اجماع سے کفر ہیں، اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم نشینی کا اور اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا، اور اس سے ہم کلام ہونے کا دعویٰ کرے، یا کسی شخص میں اللہ تعالیٰ کے حلول ہونے کا دعویٰ کرے، جیسا کہ بعض بناوٹی صوفی، باطنیہ، نصاریٰ اور قرامطہ کا دعویٰ ہے۔"

پانچواں عقیدہ: کہ مہدی سے مراد بھی اٹکی ہے۔

جواب: یہ دعویٰ تو ابتدا میں تھا کہ مہدی ہوں پھر رسول ہونے کا دعویٰ کیا اور پھر سید المرسلین ہونے کا دعویٰ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب نبوت کا دعویٰ کفر ہے۔ یہ بات تو عقیدہ نمبرا کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ مشہور کتاب "الاشباہ والنظائر" میں علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں: "اِذَا لَمْ يَعْرِفْ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آخِرُ الْاَنْبِيَاءِ فَلَيْسَ بِمُسْلِمٍ لِاَنَّهُ مِنَ الضَّرُوْرِيَّاتِ"۔ (الاشباہ والنظائر: ص ۲۹۶، کتاب السیر من الفن الثانی)

ترجمہ: جب کوئی شخص یہ نہ جانتا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، تو وہ مسلمان نہیں کیونکہ یہ عقیدہ ضروریات دین میں سے ہے۔" اسی طرح شرح فقہ اکبر میں ہے: "دَعْوَى النُّبُوَّةِ بَعْدَ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفْرٌ بِالْاِجْمَاعِ"۔ (شرح فقہ اکبر: ص ۲۰۲) "ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ باجماع کفر ہے۔"

چھٹا عقیدہ: قرآن کے چالیس پارے کا عقیدہ رکھنا اور پھر ان میں سے دس پارے اپنے لیے چھپا کر رکھ لینا۔

جواب: یہ عقیدہ رکھنا بھی اہل سنت والجماعت کے نزدیک صریح کفر والحاد ہے، جب کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ نے قرآن نازل فرمایا، اسی طرح آج تک ہمارے پاس محفوظ ہے، اس میں سے کوئی ایک حرف بھی ضائع نہیں ہوا، جیسے کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ"۔ ترجمہ "ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔"

ساتواں آٹھواں اور نواں عقیدہ:

جواب: بھی یہ تحریف قرآن کے زمرے میں آتا ہے۔ جیسے کہ علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "كَذَالِكَ وَقَعَ الْاِجْمَاعُ عَلٰى تَكْفِيْرِ كُلِّ مَنْ دَافَعَ نَصَّ الْكِتَابِ اَوْ خَصَّ عَلٰى نَقْلِهِ مَقْطُوْعًا بِهِ مُجْمَعًا عَلٰى حَمْلِهِ عَلٰى ظَاهِرِهِ۔ (الشفاء: ج: ۲: ص ۔ ۲۴۷)

ترجمہ: "اسی طرح ہر وہ شخص جو کتاب اللہ کی صریح نص کا انکار کرے، یا کسی ایسی حدیث میں تخصیص کرے، جس کے نقل کرنے پر اجماع ہو چکا ہو، اور اس بات پر بھی اجماع ہوا ہو کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے، تو ایسے شخص کے کفر پر سب کا اجماع ہے۔"

دسواں عقیدہ: انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کی توہین کرنا۔

جواب: یہ عقیدہ بھی اہل سنت والجماعت کے نزدیک خبیث ترین کفر ہے۔ مستند کتاب جامع الفصولین اور بحر الرائق میں موجود ہے، "وَمَنْ لَّمْ يُقِرَّ بِبَعْضِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اَوْ عَابَ نَبِيًّا بِشَيْءٍ اَوْ لَمْ يَرْضَ بِسُنَّةٍ مِنْ

سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ كُفْرٌ "۔ (جامع الفصولین: ج:۲: ص ۳۰۲، بحر الرائق: ج:۵: ص۔۱۳۰)

ترجمہ: "جو شخص انبیاء میں سے کسی کا اقرار نہ کرے یا کسی نبی پر کوئی معمولی سا بھی عیب لگائے یا انبیاء علیہم السلام کی سنتوں میں سے کسی سنت پر راضی نہ ہو تو ایسا شخص کافر ہے۔" اسی طرح علامہ ابن نجیم فرشتوں کی توہین کے بارے میں لکھتے ہیں: "وَبِعَيْبِهِ مَلَكًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ أَوِ الْاِسْتِخْفَافِ بِهِ۔" (بحر الرائق: ج:۵: ص۔۱۳۱)

ترجمہ: "فرشتوں میں سے کسی پر عیب لگانا یا ان کی توہین کرنا کفر ہے۔"

گیارہواں عقیدہ: کہ شریعت محمدیہ منسوخ ہوگئی ہے۔

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ ذکری فرقہ کا دین اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں کیونکہ وہ تو منسوخ ہو چکا ان کا تعلق تو اس دین سے ہے جو محمد مہدی کا ہے۔ تو اب اس کو دین اسلام والا کیسے کہہ سکتے ہیں۔

بارہواں عقیدہ: نماز پڑھنا صحیح نہیں، اس لیے کہ اس کے پڑھنے سے آدمی مرتد ہو جاتا ہے۔

جواب: اس عقیدے کے بارے میں صاحب جامع الفصولین فرماتے ہیں: "لَا أُصَلِّيْ إِذْ لَا تَجِبُ عَلَيَّ يُكَفَّرُ فِيْهِ۔"
(جامع الفصولین: ص۔۳۰۲)

ترجمہ: "کسی نے یہ کہا کہ میں اس لیے نماز نہیں پڑھتا کہ مجھ پر نماز فرض نہیں تو اس طرح سے کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا۔" اسی طرح قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَ كَذَالِكَ نَقْطَعُ بِتَكْفِيْرِ كُلِّ مَنْ كَذَّبَ وَأَنْكَرَ قَاعِدَةً مِنْ قَوَاعِدِ الشَّرْعِ الخ۔" (الشفاء ۲: ۲۳۸)

ترجمہ: "اسی طرح ہم ایسے شخص کو قطعی کافر قرار دیتے ہیں جو شریعت کے کسی قاعدہ کی اور شریعت کے کسی ایسے حکم کی تکذیب کرے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر طور پر ثابت ہو اور اس پر اجماع ہو، مثلاً کوئی شخص پانچویں وقت کی نماز کا انکار کرے یا ان کی رکعات کی مقدار اور سجدہ کا انکار کرے۔"

تیرہ سے انیس تک عقائد:

جواب: اس سے بھی ارکان اسلام کا انکار ثابت ہوتا ہے۔ ارکان اسلام کا منکر بھی اہل سنت والجماعت کے نزدیک بالاتفاق کافر ہو جاتا ہے، اس سلسلہ میں فتح الجلیل شرح مختصر الخلیل میں ہے: "أَوْ كَفَرَ بِأَنْ اسْتَحَلَّ مُحَرَّمًا مُجْمَعًا عَلَى تَحْرِيْمِهِ مَعْلُوْمًا مِنَ الدِّيْنِ كَالشُّرْبِ لِلْخَمْرِ وَالزِّنَا وَالسَّرِقَةِ وَالْقَذْفِ وَالرِّبَا أَوْ أَنْكَرَ حِلَّ الْبَيْعِ وَأَكْلَ الثِّمَارِ وَوُجُوْبَ الصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ وَلَوْ عَلَى وَلِيِّ مُكَلَّفٍ أَوْ وُجُوْدِهِ مَكَانٍ أَوِ الْبَيْتِ أَوِ الْمَدِيْنَةِ أَوِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَوِ الْأَقْصَى أَوِ اسْتِقْبَالِ الْكَعْبَةِ أَوْ صِفَةِ الْحَجِّ أَوِ الصَّلَاةِ أَوْ حَرْفًا مِنَ الْقُرْآنِ أَوْ زَادَهُ أَوْ إِعْجَازِهِ أَوِ الثَّوَابِ وَالْعِقَابِ قَالَ الْقَاضِيْ عِيَاضٌ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَى تَكْفِيْرِ كُلِّ مَنِ اسْتَحَلَّ الْقَتْلَ أَوْ شُرْبَ الْخَمْرِ أَوْ شَيْئًا مِمَّا حَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى بَعْدَ عِلْمِهِ بِتَحْرِيْمِهِ كَأَصْحَابِ الْإِبَاحَةِ مِنَ الْقَرَامِطَةِ وَبَعْضِ غُلَاةِ الْمُتَصَوِّفَةِ۔"
(فتح الجلیل شرح مختصر الخلیل: ج:۹: ص ۲۱۰)

ترجمہ: جو شخص کسی ایسے حرام کو حلال سمجھے جس کا حرام ہونا اجماع اور دین سے واضح طور پر معلوم ہو تو وہ کافر ہے، جیسے شراب نوشی، زنا، چوری، تہمت لگانا، سود کھانا اور جو شخص خرید و فروخت کے حلال ہونے کا، پھل کے کھانے کے جائز ہونے کا منکر ہو، یا نماز یا روزہ کی فرضیت کا منکر، خواہ کسی ولی مکلف کے حق میں یا وجود جگہ کا منکر ہو یا بیت اللہ کا منکر ہو یا مسجد اقصیٰ کا منکر ہو یا مدینہ کا منکر ہو یا

مسجد حرام کا منکر ہو یا مدینہ کا منکر ہو یا نمازوں کا منکر ہو یا قرآن کے کسی حرف کا منکر ہو یا کسی حرف کو زیادہ کرے یا تبدیل کرے یا قرآن کے معجز ہونے کا منکر ہو، یا ثواب وعذاب کا منکر ہو یہ سب عقیدہ رکھنے والے کافر ہیں۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں : کہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ہر اس شخص کو کافر قرار دیا جائے جو قتل کو شراب نوشی کو یا کسی ایسی چیز کو جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے حلال سمجھے جب کہ اس کے حرام ہونے کا علم ہو جیسے اباحتی قرامطہ اور بناوٹی صوفیوں کا حال ہے حرام کو حلال سمجھنے میں یہ سب کافر ہیں۔"

(۸) پاکستانی قومی اسمبلی کے فیصلہ کے مطابق بھی ذکری فرقہ کافر ہے

حکومت پاکستان کی نیشنل اسمبلی نے جو فیصلہ قادیانیوں کے بارے میں دیا تھا ذکری فرقہ خود بخود اس میں داخل ہو گیا۔ مثلاً قانون پاکستان میں ہے : آرٹیکل ۲۶ جو شخص خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر مکمل ایمان نہیں لاتا یا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی انداز میں نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا کسی ایسے مدعی نبوت یا مذہبی مصلح پر ایمان رکھتا ہے وہ از روئے آئین وقانون مسلمان نہیں ہے۔

شق نمبر ۳ : جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو آخری نبی ہیں، کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا ہو جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی مفہوم یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تصور کرتا ہے وہ آئین وقانون کی اغراض سے مسلمان نہیں ہے۔

تشریح : ذکری چونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہیں مانتے، محمد مہدی اٹکی کو آخری رسول اور مہدی تصور کرتے ہیں اس کا کلمہ پڑھتے ہیں جو مسلمانوں کے کلمہ کے علاوہ ہے۔ ارکان اسلام نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور قبلہ وغیرہ کے منکر ہیں لہٰذا دستور پاکستان کی رو سے وہ غیر مسلم ہیں۔

ذکری بلوچستان کی شرعی عدالتوں کی زد میں: صوبہ بلوچستان کی شرعی عدالتوں میں بھی اب تک ذکریوں کو غیر مسلم شمار کیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ وہ مسلمان اور ذکریوں کے درمیان نکاح کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں حتیٰ کہ ان کو مسلمان کے طریقے پر قسم بھی صرف اللہ تعالیٰ کی نہیں دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں چنانچہ انھیں "کوہ مراد" اور "تاپک" کا واسطہ دے کر قسم دیتے ہیں تو وہ یہ قسم کھانے سے ہچکچاتے ہیں۔ ذیل میں ہم صرف ایک فیصلہ کا حوالہ دیں گے مقدمہ کا فیصلہ آٹھ صفحات پر مشتمل ہے ہم یہاں پر صرف حکم درج کر رہے ہیں : نقل فیصلہ عدالت فیملی کورٹ جج کولواہ اواران :

مقدمہ : فیض محمد ولد دلمراد، حبیب ولد شہداد سکنہ لباچ۔

بنام : بدل ولد باران، موسیٰ ولد رحمت مسماۃ آیمنہ بنت موسیٰ سکنہ لباچ۔

دعوی تنسیخ نکاح ۲۰ جنوری ۱۹۷۵ء۔

حکم : چونکہ مدعا علیہ پہلے ذکری مذہب کا پیرو تھا اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے ایک مسلمان لڑکی سے شادی کی اور اب مرتد ہو کر پھر ذکری ہو گیا ہے یہ مذہب قادنیوں کی طرح نبی کریم صلی اللہ کو آخری نبی تسلیم نہیں کرتا۔ یہ مذہب جو محدود تعداد میں صرف بلوچستان میں پایا جاتا ہے۔ یہ لوگ پانچ اوقات نماز کے منکر ہیں، حج کعبۃ اللہ کے منکر ہیں، یہ لوگ تربت ضلع مکران کے ایک پہاڑی کوہ مراد میں ہر سال جا کر حج کرتے ہیں، رمضان شریف کے تیس روزوں کے منکر ہیں۔ یہ لوگ نعوذ باللہ نقل کفر کفر نباشد یوں کلمہ پڑھتے ہیں لاالہ الا اللہ نور پاک محمد مہدی رسول اللہ، یہ "محمد" سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مراد نہیں بلکہ ایک اور محمد ہے جس کو محمد

اٹکی کہتے ہیں یہ اٹک پنجاب میں ایک جگہ کا نام ہے یہ شخص وہاں کا باشندہ تھا اور مکران ضلع میں آکر اس مذہب کی بنیاد ڈالی یہ لوگ صرف رات کے آخری حصہ میں ذکر کرتے ہیں اس لیے یہاں مسلمان ان کو ''ذکری'' کہتے ہیں اور یہ لوگ اپنے آپ کو بھی ''ذکری'' کہتے ہیں۔ چونکہ مدعا علیہ نے دھوکے اور فریب سے کام لے کر ایک مسلمان شخص کو دھوکہ دے کر اس کی بیٹی سے نکاح کیا اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا لہٰذا اصل میں وہ ذکری تھا اس نے صرف شادی کی خاطر اس طرح کیا اور لڑکی کو بھی دھوکہ دیا اور اپنا ہم مذہب بنایا۔

لہٰذا مندرجہ حوالہ فتاویٰ اور فقہاء کی تصریحات کے بموجب یہ نکاح ہی نہیں ہوا اور مدعیان کو اعتراض کا حق ہے۔ پس میں حکم کرتا ہوں کہ یہ نکاح فسخ ہو کر مدعا علیہا ایمنہ بدل مدعا علیہ کی زوجیت سے خلاص ہے اور وہ مسماۃ ایمنہ سے علیحدہ ہو۔

فائل ہذا داخل دفتر ہوئے۔ فریقین موجود ہیں حکم سنایا گیا۔

۲۰۔۱۔۷۵

دستخط قاضی برکت اللہ

مہر

قاضی کولواہ فیملی کورٹ۔ جج کولواہ آواران۔ مکران

ڈپٹی کمشنر لسبیلہ کا رجسٹریشن آفیسران کو حکم:

ڈپٹی کمشنر لسبیلہ نے ایک حکم اس سلسلہ میں جاری کیا ہے جس کو اخباری رپورٹ ذیل میں درج کیا ہے :

لسبیلہ ۲۶۔ اپریل (نمائندہ امن) ڈپٹی کمشنر لسبیلہ نے تحصیل رجسٹریشن آفیسروں کو ہدایت کی ہے کہ وہ ذکری قبیلہ کے افراد کو شناختی کارڈ جاری کرتے وقت ان کو غیر مسلم تحریر کریں تا کہ ان کو مسلم لکھنے سے عوام میں ہیجان نہ پھیلے، یاد رہے کہ حال ہی میں لسبیلہ کے بعض علماء نے ذکری قبیلہ کے افراد کو مسلم ظاہر کرنے پر شدید اعتراض کیا تھا۔ (اخبار امن ۲۶۔ اپریل ۱۹۷۶ء کراچی)

ذکری فرقہ کے بارے میں اہل فتاویٰ کی رائے :

مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :ان ذکریوں کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں (کیا ذکری مسلمان ہیں؟) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ وہ اپنے اصول وفروع کے اعتبار سے مسلمان نہیں ہیں اس لیے ان کا حکم قادیانیوں، بہائیوں اور ہندوؤں کی طرح غیر مسلم اقلیت کا ہے۔ جو لوگ ذکریوں کو مسلمان تصور کرتے ہیں ان میں شامل ہیں ان کو توبہ کرنی چاہیے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱ : ۱۸۶)

ذکری مذہب کے بارے میں مزید واقفیت کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ مفید ہوگا۔ (۱) مہدوی تحریک۔ (۲) نزہۃ الخواطر، ج ۴ :ص ۳۲۲ :۔ (۳) ذکر توحید۔ (۴) میں ذکری ہوں۔ (۵) عمدۃ الوسائل، مولانا محمد موسیٰ دشتی۔ (۶) مکران تاریخ کے آئینہ میں۔ (۷) ذکر وحدت۔ (۸) نور تجلی۔ (۹) ذکر الٰہی، ملا محمد اسحاق درزئی۔ (۱۰) سفر نامہ مہدی، شیخ عزیز لاری۔ (۱۱) نور ہدایت۔ (۱۲) ثنائے مہدی۔ ملا ابراہیم۔ وملا عزت۔ (۱۳) فرمودات مہدی۔ (۱۴) سیر جہانی (قلمی نسخہ) (۱۵) حقیقت نور پاک۔ (۱۶) معراج نامہ۔

ذکری فرقے کے رد میں لکھی جانے والی کتابیں: (۱) ذکری دین کی حقیقت مولانا احتشام الحق آسیا آبادی۔ (۲) فرقہ ذکریہ پر ایک نظر مولانا محمد حیات رحمہ اللہ تعالیٰ (۳) ذکری مذہب اور اسلام مولانا عبد المجید قصر قندی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (۴) ذکری فرقہ مولانا

مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (۵) کیا ذکری مسلمان ہیں؟ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ۔

﴿۱۴۵﴾ تعلیم ثابت قدمی : كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا : موت کی مقرر میعاد تو لکھی ہوئی ہے جس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی، تو پھر ارمان اور حسرت محض بیکار ہے۔ وَمَنْ يُّرِدْ : الخ نتیجہ طلب دنیا : اس کا میدان چھوڑ کر مال غنیمت کو جمع کرنا ہے اور یہ کوئی مذموم نہیں تھا مقصد محفوظ کرنا ہی تھا تا کہ اس کو صحیح مصرف میں خرچ کیا جائے مگر صحابہ کرام کا معیار بلند تھا اس لئے طلب دنیا سے تعبیر کیا گیا ہے واللہ اعلم۔ وَمَنْ يُّرِدْ : الخ نتیجہ طلب آخرت۔ ﴿۱۴۶﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ: الخ استقلال مخلصین و متقین امم سابقہ۔ ربط : یہاں سے گزشتہ ملامت و تنبیہ کا تتمہ ہے کہ گزشتہ امتوں کے مخلص لوگوں کا حال یاد دلا کر کہا جا رہا ہے کہ دیکھو وہ کیسے مستقل رہے، تم کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ ﴿۱۴۷﴾ ادعیہ مخلصین و متقین۔ ﴿۱۴۸﴾ انجام مخلصین و متقین۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر اسباب کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، اور اپنے گناہوں کی بخشش بھی طلب کرے، اور فتح کے لیے ثابت قدمی بھی اختیار کرے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا

اے ایمان والو! اگر تم لوگوں کی بات مانو گے جنہوں نے کفر کیا تو وہ تم کو پلٹا دیں گے تمہاری ایڑیوں پر پھر تم پلٹ جاؤ گے

خٰسِرِيْنَ ۝ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ۝ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ

نقصان اٹھانے والے ہو کر ﴿۱۴۹﴾ بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ بہتر مدد کرنے والا ہے ﴿۱۵۰﴾ عنقریب ہم ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے جنہوں نے

كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ

کفر کیا اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا ہے ایسی چیزوں کو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے

وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ

اور ظلم کرنے والوں کا بہت برا ٹھکانہ ہے ﴿۱۵۱﴾ اور البتہ تحقیق اللہ نے تمہارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا تھا جبکہ تم ان (دشمنوں) کو کاٹ رہے تھے اللہ کے حکم سے

حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ

یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور تم نے معاملہ میں جھگڑا کیا اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھائی جسے تم پسند کرتے ہو

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ

تم میں سے بعض وہ ہیں جو دنیا کا ارادہ کرتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو آخرت کا ارادہ کرتے ہیں پھر پھیر دیا تم کو ان سے

لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِذْ

تا کہ تم کو آزمائش میں ڈالے اور البتہ تحقیق اللہ نے تم کو معاف کر دیا ہے اور اللہ فضل والا ہے اہل ایمان پر ﴿۱۵۲﴾ جبکہ

تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ

تم اوپر جا رہے تھے اور کسی کی طرف نہیں پلٹتے تھے اور اللہ کا رسول تم کو پکارتا تھا پیچھے سے پس پہنچایا اللہ تعالیٰ نے تم کو

غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا

غم پر غم تا کہ تم اس چیز پر غم نہ کرو جو تم سے فوت ہوگئی ہے اور نہ اس پر جو تم کو پہنچی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کی خبر رکھنے والا ہے

تَعْمَلُوْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً

جو تم کرتے ہو ﴿۱۵۳﴾ پھر اتارا اللہ نے تمہارے اوپر غم کے بعد امن اونگھ جو ڈھانپ رہی تھی ایک گروہ کو

مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ

تم میں سے اور ایک گروہ ایسا تھا کہ ان کو فکر مند کیا تھا ان کی جانوں نے وہ گمان کرتے تھے اللہ کے بارے میں ناحق خیال

الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ

جاہلیت کا خیال وہ کہتے تھے کیا معاملہ میں ہمارے لیے بھی کچھ ہے؟ آپ کہہ دیجئے معاملہ سب کا سب اللہ کے ہاتھ میں ہے

يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ

یہ اپنے نفسوں میں ان باتوں کو چھپاتے ہیں جن کو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں اگر معاملے میں ہمارے لیے کچھ ہوتا

شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ

تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے آپ کہہ دیجئے اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو وہ لوگ نکلتے جن پر

عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ

قتل کیا جانا لکھ دیا گیا ہے اپنی قتل گاہوں کی طرف تا کہ اللہ تعالیٰ آزمائے اس چیز کو جو تمہارے باطن میں ہے اور تا کہ صاف کردے

مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ

اللہ تعالیٰ اس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں کو جانتا ہے ﴿۱۵۴﴾ بے شک تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے پشت پھیری

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ

جس دن دو جماعتوں کی آپس میں ٹکر ہوئی بے شک ان کو پھسلایا شیطان نے ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے اور البتہ تحقیق اللہ نے ان کو معاف کردیا ہے

عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

ع ۱۶

بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور بردبار ہے ﴿۱۵۵﴾

﴿۱۴۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا : الخ ربط آیات : گزشتہ آیات میں تھا، بعض منافقین نے مسلمانوں سے کہا جب آپ ہی نہ رہے، تو پہلا دین کیوں نہ اختیار کریں، یہاں سے مسلمانوں کو منافقین کے مشورہ کی اتباع سے روکا گیا ہے۔

خلاصہ رکوع ۱۶: ترہیب مؤمنین از قبول مشورہ کفار ومنافقین، حقیقی مددگار، وعدہ رعب، علت رعب، نتیجہ اخروی وعدہ نصرت کی صداقت کا بیان، سبب مغلوبیت یعنی رائے میں کمزوری کا بیان، حکم رسول سے باہمی اختلاف، کیفیت صحابہ، عفو خداوندی، تتمہ داستان مغلوبیت، عدم سماعت کی وجہ سے غم کا بیان، ازالہ غم کا بیان برائے جماعت مؤمنین، جماعت منافقین کی کیفیت، منافقین کا اجمالی شکوہ تفصیلی شکوہ، تفصیلی شکوہ کا جواب میدان اد بار جنگ، وجہ لغزش، عفو الٰہی۔ ماخذ آیات ۱۴۹ :تا۱۵۵+

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا :الخ ترہیب مؤمنین از قبول مشورہ کفار ومنافقین :"يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ" وہ پھیر دیں گے تمہیں الٹے پاؤں یعنی اگر تم نے کفار کی اطاعت کی تو تمہیں مرتد بنا دیں گے، غزوہ احد میں تم منافقین کے خیالات سے متاثر ہوئے، جو دین اسلام کے دشمن ہیں۔

﴿۱۵۰﴾ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ...الخ حقیقی مددگار :بلکہ اللہ تمہارا حقیقی مددگار ہے، جب اس کے نام پر جان دینے کے لیے تیار ہو جاؤ گے، تو پھر دنیا کی کوئی طاقت تمہارا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔

﴿۱۵۱﴾ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ ...الخ وعدہ رعب :اب ہم کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈال دیں گے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وہ مدد ہے جو اسباب سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ بِمَا أَشْرَكُوا ...الخ علت رعب :اس لیے کہ انہوں نے شرک کیا حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں :وہ اللہ تعالیٰ کے چور ہیں اور چور کے دل میں ڈر رہتا ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ہیبت ڈال دے گا۔ (موضح القرآن)

سُلْطَانًا : کا لغوی معنی ہے قوت، اس جگہ مراد ہے دلیل، برہان، مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ ایسے معبودوں کو شریک بنا رکھا ہے، جن کے شریک ہونے کی نہ کوئی دلیل ہے، یہ برہان بلکہ عقلی نقلی تمام دلیلیں اور حجتیں اللہ کی توحید پر دلالت کر رہی ہیں۔ (مظہری: ص:۱۵۴: ج۔۲) وَمَأْوَاهُمُ ...الخ نتیجہ اخروی۔

مسلمانوں کی غلطی سے فتح شکست میں تبدیل ہوئی

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ ...الخ وعدہ نصرت کی صداقت کا بیان :اللہ تعالیٰ نے غزوہ احد میں اپنا وعدہ سچا کر دیا تھا فتح عطا کی مگر تمہاری غلطیوں کی وجہ سے فتح شکست میں تبدیل ہو گئی یعنی سب سے پہلے غلبہ مسلمانوں کو ہوا تھا، اور وہ کفار کو مار رہے تھے، اور فتح کے آثار نظر آ رہے تھے، اور کسی کو خوشی تھی مال کی، اور کسی کو خوشی تھی اسلام کے غلبہ کی، جب مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی تو معاملہ الٹا ہو گیا۔ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ ...الخ سبب مغلوبیت یعنی رائے میں کمزوری کا بیان : کہ تم اپنی رائے میں کمزور ہو گئے یعنی پچاس آدمی کی رائے مختلف ہو گی۔ چونکہ آنحضرت ﷺ نے مخالفین سے بچنے کے لئے پچاس آدمی تیر انداز حفاظت کے لیے پہاڑ کی راہ پر کھڑے کئے تھے، باقی لشکر میدان میں کفار سے لڑ رہا تھا۔

وَتَنَازَعْتُمْ الخ : حکم رسول سے باہمی اختلاف :بعض جمے رہنے پر قائم رہے اور بعض نے جمے رہنے پر اختلاف کیا کہ اب یہاں ٹھہرے رہنے کا حکم باقی نہیں رہا۔ جب ان تیر اندازوں نے فتح اور غلبہ کو دیکھا، تو وہاں سے ہٹے تا کہ شریک فتح ہوں۔ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ ...الخ کیفیت صحابہ اور بعض غنیمت حاصل کرنے لگے اور بعض حضرات نے منع کیا، مگر انہوں نے نہ مانا اور وہاں صرف دس بارہ آدمی رہ گئے، پیچھے سے کفار کی فوج نے حملہ کر دیا۔ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ...الخ عفو خداوندی۔

فائدہ: حضرت صحابہ کرام ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عنایات قابل دید ہیں "لِيَبْتَلِيَكُمْ" فرما کر یہ ظاہر کر دیا کہ عارضی

شکست کی جو صورت پیش آئی ہے یہ بطور سزا کے نہیں تھی بلکہ آزمائش کے لیے ہے، جس سے مقصود اخلاق کی تربیت تھی، تا کہ ایسے مصائب کے عادی ہو کر استقامت اختیار کریں، اس سے معلوم ہوا جو مصائب آتے ہیں ان میں حکمتیں ہوتی ہیں پھر صاف لفظوں میں جب اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا، تو اب دوسروں کو مواخذہ کرنے کا کیا حق ہے؟

﴿۱۵۳﴾ **تتمہ داستان مغلوبیت** : آنحضرت ﷺ کی خلاف ورزی یہ کی کہ جب کافر بھاگنے لگے، مسلمان ان کے تعاقب میں نکلے، آنحضرت ﷺ ان کو پکارتے رہے میری طرف آؤ آگے مت جاؤ، مگر وہ اس طرف نہ آئے حکم عدولی کی وجہ سے شکست ہوئی۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ ...الخ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ واقعہ دونوں طرح ہوا تھا کوئی ہموار میدان میں دور نکل گیا تھا اور کوئی پہاڑ پر چڑھ گیا تھا۔ (معالم التنزیل: ص: ۲۸۴، ج:۱)

وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤی اَحَدٍ : یعنی شدت دہشت کی وجہ سے کوئی کسی کی طرف منہ موڑ کر نہیں دیکھتا تھا، "**وَالرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ فِیْۤ اُخْرٰىكُمْ**"۔ یعنی رسول پچھلی جماعت میں (کھڑے) تم کو پکار رہے تھے، اور فرما رہے تھے کہ اللہ کے بندوں میری طرف آؤ میں اللہ کا رسول ہوں جو میری طرف مڑ کر آئے گا، اس کے لیے جنت ہے۔

فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ : **عدم سماعت کی وجہ سے غم کا بیان**: اللہ تعالیٰ نے تم کو غم پر غم دیا یعنی کئی طرح کے غموں میں مبتلا کیا۔ ایک غم دشمن کے غالب آنے کا۔ اور ایک غم اپنے مارے جانے کا، اور زخمی ہونے کا۔ اور ایک غم آنحضرت ﷺ کے سر مبارک کے زخمی ہونے، اور دندان مبارک کے شہید ہونے کا۔ اور ایک غم آنحضرت ﷺ کے قتل کی جھوٹی خبر کے مشہور ہونے کا۔ اور ایک غم فتح کے بعد شکست ہو جانے کا، اور ایک غم منافقین کی شماتت کا، اور اس غم پر غم دینے کی حکمت اور مصلحت یہ تھی کہ آئندہ تم میں پختگی پیدا ہو جائے، اور تمہارے دلوں میں یہ بات بیٹھ جائے کہ آنحضرت ﷺ کے حکم کی کسی حال میں عدولی نہیں ہونے پائے، یہاں تک کہ تم کندن بن جاؤ، اور صبر کے اس درجہ کے عادی بن جاؤ کہ آئندہ کا کوئی غم نہ رہے، اور تمہارے دلوں سے دنیا کی محبت ایسی اٹھ جائے، کہ نہ اقبال پر خوش ہوا کرو اور نہ ادبار پر غم کیا کرو۔

﴿۱۵۴﴾ **ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ** ...الخ **ازالہ غم کا بیان برائے جماعت مؤمنین** : مؤمنین مخلصین کا ایک گروہ تھا جن پر اللہ تعالیٰ نے یک دم اونگھ طاری کر دی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے کھڑے اونگھنے لگے، یہاں تک بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ حالت ہوئی کہ تلوار اٹھاتے گر جاتی تھی، اس نیند سے مسلمانوں کے دلوں سے کفار کا رعب نکل گیا، یہ اونگھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کا سکون اور اطمینان تھا، جو حق تعالیٰ کے محض فضل و رحمت سے اہل ایمان کے دلوں پر نازل ہوا، اور یہ کیفیت عین اس وقت پیش آئی جب مسلمانوں کی لاشیں تڑپ رہی تھیں، اور آنحضرت ﷺ کے قتل کی خبر سن کر رہے سہے ہوش و حواس بھی جاتے رہے تھے، اس وقت کی نیند فتح کا پیام تھا، کیونکہ نیند اس وقت آتی ہے جب پورا امن ہو خوف و ہراس میں نیند نہیں آتی اس میں فتح کا راز مضمر تھا۔

اونگھ سے چند فائدے سامنے آئے

ایک فائدہ : یہ تھا کہ دشمن کا خوف و ہراس دل سے دور ہوا۔ دوسرا فائدہ : یہ تھا کہ ساتھیوں کے مقتول و مجروح ہونے کا جو قلق اور صدمہ تھا وہ ہلکا ہوا۔ تیسرا فائدہ : یہ تھا کہ جنگ میں جو تعب اور تھکان تھا وہ سب یک دم دور ہو، اور نئے سرے سے تازہ دم ہو گئے، اور دشمن کے مقابلہ میں دلیر ہو گئے، یہ مخلص مومنوں کا حال تھا۔ **وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ** ...الخ **جماعت منافقین کی کیفیت** : اور بعضوں کو اپنی جان کا فکر پڑ رہا تھا یعنی اہل ایمان کے مدمقابل منافقین اطمینان اور امن کی نیند سے یکسر محروم تھے، ان کو فکر تھی یہاں سے کس طرح جان بچا کر نکلیں گے، اور اللہ کے ساتھ جاہلانہ گمان کرنے لگے، کہ اللہ تعالیٰ نے جو حضرت محمد ﷺ اور

مسلمانوں سے فتح و نصرت کے وعدے کئے تھے، وہ کہاں گئے؟ ظاہری حالت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے، کہ اسلام اور اہل اسلام کا قصہ تمام ہوا جس طرح سورہ فتح میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا"۔ (آیت۔۱۲)

يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ :منافقین کا اجمالی شکوہ :وہ (منافق) یوں کہہ رہے تھے ہمارا اختیار کچھ چلتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہماری رائے کسی نے نہ سنی جو جنگ سے پہلے ہم نے دی تھی خواہ مخواہ سب کو مصیبت میں پھنسا دیا۔

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ :جواب شکوہ :آپ فرما دیجیے کہ سب اختیار اللہ ہی کا چلتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر تمہاری رائے پر عمل بھی ہوتا پھر بھی قضاء الٰہی غالب رہتی اور جو مصیبت آنے والی ہوتی وہ آ کر ہی رہتی۔ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ :وہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی بات پوشیدہ رکھتے ہیں جس کو آپ کے سامنے صراحتاً ظاہر نہیں کرتے، کیونکہ ظاہر میں ان کے اس قول کا کہ ہمارا کیا اختیار چلتا ہے، یہ مطلب سمجھا جاسکتا ہے کہ تقدیر الٰہی کے سامنے بندے کی تدبیر نہیں چلتی جو کہ عین ایمان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا گیا ہے اس میں بھی اسی معنی کی تصدیق ہے کہ واقعی اختیار تو اللہ ہی کا غالب ہے، لیکن منافقین کا اس قول سے یہ مطلب نہیں تھا، بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ جو یہاں قتل ہوئے ہیں وہ قتل نہیں ہوئے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کے نزدیک تقدیر کوئی چیز نہیں، اور یہ جہالت کی بات ہے۔

يَقُوْلُوْنَ : تفصیلی شکوہ۔ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ :تفصیلی شکوہ کا جواب :فرمایا اگر تم لوگ اپنے گھروں میں بھی رہتے تب بھی جن لوگوں کے لیے قتل مقدر ہو چکا تھا، وہ لوگ ان مقامات کی طرف نکل پڑتے اور قتل ہو کر رہتے، اور جو ظاہری مضرت تھی وہ ٹلنے والی نہ تھی اور یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے آزمائش تھی کہ منافقوں کا نفاق کھل جائے اور ایمان والوں کا ایمان زیادہ پختہ ہو جائے، اور مومنین کی توجہ مصیبت کے وقت غیر اللہ سے ہٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف لگ جائے، جس سے ایمان کو روشنی اور قوت پہنچتی رہے۔ اور اللہ تعالیٰ سینہ کے رازوں کو خوب جانتا ہے اس کو کسی آزمائش کی ضرورت نہیں، مگر پھر بھی آزمائش اس لئے کرتا ہے تا کہ عدالتی طریقہ سے مجرم کا جرم کھل کر سامنے آجائے اس لیے ایسے حالات نمودار کئے جاتے ہیں۔

فائدہ: وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ الخ :اس سے معلوم ہوا کہ غزوات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو تکلیف پہنچی وہ بطور آزمائش کے تھی تا کہ مؤمنین اور منافقین کے درمیان امتیاز ہو۔ اور "فَاَثَابَكُمْ غَمًّا" کے الفاظ سے سزا معلوم ہوتی ہے یہ سزا نہیں تھی بلکہ مربیانہ تربیت تھی جیسے استاذ اپنی شاگردوں کی تربیت کرتا ہے معمولی سزا دیتا ہے۔ حقیقت میں وہ اصلاح ہوتی ہے۔

﴿۱۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ ...الخ ادبار میدان جنگ :بے شک وہ لوگ جو تم میں پیٹھ پھیر گئے۔ یعنی غزوہ احد کے دن بھاگنا مراد ہے۔ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ الخ۔ وجہ لغزش۔

وجہ لغزش۔ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ :عفو الٰہی :چونکہ یہ پہلی غلطی تھی اس لیے معاف کردی گئی۔ حضرت استاذ محترم امام اہل سنتؒ فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ تم سے ہوا غلط فہمی کی وجہ سے ہوا، بدنیتی سے نہیں ہوا غلط فہمی اور چیز ہے اور بدنیتی اور چیز ہے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ (تفسیر ذخیرۃ الجنان، ص۱۰۱، ج۔۳)

اب ذرا توجہ کرو اس آیت میں لام بھی تاکید کا، قد بھی تاکید کا اور ماضی پر داخل ہیں معنی بنے گا اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا، بھائی ان سے لغزش اور غلطی ہوئی ہے پھر اس کو گناہ گناہ کہتے پھرنا خود گناہ ہے اور یہ کہنے والا مجرم ہے۔ "ان اللہ غفور حلیم"

بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے تحمل کرنے والا ہے۔ (ذخیرۃ الجنان: ص: ۲۶ ۳ ج ۔ ۳)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیار حق ہیں

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کی اتنی بڑی لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کر کے ان کے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ فرمایا اور ان کو رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا بلند مقام عطا فرمایا پھر کسی کو کیا حق ہے کہ وہ ان کی برائی کرے۔مگر مودودی صاحب کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیار حق نہیں ہیں وہ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ :رسول خدا کے سوا کسی انسان کہ معیار حق نہ بنائے کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو ہر ایک کو خدا کے بتائے ہوئے اسی معیار کامل پر جانچے اور پرکھے، اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اسی درجہ میں رکھے۔دستور جماعت اسلامی پاکستان ص۔ ۱۴

جواب: مودودی صاحب کا یہ عقیدہ قرآن وحدیث اور اجماع امت کے خلاف ہے۔

اولاً :اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا (سورۃ نساء : آیت ۔ ۱۱۵)

ترجمہ: جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا اس کے بعد کہ حق بات ظاہر ہو چکی ہے اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے مگر پھر اس کو جہنم میں داخل کریں گے جو بہت بری جگہ ہے جانے کی۔

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ سے مراد حضرات صحابہ کرام ہیں دیکھیں اب جو ان کو معیار حق تسلیم نہیں کرے گا وہ اپنا انجام خود سوچ لے ثانیاً : اسی سورہ کی آیت ۱۰۶ میں بالتفصیل گزر چکا ہے۔احادیث نبویہ کی روشنی میں آپ ﷺ نے فرقہ ناجیہ کی نشاندہی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

❶ "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِيْ" کہ جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔تو اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معیار حق بتایا ہے۔ ❷ اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ فَبِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ۔ (مشکوۃ : ص۔ ۵۵۴)

ترجمہ: کہ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ان میں سے جسکی بھی اقتداء کرو گے ہدایت کی راہ پاؤ گے۔فائدہ: قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اقتداء کر کے ہدایت اور کامیابی پالیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :حضرت نبی کریم ﷺ نے نجات پانے والی جماعت کی پہچان میں فرمایا کہ جو اس طریقہ پر ہو جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ۔ظاہراً اتنا فرمادینا کافی تھا کہ جس طریقہ پر میں ہوں۔صحابہ کا ذکر اپنے ساتھ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ سب جان لیں کہ میرا جو طریقہ ہے وہی میرے اصحاب کا طریقہ ہے اور نجات کی راہ صحابہ کی پیروی میں منحصر ہے۔مکتوبات امام ربانی۔ (ص ۲۔۱۰۲، ۱۰۳)

ثالثاً :اجماع امت کے خلاف ہے کہ حضرت صحابہ کرام کے بارے میں لب کشائی کی جائے، چنانچہ عقائد نسفیہ میں ہے وَيَكُفُّ عَنْ ذِكْرِ الصَّحَابَةِ اِلَّا بِخَيْرٍ یعنی واجب ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر بغیر خیر کے اور بھلائی کے نہ کرے۔

اِعْتِقَادُ اَهْلِ السُّنَّةِ تَزْكِيَةُ جَمِيْعِ الصَّحَابَةِ وَالثَّنَاءُ عَلَيْهِمْ۔ یعنی اہل السنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام کو عدول وثقات سمجھیں ان کا ذکر مدح وثناء کے ساتھ کریں۔امام الانبیاء ﷺ کی مقدس جماعت جن کی پاکیزگی وطہارت خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی اب اس کے بعد کسی کو طعن و تشنیع لب کشائی کی اجازت نہیں۔امام ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وفی کتاب السنۃ للآجری من طریق الولید بن مسلم عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا حدث فی امتی البدع و شتم اصحابی فلیظہر العالم علمہ فمن لم یفعل ذلک

منهم فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين (کتاب الاعتصام، ص ۲۶۰، ج ۱، طبع دار ابن جوزیہ)

ترجمہ: کہ امام آجری رحمۃ اللہ کی کتاب السنۃ میں ولید بن مسلم کے طریق سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میری امت میں بدعات ظاہر ہوں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہا جائے تو عالم پر لازم ہے کہ اپنا علم ظاہر کرے جس نے ایسا نہ کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی۔

مودودی صاحب کی کتنی بڑی جسارت کی کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس جماعت ہے ان کو بھی معاف نہیں کیا ان کے مشاجرات کو امت کے سامنے بیان کرنا اور امت مسلمہ کو ان سے متنفر کرنا یہ کوئی دین کی خدمت نہیں ہے اس لئے کہ جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برملا برا کہا جا رہا ہو اور ان سے نفرت دلائی جا رہی ہو تو اس وقت علماء کا شرعی اور علمی فریضہ ہے کہ وہ باطل کی تردید کریں اگر علماء حق خاموشی اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ اور تمام فرشتوں اور انسانوں کی لعنت کے مستحق ہوں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي

اے ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائی بندوں سے کہا جبکہ انہوں نے زمین میں سفر کیا

الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ

یا وہ مجاہد تھے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے یا نہ مارے جاتے تاکہ کردے اللہ اس بات کو

حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١٥٦﴾

حسرت ان کے دلوں میں اور اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ تم کام کرتے ہو ﴿۱۵۶﴾

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ

اور اگر تم اللہ کے راستے میں مارے گئے یا مر گئے البتہ بخشش اللہ کی جانب سے اور مہربانی بہتر ہے

مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿١٥٨﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ

اس چیز سے جس کو یہ جمع کرتے ہیں ﴿۱۵۷﴾ اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف تم سب اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿۱۵۸﴾ پس اللہ کی رحمت سے

مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠

آپ ان کے لیے نرم خو ہیں اور اگر آپ سخت مزاج اور تنگدل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے اردگرد سے پراگندہ ہوجاتے

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ

پس ان کو معاف کردیں اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگیں اور معاملے میں ان سے مشورہ کریں پس جب آپ نے پختہ ارادہ کرلیا تو

عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ

اللہ پر بھروسہ کریں بے شک اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۵۹﴾ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا پس تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر

يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

وہ تمہیں رسوا کردے تو کون ہے جو اس کے سوا تمہاری مدد کرے اور چاہیے کہ ایمان والے اللہ پر بھروسہ کریں ﴿۱۶۰﴾

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى

اور نہیں لائق نبی کے یہ بات کہ وہ خیانت کرے اور جو شخص خیانت کرے گا تو وہ لائے گا اس چیز کو جو اس نے خیانت کی قیامت کے دن پھر پورا پورا بدلہ دیا جائے گا

كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ

ہر نفس کو جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿۱۶۱﴾ بھلا جس شخص نے اللہ کی رضامندی کی تابعداری کی کیا وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو

بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ

اللہ کی ناراضگی اور غصہ لے کر لوٹا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور لوٹ کر جانے کی بہت ہی بری جگہ ہے ﴿۱۶۲﴾ اللہ کے نزدیک یہ مختلف درجات ہیں

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

اور اللہ نگاہ میں رکھتا ہے ان کاموں کو جن کو یہ لوگ کرتے ہیں ﴿۱۶۳﴾ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے اندر انہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ

وہ ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ

اور بے شک اس سے پہلے یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے ﴿۱۶۴﴾ کیا جس وقت پہنچی تم کو مصیبت تو تم نے پہنچائی تھی

مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾

اس سے دگنی تم نے کہا یہ کہاں سے آئی ہے اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے وہ تمہارے نفسوں کی طرف سے آئی ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿۱۶۵﴾

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ

اور جو کچھ تم کو اس دن پہنچا جس دن دو جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں پس اللہ کے حکم سے اور تا کہ اللہ تعالیٰ ممتاز کردے ایمان والوں کو ﴿۱۶۶﴾ اور تا کہ ممتاز کردے ان لوگوں کو

نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا

جنہوں نے منافقت اختیار کی اور ان سے کہا گیا آؤ لڑو اللہ کے راستے میں یا دشمن کا دفاع کرو تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہم جانتے کوئی لڑائی

لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ

تو ضرور تمہارا اتباع کرتے وہ لوگ کفر کی طرف اس دن زیادہ قریب تھے بہ نسبت ایمان کے اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے ہیں

مَّا لَيْسَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۞ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ

جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس چیز کو جس کو وہ چھپاتے ہیں ﴿۱۶۷﴾ وہ لوگ جنہوں نے اپنے بھائی بندوں کے بارے میں کہا اور خود بیٹھ گئے

اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۗ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞

اگر یہ ہماری بات مان لیتے تو نہ مارے جاتے اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے پس ہٹاؤ تم اپنے نفسوں سے موت کو اگر تم سچے ہو ﴿۱۶۸﴾

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۗ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۞

اور نہ خیال کریں آپ ان لوگوں کے بارے میں جو مارے گئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مردے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس ان کو روزی دی جاتی ہے ﴿۱۶۹﴾

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ

وہ خوش ہونے والے ہیں اس پر جو اللہ نے ان کو دیا ہے اپنے فضل سے اور وہ بشارت حاصل کرتے ہیں ان لوگوں کے بارے میں جو ابھی تک ان سے نہیں ملے

خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ

ان کے پیچھے سے یہ کہ نہیں ہوگا ان پر کوئی خوف اور نہ وہ غمگین ہونگے ﴿۱۷۰﴾ وہ خوشخبری حاصل کرتے ہیں اللہ کی نعمت

وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞

اور اس کے فضل سے اور یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں ضائع کرتا ایمان والوں کے اجر کو ﴿۱۷۱﴾

۱۷ ع ۱۶ ۸

﴿۱۵۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... الخ ربط آیات: اوپر منافقین کا ذکر تھا وہ کہتے تھے "لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَىْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا"۔ یعنی اگر ہمارے ہاتھ میں اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے، آگے بھی اسی بات کو ذکر کیا "لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا"۔ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ اور ایسی باتیں سننے سے ممکن تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں بھی اس قسم کا خیال پیدا ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہاں سے مسلمانوں کی ایسے اقوال واحوال سے متاثر ہونے سے منع فرمایا ہے۔

خلاصہ رکوع ۱۷ مؤمنین کو تقلید اقوال منافقین سے ممانعت، منافقین کا مکالمہ، تشریح مکالمہ، نتیجہ، جواب مکالمہ۔ ۱۔ ۲۔ قانون عام، آنحضرت کے اخلاق کریمانہ، سفارش خداوندی۔ ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ نتیجہ، ازالہ حسرت مغلوبیت از قلوب صحابہ، خاتم الانبیاء کے امین ہونے کا بیان، کیفیت خائن، تفاوت متبعان رضائے حق اور مغضوبین، نتیجہ خائن، نتیجہ رضائے حق، احسان خداوندی برائے بعثت خاتم الانبیاء، بشریت خاتم الانبیاء، فرائض خاتم الانبیاء۔ ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ہزیمت غزوہ احد، تسلی للمؤمنین، تعجب للمؤمنین، جواب تعجب، سبب ظاہری ومصیبت کا سبب حقیقی، حکمت۔ ۱۔ ۲ دعوت للمنافقین، جواب دعوت، اعلان خداوندی، مکالمہ منافقین، حاکمانہ جواب مکالمہ، ازالہ شبہ، حیات شہداء، بشارت۔ ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ حاصل انعامات، تسلی مؤمنین۔ ماخذ آیات ۱۵۶ تا ۱۷۱+

لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا: مؤمنین کو تقلید اقوال منافقین سے ممانعت: یہاں کافروں سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی منافق ہیں۔ حضرت حذیفہ ﷺ کی روایت سے طبرانی نے مرفوعاً نقل کیا ہے خصوصاً ایسی مشابہت (سے اجتناب فرض ہے) جو موجب کفر ہو۔ اس جگہ جس مشابہت کو اختیار کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، وہ تقدیر کا انکار ہے اور تقدیر کا

انکار کفر ہے۔ (مظہری :ص ۱۶۰: ج۔۲)

وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ :منافقین کا مکالمہ : یعنی یہ کافر کہتے ہیں اپنے نسبی یعنی مسلمان اور مذہبی یعنی منافق بھائیوں کو کہ جب کسی زمین میں سفر کرتے ہیں یا بغرض تجارت یا کسی اور کام کے لئے۔ جہاد میں غازی بن جاتے ہو، اگر وہاں اتفاقاً مر جاتے ہو تو اس میں تقدیر سے قتل ہو جاتے ہو۔ لَوْ كَانُوا ...الخ تشریح مکالمہ :منافق کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے سفر تجارتی یا دینی اور غزوہ میں نہ جاتے تو نہ مرتے۔ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ : نتیجہ :لام برائے عاقبت۔ (حاشیہ بیان القرآن :ص ۶۷: ج۔۱)

اور مطلب یہ ہے کہ ہمارے جانے پر یہ بات ان کے دلوں میں اس لیے آئی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں حسرت کا موجب بنائے۔ وَاللّٰهُ يُحْيِي ...الخ جواب مکالمہ ❶ اور اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے سب تصرفات اسی کے اختیار میں ہیں خواہ سفر ہو یا حضر اور جنگ ہو یا امن اور جن خیالات میں تم مبتلا ہو وہ اس سے پوشیدہ نہیں۔

﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ ...الخ جواب مکالمہ : ❷ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو یہ کوئی خسارہ نہیں بلکہ نفع ہی نفع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مغفرت اور رحمت ہے دنیا کی چیزوں سے بدرجہا بہتر ہے جن کو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔ (معالم التنزیل :ص ۲۸۷: ج۔۱)

﴿۱۵۸﴾ قانون عام :اور اگر تم (ویسے بھی) مر گئے یا مارے گئے تب بھی بالضرور اللہ کے پاس ہی جمع کئے جاؤ گے پس اول نمبر پر تو قضا ٹلتی نہیں۔ دوسرے نمبر اللہ کے پاس جانے سے کسی حال میں بچ نہیں سکتے، اور دین کی راہ میں مرنا یا مارا جانا تو موجب مغفرت و رحمت ہے تو پھر ویسے مرنے سے دین ہی کی راہ میں جان دینا بہتر ہے اس لئے ایسے اقوال دنیا میں موجب حسرت اور آخرت میں موجب نار جہنم ہے ان سے پرہیز لازم ہے۔ (بیان القرآن :ص ۶۷: ج۔۱)

﴿۱۵۹﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ ...الخ خاتم الانبیاء کے اخلاق کریمانہ :جنگ احد کے دن بعض مسلمانوں سے لغزش ہوئی تھی، اس سے آنحضرت ﷺ کا دل رنجیدہ ہوا تھا، خطرہ تھا کہ آپ ﷺ ان کو ملامت کریں، اور آئندہ ان سے مشورہ نہ کریں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سبب ان کے لیے نرم ہیں سخت مزاج سخت دل نہیں ورنہ یہ آپ کے پاس سے چلے جاتے آپ ﷺ کی نرم مزاجی اعلیٰ اخلاق کے واقعات کتب حدیث اور تفسیر اور اسلامی تاریخ میں تفصیلاً موجود ہیں مگر چند واقعات پہلے بھی گزر چکے ہیں اور آگے مواعظ و نصائح میں بھی آ رہے ہیں۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ ...الخ سفارش خداوندی :اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سفارش فرمائی۔ ① آپ ان کا قصور معاف فرما دیں۔ ② اور اللہ تعالیٰ سے ان کے حق میں استغفار کریں، اللہ ان کی لغزش کو معاف کر دے گا، اور ان کیلئے آپ کا استغفار باعث تسکین ہوگا۔ ③ اور حسب دستور ان سے معاملات غیر منصوصہ میں مشورہ لیا کریں، اور ان سے نرمی کا معاملہ کریں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جنگ احد کی واپسی کے بعد صحابہ کرام سے نرمی کا معاملہ فرمایا، اور گزشتہ لغزش پر کوئی ملامت نہیں فرمائی اسی کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ :یعنی غیر منصوص مسائل میں مشورہ کریں اس میں امت کے لیے تعلیم ہے کہ جو دینی اور دنیوی معاملہ پیش آئے جس کے بارے میں کوئی حکم خداوندی منصوص نہ ہو تو ایسے لوگوں سے مشورہ کیا جائے جو مشورہ کے اہل ہوں اور مشاورت کا فائدہ یہ ہے کہ مشورہ میں مختلف آراء سامنے آنے سے اس چیز کی حقیقت واضح طور پر کھل کر سامنے آ جاتی ہے کیونکہ مجلس مشاورت میں کوئی ذی رائے ہوگا، کوئی ہوشیار زیادہ ہوگا، اور کوئی صاحب تدبیر زیادہ ہوگا۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ جس طرح ایک چراغ جلانے سے روشنی کم ہوتی ہے جب کئی چراغ ملا کر جلا دیے جائیں تو خوب روشنی ہو جاتی ہے، اسی طرح جب کئی صاحب رائے مشورہ دیں

گے تو اس مسئلہ کے بارے میں سب اطراف کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔

صاحب مشورہ حضرات کے صفات

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قاضی ابو الحسن بصری ماوردی رحمہ اللہ ادب والدین: ص: ۲۰۷: میں فرماتے ہیں مشورہ کا اہل وہی شخص ہو سکتا ہے جس میں پانچ صفتیں موجود ہوں۔ ❶ عقل کامل کے ساتھ تجربہ بھی رکھتا ہو۔ ❷ دیندار اور متقی و پرہیزگار ہو۔ ❸ خیر خواہ اور ہمدرد ہو، اور اس کا دل حسد کینہ اور بغض وعداوت سے پاک ہو، وگرنہ اس کا مشورہ زہر قاتل ہوگا۔ ❹ کسی فکر اور پریشانی میں مبتلا نہ ہو کیونکہ ایسے شخص کا دل اور دماغ صحیح نہ ہوگا اس لیے وہ مشورہ نہیں دے سکتا۔ ❺ اس مشیر کی کوئی نفسانی خواہش اور غرض مضمر متعلق نہ ہو، خود غرض کا مشورہ قابل اعتبار نہیں ہے۔ (محصلہ معارف القرآن: ج:۲: ص:۸۷: تا۔ ۸۲)

فَإِذَا عَزَمْتَ :الخ ④ پس جب آپ پختہ ارادہ فرمالیں، تو اللہ پر بھروسہ کریں نہ کہ اپنے مشورہ اور تدبیر پر اعتماد کریں بلکہ اللہ کی امداد اور تائید پر نظر رکھیں۔

قرآن پاک وحدیث میں صحابہ کرام واہل بیت عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بے شمار فضائل ومناقب بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے چند یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔

فضائل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشاورت کا حکم :

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے کا حکم دیا، جیسا کہ اس آیت سے واضح ہے۔

رضائے الٰہی کا پروانہ :

اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اپنی رضا کا اعلان فرمادیا کہ اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: " وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (التوبۃ :۱۰۰)

ترجمہ :مہاجرین اور انصار میں سے وہ لوگ جو پہلے ایمان لائے اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہوگیا ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔

تنبیہ :رضی اللہ عنہم کا یہ مطلب نہیں کہ ان حضرات سے دنیا میں کوئی غلطی صادر نہ ہوگی بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ کسی گناہ کے بوجھ کے نیچے دب کر دنیا سے آخرت کی طرف روانہ نہیں ہوں گے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ: " وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ "۔ (النور :۵۵)

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ہیں، ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ اسلام میں امام، امیر، والی، یا خلیفہ کوئی اصطلاحات نہیں ہیں۔ رعایا کو ہر حال میں ایک والی امور کی ضرورت ہے جو ان میں نظم امور قائم کر سکے اور انہیں دہشت گردوں سے بچا سکے، اس حاکم کو لفظ امام، امیر، والی، سربراہ اور خلیفہ کسی بھی لفظ سے ذکر کیا جا سکتا ہے۔ ہم نے سورۃ نور میں اس آیت کی تفسیر میں مکمل بحث کی ہے البتہ

اتنی بات یاد رکھیں کہ بارہ خلفاء والی حدیث میں ہے کہ "کلھم من قریش" اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بارہ خلفاء قریش کی ایک شاخ سے نہ ہوں گے ورنہ ان کا نام لیا جاتا انہیں اس مقسم عالی میں نہ رکھا جاتا، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ قریش کی دوشاخوں بنی عدی اور بنی تیم سے تھے اور حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ قریش کی دوشاخوں بنوامیہ اور بنو ہاشم میں سے تھے۔ اور اگر یہ بارہ خلفاء سب کے سب بنو ہاشم میں ہونے ضرور ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقسم قریب چھوڑ کر ان کے مقسم بعید "کلھم من قریش" سے ان کا پتہ نہ دیتے "کلھم من بنی ھاشم" کہتے بایں صورت "کلھم من قریش" سے کلام مقتضاء حال کے مطابق نہیں رہتا۔ مگر اہل تشیع نے اس حدیث میں تحریف کر کے یہ الفاظ داخل حدیث کیے ہیں۔ چنانچہ (نہج البلاغہ خطبہ) میں "ان الائمۃ من قریش غرسوا فی ھذا البطن من بنی ھاشم" بے شک امام قریش میں سے ہوں گے لیکن سب بنو ہاشم میں ہوں گے تا کہ امامت قریش کی دوسری شاخوں میں نے کسی کے پاس نہ جائے۔ اہل سنت اور اہل تشیع اس بات پر متفق ہیں کہ جن کو شیعہ بارہ امام کہتے ہیں ان میں سے نو حضرات ایسے ہیں جن کو ایک لمحہ کے لیے بھی حکومت نہیں ملی۔ پھر وہ اپنے حلقوں میں کیسے خلیفہ اور حکمران سمجھے گئے۔ شیعہ علماء کا جواب کہ ان سے خلافت حکومت غصب کی گئی ہے مگر پھر بھی خلیفہ رہے۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ جس خلیفہ سے خلافت غصب کر لی گئی ہو اسے سیاسی اور تمدنی زبان میں کیسے حکمران کہا جا سکتا ہے حضرت حسنؓ نے خلافت چھوڑنے کے بعد کبھی خلیفہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور حضرت حسینؓ کوفہ کی طرف سفر کر کے جارہے تھے انہوں نے بھی اپنے آپ کو خلیفہ نہیں کہلایا۔ فواسفا

اللہ تعالیٰ کے امتحان میں کامیاب : اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان، تقویٰ اور قلبی کیفیات کا امتحان لے کر انہیں کامیاب قرار دیا اور مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے : "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ "۔ (الحجرات :۳)

ترجمہ : یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقویٰ کے لیے منتخب کر لیا ہے۔ ان کو مغفرت بھی حاصل ہے اور زبردست اجر بھی۔

صحابہؓ کے قلوب کو ایمان سے مزین فرمایا : اللہ تبارک وتعالیٰ صحابہ کرام کے قلوب کو ایمان کے ساتھ مزین فرمایا، ان کے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی اور کفر وفسوق اور عصیان کو ان کے لیے ناپسند قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :" وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ (الحجرات :۷) ترجمہ : لیکن اللہ نے تمہارے دل میں ایمان کی دولت ڈال دی ہے، اور تمہارے دلوں میں پرکشش بنا دیا ہے، اور تمہارے اندر کفر کی اور گناہوں اور نافرمانی کی نفرت بٹھا دی ہے۔ یہ ایسے ہی لوگ ہیں جو ٹھیک راستے پر آچکے ہیں۔

تکمیل شریعت : سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ منصب رسالت کی ذمہ داریوں میں ایک یہ بات بھی بیان کی ہے کہ آپ اپنے فیض صحبت سے ایک جماعت کے دل پاک کریں، سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم الٰہی کے تحت صحابہ کے دل بالتدریج پاک کیے، ہم جو سب صحابہؓ کو پاک اور تزکیہ قلب کی دولت سے سرفراز مانتے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل تزکیہ کے بعد سے مانتے ہیں یہ نہیں کہ وہ پہلے سے ہی دل کی ہر آلودگی سے پاک تھے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض صحبت ہے جس نے آپ کے سب صحابہؓ کو ہدایت کے ستارے بنا دیا۔ اب اس تربیت کے دوران جن صحابہؓ سے کوئی ناپسندیدہ بات ظاہر ہوئی اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خود ناپسندیدہ ہو گئے، دوران تربیت شاگردوں کی کمزوریاں نمایاں ہوتی ہیں اور پھر

استاد اصلاح کرتا ہے، تب کہیں جا کر ان کی زندگیاں معیاری بنتی ہیں، تربیت کے دوران ان سے جو کمزوریاں صادر ہوئیں، وہ ان میں ہرگز موجب قدح نہیں ہو سکتیں وہ حضرات تکمیل شریعت کے مختلف مراحل میں بمنزلہ آلات استعمال ہو گئے اب ان کے اس دور کے واقعات کو اٹھانا اور ان پر جرح کرنا کسی صاحب علم کا کام نہیں، مثلاً (۱) حضرت علی مرتضیٰؓ نے ابوجہل کی بیٹی سے دوسرے نکاح کا ارادہ کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناپسند تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے حضرت علیؓ رک گئے، اب اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ صحابہؓ میں اچھے برے کی تقسیم نہ تھی اور حضرت علیؓ اچھی صف میں نہ تھے یہ ایک بڑا غلط استدلال ہوگا۔ یہ واقعہ تکمیل شریعت کے دوران کا ہے بعد کا نہیں۔ (معیار صحابیت ص ۲۲۔ ۲۳)

صحابہ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع اور پیروکار قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ"۔ (الانفال: ۶۴)

ترجمہ: اے نبی! تمہارے لیے تو بس اللہ اور وہ مؤمن کافی ہیں جنہوں نے تمہاری پیروی کی ہے۔

صحابہ کے اوصاف تورات اور انجیل میں: اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود ان کے اوصاف بیان فرمائے کہ وہ آپس میں بڑے مہربان اور کافروں پر بڑے سخت ہیں، وہ بڑے عبادت گزار ہیں، اللہ کی خوشنودی کے طلبگار ہیں، تورات اور انجیل میں بھی ان کی مدح فرمائی، ان کو کامیاب اور جنتی قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۚۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا"۔ (الفتح: ۲۹)

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں، اور آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں۔ تم انہیں دیکھو گے کہ کبھی رکوع میں ہیں، کبھی سجدے میں ہیں، غرض اللہ کے فضل اور خوشنودی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں، ان کی علامتیں سجدے کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ ہیں ان کے وہ اوصاف جو تورات میں مذکور ہیں اور انجیل میں ان کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہو گئی، پھر وہ موٹی ہو گئی، پھر اپنے تنے پر اس طرح سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کاشتکار اس سے خوش ہوتے ہیں، تا کہ اللہ ان (کی اس ترقی) سے کافروں کا دل جلائے۔ یہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، اللہ نے ان سے مغفرت اور زبردست ثواب کا وعدہ کر لیا ہے۔ اس آیت میں آپ کے ساتھ ہونے کا مطلب آپ کی دعوت، محنت اور آپ کی جماعت میں آ کر آپ کے ساتھ رہنا ہے۔ اگر ان میں ایک قلیل جماعت صرف دل سے آپ کے ساتھ ہوتی اور دوسرے سب منافق ہوتے تو آیت میں الفاظ یوں ہوتے "والذین اٰمنوا معه" نہ کہ "والذین معه" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت مطلقہ انہیں نصیب تھی ان کی پہچان کسی سے پوشیدہ نہیں تھی بلکہ کھلے الفاظ میں رکوع وسجود سے کرائی گئی ہے۔ اس آیت میں "والذین معه" کے عنوان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو تین نمایاں صفات میں ظاہر کیا گیا ہے۔

(۱) اشداء علی الکفار (۲) رحماء بینھم (۳) رکعاً سجداً۔ یہ صفات سب صحابہ کرامؓ کی تھی مگر کوئی کسی صفت میں سبقت لے گیا تو اس کا انکار نہیں، جیسے حضرت عمرؓ کو "اشدھم فی امر اللہ" میں ممتاز کیا اور حضرت ابوبکرؓ کو "رحماء بینھم"

میں ممتاز کیا یہ صرف ان کی صفت فاضلہ تھی باقی حضرات سے نفی کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ یہ سب صفات علی العموم سب صحابہ کرام میں پائے جاتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو امت کا بہترین طبقہ قرار دیا: حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی امت میں سب سے بہترین قرار دیا۔

حدیث سے دلیل: قَالَ رسولُ اللہ ﷺ: أَكْرِمُوا أَصْحَابِي فَإِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ (مصنف عبدالرزاق ۱۰: ۲۹۶)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میرے صحابہ کا اکرام کرو بے شک کہ وہ تم سب میں بہتر ہیں۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "لَا تَسُبُّوا أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِي فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَوْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ" (صحیح مسلم: ج:۲،ص:۳۱۰)

ترجمہ: ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میرے صحابہ میں سے کسی ایک کو بھی گالی مت دو، پس تم میں سے اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر (اللہ کی راہ میں) سونا خرچ کر دے تو ان میں سے کسی ایک کے مٹھی برابر یا اس کے نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

صحابہؓ سے محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت کو اپنے ساتھ محبت اور صحابہ کرام کے ساتھ بغض کو اپنے ساتھ بغض قرار دیا۔

چنانچہ حدیث پاک میں ہے: عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اللهَ اللهَ فِي أَصْحَابِي اللهَ اللهَ فِي أَصْحَابِي لا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللهَ، وَمَنْ آذَى اللهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ"۔

(جامع ترمذی: ج:۲،ص:۷۰۶)

ترجمہ: عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد ان کو (تنقید کا) نشانہ نہ بنانا، پس جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض ہونے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو تکلیف دی قریب ہے کہ اللہ اس پر پکڑ کرلے۔

مواعظ ونصائح

نرمی کے فائدے: جب ہم کسی شخص کو پسند کرتے ہیں تو اکثر اس کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں: "فلاں باوقار ہے فلاں سنجیدہ آدمی ہے، فلاں بڑا پُرسکون طبیعت والا ہے۔" اور جب کسی شخص کی مذمت کرتے ہیں تو کہتے ہیں: "فلاں جلد باز ہے، فلاں چھچھورا ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے یہ اصول بیان فرمایا ہے کہ: "نرمی جس چیز میں بھی داخل ہوگی اس کو خوشنما بنادے گی، اور جس چیز سے بھی نکل جائے گی وہ چیز بدنما اور بھونڈی ہو جائے گی۔" (صحیح مسلم، ج:۱، ص ۲،۶۲، رقم الحدیث ۲۵۹۴)

بتائیے کیا آپ ایک ٹن لوہے کو انگلی سے ہلاسکتے ہیں؟

جی ہاں! ہلاسکتے ہیں اس صورت میں جب کہ آپ اس کو لفٹر سے مضبوطی کے ساتھ باندھ کر اوپر اٹھائیں، جو ہوا میں معلق

ہوجائے تو اس کو آپ چھنگلی سے بھی ہلا سکتے ہیں۔ نرمی پر خوبصورت مثال۔

دو بیٹیوں کے نکاح کا طریقہ: دو دوستوں نے آپس میں طے کیا کہ وہ ایک شخص کی دو بیٹیوں سے نکاح کا پیغام بھیجیں گے۔ ان میں سے ایک بڑی تھی اور ایک چھوٹی تھی۔ ان میں سے ایک دوست نے کہا: ''میں چھوٹی والی لڑکی لوں گا تم بڑی والی لے لینا۔''

دوسرا چلایا: نہیں نہیں، بلکہ تم بڑی والی لینا اور میں چھوٹی والی لوں گا۔''

پہلے والے نے کہا: ''بہتر ہے، تم چھوٹی والی لے لینا اور میں اس سے چھوٹی والی لے لوں گا۔''

دوسرے والے نے کہا: ٹھیک ہے۔ اس بے چارے کو احساس ہی نہیں ہوا کہ اس کے دوست نے اپنی پہلے والی تجویز میں کوئی تبدیلی نہیں کی، صرف انداز بیان کو نرمی سے تبدیل کر دیا ہے۔

حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ: ''جب اللہ تعالیٰ کسی گھرانے کو خیر و برکت سے نوازنا چاہتا ہے تو ان میں نرمی پیدا کر دیتا ہے، اور جب کسی گھرانے کو خیر و برکت سے محروم کرنا چاہتا ہے تو ان سے نرمی نکال لیتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نرم ہے اور نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ اور جو جزا وہ نرمی پر دیتا ہے وہ سختی پر نہیں دیتا۔'' (اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور یہ روایت صحیح ہے)

نرم مزاج اور ملائم طبیعت والے شخص کو سب لوگ پسند کرتے ہیں۔ اس سے لوگوں کے دل مطمئن رہتے ہیں اور وہ اس پر بھروسہ کرتے ہیں، خاص طور پر جب کہ ایسی طبیعت والے کی باتوں میں وزن ہو اور وہ لوگوں سے اچھے برتاؤ کا سلیقہ رکھتا ہو۔

امام ابو یوسفؒ اور امام ابو حنیفہؒ کی نرمی پر داستان:

اس سلسلے میں ایک واقعہ سنئے: فقہ حنفی کے مشہور عالم امام ابو یوسف حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مشہور اور نمایاں شاگرد تھے۔

لڑکپن میں امام ابو یوسفؒ غریب تھے، ان کے والدان کو امام ابو حنیفہؒ کے درس میں جانے سے منع کیا کرتے تھے تاکہ انہیں روزی کمانے کے لیے بازار بھیج سکیں۔ دوسری طرف امام ابو حنیفہؒ ان پر بہت مہربان تھے اور خواہشمند تھے کہ وہ پڑھیں۔ لہٰذا جب وہ غیر حاضر ہوتے تو ان پر ناراض ہوتے۔ آخر ایک روز امام ابو یوسفؒ نے ان کو اپنی غیر حاضری کا سبب بتا دیا۔ امام ابو حنیفہؒ نے ان کے والد کو بلا کر پوچھا کہ تمہارا بیٹا روز کتنے پیسے کماتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا دو درہم۔ آپ نے فرمایا: ''میں تمہیں روز دو درہم دے دیا کروں گا تم اس کو درس میں آنے دیا کرو۔'' پھر امام ابو یوسفؒ کئی سال تک اپنے استاد کے درس میں آتے رہے۔ جب وہ جوان ہوئے تو اپنے ہم عمروں میں سے نمایاں طالبعلم تھے۔ اسی زمانہ میں ایک بار وہ بیمار پڑ گئے اور گھر میں رک گئے۔ ان کے استاد امام ابو حنیفہؒ بھی ان کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ آپ کو ان کی بیماری بہت شدید نظر آئی جس سے آپ بہت غمزدہ ہوئے کہ کہیں یہ موت کا سبب نہ بن جائے۔

جب آپ عیادت کے بعد باہر نکلے تو افسوس کرتے ہوئے فرمانے لگے: ''آہ ابو یوسف! میں تو یہ امید لگائے ہوئے تھا کہ میرے بعد تم لوگوں کو درس دو گے''!! آپ یہ کہتے ہوئے غمگین حالت میں بھاری قدموں سے اپنے حلقۂ درس اور طلبہ کی طرف جا رہے تھے۔

دو دن بعد امام ابو یوسفؒ شفایاب ہو گئے تو انہوں نے غسل صحت کیا، نئے کپڑے پہنے اور اپنے استاد کے درس میں جانے لگے۔ جو لوگ ان کے ساتھ تھے انہوں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟

فرمایا: اپنے استاد کے درس میں شرکت کرنے۔ ساتھی کہنے لگے: کیا ابھی تک آپ طالب علم بنے رہیں گے؟ بس اب آپ کا علم پورا ہو گیا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے استاد نے آپ کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟ انہوں نے پوچھا: کیا فرمایا ہے؟ ساتھی بتانے لگے کہ ''انہوں نے آپ کی عیادت سے واپسی پر آپ کے بارے میں فرمایا تھا کہ'' آہ ابو یوسف! میں تو یہ امید لگائے ہوئے

تھا کہ میرے بعد تم لوگوں کو درس دو گے۔'' گویا ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے امام ابو حنیفہ کا پورا علم حاصل کر لیا ہے اگر آج آپ کے استاد کا انتقال ہو جائے تو آپ ان کی مسند پر بیٹھیں گے۔'' یہ بات سن کر امام ابو یوسفؒ کے دل میں کچھ خود پسندی پیدا ہو گئی۔ وہ جب مسجد میں آئے تو وہاں دیکھا کہ مسجد کے ایک گوشہ میں امام ابو حنیفہؒ کا حلقۂ درس قائم ہے لہٰذا وہ دوسرے گوشہ میں بیٹھ کر چند طلبہ کو درس دینے اور فتوے جاری کرنے لگے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے جب یہ نیا حلقۂ درس دیکھا تو پوچھا کہ ''یہ حلقۂ درس کس کا ہے؟'' شاگردوں نے بتایا کہ ''یہ ابو یوسف ہیں۔'' آپ نے پوچھا : کہ کیا وہ شفایاب ہو گئے۔؟ انہوں نے کہا : جی ہاں! آپ نے پوچھا : پھر یہ ہمارے درس میں کیوں نہیں آئے؟ طلبہ نے بتایا : آپ نے جو ان کی عیادت سے واپسی پر ان کے بارے میں بات کہی تھی اور وہ لوگوں نے ان کو بتا دی، لہٰذا اب وہ آپ کی شاگردی سے بے نیاز ہو کر طلبہ کو خود درس دینے لگے ہیں۔''

یہ سن کر حضرت امام ابو حنیفہؒ نے سوچا کہ اس صورتحال سے کس طرح نرمی سے نمٹا جائے۔ کچھ دیر غور کر کے آپ نے فرمایا کہ : ''ہمیں ابو یوسف کے لیے لاٹھی کا چھلکا اتارنا ہوگا۔'' یہ سوچ کر آپ نے ایک شاگرد کو بلایا اور اس سے فرمایا دیکھو، وہ جو ایک استاد وہاں بیٹھا ہے (یعنی ابو یوسف) اس سے جا کر کہو کہ ''شیخ صاحب! مجھے آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ یہ سن کر وہ خوش ہو جائے گا اور تم سے پوچھے گا کہ کیا مسئلہ ہے، کیونکہ وہ اسی لیے بیٹھا ہے کہ لوگ اس سے مسئلے پوچھیں۔ اس سے پوچھنا کہ ایک شخص نے درزی کو اپنی قمیص چھوٹی کرنے کے لیے دی۔ جب کچھ دن بعد وہ درزی سے اپنی قمیص لینے آیا تو درزی مکر گیا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے تم سے کوئی قمیص نہیں لی۔ وہ شخص پولیس کو بلا لایا۔ پولیس نے اس کی قمیص دکان سے برآمد کر لی۔

اب سوال یہ ہے کہ درزی قمیص چھوٹی کرنے کی اجرت کا مستحق ہے یا نہیں؟

اب اگر وہ فتویٰ دے کہ درزی اجرت کا مستحق ہے تو تم کہنا کہ آپ کا جواب غلط ہے۔ اور اگر وہ فتویٰ دے کہ درزی اجرت کا مستحق نہیں ہے، تب بھی کہنا کہ جواب غلط ہے۔'' وہ طالب علم یہ مشکل مسئلہ سن کر بہت خوش ہوا اور امام ابو یوسفؒ سے جا کر ملا اور ان سے کہا کہ شیخ صاحب! ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے پوچھا بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟ طالب علم نے وہ مسئلہ بیان کر دیا۔ امام ابو یوسفؒ نے فوراً جواب دیا : ''ہاں! جب اس نے کام پورا کر دیا تو وہ اجرت کا مستحق ہے۔'' امام ابو یوسفؒ بڑے متعجب ہوئے، انہوں نے مسئلہ پر پھر دوبارہ غور کیا اور فرمایا : ''نہیں وہ اجرت کا مستحق نہیں ہے۔'' طالب علم نے کہا : آپ کا یہ جواب بھی درست نہیں ہے۔''

یہ سن کر امام ابو یوسفؒ نے اس کو غور سے دیکھا اور فرمایا : سچ سچ بتاؤ، تمہیں کس نے بھیجا ہے؟'' طالب علم نے امام ابو حنیفہؒ کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ ''ان شیخ صاحب نے بھیجا ہے۔''

یہ سننا تھا کہ امام ابو یوسفؒ فوراً کھڑے ہوئے اور چلے امام ابو حنیفہؒ سے ملنے۔ اُن کے پاس کھڑے ہو کر عرض کیا : ''شیخ صاحب ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔'' لیکن امام صاحب نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

پھر امام ابو یوسفؒ امام ابو حنیفہؒ کے آگے دوزانو ہو کر بیٹھ گئے اور بڑے ادب و احترام سے عرض کیا : ''یا شیخ! آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔'' آپ نے فرمایا : کیا مسئلہ ہے؟ امام ابو یوسفؒ نے عرض کیا : ''وہ مسئلہ آپ جانتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا : وہ درزی اور قمیص والا مسئلہ؟ امام ابو یوسفؒ نے عرض کیا : ''جی ہاں! وہی مسئلہ۔'' آپ نے فرمایا : جاؤ اور اس کا جواب تم خود دو۔ کیا تم شیخ اور استاد نہیں ہو؟ امام ابو یوسفؒ نے کہا : ''نہیں، آپ ہی شیخ اور استاد ہیں۔''

امام ابو حنیفہؒ نے مسئلہ کا جواب اس طرح دیا : ''ہم دیکھیں گے کہ درزی نے قمیص کو کتنا چھوٹا کیا ہے۔ اگر اس نے چھوٹی کر کے اس شخص کے سائز کے برابر بنایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کام پورا کیا۔ لہٰذا اس نے جو کام کیا وہ اس شخص کے لیے کیا۔ لہٰذا وہ اجرت کا مستحق قرار پائے گا۔

لیکن اگر اس نے قیس کو اپنے سائز کے برابر بنایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے یہ کام اپنے لیے کیا۔ لہٰذا اجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔" یہ مفصل جواب سن کر ابو یوسفؒ نے امام صاحب کے سر کا بوسہ لیا اور ہمیشہ آپ کی شاگردی میں رہے۔ پھر آپ کی وفات کے بعد لوگوں کو درس دینا شروع کیا۔

دیکھئے! یہ نرم خوئی اور معاملہ کو صبر و سکون سے حل کرنا کتنا اچھا طرز عمل ہے۔ اگر میاں بیوی بھی باہمی معاملات میں بھی نرمی برتیں، اسی طرح والدین بھی اور مدرسین اور اداروں کے منتظمین بھی تو بہت سی مشکلات اور تنازعات بآسانی حل ہو جائیں۔

ہم تو آپ سے یہی کہیں گے کہ ہمیشہ نرمی اختیار کرنی چاہیے خواہ کار چلانے کا موقع ہو یا تدریس کا کام ہو یا خرید و فروخت کا معاملہ ہو۔ البتہ بعض اوقات انسان کو سختی برتنی پڑتی ہے حتیٰ کہ نصیحت کرنے میں بھی۔ ایسے موقع پر حکمت سے کام لینا پڑتا ہے، اور حکمت یہی ہے کہ ہر چیز کا موقع محل دیکھنا چاہیے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ اگر کبھی غصہ ہوتے تھے تو ہمیشہ دینی امور کے معاملہ میں غصہ ہوتے تھے۔ آپ نے کبھی اپنے ذاتی معاملہ میں غصہ نہیں فرمایا۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کی خلاف ورزی ہوتے دیکھی تو ہمیشہ ناراضگی اور غصہ کا اظہار فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمرؓ کی تلاوت توراۃ پر غصہ : ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کی ملاقات ایک یہودی سے ہوگئی۔ اس نے آپ کو توریت کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا۔ وہ آپ کو بہت اچھا لگا۔ آپ نے توریت کا یہ مضمون اس سے ایک کاغذ پر لکھوا کر لے لیا۔

حضرت عمرؓ یہ تحریر لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ پڑھ کر آپ کو سنانے لگے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ کو توریت کی یہ تحریر بہت پسند آرہی ہے جو خوشی خوشی پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ دوسری طرف آپ کو یہ فکر دامنگیر تھی کہ اگر سابقہ ادیان کی تعلیمات و تحریرات کو سننے سنانے کا دروازہ اس طرح کھل گیا تو یہ قرآن مجید سے خلط ملط ہو جائیں گی اور عام لوگوں کے لیے اسلامی تعلیمات میں التباس پیدا ہو جائے گا۔ نبی ﷺ کی اجازت کے بغیر حضرت عمرؓ یہ کیا کر رہے ہیں کہ توریت کی عبارتیں لکھوا کر لا رہے ہیں اور ان کو سنا رہے ہیں۔ لہٰذا حضرت عمرؓ کا یہ فعل دیکھ کر آپ سخت غصہ ہوئے اور فرمایا: "اے ابن خطاب! کیا تم اس میں حیران و پریشان ہو رہے ہو۔" یعنی کیا تم میری شریعت میں شک کر رہے ہو۔

پھر فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں تمہارے پاس صاف ستھری نکھری ہوئی روشن شریعت لے کر آیا ہوں۔ ان لوگوں (اہل کتاب) سے کوئی بات نہ پوچھو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں حق بات بتائیں تو تم اس کی تکذیب کر بیٹھو اور جھوٹی باطل بات بتائیں تو اس کی تصدیق کر بیٹھو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر آج موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کرنی پڑتی۔"

جی ہاں! ہم بار بار نرمی کی تاکید کرتے ہیں، لیکن کبھی کبھی سختی اور غصہ کے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ اوائل نبوت کے زمانہ میں کعبہ کے پاس جاتے تھے اور اس وقت قریش وہاں اپنی مجالس جمائے ہوئے ہوتے تھے۔ آپ وہاں نماز پڑھتے اور ان کی طرف کوئی توجہ نہ فرماتے۔ اس موقع پر وہ آپ کو مختلف قسم کی ایذائیں دیتے، لیکن آپ ان کو برداشت کرتے۔ ایک روز قریش کے سردار و اشراف مقام حجر میں جمع تھے اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ کہنے لگے: جیسا ہم نے اس شخص کی باتوں پر صبر کیا ہے ایسا صبر کہیں نہیں دیکھا۔ اس نے ہمیں بیوقوف کہا، ہمارے آباؤ اجداد کو برا بھلا کہا، ہمارے دین میں عیب نکالے، ہم میں پھوٹ ڈالی، ہمارے معبودوں کو گالیاں دیں۔ ہم نے اس کی بڑی بڑی باتوں پر صبر کیا۔ ابھی وہ انہی

باتوں میں مشغول تھے کہ رسول اللہ ﷺ حسب معمول حرم میں تشریف لائے۔ حجر اسود کو استلام کیا اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ان لوگوں کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کچھ طعن آمیز جملے آپ پر کسے، جنہیں سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ لیکن آپ نے نرمی برتی اور خاموشی سے گزر گئے۔ جب آپ دوبارہ وہاں سے گزرے تو انہوں نے پھر طعن آمیز جملے کسے جن کو سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا لیکن اس مرتبہ بھی آپ نے خاموشی اختیار کی اور طواف جاری رکھا۔ آپ جب تیسری بار وہاں سے گزرے تو پھر انہوں نے اسی طرح کے طعن آمیز جملے کسے تو آپ نے سوچا کہ ایسے لوگوں سے نرمی برتنا مناسب نہیں ہے۔ لہٰذا آپ وہیں ٹھہر گئے اور فرمایا: ''اے گروہ قریش! کیا تم سن رہے ہو! سن لو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تمہارے پاس ایسی چیز لایا ہوں جو تمہیں چیر پھاڑ کر رکھ دے گی۔''

جب ان لوگوں نے آپ کی یہ دھمکی سنی اور وہ جانتے تھے کہ آپ سچے اور امین ہیں تو وہ کانپنے لگے یہاں تک کہ ہر شخص ایسا چپ بیٹھ گیا جیسے اس کے سر پر کوئی پرندہ بیٹھا ہو، اور ان میں سخت سے سخت آدمی بھی آپ کی دل جوئی کرنے لگا۔

وہ کہنے لگے: ''اے ابوالقاسم! آپ آرام سے گزر جائیے، آپ نے کبھی نادانی کی باتیں نہیں کیں۔'' پھر آپ وہاں سے آگے چل پڑے۔ جی ہاں! کسی عرب شاعر نے صحیح کہا ہے۔

''اگر کوئی کہے کہ نرمی اور حلم اختیار کرو تو اس کا جواب یہ ہے کہ نرمی کو غلط جگہ استعمال کرنا بیوقوفی ہے۔''

اگر کوئی سیرت النبی کا مطالعہ کرنے والا دیکھے کہ آپ پر ہمیشہ نرمی غالب رہتی تھی تو اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہاں نرمی سے مراد کمزوری اور بزدلی نہیں ہے۔ بلکہ نرمی ان دونوں خصلتوں سے مختلف چیز ہے۔

نرمی برتنے کے مواقع: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب ؓ کی مدینہ روانگی کی داستان:

یہ جنگ بدر کے ایک ماہ بعد کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب ؓ کے خاوند ابوالعاص نے وعدہ کیا کہ وہ مسلمانوں کی قید سے رہائی کے بعد مکہ جا کر آپ کی صاحبزادی کو آپ کے پاس مدینہ بھیج دے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب ؓ کو لانے کے لیے حضرت زید بن حارثہ ؓ اور ایک انصاری صحابی کو مکہ کی طرف بھیجا، اور مکہ کے قریب ایک مقام پر ان کا انتظار کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا: ''تم دونوں بطن یاجج پر رہنا، اور جب وہاں سے زینب تمہارے پاس سے گزرے تو اس کو لے کر میرے پاس آجانا۔'' اس مقصد کے لیے وہ دونوں مدینہ سے نکل پڑے۔

اُدھر ابوالعاص نے مکہ پہنچ کر اپنی بیوی کے سفر کی تیاری کا حکم دیا۔ وہ اپنا سفر کا سامان جمع کرنے لگیں۔ ابھی وہ سامان اکھٹا کرنے میں مشغول تھیں کہ ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ ان سے ملنے آئی اور کہنے لگی: ''اے محمد کی بیٹی! میں نے سنا ہے کہ تم اپنے باپ کے پاس جانا چاہتی ہو۔

حضرت زینب ؓ کو اندیشہ ہوا کہ شاید یہ ہندہ ان سے کوئی چال چل رہی ہے۔ لہٰذا انہوں نے جواب دیا کہ ''نہیں میرا تو ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے''۔ ہندہ نے کہا: اے میری چچا زاد بہن! اگر تمہارا واقعی وہاں جانے کا ارادہ ہے، اور تمہیں کسی ایسے سامان کی ضرورت ہو جو تمہارے سفر میں کام آئے یا تمہیں اپنے والد تک پہنچنے کے لیے کچھ رقم کی ضرورت ہو تو اس کے مانگنے میں مجھ سے شرمانا نہیں، کیونکہ مردوں کے تعلقات میں جو رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں وہ عورتوں کے تعلقات میں پیدا نہیں ہوتیں۔ (ان کے تعلقات ویسے ہی رہتے ہیں)۔

حضرت زینب ؓ کہتی ہیں کہ واللہ میرا تو یہی خیال تھا کہ اس نے جو یہ کہا ہے وہ حقیقتاً ایسا ہی کرنے کے لیے کہا ہے۔ لیکن پھر بھی مجھے اندیشہ تھا، لہٰذا میں نے پھر اس سے یہی کہا: نہیں میرا سفر کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

جب بی بی زینب ؓ نے سفر کا سامان تیار کر لیا تو ان کے خاوند کو اندیشہ ہوا کہ اگر وہ خود ان کے ساتھ سفر پر نکلا تو قریش کو زینب ؓ

کے جانے کا علم ہوجائے گا تو انھوں نے اپنے بھائی کنانہ کو اس کام کے لیے آمادہ کیا۔ ان کا بھائی کنانہ بن ربیع بی بی زینبؓ کے پاس اونٹ لایا اور وہ اس پر سوار ہو گئیں۔ کنانہ نے اپنی کمان اور ترکش سنبھالا اور ان کو لے کر دن کے وقت روانہ ہو گیا۔ بی بی زینبؓ ہودج میں بیٹھی ہوئی تھیں، لوگوں نے ان کو دیکھ لیا اور قریش کے لوگوں میں یہ بات پھیل گئی، وہ کہنے لگے کہ "یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ محمد کی بیٹی اس کے پاس چلی جائے جب کہ محمد نے جنگ بدر میں ہمارا جو حال کیا ہے وہ معلوم ہے۔"

الغرض وہ بی بی زینبؓ کی تلاش میں نکلے تو ان کو مقام ذی طوی میں جالیا۔ پہلا شخص جو ان تک پہنچا وہ ہبار بن الاسود تھا بی بی زینبؓ اپنے ہودج میں تھیں۔ ہبار نے اپنی برچھی سے ان کو ڈرایا۔

ہبار کے پیچھے دوسرے کفار بھی دوڑتے ہوئے آرہے تھے اور وہ سب مسلح تھے، لیکن ادھر بی بی زینبؓ کے ساتھ صرف ان کا دیور کنانہ تھا۔ جب کنانہ نے یہ صورتحال دیکھی تو وہ زمین پر بیٹھ گیا اور ترکش میں سے تیر نکال کر پھیلا دیئے اور کمان سنبھال لی۔ وہ بڑا اچھا تیر انداز تھا۔ اس نے بآواز بلند کہا کہ اب جو شخص بھی میرے قریب آئے گا وہ میرے تیر کا نشانہ بنے گا۔ یہ سن کر وہ لوگ پیچھے بھاگ گئے اور دور سے اس کو دیکھنے لگے۔ اب نہ کنانہ کہیں جاسکتا ہے اور نہ وہ لوگ اس کے قریب کی ہمت کر سکتے تھے۔

اتنے میں ابوسفیان کو بی بی زینبؓ کے مدینہ کی طرف جانے خبر ملی تو وہ قریش کے کچھ سر برآوردہ لوگوں کے ساتھ ادھر آیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک طرف کنانہ اپنے تیر کمان لیے گھات میں بیٹھا ہے اور دوسری طرف اس کے ہم قوم لوگ کنانہ سے قتال کے لیے تیار بیٹھے ہیں تو اس نے دور سے چیخ کر کنانہ سے کہا: "اے شخص! اپنے تیروں کو روک لے تاکہ ہم تجھ سے کچھ بات چیت کر سکیں۔" اس نے تیر روک لیے۔

ابوسفیان قریب آکر اس کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: تم نے صحیح طریقہ اختیار نہیں کیا۔ تم اس عورت کو لے کر دن دہاڑے سب لوگوں کے سامنے نکل کھڑے ہوئے۔ ہمیں جو ذلت اور مصیبت بدر میں پہنچی ہے وہ تمہیں معلوم ہے، اور محمد کی وجہ سے جو مصائب ہم پر آئے ہیں وہ بھی تمہیں معلوم ہیں۔ اس نے ہمارے اشراف کو قتل کیا اور ہماری عورتوں کو بیوہ کیا۔ ایسی حالت میں جب لوگ دیکھیں گے اور قبائل کے لوگ سنیں گے کہ تم اس کی بیٹی کو اعلانیہ سب کے سامنے لے کر مدینہ چلے گئے تو وہ سمجھیں گے کہ یہ سب ہماری اس ذلت کی وجہ سے ہوا جو ہمیں جنگ بدر میں پہنچی تھی اور وہ اس کو ہماری کمزوری قرار دیں گے۔ اپنی عمر کی قسم! ہمیں اس عورت کو اس کے باپ سے روکنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہم اس سے کوئی انتقام لینا چاہتے ہیں۔ لیکن (ہماری تجویز یہ ہے کہ اس وقت تو) تم اس عورت کو لے کر واپس چلے جاؤ۔ پھر جب سب آوازیں دب جائیں اور شور و غوغا ختم ہو جائے اور لوگوں میں یہ چرچا ہو جائے کہ ہم اس کو واپس لے آئے تو پھر تم اس کو چپکے سے لے کر نکل جانا اور اس کے باپ تک اس کو پہنچا دینا۔"

کنانہ نے جب یہ بات سنی تو وہ راضی ہو گیا اور بی بی زینبؓ کو لے کر واپس چلا آیا۔ پھر وہ چند روز مکہ میں رہیں۔ یہاں تک کہ جب آوازیں دب گئیں اور شور و غوغا ختم ہو گیا تو کنانہ ان کو رات کے وقت لے کر نکلا اور راستہ میں حضرت زید بن حارثہؓ اور ان کے ساتھی کے سپرد کر دیا۔ اور وہ دونوں اسی رات ان کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

آپ ذرا غور کیجئے کہ ابوسفیان نے اس معاملہ کو کیسے نرمی کے ساتھ نمٹایا، اور کیسے کنانہ کے غصہ کو ٹھنڈا کیا۔ اس طرح اس نے ایک ایسی لڑائی کو روک دیا جس میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کے شہید ہونے کا خطرہ تھا۔

غور کی بات یہ ہے کہ ابوسفیان نے یہ اس وقت کیا جب کہ وہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے، تو ہم مسلمانوں کو تو اور بھی خیال رکھنا چاہیے اور نرمی سے معاملات حل کرنے چاہئیں۔

﴿۱۶۰﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ الخ ازالہ حسرت مغلوبیت از قلوب صحابہ : صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں احد کی شکست کی مغلوبیت کی حسرت برقرار تھی۔ اس کا ازالہ کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ غالب مغلوب کرنا اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے مثلاً بدر میں اپنی رحمت سے غالب کر دیا احد میں اپنی حکمت سے مغلوب کر دیا جب پورا پورا یہ امر تمہاری قدرت میں نہیں تو اس قدر اس کے پیچھے اپنے جی کو نہ ڈالو جو ہو گیا اس میں جو آفت آئی ہے اس سے توبہ کرو آئندہ کے لئے اللہ پر نظر رکھو۔ (بیان القرآن: ص ۶۹=ج:۱)

﴿۱۶۱﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ... الخ خاتم الانبیاء کے امین ہونے کا بیان : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ نبی کی شان کے لائق نہیں ذرہ بھر خیانت کرے، کیونکہ یہ منصب نبوت کے خلاف ہے لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ نبی کی عظمت و حرمت اور عصمت و امانت کو ذہن میں مستحضر رکھیں، اور کوئی کلمہ زبان سے ایسا نہ نکالیں جس سے نبی کے منصب پر حرف آئے۔ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔

شان نزول ❶ ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو حسن کہا ہے اس آیت میں اس سرخ دھاری والے کمبل کا بیان ہے جو بدر کے دن گم ہو گئی تھی اور بعض لوگوں نے خیال کیا تھا کہ شاید آنحضرت ﷺ نے لے لی ہو، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

شان نزول ❷ کلبی اور مقاتل کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول جنگ احد کی غنیمت کے متعلق ہوا، جب تیر اندازوں نے احد کی گھاٹی کے مرکز کو چھوڑ دیا، اور کہنے لگے ہم کو اندیشہ ہے کہیں آنحضرت ﷺ یہ نہ فرما دیں کہ جس نے جو چیز لی ہے وہ اسی کی ہے اور بدر کی لڑائی کی طرح آج بھی غنیمت کی تقسیم نہ کریں، پس اس خیال سے انہوں نے اپنی مقرر جگہ چھوڑ دی اور اموال غنیمت کے لیے چلے گئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ جب تک میرا حکم نہ آئے اس وقت تک میدان نہ چھوڑنا کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم مال غنیمت میں خیانت کر لیں گے کہ تقسیم کر کے تمہیں نہیں دیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری: ج:۲: ص۔ ۱۶۳)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: بعض علماء دوسری روایت کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ ماقبل اور مابعد کی تمام آیات واقعہ احد سے متعلق ہیں۔ (روح المعانی: ص: ۴۳۷: ج: ۴: معارف القرآن: ج ۲=ص۔ ۸۴)

وَمَنْ يَّغْلُلْ کیفیت خائن۔

﴿۱۶۲﴾ تفاوت متبعان رضائے حق اور مغضوبین۔ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ... الخ نتیجہ خائن۔

﴿۱۶۳﴾ نتیجہ رضائے حق، اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً اصحاب صفہ کو اتنا بڑا مقام کیوں عطا فرمایا تو یاد رکھیں۔

اصحاب صفہ

حضرت بنوری رحمہ اللہ بصائر و عبر میں لکھتے ہیں کہ: تاریخ اسلام کے سنہرے باب کے چند تعلیمی اوراق ہیں جن کا سرورق اصحاب صفہ سے شروع ہوتا ہے، درحقیقت یہ بات یعنی مقام رضا: "وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" آل عمران: ۱۶۴) کی عملی تفسیر ہے۔

فرمایا وہ (نبی) ان کو کتاب (قرآن) اور حکمت (سنت) کی تعلیم دیتے ہیں۔ "وانما بعثت معلما"۔ (سنن ابن ماجہ، مقدمۃ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم ص ۲۱: ط: قدیمی)

اور اس کے سوا نہیں مجھے تو بھیجا گیا ہے (دین) سکھلانے کے لیے اصحاب صفہ اس آیت کی عملی تفسیر ہیں۔ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی۔ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ کے شمالی مشرق جانب ایک سائبان کے سایہ میں چند نفوس قدسیہ تعلیم و تربیت پا رہے تھے، ان نفوس قدسیہ نے اپنی زندگی حصول علم ہی کے لیے وقف کر دی تھی، ان میں چند نفوس ایسے بھی تھے کہ کبھی کبھی دن کے کسی حصہ میں جنگل

سے لکڑی لاکر فروخت کرتے اور گزر وبسر کیا کرتے تھے، ان کے احوال وتعداد میں قدماء محدثین نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، جن میں امام حدیث ابونعیم اصبہانی اور امامِ حدیث ابوعبداللہ حاکم اور ابن الاعرابی اور سلمی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں، ان کی تعداد مختلف اوقات میں کل ملا کر چار سو تک پہنچتی ہے، ویسے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی تعلیمی ہی تھی اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابہ کرام ؓ ہی سب سے پہلے معلم وشاگرد تھے لیکن اسی تحصیل علم کے ساتھ ساتھ اکثر وبیشتر حضرات کے تجارت وزراعت وغیرہ کے مشاغل بھی تھے، حضرت عمر فاروق ؓ جیسی اہم شخصیت کا ایک دور ایسا بھی گزرا کہ مدینہ سے باہر عوالی مدینہ میں ان کا قیام تھا اور بعدِ مسافت کے علاوہ معاشی مشغولیت کی وجہ سے روزانہ بارگاہ نبوت کی حاضری سے معذور تھے لیکن آپ نے اپنے ایک انصاری پڑوسی (غالباً ان کا نام اوس بن خولی ہے) کے ساتھ یہ انتظام کیا ہوا تھا اور باری مقرر کر رکھی تھی کہ ایک دن وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا کریں اور جو وحی نبوت (قرآن کریم کی آیت) جدید اتری ہو یا کوئی اہم حدیث آپ ﷺ بیان فرمائیں تو وہ رات کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سنا دیا کریں اور ایک دن حضرت عمر ؓ یہی خدمت انجام دیا کریں جس کی تفصیل صحیح بخاری میں موجود ہے، الغرض صحابہ کرام ؓ جو روزانہ حاضری نہیں دے سکتے تھے وہ بھی حصول علم کے لیے پورا اہتمام وانتظام فرماتے تھے۔ لیکن کچھ حضرات ایسے بھی تھے جن کی شب وروز کی زندگی، اسی حصول علم کے لیے وقف تھی، اہل وعیال سے آزاد، نہ تجارت سے غرض نہ زراعت سے مطلب، نہ اپنی معاش کی فکر نہ اہل وعیال کی، یہ وہ اصحاب صفہ کی نفوسِ قدسیہ ہیں جن کی تعداد ایک ایک وقت میں ستر ستر تک بھی پہنچ جاتی تھی، انہی نفوسِ قدسیہ سے میں ستر وہ شہداء "بیر معونہ" ہیں جن کو کفار کے چند قبائل بنی لحیان ورعل وذکوان وغیرہ نے جو تعلیم دین اور تبلیغ اسلام کی غرض سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلم ومبلغ طلب کرنے آئے تھے اور آپ نے ان قراء کو اس دینی خدمت کے لیے بھیجا تھا، ان باطن قبائل نے ان کو لے جا کر شہید کر ڈالا تھا، جس پر آپ کو شدید صدمہ ہوا تھا اور نماز فجر میں آپ نے دعاء قنوت نازلہ پڑھنی شروع فرمادی تھی۔

انہی نفوس قدسیہ میں سے اس واقعہ شہادت کے بعد ستر ایسے صحابہ بھی تھے جن کے متعلق حضرت ابوہریرہ ؓ کا یہ بیان "صحیح بخاری" میں قابل عبرت وبصیرت ہے "رأيت سبعين من أصحاب الصفة ما منهم رجل عليه رداء اما ازار و اما كساء قد ربطوا في أعناقهم، فمنها ما يبلغ نصف الساقين و منها ما يبلغ الكعبين فيجمعه بيده كراهية أن ترى عورته"۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلوۃ، باب نوم الرجال فی المسجد ج ۱ : ص ۶۳ ، ط قدیمی۔)

میں نے ستر ایسے اصحاب صفہ کو دیکھا ہے جن میں سے کسی کے پاس (اوپر اوڑھنے کے لیے) چادر نہ تھی یا ان کے پاس صرف لنگی تھی یا (بدن ڈھانپنے کے لیے) ایک کملی جس کو انہوں نے گردن سے (نیچے تک) باندھا ہوا تھا، کوئی کملی تو ٹخنوں تک پہنچتی، (رکوع سجدہ کے وقت) اس کو ہاتھ سے سنبھالے رہتے کہ (جسم کا) پوشیدہ حصہ نہ کھل جائے۔

انہی نفوس قدسیہ میں سے خود حضرت ابوہریرہ ؓ بھی تھے جن پر بعض اوقات بھوک سے غشی کے دورے پڑا کرتے اور مسجد نبوی کے اندر منبر نبوی اور بیت الرسول کے درمیان روضہ میں بے ہوش پڑے ہوتے اور عام حضرات کا گمان ہوتا کہ ان پر مرگی کا دورہ پڑا ہے حالانکہ صرف بھوک کی شدت اور فاقوں کی کثرت سے ان پر اس قسم کی حالت طاری ہوتی تھی، خود انہی کے زبان سے صحیح بخاری میں یہ ساری تفصیل مذکور ہے، آخر میں جفا کشی اس انداز طالب علمی کے جو حیرت انگیز نتائج ہونے چاہیے تھے وہ امت کے سامنے آئے خود انہی کے زبان سے "صحیح بخاری" میں مروی ہے "صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم سنين فلم أكن في سني أحرص على أن أعي الحديث مني"۔ میں تین سال تک (ہمہ وقت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہیں نے

اپنی عمر میں اپنے سے زیادہ حدیثوں کو یاد کرنے کا حریص (سرگرم شائق) اور کسی کو نہیں دیکھا۔

اتنے مختصر عہد میں جو روایتیں مدوّنین کتب حدیث کو ان سے پہنچی ہیں ان کی تعداد ۵۳۷۴ ہے نہ معلوم اور کتنی روایتیں ہوں گی جو مدونین کتب حدیث تک ان کے معیار کے مطابق نہ پہنچ سکیں جو یقیناً اس قدسی صحبت اور اس فنا فی العلم کے جذبہ کی برکات تھیں، چنانچہ پورے آٹھ سو صحابہ و تابعین کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہوا اور دین کا بہت بڑا حصہ تنہا انہی کی روایات سے امت کو پہنچا، یہی وجہ ہے کہ یورپ کے مستشرقین اور منکرین حدیث مستغربین اور ان کے علاوہ اعداء اسلام کا سارا زور حضرت ابوہریرہؓ پر طعن و تشنیع اور عیب چینی پر صرف ہو رہا ہے، کہنا یہ ہے کہ آخر وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر ان اصحاب صفہ کے فقر و افلاس کی حالت کو برداشت کیا گیا؟ اور ان کو فکر معاش کی طرف کیوں متوجہ نہیں کیا گیا؟ کیوں ان کو زراعت یا صنعت و حرفت کی طرف رغبت نہیں دلائی گئی اور کیوں ان کے پیٹ بھرنے یا سدرمق کے لیے زکوٰۃ و صدقات کا انتظار کیا جاتا اور جب انتہائی مجبوری کی نوبت آجاتی اور فاقوں پر فاقے پڑنے لگتے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک صحابی کو ارباب صفہ میں سے ایک ایک نفر کو کھانا کھلانے کے لیے اپنے گھر لے جانے کا ارشاد فرماتے اور خود بھی دس دس افراد کو اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے، اس لیے کہ ازواج مطہرات کی تعداد (۹) نو تھی اور دسویں آپ تھے، اس لحاظ سے گویا طعام الواحد یکفی الاثنین کے اصول پر جو حدیث مرفوع میں مذکور ہے، خود بیوت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں عمل ہوتا تھا، یہ تو احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے شواہد و بینات ہیں۔

''۱۶۴'' لقد من اللہ الخ اس آیت کی تفسیر سے پہلے ایک بصیرت افروز مقدمہ یاد رکھیں اس کے دو حصے ہیں۔

نبی و رسول یا پیغمبر

مقدمہ نمبر ۱ حصہ اول حضرت بنوریؒ بصائر و عبر میں لکھتے ہیں کہ :لغت عرب میں "نبأ" اس خبر کو کہتے ہیں جس میں فائدہ ہو اور فائدہ بھی عظیم اور اس خبر سے سننے والے کو علم و اطمینان بھی حاصل ہو، غرض کہ تین چیزیں اس میں ضروری ہوں :(۱) خبر فائدے کی ہو (۲) فائدہ بھی عظیم الشان ہو۔(۳) سننے والے کو یقین کامل یا اطمینان قلب حاصل ہو جائے۔

قرآن کریم نے اسی لغت سے ''نبی'' کا لفظ ایک ایسے انسان کے لیے استعمال کیا جس نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے فائدہ اور نفع کی ایسی عظیم الشان خبریں سنائیں جن سے ان کی عقول قاصر ہیں صرف اپنی عقل نارسا سے وہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے کہ ایسی باتیں وہی ہوں گی جو اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہوں گی اور پھر ان خبروں پر اطمینان یا علم جب حاصل ہو سکتا ہے کہ خبر دینے والا اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل بھی پیش کرے یا صرف اس کی زندگی ہی اتنی پاکیزہ اتنی اعلیٰ و مقدس ہو کہ اس پر جھوٹ کا وہم و گمان بھی نہ ہو سکے۔ اس کی بات سنتے ہی لوگوں کو یقین آجائے۔ اب صرف ''نبی'' کا لفظ ہی لغت عرب کے مطابق ان سب حقائق پر روشنی ڈالتا ہے جس کی تفصیل و تحقیق کے لیے صفحات بھی ناکافی ہیں۔ شیطانی وساوس یا طبعی جحود وعناد اگر قبول سے مانع آجائے یہ دوسری بات ہے۔

رسالت :لغت عرب میں ''رسالت'' کے معنی لیک پیغام کے ہیں اور ''رسول'' کہتے ہیں پیغام پہنچانے والے کو قرآن کریم نے اس لفظ کو اس پیغام پہنچانے والے کے لیے استعمال کیا جو اللہ تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے دین و دنیا کے مصالح کے بارے میں پیغامات اسی کے بندوں تک پہنچائے۔

اب خلاصہ یہ ہوا کہ اسلام کی زبان میں ''نبی و رسول'' وہ سفیر ہے جس کا خود اللہ تعالیٰ نے انتخاب فرمایا ہو۔ خدائے تعالیٰ کے

پیغامات اس کے بندوں تک پہنچاتا ہو، دین و دنیا کے مصالح و منافع کے لیے ایک ''قانون حیات'' ایک ''نظام العمل'' ایک دستور اساسی پیش کرتا ہو، ایسے احکام ایسے حقائق ایسے امور ان کو ارشاد کرتا ہو جن سے ان کی عقول قاصر ہوں۔ ایسی دقیق و غامض باتوں کی اطلاع دیتا ہو جہاں ان کا طائرِ عقل پرواز نہ کرسکتا ہو، ان کے شکوک و شبہات کا ازالہ کرتا ہو، نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی و عذاب سے ڈراتا ہو۔ جو حکم دیتا ہو وہ خود کرتا ہو خود ان کے لیے مجسم پیکر عمل ہو۔ اس قانونِ حیات و نظام العمل کے لیے اس کا وجود آئینہ ہو یہ ہیں اسلام کی زبان میں شریعت کی لغت میں ''رسول و نبی'' کے معنی، اسی کو ہم اپنی زبان میں ''پیغمبر'' کہتے ہیں۔ ''رسول'' و ''نبی'' میں کیا فرق ہے حافظ ابن تیمیہ نے ''کتاب النبوات'' میں جو فرق بیان کیا وہ ہمیں سب سے بہتر معلوم ہوتا ہے جس کا خلاصہ صرف اتنا ہے:

'' کہ جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے صرف غیب کی خبروں سے قوم کو اطلاع دیتا ہو، ان کو نصیحت کرتا ہو، ان کی اصلاح کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو ''وحی'' ہوتی ہو، وہ ''نبی'' کہلاتا ہے۔ اگر ان اوصاف کے ساتھ وہ کفار کی طرف نافرمان قوم کو تبلیغ پر مامور بھی کیا جائے تو وہ ''رسول'' بھی ہوگا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''کتاب النبوات'' ص ۲۷۲ تا ۲۷۴)

اب ہم قرآن کریم کی روشنی میں ''انبیاء و رسل'' کے خواص و لوازم پیش کرتے ہیں لیکن معلوم رہے کہ ''انبیاء و رسل'' کے عام خصائص بحیثیت نبوت و رسالت سب مشترک ہیں، قرآن کریم نے جتنے کمالات اور اوصاف انبیاء و رسل کے بیان کر دیئے ہیں وہ سب حضرت خاتم الانبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بوجہ کمال موجود ہیں کیونکہ آپ سب انبیاء و رسل سے افضل ہیں۔ آپ سید الانبیاء ہیں، خاتم الانبیاء ہیں۔ یہ نصوصِ قطعیہ کا مفاد ہے اور امتِ مرحومہ کا ''اجتماعی عقیدہ'' ہے اور تاریخ عالم کی ''حقیقتِ ثابتہ'' ہے اور اسلامی دور کے حیرت انگیز کارنامے اس کے شاہد عدل ہیں۔ قرآن کریم نے بہت سے انبیاء و رسل کے خصائص و کمالات بیان کرنے کے بعد آپ کو حکم دیا اور فرمایا: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ'' (الانعام: ۹۰)

''یہ حضرات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے۔ آپ بھی انہیں کے طریقہ پر چلئے۔''

اس سے یہ صاف معلوم ہوا کہ انبیاء کے جتنے عملی و علمی کمالات تھے، آپ ان سے مالا مال تھے۔ اس لیے ہم جتنی آیاتِ کریمہ مختلف انبیاء و رسل کے خصائص و اوصاف میں پیش کریں گے جو عنقریب آرہی ہیں، مقصود ان سے صرف نبوت کے کمالات و خصائص ہوں گے جو اصل نبوت کی وجہ سے قدر مشترک سب میں موجود ہیں۔

منصب نبوت و رسالت: نبوت ایک عطیہ ربانی ہے جس کی حقیقت تک رسائی غیر نبی کو نہیں ہوسکتی، اس کی حقیقت کو یا تو حق تعالیٰ جانتا ہے جو نبوت عطا کرنے والا ہے یا پھر وہ ہستی جو اس عطیہ سے سرفراز ہوئی۔ مخلوق بس اتنا جانتی ہے کہ اس اعلیٰ و ارفع منصب کے لیے جس شخص کا انتخاب کیا گیا ہے وہ: (۱) معصوم ہے، یعنی نفس کی ناپسندیدہ خواہشات سے پاک صاف پیدا کیا گیا ہے اور شیطان کی دسترس سے بالاتر۔ عصمت کے یہی معنی ہیں کہ ان سے حق تعالیٰ کی نافرمانی کا صدور ناممکن ہے۔

(۲) آسمانی وحی سے ان کا رابطہ قائم رہتا ہے اور وحی الٰہی کے ذریعہ ان کو غیب کی خبریں پہنچتی ہیں۔ کبھی جبریل امین کے واسطہ سے اور کبھی بلا واسطہ، جس کے مختلف طریقے ہیں۔

(۳) غیب کی وہ خبریں عظیم فائدہ والی ہوتی ہیں اور عقل کے دائرے سے بالاتر ہوتی ہیں، یعنی انبیاء علیہم السلام بذریعہ وحی جو خبریں دیتے ہیں ان سے وہ انسان نہ عقل و فہم کے ذریعہ معلوم کرسکتا ہے نہ مادی آلات و حواس کے ذریعہ ان کا علم ہوسکتا ہے۔

ان تین صفات کی حامل ہستی کو مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث و مامور کیا جاتا ہے، گویا حق تعالیٰ اس منصب کے لیے ایسی شخصیت کا انتخاب فرماتا ہے جو افراد بشر میں اعلیٰ ترین صفات کی حامل ہوتی ہے، اس انتخاب کو قرآن کریم کہیں اجتباء سے، کہیں

اصطفاء سے اور کبھی لفظ اختیار سے تعبیر فرماتا ہے، یہ عام صفات وخصوصیات تو ہر نبی ورسول میں ہوتی ہیں، پھر حق تعالیٰ ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرما کر وہ درجات عطا کرتا ہے جن کے تصور سے بھی بشر قاصر ہے گویا نبوت، انسانیت کی وہ معراج کمال ہے جس سے کوئی بالاتر منصب اور کمال عالم مکان میں نہیں، ان صفات عالیہ سے متصف ہستی کو ہدایت واصلاح کے لیے مبعوث کر کے انہیں تمام انسانیت کا مطاع مطلق ٹھہرایا جاتا ہے، ارشاد ہے: "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ" (النساء۔ ۶۴) یعنی ہم نے ہر رسول کو اسی لیے بھیجا کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے، پس حکم خداوندی یہی ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، وہ مطاع اور واجب الاطاعت متبوع ہے، اور امت اس کی ہدایت کے تابع اور مطیع فرمان۔

نبی ہر نقص و کوتاہی سے بالاتر ہوتا ہے: جب نبوت ورسالت کے بارے میں یہ صحیح تصور قائم ہو گیا کہ وہ ایک عطیہ ربانی ہے، کسب ومحنت اور مجاہدہ وریاضت سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ حق تعالیٰ اپنے علم محیط، قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے پاک اور معصوم ومقدس ہستی کو پیدا فرما کر اس کو وحی آسمانی سے سرفراز فرماتا اور مخلوق کی ہدایت وارشاد کے منصب پر اسے کھڑا کرتا ہے تو اس سے عقلی طور پر خود بخود یہ بات واضح ہوگئی کہ نبی ورسول کی شخصیت ہر نقص سے، ہر کوتاہی سے اور ہر انسانی کمزوری سے بالاتر ہوتی ہے، کیونکہ اگر خود اس کی شخصیت انسانی کمزوریوں میں ملوث ہو تو وہ ہدایت واصلاح کی خدمت کیسے انجام دے سکے گا:

چنانچہ سنت اللہ یہی ہے کہ نبی کا حسب ونسب، اخلاق وکردار، صورت وسیرت، خلوت وجلوت اور ظاہر وباطن ایسا پاک اور مقدس ومطہر ہوتا ہے جس سے ہر شخص کا دل ودماغ مطمئن ہو اور کسی کو انگشت نمائی کا بال برابر بھی موقعہ نہ مل سکے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص شقاوت ازلی کی وجہ سے اس کی دعوت پر لبیک نہ کہے اور جحود وانکار میں مبتلا ہو کر ہدایت سے محروم رہ جائے، لیکن یہ ممکن نہیں کہ بدتر سے بدتر دشمن بھی نبی میں کسی "انسانی کمزوری" کی نشاندہی کر سکے۔

نبی کریم ﷺ کے خصائص و اوصاف: قرآن کریم میں انبیاء کرام اور رسولانِ عظام علیہم الف الف صلاۃ وسلام کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اور ان کے جن جن خصائص وکمالات اور اخلاق، اوصاف کی نشاندہی فرمائی ہے یہاں اس سمندر، کے چند قطرے پیش کیے جاتے ہیں جو حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا (۴۵) وَّدَاعِيًا اِلَى اللهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا" (الاحزاب: ۴۴۔۴۵) اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں اور اس کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔

"اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا (۸) لِّتُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ" (الفتح ۹)
ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے تا کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو۔

نٓ "وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ" مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ" (القلم ۱ تا ۴) "ن، قسم ہے قلم کی اور ان (فرشتوں) کے لکھنے کی کہ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں، اور بے شک آپ کے لیے ایسا اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الانشراح ۴) اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کیا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ (آل عمران ۳۱) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت

رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا (النور: ۵۴) اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی تو راہ پر جا لگو گے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (الاحزاب: ۲۱) تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء: ۶۵) پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرا دیں پھر آپ کے تصفیہ سے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورا پورا تسلیم کریں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (آل عمران: ۱۶۴)

حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جب کہ ان میں انہیں کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ اس سے قبل صریح غلطی میں تھے۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ (النساء: ۱۱۳) اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور فہم کی باتیں نازل فرمائیں اور آپ کو وہ باتیں بتلائی ہیں جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔

ترجمہ آیات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات و کمالات کا نقشہ سامنے آ گیا ہوگا جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول ﷺ کو دعوت الی اللہ کا آفتاب عالم تاب بنایا ہے تا کہ امت ان پر ایمان لائے ان کی توقیر کرے اور ان کی امداد کرے بلاشبہ آپ سراسر صراط مستقیم پر ہیں تاریخ عالم اس کی شہادت دیتی ہے کہ آپ ﷺ خلق عظیم سے آراستہ ہیں جو ان پر ایمان لائیں اور ان کی توقیر و نصرت کریں اور جو آسمانی وحی کا نور الٰہی ان کے ساتھ ہے اس کا بھی اتباع کریں آخرت کی فلاح انہی کے لیے ہے ان کی اتباع سے حق تعالیٰ کی محبوبیت کی سعادت عظمیٰ ملتی ہے۔

انہی کی اطاعت سے ہدایت ملتی ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اور آخرت کے امیدوار ہیں وہ انہی کو اپنا مقتدا و پیشوا بنائیں گے جو لوگ اپنے نزاعات و مخاصمات میں بھی ان کے فیصلوں کو بہ دل و جان تسلیم نہ کریں خدا کی قسم کبھی مومن نہیں ہو سکتے، حق تعالیٰ کا امت محمدیہ پر بڑا احسان ہے جن میں ایسی ہستی مبعوث فرمائی کہ حق تعالیٰ کی آسمانی وحی ان کو پڑھ کر سنائیں، ہر قسم کے شرک و کفر، معصیتوں اور جاہلیت کی رسموں سے ان کا تزکیہ کریں، ان کو کتاب و سنت کی تعلیم دیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑا فضل فرمایا کہ کتاب و حکمت کے وہ تمام علوم ان کو سکھائے جو نہ جانتے تھے، چند آیات بینات کا یہ سرسری خاکہ ہے حق تعالیٰ کی اس آسمانی شہادت کے بعد کیا کوئی کمال اب ایسا باقی ہے جو جناب رسول اللہ ﷺ کو نہ دیا گیا ہو؟ اسی آسمانی وحی ربانی میں تمام امت کو یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے جناب رسول اللہ ﷺ پر رحمت و درود بھیجتے ہیں اس لیے تمہیں حکم ہے کہ تم بھی ان پر درود

بھیجو، پانچوں وقت اذان میں ان کی رفعت و بلندیٔ مقام کا اعلان ہوتا ہے، ہر نماز میں ان پر درود و سلام کا مخصوص انداز میں حکم ہے گویا کوئی نماز جو حق تعالیٰ شانہٗ کی مخصوص عبادت ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ خصوصی مناجات ہے آپ کا ذکر خیر اور درود و سلام سے خالی نہیں بلکہ اسی پر نماز کا اختتام ہوتا ہے اس لیے تمام امت اور آسمانی کتابوں کا بھی فیصلہ ہے :

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

نبی کریم ﷺ کی شان میں مودودی کی گستاخی: بہر حال یہ مسلمات میں سے ہے کہ افراد بشر میں جن نفوس قدسیہ کو حق تعالیٰ نے اصلاح نفوس اور ہدایت وارشاد عالم کے لیے منتخب فرمایا ہے ان سب کے سرتاج سید الانبیاء والمرسلین امام المتقین خاتم النبیین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس ہے اگر ان میں کوئی کوتاہی اور کمی رہ جائے تو پھر سارے انبیاء کرام کوتاہیوں سے مبرّا کیسے ہو سکتے ہیں اور امت کی ہدایت کے لیے وہ کیسے اسوہ وقدوہ بن سکتے ہیں اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جس ذات اقدس نے ہدایت وارشاد کے لیے ان کی بعثت فرمائی ہے وہ العیاذ باللہ قاصر ہے اور ان کی قدرت سے ایسے افراد کا انتخاب بالاتر ہے انا للہ وانا الیہ راجعون، بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی، پھر نہ تو خدائی رہی، نہ نبوت و رسالت، نہ آسمانی وحی، نہ دین۔ سارا معاملہ ہی ختم ہو گیا، ان حقائق کی روشنی میں ''ترجمان القرآن'' جلد ۸۵ شمارہ اپریل ۱۹۷۶ء میں بعنوان ''اسلام کس چیز کا علمبردار ہے'' مودودی صاحب کا مقالہ مطالعہ کیجیے، صفحہ ۳۰ پر موصوف یوں رقمطراز ہیں ''وہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نہ فوق البشر ہے نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہے۔''

کس جاہل نے کہا ہے کہ وہ فوق البشر ہے ہاں تمام اولین و آخرین اور حق تعالیٰ، جو خالق الانبیاء والمرسلین ہیں ان کا فیصلہ ہے کہ وہ اتقی البشر ہیں سید البشر ہیں، تمام نسل انسانی میں سب سے بڑھ کر متقی اور کامل ترین افراد بشر میں سے ہیں، آفتاب عالمتاب اور بدر منیر کے انوار کو ان کے انوار سے کیا نسبت؟ آسمان ہو یا زمین، چاند ہو یا سورج حتیٰ کہ عرش رحمن بھی آپ کی منزلت سے قاصر ہے، تمام مخلوقات خداوندی میں افضلیت و کمال کا تاج آپ ہی کے سر باندھا گیا ہے ''نہ فوق البشر ہے'' یہ جملہ بھی جو غمازی کرتا ہے کہ فوق البشر کہنا بھی ناقابل برداشت ہے لیکن ''نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہے'' کے فقرے سے جو کچھ دل میں تھا ابھر کر آ گیا جو شخص بشری کمزوریوں میں ملوث ہے وہ بشر کی ہدایت کے لیے کیسے موزوں ہو سکتا ہے؟ اردو کے عرف میں اور عام تعبیرات کے پیش نظر بشری کمزوریوں کا اطلاق ان صفات بشریہ پر ہوتا ہے جو صفات ذمیمہ اور قبیحہ ہیں، لوازم بشریت مراد ہو ہی نہیں سکتے لوازم بشریت کھانا پینا سونا جاگنا خوشی، غم صحت و مرض وفات وغیرہ بلاشبہ یہ لوازم بشریت ہیں خواص بشریت ہیں اور صفات بشریہ ہیں، عرف میں اس کو کوئی بشری کمزوریوں سے تعبیر نہیں کرتا، لوازم بشریت سے تو ملائکۃ اللہ اور حق تبارک و تعالیٰ منزہ ہیں کہنا یہ ہے کہ یہ جملہ خطرناک حقیقت کی غمازی کر رہا ہے، اسلام کی پوری بنیاد منہدم ہو جاتی ہے، حق تعالیٰ تو ان کو یہ شرف قبولیت عطا فرماتا ہے کہ کلمۂ شہادت میں، اذان واقامت میں حق تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا نام آئے، نماز میں درود و سلام بھیجنے کا حکم ہوا اور اس انداز سے ہوا کہ چونکہ حق تعالیٰ اور ان کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی درود بھیجو، بارگاہ اقدس سے اتنا اونچا منصب عطا کیا گیا ہو، اور مودودی صاحب کی نگاہ میں وہ بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں، جو شخصیت بشری کمزوریوں میں مبتلا ہو کیا وہ اس منصب جلیل کی مستحق ہو سکتی ہے؟ بظاہر تو یہ ایک جملہ ہے لیکن اس ایک جملہ سے ان کے تمام کمالات اور منصب نبوت پر پانی پھیر جاتا ہے اور ہر ناقد کے لیے تنقید کا راستہ ہموار ہو جاتا ہے، بشری کمزوری میں جھوٹ بولنا خود غرضی جاہلیت کے آثار کا نمایاں ہونا، مصلحت اندیشی کا کارفرما ہونا، بنی عبد مناف اور بنی ہاشم کو بنی امیہ پر ترجیح دینا، قریش و مہاجرین کو وہ مقام عطا کرنا جس سے انصار محروم تھے وغیرہ وغیرہ کون سی کمزوری ہے جو اس اجمال میں نہیں آسکتی؟ کیا اچھا ہوتا کہ مودودی صاحب ان کمزوریوں کی نشاندہی خود فرما دیتے کہ وہ کون

سی کمزوریاں ہیں جو آپ کی ذات گرامی میں موجود ہیں۔ اس قسم کے نظریات یا قلمی طغیانی اس شخص کا شیوہ ہے جو نہ اہل اللہ کا صحبت یافتہ ہو، نہ اسے علم دین میں کمال حاصل ہو، عجب و کبر میں مبتلا ہو، اعجاب بالرائی کی وباء عظیم میں ملوث ہو۔ جس ذات گرامی پر ایمان لانے کا حکم ہو حق تعالیٰ پر ایمان کے بعد جس پر ایمان کا مرتبہ ہو جسے ہدایت امت کے لیے سراجا منیراً بنایا گیا ہو، جو دعوت الی اللہ پر مامور ہو جس کی شخصیت کو امت کے لیے اسوہ بنایا گیا ہو، جس کی صفات و کمالات اور خصائص و اخلاق عظیمہ کا اعلان کیا گیا ہو، مودودی کی نگاہ میں ان کی شخصیت اتنی شدید مجروح ہو کہ بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں، اب تک تو ہم یہی سمجھتے تھے کہ مودودی صاحب سلف صالحین کو مجروح کرتے چلے آئے ہیں، صحابہ کرامؓ کی شخصیت کو مجروح کرتے چلے آئے ہیں اور انبیاء کی شخصیت پر بھی کچھ نہ کچھ اشارات جرح کے موجود تھے۔

یونس علیہ السلام سے فریضۂ نبوت پر تقصیر ہوئی جیسے کہ "تفہیم القرآن" میں ہے وغیرہ وغیرہ (بہرحال) ایک حضرت سید المرسلین خاتم النبیین امام المتقین کی ذات گرامی باقی رہ گئی تھی وہ بھی اب مجروح ہو گئی، تعجب کا مقام ہے کہ مودودی صاحب نے ہر پیراگراف کو قرآنی حوالہ دے کر بیان کیا اور شاید مقالہ اور اس کی تعلیمات کو پڑھنے والے کو یہ غلط فہمی ہو کہ یہ جملہ بھی بقیہ قرآنی حوالوں سے معمور ہوگا لیکن بغیر جوڑ کے قرآنی تعبیرات کے درمیان سطر نمبر ۱۲، اشارہ نمبر ۱۳ صفحہ ۱۳۱ پر یہ دل کی بات قلم سے نکل گئی، قرآن کریم میں جہاں یہ حکم ہو کہ آپ اعلان کریں کہ میں بشر ہوں ساتھ ہی "یوحیٰ الیّ" کا وصف لگایا تا کہ کوئی قاصر الفہم قاصر العقل بشر کے ساتھ بشری کمزوریوں کا خیال نہ کرے، چنانچہ ارشاد ہے: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (الکہف: ۱۱۰)

سورہ اسراء میں ہے: قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل: ۹۳)

بشر کے ساتھ رسول کی صفت لگائی گئی جہاں محض بشریت کا ذکر کیا ہے یا صفات بشریت کا ذکر ہے وہ تمام تر مشرکین و کفار کے قول کی نقل ہے: قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (ابراھیم: ۱۰) هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الانبیاء: ۳) مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (المومنون: ۲۴) مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (یٰسین: ۱۵) مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (ھود: ۲۷)

کفار نے بلاشبہ طعنے کے طور پر کہا کہ یہ ہم جیسے بشر ہیں بلکہ ان کو بھی اس کی جرأت نہیں ہوئی کہ یہ جرم بھی عائد کر سکیں کہ بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ انبیاء کرام کی پاکیزگی اخلاق، کرامت و شرافت اتنی بدیہی اور واضح ہے کہ انکار کی مجال نہیں، زیادہ یہ طعنہ دیا کہ کھاتا پیتا ہے، بازاروں میں جاتا ہے، گویا فرشتہ نہیں کہ ان چیزوں سے بالاتر ہو، کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ موصوف کے دل میں اس سے بھی زیادہ کچھ ہے لیکن خوف مانع ہے، پوری دل کی بات کا اظہار نہ کرے "وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ" (آل عمران: ۱۱۸) اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال سے بچائے، بشری کمزوری دو راستوں سے ہوتی ہے:

(۱) نفس۔ (۲) شیطان۔ جب نبی و رسول نفس کی غیر مستحسن اور ناپسندیدہ خواہشات سے مبرا ہے اور پاک ہے تو اس کے عواطف و رجحانات ناپسندیدہ نہیں ہو سکتے، ان کا نفس نفس مطمئنہ ہے، نفس ملکی کی صفات رذیلہ سے یکسر بالاتر ہے، ادنیٰ سے ادنیٰ رذیلۂ نفسانی کا وہاں گزر نہیں اور نفس کے جتنے صفات کمال ہیں، تقویٰ و طہارت شکر و صبر، عفت و رأفت، رحمت و جود اور سخاو کرم وغیرہ وغیرہ تمام کے تمام وہاں موجود ہوتے ہیں اور شیطان لعین کے وساوس سے یکسر حفاظت ہوتی ہے شیطان نبی و رسول کو کبھی بھی غلط کام پر آمادہ ہی نہیں کر سکتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا شیطان مجھے خیر ہی کا حکم دیتا ہے، بہرحال جب دونوں راستوں

سے حفاظت ہوگئی تو بشری کمزوری خود بخود ختم ہوجاتی ہے۔

"صحیح مسلم" میں عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں تو یہ آیا ہے کہ "کان خلقه القرآن" (الصحیح المسلم، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ ج ۱ ص ۲۵۶ ط قدیمی مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۹۱ ط عالم الکتب بیروت۔ آپ کے اخلاق کریمہ قرآن کریم کا مرقع ہیں گویا آپ کی حیات مقدسہ زندہ قرآن ہے۔ آپ کا وجود مقدس زندہ قرآن ہے اور یہی تمام عالم کا فیصلہ ہے۔ لیکن مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ بشری کمزوریوں سے آپ بالاتر نہیں۔ پھر سنت اللہ جاری ہے کہ انبیاء کرام کے عام قوی بشری بھی عام انسانوں سے بالاتر ہوتے ہیں، ان کی جسمانی صلاحیتیں جسمانی قوتیں برتر اور عام افراد بشر سے بالاتر ہوتی ہیں بلکہ ایک حدیث میں آیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس افراد جنت کی قوت عطا فرمائی گئی ہے اور ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جنت میں ہر فرد بشر کو سو اشخاص کی قوت عنایت کی گئی ہے بلکہ قاضی عیاض "شفاء" میں اور سیوطی کی "خصائص کبریٰ" میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے ایک حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا ہے : أما علمت أن أجسادنا تنبت على أرواح أهل الجنة" (الخصائص الكبرى للسيوطي، باب لآية في حفظه (ﷺ) من الاحتلام ج ۱ ص ۱۲۶ ط دار الكتب العلمية بيروت.

یعنی ہمارے اجساد میں ارواح اہل جنت کی ہیں اور تفصیلات کا یہاں موقع نہیں ہے، بہر حال نہ معلوم کہ اتنی صاف اور واضح حقیقت کیوں سمجھ میں نہیں آتی کہ جب کوئی شخص بشری کمزوریوں میں مبتلا ہو وہ کیونکر ہادی و رہنما بنے گا اور اس کی دعوت و تبلیغ کیونکر کامیاب ہوسکتی ہے؟ قرآن کریم تو صاف اعلان فرماتا ہے : اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (البقرة : ۴۴) کیا تم لوگوں کو حکم دیتے ہو نیکی کا اور اپنے نفسوں کو بھولتے ہو اور تم کتاب اللہ پڑھتے ہو کیا اتنا بھی تم نہیں جانتے کہ اس کا کیا اثر ہوگا، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ جو کیا اسی کا حکم دیا تاکہ قول و عمل میں کوئی تضاد نہ ہو، مقام افسوس ہے کہ مودودی صاحب کو اتنی واضح اور صاف بات بھی سمجھ نہیں آتی۔

بہر حال جہاں مودودی صاحب کے بہت سے قابل شدید اعتراض مباحث ہیں یا تعبیرات ہیں اور ان کی تصنیفات میں بکھری پڑی ہیں یہ جملہ اور مضمون بھی قباحت میں گوئے سبقت لے گیا ہے مودودی صاحب اپنی تفسیر سورہ آل عمران میں حضرات صحابہ کے بارے میں رقم طراز ہیں "سود خوری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے اس کے اندر سود خوری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں، سود لینے والے میں حرص و طمع بخل خود غرضی اور سود دینے والوں میں نفرت، غصہ اور بغض حسد، احد کی شکست میں ان دونوں قسم کی بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا" اسی سورۂ آل عمران کے آخر میں ان صحابہؓ کے بارے میں حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں :

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۔ (ال عمران : ۱۹۵)

"سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور تکلیفیں دی گئیں میری راہ میں، اور جہاد کیا اور شہید ہوگئے ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کروں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، یہ عوض ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ ہی کے پاس اچھا عوض ہے۔"

حق تعالیٰ نے تو ان کو یہ داد دی ہے اور مودودی صاحب کی نگاہ میں وہ حریص بخیل خود غرض ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے بغض و حسد رکھنے والے اور ان بیماریوں میں مبتلا تھے ان میں جہل و عناد کی بھی انتہا ہوگئی، غزوۂ احد کے بعد غزوہ بنی نضیر میں جو سورۂ حشر نازل ہوئی اس میں حق تعالیٰ شانہ یوں ارشاد فرماتے ہیں لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ

وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُو الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الحشر ۹۔۸)

ان فقراء مہاجرین کا حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے جدا کر دیئے گئے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں اور ان لوگوں کا حق ہے جو دارالاسلام میں ان (مہاجرین کے آنے) سے قبل قرار پکڑے ہوئے ہیں اور جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ لوگ اپنے دلوں میں کوئی خلش نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو اور واقعی جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

حق تعالیٰ تو ان مہاجرین و انصار کو صادقون و مفلحون جیسے شاندار الفاظ میں اس عجیب انداز سے داد دیں اور مودودی صاحب ان کو طماع و حریص ایک دوسرے سے متنفر بتلائیں ہمارے عقیدے کے مطابق اسلام کسی ایسے دین کا نام نہیں جس کو سب سے پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا ہو اور اس بناء پر آپ کو بانی اسلام کہنا صحیح ہو۔

انبیاء میں محمد ﷺ کی خصوصیت دراصل یہ ہے کہ :(۱) وہ خدا کے آخری نبی ہیں (۲) ان کے ذریعہ خدا نے اسی اصل دین کو پھر تازہ کر دیا جو تمام انبیاء کا لایا ہوا تھا الخ" اس مضمون میں بھی ان کو ٹھوکر لگی ہے اور غلط موڑ پر پہنچ گئے جو نہایت خطرناک ہے، اب دیانت اور دین کی خیر خواہی کا تقاضا یہی ہے کہ ان مضامین پر بے لاگ تبصرہ ایسا کیا جائے کہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی سامنے آجائے جو ایک دو مولوی ان کی ہم نوائی کرتے چلے آئے ہیں ان کے ایمانی امتحان کا وقت بھی آگیا ہے واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام عالی کا کیا کہنا، آپ کی صحبت فیض خدمت اور توجہات مبارکہ سے صحابہ کرام جس مقام پر پہنچ گئے ہیں ان کا ادراک بھی ہم جیسوں کے لیے ناممکن ہے، قرآن کریم کی سورۂ فتح میں ارشاد ہے :

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ (الفتح ۲۹)

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز اور آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سجدہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں، ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہرے سے نمایاں ہیں۔"

حضرت بنوریؒ فرماتے ہیں کہ: یہاں تک لکھ چکا تھا کہ آج "ترجمان القرآن" بابت ماہ جون ۷۶ء میں "رسائل و مسائل" کے عنوان سے اس کے جواب کی کوشش کی گئی، ظاہر بات ہے کہ بات ناقابل برداشت تھی اور اس میں پوری رسوائی ہو رہی تھی اس لیے موصوف کے حواریوں میں سے کسی نے موصوف کو متنبہ کیا اور اس کا جواب دیا گیا کیا اچھا ہوتا کہ مودودی صاحب اپنی غلطی کا اعتراف کر کے توبہ کرتے اور اعلان کرتے کہ میں نے یہ بات غلط کی ہے لیکن مودودی صاحب کی تاریخ زندگی میں اس بات کا امکان نہیں، یہ تو ہوا کہ جب کسی ہمدرد حواری نے کسی غلطی پر متنبہ کیا تو دوسرے ایڈیشن میں وہ بات نکال دی گئی لیکن اس کی توفیق نہ ہوئی کہ اعتراف کر کے غلطی کا اعلان ہوتا اور غلط بات سے رجوع کرتے تاکہ وہ لوگ جن کے پاس پہلا ایڈیشن ہے وہ بدستور گمراہ نہ ہوتے، مثلاً تفسیر "تفہیم القرآن" کے پہلے ایڈیشن میں حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کو فرائض نبوت میں تقصیر کا مرتکب مانا تھا لیکن

اعتراض کے بعد دوسرے ایڈیشن پر اس عبارت کو حذف کر دیا گیا، کیا یہ دیانت ہے؟ اور کیا یہ حق ہے؟ اور کتنی مثالیں ہیں۔
مودودی صاحب کے نزدیک انبیاء کرام علیہ السلام ایسے معصوم نہیں ہیں کہ غلطی نہ ہو سکتی تھی وہ تو فرماتے ہیں کہ بشریت کے اظہار کے لیے کوئی وقت ایسا ضرور ہے تو کیا مودودی صاحب معصوم ہیں کہ ان کی عصمت انبیاء کرام علیہ السلام سے بھی زیادہ ہے، بہر حال جب عذر کر کے جواب دیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی بالکل لچر اور بے معنی ہے، اردو محاورات میں کوئی بتلا دے کہ لوازمِ بشریت کو بشری کمزوریوں سے تعبیر کیا جاسکتا ہے؟ مولانا مودودی صاحب بشری کمزوریوں سے عیوب و نقائص ہی مراد لیتے ہیں، اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ سورۃ آل عمران کی تفسیر میں انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ الزام لگایا ہے کہ ان میں سود خوری کی وجہ سے دو قسم کی بیماریاں تھیں، حرص و طمع بخل و خود غرضی اور حسد نفرت بغض اور غزوہ احد کی شکست میں دونوں کو دخل ہے اس کے ثبوت میں قرآن کے لفظ "ببعض ما کسبوا" کا ترجمہ "بعض کمزوریوں" سے کیا گیا جس پر نہایت عالمانہ و محققانہ انداز سے حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلوی تنقید فرما چکے ہیں۔ (ملاحظہ ہو "بینات" بابت ماہ جون ۱۹۷۶ء)
مودودی صاحب کی اس تفسیر و تشریح سے واضح ہے کہ کمزوریوں سے مراد وہ بیماریاں لیتے جو عیوب اور بدترین عیوب ہیں، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور صحیح توبہ کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

مواعظ و نصائح

مقدمہ نمبر ۲ حصہ دوم : اس مقدمہ میں اہل عقل کے لیے سامان ہدایت وافر مقدار میں موجود ہے اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق دے۔ آمین

سچ بولنے کی اہمیت اور جھوٹ سے نفرت: لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ ان سے جھوٹ بول رہے ہیں تو یہ کتنی بری بات ہے۔ اس سے ان کے دل میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور آپ کا اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ وہ آپ کو ایک جھوٹا انسان سمجھنے لگتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر ان کو کوئی مشکل پیش آجائے تو اس کے حل کے لیے آپ سے مدد یا مشورہ طلب نہیں کریں گے۔ اور اگر آپ آئندہ کوئی بات ان سے بیان کریں گے تو وہ اس کا یقین نہیں کریں گے۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ جھوٹ کتنی بری چیز ہے۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مومن میں سب خصلتیں ہو سکتی ہیں سوائے خیانت اور جھوٹ کے"۔ (مسند امام احمد و مسند ابو یعلیٰ)
ایک مرتبہ کسی نے آپ سے پوچھا "یا رسول اللہ! کیا مؤمن بزدل ہو سکتا ہے؟" آپ نے فرمایا: "ہاں! ہو سکتا ہے۔"
اس نے پھر پوچھا: "کیا وہ بخیل ہو سکتا ہے؟" آپ نے فرمایا: "ہاں! ہو سکتا ہے؟" اس نے پھر پوچھا: "کیا وہ جھوٹا ہو سکتا ہے؟" آپ نے فرمایا: "نہیں! جھوٹا نہیں ہو سکتا"۔ (موطا امام مالک)
حضرت عبد اللہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، میری والدہ نے مجھے بلانے کے لیے آواز دی کہ "ادھر آؤ میں تمہیں کچھ دوں گی۔" رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ "تم اسے کیا دینا چاہتی ہو؟" میری والدہ نے کہا کہ "میں اسے کھجور دینا چاہتی ہوں؟" آپ نے فرمایا: "اگر تم اس کو کچھ نہ دیتیں تو یہ تمہارے اعمال نامہ میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔" (سنن ابوداؤد، ج:۱، ص۷۲۹، رقم الحدیث ۴۹۹۱)
اکثر اوقات بعض لوگ اپنی بڑائی جتانے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں۔ کبھی وہ اپنی بہادری کے جھوٹے کارنامے بیان کرتے ہیں، اور کبھی کسی واقعہ کو دلچسپ بنانے کے لیے اس میں جھوٹ بول کر اضافہ کرتے ہیں۔ اور کبھی اپنی شیخی بگھارنے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں کہ فلاں قیمتی چیز میرے پاس ہے۔

وہ لوگ بھی جھوٹے کہلائیں گے جو کوئی وعدہ کریں پھر اس کی خلاف ورزی کریں۔ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو کسی مشکل میں پھنس جائیں تو جھوٹے بہانے گھڑ کر اپنی جان بچاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا بھید جلدی کھل جاتا ہے۔

سچ پر امام زہری کا ایک مثالی واقعہ سنئے: ایک مرتبہ امام زہریؒ نے بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر ایک بات پر اپنی گواہی پیش کی تو بادشاہ نے کہا: "تم نے جھوٹ بولا ہے۔" امام زہریؒ نے بآواز بلند فرمایا: "اعوذ باللہ! میں جھوٹ بولوں گا!! خدا کی قسم!! اگر کوئی پکارنے والا آسمان سے پکارے کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ حلال کر دیا ہے تو بھی میں جھوٹ نہیں بولوں گا کیسے بول سکتا ہوں جب کہ وہ حرام ہے۔"!! اپنے اصولوں پر قائم رہئے۔ جب تک انسان کی شخصیت مضبوط ہوگی اور وہ اپنے اصولوں پر سختی سے قائم رہے گا اس کو زندگی میں اہمیت حاصل رہے گی۔

مثلاً آپ کا ایک اصول یہ ہے کہ رشوت نہیں لوں گا، اب لوگ اس کے خواہ کتنے ہی خوبصورت نام رکھ لیں مثلاً بخشش، ہدیہ، مٹھائی، وغیرہ، پھر بھی آپ اپنے اصول پر قائم رہئے۔ یا مثلاً کوئی بیوی ہے، اس نے یہ اصول بنایا ہے کہ وہ اپنے خاوند سے کبھی جھوٹ نہیں بولے گی۔ اب لوگ خواہ اس دروغ گوئی کو کتنے ہی اچھے ناموں سے مزین کریں، مثلاً کام نکالنا، سفید جھوٹ، مصلحت سازی وغیرہ، لیکن پھر بھی اس کو اپنے اصول پر قائم رہنا چاہیے۔ بعض بڑے اچھے اچھے اصول ہوتے ہیں، مثلاً: غیر عورتوں سے ناجائز تعلقات سے اجتناب۔ شراب خوری سے پرہیز۔

ایک شخص جو سگریٹ نہیں پیتا، وہ اپنے احباب کے ساتھ بیٹھے، لیکن اس کو اپنے اصول پر قائم رہنا چاہیے۔

جو شخص اپنے اصولوں پر قائم رہتا ہے، بعض اوقات اس کے احباب، اس پر تنقید کرتے ہیں اور اس کو بے مروت اور روکھا وغیرہ کہہ کر اپنا جیسا بنانا چاہتے ہیں، لیکن ان کے دل میں اس کی عزت ہوتی ہے اور ان کا دل تسلیم کرتا ہے کہ وہ ایک بہادر شخص ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے اکثر لوگ مصیبت کے وقت اس سے رجوع کرتے ہیں اور اپنی ذاتی مشکلات میں اس سے مشورہ کرتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر وہ دوسروں سے زیادہ اسی کو اہمیت دیتے ہیں۔

یہ بات کسی ایک جنس کے لیے مخصوص نہیں، بلکہ مرد و عورت دونوں اس میں برابر کی اہمیت رکھتے ہیں۔

لہٰذا آپ اپنے اصولوں پر ہر صورت میں قائم رہئے اور اپنے معیار سے نیچے نہ جائیے اور نہ کسی لالچ میں آئیے، تو آپ دیکھیں گے کہ لوگ آپ کے اصولوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے لگیں گے۔ جب عرب میں اسلام پھیل گیا اور اکثر لوگ مسلمان ہو گئے تو مختلف قبائل کے وفد رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کو آنے لگے۔

قبیلہ ثقیف کے لوگوں کا ایمان لانے کے لیے شرائط: انہی دنوں ایک مرتبہ قبیلہ ثقیف کا وفد بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ کچھ اوپر اسی افراد پر مشتمل تھا۔ جب یہ لوگ آئے تو آپ نے ان کو اپنی مسجد میں ٹھہرایا تاکہ یہ وہاں قرآن مجید بھی سن سکیں۔

انہوں نے آپ سے سود، زنا اور شراب کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ "یہ سب حرام ہیں۔"

ان کا ایک بت تھا جس کی عبادت و تعظیم یہ اپنے آباؤ اجداد کے زمانہ سے کرتے آ رہے تھے۔ اس کا نام انہوں نے "ربّہ" رکھا تھا اور اس کو وہ "طاغیہ" بھی کہتے تھے یعنی جبار اور سرکش۔ انہوں نے اس کی بے انتہا قوت اور غیظ و غضب ثابت کرنے کے لیے کچھ قصے کہانیاں بھی گھڑ رکھی تھی۔

ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ "اگر وہ اسلام لے آئے تو آپ اس ربّہ کے بارے میں کیا حکم دیں گے"؟ آپ نے بغیر کسی تردد کے فرمایا کہ "اس کو توڑ پھوڑ دو۔" یہ سن کر وہ بہت خوفزدہ ہوئے اور کہنے لگے۔ "یہ تو بڑی خطرناک

بات ہوگی۔ اگر ربہ کو پتہ چل گیا کہ آپ اس کو تڑوانا چاہتے ہیں تو یہ ہم سب کو ہلاک کر دے گا۔"
حضرت عمرؓ وہیں موجود تھے۔ بت توڑنے پر ان کا خوف دیکھ کر وہ بہت متعجب ہوئے اور کہنے لگے اے ثقیفیو! افسوس ہے تم پر! تم کیسے جاہل ہو! یہ دیّہ تو نرا پتھر ہے۔ یہ نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع۔" وہ لوگ حضرت عمرؓ کی بات پر بہت ناراض ہوئے اور کہنے لگے: "اے ابن الخطاب! ہم تم سے ملنے نہیں آئے ہیں۔" یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ ان لوگوں نے پھر رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی کہ "ہم ایک شرط پیش کرتے ہیں کہ اس "طاغیہ" کو آپ ہماری خاطر تین سال کے لیے باقی رہنے دیں۔ اس کے بعد اگر آپ چاہیں تو اس کو توڑ پھوڑ دیں۔"
نبی اکرم ﷺ نے دیکھا کہ یہ لوگ توعقیدہ کے بارے میں مجھ سے سودے بازی کر رہے ہیں، جب کہ توحید ہی اسلام کی بنیاد ہے۔ جب یہ اسلام قبول کرلیں گے تو اس بت سے تعلق رکھنے کا کیا مقصد ہے؟ لہٰذا آپ نے اس شرط کو ماننے سے انکار فرمادیا۔
انہوں نے کہا: "اچھا تو دو سال تک اسے قائم رہنے دیجئے، پھر اس کو توڑ دیجئے۔"
آپ نے یہ شرط بھی نہیں مانی، پھر انہوں نے ایک سال کی اور پھر ایک ماہ کی مہلت مانگی۔ لیکن آپ نے انکار فرمادیا۔
جب انہوں نے دیکھا کہ آپ نے اس بارے میں ان کی کوئی شرط نہیں مانی تو ان کو یقین آگیا کہ یہ مسئلہ شرک اور ایمان کا ہے، اور اس میں کسی رعایت کی گنجائش نہیں ہے۔ تو وہ کہنے لگے۔ "یا رسول اللہ! پھر آپ ہی اس کو توڑنے کا ذمہ لیجئے۔ ہم خود اس کو کبھی نہیں ڈھائیں گے۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ٹھیک ہے، میں اپنے کسی آدمی کو تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ وہ یہ کام کر دے گا۔"
وہ کہنے لگے: اب نماز کا مسئلہ ہے۔ ہم نماز نہیں پڑھنا چاہتے۔ کیونکہ ہمیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ انسان کے سرین اوپر ہوں اور سر نیچے ہو۔" یعنی وہ ایسے متکبر تھے کہ سجدہ میں سرین کو سر سے اوپر کرنا ان کو گوارا نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ "اپنے بتوں کو تم خود اپنے ہاتھوں سے نہ توڑو، یہ تو ہم قبول کرتے ہیں، لیکن نماز تمہارے لیے معاف کرنا ہمیں قبول نہیں۔ کیونکہ اگر دین میں نماز نہیں تو اس میں کوئی خیر نہیں۔" وہ کہنے لگے: "ٹھیک ہے، ہم نماز پڑھیں گے، اگرچہ اس میں ہمیں ذلت محسوس ہوتی ہے۔" پھر انہوں نے اطاعت نامہ لکھ کر آپ کو دے دیا۔ اس کے بعد وہ اپنے قبیلہ کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر انہوں نے قبیلہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جو انہوں نے ناگواری کے ساتھ قبول کرلی۔ پھر ان کے بت توڑنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں پہنچے، ان میں حضرت خالد بن ولید اور حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔
یہ صحابہ کرامؓ اس بت کی طرف گئے تو بنو ثقیف بہت خوفزدہ ہوئے۔ ان کے سب مرد، عورتیں اور بچے باہر آکر وہاں جمع ہو گئے اور اپنے بت کو دیکھنے لگے۔ ان کو یقین تھا کہ یہ بت کبھی نہیں ٹوٹے گا اور وہ خود اپنا دفاع کرے گا۔ بت کو توڑنے کے لیے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ آگے آئے اور کدال ہاتھ میں لے کر اپنے ساتھ آنے والے صحابہؓ سے فرمانے لگے: "واللہ! میں ایک ایسی حرکت کروں گا کہ ثقیف کے لوگ تم پر ہنسیں گے۔" پھر انہوں نے کدال اٹھا کر اس بت کے ماری، پھر زمین پر گر کر تڑپنے اور ٹانگیں چلانے لگے (جیسے مر رہے ہوں) یہ دیکھ کر ثقیف کے لوگ خوشی سے چیخنے چلانے اور نعرے لگانے لگے جس سے سارا علاقہ گونج اٹھا۔ وہ کہنے لگے: "مغیرہ پر خدا نے لعنت کی اور ربہ نے اس کو مار ڈالا۔"
پھر وہ باقی صحابہؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے: "اب تم میں سے جس کو ہمت ہو وہ ربہ کے قریب جائے۔"
اسی وقت حضرت مغیرہؓ ہنستے ہوئے کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے: "اے ثقیف کے لوگو! تم پر افسوس ہے۔ یہ تو میں نے تمہیں بیوقوف بنانے کے لیے مذاق کیا تھا۔ یہ بت کیا ہے۔ بس پتھر اور مٹی ہے۔ صرف اللہ سے عافیت طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو۔"
پھر انہوں نے بت کو توڑنا شروع کیا، دوسرے صحابہؓ بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔ انہوں نے اس کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے

کردیا اور زمین کے برابر کردیا۔

زیر درس آیت میں فرمایا :لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ الخ احسان خداوندی برائے بعثت خاتم الانبیاء۔ربط آیات :اوپر ذکر تھا کہ عمل کے مطابق جزاء اور سزا ملے گی، پھر آگے ارشاد فرمایا کہ نبی ﷺ سے خیانت کا صدور اس لئے ناممکن ہے کہ خیانت تو ایک بلا اور مصیبت ہے، اور نبی کا وجود اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم اور نعمت کبریٰ ہے، اس لئے یہاں سے اللہ تعالیٰ اپنے احسان کو جتلاتے ہیں۔مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔۔۔الخ بشریت خاتم الانبیاء :یعنی انہیں میں سے۔اس میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں بعض نے کہا ان کے نسب سے یعنی قریش سے۔بعض نے کہا عرب سے۔بعض نے کہا بنی آدم اور یہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ لفظ ''مؤمنین'' اس جگہ عام ہے۔اور "اَنْفُسِهِمْ" کی ضمیر اسی طرف عائد ہے پس صفت عام کے ساتھ تفسیر کرنا اوفق ہے۔

اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ پھر جنات کو آپ سے فیض لینے میں دشواری ہوگی؟ جواب یہ ہے کہ چونکہ انسان جامع ترین خلق ہے اس لئے اس کو جن سے بھی مناسبت ہے پس اس لئے انسان جن کو بھی بسہولت فیض دے سکتا ہے بخلاف جن کے کہ وہ جامع نہیں ہے اس لئے انسان کو بسہولت فیض نہیں دے سکتا اور یہ مناسبت استفادۂ انسان من الجن میں ہے اس لئے کافی نہیں کہ مفیض قوی ہونا چاہئے مستفیض سے۔يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ :فرائض خاتم الانبیاء ❶ اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان آیات کے انوار و برکات سے دل کی ظلمات دور ہوتی ہیں۔ ❷ وہ رسول اپنے فیض صحبت اور باطنی توجہ سے ان کو کفر اور شرک کی نجاست اور نفسانی آلائش سے پاک اور صاف کرتا ہے اور دلوں کو مانجھ کر صیقل بنا دیتا ہے۔ ❸ وہ ان کو کتاب الٰہی کی تعلیم دیتا ہے یعنی قرآن کریم کے غوامض اور مشکلات کو حل کرتا ہے۔ ❹ حکمت اور دانائی کی باتوں کی تعلیم دیتا ہے اور تعلیم کا عجیب حال ہے کہ جس نے عرب کے جاہلوں کو ساری دنیا کا معلم بنا دیا۔سبحان اللہ

﴿۱۶۵﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ۔۔۔الخ عارضی ہزیمت احد :یعنی مسلمانوں کو جب غزوہ احد میں وقتی اور عارضی طور پر شکست ہوئی اور اس سلسلہ میں تکلیف اور مصیبت پہنچی تو منہ سے نکلا یہ مصیبت ہم کو کہاں سے پہنچی۔قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا الخ تسلی للمؤمنین: فرمایا اس سے دگنی تم (دشمنوں) پر بدر کے دن ڈال چکے ہو۔ (معالم التنزیل :ص: ۲۹۰ :ج۔۱)

قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا : تعجب للمؤمنین :اب تم کہتے ہو کہ یہ مصیبت کدھر سے آئی، مصیبت سے مراد ستر آدمیوں کا قتل اور شکست جو احد کے دن واقع ہوئی، اور دگنی مصیبت ڈالنے سے مراد جنگ بدر کی لڑائی میں کافروں کو قتل اور قید ہونا ہے۔قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ :جواب تعجب وسبب ظاہری :اے محمد (ﷺ) تم کہہ دو کہ اس مصیبت کا سبب ظاہری یہ ہے کہ یہ مصیبت خود تمہاری طرف سے آئی ہے یعنی مرکز کو چھوڑ دینے، اور آنحضرت ﷺ کا حکم نہ ماننے کی وجہ سے آئی کیونکہ فتح کا وعدہ تو صبر و تقویٰ کے ساتھ وابستہ تھا۔بعض علماء نے کہا کہ "مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ" سے مراد یہ ہے کہ تم نے بدر کے قیدیوں کا فدیہ لینا پسند کیا، اور یہ تمہارا ذاتی فعل تھا، اس لئے یہ مصیبت آپڑی۔(مظہری :ج ۲ :ص: ۱۶۷ :روح المعانی :ص: ۳۳۶ :ج ۴ :خازن :ص: ۳۱۹ :ج ۱ : کبیر :ص: ۴۲۰ :ج۔۹)

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ :یعنی اللہ تعالیٰ مدد کرنے یا بے مدد چھوڑ دینے ہر چیز قادر ہے۔کیونکہ جب تم نے اطاعت کی تو اللہ نے اپنی قدرت سے غالب کر دیا تھا، اور جب تم نے اطاعت کی خلاف ورزی کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تم کو مغلوب کر دیا۔

﴿۱۶۶﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ۔۔۔الخ مصیبت کا سبب حقیقی :یعنی جس دن (یعنی احد کے دن) مسلمانوں اور کفار کی دونوں جماعتیں لڑائی کے لئے آمنے سامنے ہوئیں تو وہ مصیبت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئی کیونکہ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں، ایک حکمت یہ ہے کہ "وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ" تا کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو ظاہر کر دے کہ مصیبت کے وقت اخلاص اور

غیر اخلاص والے کون ہیں؟ اور کون اللہ تعالیٰ کے دین کی اطاعت کرنے والے ہیں؟ دوسری حکمت یہ ہے کہ "وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا" اور تا کہ ان لوگوں کو بھی ظاہر کر دے جنہوں نے نفاق کا برتاؤ کیا، شروع میں ان کے تین سو آدمیوں نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ وَقِيْلَ لَهُمْ : دعوت للمنافقین :اور منافقوں سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا کم از کم دشمنوں کو دفع کرو اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اگر تم طاقت رکھتے ہو تو اللہ کی راہ میں کافروں سے جہاد کرو ورنہ مسلمانوں کی جماعت کو بڑھانے کیلئے اپنی جگہ جمے رہو راہ فرار اختیار نہ کرو تا کہ دشمن دفع ہو جائے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر سچے مومن ہو تو اخلاص سے کافروں سے لڑو اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنے بچوں سے دشمن کو دفع کرو۔ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ : جواب دعوت :اس کے کئی مطلب ہیں۔

پہلا مطلب : عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھی کہنے لگے اگر ہم اس ٹکراؤ کو لڑائی جانتے تو تمہارا ساتھ دیتے یہ تو جنگ نہیں بلکہ خودکشی ہے۔ دوسرا مطلب : یہ ہے کہ اگر تم حق پر ہوتے اور ہم اس جنگ کو راہ خدا میں جنگ سمجھتے تو تمہارا ضرور ساتھ دیتے۔

تیسرا مطلب : یہ ہے کہ اگر ہم سمجھتے کہ یہ لڑائی ہمارے ساتھ ہے، تو ہم تمہارا ساتھ دیتے مگر یہ لڑائی ہمارے ساتھ نہیں بلکہ تمہارا مشرکوں سے لڑنا مقصود ہے۔ چوتھا مطلب : یہ ہے کہ اگر ہم اچھی طرح لڑنا جانتے تو تمہارا ساتھ دیتے۔ اس صورت میں یہ ان کا قول محض استہزاء کے طور پر تھا۔ (مظہری: ص: ۱۶۸: ج۔۲)

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ : اعلان خداوندی : یعنی منافقین نے اس دن ایسا خشک جواب دیا کہ کفر سے بظاہر نزدیک تر ہو گئے، پہلے کی بہ نسبت جس قدر بظاہر ایمان کے قریب تھے، اگرچہ مومن تو پہلے بھی نہیں تھے مگر اس دن کھلی مخالفت کی باتیں منہ سے نکالنے لگے جس کی وجہ سے جو ظاہری حالت ایمان کے قریب تھی وہ کفر کے قرب میں تبدیل ہو گئی۔ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ : یعنی کلمہ اسلام کو منہ سے ظاہر کرتے ہیں، اور دلوں میں کفر پوشیدہ ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ : یعنی اللہ پاک ان کے نفاق کو خوب جانتا ہے۔

﴿۱۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ الخ مکالمہ منافقین: یعنی اپنے نسبی بھائیوں کے بارے میں کہتے ہیں جو جنگ میں مارے گئے ہیں۔ (معالم التنزیل: ص: ۲۹۰: ج۔۱)

قُلْ فَادْرَءُوْا : حاکمانہ جواب مکالمہ : (اے محمد ﷺ) آپ ان سے کہہ دیں کہ اب تو اپنی جانوں سے موت کو دفع کرو اور اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ تدبیر تقدیر کو ٹال دیتی ہے۔ تو اپنی تدبیرات کو عمل میں لاؤ۔ (مظہری: ص: ۱۶۹: ج۔۲)

حضرات مفسرین فرماتے ہیں اس دن قضاء الٰہی سے ستر منافق مارے گئے۔

(روح المعانی: ص: ۴۵۳: ج: ۴: قرطبی: ص: ۲۶۰: ج: ۴: منیر: ص: ۱۵۹: ج: ۴: مواہب الرحمٰن: ص: ۱۰۳: ج: ۲)

حیات شہداء

﴿۱۶۹﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا الخ ربط آیات : گزشتہ آیات سے منافقوں کی اس بات سے شبہ ہوتا تھا کہ اللہ کے راستہ میں شہید ہونے والے ناکام ہو گئے، اور دنیاوی زندگی کی لذتوں سے محروم ہو گئے، اس کے ازالہ میں اللہ تعالیٰ نے بشارت دی ہے کہ وہ درحقیقت اعلیٰ درجہ کی کامیابی، اور ہمیشہ کی زندگی کی پائیدار لذتیں حاصل کرنے والے ہیں۔

سورہ بقرہ کی آیت "وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ" میں فرمایا ہے کہ شہداء کو زبان سے مردہ نہ کہو، اس آیت میں فرمایا ہے کہ شہداء کو مردہ کہنے کا دل میں ایسا گمان بھی نہ لاؤ، آگے فرمایا "بَلْ اَحْيَاءٌ" بشارت۔ ❶ بلکہ وہ لوگ (ایک ممتاز حیات کے ساتھ) زندہ ہیں "عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ" اور ان کو اپنے رب کے ہاں رزق ملتا ہے۔ اس رزق حاصل کرنے کی کیفیت کیا ہے اس بارے میں (صحیح مسلم: ج ۲، ص ۱۳۵) پر حدیث پاک ہے کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کی شکل میں جنت کی سیر کرتی ہیں، تو یہ ان کی روحانی سیر

ہے جس طرح خواب میں روح آسمان پر سیر کرے تو جسم کے ساتھ تعلق قائم رہتا ہے اسی طرح روحانی سیر سے جسم سے تعلق ختم نہیں ہوتا۔

ایک دفعہ مولوی احمد سعید چتروڑ گڑھی کا حضرت اوکاڑی رحمہ اللہ سے مناظرہ ہوا اس نے یہ استدلال پیش کیا کہ قرآن میں "اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ" ہے "عِنْدَ رَبِّهِمْ" آسمانوں پر ہے نہ کہ زمین پر، اس لئے اس سے زمین پر حیات ثابت نہیں ہوئی بلکہ صراحتاً اس کی نفی ہو رہی ہے۔

حضرت اوکاڑی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا اولاً "عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ" ظرف ہے اور اگر آپ کی بات مان لی جائے تو کیا "اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ" (بے شک دین اللہ کے ہاں اسلام ہے) تو اس سے سب اشاعتیوں کے اسلام کی نفی ہو جائے گی پھر اسلام تو اللہ کے پاس ہے زمین سے اس کا کیا تعلق ہے؟

بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ "هٰذا عند ابی حنیفة"۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ "عِنْدَ رَبِّهِمْ" کا وہی مطلب ہے جو سورۃ بقرہ کی آیت "وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ" کا مطلب ہے کہ حیات اللہ کے بتانے ہی سے معلوم ہوئی ہے ہمارے شعور کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ (تریاق اکبر: ج:۱: ص۔ ۲۰۷: ۲۰۹)

شہید کا جو جسم قتل ہوا ہے اسی کو حیات حاصل ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شہید کے قتل ہونے سے پہلے جو اس کی حیات تھی وہ تو ہمارے شعور اور سمجھ میں آتی تھی، کبھی کھڑا نظر آتا ہے، کبھی کھانا کھا رہا ہے وغیرہ مگر شہادت کے بعد جس حیات کا ذکر ہے، اب نہ ہم اس کو کھڑا ہوتے دیکھتے ہیں، نہ اس کا جسم حرکت کرتا ہے، اور نہ ہی وہ کھانا پانی مانگتا ہے تو کیسے زندہ ہے؟ تو اس کے جواب میں فرمایا: "وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ" کہ اب وہ حیات تمہارے شعور میں آنے والی نہیں جو حیات شعور میں آتی ہے اس کا تعلق ایمان و کفر سے کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم اس وقت زندہ بیٹھے ہیں تو ہندو سکھ عیسائی بھی دیکھے گا تو ہمیں زندہ کہے گا کیونکہ اس کے پاس اگرچہ ایمان نہیں ہے لیکن شعور تو ہے۔

اگر بالفرض کوئی ہمیں کہہ ہی دے کہ تم مردہ ہو تو ہم اس کے جواب میں یہ نہیں کہیں گے کہ تو کافر ہے، بلکہ پوچھیں گے کہ کیا تو اندھا ہے یعنی اس کے شعور پر اعتراض کریں گے۔ ہاں جو چیز شعور میں نہیں آرہی ہو اس کو صرف اللہ اور رسول کے کہنے سے مان لینا ہے اور اسی کا نام ایمان ہے، ہم اس وقت ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں اور مان رہے ہیں کہ زندہ بیٹھے ہیں، اس کو ایمان نہیں کہتے، ہاں کراماً کاتبین اور دوسرے فرشتے ہمارے شعور میں نہیں آتے نہ ہی ہماری آنکھیں ان کو دیکھتی ہیں، نہ ہی ہمارے کان ان کی آواز سنتے ہیں، اور نہ ہمارے ہاتھ ان کو پکڑ سکتے ہیں ہم صرف اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کے کہنے سے مانتے ہیں اسی کا نام ایمان ہے۔

اسی طرح شہید کی شہادت سے پہلے والی زندگی ہمارے شعور میں آتی تھی اس کو ماننا یا نہ ماننا کفر نہیں کہلاتا ہاں شہادت کے بعد والی زندگی ہمارے شعور میں بالکل نہیں آتی اس کو ہم اللہ اور اس کے رسول کے کہنے سے مانتے ہیں۔ اس لئے اس پر ایمان لانا اور اس پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔

حیات انبیاء علیہم السلام

اس آیت سے حیات شہداء بعبارت النص سے ثابت ہے اور حیات انبیاء علیہم السلام بدلالۃ النص ثابت ہے۔

عبارت النص کی تعریف: عِبَارَةُ النَّصِّ فَهُوَ مَا سِيْقَ الْكَلَامُ لِاَجْلِهٖ وَاُرِيْدَ بِهٖ قَصْدًا۔ (اصول الشاشی، ص ۲۸، مکتبہ حقانیہ)

یعنی عبارت النص وہ ہے جس کے لیے کلام اور عبارت کو لایا گیا ہو اور قصداً اس کلام کے لانے سے وہی مراد ہو۔

دلالۃ النص کی تعریف: دَلَالَةُ النَّصِّ فَهِيَ مَا عُلِمَ عِلَّةً لِلْحُكْمِ الْمَنْصُوْصِ عَلَيْهِ لُغَةً لَا اِجْتِهَادًا وَلَا

اِسْتِنْبَاطًا"۔ (اصول الشاشی: ص ۳۰: مکتبہ حقانیہ ملتان)

یعنی دلالۃ النص وہ ہے جس کا حکم منصوص علیہ کے لئے علت ہونا معلوم ہو لغت کے اعتبار سے اجتہاد اور استنباط کے اعتبار سے نہیں۔ اور یہ دلالۃ النص قطعی ہونے میں نص کی مانند ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص لغت کا ماہر ہو خواہ وہ فقیہ ہو یا نہ ہو اس کو معنی موثر معلوم ہو جائے۔ (عبارت النص کی مثال آیت "وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ" کے تحت گزر چکی ہے دیکھ لیں)

اب اصل مسئلہ کی طرف توجہ فرمائیں۔

مولوی محمد حسین نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ اس عقیدہ کے اثبات کے لیے قرآن کریم کی آیت کافی وافی ہے جس سے شہداء کی حیات عبارت النص کے طریق سے اور انبیاء علیہم السلام کی دلالۃ النص کے طریق سے ثابت ہے۔ (نداء حق: ج ۲: ص۔ ۱۶۳)

ماہنامہ تعلیم القرآن ماہ جنوری ۱۹۶۰ء صفحہ ۳۲ پر ایک فتویٰ کے جواب میں لکھا ہے کہ اس عالم دنیا سے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ میں مثل شہداء بلکہ شہداء سے بھی اعلیٰ وارفع حیات برزخیہ عطا فرمائی گئی ہے وہ حیات دنیویہ نہیں بلکہ اس سے بدرجہا اعلیٰ وارفع اجمل وافضل حیات برزخیہ ہے نہ کہ حیات دنیویہ لیکن اگر کوئی اس کو حیات دنیویہ کے نام سے تعبیر کرے اور آپ کی حیات برزخیہ سے بھی انکار نہ کرے تو اس کو جماعت اہل سنت سے خارج نہیں کرنا چاہیے۔ اھ بلفظہ

اس پر پچاس حضرات کے دستخط ہیں اور تصدیق کا عنوان یہ ہے جواب صحیح ہے ان حضرات میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

① سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری۔ ② مولانا نصیر الدین صاحب غور غشتوی رحمہ اللہ۔ ③ مولانا عبد الرحمن صاحب بہیودی رحمہ اللہ۔ ④ مولانا ولی اللہ صاحب انہی (ضلع گجرات)۔ ⑤ مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ۔ ⑥ مولانا محمد طاہر صاحب پنج پیر۔ ⑦ مولانا فیض علی شاہ صاحب۔ ⑧ مولانا قاضی شمس الدین صاحب۔ ⑨ مولانا قاضی غلام مرتضیٰ صاحب جانوی رحمہ اللہ۔ ⑩ مولانا قاضی نور محمد صاحب۔ ⑪ مولانا محمد امیر صاحب سرگودھا بلاک ۱۸۔ ⑫ مولانا احمد حسین صاحب سجاد بخاری۔ ⑬ مولانا قاضی عصمۃ اللہ صاحب، ان جملہ حضرات نے حیات دنیویہ کی تعبیر کو بھی اہل سنت کا مسلک قرار دیا ہے۔ (بحوالہ المسلک المنصور فی رد الکتاب المسطور: ص۔ ۴۷: ۴۶)

ایک مغالطہ

مولوی احمد سعید چتروڑ گڑھی کا بڑا مغالطہ یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر مبارک میں حیات حاصل ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف ہوئے، قتل وقتال تک نوبت پہنچی لیکن کسی صحابی نے روضہ اطہر پر حاضر ہو کر یہ نہیں پوچھا کہ حضرت ہم میں سے کون حق پر ہے، اس کا لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات حاصل نہیں تھی۔

اس مغالطہ کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر نہ پوچھنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ معاذ اللہ وہ آپ کی حیات کو نہ مانتے تھے، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان اس آیت "وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ" پر پختہ تھا وہ جانتے تھے کہ جو کچھ عرض کریں گے حضرت سن بھی لیں گے، اور اس کا جواب بھی ارشاد فرمائیں گے، لیکن آپ کا وہ جواب ہمارے فانی شعور میں نہیں آئے گا۔ اس کی مثال یوں سمجھیں جس طرح کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے لازمی بات ہے کراماً کاتبین کو اس کا علم ہے وہ چیز کہاں ہے، اگر ان سے پوچھا جائے تو وہ آواز سنتے بھی ہیں اور اس کو جواب بھی دیں گے مگر ان کا وہ جواب ہمارے شعور میں نہیں آئے گا اس لیے ان سے پوچھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری بات کو سنتے بھی ہیں، اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ

جواب ہمارے شعور میں نہیں آتا۔ (تریاق اکبر: ص۔ ۲۰۴: ۲۰۳)

علماء دیوبند کی مسلم شخصیت حضرت لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

حضرت لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :الغرض میرا اور میرے اکابر کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ مطہرہ میں حیات جسمانی کے ساتھ حیات ہیں یہ حیات برزخی ہے مگر حیات دنیوی سے قوی تر ہے جولوگ اس مسئلے کا انکار کرتے ہیں ان کا اکابر علمائے دیوبند اور اساطین امت کی تصریحات کے مطابق علماء دیوبند سے تعلق نہیں ہے، اور میں ان کو اہل حق نہیں سمجھتا اور میرے اکابر کے نزدیک گمراہ ہیں ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز نہیں اور ان کے ساتھ کسی قسم کا تعلق روا نہیں۔ "واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل"۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل :ج ۱۰ :ص ۵۱۴ :ترتیب جدید :ص :۲۹۵ :ج۔۱)

اہل حق کے چند دیگر فتاویٰ جات

عقیدہ اہل سنت والجماعت: وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔

اس عقیدے کے منکرین کا حکم؟

① جامعہ خیر المدارس ملتان

حکم: مبتدع ہیں۔ دستخط: بندہ عبدالستار عفی عنہ۔ تاریخ ۱۵/محرم/ ۱۴۲۵ھ

② جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

حکم: بدعتی اور خارج از اہل السنۃ والجماعۃ ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ دستخط: محمود الحسن طیب عفا اللہ عنہ۔ تاریخ ۱۹/ ذی الحجہ/ ۱۴۲۴ھ۔ ۱۱/ فروری/ ۲۰۰۴ء۔

③ دار العلوم کبیر والا ضلع خانیوال پنجاب

حکم :حیاۃ انبیاء کا منکر گمراہ فاسق اور منکر حدیث ہے، اس کا اہل سنت والجماعۃ علماء دیوبند سے کوئی تعلق نہیں ہے اور علماء دیوبند پر الزام لگانے والوں کو المہند علی المفند کا مطالعہ کافی ہے واللہ اعلم۔ الجواب صواب :حامد حسن مدرس کبیر والا۔ تاریخ ۲۴/ ۱۲/ ۱۴۲۴ھ۔ دستخط: ثناء اللہ، دار الافتاء دار العلوم کبیر والا، تاریخ ۲۴/ ۱۲/ ۱۴۲۴ھ۔ فتویٰ نمبر ۱۵۲۳۷۔

④ جامعہ مخزن العلوم خان پور پنجاب

حکم :مذکورہ عقیدے کے منکرین اہل سنت والجماعت علماء دیوبند سے نہیں ہیں۔ خیر الفتاویٰ ۱۸۴/ ۱ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ دستخط: محمد طاہر جالندھری مفتی جامعہ مخزن العلوم۔ تاریخ ۲۰:/ ۱۲/ ۱۴۲۴ھ

⑤ باب العلوم کہروڑ پکا ضلع لودھراں

حکم :حیات الانبیاء کا عقیدہ ضروریات مذہب اہل سنت میں سے ہے جو حضرات انبیاء کی حیات بعد الممات کے منکر ہیں وہ گمراہ ہیں، بدعتی ہیں، غلط عقیدے والے ہیں ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ دستخط حررہ ظفر اقبال غفرلہ مفتی جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا۔ تاریخ ۲۰:/ ذی الحجہ/ ۱۴۲۴ھ۔ فتویٰ نمبر۔ ۴۰۰۱

اہلسنت والجماعت کے مناظر کیلئے فریق مخالف سے پانچ مطالبات

یہ مضمون مناظر اسلام حضرت مولانا محمد عبد الغفار صاحب تونسوی حفظہ اللہ نے تفسیر معارف الفرقان کے لئے عنایت فرمایا جو اہل علم کے افادہ کے لئے تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ پیش خدمت ہے اہل سنت والجماعت مناظر کو چاہئے کہ وہ (معتزلی مماتی، پتھری، پنج پیری) فرقے کے مولوی سے پہلے پانچ مطالبے کرے اور تحریر لکھوائے اور دستخط کروا کر پابند کرے۔

مطالبہ ① اہل سنت والجماعت کا مناظر فریق مخالف کے مولوی سے مطالبہ کرے کہ تم اپنے عقیدے کی کتاب لاؤ جسمیں تمہارے بیس :۲۰ : مسلم علماء کی تصدیق ہو کہ یہ کتاب ہمارے عقیدے کی ہے اس کتاب کا نام مصنف کا نام، سن تحریر فرمائیں کہ کب لکھی گئی۔

مطالبہ ② کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ ہمارے پاس قرآن ہے ہم قرآن پڑھتے ہیں تو سب سے پہلے قرآن مجید کی نص قطعی سے دکھلاؤ کہ کس آیت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنی قبر مبارک میں حیات حاصل نہیں ہے جو شخص آپ کی قبر مبارک کے نزدیک درود وسلام پڑھتا ہے آپ نہیں سنتے جواب نہیں دیتے اور جو شخص حیات النبی ﷺ وسماع النبی ﷺ کا معتقد ہے وہ مشرک ہے۔

مطالبہ ③ اہل سنت والجماعت کا مناظر فریق مخالف کے مولوی سے تیسرا مطالبہ یہ کرے وہ احادیث صحیحہ موثقہ پیش کرو کہ جن پر تم نے اعتقاد کیا ہے کہ جس میں واضح لکھا ہوا ہو کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہو کہ انبیاء کو اور مجھے قبر مبارک میں حیات حاصل نہیں ہوگی جو شخص میری قبر مبارک کے نزدیک درود وسلام پڑھے گا میں نہیں سنوں گا جواب نہیں دوں گا وہ صحیح پختہ حدیث پڑھو جن پر تمہارا اعتقاد ہے وہ کہاں ہے انشاء اللہ مبہوت ولاجواب ہوگا جب وہ صحیح حدیث نہ دکھا سکے تو مطالبہ کرو کہ کوئی ضعیف روایت دکھادو جب ضعیف بھی نہ دکھا سکے تو کہو موضوع روایت دکھادے۔

مطالبہ ④ اہل سنت والجماعت کا مناظر یہ مطالبہ کرے کہ تم اہل سنت والجماعت کو بدنام کرنے کے لئے اپنے آپ کو حنفیت سے منسوب کرتے ہو کہ ہم حنفی ہیں تو کسی حنفیوں کی کتاب سے دکھادو کہ حضور ﷺ کو اپنی قبر مبارک میں حیات حاصل نہیں ہے جو آپ ﷺ کی قبر کے نزدیک درود وسلام پڑھتا ہے آپ نہیں سنتے جواب بھی نہیں دیتے جو شخص انبیاء کے یا حضور ﷺ کی حیات وسماع کا معتقد ہے وہ مشرک ہے۔ کتب متداولہ مثلاً منیۃ المصلی، نورالایضاح، کنزالدقائق، شرح وقایہ، ہدایہ سے یہ وہ کتب ہیں جو درس نظامی میں ہر سال مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں جن سے علماء طلبا واقف ہیں ان سے کوئی عبارت پیش کرو انشاء اللہ نہیں کرسکیں گے۔

مطالبہ ⑤ اہل سنت والجماعت کا مناظر منکرین حیات النبی ﷺ سے یہ مطالبہ کرے کہ اکابرین علماء دیوبند کی ان عبارات سے دکھاؤ جن پر حقیقی طور پر علماء دیوبند کا اطلاق ہوتا ہے اور ان حقیقی علماء کے نام المہند علی المفند میں تحریر شدہ ہیں کہ حضور ﷺ کو اپنی قبر مبارک میں حیات حاصل نہیں جو شخص آپ ﷺ کی قبر مبارک کے نزدیک درود وسلام پڑھتا ہے آپ نہیں سنتے جواب بھی نہیں دیتے جو شخص آپ کی حیات وسماع کا معتقد ہے وہ مشرک ہے۔

حیات نبی اور حیات مؤمن میں فرق

یعنی انبیاء علیہم السلام اور عام لوگوں میں فرق۔ ① تمام انبیاء علیہم السلام معصوم، منصوص من اللہ، مامور من اللہ مفترض الطاعۃ ہیں عام لوگ اس طرح نہیں۔ ② انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی آتی ہے۔ (القرآن) عام لوگوں کے پاس وحی نہیں آتی۔

③ پیغمبر فرشتوں کو دیکھتے تھے ان سے ہمکلام ہوتے تھے عام لوگ نہ فرشتوں کو دیکھتے ہیں اور نہ ان سے ہمکلام ہوتے ہیں۔

④ پیغمبر علیہ السلام وحی کو سمجھتے تھے چاہے وہ وحی خفی ہو یا جلی ہو یا صرف بھنبھناہٹ کی سی آواز ہو۔ (بخاری :ص ۱، ج ۱؛ ترمذی :ص،

۲۰۴ج ۲:) لیکن عوام کچھ نہیں سمجھ سکتے تھے۔ ❺ انبیاء علیہم السلام کے اجسام اہل جنت کے ارواح کی طرح نظیف ولطیف پاکیزہ ہوتے ہیں جس طرح اہل جنت کے اجسام سے جو چیز نکلتی ہے وہ مشک وعنبر سے زیادہ پاکیزہ خوشبودار ومعطر ہوتی ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے اجسام سے جو چیز نکلتی ہے وہ بھی مشک وعنبر کی طرح خوشبودار ومعطر ہوتی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی ساخت وپرداخت حقیقت فطرت ومزاج اہل جنت کے طور طریقے پر ہوتی ہے اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کے اجساد واجسام مبارک اہل جنت کے ارواح واجسام کی طرح بوسیدہ بالیدہ نہیں ہوتے عام لوگوں کی کیفیت انبیاء جیسی نہیں ہے۔

❻ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے سے خوشبو آتی تھی۔ (شمائل ترمذی: ص۔ ۲۵) عام لوگوں کے پسینے سے بدبو آتی ہے،

❼ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خون سے بھی خوشبو آتی تھی جیسا کہ حدیث شریف میں موجود ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جسم مبارک سے خون نکلوایا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اس خون کو دور کہیں جنگل میں ڈال دو وہ دور چلے گئے اور جا کر وہ سارا خون پی گئے جب واپس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ عبداللہ خون کو کہاں ڈال آئے ہو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی جگہ میں ڈال آیا ہوں جہاں کوئی نہیں جاسکتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے پی لیا ہے؟ عرض کیا جی ہاں اس کا وجہ یہ تھی کہ اس خون سے اعلیٰ خوشبو آرہی تھی کہ صحابی کے دل نے گوارہ نہ کیا کہ ایسا خوشبودار پیغمبر کا خون زمین پر گرایا جائے اسے میں پی گیا۔ اور عام لوگوں کے خون سے بدبو آتی ہے وہ نجس وپلید ہے۔

❽ حدیث شریف میں ہے کہ طیبہ طاہرہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا جب آپ بیت الخلاء میں جاتے ہیں اس کے بعد میں جاتی ہوں تو کوئی چیز سوائے خوشبو کے نہیں ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیغمبر کی ساخت وپرداخت چونکہ اہل جنت کے ارواح کی طرح نظیف ولطیف پاکیزہ ہوتی ہے اس لئے خوشبو کے سوا کچھ نہیں ہوتا کیونکہ انبیاء کرام کے فضلات کو زمین فوراً نگل جاتی ہے اس لئے علما کرام کی ایک جماعت اس طرف بھی گئی ہے کہ انبیاء کرام کے فضلات پاک ہیں۔

(الشفاء فی حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: ص: ۱۶۱: ج: ا۔ از قاضی عیاض مالکی، خیر الفتاویٰ: ص: ۳۲۹: ج: ا،، فتاویٰ عثمانی: ص: ۱۳۹: ج۔ا)

عام لوگوں کے فضلات کی یہ کیفیت نہیں ہوتی ہے۔ ❾ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ ام ایمن یوسف کا واقعہ حدیث پاک میں موجود ہے کہ انہوں نے غلطی سے خوشبودار پانی سمجھ کر بول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پی لیا پھر کبھی بیمار نہیں ہوئیں عام لوگوں کے پیشاب سے کراہت وبدبو آتی ہے۔

❿ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے بلکہ برکت کیلئے اپنے ہاتھوں پر لیتے اور اپنے جسم پر مل لیتے عام آدمی اگر وضو کرے تو اس کے جسم سے جو مستعمل پانی گرے گا اس کو کوئی ہاتھ لگانے کے لئے تیار نہیں ہوتا کیونکہ لوگ طبعی کراہت محسوس کرتے ہیں۔ ⓫ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجامت کرواتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کو چن کر برکت کیلئے محفوظ رکھ لیتے جیسا کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس پر شاہد ہے کہ انہوں نے اپنی وفات سے قبل اپنی جیب سے دو شیشیاں نکالیں اور وصیت فرمائی کہ ان دو شیشوں میں سے ایک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال ہیں اور دوسری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن مبارک ہیں یہ میرے منہ اور آنکھوں پر رکھ دینا اور مجھے ارحم الراحمین کے حوالے کر دینا وہ میری مغفرت فرمادے گا۔ عام لوگوں کے بال اور ناخن کوئی برکت کیلئے رکھنے کے لئے تیار نہیں چاہے کوئی کتنا بڑا بزرگ اور ولی کیوں نہ ہو۔

نکتہ: جس طرح حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مؤمن میں فرق ہے جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں اسی طرح نوم نبی اور نوم مؤمن میں بھی فرق ہے اسی طرح وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور وفات مؤمن میں بھی فرق ہے۔

⓬ نیند کے بارے میں ہے کہ "اَلنَّوْمُ اُخْتُ الْمَوْتِ" یعنی نیند موت کی بہن ہے قرآن مقدس میں نیند اور موت کو یکساں

بیان کیا گیا ہے دونوں کی حقیقت توفی اور امساک ہے۔ پیغمبر اور عام مؤمن کی نیند میں فرق ہے وہ اس طرح کہ پیغمبر جب سوتا ہے تو آنکھیں نیند کرتی یعنی سوتی ہیں دل بیدار ہوتا ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا "تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ" اور پیغمبر ﷺ کے خواب میں ادراک وشعور میں تعطل پیدا نہیں ہوتا دوسرے الفاظ میں پیغمبر کی قوت علمیہ وادراکیہ بدستور باقی رہتی ہے معطل نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ پیغمبر کا خواب بھی منزل وحی بیداری کے ہے جیسا کہ قرآن مقدس کی نصوص قطعیہ اس پر شاہد ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ "اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ" یعنی پیغمبر نے خواب میں جو کچھ دیکھا وہ وحی تھا حق اور سچ تھا جس پر عمل ہوا۔ بخلاف عام مؤمنین کے کہ ان کو بحالت خواب توفی وامساک روح کیوجہ سے ہوتا ہے اس لئے ان کے ادراک وشعور میں تعطل پیدا ہوجاتا ہے یعنی ان کی قوت علمیہ وادراکیہ معطل بھی ہوجاتی ہے اس لئے پیغمبر اور عام مؤمنین کی نیند میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

⑬ جس طرح نوم نبی اور نوم مؤمن میں فرق ہے اسی طرح وفات نبی ﷺ اور موت مؤمن میں بھی فرق ہے "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" اس آیت میں "واؤ" عام لوگوں کو پیغمبر سے ممتاز کررہی ہے کیونکہ عام لوگوں کی موت مزیل حیات ہے اور انبیاء علیہم السلام کی وفات ساتر حیات ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کی وفات کے باطن میں حیات مستور ہے جس طرح سورج کے سامنے بادل آجائے بادل کے نیچے سورج مستور ہوتا ہے بادل ہٹ جائے سورج نکل آتا ہے انبیاء علیہم السلام کی وفات کے بعد حیات ہے کیونکہ حیات انعام ہے جس کا اول مصداق انبیاء علیہم السلام ہیں۔

⑭ حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات سے نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہے (احزاب۔ ۵۳) کیونکہ آپ ﷺ کا نکاح ان سے نہیں ٹوٹتا اور وہ مؤمنوں کی مائیں بھی ہیں عام لوگوں کی عورتوں سے خاوند کی وفات کے بعد نکاح کی اجازت ہے۔ ⑮ حضور ﷺ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات پر عدت نہیں ہے کیونکہ نکاح نہیں ٹوٹا وہ آپ ﷺ کی نکاح میں ہیں عام لوگوں کی وفات کے بعد ان کی عورتوں سے عدت معروفہ کے بعد نکاح کی اجازت ہے

⑯ انبیاء علیہم السلام کے اموال میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ (ابوداؤد: ص: ۱۵۷: ج: ۲: ترمذی: ص: ۹۳: ج۔ ۲)

نوٹ: اسی طرح انبیاء اور شہداء کی موت میں بھی فرق ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں فرمایا ہے چار طبقوں پر میرا انعام ہے۔ ① انبیاء علیہم السلام ② صدیقین۔ ③ شہداء۔ ④ صالحین "اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ"۔ (سورۃ النساء پارہ ۵: آیت۔ ۶۹)

اس آیت میں شہداء کا تیسرا درجہ ہے یعنی سب سے اول انعام انبیاء علیہم السلام کے لئے ہے پھر دوسرے نمبر پر مقام ہے صدیقین کا اور تیسرے نمبر پر شہداء کے لئے ہے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ" (پارہ ۲ سورۃ بقرہ آیت ۱۵۴) اسی طرح زیر بحث آیت میں ارشاد فرمایا "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ"۔

مفسرین حضرات نے لکھا ہے کہ شہید زندہ ہیں اور شہداء کی حیات وزندگی قرآن مقدس کی نص قطعی یعنی عبارت النص سے ثابت ہے انبیاء علیہم السلام کی حیات وزندگی دلالت النص سے ثابت ہے کیونکہ حیات وزندگی بہت بڑا انعام ہے جب یہ انعام تیسرے درجے کے طبقے شہداء کے لئے ثابت ہے تو شہداء سے اونچا مقام صدیقین کا ہے تو صدیقین کی حیات وزندگی بطریق اولیٰ ثابت ہوگی پھر صدیقین سے اونچا درجہ ومقام انبیاء علیہم السلام کا تو انبیاء علیہم السلام کی حیات وزندگی بطریق اولیٰ ثابت ہوگی کیونکہ اول مصداق ومستحق آیت مبارکہ میں انبیاء علیہم السلام ہی ہیں۔ حضور علیہ السلام شہید بھی ہیں کیونکہ یہود خیبر نے آپ ﷺ کو کھانے میں زہر دیا تھا جس کا اثر حضور علیہ السلام وفات کے وقت محسوس فرمارہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہادت بھی عطاء فرمائی تو علماء نے لکھا ہے کہ تمام شہداء کی حیات وزندگی سے

حضور علیہ السلام کی حیات قوی بلکہ اعلیٰ اقویٰ وارفع واتم ہے۔

⑰ کسی پیغمبر کو نہ جمائی آئی ہے اور نہ کبھی احتلام ہوا ہے وہ اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں شیطان کے تلاعب واختلاط سے ہوتی ہیں انبیاء علیہم السلام اس سے محفوظ پاک ومنزہ ہیں عام لوگ شیطان سے محفوظ نہیں ہیں۔

⑱ حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب سوجاتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو جگاتے نہیں تھے حتیٰ کہ آپ خود بیدار ہوجاتے وہ اس لئے کہ ممکن ہے بحالت خواب وحی آرہی ہو اور وہ انقطاع کا سبب بن جائیں اس لئے نہیں جگاتے تھے عام لوگوں کو اگر نیند سے بیدار کردیا جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ یہاں وحی آنے کا امکان نہیں ہے۔

⑲ وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کو زمین میں دفن کردیا گیا جہاں جہاں ان کی قبریں ہیں ان کے اجسام واجساد محفوظ وموجود ہیں کیونکہ زمین پر حرام ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام مطہرہ کو کھائے جیسا کہ متعدد احادیث اس پر شاہد ہیں عام لوگوں کے اجسام کو مٹی کھاجاتی ہے لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجساد تغیرات ارضی سے محفوظ ہیں۔

⑳ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں یہ اعتقاد ضروری ہے کہ بتقاضائے بشری وہ سوتے ہیں لیکن یہ اعتقاد ضروری نہیں ہے کہ ان کی نیند اور ہماری نیند کی طرح ہے بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سونے اور نیند میں بیداری مستور ہے اسی طرح انبیاء کے بارے میں یہ اعتقاد ضروری ولازمی ہے کہ ان کو موت عارض ہوتی ہے کیونکہ قرآن مقدس میں موجود ہے "كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ○ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" یعنی انبیاء پر موت آئی ہے لیکن یہ اعتقاد ضروری نہیں کہ ان کی موت عام لوگوں کی موت کی طرح ہے یعنی جس طرح عام لوگوں نے موت کا ذائقہ چکھا ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بھی اسی طرح موت کا ذائقہ چکھا ہے ایسا اعتقاد سراسر غلط اور ادب کے خلاف ہے جو اپنے اندر بغض نبوت اور بے ادبی وگستاخی چھپائے ہوئے ہے ایسے افراد کا ایمان مشکوک ہے بلکہ نبوت پر ہے ہی نہیں کیونکہ ہر شخص موت کا ذائقہ اپنے اپنے ایمان واعتقاد واعمال وافعال کے لحاظ سے چکھے گا اور چکھتا ہے۔

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

خلاصہ کلام : خصوصیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تو بہت زیادہ ہیں جن کا احاطہ ممکن نہیں یہ چند باتیں عوام الناس کو سمجھانے کے لئے عرض کی ہیں تاکہ لوگ ان عناصر سے بچ سکیں جن کے قلب ودماغ میں بغض نبوت راسخ ہوچکا ہے اور اس بغض نبوت کی وجہ سے اپنے دل ودماغ کی آگ کو اس طرح نکالتے ہیں کہ پیغمبر بھی ہم جیسے انسان تھے ہمارے اور پیغمبر میں کیا فرق ہے؟ یعنی وہ لوگ انبیاء علیہم السلام کو عام لوگوں کی فہرست میں شمار کرکے اپنے بغض وکینہ کی آگ کو سلگاتے بڑھاتے بجھاتے رہتے ہیں صحیح اور حقیقت بات یہ ہے کہ ایسے عناصر کا نبوت پر ایمان ہی نہیں ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے افراد سے بچائے ﴿آمین﴾

مسئلہ۔ ① جو شخص صراحتہً یا اشارۃً یا کنایۃً پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین کرے وہ شخص کافر ہے۔ مسئلہ۔ ② اسی طرح جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بغض رکھے وہ بھی کافر ہے۔ مسئلہ۔ ③ جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات فی القبر (حیات النبی) کی تردید واستہزاء اس لئے کررہا ہے کہ اس کے دل میں بغض نبوت ہے تو یہ شخص بھی کافر ہے۔

مواعظ ونصائح سے شہید کے فضائل

حضرت بنوریؒ بصائر وعبر میں لکھتے ہیں : شہدا کی موت کو عام انسانوں کی سی موت سمجھنا غلط ہے، شہید مرتے نہیں بلکہ مرکر جیتے ہیں، شہادت کے بعد انہیں ایک خاص نوعیت کی برزخی حیات سے مشرف کیا جاتا ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں ازغیب جانے دیگر ست

یہ شہیدانِ راہ خدا، بارگاہِ الٰہی اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں اور اس کے صلے میں حق جل شانہٗ کی طرف سے ان کی عزت و تکریم اور قدر و منزلت کا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ ان کی روحوں کو سبز پرندوں کی شکل میں سواریاں عطا کی جاتی ہیں، عرش الٰہی سے متعلق قندیلیں ان کی قرارگاہ پاتی ہیں اور انہیں اذنِ عام ہوتا ہے کہ جنت میں جہاں چاہیں جائیں، جہاں چاہیں سیر و تفریح کریں اور جنت کی جس نعمت سے چاہیں لطف اندوز ہوں، شہید اور شہادت کی فضیلت میں بڑی کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں، سمندر کے چند قطرے یہاں پیش خدمت ہیں:

حدیث (۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لو لا ان اشق علی امتی ما قعدت خلف سریۃ، ولو دوت انی اقتل ثم احیی ثم اقتل ثم احی ثم اقتل" (صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب الجھاد من الایمان ج ۱: ص ۱۰، ایضاً کتاب الجھاد، باب الجعائل و الحملان فی السبیل ج ۱: ص ۴۱۷، ط: قدیمی۔

اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ میری امت کو مشقت لاحق ہوگی تو میں کسی مجاہد دستہ سے پیچھے نہ رہتا اور میری دلی آرزو یہ ہے کہ میں راہ خدا میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔

غور فرمائیے! نبوت اور پھر ختم نبوت وہ بلند و بالا منصب ہے کہ عقل و فہم اور وہم و خیال کی پرواز بھی اس کی رفعت و بلندی کی حدوں کو نہیں چھوسکتی، اور یہ انسانی شرف و مجد کا وہ آخری نقطۂ عروج اور غایۃ الغایات ہے جس سے اوپر کسی مرتبہ و منزلت کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا، لیکن اللہ کے لیے مرتبۂ شہادت کی بلندی و برتری! کہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ نہ صرف مرتبۂ شہادت کی تمنا رکھتے ہیں بلکہ بار بار دنیا میں تشریف لانے اور ہر بار محبوب حقیقی کی خاطر خاک و خون میں لوٹنے کی خواہش کرتے ہیں:

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

صرف اسی ایک حدیث سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ مرتبۂ شہادت کس قدر اعلیٰ و ارفع ہے۔

حدیث (۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ما من احد یدخل الجنۃ یحب ان یرجع الی الدنیا و لہ ما فی الارض من شیء الا الشھید یتمنی ان یرجع الی الدنیا فیقتل عشر مرات لما یری من الکرامۃ"۔ (صحیح البخاری، کتاب الجھاد، باب تمنی المجاھد ان یرجع الی الدنیا ج ۱: ص ۳۹۵، ط: قدیمی صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الشھادۃ فی سبیل اللہ ج ۲: ص ۱۳۴، ط: قدیمی)

کوئی شخص جو جنت میں داخل ہو جائے یہ نہیں چاہتا کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور اسے زمین کی کوئی بڑی سے بڑی نعمت مل جائے البتہ شہید یہ تمنا ضرور رکھتا ہے وہ دس مرتبہ دنیا میں جائے پھر راہِ خدا میں شہید ہو جائے کیونکہ وہ شہادت پر ملنے والے انعامات اور نوازشوں کو دیکھتا ہے۔

حدیث (۳) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں بعض دفعہ جہاد کے لیے اس وجہ سے نہیں جاتا کہ بعض (نادار اور) مخلص مسلمانوں کا جی اس بات پر راضی نہیں کہ (میں تو جہاد کے لیے جاؤں اور) وہ مجھ سے پیچھے بیٹھ رہیں (مگر ان کے پاس جہاد کے لیے سواری اور سامان نہیں) اور میرے پاس (بھی) سواری نہیں کہ ان کو جہاد کے لیے تیار کرسکوں، اگر یہ عذر نہ ہوتا تو اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے میں کسی مجاہد دستے سے جو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جائے پیچھے نہ رہا کروں۔

اوراس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، میری تمنایہ ہے کہ میں راہ خدا میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں (بخاری ومسلم) صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب الجعائل والحملان فی السبیل ج ا: ص ۴۱۷ ،، ایضاً کتاب الجهاد، باب تمنی الشهادة ج ا: ص ۳۹۲ ،، ط، قدیمی الصحیح لمسلم، کتاب الامارة، باب فضل الجهاد والخروج فی سبیل اللہ ج ۲: ص ۱۳۳ ،، ط قدیمی)

حدیث (۴) حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "واعلموا أن الجنة تحت ظلال السيوف"۔ (صحیح البخاری کتاب الجهاد، باب الجنة تحت بارقة السیوف ج ا ص ۳۹۵ ط قدیمی)

جان لو! کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔

حدیث (۵) حضرت مسروق تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ (آل عمران :۱۶۹)

اور جولوگ راہ خدا میں قتل کر دیئے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے۔ توانہوں نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا:

ارواحهم فى جوف طير لها قناديل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حيث شاءت ثم تاوى الى تلك القناديل، فاطلع اليهم ربهم اطلاعة فقال هل تشتهون شيئا؟ أى شىء نشتهى ونحن نسرح من الجنة حيث شئنا، ففعل ذلك بهم ثلاث مرات، فلما رأوا انهم لن يتركوا من ان يسألوا قالوا يارب! نريد ان ترد أرواحنا فى اجسادنا حتى نقتل فى سبيلك فلما رأى ان ليس لهم حاجة تركوا" (راوه مسلم)

الصحيح لمسلم، كتاب الامارة، باب فى بيان ان ارواح الشهداء فى الجنة ج ۲ ص ۱۳۵، ط قدیمی۔

شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے جوف میں سواری کرتی ہیں، ان کی قرارگاہ وہ قندیلیں ہیں جو عرش الٰہی سے آویزاں ہیں، وہ جنت میں جہاں چاہیں سیر وتفریح کرتی ہیں پھر لوٹ کر انہی قندیلوں میں قرار پکڑتی ہیں۔ ایک بار ان کے پروردگار نے ان سے بالمشافہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم کسی چیز کی خواہش رکھتے ہو؟ عرض کیا: ساری جنت ہمارے لیے مباح کردی گئی ہے ہم جہاں چاہیں آئیں جائیں اس کے بعد اب کیا خواہش باقی رہ سکتی ہے؟ حق تعالیٰ نے تین بار اصرار فرمایا کہ اپنی کوئی چاہت تو ضرور بیان کرو، جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی نہ کوئی خواہش عرض کرنی ہی پڑے گی، تو عرض کیا اے پروردگار! ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں دوبارہ لوٹادی جائیں تاکہ ہم تیرے راستے میں ایک بار پھر جام شہادت نوش کریں (اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ اب ان کی کوئی خواہش نہیں) چنانچہ جب یہ ظاہر ہوگیا تو ان کو چھوڑ دیا گیا۔

حدیث (۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا يكلم احد فى سبيل الله والله اعلم بمن يكلم فى سبيله الا جاء يوم القيامة وجرحه يثعب دما اللون لون الدم والريح ريح المسك"۔ (صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب من يجرح فى سبيل اللہ ج ا: ص ۳۹۳ ،، ط: قدیمی۔ الصحیح لمسلم، کتاب الامارة، باب فضل الجهاد والخروج فی سبیل اللہ ج ۲: ص ۱۳۳ ،، ط: قدیمی۔)

جو شخص بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہوا اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوتا ہے وہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون کا فوارہ بہہ رہا ہوگا رنگ خون کا ہوگا اور خوشبو کستوری کی۔

حدیث(۷) حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا :للشہید عند اللہ ست خصال یغفر له فی اول دفعة، ویری مقعده من الجنة، ویجار من عذاب القبر ویأمن من الفزع الاکبر، ویوضع علی راسه تاج الوقار، الیاقوتة منها خیر من الدنیا و مافیها، ویزوج ثنتین و سبعین زوجة من الحور العین و یشفع فی سبعین من اقربائه (رواہ الترمذی) (سنن الترمذی، ابواب فضائل الجہاد، باب فضل الشہداء ج ۲ :ص ۲۹۵ ؛ط :قدیمی، سنن ابن ماجہ، ابواب الجہاد، باب فضل الشہادۃ فی سبیل اللہ ص ۲۰۱ ؛ط :قدیمی۔)

اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے لیے چھ انعام ہیں :(۱) اول وہلہ میں اس کی بخشش ہو جاتی ہے۔(۲) (موت کے وقت) جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے۔(۳) عذاب قبر سے محفوظ اور قیامت کے فزع اکبر سے مامون ہوتا ہے۔(۴) اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے جس کا ایک نگینہ دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں سے بہتر ہے۔(۵) جنت کی بہتر حوروں سے اس کا بیاہ ہوتا ہے۔ (۶) اور اس کے ستر عزیزوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

حدیث(۸) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :الشہید لا یجد ألم القتل الا کما یجد احد کم القرصة (رواہ الترمذی والنسائی والدارمی) سنن الترمذی، ابواب فضائل الجہاد ج ۲ ص:۲۹۶ ط قدیمی سنن النسائی، کتاب الجہاد، ما یجد الشہید من الالم ج ۲ ص ۶۱ ،ط ،قدیمی) شہید کو قتل کی اتنی تکلیف بھی نہیں ہوتی جتنی کہ تم میں سے کسی کو چیونٹی کے کاٹنے سے تکلیف ہوتی ہے۔

حدیث(۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اذا وقف العباد للحساب جاء قوم واضعی سیو فھم علی رقابھم تقطر دما فازدحموا علی باب الجنة فقیل بمن ھؤلاء ؛ قیل الشھداء کانوا احیاء مرزوقین (رواہ الطبرانی المعجم الاوسط للطبرانی ج ۲ ص ۲۸۵، ط دار الحرمین قاہرہ)

جب کہ لوگ حساب کتاب کے لیے کھڑے ہوں گے تو کچھ لوگ اپنی گردن پر تلواریں رکھے ہوئے آئیں گے جن سے خون ٹپک رہا ہوگا یہ لوگ جنت کے دروازے پر جمع ہو جائیں گے لوگ دریافت کریں گے کہ یہ کون لوگ ہیں (جن کا حساب کتاب بھی نہیں ہوا سیدھے جنت میں آگئے) انہیں بتایا جائے گا کہ یہ شہید ہیں جو زندہ تھے جنہیں رزق ملتا تھا۔

حدیث(۱۰) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :ما من نفس تموت لھا عند اللہ خیر یسرھا ان ترجع الی الدنیا الا الشھید فانه یسرہ ان یرجع الی الدنیا فیقتل مرۃ اخری لما یری من فضل الشھادۃ۔(رواہ مسلم) (الصحیح لمسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الشہادۃ فی سبیل اللہ ج ۲ :ص ۱۳۴ ؛ط :قدیمی)

جس شخص کے لیے اللہ کے ہاں خیر ہو جب وہ مرے تو کبھی دنیا میں واپس آنا پسند نہیں کرتا البتہ شہید اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کی بہترین خواہش یہ ہوتی ہے کہ اسے دنیا میں واپس بھیجا جائے تا کہ وہ ایک بار پھر شہید ہو جائے اس لیے کہ وہ مرتبہ شہادت کی فضلیت دیکھ چکا ہے۔

حدیث(۱۱) ابن منذر نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے روایت کیا ہے :"وہ کہتے ہیں کہ اپنے مال کی دیکھ بھال کے لیے میں غابہ گیا وہاں مجھے رات ہو گئی میں عبد اللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ (جو شہید ہو گئے تھے) کی قبر کے پاس لیٹ گیا میں نے قبر سے

ایسی قرأت سنی کہ اس سے اچھی قرأت کبھی نہیں سنی تھی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا تذکرہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ قاری عبداللہ (شہید) تھے، تمہیں معلوم نہیں اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو قبض کر کے زبرجد اور یاقوت کی قندیلوں میں رکھتے ہیں اور انہیں جنت کے درمیان (عرش پر) آویزاں کر دیتے ہیں، رات کا وقت ہوتا ہے تو ان کی روحیں ان کے اجسام میں واپس کر دی جاتی ہیں اور صبح ہوتی ہے تو پھر انہیں قندیلوں میں آجاتی ہیں''۔

یہ حدیث حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے تفسیر مظہری میں ذکر کی ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے بعد بھی شہداء کے لیے طاعات کے درجات لکھے جاتے ہیں۔

حدیث (۱۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے احد کے قریب سے نہر نکلوائی تو وہاں سے شہداء احد کو ہٹانے کی ضرورت ہوئی، ہم نے ان کو نکالا تو ان کے جسم بالکل تروتازہ تھے، محمد بن عمرو کے اساتذہ کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو (جو احد میں شہید ہوئے تھے) نکالا گیا تو ان کا ہاتھ زخم پر رکھا تھا وہاں سے ہٹایا گیا تو خون کا فوارہ پھوٹ نکلا زخم پر ہاتھ دوبارہ رکھا گیا تو خون بند ہو گیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد ماجد کو ان کی قبر میں دیکھا تو ایسا لگتا تھا گویا سو رہے ہیں، جس چادر میں ان کو کفن دیا گیا تھا وہ جوں کی توں تھی اور پاؤں پر جو گھاس رکھی گئی تھی وہ بھی بدستور اصل حالت میں تھی، اس وقت ان کو شہید ہوئے چھیالیس سال کا عرصہ ہو چکا تھا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس واقعہ کو کھلی آنکھوں دیکھ لینے کے بعد اب کسی کو انکار کی گنجائش نہیں، کہ شہداء کی قبریں جب کھودی جاتیں تو جونہی تھوڑی سے مٹی گرتی اس سے کستوری کی خوشبو مہکتی تھی۔

یہ واقعہ امام بیہقیؒ نے متعدد سندوں سے اور ابن سعد نے ذکر کیا ہے جیسا کہ تفسیر مظہری میں نقل کیا ہے۔ (التفسیر المظہری ج: ۲: ۱۵۲، ط: رشیدیہ)

مندرجہ بالا جواہر نبوت کا خلاصہ مندرجہ ذیل امور ہیں: اول: شہادت ایسا اعلیٰ وارفع مرتبہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی اس کی تمنا کرتے ہیں۔ دوم: مرنے والے کو اگر موت کے بعد عزت و کرامت اور راحت و سکون نصیب ہو تو دنیا میں واپس آنے کی خواہش ہرگز نہیں کرتا، البتہ شہید کے سامنے جب شہادت کے فضائل و انعامات کھلتے ہیں تو اسے خواہش ہوتی ہے کہ بار بار دنیا میں آئے اور جام شہادت نوش کرے۔ سوم: حق تعالیٰ شہید کو ایک خاص نوعیت کی ''برزخی حیات'' عطا فرماتے ہیں شہداء کی ارواح کو جنت میں پرواز کی قدرت ہوتی ہے اور انہیں اذنِ عام ہے کہ جہاں چاہیں آئیں جائیں، ان کے لیے کوئی روک ٹوک نہیں اور صبح و شام رزق سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ چہارم: حق تعالیٰ نے جس طرح ان کو برزخی حیات سے ممتاز فرمایا ہے اسی طرح ان کے اجسام بھی محفوظ رہتے ہیں گویا ان کی ارواح کو جسمانی نوعیت اور ان کے اجسام کو روح کی خاصیت حاصل ہوتی ہے۔ پنجم: موت سے شہید کے اعمال ختم نہیں ہوتے نہ اس کی ترقی درجات میں فرق آتا ہے بلکہ موت کے بعد قیامت تک اس درجات برابر بلند ہوتے رہتے ہیں۔ ششم: حق تعالیٰ ارواح شہداء کو خصوصی مسکن عطا کرتے ہیں جو یاقوت و زبرجد اور سونے کی قندیلوں کی شکل میں عرشِ اعظم سے آویزاں رہتے ہیں اور جنت میں چمکتے ستاروں کی طرح نظر آتے ہیں۔

بہت سے عارفین نے جن میں عارف باللہ حضرت شیخ شہید مظہر جانِ جاناں بھی شامل ہیں ذکر کیا ہے کہ شہید چونکہ اپنے نفس، اپنی جان اور اپنی شخصیت کی قربانی بارگاہِ الوہیت میں پیش کرتا ہے اس لیے اس کی جزا اور صلہ میں اسے حق جل شانہٗ کی تجلی ذاتی سے

سرفراز کیا جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں کونین کی ہر نعمت ہیچ ہے۔

حضرات! شہادت نتیجہ ہے جہاد کا، اور ہم نے کتاب اللہ کی ان آیات اور بہت سی احادیث نبویہ سے تعرض نہیں کیا جو جہاد کے سلسلہ میں وارد ہیں چنانچہ "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" میں متعدد صحابہ کرام، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور سہل بن سعد وغیرہم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک صبح کو یا ایک شام کو جہاد کے لیے نکل جانا دنیا اور دنیا بھر کی ساری دولتوں سے بہتر ہے"۔ (صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب الغدوة والروحة سبیل اللہ و قاب قوسین احدکم من الجنة ج ۱ : ص ۳۹۲ ؛ ط : قدیمی۔ الصحیح لمسلم، کتاب الامارة، باب فضل الغدوة والروحة فی سبیل اللہ ج: ۲ ص ۱۳۳، ط : قدیمی)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مجاہد فی سبیل اللہ کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص ساری عمر رات بھر قیام کیا کرے اور دن کو روزہ رکھا کرے، جہاد فی سبیل اللہ کے برابر کوئی نیکی نہیں۔ (صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب فضل الجهاد والسیر ج ۱ : ص ۳۹۱ ؛ ط : قدیمی)

﴿۱۷۰﴾ بشارت ② اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل کیا ہے وہ اس میں بڑے خوش ہیں۔ اس آیت میں حیات شہداء کے لئے رزق کا بیان ہے رزق کی ضرورت حیات جسدیہ ہی کو ہوتی ہے حیات روحیہ کو نہیں جب اوپر والی آیت میں حیات شہداء کیلئے "یُرْزَقُوْنَ" فرمایا تو حیات جسدی جسمی کی تعیین ہوگئی۔

وَيَسْتَبْشِرُوْنَ :بشارت۔ ③ جوان کے عزیز واقارب ابھی تک دنیوی زندگی بسر کر رہے ہیں ان کے متعلق خوشخبری ہے۔ "یَسْتَبْشِرُوْنَ" کی صفت شہداء کے لئے بیان فرمائی جو جام شہادت نوش کر چکے ہیں اور استبشار حقیقت میں اس خوشی اور مسرت کو کہتے ہیں جس کا اثر انسانی چہرے میں محسوس ہونے لگے بشر لغۃً انسانی کھال کو کہتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ" اور استبشار وہی خوشی ہے جو جسدی جسمی طور پر محسوس ہونے لگے تو "وَيَسْتَبْشِرُوْنَ" سے بھی شہداء کی حیات دنیوی جسدی ہی ثابت ہوئی بہر حال اس آیت سے بھی واضح ہوا کہ شہداء کو حیات دنیوی ابدان واجسام سے حاصل ہے خواہ وہ ابدان یکجا ہوں اور اعضاء منتشرہ ہوں وہ بہر حال فائز الحیات ہیں پس جب شہداء کرام کا یہ حال ہے تو انبیاء کرام اپنے اصل اجساد کے ساتھ زندہ کیوں نہیں ہوں گے جب کہ انبیاء کی حیات جسدی شہداء سے ارفع واعلیٰ واکمل ہے کیوں کہ شہداء کے ابدان کا یکجا ہونا ضروری نہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کے ابدان مبارکہ کا یکجا ہونا اور بالکل محفوظ ہونا حدیث پاک سے ثابت ہے چنانچہ فرمایا "إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ۔ فنبی اللہ حیی یرزق (ابن ماجه)

سلام بدن پر پیش ہوتا ہے :حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "کیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت (ابوداؤد ص۔ ۱۵۰ ج ۱ ونسائی ص ۱۵۴ ج ۱) ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا جب آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے آپ نے فرمایا "ان اللہ حرم الخ" بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے بدنوں کو ریزہ ریزہ کرے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر متنبہ فرمایا کہ موت کے بعد کی زندگی اسی بدن سے متعلق ہے اور یہ برزخی زندگی ہے اور اس میں آپ پر صلوۃ وسلام پیش ہوتے ہیں، أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ :بشارت ④ کہ ان پر خوف بھی نہیں ہوگا اور وہ غمگین بھی نہیں ہونگے چنانچہ یہ خوشخبری شہداء کے لئے مزید خوشی کا باعث ہوتی ہے۔

﴿۱۷۱﴾ حاصل انعامات :ان کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل پر ناز ہے علاوہ اس کے یہ بھی معلوم کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان داروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ

وہ لوگ جنہوں نے حکم مانا اللہ کا اور رسول کا بعد اس کے کہ ان کو زخم پہنچا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے نیکی کی ہے

وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۚ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ

اور ڈرتے رہے ہیں بہت بڑا اجر ہے ﴿۱۷۲﴾ وہ لوگ جن کے لئے لوگوں (یعنی کافروں) نے کہا کہ بے شک لوگوں (یعنی مکے والوں) نے تمہارے لیے اکٹھا کیا ہے (لشکر)

فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ

پس ان سے ڈرو (اس بات نے) ان کے ایمان کو زیادہ کیا اور انہوں نے کہا کہ کافی ہے ہم کو اللہ اور بہتر کارساز ہے ﴿۱۷۳﴾ پس وہ لوٹے اللہ کی نعمت

اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ

اور فضل لے کر کہ نہ پہنچی ان کو کوئی برائی اور انہوں نے اللہ کی خوشنودی کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ

عَظِیْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ

بڑے فضل والا ہے ﴿۱۷۴﴾ بے شک یہ بات کہ یہ شیطان ہے جو ڈراتا ہے اپنے دوستوں کو پس ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ

اگر تم ایمان والے ہو ﴿۱۷۵﴾ اور آپ کو وہ غم میں نہ ڈالیں جو کفر کی طرف دوڑتے ہیں بے شک یہ لوگ

لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَلَّا یَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ

اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں حصہ نہ بنائے اور ان لوگوں کے لیے

عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ۚ

بڑا عذاب ہے ﴿۱۷۶﴾ بے شک وہ لوگ جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر کو خریدا اللہ تعالیٰ کو ہرگز کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ

اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿۱۷۷﴾ اور نہ گمان کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ بے شک جو مہلت ہم ان کو دے رہے ہیں وہ ان کے نفسوں کے لیے بہتر ہے

لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ

بے شک ہم مہلت دیتے ہیں تاکہ وہ مزید گناہ کرتے رہیں اور ان کے لئے ذلت ناک عذاب ہے ﴿۱۷۸﴾ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے

لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ ؕ وَمَا كَانَ

کہ مومنوں کو اس حالت میں چھوڑ دے جس حالت پر تم ہو یہاں تک کہ جدا کرے خبیث کو پاک سے اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے

اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

کہ تمہیں غیب پر مطلع کرے مگر اللہ منتخب فرماتا ہے جس کو چاہے اپنے رسولوں میں سے

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ

پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور بچتے رہو گے پس تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے ﴿۱۷۹﴾ اور نہ خیال کریں

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ

وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے کہ وہ ان کے لیے بہتر ہے بلکہ وہ ان کے لئے بری ہے

سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

ان کے گلے میں وہ چیز طوق بنا کر ڈالی جائے گی جس کے ساتھ انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن اور اللہ ہی کے لیے ہے وراثت آسمانوں کی اور زمین کی

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع

اور جو کچھ وہ کام کرتے ہیں اللہ اس کی خبر رکھتا ہے ﴿۱۸۰﴾

﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ الخ ... بدر صغریٰ یا غزوہ حمراء الاسد۔

ربط آیات: اوپر غزوہ احد کے قصہ کا ذکر تھا، اگلی آیات میں اسی غزوہ سے متعلق ایک دوسرے غزوہ کا ذکر ہے جو غزوہ حمراء الاسد کے نام سے مشہور ہے۔

خلاصہ رکوع: ۱۸ غزوۂ حمراء الاسد، غزوۂ بدر صغریٰ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ ایمان و استقلال، متبعین کی سرفرازی، عداوت شیطان، ممانعت خوف، تسلی خاتم الانبیاء منافقین و کفار کی حرکات سے، تارکین ایمان، ابطال زعم اہل کفر در باب امہال عذاب، سبب امہال، حکمت شدائد للمؤمنین (۱) (۲) نفی علم غیب کلی، ترغیب ایمان، نتیجہ ایمان، بخل کی مذمت، بخل کا نتیجہ، ابطال ملک کی دلیل۔

ماخذ آیات ۱۷۲: تا ۱۸۰ +

شان نزول ❶ یہ واقعہ بدر صغریٰ کا ہے جو جنگ احد کے ایک سال بعد پیش آیا، ابوسفیان اُحد میں کہہ گیا تھا کہ آئندہ سال ہماری جنگ بدر کے میدان میں ہوگی، چنانچہ آئندہ سال مسلمان بغرض دفاع بدر میں جمع ہوئے لیکن کفار نہ آئے وہاں ایک میلہ تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خوب تجارت کی اور نفع اٹھا کر واپس آئے۔

شان نزول ❷ جب کفار مکہ احد کے میدان سے واپس ہو گئے تو راستے میں جا کر اس پر افسوس ہوا کہ ہم غالب آنے کے بعد خود بخود خواہ مخواہ واپس لوٹ آئے ہمیں چاہئے تھا کہ ایک ہلہ بول کر سب مسلمانوں کو ختم کر دیتے اور اس خیال نے کچھ ایسا اثر کیا کہ پھر واپس مدینہ کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر رعب ڈال دیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا، آپ نے اعلان فرما دیا کہ جو حضرات کل ہمارے ساتھ لڑائی میں حاضر تھے، وہ آج دشمن کا تعاقب کرنے کے لیے تیار ہو جائیں، مسلمان باجود زخم تازہ ہونے کے تیار ہو گئے آپ مجاہدین کے لشکر کو لے کر حمراء الاسد کے مقام پر پہنچ گئے، جو مدینہ طیبہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

جب کفار نے سنا تو ان کے دلوں پر سخت رعب اور دہشت طاری ہوگئی، اور دوبارہ حملہ کا ارادہ چھوڑ کر مکہ کی طرف بھاگ گئے۔

کفار مکہ کو راستہ میں معبد خزاعی ملے، جو مسلمانوں کے علاقے سے آرہے تھے، معبد اس وقت مسلمان نہ ہوئے تھے مگر آنحضرت ﷺ کے خیر خواہ تھے، کفار نے مسلمانوں کے متعلق پوچھا تو انہوں نے مسلمانوں کی خوب شان و شوکت شاندار لفظوں میں بیان کی جس سے کفار کی ہوا اکھڑ گئی واپس مکہ جانے کا پختہ ارادہ کرلیا، اتفاقاً کفار مکہ کو قبیلہ عبدالقیس کا ایک قافلہ مل گیا جو مدینہ طیبہ کی طرف جارہا تھا، کفار مکہ نے ان سے کہا تم اتنا کام کردینا کہ محمد ﷺ سے ملکر ہمارا خوف ان کے دلوں میں بٹھا دینا، اور کہہ دینا مکہ والوں نے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے بھرپور سامان جمع کیا اور جلد ہی تمہارا خاتمہ کردیں گے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آیات کا شان نزول غزوہ حمراء الاسد کے متعلق درست ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی تائید کی ہے، حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، آیت کی رفتار اسی کی مؤید ہے، "مِنۢ بَعۡدِ مَآ أَصَابَهُمُ ٱلۡقَرۡحُ" مسلمانوں کی تعریف اسی بناء پر کی گئی ہے کہ زخمی ہونے اور زخموں کا دکھ پانے کے ساتھ ساتھ وہ جہاد کو نکلے اور اللہ اور اس کے رسول کی دعوت کو قبول کیا اور ظاہر ہے ایسا احد کے بعد حمراء الاسد میں ہوا، اور غزوہ بدر صغریٰ تو ایک سال بعد ہوا ہے۔ (مظہری: ج: ۲: ص۔ ۱۸۰)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ٱلَّذِينَ ٱسۡتَجَابُواْ لِلَّهِ ...الخ" والی آیت غزوہ حمراء الاسد کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور آیت: ٱلَّذِينَ قَالَ لَهُمُ ٱلنَّاسُ ...الخ غزوہ بدر صغریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور ان دونوں غزوات کے درمیان ایک سال کا فاصلہ ہے، اور ان دونوں غزووں میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی مدح فرمائی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے نزدیک ظاہر یہی ہے کہ "ٱلَّذِينَ قَالَ لَهُمُ ٱلنَّاسُ" کی آیت کا نزول بدر صغریٰ کے متعلق ہے۔ (تفسیر مظہری: ج: ۲: ص۔ ۱۸۱) اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس ناچیز کے نزدیک بھی یہی قول ظاہر آیت کے مطابق ہے کہ پہلی آیت غزوہ حمراء الاسد کے متعلق ہے اور دوسری آیت بدر صغریٰ کے متعلق ہے۔ (معارف القرآن: ج: ۲: ص۔ ۹۷)

ٱلَّذِينَ ٱسۡتَجَابُواْ لِلَّهِ وَٱلرَّسُولِ: یعنی جن لوگوں نے اللہ اور رسول کی دعوت جہاد کو قبول کیا۔ مِنۢ بَعۡدِ مَآ أَصَابَهُمُ ٱلۡقَرۡحُ ...الخ جنگ احد میں زخموں کی تکلیف پہنچنے کے بعد ان میں سے جس نے نیک اعمال کیے اور تقویٰ اختیار کیا اس کے لیے بڑا اجر ہے اجر عظیم کی علامت کو ظاہر کرنے کے لیے احسان اور تقویٰ کا ذکر کیا ہے۔

﴿۱۷۳﴾ ٱلَّذِينَ قَالَ لَهُمُ ٱلنَّاسُ: اکثر اہل تفسیر کی نزدیک "الناس" سے مراد عبدالقیس کے وہ شتر سوار ہیں جو ابوسفیان کی طرف سے اس وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچے تھے، اور آپ ﷺ حمراء الاسد میں تھے۔

(مظہری: ج ۲: ص ۱۸۱: بحر محیط: ص ۱۱۸: ج۔ ۳)

إِنَّ ٱلنَّاسَ قَدۡ جَمَعُواْ لَكُمۡ: یعنی اہل مکہ ابوسفیان اور اس کی جماعت نے تمہارے مقابلہ کے لئے بڑا سامان جمع کیا تم کو ان سے ڈرنا چاہئے۔ وَقَالُواْ حَسۡبُنَا ٱللَّهُ ...الخ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ ایمان و استقلال: تو اس خبر نے اہل ایمان کے جوش کو مزید گرما دیا اور صحابہ کرام نے نہایت استقلال اور تصدیق و یقین سے یہ کہہ کر بات کو ختم کردیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ مشکلات میں کافی ہے اور وہی سب کام بنانے والا ہے۔

﴿۱۷۴﴾ فَٱنقَلَبُواْ بِنِعۡمَةٖ مِّنَ ٱللَّهِ ...الخ متبعین کی سرفرازی: یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کے فضل و ثواب اور تجارتی نفع سے بھرے ہوئے واپس آئے، اور ان کو کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آیا اور رضائے حق کے فرمانبردار ہوئے، اور آخرت میں

بھی وافر اجر عطا کرے گا۔

﴿۱۷۵﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ ... الخ عداوت شیطان :یعنی شیطان اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے یعنی اس کے جھوٹے پروپیگنڈے سے اس کے دوست (یعنی کمزور ایمان والے اور منافق قسم کے لوگ) تو ڈر سکتے ہیں مگر اہل اسلام پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوسکتا۔(فتح الرحمان) اور اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شیطان اپنے حواریوں کے ذریعے جھوٹا پروپیگنڈا کرواتا ہے تاکہ مسلمان ڈر جائیں اور مشرکین کی اطاعت قبول کرلیں۔ فَلَا تَخَافُوْهُمْ :ممانعت خوف :اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم ان سے مت ڈرو مجھ سے ڈرو میں تمہاری مدد کروں گا۔

﴿۱۷۶﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ ...الخ تسلی خاتم الانبیاء منافقین و کفار کی حرکات سے :ربط :اوپر دشمنانِ اسلام کی بے وفائی اور بدخواہی کا ذکر تھا، جس سے آنحضرت ﷺ کے قلب اطہر کو رنج ہوا، اب ان آیات میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہیں تاکہ آپ منافقین اور کفار کی حرکات سے غم نہ کریں، اور آئندہ کفار کی طرف سے کبھی صدمہ غالب نہ ہو۔

اَلَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ :یہ لوگ جو کفر کی حمایت اور اعانت میں دوڑتے ہیں، آپ سے لڑنے کے لئے لشکر فراہم کرنے اور اسلام کو مٹانے کے درپے ہیں، آپ کو غم نہیں ہونا چاہیے اور نہ ان کی حرکتوں سے اللہ کے دین کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے اور نہ آپ کو خود ان کافروں کے جہنم میں جانے کا غم ہو کیونکہ تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ ان لوگوں کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اس لئے ان سے موافقت کی امید نہیں رکھنی چاہیے، رنج و غم تو وہاں ہوتا ہے جہاں امید ہو اور ان کے لئے صرف آخرت کی نعمتوں سے محرومی نہیں بلکہ ان لوگوں کو آخرت میں بڑی سزا ملے گی۔

﴿۱۷۷﴾ تارکین ایمان :جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر کو اختیار کیا خواہ منافق ہوں یا کھلے کافر ہوں خواہ قریب و دور کے ہوں یہ سب لوگ اللہ کے دین کو ایک ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان کو بھی پہلے لوگوں کی طرح دردناک سزا ملے گی۔ ایمان کے بدلے کفر اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو اللہ نے ان کو ایمان قبول کرنے کی صلاحیت و استعداد عطاء فرمائی تھی اس کو ہدایت سے تعبیر کیا ہے کہ انہوں نے اس کے بدلے کفر کو اختیار کیا۔

﴿۱۷۸﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ ...الخ ربط :اوپر کفار کے لئے دردناک عذاب کا ذکر تھا، چونکہ کفار آخرت کے عذاب کے منکر تھے، وہ کہتے تھے جب ہم یہاں دنیا میں آرام کی زندگی گزار رہے ہیں، اگر بالفرض آخرت نامی کوئی چیز ہے، تو وہاں بھی آرام میں رہیں گے، اللہ پاک نے اس کا یہاں سے رد فرمایا ہے۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الخ ابطال زعم اہل کفر در باب امہال عذاب۔ کافر لوگ یہ گمان نہ کریں کہ ہماری عطا کردہ مہلت ان کے حق میں بہتر ہے۔ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ :سبب امہال :بلکہ ہم ان کو اس لئے مہلت دیتے ہیں، تاکہ خوب جی بھر کر دل کے ارمان نکال لیں، گناہوں میں ایک دفعہ خوب ڈوب جائیں۔ اس پر سوال ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود جی بھر دل کے ارمان نکال کر گناہوں کی مہلت دے رہے ہیں تو پھر سزا کیوں دیں گے؟ تو اس کا جواب حضرات مفسرین رحمہم اللہ ایک مثال سے سمجھاتے ہیں جیسے کوئی طالب علم تعلیم حاصل کر رہا ہو مگر سبق یاد نہ کرتا ہو اور استاد کے کئی بار سمجھانے سے نہ مانے تو استاد اس کو کہتا ہے اچھا خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ، جب سبق سنانے کا وقت آئے گا اکٹھی گرفت کروں گا، ایسے ہی ان کفار کے ساتھ معاملہ ہوگا۔

﴿۱۷۹﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ...الخ حکمت شدائد للمؤمنین ❶ "لِيَذَرَ" میں لام تاکید نفی کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہرگز مؤمنوں کو نہیں چھوڑے گا، اس حالت پر جس پر تم اس وقت ہو کہ مخلص کے ساتھ منافق مخلوط ہیں بلکہ ممتاز کردے گا۔

اَنۡتُمۡ : کا خطاب تمام مدعیان اسلام کو ہے جن میں آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے مخلص مؤمن بھی داخل ہیں، اور منافق بھی یہاں تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے جدا کردے گا یعنی چھانٹ کر کافر کو مؤمن سے جدا کردے گا خواہ وحی کے ذریعہ اطلاع کردے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: یَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ اَنۡ تُنَزَّلَ عَلَیۡہِمۡ سُوۡرَۃٌ تُنَبِّئُہُمۡ بِمَا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ ...الخ (سورۃ توبہ آیت۔ ۶۴) یا واقعات کے ذریعہ سے جانچ کر جیسے احد کا واقعہ ہوا کہ منافق مومنوں کو چھوڑ کر بچھڑ گئے۔ (مظہری: ص: ۱۸۴: ج۔۲)

وَمَا کَانَ اللّٰہُ : حکمت ❷ ونفی علم غیب کلی : گزشتہ حکمت پر اشکال ہوتا ہے واقعات وحوادثات سے کیوں امتیاز کرنا ہے صراحتاً وحی کے ذریعہ نام بنام فلاں مؤمن اور فلاں منافق ہے اس طرح امتیاز کیوں نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تم کو غیب کی خبریں دیدے اور تمہیں یہ بتلادے کہ فلاں فلاں شخص منافق ہیں اور فلاں فلاں مؤمن یہ امر سنت الٰہیہ کے خلاف ہے کہ عوام الناس کو غیب کی باتوں پر مطلع کرے، مگر اللہ تعالیٰ پیغمبروں میں جس کو چاہتا ہے اس کو منتخب کرتا ہے اور بذریعہ وحی بعض امور غیبیہ پر مطلع کرتا ہے اور چونکہ تم رسول نہیں ہو اس لئے اس طریقہ سے تمہیں اطلاع نہیں دی جاسکتی اور ایسے حالات پیدا فرماتے ہیں کہ ان سے مخلص ومنافق کا فرق خود بخود واضح ہوجائے۔ فائدہ: اس آیت میں اطلاع غیب کا ذکر ہے علم غیب کا ذکر نہیں ہے تفصیل آگے آرہی ہے۔ واللہ اعلم ...فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ : ترغیب ایمان۔ فَلَکُمۡ اَجۡرٌ ...الخ نتیجہ ایمان۔

اہل بدعت کا علم غیب پر استدلال

مولوی احمد رضا خان صاحب (حسام الحرمین: ص ۱۰۸:) اور (ملفوظات حصہ اول: ص ۳۵ طبع فضل نوری گجرات) وغیرہ اور مولوی محمد عمر (مقیاس حنفیت: ص۔ ۳۳۵) اور مفتی احمد یار خان جاء الحق: ص ۵۳:) میں لکھتے ہیں: "وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطۡلِعَکُمۡ عَلَی الۡغَیۡبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجۡتَبِیۡ مِنۡ رُّسُلِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ" اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے عام لوگوں کو علم غیب دیدے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے۔

اس کے بعد چند تفسیروں کے حوالے لکھے ہیں ایک بیضاوی اور دوسرا خازن کا ہم اختصار کے مدنظر صرف مفتی صاحب کا ترجمہ عرض کردیتے ہیں تفسیر بیضاوی میں ہے کہ خدا تعالیٰ تم میں سے کسی کو علم غیب نہیں دیتے کہ مطلع کرے اس کفر اور ایمان پر جو کہ دلوں میں ہوتا ہے لیکن اللہ اپنی پیغمبری کے لئے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس اس کی طرف وحی فرماتا ہے اور بعض غیوب کی ان کو خبر دیتا ہے یا ان کے لئے ایسے دلائل قائم فرماتا ہے جو غیب پر رہبری کریں۔

تفسیر خازن میں ہے: لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے پس ان کو خبردار کرتا ہے بعض غیب پر الخ پھر آگے لکھتے ہیں" کہ اس آیت کریمہ اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدا کا خاص علم غیب پیغمبر پر ظاہر ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے جو فرمایا کہ بعض غیب اس سے مراد ہے علم الٰہی کے مقابلہ میں بعض اور کل ما کان وما یکون بھی خدا کے علم کا بعض ہے۔ (انتہی بلفظہ جاء الحق: ص ۵۴:)

اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ "اَلۡغَیۡبِ" میں الف لام استغراق کے ہیں لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سب غیب پر مطلع نہیں کرتا ہاں اپنے رسولوں میں سے جس کو چن لیتا ہے اس کو سب غیب پر مطلع کردیتا ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ تمام رسولوں میں چنے ہوئے ہیں، اس لئے ثابت ہوا کہ آپ کو کل غیب حاصل تھا۔ ہم اس کے جوابات نہایت اختصار سے استاد محترم شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ازالۃ الریب سے عرض کردیتے ہیں اللہ تعالیٰ دماغ کے دریچے کھول دے۔ ﴿آمین﴾

اس آیت سے فریق مخالف کا آنحضرت ﷺ کے کلی علم غیب پر استدلال بالکل مردود ہے۔

❶ اس لئے کہ یہ آیت غزوہ احد کے موقع پر نازل ہوئی تھی جو شوال ۲ ہجری میں پیش آیا اور یہ سورۃ آل عمران کی آیت ہے جس

کے بعد قرآن کریم کی سولہ سورتیں نازل ہوئیں ہیں۔ (اتقان: ج ۱: ص۔ ۳۵)

اگر اس سے کلی علم غیب مراد ہوتو اس کے بعد آنحضرت ﷺ پر ایک حرف بھی نازل نہ ہوتا، جبکہ دیگر احکام کے علاوہ سولہ سورتیں نازل ہوئی ہیں، پھر اس آیت سے کس طرح استدلال پکڑا جاسکتا ہے کہ اس سے مراد کلی علم غیب ہے۔

اگر واقعی اس سے کلی علم غیب مراد ہے، تو اس کے بعد علم غیب کی نفی کی کوئی آیت نازل نہ ہوتی، جبکہ سورۃ النساء، سورۃ النور، سورۃ المنافقون اور خصوصیت سے سورۃ التوبہ جو سب سے آخری سورۃ ہے جس میں صاف صریح متعدد آیات علم غیب کی نفی پر موجود ہیں۔

❷ حضرات مفسرین رحمہ اللہ نے بھی اس آیت سے بعض علم غیب مراد لیے ہیں تمام علم غیب اور "جمیع ما کان وما یکون" کا علم اس آیت سے کسی نے بھی مراد نہیں لیا، قاضی بیضاوی رحمہ اللہ اور علامہ خازن رحمہ اللہ کی عبارتوں کے ترجمہ میں ہم نے بحوالہ مفتی احمد یا خان کے پیش کردیے ہیں کہ ان میں "ببعض المغیبات" اور "علی بعض علم الغیب" کی قید موجود ہے لہٰذا ان کے دوبارہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

❸ علامہ بغوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "فَیُطْلِعُهٗ عَلٰی بَعْضِ عِلْمِ الْغَیْبِ" پس اس کو بعض علم غیب پر مطلع کردیتا ہے۔ اور اس کی نظیر یہ آیت ہے: "عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا" اور سدی کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کو غیب پر مطلع نہیں کرتا لیکن اللہ تعالیٰ ان کو چن لیتا ہے۔ (یعنی "وَلٰکِنَّ" سے استثناء منقطع ہے متصل نہیں)

❹ علامہ معین بن صفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "فَیُخْبِرُهٗ بِبَعْضِ الْمُغَیَّبَاتِ" (جامع البیان ص ۶۴) توان کو بعض مغیبات کی خبر دے دیتا ہے۔ ❺ قاضی ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: "فَیُطْلِعُهٗ عَلٰی بَعْضٍ مِّنْ عُلُوْمِ الْغَیْبِ اَحْیَانًا" یعنی اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے تو اس کو کبھی بعض علوم غیب پر مطلع کردیتا ہے، جیسا کہ احد کے موقع پر بعض منافقین کے احوال پر مطلع کردیا تھا۔ (مظہری: ض: ۲: ص۔ ۱۸۵)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں اس آیت سے کسی کو شبہ نہ ہو کہ جو علم غیب خصائص باری تعالیٰ سے ہے اس میں رسل کی شرکت ہوگی کیونکہ خواص باری تعالیٰ دو امر ہیں۔ ❶ اس علم کا ذاتی ہونا۔ ❷ اور اس کا محیط کل ہونا۔ یہاں ذاتی اس لئے نہیں کہ وحی سے ہے اور محیط اس لئے نہیں کہ بعض امور خاص مراد ہیں پس یہ بالمعنی الاعم غیب ہے نہ کہ بالمعنی الاخص خوب سمجھ لو۔

(بیان القرآن: ص: ۸۷: ج: ۱ جزء۔ ۲)

ان تمام تفاسیر سے معلوم ہوا کہ "الْغَیْبِ" سے مراد بعض علم غیب ہے اور یہی دوسرے دلائل سے متعین اور حق ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی مراد لینا ہرگز جائز اور صحیح نہیں ہے۔ باقی مفتی احمد یار کا یہ کہنا کہ بعض غیب اس سے مراد ہے علم الٰہی کے مقابلہ میں بعض اور کل ما کان وما یکون بھی خدا کے علم کا بعض ہے تو یہ جہالت اور خیانت پر مبنی ہے۔ چونکہ "عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ" سے مراد یہ ہے کہ جو مخلوق اور لوگوں کے علم سے غائب اور شہادت سے مراد جو مخلوق اور لوگوں کے علم اور مشاہدہ میں ہو۔ چنانچہ علامہ نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "عَالِمُ الْغَیْبِ مَا یَغِیْبُ عَنِ النَّاسِ وَالشَّهَادَةُ مَا یُشَاهِدُوْنَهٗ" (تفسیر مدارک: ج ۲: ص۔ ۱۹۴)

عالم الغیب سے مراد یہ ہے کہ جو چیز لوگوں سے غائب ہے اس کو بھی جانتا ہے اور جو لوگوں کے مشاہدہ میں ہے اس کو بھی جانتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض علم غیب سے علم الٰہی کے مقابلہ میں بعض مراد نہیں بلکہ بعض سے وہ بعض مراد ہے جو الناس لوگوں اور العباد بندوں کے علم غیب سے مراد ہے۔ رہا یہ سوال کہ "الغیب" میں الف ولام استغراق کے لیے ہے تو یہ بھی باطل اور مردود ہے اس لیے کہ علماء نے اس کی تصریح کردی ہے کہ جب کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو اصل الف ولام میں عہد خارجی ہے نہ کہ استغراق۔ اور عہد

خارجی وہ ہے جس کے مدخول سے بعض متعین افراد مراد ہوں جیسے "فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ"۔
علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "اَلتَّعْرِیْفُ لَا یَلْزَمُ اَنْ یَّکُوْنَ لِلْاِسْتِغْرَاقِ بَلِ الْعَهْدُ هُوَ الْاَصْلُ۔ (التلویح: ص۔۱۴۰)
الف لام تعریف میں یہ لازم نہیں کہ وہ استغراق کے لئے ہے بلکہ اصل عہد خارجی ہے۔ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ ہم کہتے ہیں کہ اصل اور راجح الف لام میں صرف عہد خارجی ہے کیونکہ وہی حقیقی طور پر متعین اور کامل طور پر ممتاز ہے اس کے بعد پھر استغراق کا درجہ ہے۔ (التلویح: ص۔۱۴۷)
حاصل یہ نکلا کہ الف لام تعریف میں اصل اور راجح بھی ہے کہ وہ عہد خارجی اور جنس کے لیے ہے۔ (حاشیہ مطول: ص۔۱۳۷)
اور اس کو کسی قرینہ کی حاجت اور ضرورت پیش نہیں آتی بخلاف استغراق کے کہ وہ قرینہ کا محتاج ہے اور وہ قرینہ مجاز ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اصل کو چھوڑ کر مجاز کو لیا جائے اور یہاں کوئی قطعی الدلالۃ قرینہ بھی موجود نہیں کہ "اَلْغَیْب" پر الف لام استغراق کا مراد لیا جائے۔
اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ یہاں "اَلْغَیْب" پر الف لام استغراق کا ہے اس قاعدے کے مطابق کے مصدر پر کبھی الف لام استغراق کے لئے بھی آتا ہے تب بھی اس سے استدلال باطل ہے۔ کیونکہ الف لام استغراق کا مطلب یہ ہے کہ جس کے مدخول سے تمام افراد مراد ہیں، جیسے "اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ"۔ تمام افراد انسان خسارہ میں ہیں۔ اب معنی یہ ہوگا کہ اور نہیں اللہ تعالیٰ کہ تمہیں تمام غیب پر اطلاع دے اور لیکن رسولوں میں سے جن کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور وہ چننا اخبار غیب اور انباء الغیب کے لئے ہے کل غیب کے لئے نہیں ہے، جیسا کہ حضرات مفسرین رحمہم اللہ کی تصریحات موجود ہیں۔ (محصلہ ازالۃ الریب: ص ۴۹۹: تا۔۵۰۲)
آخری جواب یہ ہے کہ سورۃ توبہ میں ہے: "وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ط نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ"۔ (پارہ ۱۱ آیت ۱۰۱) اور بعض مدینے والے اڑ رہے ہیں نفاق پر (محمد ﷺ) آپ ان کو نہیں جانتے صرف ہم ہی ان کو جانتے ہیں۔ یہ ارشاد خداوندی سورۃ توبہ میں موجود ہے جو سب سے آخری سورۃ ہے۔ چنانچہ (بخاری: ج ۲: ص ۶۷۲: اور: مسلم: ج ۲: ص۔۳۵) میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ (المتوفی ۷۲ ہجری) سے اور (مستدرک: ج ۲: ص ۲۲۱:) میں (جس کی تصحیح پر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ دونوں متفق ہیں) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (المتوفی ۳۵ ہجری) سے روایت ہے کہ آخری "سورۃ نزلت سورۃ التوبۃ" قرآن کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورۃ سورہ توبہ ہے، ہاں البتہ اس کی صرف دو آیتیں مکی ہیں: "مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ" الآیتین۔ (تفسیر اتقان: ج ۱: ص۔۳۱)
یہ ارشاد اس امر پر واضح دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ طیبہ کے تمام منافقوں کو خواہ جن کا نفاق حد کمال کو پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو کسی کو بھی نہیں جانتے تھے ان سب کا علم اللہ ہی کو تھا اگر آپ کو علم غیب "جمیع ما کان وما یکون کا حاصل تھا تو لامحالہ لازم آئے گا کہ آپ ان منافقوں کے حالات سے واقف تھے اور اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ آپ ان کو نہیں جانتے فقط ہم ہی جانتے ہیں۔ (محصلہ ازالۃ الریب: ص ۳۰۱)

حضرات فقہاء کرام کا علم غیب کے قائل کے متعلق نظریہ

حضرت ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "وَقَدْ صَرَّحَ عُلَمَاؤُنَا الْحَنَفِیَّةُ بِتَكْفِیْرِ مَنِ اعْتَقَدَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعْلَمُ الْغَیْبَ"۔ (شرح شفاء: ص۔۴۶۹) بہ تحقیق ہمارے علمائے احناف نے صراحت کے ساتھ اس شخص کی تکفیر کی ہے جو یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ آنحضرت ﷺ غیب کا علم رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ صاحب ہدایہ اپنی کتاب (تجنیس: ص۔۲۹۷) میں اور علامہ عدیم النظیر فرید الدہر مجتہد فی المسائل طاہر بن احمد الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۴۲ ہجری) (خلاصۃ الفتاویٰ: ج ۴: ص:

۳۵۴) میں اور فقیہ وقت جامع علوم امام عبد الرحیم الحنفی رحمۃ اللہ (المتوفی ۵۶۱ھ) (فصول عمادیہ :ص ۶۴ :) میں عالم وقت امام محمد بن الخوارزمی المشہور بابزازی الحنفی (المتوفی ۸۲۷ھ) فتاویٰ بزازیہ :ص۔ ۳۲۵) میں اور المحدث الکامل علامہ بدر الدین العینی الحنفی رحمۃ اللہ (المتوفی ۸۵۵ھ) (عمدۃ القاری :ج ۱۱ :ص۔ ۲۰) اور علامہ ابن عابدین الشامی الحنفی رحمۃ اللہ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) (ردالمختار :ص ۳۰۶) میں۔

اور علامہ مفتی نصیر الدین الحنفی رحمۃ اللہ (فتاویٰ برہنہ :ص ۱۲۳ :ج۔۱) میں اور اسی طرح دیگر معتبر اور مستند حضرات فقہاء احناف رحمۃ اللہ اس کی تصریح کرتے ہیں کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ آنحضرت ﷺ کو علم غیب حاصل ہے یا آپ حاضر و ناظر ہیں تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ایسا شخص قطعاً کافر ہے۔ (بحوالہ ازالۃ الریب :ص۔ ۴۴۵) بندہ ناچیز حضرات فقہاء کرام کے ساتھ سو فیصد متفق ہے کہ کیونکہ علم غیب کا عقیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ قول "قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ الایۃ" کے مقابل و معارض ہے۔ ﴿۱۸۰﴾ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ ... الخ بخل کی مذمت: اوپر سے سلسلہ کلام چونکہ جہاد کے بارے میں تھا، جس سے منافقین جان چراتے تھے، اسی طرح جہاد میں مالی امداد سے بھی جان چراتے تھے، اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے تھے، اس لیے یہاں سے بخل کی مذمت بیان فرماتے ہیں کہ تم بھی فانی ہو اور تمہارا مال بھی فانی جب تم دنیا سے رخصت ہو جاؤ گے تو یہ مال دوسرے کی ملکیت میں چلا جائے گا لہٰذا آخرت کو سنوارنے کے لئے خود اپنے ہاتھ سے خرچ کر جاؤ تا کہ آگے فائدہ دے۔ سَیُطَوَّقُوْنَ ... الخ بخل کا نتیجہ۔ وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... الخ ابطال ملک کی دلیل :یعنی جب سب لوگ مر جائیں گے تو آسمان و زمین اور جو کچھ کائنات کے اندر ہے سب کچھ اسی کا ہی ہوگا۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا

البتہ تحقیق اللہ نے ان لوگوں کی بات سنی ہے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں ہم ضرور لکھیں گے اس چیز کو جو انہوں نے کہی ہے

وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا

اور ان کا اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرنا بھی اور پھر ہم (جزائے عمل کے وقت) کہیں گے چکھو جلانے والے عذاب کا مزہ ﴿۱۸۱﴾ اور یہ اس وجہ سے

قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۱۸۲﴾ ۚ اَلَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ

جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے اور بے شک اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے ﴿۱۸۲﴾ وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے

عَهِدَ اِلَیْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ

ہم سے عہد کر رکھا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لائے جس کو آگ کھا جائے اے پیغمبر ﷺ آپ کہہ دیجئے تحقیق

جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ

تمہارے پاس مجھ سے پہلے رسول آئے واضح نشانیاں لے کر اور اس چیز کو لے کر جو تم نے کہی ہے پس تم نے ان کو کیوں قتل کیا اگر

صٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَیِّنٰتِ

تم سچے ہو ﴿۱۸۳﴾ پس اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو بے شک آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے ہیں جو لائے تھے کھلی نشانیاں

وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ

اور صحیفے اور روشن کتابیں ﴿۱۸۴﴾ ہر ایک نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے اور بے شک تم کو تمہارا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ

قیامت کے دن پس جو شخص دوزخ کی آگ سے دور کردیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا تو بے شک وہ کامیاب ہوگیا اور نہیں ہے دنیا کی زندگی

اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۟ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ

مگر دھوکے کا سامان ﴿۱۸۵﴾ البتہ تحقیق تم ضرور آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں اور جانوں میں اور البتہ ضرور سنو گے ان لوگوں سے

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا

جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا بہت سی تکلیف دہ باتیں اور اگر تم صبر کرو گے

وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اور تقویٰ کی راہ پر قائم رہو گے تو بیشک یہ مقصودی کاموں میں سے ہے ﴿۱۸۶﴾ اور (اس بات کو اپنے خیال میں لاؤ) جبکہ اللہ تعالیٰ نے پختہ عہد لیا ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی

لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ؗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا

کہ اس کو تم ضرور لوگوں کے سامنے ظاہر کرو گے اور اس کو چھپاؤ گے نہیں پس انہوں نے اسے پس پشت پھینک دیا اور اس کے بدلے میں خریدی تھوڑی قیمت

قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ

پس بہت بری چیز ہے جو انہوں نے خریدی ﴿۱۸۷﴾ نہ گمان کریں آپ ان لوگوں کے بارے میں جو خوش ہوتے ہیں اس چیز پر جو انہوں نے کی ہے اور پسند کرتے ہیں

اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ

کہ ان کی تعریف کی جائے ان باتوں پر جو انہوں نے نہیں کیں پس نہ گمان کریں آپ کہ ان کو عذاب سے کامیابی حاصل ہوگی اور ان کے لئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾

تو دردناک عذاب ہے ﴿۱۸۸﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۸۹﴾

ع ۱۹ / ۱۰

﴿۱۸۱﴾ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ ---الخ یہود کی گستاخیاں۔ ربط آیات: ابتداء سورۃ سے بڑا حصہ اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) کے متعلق تھا، پھر درمیان میں خاص خاص مناسبات کی وجہ سے غزوہ احد کی تفصیلات کا بیان ہوا، اب آخر سورۃ میں پھر اہل کتاب کی کچھ قباحتیں اور گستاخیاں بیان فرماتے ہیں چونکہ یہ مسلمانوں کے شدید ترین دشمن تھے، اور اکثر منافقین بھی انہی میں سے تھے اس لیے یہود کی گستاخیوں کو خصوصی طور پر ذکر کرتے ہیں۔

خلاصہ رکوع ۱۹ یہود کی گستاخیاں۔ ۱۔ ۲۔ نتیجہ گستاخی، سبب عذاب، عدل وانصاف باری، افتراء یہود، یہود کا قربانی کے

معجزہ کا مطالبہ یہود، جواب مطالبہ تحقیقی ۔ ۱۔ ۲۔ جواب مطالبہ الزامی، تسلی خاتم الانبیاء، وعدہ موت، مختلف آزمائشات پر تعلیم صبر، اہل کتاب کی مرض کتمان حق، معصیت کی خوشی پر وعید، حصر المالکیت وقدرت باری تعالیٰ ۔ ماخذ آیات ۱۸۱ تا ۱۸۹+

شانِ نزول : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی :"مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ". (سورۃ البقرہ ۔ ۲۴۵) تو یہود کہنے لگے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا پروردگار فقیر ہو گیا ہے جو اپنے بندوں سے قرض مانگتا ہے تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ۔ یعنی "لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ الخ (ابن کثیر : ص : ۶۸۲ : ج ۔ ۲)

محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہود کے مدرسہ میں گئے، وہاں فنحاص بن عازوراء جو یہودیوں کا بہت بڑا عالم تھا، درس دے رہا تھا، اور اس کے پاس یہودیوں کا ہجوم تھا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : اے فنحاص اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کر لو، خدا کی قسم تجھے اس بات کا علم یقینی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور اللہ کی طرف سے حق لے کر آئے ہیں، اور تم ان کے اوصاف کو توراۃ وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہو ۔ پس تجھ کو چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ، اور اللہ کو قرض حسنہ دو (یعنی اس کی راہ میں صدقہ اور خیرات کرو) اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل کرے گا، اور اس کا ثواب عطا کرے گا ۔ فنحاص نے کہا اے ابوبکر! آپ کا خیال ہے ہمارا پروردگار ہم سے قرض مانگتا ہے حالانکہ قرض تو فقیر غنی سے مانگتا ہے پس اگر آپ کا قول درست ہے تو بلاشبہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں، اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا اور زور سے ایک طمانچہ اس کے منہ پر رسید کیا، اور کہا او دشمن خدا اگر ہمارے اور تمہارے درمیان عہد نہ ہوتا تو بخدا میں تمہاری گردن مار دیتا ۔ فنحاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ آپ کے رفیق نے میرے ساتھ بری حرکت کی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا تم نے یہ حرکت کیوں کی ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس دشمن خدا نے کہا ہے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں، اس پر مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اس کو طمانچہ مارا فنحاص نے اپنی بات سے انکار کیا اللہ پاک نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صداقت اور فنحاص کی تکذیب وتردید کے لیے یہ آیت نازل فرمائی، کہ واقعی اس کذاب نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہی بدزبانی کی ہے ۔

(ابن کثیر : ج : ۲ : ص : ۶۸۲ مظہری : ج : ۲ : ص : ۱۸۷ : ۱۸۶ : خازن : ج : ۱ : ص : ۳۳۰ : تفسیر منیر : ص : ۱۸۵ : ج ۔ ۵)

قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ : گستاخی ۔ ❶ وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَاۗءَ : ۔ ❷ وَنَقُوْلُ الخ نتیجہ گستاخی ۔

﴿۱۸۲﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ ... الخ سبب عذاب ۔ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ : عدل وانصاف باری تعالیٰ : اللہ اپنے بندوں پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا وہ انصاف کرنے والا ہے ۔ یہاں پر ظلام مبالغہ کا صیغہ ہے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بالکل ظلم نہیں کرتا، یا ذرہ بھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا، مگر انسان خود اپنی نافرمانی، بداعتقادی، بداعمالی اور معاصی کی وجہ سے شدید سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے ۔ ﴿۱۸۳﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ الخ افتراء یہود ۔ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ : یہود کا قربانی کے معجزہ کا مطالبہ : امام رازی رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین رحمہم اللہ اپنی اپنی تفاسیر میں نقل کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق تو ایسی بات کی تھی کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے اسے اس قسم کی سوختنی قربانی پیش کرنے کو کہا جائے مگر دو نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط سے مستثنیٰ قرار دے دیا ۔ (تفسیر کبیر : ص : ۴۴۹ : ج : ۹ : طبع بیروت : بحر محیط : ص : ۱۳۲ : ج : ۳ : معالم التنزیل : ص : ۲۹۹ : ج : ۱ : خازن : ص : ۱۸۸ : ج ۔ ۲) ❶ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ : جواب مطالبہ تحقیقی :

① مجھ سے پہلے تمہارے پاس بہت سے رسول آئے واضح دلائل لے کر "وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ" اور وہ چیز بھی لائے ہیں جس کا تم مطالبہ

کررہے ہو مگر تمہارے آباؤاجداد نے انکار کردیا چنانچہ توراۃ میں حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کا تذکرہ موجود ہے۔ بعل نامی بت کے پجاری بھی یہودی تھے ان کو حضرت الیاس علیہ السلام نے کہا آؤ میدان میں نکلو ایک بیل میں اللہ کے نام پر قربان کرتا ہوں تم بھی ایک بیل اپنے بت بعل کے نام پر قربان کرو پھر دیکھتے ہیں کہ کس کی قربانی کو آسمانی آگ جلا کر قبولیت کے درجہ تک پہنچاتی ہے چنانچہ دونوں قربانیاں کی گئیں حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کو آگ نے جلا دیا اور اسرائیلیوں کی قربانی ویسی کی ویسی رہی چاہئے تو یہ تھا کہ اب یہودی حضرت الیاس علیہ السلام کو اللہ کا نبی تسلیم کر لیتے مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے بلکہ آپ کے اور زیادہ دشمن ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے نبی کو پہاڑوں میں پناہ لے کر جان بچانا پڑی حتیٰ کہ وہ اپنے ملک سے ہجرت کر گئے اور تمہارے آباؤاجداد نے منہ مانگا معجزہ دیکھنے کے باوجود ان کی اطاعت اختیار نہ کی۔

فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ: ❷ جواب مطالبہ الزامی : پس تم نے ان کو قتل کیوں کیا یعنی تمہارے آباؤاجداد نے ان کو کیوں قتل کیا۔ اور ان کی جان کے دشمن کیوں بنے اس بات کا جواب دو۔ "اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ" اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو مقصد یہ ہے کہ آج تم مجھ سے وہی پرانا قربانی والا معجزہ طلب کر رہے ہو اگر اللہ تعالیٰ تمہاری فرمائش پوری بھی کر دے پھر بھی تم ماننے کے لئے تیار نہیں ہو گے بلکہ کسی اور حیلے بہانے سے انکار کر دو گے۔ فائدہ: آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یہودی اپنے بزرگوں کے اس فعل کو اچھا سمجھتے تھے اس لئے قتل انبیاء کو ان کی طرف منسوب کیا گیا کسی فعل سے راضی ہونا اس فعل کے کرنے کے برابر ہے۔

﴿۱۸۴﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ الخ تسلی خاتم الانبیاء : "بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ" بینات سے انبیاء کرام کی صداقت کے روشن دلائل اور کھلے ثبوت مراد ہیں اور "زُبُر" لفظ زبور کی جمع ہے جو "زُبُر" سے مشتق ہے جس کے معنی لغت میں جھڑکنے اور ڈانٹنے کے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں زبور اس کتاب کو کہتے ہیں جو مضامین حکمت اور نصیحت وموعظت پر مشتمل ہو، ایسی کتابوں کو زبور اس لئے کہتے ہیں کہ لوگوں کو باطل کی طرف جانے سے جھڑکا جاتا ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب کو بھی زبور اسی لئے کہتے ہیں اور یہاں "والزبر" سے وہ آسمانی صحیفے مراد ہیں جو مضامین حکمت وموعظت پر مشتمل ہیں۔ اور کتاب منیر یعنی روشن کتاب سے توراۃ وانجیل مراد ہیں۔ (مظہری ص: ۱۸۹ ج: ۲ خازن ص: ۳۳۲ ج: ۱) اگرچہ لفظ "زُبُر" ان کو بھی شامل تھا مگر ان کی فضیلت اور شرافت ظاہر کرنے کے لئے ان کو الگ بیان فرمایا۔ ﴿۱۸۵﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ : وعدہ موت : اس آیت میں مکذبین کے لئے وعید اور مصدقین کیلئے وعدہ اور بشارت کا ذکر ہے اگر دنیا میں یا قبر میں سزا ملتی ہے تو وہ اعمال کا پورا بدلہ نہیں وہ تو سزا کا محض ایک نمونہ ہے۔

﴿۱۸۶﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ الخ مختلف آزمائشات پر تعلیم صبر : چونکہ کافروں کے معاندانہ اعتراضات سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچی تھی اس لئے یہاں سے مسلمانوں کو صبر کی تلقین فرماتے ہیں۔ صبر کے لغوی معنی ناگوار امر کو برداشت کرنے اور تقویٰ کے معنی نامناسب بات سے بچنے کے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس عظیم خصلت کے لئے ہمت مرداں چاہئے۔

﴿۱۸۷﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ الخ اہل کتاب کی مرض کتمان حق کی مذمت : یہاں سے اہل کتاب کی مرض کتمان حق پر مذمت کی جارہی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ توراۃ وانجیل میں مذکور احکام اور آنحضرت ﷺ کے اوصاف کو نہیں چھپائیں گے مگر انہوں نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا۔ ﴿۱۸۸﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ الخ معصیت کی خوشی پر وعید : آنحضرت ﷺ جب یہود سے کوئی بات دریافت کرتے تو وہ اصل بات کو چھپا لیتے اور خلاف واقع بات بیان کر کے چلے جاتے پھر اپنے اس کارنامے پر دل میں خوش ہوتے کہ ہماری چالاکیوں کو کوئی نہیں پکڑ سکتا اور امید رکھتے کہ لوگ ہماری تعریف کریں گے اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ﴿۱۸۹﴾ حصر المالکیت وقدرت باری تعالیٰ۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے اختلاف میں البتہ نشانیاں ہیں

الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ

عقلمندوں کے لیے ﴿۱۹۰﴾ وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں یا کروٹوں کے بل لیٹے ہوں اور وہ غور فکر کرتے ہیں

فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا

آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! تو نے نہیں پیدا کیا اس کو باطل، پاک ہے تیری ذات پس بچا تو ہمیں

عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ مَن تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ

آگ کے عذاب سے ﴿۱۹۱﴾ اے ہمارے پروردگار! بے شک تو نے جس کو دوزخ کی آگ میں داخل کر دیا پس تحقیق تو نے اس کو رسوا کر دیا اور نہیں ہوگا ظالموں کے لئے

مِنْ أَنصَارٍ ﴿١٩٢﴾ رَّبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا

کوئی مدد کرنے والا ﴿۱۹۲﴾ اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم نے سنا ہے ایک پکارنے والے کو جو پکارتا ہے ایمان لانے کے لئے کہ ایمان لاؤ اپنے پروردگار پر پس ہم ایمان لائے

رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا

ہیں اے ہمارے پروردگار! بخش دے ہم کو ہمارے گناہ اور مٹا دے ہم سے ہماری برائیاں اور موت دے ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ ﴿۱۹۳﴾ اے ہمارے پروردگار! اور دے دے

وَعَدتَّنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿١٩٤﴾ فَاسْتَجَابَ

ہمیں جو تو نے وعدہ کیا ہے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانوں پر اور نہ رسوا کر تو ہمیں قیامت والے دن بیشک تو وعدے کا خلاف نہیں کرتا ﴿۱۹۴﴾ پس قبول کی

لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم

اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ان کی دعا کہ بے شک میں ضائع نہیں کرتا عمل کرنے والے کے عمل کو تم میں سے مرد ہو یا عورت بعض تمہارے

مِّن بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي

بعض سے ہیں پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے راستے میں ستائے گئے

وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن

اور انہوں نے لڑائی کی اور شہید کئے گئے تو میں ان کی برائیاں ان سے مٹا دوں گا اور البتہ ضرور میں ان کو بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾

سامنے نہریں بہتی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت اچھا بدلہ ہے ﴿۱۹۵﴾

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ

نہ مغالطے میں ڈالے آپ کو ان لوگوں کا مختلف شہروں میں چلنا پھرنا جنہوں نے کفر کیا ﴿۱۹۶﴾ یہ تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے

وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اور بہت برا ٹھکانہ ہے ﴿۱۹۷﴾ لیکن وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لیے باغات ہیں جن کے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾ وَاِنَّ

سامنے نہریں جاری ہیں اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر ہے نیکوکاروں کے لیے ﴿۱۹۸﴾ اور بے شک

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ

بعض اہل کتاب میں سے البتہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس چیز پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی اور اس چیز پر جو ان کی طرف اتاری گئی

خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ

وہ اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں وہ نہیں خریدتے اللہ کی آیتوں کے بدلے کم قیمت یہی لوگ ہیں جن کے واسطے ان کے پروردگار کے پاس بدلہ ہے

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا

بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۱۹۹﴾ اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلے میں مضبوط رہو

وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٢٠٠﴾

اور لگے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ ﴿۲۰۰﴾

دلائل الوہیت

﴿۱۹۰﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ ربط آیات :اوپر ذکر تھا آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے جس سے توحید سمجھ میں آتی ہے اس لئے یہاں سے توحید پر چند دلیلیں لاتے ہیں اور موحدین کے فضائل بیان کرتے ہیں۔

خلاصہ رکوع ۲۰: عقلی دلائل برائے توحید۔ ا تا ۲۔ مستفیدین من الدلائل، اولوالالباب کی صفات۔ ا۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ اولوالالباب کی معروضات خمسہ، اجابت ادعیہ، قانون مساوات، مؤمنین کے اعمال شاقہ خمسہ، نتیجہ، تنبیہ مؤمنین، تخویف اخروی برائے کفار، بشارت متقین، بعض منصفین اہل کتاب کے صفات خمسہ، نتیجہ، خلاصہ سورۃ اور کامیابی کے چار اصول، نتیجہ۔ ماخذ آیات ۱۹۰ : تا ۲۰۰+

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الخ عقلی دلائل برائے توحید۔ ❶ ❷ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ الخ ❸ لَاٰيٰتٍ :مستفیدین من الدلائل۔ ﴿۱۹۱﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ الخ اولوالالباب کی صفات۔ ❶ اللہ تعالیٰ کو ہر حال میں دل سے بھی اور زبان سے بھی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی۔ وَقُعُوْدًا۔ ❷ بیٹھے بھی۔ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ لیٹے بھی ❶ اس آیت سے مراد نماز کے بعد ذکر واذکار ہے۔ ❷ اور یہ بھی ہے کہ اس سے مراد مریض کی نماز کی کیفیت کا ذکر ہے۔ ❸ وَيَتَفَكَّرُوْنَ الخ۔ ❹ اور آسمانوں کی اور زمین

کی پیدائش پر غور وفکر کرتے ہیں اور غور وفکر کا تعلق صرف ان چیزوں سے ہے جن کی صورتوں کا دماغ میں آنا ممکن ہو اس لئے حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کر کے اللہ کو پہچان لو، اللہ کی ذات میں غور نہ کرو کیونکہ اللہ کی ذات ہر صورت سے پاک ہے۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ اولوالباب کی معروضات خمسہ۔ ① اے پروردگار آپ نے اس مخلوق کو لایعنی پیدا نہیں کیا بلکہ اس میں حکمتیں رکھی ہیں جن میں ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ اس مخلوق سے خالق کے وجود پر استدلال کیا ہے۔ معروضات میں بار بار ''ربنا'' کا ذکر چند وجوہ سے کیا گیا ہے۔(۱) تضرع اور زاری میں زور پیدا کرنے کے لیے۔(۲) ہر مقصد کو مستقل حیثیت میں ظاہر کرنے کے لیے۔(۳) ہر مطلب کی بلندشان ظاہر کرنے کے لیے۔(۴) وصف ربوبیت پر پورا پورا اعتماد پیدا کرنے کے لیے۔(۵) اور اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرنے کے لیے۔(تفسیر مظہری ذیل آیت ھذا) سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ ② اگر ہم غور وفکر کے تقاضے پورے نہ کرسکیں تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ...الخ سے مراد کافر ہے۔ اور اہل ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ رسوا نہ کرنے کا ہے۔﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ...الخ۔ ③ اس ندا دینے والے سے کون مراد ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور اکثر علماء کے نزدیک ندا دینے والے سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد قرآن کریم ہے کیونکہ ہر شخص کی ملاقات تو آنحضرت ﷺ سے نہیں ہوسکتی۔

(قرطبی: ص:۳۰۸ ج:۳، مظہری ج:۲: ص۔۲۰۱)

رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا۔ ④ اے ہمارے رب پھر معاف کردے ہمارے کبیرہ گناہ "فَاغْفِرْ" میں فاء سببیت کے لئے ہے کیونکہ ایمان سبب مغفرت ہے مغفرت بغیر ایمان کے نہیں ہوسکتی۔ "وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا"۔ اور ہماری بدکاریاں (یعنی صغیرہ گناہ) ہم سے دور کردے۔ كَفِّرْ: باب تفعیل سے امر ہے اور باب تفعیل فعل کی کثرت کو ظاہر کرتا ہے صغیرہ گناہ بکثرت ہوتے ہیں اسلئے درخواست بار بار معاف کرنے کی، کی یعنی بار بار ہماری برائیوں پر پردہ ڈال۔ وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ"۔ اور نیک لوگوں کے گروہ میں شامل کر کے ہمیں موت دے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم کو ان کے زمرہ میں داخل کر کے اور نیک بنا کے موت دے۔

مسئلہ: موت کی تمنا اور دعا کسی مالی نقصان یا جسمانی دکھ سے تنگ آ کر مانگنا ناجائز ہے مطلقاً یہ جائز ہے۔(مظہری ج:۲: ص۔۲۰۲)

﴿۱۹۴﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا۔ ⑤ اے ہمارے پروردگار دے ہمیں جو تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے یعنی ثواب جنت اپنا دیدار اور مرتبہ قرب آخرت میں اور دشمنوں پر فتح دینا۔ عَلٰى رُسُلِكَ: اپنے پیغمبروں پر ایمان لانے کے بدلہ میں یا اپنے پیغمبروں کی زبانی کئے ہوئے وعدہ پر وہ ہمیں عطاء فرما۔ اعتراض: کیا اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ خلافی کا اندیشہ تھا جس کی وجہ سے ایفاء وعدہ کی درخواست کی گئی؟ اس کا ایک جواب: یہ ہے کہ اس اندیشہ کی وجہ سے کہ کہیں سائل کا شمار ان لوگوں میں نہ ہوجائے جن کو برے انجام کی وعید سنائی گئی ہے۔ دوسرا جواب: یہ دعا محض تعبدی اور اظہار عجز کے لیے ہے نہ اس وجہ سے کہ وعدہ خلافی کا اندیشہ تھا۔

(مظہری ج:۲: ص۔۲۰۲)

فائدہ: ان دعاؤں کا مضمون تمام مطلوبہ مقاصد کو جامع ہے کیونکہ مقاصد کا منتہا دو چیزیں ہیں۔ یعنی جنت کا حصول اور دوزخ سے نجات اور ان دو چیزوں کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ❶ طاعات کا وجود۔ ❷ معاصی کا عدم۔ یہ کل چار چیزیں ہوئیں یعنی جنت کا حاصل ہونا۔ ❷ جہنم سے بچنا۔ ❸ طاعات کا حاصل ہونا اور۔ ❹ معاصی سے بچنا۔ جنت کے حاصل ہونے اور طاعت کے حاصل ہونے کا ذکر "وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا" میں موجود ہے۔ "فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" دوزخ سے بچنے کی درخواست ہے

"فَاغۡفِرۡ لَنَا" میں معاصی سے خلاصی کی درخواست ہے۔
﴿۱۹۵﴾ فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ الخ اجابت ادعیہ : یہاں سے مؤمنوں کی دعاؤں کی قبولیت کا ذکر ہے۔ مِنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى : قانون مساوات۔ بَعۡضُكُمۡ : علت مساوات : تم آپس میں ایک دوسرے کے جز ہو۔ فَالَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا : مؤمنین کے اعمال شاقہ خمسہ۔ ❶ ترک وطن۔ ❷ گھروں سے نکالے گئے۔ ❸ اللہ کی راہ میں تکلیفیں دیئے گئے۔ ❹ جہاد کیا۔ ❺ شہید ہوگئے۔ لَاُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ : نتیجہ : اوران کے ان اعمال خیر کا بدلہ تکفیر سیئات اور دخول جنت کی صورت میں ہوگا۔

شہید کے ذمہ فرض نمازیں ہیں تو معاف نہیں ہوں گی

جو آدمی جہاد میں شہید ہوجائے اور اس کے ذمہ فرض نمازیں ہوں تو معاف نہیں ہوں گی بلکہ اس کے ذمہ میں رہیں گی۔ واجبات شرعیہ اور حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے۔ البتہ دیگر گناہ اس کے معاف ہوجائیں گے۔ حدیث شریف میں آیا ہے : شہید کا ہر گناہ معاف ہے سوائے دین (قرض) کے اس حدیث کی شرح میں محدثین نے لکھا ہے کہ دین سے مراد فرائض دینیہ ہیں۔ لٰہذا نمازیں اس کے ذمہ رہیں گی کیونکہ نماز فرض عین ہے۔ عَنۡ عَبۡدِ اللهِ بۡنِ عَمۡرِو بۡنِ الۡعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنۡهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اَلۡقَتۡلُ فِيۡ سَبِيۡلِ اللهِ يُكَفِّرُ كُلَّ شَيۡءٍ اِلَّا الدَّيۡنَ۔ رواہ مسلم ورواہ الترمذی عن انس ؓ ورواہ الطبرانی وابو نعیم فی الحلیۃ عن ابن مسعود ؓ ولفظہ اَلۡقَتۡلُ فِيۡ سَبِيۡلِ اللهِ يُكَفِّرُ الذُّنُوۡبَ كُلَّهَا اِلَّا الۡاَمَانَةَ وَالۡاَمَانَةُ فِي الصَّلَاةِ وَالۡاَمَانَةُ فِي الصَّوۡمِ وَالۡاَمَانَةُ فِي الۡحَدِيۡثِ وَاَشَدُّ ذَالِكَ الۡوَدَائِعُ فَالۡمُرَادُ بِالدَّيۡنِ الۡوَاجِبَاتُ الشَّرۡعِيَّةُ مِنۡ اُمُوۡرِ الدِّيۡنِ۔ مرقاۃ شرح المشکوٰۃ ج ۷، صفحہ ۲۷۹ — وَلَا تَرَدُّدَ فِيۡ اَنَّ الۡمُوَاظَبَةَ عَلٰى اَدَاءِ فَرَائِضِ الصَّلَاةِ فِيۡ اَوۡقَاتِهَا اَفۡضَلُ مِنَ الۡجِهَادِ لِاَنَّهَا فَرۡضُ عَيۡنٍ وَّتَكَرَّرُ وَلِاَنَّ الۡجِهَادَ لَيۡسَ اِلَّا لِلۡاِيۡمَانِ وَاِقَامَةِ الصَّلَاةِ كَانَ حَسَنًا لِغَيۡرِهٖ وَالصَّلَاةُ حَسَنَةٌ لِعَيۡنِهَا وَهِيَ الۡمَقۡصُوۡدُ مِنۡهُ۔ وَقَدۡ نَصَّ عَلٰى ذٰلِكَ الۡاِمَامُ السَّرۡخَسِيُّ فِيۡ شَرۡحِ السِّيَرِ الۡكَبِيۡرِ حَيۡثُ قَالَ عَنۡ اَبِيۡ قَتَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنۡهُ اَنَّ رَسُوۡلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَامَ يَخۡطُبُ النَّاسَ فَحَمِدَ اللهَ وَاَثۡنٰى عَلَيۡهِ ثُمَّ ذَكَرَ الۡجِهَادَ فَلَمۡ يَدَعۡ شَيۡئًا اَفۡضَلَ مِنَ الۡجِهَادِ اِلَّا الۡفَرَائِضَ يُرِيۡدُ بِهِ الۡفَرَائِضَ الَّتِيۡ ثَبَتَ فَرۡضِيَّتُهَا عَيۡنًا وَهِيَ الۡاَرۡكَانُ الۡخَمۡسَةُ لِاَنَّ فَرۡضَ الۡعَيۡنِ اٰكَدُ مِنۡ فَرۡضِ الۡكِفَايَةِ وَالثَّوَابُ بِحَسۡبِ اٰكَدِيَّةِ الۡفَرۡضِيَّةِ فَلِهٰذَا اِسۡتَثۡنَى الۡفَرَائِضَ۔ شامی جلد ۳ صفحہ ۱۲۰ اِنۡ كَانَ عَلَيۡهِ حَقٌّ مُسۡتَحَقٌّ لِلّٰهِ كَالزَّكَاةِ وَالصَّوۡمِ اَوِ الۡحَجِّ وَالصَّلَاةِ الَّتِيۡ فَرَّطَ فِيۡهَا فَهِيَ وَاجِبَةٌ۔ (بحر الرائق : ج ۹ : ص ۵۰۳ : باب الوصیۃ طبع بیروت لبنان)

﴿۱۹۶﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ الخ تنبیہ مؤمنین۔ شان نزول : مشرکین مکہ خوشحال تھے تجارت کرتے تھے اور دنیا کے ساز و سامان سے متمتع ہوتے تھے بعض اہل ایمان کے منہ سے نکل گیا کہ اللہ کے دشمن تو اچھے حال میں ہیں اور ہم بھوک اور مشقت سے ہلاک ہو رہے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (اسباب النزول : ص ۸۰، طبع لاہور) تَقَلُّبُ : کا لفظ قیامت تک آنے والی سب سواریوں کو شامل ہے۔ ﴿۱۹۷﴾ ثُمَّ مَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ : نتیجہ کفار : جہنمیوں کے بارے میں کہیں "بئس المصیر" اور "وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ" فرمایا اور کہیں دوسرے الفاظ میں اس کا برا ٹھکانہ ہونا بتایا یہاں "وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ" برا بچھونا فرمایا جو سیاق کلام سے نہایت برمحل ہے کیونکہ مال والے جہاں عمدہ کھانا پینا اور لباس فاخرہ استعمال کرتے ہیں، وہاں بستر بھی عمدہ استعمال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا صرف ان کے دنیا کے بستروں پر نظر نہ کرو بلکہ آخرت کے دائمی بستروں پر نظر کرو جو دوزخ کی آگ کے ہوگئے وہاں

آرام تو کجا نیند کا وہم و گمان بھی نہیں ہوگا۔

﴿۱۹۸﴾ بشارت مؤمنین نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ الخ یہ اللہ کی طرف سے (خصوصی) مہمان نوازی ہوگی۔ (مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ "نُزُلًا" کی صفت ہے) "نُزُلًا" مہمانی کا وہ سامان جو کسی آنے والے مہمان کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ نُزُلًا: کا لفظ اہل تقویٰ کے مرتبہ کی بلندی کو ظاہر کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا مہمان بنایا اور کریم میزبان اپنی اعلیٰ استعداد و قدرت کے مطابق بہترین ضیافتی سامان مہمان کے لئے مہیا کرتا ہے۔ خَيْرٌ: وہ دنیا کے مال و متاع سے بہتر ہے یا ہر چیز سے بہتر ہے۔ لِلْاَبْرَارِ: نیکوں کے لئے۔ "لھم" نہیں فرمایا بلکہ لفظ ابرار کی صراحت کی یہ ان لوگوں کی تعریف اور عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے (کہ وہ نیک ہیں)

﴿۱۹۹﴾ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ: بعض منصفین اہل کتاب کے صفات خمسہ: امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب نجاشی کی وفات کی خبر آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی نماز پڑھو کسی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ایک حبشی غلام کی نماز پڑھیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آیت نجاشی کے متعلق نازل ہوئی۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک)

لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ: وصف ① اہل کتاب میں سے کچھ لوگ یقیناً اللہ پر یعنی اللہ کی ذات وصفات اور اسماء پر صحیح ایمان رکھتے ہیں۔ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ: وصف ② یعنی قرآن۔ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ: وصف ③ یعنی توراۃ وانجیل اور زبور۔ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ: وصف ④ لَا يَشْتَرُوْنَ الخ وصف ۔ ⑤ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ: نتیجہ: یہی لوگ ہیں جن کو خصوصی اجر ان کے رب کے پاس سے ملے گا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین (شخص) ہیں جن کا اجر دوہرا ہے (تینوں میں سے) ایک وہ کتابی شخص ہے جو (پہلے) اپنے پیغمبر پر ایمان لایا ہو (پھر) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہو۔ (بخاری: ج:۱،ص ۲۷،رقم الحدیث ۹۸ و مسلم)

سورۃ کے آخر میں ایک جامع مانع نصیحت

﴿۲۰۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الخ خلاصہ سورۃ اور کامیابی کے چار اصول: اس سورۃ کو ایک جامع مانع نصیحت پر ختم فرمایا ہے جو تمام سورۃ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے (اے ایمان والو) تمہارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جب تم کو کوئی تکلیف پہنچے خواہ کفار کی طرف سے ہو یا کسی اور کی طرف سے ہو (تو تم)۔ ① اس پر صبر کرو اور) جب کفار سے تمہارا مقابلہ ہو جائے اور تکلیف میں تم آپس میں شریک ہو (تو تم ان کے مقابلہ میں مضبوطی (دکھلاؤ) اور کوشش کرو اور صبر میں ان پر غالب رہو۔ ② مصابرت: کے معنی صفت صبر میں غالب آنے کے ہیں مطلب یہ ہے کہ جہاد میں تمہارا صبر کافروں کے صبر پر غالب رہنا چاہئے اور ظاہری اور باطنی دشمن کے بچاؤ کے لئے (ہر وقت تیار اور آمادہ رہو) اور حق تعالیٰ کی رضا اور اطاعت اور استقامت سے دل کو مضبوط رکھو اور ایسا وقت نہ آجائے کہ دشمن تمہیں غافل پا کر تم پر حملہ کر دے۔ ③ مرابطہ: کے لفظی معنی دشمن کے مقابلہ کے لیے سرحد پر گھوڑے باندھے رکھنا اور ہر وقت اپنے مورچہ پر دشمن کی مدافعت اور اس کی حفاظت کے لیے تیار اور آمادہ رہنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر وقت ظاہری اور باطنی دشمن کی تاک میں رہو کہیں اچانک وہ حملہ نہ کر دے۔ الغرض "اصْبِرُوْا" کا معنی ہے شدائد و مصائب میں صبر کرو اور نفس کو معصیت سے ہٹا کر طاعت پر روکو۔ "وَصَابِرُوْا" کا معنی ہے دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھلاؤ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ ④

تقویٰ : کے معنی ہیں کہ ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ : ترجمہ : تا کہ تم پورے کامیاب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ چار مقاصد پر سورۃ آل عمران کو ختم فرمایا ہے۔

الحمد للہ آج بروز جمعرات بوقت ساڑھے نو بجے ۳ ذوالحجہ ۱۳۹۲ھ کو سورۃ آل عمران کی تفسیر سے فراغت ہوئی

حق تعالیٰ شانہ اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائے اور مفید عام بنائے آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

بمقام جامعۃ مدینہ حسن آباد جلال پور روڈ لودھراں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ النساء

نام اور کوائف :اس سورۃ کا نام سورۃ نساء ہے جو اس سورۃ کی پہلی آیت میں لفظ نساء مذکور ہے، اس سے یہ نام ماخوذ ہے، یہ ترتیب تلاوت میں چوتھے نمبر پر ہے اور ترتیب نزول میں ۹۲: نمبر پر ہے اور اس سورۃ میں کل رکوع: ۲۴: ہیں آیات :۱۷۶: ہیں یہ سورۃ مدنی دور میں نازل ہوئی ہے۔ اور یہی قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہؒ سے مروی ہے۔

(مظہری: ص: ۲: ج: ۲: ابن کثیر: ص: ۵۰۷: ج ۲)

ربط آیات :سورۃ آل عمران تقویٰ کے مضمون پر ختم ہوئی۔ "کما قال اللہ تعالیٰ: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ اور اس سورۃ نساء کو اسی مضمون سے شروع کیا ہے "کما قال اللہ تعالیٰ: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا الخ لیکن گزشتہ سورۃ میں تقویٰ کے موقع محل میں زیادہ تر معاملات ذکر ہوئے جو مخالفین کے ساتھ پیش آئے ہیں اس سورۃ میں ان کے علاوہ باہمی معاملات بھی ہیں۔

موضوع سورۃ :اصلاح اہل عرب فی ضمن علم الخاصمہ۔

خلاصہ سورۃ :اس سورۃ میں علم الاحکام کا ذکر ہے پھر علم الاحکام کی دو قسمیں ہیں ❶ نظری اعتقادی جس میں آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کے علاوہ دیگر اعتقادیات کا بیان بھی ہے۔ ❷ احکام عملی پھر اس کے تین باب ہیں ① تہذیب اخلاق ② تدبیر منزل ③ سیاست مدنیہ۔ اس سورۃ میں دو باب بیان کئے گئے ہیں۔ ❶ تدبیر منزل۔ ❷ سیاست مدنیہ (یعنی ملک)

❶ تدبیر منزل سے مراد وہ احکام ہیں جو ایک گھر کی معاشرت اور انتظام سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً باپ بیٹے سے کس طرح پیش آئے میاں بیوی کیسے زندگی بسر کریں، نکاح بیع وشراء قرض وامانت وغیرہ کے معاملات میں فریق ثانی سے کیسے برتاؤ کیا جائے۔

❷ سیاست ملک۔ اس سے مراد وہ احکام ہیں جو شہر اور ملک کے متعلق ہیں یعنی چور، ڈاکو، امن تباہ کرنے والوں کی کیا سزا ہے؟ غاصب کے ساتھ یوں کرنا چاہئے اور اپنے بادشاہ اور امیر کی اطاعت یوں کی جاتی ہے۔

اور تدبیر منزل کا باب دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ ❶ قانون اصلاح مال۔ ❷ قانون اصلاح ازواج۔

اصلاح ازواج میں اصلاح اولاد خود بخود داخل ہو جائے گی۔ اور اگر مال کی درآمد صحیح ہو جائے یعنی مال کو اسلام کے طریقہ پر حاصل کیا جائے تو خیر کا سنگ بنیاد قائم ہو جائے گا ورنہ سنگ بنیاد میں خرابی آجائے گی، کیونکہ جس کا لقمہ حرام کا ہے نہ اس کے قلم میں نور ہوگا نہ اس کے کام میں برکت ہوگی نہ اس کی عبادت درجہ قبولیت کو پائے گی، جب یہ سب نحوستیں جمع ہو جائیں گی اور قلب مسخ ہوتا جائے گا تو پھر اولاد بھی اسی طرح کی ہوگی۔ الغرض ان سب خرابیوں کا خاتمہ مشکل ہوگا۔

فضیلت سورۃ :مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورۃ النساء میں پانچ آیتیں ایسی ہیں کہ اگر ساری دنیا مجھے مل جائے تو تب بھی اس قدر خوشی نہ ہو جتنی ان آیتوں سے ہے یعنی آیت "اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ" اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا جس کی جو نیکی ہوتی ہے اس کا ثواب بڑھا چڑھا کر دیتا ہے اور اپنی طرف سے بطور انعام جو اجر عظیم دے وہ جداگانہ ہے اور آیت "اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ" اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچ جاؤ تو تمہارے صغیرہ گناہ خود ہی معاف فرما دینگے اور تمہیں عزت والی جگہ جنت میں لے جائیں گے۔ اور آیت "اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ" یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کرنے والوں کو نہیں بخشتا باقی جس گناہ گار کو چاہے اور آیت "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا

اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ" یعنی یہ لوگ اگر گناہ سرزد ہو چکنے کے بعد تیرے پاس آجائیں اور خود بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش طلب کریں اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لئے استغفار کریں تو بے شک وہ اللہ تعالیٰ کو معافی اور مہربانی کرنے والا پائیں گے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یوں تو اس کی اسناد صحیح ہے لیکن اس کے ایک راوی عبدالرحمٰن کے اپنے باپ سے سننے میں اختلاف ہے۔ (المستدرک: ص: ۲۸۰: ج ۳، رقم حدیث ۳۲۴۷، تفسیر منیر: ص: ۲۱۹: ج۔ ۴)

عبدالرزاق کی اس روایت میں آیت "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا" کے بدلے "وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا" ہے یعنی جس شخص سے کوئی برائی کا کام ہو جائے یا اپنے نفس پر کوئی ظلم کر گزرے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنے لگ جائے تو بے شک وہ اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔

(ابن کثیر: ص: ۵۰۷: ج۔ ۲)

دونوں آیتوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ ایک آیت کا بیان کرنا پہلی حدیث میں تو رہ گیا ہے اور اس کا بیان دوسری حدیث میں ہے تو چار آیتیں پہلی حدیث کی اور پانچویں اس حدیث کی "وَمَنْ يَّعْمَلْ" مل کر پانچ ہوگئیں۔

یاد رہے "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ" ہی پر آیت پوری ہے اور "وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً" کو الگ شمار کیا گیا ہے۔ تو دونوں حدیثوں میں پانچ پانچ آیتیں ہوگئیں۔

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَسَبْعُ وَسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَاَرْبَعَةٌ وَعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ

اے لوگوں اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں پیدا کیا ایک ہی نفس سے اور پیدا کیا ہے اس نے

مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ

اسی نفس سے اس کا جوڑا اور پھیلا دیا ہے ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو اور اس اللہ سے ڈرتے رہو کہ تم سوال کرتے ہو

بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ① وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ

اس کے واسطے سے اور قرابتوں سے (خبردار رہو) بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر نگہبان ہے ﴿۱﴾ اور دے دو یتیموں کو ان کے مال

وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ

اور نہ تبدیل کرو خبیث مال کو طیب مال کے ساتھ اور نہ کھاؤ ان کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ بے شک یہ

حُوْبًا كَبِيْرًا ② وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ

بڑا گناہ ہے ﴿۲﴾ اور اگر تم خوف کھاؤ کہ تم انصاف نہ کرسکو گے یتیم لڑکیوں کے بارے میں تو نکاح کرلو جو پسند ہو تم کو

مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا

ان کے علاوہ عورتوں میں سے دو دو، تین تین، چار چار، پس اگر تم خوف کھاؤ کہ ان میں انصاف نہ کرسکو گے پس ایک عورت ہی کافی ہے یا (ان لونڈیوں سے فائدہ اٹھاؤ)

مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ﴿٣﴾ وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ

جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہیں یہ بات زیادہ قریب ہے کہ تم ایک طرف نہ جھک پڑو گے ﴿۳﴾ اور دے ڈالو عورتوں کو ان کے مہر خوشی خاطر سے

فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا ﴿٤﴾ وَلَا تُؤْتُوا

پھر اگر وہ اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تم کو اپنی خوشی سے پھر تم اس کو کھاؤ خوشگوار اور خوش ہضم ﴿۴﴾ اور نہ دو بے وقوفوں کو

السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ

اپنے مال جو کہ اللہ نے تمہارے لیے قیام اور گزران کا ذریعہ بنائے ہیں اور ان کو کھلاتے رہو ان مالوں سے اور پہناتے رہو

وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٥﴾ وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ

اور کہو ان سے معقول بات ﴿۵﴾ اور یتیموں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پس اگر تم ان سے سمجھ معلوم کرو

آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا

تو ان کے مال ان کو دے دو اور نہ کھاؤ یتیموں کے مالوں کو حد سے بڑھتے ہوئے اور جلدی کرتے ہوئے

أَن يَكْبَرُوا ۚ وَمَن كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۖ وَمَن كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ

کہ کہیں وہ بڑے نہ ہو جائیں اور جو شخص غنی ہو اس کو چاہئے کہ وہ یتیم کے مال سے بچتا رہے اور جو شخص فقیر ہو وہ

بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ

دستور کے مطابق کھائے پس جب تم ان کے مال ان کو دے دو پس ان پر گواہ بناؤ اور اللہ کافی ہے

بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿٦﴾ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ

حساب لینے والا ﴿۶﴾ مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جسے والدین اور قرابت داروں نے چھوڑا ہے اور عورتوں کے لیے بھی

نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا

حصہ ہے جسے والدین اور قرابت داروں نے چھوڑا ہے تھوڑا ہو اس سے یا زیادہ حصہ

مَّفْرُوضًا ﴿٧﴾ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم

مقرر کیا ہوا ﴿۷﴾ اور جب وراثت کی تقسیم کے وقت قرابت دار اور مسکین حاضر ہوں تو اس میں سے ان کو بھی کھلا دو

مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٨﴾ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً

اور ان کو دستور کے مطابق معقول بات کہو ﴿۸﴾ اور ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ جاتے

ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

تو ان کا کتنا خوف کھاتے پس چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور سیدھی بات کہیں ﴿۹﴾ بیشک وہ لوگ

يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۰﴾

جو یتیموں کا مال زیادتی سے کھاتے ہیں بے شک وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں عنقریب وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہونگے ﴿۱۰﴾

ع ۱۲

خلاصہ رکوع ❶ تمہید احکام امر بالتقویٰ، پہلا حکم اموال یتامیٰ کی ادائیگی، دوسرا حکم یتیم لڑکیوں کا نکاح، تیسرا حکم مہر کا بیان، چوتھا حکم یتیموں کے مال کا تحفظ، پانچواں حکم اسراف اور مبادرت کی ممانعت، چھٹا حکم مرد وعورت کی وراثت کا بیان، ساتواں حکم غیر مستحقین میراث کے لئے بوقت تقسیم احسان کا بیان، تاکید رعایت یتامیٰ، انجام غیر مستحقین۔ ماخذ آیات: ۱: تا ۱۰+

﴿۱﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ... الخ تمہید احکام امر بالتقویٰ: اول آیت کے وقت جو لوگ موجود تھے ان کو براہ راست خطاب ہے۔ اور قیامت تک آنے والے انسانوں کو اس کے ضمن میں خطاب ہے۔ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ: یعنی اس کے عذاب سے ڈرو جس کی ظاہری صورت یہ ہے کہ اس کے احکامات کے مطابق زندگی گزارو۔ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ: آغاز انسانیت۔ "مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ" ایک شخص سے یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے۔ "وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا" اور اسی سے پیدا کیا اس کے جوڑے کو یعنی حضرت حواء کو، حضرت آدم کی بائیں پسلی سے پیدا کیا "وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً" اور حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء سے پھیلایا بہت مردوں اور عورتوں کو۔ كَثِيْرًا: "رِجَالًا" کی صفت ہے چونکہ "رِجَالًا" سے مجموعہ مراد ہے اس لیے "كَثِيْرًا" بصیغہ مذکر کے ذکر کیا ہے۔ مردوں کی کثرت کا ذکر کر کے عورتوں کی کثرت مردوں سے زیادہ ہو کیونکہ ایک مرد کے لیے چار عورتیں حلال کی گئی ہیں۔

وَالْاَرْحَامَ: جمہور قراء نے "وَالْاَرْحَامَ" کو میم کے فتحہ کے ساتھ منصوب پڑھا ہے اور اس کا عطف "وَاتَّقُوا اللّٰهَ" میں لفظ "اللّٰه" پر ہے اور اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور قرابتوں سے ڈرو یعنی ان کے توڑنے سے ڈرو اور ان کے حقوق کو ادا کرتے رہو۔

اور بعض قراء نے "وَالْاَرْحَامِ" کو میم کے کسرہ کے ساتھ مجرور پڑھا ہے اور اس کا عطف "بِهٖ" کی ضمیر مجرور پر ہوگا، اور معنی یہ ہوگا اللہ سے ڈرو جس کے واسطے تم سوال کرتے ہو اور قرابتوں کے واسطے سے بھی سوال کرتے رہو۔ اور اہل عرب کی یہ حالت تھی جب اپنے کسی رشتہ دار کے پاس کوئی ضرورت لے کر جاتے تو اس سے یوں کہتے کہ میں تجھ سے اللہ اور قرابت کا واسطہ دے کر یہ سوال کرتا ہوں۔ (معارف القرآن: ج: ۲: ص: ۱۲۸ م، د، ک)

﴿۲﴾ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى ... الخ پہلا حکم اموال یتامیٰ کی ادائیگی۔ ربط آیات: گزشتہ آیت میں تقویٰ اور حقوق قرابت کی رعایت کا حکم تھا اب ان حقوق اور احکام کی تفصیل ہے۔ جس میں یتیم کے حقوق کو سرفہرست ذکر کیا ہے کیونکہ یتیم اپنی بے سروسامانی اور کم عمری کی وجہ سے زیادہ شفقت اور رعایت کا مستحق ہے۔

شان نزول: قبیلہ غطفان میں ایک شخص تھا اس کا بھتیجا یتیم ہو گیا، وہ یتیم بھتیجا اور اس کا مال اس کی سرپرستی میں تھا، جب وہ بالغ ہو گیا تو اس نے اپنے چچا سے اپنا مال طلب کیا اس نے مال دینے سے انکار کیا۔

آخر یہ مقدمہ آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش ہوا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جب اس شخص نے اس آیت کو سنا تو کہا کہ ہم نے خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کی اور ہم بڑے گناہ سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں، اور اس یتیم کا مال فوراً اس کے حوالہ کر دیا۔

(در منثور، معالم التنزیل: ص: ۸۰ ج: ۱، خازن: ص: ۱۱۴ ج: ۱، مظہری: ص: ج: ۳)

اس آیت کا مطلب باجماع علماء یہی ہے کہ یتیموں کو ان کا مال بالغ ہونے کے بعد دے دو۔ (مظہری:ص:۳۰۳ج۔۳)
اور آیت "وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ" بھی اسی مطلب پر دلالت کر رہی ہے اگرچہ سفیہ بیوقوف باوجود بالغ ہونے کے اپنے مال میں تصرف کرسکتا ہے مگر اس آیت میں اس کے قبضہ میں مال دینے کی ممانعت کی گئی ہے، لہٰذا یتیم جو نابالغ ہوتا ہے اس کو مال نہ دینے کی ممانعت بدرجہ اولیٰ ہونی چاہئے۔ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ: زمانہ جاہلیت کا دستور تھا کہ یتیموں کے سرپرست اپنے یتیم کے مال سے عمدہ مال لے لیا کرتے اور اس کی جگہ ناقص مال رکھ دیتے۔ (قرطبی:ص:۱۳ج۔۵)
وَلَا تَأْكُلُوٓا ...الخ یعنی یتیموں کا مال اپنے ساتھ تجارت وغیرہ میں لگا کر شرکت کے بہانہ سے ان کا مال کھایا جائے ایسا مت کرو۔
﴿۳﴾ وَإِنْ خِفْتُمْ ...الخ دوسرا حکم یتیم لڑکیوں کا نکاح۔ ربط آیات: گزشتہ آیت میں یتیم کے مال کو ضرر نہ پہنچانے کے متعلق ہدایت تھی، اب اس آیت میں یتیم لڑکیوں کے نکاح کے متعلق ہدایت ہے، کبھی ایسا ہوتا کہ یتیم لڑکیاں جن کی تربیت میں ہوتیں وہ لڑکی کے مال میں قرابت کی وجہ سے ایک دوسرے کے شریک ہوجاتے۔ اب اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ ولی کو اس یتیم لڑکی کا مال اور جمال دونوں پسند ہوتے ہیں، ولی اس کے مال اور جمال کے لالچ سے اس لڑکی سے تھوڑے مہر پر نکاح کر لیتا اور دیگر حقوق زوجیت بھی پورے طور پر ادا نہ کرتا۔
اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس یتیم لڑکی کی صورت تو پسند نہ ہوتی مگر مال کی وجہ سے اس سے نکاح کر لیتا تاکہ اس لڑکی کا مال میرے قبضہ سے نہ جائے، اور اس لڑکی کی طرف کوئی رغبت نہ ہوتی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر ان سے منصفانہ برتاؤ نہیں کرسکتے تو ان سے نکاح مت کرو اور ان کے سوا دوسری عورتوں سے نکاح کرو جو تم کو پسند ہوں۔ مَا طَابَ لَكُمْ: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، اور ابو مالک نے "ماطاب" کی تفسیر "ماحلّ" سے فرمائی ہے یعنی جو عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔ (قرطبی:ص:۱۸:ج:۵:روح المعانی:ص:۵۴۳:ج۔۴)
اور بعض نے "ماطاب" کے لفظی معنی کے اعتبار سے پسندیدہ کا ترجمہ کیا ہے لیکن دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو عورتیں طبعی طور پر تمہیں پسند ہوں اور تمہارے لیے شرعاً حلال بھی ہوں۔ **سوال:** "فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ" میں "ما" کا لفظ لایا گیا ہے جو عمومی طور پر غیر ذوالعقول کے لئے آتا ہے جبکہ عورتیں تو ذوالعقول ہیں؟
جواب: ① علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ "ما" اور "من" ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے رہتے ہیں جیسے "وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا" (شمس ۵:) یہاں "ما" من کے معنی میں ہے۔ اور دوسری جگہ "فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ" (نور۔۴۵) یہاں "من" "ما" کے معنی میں مستعمل ہے۔ (قرطبی:ص:۱۲:ج۔۵)
جواب: ② بعض حضرات نے کہا ہے کہ عورتیں چونکہ ناقص العقل ہوتی ہیں اس لئے غیر ذوالعقول کا درجہ دے کر "ما" کو استعمال کیا گیا ہے۔ (تفسیر کبیر:ص:۱۷۲ج۔۹)
خوارج اور روافض کا چار سے زیادہ نکاح پر استدلال: "مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ" خوارج کہتے ہیں کہ اٹھارہ عورتوں کے ساتھ بیک وقت ایک آدمی نکاح کرسکتا ہے، اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ "مثنٰی" کے معنی دو، دو۔ تو درمیان میں واو عاطفہ کو جمع کیلئے لے کر کل اٹھارہ بنتی ہیں۔
روافض کہتے ہیں کہ ایک شخص نو عورتیں بیک وقت نکاح میں رکھ سکتا ہے وہ بھی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں وہ بھی یہاں واو جمع کے لیے لیتے ہیں مگر ان میں تکرار نہیں مانتے۔ (فتح الباری)

جواب: ❶ علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (جن کو امام زین العابدین بھی کہتے ہیں) کہ یہاں واو بمعنی 'او' کے ہے تو مطلب ہوگا دو یا تین یا چار۔ (بخاری: ج:۲: ص۔۳)

اس سے ثابت ہوا کہ اس آیت میں ایک طرف تو اس بات کی اجازت دی گئی کہ ایک سے زائد دو، تین، چار عورتوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرسکتے ہو دوسری طرف یہ کہ چار کے عدد تک حد مقرر کی گئی ہے لہٰذا چار عورتوں سے زائد کی بیک وقت نکاح کی اجازت نہیں۔

جواب: ❷ اس آیت کے نزول کے بعد ایک شخص غیلان بن مسلمہ ثقفی مسلمان ہوئے اس وقت ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں اور وہ مسلمان ہوگئیں تھیں آنحضرت ﷺ نے قرآنی حکم کے مطابق اس کو حکم دیا کہ ان دس عورتوں میں سے چار کو چن لو اور باقی کو طلاق دے کر آزاد کردو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ (مشکوٰۃ: ص۔۲۷۴)

اس حدیث پاک نے اس قرآنی حکم کی تخصیص اور پابندی کو خوب واضح کردیا ہے۔

جواب: ❸ قرآن کریم "نو" یا "اٹھارہ" عورتوں سے بیک وقت نکاح کی اجازت دیتا تو (تسع) یا (ثمانیۃ عشر) کا مختصر لفظ استعمال کرتا جو اسلوب قرآن کریم کے عین مطابق تھا مگر قرآن کریم نے یہ لفظ استعمال نہیں کیا جس سے واضح ہوا کہ یہ گنتی قرآن کریم میں مطلوب نہیں جو فریق مخالفین نے سمجھی ہے۔

جواب: ❹ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے یہاں واو موضع بدل میں استعمال ہوئی ہے مطلب یہ ہے "اِنْكِحُوا ثَلٰثَ بَدَلًا مِنْ مَثْنٰى، وَرُبٰعَ بَدَلًا مِنْ ثُلٰثَ" یعنی دو کے بجائے تین سے نکاح کرسکتے ہو تین کے بجائے چار سے نکاح کرسکتے ہو۔ (احکام القرآن: ص:۱۷: ج۔۵)

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ: عدم انصاف کی صورت میں ایک آزاد اور مملوکات پر اکتفا کا حکم: یعنی اگر تم کو اس سے خوف ہو کہ چار بیویوں کے درمیان عدل نہ کرسکو گے تو ایک ہی بیوی پر بس کرو، یا جو کنیز شرعی اصول کے مطابق تمہاری ملک میں ہو اس سے گزارہ کرلو۔ مطلب یہ ہے کہ شرعی جہاد میں جو کفار کی عورتیں گرفتار ہو کر آئیں امیر لشکر جس کو وہ عورتیں دیدے یہ کنیزیں ہونگی اب وہ جس کی ملکیت میں جائیں گی اس کے لئے ان سے جماع کرنا جائز ہے بشرطیکہ ایک حیض گزر جائے۔

مسئلہ: مساوات حقوق جو منکوحہ (آزاد) عورتوں کے لیے لازم ہے وہ باندیوں کے لئے لازم نہیں نہ ان کی تعداد کی کوئی خاص حد مقرر ہے۔ اور باندی سے جو اولاد ہوگی وہ ثابت النسب ہوگی، اور وہ اولاد آزاد ہوگی۔ اور جس باندی سے اولاد پیدا ہوگی وہ باندی آقا کی موت کے بعد آزاد ہوجائے گی۔ تفصیلی احکام کتب فقہ میں دیکھیں۔

ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا: یہ فعل صرف ایک عورت سے نکاح اور باندیوں پر قناعت ایک طرف مڑ نہ جانے کے قریب تر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "اَلَّا تَعُوْلُوْا" کا مطلب آنحضرت ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ حق تلفی نہ کرنے کے قریب تر ہے۔ (ابن کثیر: ص:۱۷۱: ج:۲: تفسیر ابن قیم: ص۔۲۱۹)

ایک عورت کے لئے متعدد خاوند ہونے کی ممانعت کی وجوہات

❶ اگر ایک عورت چند مردوں میں مشترک ہو تو استحقاق نکاح کی وجہ سے ایک وقت میں ہر ایک کو قضاء حاجت کی ضرورت پیش آسکتی ہے، اب اس میں غالب اندیشہ فساد ہے اور عجب نہیں کہ نوبت قتل تک آجائے۔

❷ مرد حاکم ہے اور عورت محکوم ہے اور ایک حاکم کے لیے متعدد محکوم ہونے چاہئیں، اور متعدد اشخاص کا ایک حاکم کے ماتحت رہنا کوئی ذلت و حقارت کا باعث نہیں ہے، بخلاف اس کے ایک شخص متعدد حاکموں کا ماتحت ہو تو باعث مصیبت

ہے۔ الغرض جس قدر حاکم زیادہ ہوں گے محکوم زیادہ ذلیل ہوگا۔ لہٰذا ایک مرد کے لیے متعدد عورتوں کا ہونا درست ہے بخلاف ایک عورت کے اس کے متعدد مرد ہوں تو باعث رسوائی ہے۔

۳ اگر ایک عورت کے متعدد خاوند ہوں تو اولاد پیدا ہوگی ان کا نسب معلوم نہیں ہوگا وراثت کی تقسیم اور اسکے علاوہ اور کئی مسائل کھڑے ہو سکتے ہیں اس لیے شریعت نے متعدد فتنوں کا دروازہ بند کرنے کے لیے ایک عورت کیلئے متعدد خاوندوں سے نکاح ممنوع قرار دیا ہے۔

۴ اگر ایک مرد چار عورتوں کے پاس جائے تو چاروں کو حاملہ بنا سکتا ہے مگر ایک عورت چار مردوں کے پاس جائے تو صرف ایک مرد سے حاملہ ہوگی باقی تین کا نطفہ ضائع ہو جائے گا اس لئے فطرتی طور پر عورت ایک مرد کے لئے پیدا کی گئی ہے اور اس کے علاوہ عورت پر حیض ونفاس اور حمل کے کچھ ایام ایسے بھی آتے ہیں کہ وہ مرد کے لئے قابل استعمال نہیں رہ سکتی اگر چار مردوں سے اس کا سلسلہ ازدواج ہو جائے تو ان حالات میں ایک کے قابل ہی نہیں تو چار کے لئے کیسے قابل تسکین ہو سکتی ہے۔

یہاں احکام نکاح کی مناسبت سے چار مسائل کا یاد رکھنا ضروری ہے:

۱ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حضرت امامہ کے حق میں وصیت برائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شادی۔ ۲ محرم الحرام میں شادی کیا ممنوع ہے؟۔ ۳ ماتم کی حقیقت۔ ۴ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت علی المرتضی کی صاحبزادی ام کلثوم سے نکاح۔

مسئلہ: ۱ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کے حق میں وصیت: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیک وقت اٹھارہ کنیزیں اور چار ازواج تھیں کتب اہل سنت اور اہل تشیع میں اس کی تصریح موجود ہے ہم اس کی مختصر وضاحت بیان کرتے ہیں۔

امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہ حضرت زینب کی صاحبزادی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سگی بھانجی تھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آخری ایام زندگی میں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو امامہ رضی اللہ عنہا کے متعلق وصیت فرمائی کہ میرے بعد آپ شادی کرنا چاہیں تو میری بھانجی امامہ رضی اللہ عنہا کو نکاح میں لے لینا یہ وصیت متعدد علماء نے ذکر کی ہے۔ اہل سنت سے تائید:

چنانچہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "وَلَمَّا كَبُرَتْ أُمَامَةُ تَزَوَّجَهَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ بَعْدَ مَوْتِ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَكَانَتْ وَصَّتْ عَلِيًّا أَنْ يَتَزَوَّجَهَا فَلَمَّا تُوُفِّيَتْ فَاطِمَةُ تَزَوَّجَهَا"

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ: ص: ۴۰۰ ج: ۵: تحت امامۃ بنت ابی العاص بن الربیع)

یعنی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا جوان ہوگئیں تو ان سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد شادی کی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ آپ ان کے ساتھ شادی کر لینا جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق ان سے شادی کی۔

شیعہ کی جانب سے تائید ۱ مذکورہ وصیت اور اس پر عمل درآمد کے متعلق شیعہ علماء نے بھی اس کی تائید کی ہے اور باسند کتابوں میں اس وصیت کا اندراج کیا۔ چنانچہ فروغ کافی: ص: ۵۵۵: ج: ۵: طبع تہران کتاب النکاح باب النوادر میں مذکور ہے:

"عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ أَوْصَتْ فَاطِمَةُ إِلَى عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ يَتَزَوَّجَ ابْنَةَ أُخْتِهَا مِنْ بَعْدِهَا فَفَعَلَ"۔

یعنی امام محمد باقر سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی تھی کہ میری بہن کی بیٹی سے میرے بعد آپ شادی کر لینا پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس وصیت پر عمل کرتے ہوئے (امامہ بنت ابی العاص بن ربیع سے) شادی کی۔

نوٹ: اس روایت کا حاشیہ۔ ۴۔ بھی قابل دید ہے چونکہ اس میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی لکھا

ہے جبکہ اہل تشیع صرف ایک بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہی قائل ہیں۔ (تفصیل کے لئے پندرہویں صدی کے شیعوں کے مجتہد اعظم غلام حسین نجفی کی کتاب قول مقبول دیکھیں)

❷ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ان کی بھانجی امامہ سے شادی کی اور ایک روایت ہے کہ جناب فاطمہ کی وفات کے تین راتوں بعد امامہ کی شادی ہوئی اور جب امیر المؤمنین کی شہادت ہوئی تو چار بیویاں اور اٹھارہ ام الولد (کنیزیں) آنجناب کی موجود تھیں اور ان چار خواتین کے نام یہ ہیں ❶ امامہ۔ ❷ اسماء بنت عمیس۔ ❸ لیلیٰ تمیمیہ۔ ❹ ام البنین۔ (احسن المقال ترجمہ منتھی الآمال، ص:۲۲۲، ج:۱، امامیہ پبلیکیشنز پاکستان)

مسئلہ: ❷ محرم الحرام میں شادی کیا ممنوع ہے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تین راتوں کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت امامہ سے شادی ہوئی جبکہ اہل تشیع غم حسین رضی اللہ عنہ کی وجہ سے محرم الحرام میں شادی کرنے سے منع کرتے ہیں اور عوام الناس میں بھی اس کو معیوب سمجھا جاتا ہے جبکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مقام و مرتبہ ارفع، افضل، اور اعلیٰ ہے کیونکہ وہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر اور بتول جنت ہے جب کبھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تشریف لاتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی کے احترام کے لئے کھڑے ہو جاتے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دنیا میں اپنی مثال آپ ہی تھی دستور کے مطابق ان کی وفات اور فراق پر سب سے زیادہ غم اور اضطراب ہونا چاہئے تھا جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انکی وفات کے تین راتوں بعد ان کی بھانجی امامہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور اس کو انہوں نے برا نہیں منایا اور نہ شریعت اسلام کے خلاف سمجھا ہے یہ حضرات تو دین اسلام کے لئے مر مٹنے والے تھے اور اس کی مثال وہ خود ہی تھے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی محبت اور شفقت کا مرکز اور محور تھے اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تاجدار، دلدار، شہسوار، عزم و ہمت کی تلوار، جسم نبوت کی یادگار، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پہریدار تھے اور جنت کے نوجوانوں کے سردار تھے مگر مقام اور مرتبہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کم تھے تو ان کے نام نہاد غم شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی وجہ سے محرم میں شادی کرنا کیوں ممنوع قرار دیتے ہیں اور اس کو کیوں برا مناتے ہیں اور اس پر کونسی نص قطعی وارد ہے، حالانکہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے اسی مہینہ میں ہوا، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے بھی اسی ماہ میں ہوا، سب سے بڑی عجیب بات یہ ہے کہ خود حضرت فاطمہؓ کا نکاح یکم محرم الحرام کو ہوا، بقول شیخ مفید، ابن طاؤس اور اکثر اکابر کے نزدیک دیکھیں جلاء العیون: ص:۱۶۶: فصل پنجم در بیان تزویج امیر المؤمنین و فاطمہ علیہا السلام است:۔ پھر اس محترم مکرم مہینہ کو کیوں منحوس سمجھا جاتا ہے؟ کیا اس وجہ سے منحوس سمجھا جاتا ہے کہ اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی ہے؟

اور دیگر خوشی کی تقریبات نکاح وغیرہ کو ممنوع قرار دیا گیا ہے حالانکہ اسلام سے پہلے بھی یہ مہینہ محترم و مکرم اور فضیلت والا سمجھا جاتا تھا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کو نجات اسی دن ملی اور وہ اس نعمت کے شکرانے کے طور پر اس دن روزہ رکھتے تھے البتہ یوں کہنا تو زیادہ درست ہوگا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اس فضیلت والے مہینے میں ہوئی اور ایسے فضیلت والے مہینہ میں نکاح وغیرہ کی تقریبات زیادہ کرنی چاہئیں نہ کہ فضیلت والے مہینے کو چھوڑ دیا جائے۔ حالانکہ شہداء کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک مقام پر ارشاد فرمایا کہ ان کو مردہ نہ کہو۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے کہ ان کو مردہ گمان بھی نہ کرو کیونکہ وہ زندہ ہیں۔ زندہ پر غم نہیں کیا جاتا اگر زندہ پر غم کیا جائے تو لوگ شہید ہونے سے ڈریں گے حالانکہ شجر اسلام کی آبیاری اللہ نے شہداء کے خون میں رکھی ہے۔

خلاصہ کلام: اسلام کی تاریخ شہداء سے بھری پڑی ہے سب شہداء مقام و مرتبہ کے اعتبار سے ارفع و اعلیٰ ہیں پھر تو کسی دن

بھی شادی کرنا جائز نہ ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے یہ محض ساری باتیں دین اسلام کی تعلیمات سے دوری کی علامتیں ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

مسئلہ: ۳ ماتم کی حقیقت: قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے ہمیں غمی کے وقت صبر اور تحمل کا سبق ملتا ہے اور مؤمن وہی ہے جو قرآن و سنت اور احادیث نبویہ کے مطابق اپنی زندگی گزارتا ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین کو اپنی زندگی کا محور اور مرکز سمجھتا ہے۔

چنانچہ اہل سنت اور اہل تشیع کی کتب میں واضح تصریحات موجود ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ و ائمہ اہل بیت کے ارشادات میں ہر مصیبت پر صبر کی تلقین اور جزع و فزع، بے صبری اور ہائے وائے کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس مسئلہ کی حقیقت و تفصیل سورۃ توبہ آیت: ۳۰ کے ذیل میں آئے گی انشاء اللہ۔

مسئلہ: ۴ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت علی المرتضیٰ کی صاحبزادی ام کلثوم سے نکاح: دنیا میں یہ بات مسلم ہے کہ جب دو شخصوں کے درمیان رشتہ داری کا تعلق قائم ہوتا ہے تو وہ باہمی اعتماد اور وثوق کی بناء پر ہوتا ہے آپس میں رشتہ داری قائم کر دینے کے بعد یہ برادرانہ تعلقات مضبوط سے مضبوط تر ہو جاتے ہیں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا رشتہ طلب کیا تو انہوں نے خیر خوبی اور رضامندی سے اپنی صاحبزادی کا نکاح سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کیا اس کا اثبات واضح لفظوں میں کتب اہل سنت و کتب انساب اور کتب اہل تشیع میں موجود ہے۔

ہم امت مسلمہ کی تسلی کیلئے یہاں بالترتیب چند حوالہ جات پیش کرتے ہیں جس سے اس مسئلہ کی پوری حقیقت واضح ہو جائے گی۔

❶ کتب اہل سنت سے ایک حوالہ پیش نظر رہے: "عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ اِلٰى عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رضی اللہ عنہ اِبْنَتَهٗ اُمَّ كُلْثُوْمٍ فَقَالَ عَلِيٌّ اِنَّمَا حَبَسْتُ بَنَاتِيْ عَلٰى بَنِيْ جَعْفَرٍ فَقَالَ اَنْكِحْنِيْهَا فَوَاللّٰهِ مَا عَلَى الْاَرْضِ رَجُلٌ اَرْصَدَ مِنْ حُسْنِ عِشْرَتِهَا مَا اَرْصَدْتُّ فَقَالَ عَلِيٌّ قَدْ اَنْكَحْتُهَا فَجَاءَ عُمَرُ اِلٰى مَجْلِسِ الْمُهَاجِرِيْنَ بَيْنَ الْقَبْرِ وَالْمِنْبَرِ وَكَانَ الْمُهَاجِرُوْنَ يَجْلِسُوْنَ ثَمَّ وَ عَلِيٌّ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرُ وَ عُثْمَانُ وَطَلْحَةُ وَسَعْدٌ فَاِذَا كَانَ الشَّيْءُ يَاْتِيْ عُمَرَ الْاَمْرُ مِنَ الْاٰفَاقِ وَيَقْضِيْ فِيْهِ جَاءَهُمْ وَاَخْبَرَهُمْ ذٰلِكَ وَاسْتَشَارَهُمْ كُلَّهُمْ فَقَالَ رَفِّئُوْنِيْ قَالُوْا بِمَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ بِابْنَةِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ ثُمَّ اَنْشَاَ يُحَدِّثُهُمْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ كُلُّ نَسَبٍ وَّ سَبَبٍ مُنْقَطِعٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا نَسَبِيْ وَسَبَبِيْ كُنْتُ صَحِبْتُهٗ فَاَحْبَبْتُ اَنْ يَّكُوْنَ هٰذَا اِلٰى اَيْضاً"۔

(کتاب السنن قسم اول، ج: ۳: ص۔ ۱۳۰، لسعید بن منصور الخراسانی المکی المتوفی ۲۲۷ھ قسم اول از جلد ثالث باب النظر الی المرأۃ اذا اراد ان یتزوجہا، من مطبوعات المجلس العلمی کراچی وڈابھیل)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جعفر صادق اپنے والد حضرت محمد باقر سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کی لڑکی ام کلثوم کا رشتہ طلب کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنی لڑکیاں اپنے بھائی کے بیٹوں کیلئے روک رکھی ہیں اس کے بعد پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رشتہ کی خواہش ظاہر کی اور کہا کہ آپ مجھ سے نکاح کر دیں میں اس رشتہ کی حسن معاشرت کو اس طرح نگاہ میں رکھوں گا کہ کوئی اور شخص ملحوظ نہ رکھ سکے گا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نکاح کر دیا اس کے بعد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مہاجرین حضرات کی مجلس میں (جو مسجد نبوی میں ہوا کرتی تھی) تشریف لائے، عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، طلحہ، سعد رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ یہ سب حضرات وہاں بیٹھے تھے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اطراف عالم سے کوئی معاملہ آیا کرتا اور

اس کے متعلق فیصلہ کرنا ہوتا تو اس کیلئے ان حضرات کو اطلاع کرتے اور ان سب سے مشورہ لیتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے مبارک باد دیجئے انہوں نے کہا کس بات کی؟ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے کہا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی لڑکی ام کلثوم سے میرا نکاح ہوا ہے پھر انکو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نسب وسبب قیامت کے روز منقطع ہو جائے گا مگر ایک میرا نسب اور انتساب فائدہ مند ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مصاحب وہم نشین تو رہا ہوں اور میں پسند کرتا تھا کہ نسبی تعلق بھی قائم ہو جائے تو وہ اب حاصل ہو گیا۔

❷ کتب انساب سے بھی ایک حوالہ پیش نظر رہے:۔ ① "وَزَيْنَبُ ابْنَتُ عَلِيِّ الْكُبْرَىٰ وَلَدَتْ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرَ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ"۔ ② وَاُمُّ كُلْثُوْمِ الْكُبْرَىٰ وَلَدَتْ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَاُمُّهُمْ فَاطِمَةُ بِنْتُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

(کتاب نسب قریش: ص: ۱۴: ولد علی بن ابی طالب، طبع مصر)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لڑکی زینب کبریٰ کے بطن سے عبداللہ بن جعفر کی اولاد ہوئی اور کلثوم کبریٰ کے بطن سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا بچہ تولد ہوا ان ہر دو کی ماں سیدہ فاطمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ (بحوالہ رحماء بینھم: ص: ۲۲۴: حصہ دوم)

❸ کتب اہل تشیع سے بھی بقدر ضرورت حوالہ جات پیش نظر رہیں:۔ ① "عَنْ جَعْفَرَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ مَاتَتْ اُمُّ كُلْثُوْمِ بِنْتُ عَلِيٍّ وَابْنُهَا زَيْدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ سَاعَةٍ وَّاحِدَةٍ"۔ (تہذیب شیعہ: ج: ۲: ص: ۳۸۰ س۔ ۲)

امام جعفر صادق اپنے والد امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں کہ سیدہ ام کلثوم جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور ان کا بیٹا زید جو حضرت عمر بن الخطاب کا بیٹا تھا دونوں (ماں اور بیٹا) ایک ہی وقت فوت ہوئے تھے۔

حضرت امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان سے ثابت ہے کہ سیدنا علی شیر خدا کی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر بن الخطاب سے ہوا تھا جن کا ایک بیٹا حضرت سیدہ ام کلثوم سے زید بن عمر پیدا ہوا تھا اور ماں بیٹا اکھٹے فوت ہوئے۔

② عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سَئَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ امْرَأَةٍ تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا اَيْنَ تَعْتَدُّ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا اَوْ حَيْثُ شَاءَتْ؛ قَالَ بَلْ حَيْثُ شَاءَتْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ عَلِيًّا صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ لَمَّا مَاتَ عُمَرُ اَتٰى اُمَّ كُلْثُوْمِ فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَانْطَلَقَ بِهَا اِلٰى بَيْتِهِ"۔ (فروع کافی: ج: ۲: ص: ۳۱۳: حصہ اول تہذیب: ج: ۲: ص۔ ۲۳۸)

سلیمان بن خالد کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے وہ عدت خاوند کے گھر میں گذارے یا جہاں چاہے گذارے؟ انہوں نے فرمایا وہ جہاں چاہے عدت گذارے پھر فرمایا بہ تحقیق حضرت علی صلوات اللہ علیہ حضرت عمر کی وفات کے بعد سیدہ ام کلثوم کے پاس گئے اور ان کو حضرت عمر کے گھر سے اپنے گھر لے آئے۔ انہی دونوں کتابوں میں ان صفحات پر انہی الفاظ میں امام جعفر صادقؒ سے دوسرے راویوں کی روایت بھی موجود و منقول ہے۔

④ فروع کافی مصنفہ محمد بن یعقوب کلینی میں ایک مستقل باب ہے جس کا عنوان یہ ہے: "باب فی تزویج ام کلثوم" یہ باب سیدہ ام کلثوم کے نکاح میں ہے۔ جس میں محمد بن یعقوب کلینی نے حضرت امام جعفر صادق سے دو روایتیں (ان دونوں روایتوں کے متعلق مرآۃ العقول، ص: ۲۷، ج: ۸: مطبوعہ احیاء الکتب الاسلامیہ ایران قم: پر مرقوم ہے کہ یہ دونوں روایتیں حسن ہیں ضعیف بھی نہیں) نقل کی ہیں جن سے بخوبی ثابت ہے کہ خاندان نبوت کی چشم و چراغ سیدہ ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا گیا تھا۔

(فروع کافی: ص: ۳۴۷، طبع الاعلمی للمطبوعات بیروت، لبنان)

فروع کافی میں محمد بن یعقوب کلینی لکھتا ہے کہ امام جعفر صادقؒ سے مسئلہ دریافت کیا گیا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے تو وہ عدت کے ایام خاوند کے گھر پر گذارے یا جہاں مناسب خیال کرے وہاں؟ تو انہوں نے جواباً فرمایا: بَلْ حَيْثُ شَاءَتْ اِنَّ عَلِياً علیه السلام لَمَّا تُوُفِّيَ عُمَرُ اَتَی اُمَّ كُلْثُوْمٍ فَانْطَلَقَ بِهَا اِلٰی بَيْتِهٖ"۔ (فروع کافی: ص ۸۴: ۹۵۹ بباب المتوفیٰ عنها زوجها المدخول بها این تعتد وما یجب علیها: کتاب الطلاق: ترجمہ: اپنے گھر میں یا جہاں چاہے عدت گذارے، جب حضرت عمرؓ کی وفات ہوگئی تو حضرت علیؓ اپنی بیٹی ام کلثوم کو اپنے گھر لے گئے تھے۔ یہ روایت اپنے مدلول میں واضح ہے اور اصول کافی کی دونوں روایات کی تشریح نمبر (۸) کے ذیل میں آرہی ہے۔

④ قاضی نوراللہ شوستری شیعہ مجتہد لکھتا ہے کہ: "اگر نبی دختر بعثمان داد و علی دختر بعمر فرستاد"۔ (مجالس المؤمنین: ص ۸۷:) اگر نبی علیہ السلام نے عثمان کو بیٹی دی تھی تو حضرت علی نے عمر کو دے دی۔

⑤ قاضی نوراللہ شوستری شیعہ نے لکھا ہے کہ کسی نے ابوالحسن سے پوچھا: "کہ چرا آں کہ حضرت دختر خود را بعمر بن خطاب داد؟ گفت بواسطہ آنکہ اظہار شہادتین مے نمود بزبان و اقرار بفضل حضرت امیر مے کرد" (شیعہ مجالس المؤمنین: ص ۱۸۸)

کہ حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی دختر نیک اختر عمر بن خطاب کو کیوں دی تھی؟ اس نے جواب دیا اس وجہ سے کہ عمر توحید خدا تعالیٰ اور رسالت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت زبان سے ظاہر کرتا تھا اور حضرت امیرالمؤمنین علی کی فضیلت کا اقرار بھی کرتا تھا۔

⑥ قاضی نوراللہ شوستری شیعہ مجتہد لکھتا ہے کہ "محمد بن جعفر بعد از فوت عمر بن خطاب بشرف مصاہرت حضرت امیر المؤمنین علیہ الصلوٰۃ وآلہ مشرف گشتہ وام کلثوم را کہ بعدم کفات از روئے اکراہ در حبالہ عمر بود تزویج نمود"۔ (مجالس المؤمنین: ص ۸۳)

محمد بن جعفر طیار نے عمر بن خطاب کی وفات کے بعد سیدہ ام کلثوم سے نکاح کر کے حضرت سیدنا علی امیرالمؤمنین صلوات اللہ علیہ وآلہ کی دامادی کا شرف حاصل کیا اور یہ سیدہ ام کلثوم پہلے اکراہ سے عمر کے حبالہ نکاح میں تھی کیونکہ عمر ان کے ہم کفو نہ تھے۔

⑦ بعض لوگ اپنی نادانی میں کہتے ہیں کہ حضرت عمر کا نکاح سیدنا علی کی بیٹی سیدہ ام کلثوم سے نہیں ہوا تھا ان گذشتہ حوالہ جات اور آنے والے حوالہ جات سے بخوبی واضح اور ثابت ہوتا ہے کہ واقعی حضرت عمر کا نکاح سیدہ ام کلثوم دختر علی رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جس کا انکار ممکن نہیں۔ جیسا کہ قاضی نوراللہ شوستری مجتہد شیعہ نے لکھا ہے: "و ہیچ کس منکر آں نیست کہ تزویج ام کلثوم با عمر بوسیلہ عباس بود"۔ (مصائب النواصب: ص ۱۶۹)

شیعہ میں سے کوئی اس کا منکر نہیں کہ سیدہ ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر کے ساتھ بذریعہ حضرت عباس کیا گیا تھا۔

ویسے اس نکاح کا اعتراف و اقرار شریف مرتضیٰ نے اپنی معتبر کتاب الشافی: ص ۲۱۶: و: ص: ۵۴۳ اور قاضی نوراللہ شوستری نے اپنی کتاب مجالس المؤمنین: ص: ۸۷: پر واضح طور پر کیا ہے کہ ام کلثوم دختر علی کا نکاح حضرت عمر سے ہوا تھا۔

بعض لوگ اس نکاح کا انکار اس طرح کرتے ہیں کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عین شادی کے موقع پر اپنی صاحبزادی کو چھپا لیا اور اپنے اعجاز وکرامت سے نجران کی ایک جنیہ کو اپنی شاہزادی ام کلثوم کی شکل میں حضرت عمر کے گھر بھیج دیا تھا۔

⑧ لیکن گذشتہ تمام روایات اس بات کی تردید کرتی ہیں کیا حضرت عمر کا بیٹا جو زید پیدا ہوا تھا وہ جنیہ سے پیدا ہوا تھا؟ یا محمد بن جعفر طیار سے جوان کا نکاح حضرت عمر کی وفات کے بعد ہوا تھا وہ جنیہ تھی؟ یا جو حضرات شیعہ یہ لکھتے گئے ہیں کہ اس نکاح کا

انکار نہیں ہو سکتا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر شہادتین کا اظہار اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اقرار کرتے تھے اس لئے سیدہ ام کلثوم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نکاح درست تھا۔

چنانچہ علامہ باقر مجلسی لکھتا ہے" کہ ان روایات کی موجودگی میں جو حضرت عمر کے ساتھ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت علی کی لڑکی کے نکاح کے بارے میں ثابت ہیں شیخ مفید کا انکار کرنا نہایت تعجب کی بات ہے

⑨ "اِنْکَارُ ذٰلِکَ عَجِیْبٌ وَالْاَصْلُ فِی الْجَوَابِ هُوَ اَنَّ ذَالِکَ وَقَعَ عَلٰی سَبِیْلِ التَّقِیَّةِ وَالْاِضْطِرَارِ وَلَا اِسْتِبْعَادَ فِیْ ذٰلِکَ"۔ (مرآۃ العقول شرح الاصول والفروع: ص: ۲۰۹ ج ۸ مطبوعہ احیاء الکتب الاسلامیہ ایران قم)

اس نکاح کا انکار کرنا (اتنی روایات کی موجودگی میں) عجیب ہے اصل میں اس نکاح کا جواب یہ ہے کہ یہ نکاح بطور تقیہ اور لاچاری کے کیا گیا تھا جس میں کوئی استبعاد اور اشکال نہیں۔

⑩ بعض لوگ یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ حضرت عمر کا نکاح جس ام کلثوم سے ہوا تھا وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں جو حضرت اسماء بنت عمیس زوجہ صدیق سے پیدا ہوئی تھیں اور حضرت صدیق کی وفات کے بعد حضرت اسماء کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جس کے باعث وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پرورش میں رہیں تھیں ان کی ربیبہ ہونے کی وجہ سے مجازاً حضرت علی کی بیٹی کہا گیا۔

یہ بات تاریخی طور پر غلط ہے کیونکہ ام کلثوم بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت اسماء بنت عمیس نہ تھیں کہ جن کے حضرت علی کے نکاح کرنے کے بعد ام کلثوم ان کی ربیبہ ہو سکتیں بلکہ ام کلثوم بنت ابوبکر کی والدہ ماجدہ حبیبہ بنت خارجہ تھیں۔

چنانچہ اصابہ فی تمیز الصحابہ رحمہ اللہ جز رابع حرف الکاف: ص: ۴۶۹ پر ہے: "اُمُّ کُلْثُوْمٍ بِنْتُ اَبِیْ بَکْرٍ اُمُّهَا حَبِیْبَةُ بِنْتُ خَارِجَةَ وَضَعَتْهَا بَعْدَ مَوْتِ اَبِیْ بَکْرٍ"۔ ام کلثوم بنت ابوبکر کی ماں حبیبہ بنت خارجہ تھیں اور یہ ام کلثوم ان سے ابوبکر کی وفات کے بعد پیدا ہوئی تھیں۔ نیز اسی کتاب: ص: ۴۶۱ پر ہے: "حَبِیْبَةُ بِنْتُ خَارِجَةَ زَوْجَةُ اَبِیْ بَکْرِنِ الصِّدِّیْقِ وَوَالِدَةُ اُمِّ کُلْثُوْمٍ اِبْنَتِهَا الَّتِیْ مَاتَ اَبُوْ بَکْرٍ وَهِیَ حَامِلٌ بِهَا"۔ حبیبہ بنت خارجہ ابوبکر صدیق کی زوجہ تھیں اور ام کلثوم کی والدہ تھیں یہ ام کلثوم ابوبکر کی وہ بیٹی ہیں جبکہ ابوبکر کی وفات ہوئی تھی تو یہ اس وقت حبیبہ بنت خارجہ کے بطن میں تھیں جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔

نیز ام کلثوم بنت ابی بکر صدیق کے نکاح کے متعلق طبقات ابن سعد جزء ثامن: ص۔ ۴۶۲ پر مرقوم ہے کہ ام کلثوم بنت ابوبکر کے متعلق کسی نے نہیں لکھا کہ ان کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا یا ان سے ان کا بیٹا زید پیدا ہوا تھا۔

⑪ شیعہ کتابوں میں اس کی صراحت موجود ہے کہ جناب ام کلثوم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا تھا ان کی والدہ ماجدہ خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تھیں۔

دور پہلوی کی ایرانی سلطنت میں مجلس شوریٰ کے ایک وزیر تھے ان کا نام مرزا عباس قلی خان تھا انہوں نے شاہ ایران مظفر الدین قاچار کی سرپرستی میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام "تاریخ طراز مذہب مظفری" تھا اس کتاب میں مستقل ایک باب ہے جو ص: ۵۷ سے شروع ہو کر: ص: ۶۷ پر ختم ہوتا ہے جس کا عنوان "حکایت تزویج ام کلثوم با عمر بن خطاب" ہے۔

-جناب ام کلثوم کبریٰ دختر فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا در سرائے عمر بن خطاب بود از فرزند بیا ورد چنانکہ مذکور گشت وچون عمر مقتول شد محمد بن جعفر بن ابی طالب اوراد حبالہ نکاح در آورد۔ جناب ام کلثوم کبریٰ فاطمۃ الزہراء کی بیٹی حضرت عمر بن خطاب کے گھر میں تھیں اور حضرت عمر سے ان کا فرزند ہوا جیسا کہ بیان ہو چکا اور جب عمر قتل کئے

گئے تو محمد بن جعفر بن ابی طالب سے ان کا نکاح ہوا۔ اس کے علاوہ انہوں نے شیعہ کی معتبر روایات اور علماء شیعہ کے مندرجات جمع کئے ہیں۔

حاصل کلام: مذکورہ تمام حوالہ جات سے واضح ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

محسن الملک جناب مہدی علی خان منیر جنگ جو باوجود شیعی خاندان سے مجتہد وقت تھے اور بعد میں شیعیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو گئے تھے، اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: روایت نکاح ام کلثوم شیعہ کی کتب احادیث، اخبار، فقہ، اور کلام میں اس کثرت سے مذکور ہے کہ کسی طرح اس سے انکار نہیں ہو سکتا اور ایسی متواتر خبر کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا تادم زندگی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ام کلثوم ان کے نکاح میں رہیں ان سے زید بن عمر خطاب ایک لڑکا پیدا ہوا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت ام کلثوم کا دوسرا نکاح محمد بن جعفر طیار سے ہوا۔ (آیات بینات: ص: ۱۹۳: محسن الملک نواب مہدی علی خان منیر جنگ)

﴿۴﴾ وَاٰتُوا النِّسَآءَ الخ تیسرا حکم مہر کا بیان: اس آیت میں مہر کا بیان ہے جو نکاح کے لوازمات میں سے ہے یعنی جن عورتوں سے نکاح کرو ان پر ظلم نہ کرو ان کے مقرر کردہ مہر نہ کھاجاؤ بلکہ خوشی سے دے دو ہاں اگر وہ عورتیں خوش دلی سے تمہیں کچھ چھوڑ دیں یا ہبہ کر دیں تو کھاؤ۔

هَنِيْٓـئًا: کے معنی لذیذ اور خوشگوار کے ہیں اور "مَرِيْٓـئًا" کے معنی یہ ہیں کہ جس کا انجام بخیر ہو اور ٹھیک ہضم ہو جائے، اور کچھ نقصان نہ دے باقی عورتوں کا مہر خوش دلی سے ادا کرنا یہ مردوں پر عورتوں کا حق ہے۔

مہر شرعی: حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت تابعی رحمہ اللہ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے۔ (ہدایہ ج: ۲: ص: ۳۲۴: کتاب النکاح باب المہر) اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ محض تفاخر اور نمائش کے لیے زیادہ مہر مقرر کرنا درست نہیں ہے، بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سب سے زیادہ موجب برکت نکاح وہ ہے جس کا مہر اور دیگر مصارف کم ہوں۔ مشکوۃ شریف: ص ۲۶۸: حدیث میں ہے جو شخص بیوی کا مہر ادا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو وہ زانی ہے: مجمع الزوائد: ص ۲۸۴: ابن ابی شیبہ: ج: ۴: ص: ۳۰۶: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور بنات طاہرات رضی اللہ عنہن کا مہر پانچ سو درہم تھا۔ (مشکوۃ: ص ۲۷۷: کتاب النکاح باب الصداق)

مسئلہ: بعض علاقوں میں شرعی مہر بتیس روپے مقرر کئے جاتے ہیں یہ غلط ہے، دس درہم سے کم مہر نہیں ہے۔

(اعلاء السنن مبحث المہر: ص: ۸۰: ج۔۱)

﴿۵﴾ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ... الخ چوتھا حکم یتیموں کے مال کا تحفظ: اس سے کون لوگ مراد ہیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے یتیم لڑکے اور یتیم لڑکیاں مراد ہیں اور "اَمْوَالَكُمُ" سے یتیموں کے اموال مراد ہیں چونکہ یہ اموال اولیاء کے تصرف میں ہوتے ہیں اس لئے مخاطبین کی طرف اموال کی اضافت کی گئی ہے گویا کہ وہ ایک طرح تمہارے ہی مال ہیں یعنی اس طرف اشارہ ہے کہ یتیموں کے اموال کو اپنا مال سمجھو اور ان کی حفاظت کرو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مخاطبین کے بچے اور عورتیں مراد ہیں۔

(ابن کثیر: ص: ۱۲: ج۔۲)

مطلب یہ ہے کہ مال اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس کی قدر کرو کیونکہ یہ ذریعہ معاش ہے اگر تم نے ایسا کیا کہ اس کو بیوی بچوں کے سپرد کر دیا تو پھر خالی ہاتھ ہو جاؤ گے، اور وہ بدسلیقہ سے خرچ کریں گے اور پھر تم ان سے مانگتے پھرو گے۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں بلکہ اس سے مراد ہر وہ بے وقوف ہے جن کو اپنے مال کی حفاظت کا طریقہ نہ ہو خواہ وہ سفیہ یتیم ہوں یا اپنے بیوی بچے ہوں۔ (تفسیر کبیر: ص: ۴۹۵ ج۔۳)

قَوْلًا مَّعْرُوْفًا: ان کو سمجھاتے رہو گھبرانے کی ضرورت نہیں یہ مال تمہارا ہے تم ناسمجھ ہو اس لیے تمہارے ہاتھ میں نہیں دیا، جب سمجھدار ہو جاؤ گے تمہاری امانت تمہارے حوالے کر دی جائے گی۔ (محصلہ روح المعانی: ۵۶۲ ج۔۴)

﴿۶﴾ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى الخ یتیم کا امتحان: امتحان کے لئے وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا مال ان کو دے دیا کرو اور ان سے تجارت کروایا کرو تا کہ ان کو ہوشیاری اور سلیقہ کا اندازہ ہو۔ رُشْدًا: تنکیر کے ساتھ آیا ہے معلوم ہوا کہ مال حوالہ کرنے کے لئے ایک نوع رشد کافی ہے یعنی اتنا رشد آجائے کہ بے وقوفی اور زمانہ طفولیت کا اثر نہ رہے، پھر ان کا مال ان کے حوالہ کر دیا جائے۔ مال کے سپرد کرنے کے لئے کمال فراست اور کمال رشد ضروری نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مرد کی عقل پچیس سال میں اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ (روح المعانی: ص: ۵۶۶ ج۔۴)

لہٰذا کمال عقل اور تمام رشد کا زمانہ گزر گیا تو اب آئندہ کی کوئی امید باقی نہیں رہی لہٰذا اب اس کو محروم نہیں رکھنا چاہئے۔ بلکہ مال سپرد کر دینا چاہئے۔ وَلَا تَأْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا ... الخ پانچوں حکم اسراف اور مبادرت کی ممانعت: "اسراف" کہتے ہیں جائز مقام میں ضرورت سے زائد خرچ کرنا اور "تبذیر" کہتے ہیں ناجائز مقام میں خرچ کرنا۔ "بدار" کے معنی جلدی کے ساتھ۔ اَنْ يَّكْبَرُوْا: اگر باب کرم سے ہو تو معنی ہوگا کہ شان اور مرتبہ کے اعتبار سے بڑا ہونا۔ اگر باب فتح سے ہو تو معنی ہوگا عمر کے اعتبار سے بڑا ہونا۔ مطلب یہ ہے کہ یتیموں کے مالوں کو ضرورت سے زائد مت خرچ کرو اس خیال سے کہ یہ بالغ ہو جائیں گے تو ان کے حوالہ کرنا پڑے گا جلدی جلدی کھا کر مت اڑا ڈالو۔ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ: یتیم کے مال کی دیکھ بھال کرنے والا اگر خود حاجت مند ہو تو اسے اپنی بقدر ضرورت یتیم کے مال سے لینا جائز ہے۔ ایک مطلب اس کا یہ ہے کہ اس آیت میں یتیم کے مال کو کھانے کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ اپنے مال کو معتدل طریقے سے استعمال کرنے کی تعلیم دی گئی ہے یعنی اگر ولی یتیم فقیر ہو تو ولی اپنے مال کو دستور کے مطابق اس طریقہ پر استعمال میں لائے کہ یتیم کے مال کی طرف اس کو حاجت اور ضرورت بھی نہ رہے۔

(احکام القرآن للجصاص: ص: ۶۵: ج ۲)

﴿۷﴾ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ الخ چھٹا حکم مرد و عورت کی وراثت کا بیان: ربط آیات: اوپر یتیموں کے حق کا ذکر تھا آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عورتوں کا بھی حق ہے کیونکہ جاہلیت میں وراثت عورتوں اور بچوں کو نہیں دیتے تھے، ان کا نظریہ تھا کہ ان کو وراثت دینا چاہئے جو دشمن کے مقابلہ میں لڑ سکتے ہوں۔

﴿۸﴾ وَاِذَا حَضَرَ: ساتواں حکم غیر مستحقین میراث کے لئے بوقت تقسیم احسان کا بیان: یعنی وارثوں میں ترکہ کی تقسیم کے وقت یہ لوگ موجود ہوں یعنی دور کے رشتہ دار جن کا میراث میں حق نہیں اور یتیم غریب لوگ خیر خیرات کی امید سے آئیں تو اس کو بھی ترکہ میں جس قدر بالغوں کا ہو اس میں سے کچھ دے دو، اور اس کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ سب بالغ مرد حاضر ہوں اور یہ شرط بھی ہے کہ سب راضی ہوں ورنہ جائز نہیں۔ فتاویٰ بزازیہ اور عالمگیری میں ہے کہ نابالغ کی اجازت شرعاً اجازت شمار نہ ہوگی۔ اور ان سے نرمی سے بات کرو، رشتہ داروں کو تو سمجھا دو کہ شریعت کی رو سے تمہارا حصہ اس میں نہیں ہے لہٰذا ہم معذور ہیں، اور دوسروں کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ ان کو دے کر احسان مت جتلاؤ۔

﴿۹﴾ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ... الخ تاکید رعایت حق یتامیٰ: حاصل مطلب یہ ہے کہ دوسرے یتیموں کے ساتھ وہ معاملہ کرو

جو اپنے بعد اپنی اولاد کیلئے پسند کرتے ہو۔

﴿۱۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ ۔۔۔ الخ انجام غیر مستحقین :اس آیت میں جو لوگ یتیم کا مال بغیر استحقاق کھاتے ہیں ان کے انجام کا ذکر ہے۔عموماً جب کوئی آدمی فوت ہو جاتا ہے، تو اس کی اولاد میں نابالغ بھی ہوتے ہیں جو بالغوں کے ساتھ مال میں مشترک ہوتے ہیں تو اس مال سے صدقہ کرنا مطلقاً حرام ہے۔اس مال سے لوگ تیجہ اور ساتواں وغیرہ کی بدعات کرتے ہیں قرآن کریم کی اس آیت سے واضح ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ یتیموں کا مال ناحق کھانے کی سزا میں آگ کھلائے گا۔(العیاذ باللہ)

یتیموں کا مال ناحق کھانے میں مولوی نعیم الدین مراد آبادی کا فیصلہ

ف :۲۴: یعنی یتیموں کا مال ناحق کھانا گویا آگ کھانا ہے کیونکہ وہ سبب ہے عذاب کا۔حدیث شریف میں ہے روز قیامت یتیموں کا مال کھانے والے اس طرح اٹھائیں جائیں گے کہ ان قبروں سے اور ان کے منہ سے اور ان کے کانوں سے دھواں نکلتا ہوگا تو لوگ پہچانیں گے کہ یہ یتیم کا مال کھانے والا ہے۔ (کنزالایمان:ص:۱۱۹:حافظ کمپنی)

اب قارئین کرام آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ جو شخص سورۃ بقرہ کی آیت:۱۸۰ کے تحت، فاتحہ، تیجہ، چالیسواں، وغیرہ کو قرآنی آیت سے ثابت کرے اور اس آیت کے تحت یتیم کے مال کے متعلق وعید سنائے تو کیا جب یہ ساری خرافات کی جاتی ہیں تو وہ سب بالغوں کا مال ہوتا ہے۔حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اکثر و بیشتر یتیموں کا مال بھی اس میں داخل ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ چشم بصیرت عطاء فرمائے اور یتیم کے مال سے محفوظ فرمائے۔(باقی ان رسومات کی تردید سورۃ بقرہ کی آیت:۱۸۰ میں تفصیلاً گزر چکی ہے دیکھ لیں)

یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً

اللہ تم کو تمہاری اولادوں کے بارے میں حکم دیتا ہے مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے اور اگر وہ عورتیں ہوں

فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ

دو یا دو سے زیادہ پس ان کے لیے دو تہائی ہے اور اگر ایک ہی ہے تو اس کے لیے آدھا حصہ ہے

وَ لِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ یَكُنْ

اور مرنے والے کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے اس میں سے جو اس نے چھوڑا ہے اگر اس کی اولاد ہے پس اگر اس کی

لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ

اولاد نہیں ہے اور اس کے وارث ماں باپ ہیں تو اس کی ماں کے لیے ایک تہائی ہے پس اگر اس کے بھائی ہیں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے

مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْ بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّهُمْ

بعد وصیت کے جو وہ کرتا ہے یا قرضہ ادا کرنے کے بعد تمہارے باپ اور بیٹے تم نہیں جانتے کہ کون

اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۱﴾ وَ لَكُمْ

زیادہ قریب ہے تمہارے لیے نفع پہنچانے کے اعتبار سے یہ اللہ کی جانب سے مقرر کیا ہوا فریضہ ہے بے شک اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے ﴿۱۱﴾ اور تمہارے لیے

نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ

آدھا ہے جو چھوڑا تمہاری بیویوں نے اگر ان کی اولاد نہیں ہے پس اگر ان کی اولاد ہے تو تمہارے لیے

الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا

چوتھا حصہ ہے اس میں سے جو انہوں نے چھوڑا وصیت کے بعد جو وہ کرتی ہیں یا قرضہ ادا کرنے کے بعد اور ان عورتوں کے لیے چوتھا حصہ ہے جو

تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ

تم نے چھوڑا اگر تمہاری اولاد نہیں ہے پس اگر تمہاری اولاد ہے تو ان عورتوں کے لیے آٹھواں حصہ ہے جو

مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً

تم نے چھوڑا وصیت کے بعد کہ تم وصیت کرتے ہو یا قرضہ ادا کرنے کے بعد اور اگر مرنے والے مرد کی وراثت کلالہ کی شکل میں ہے یا

اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ

وہ عورت ہے اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہوگا اور اگر بہن بھائی اس سے زیادہ ہوں

ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ

تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہونگے اس وصیت کے بعد جو کی گئی یا قرضہ کے بعد۔ اس حال میں کہ وہ نقصان پہنچانے والا نہ ہو

مُضَاۗرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۭ ﴿١٢﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ

یہ اللہ کی جانب سے وصیت ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بردبار ہے ﴿۱۲﴾ یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا

وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ

اور اس کے رسول کی اللہ تعالیٰ اس کو جنتوں میں داخل کرے گا جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور یہ

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٣﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا

بہت بڑی کامیابی ہے ﴿۱۳﴾ اور جو شخص نافرمانی کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی اور اس کی باندھی ہوئی حدوں سے تجاوز کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ آگ میں داخل کرے گا

خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٤﴾

اس میں ہمیشہ رہنے والا ہوگا اور اس کے لیے ذلت ناک عذاب ہوگا ﴿۱۴﴾

ع ۲ / ۱۲

قانون میراث اور اس کے تفصیلی حصص

﴿۱۱﴾ یوصیکم اللہ... الخ ربط آیات: اوپر اجمالی طور پر مردوں اور عورتوں کی وراثت کا ذکر تھا۔ اب تفصیلی طور پر اس

کا ذکر فرما رہے ہیں۔

خلاصہ رکوع ۲: درآمد مال کا صحیح قانون، مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر، والدین زندہ ہوں تو وراثت کی تین صورتیں ہیں۔ ۱۔ ۲۔ ۳۔ میراث کا میت کی رائے پر نہ رکھنے کی حکمت، خاوند کو بیوی کی وفات کے بعد میراث ملنے کی دو صورتیں ہیں۔ ۱۔ ۲۔ عورت کو خاوند کی وفات کے بعد میراث ملنے کی دو صورتیں، کلالہ کی تعریف اور تقسیم وراثت کی دو صورتیں، احکام الٰہی پر عمل کرنے اور نہ کرنے والوں کا انجام۔ ماخذ آیات ۱۱ تا ۱۴+

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ :درآمد مال کا صحیح قانون ۔لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ :مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر۔

سوال: لڑکے کا حصہ لڑکی کے مقابلہ میں دوگنا کیوں ہے؟ بظاہر تو یہ انصاف کے خلاف ہے ۔ جواب: صاحب تفسیر عثمانی نے دیا کہ لڑکی کا نان نفقہ اور مہر خاوند کے ذمے ہے، وہ اپنا بھی اور دوسروں کا بھی خرچہ برداشت کرتا ہے اس لیے مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے۔

اس آیت میں لڑکوں کا حصہ مقیس اور لڑکیوں کا حصہ مقیس علیہ بنایا یہ اس لیے کہ لڑکیاں اس میں اصل ہیں ان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے نیز اس مقصد کو صریحاً اس لیے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آخر زمانہ میں لوگ لڑکیوں کی حق تلفی کریں گے کبھی بہانہ بناتے ہیں کہ لڑکیوں کی شادی اور تعلیم پر خرچ کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ لڑکیاں عید وغیرہ میں اپنا حصہ لے جاتی ہیں۔ یہ سب بہانے ہیں کیا اس میں لڑکا شمار نہیں ہوتا لڑکے کے بھی تو یہی اخراجات ہیں۔

خمینی کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے وراثت پر استدلال اور اس کے ٹھوس جوابات

خمینی نے کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی صراحتاً مخالفت کی ہے کیونکہ قرآن کریم کہتا ہے "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ" تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ کی وراثت میں سے حصہ نہیں دیا۔ اور دیگر شرعی وارثوں کو حق وراثت سے محروم کیا اور بخاری و مسلم کی حدیث خبر واحد سے نص کا رد یا اس کی مخالفت چہ معنی دارد؟ (ص: ۱۱۵: طبع ایران)

اس کا ایک جواب: یہ ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے اپنی مبارک زندگی میں باغ دینے سے انکار کر دیا تھا چنانچہ ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ اِنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ جَمَعَ بَنِيْ مَرْوَانَ حِيْنَ اُسْتُخْلِفَ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَتْ لَهٗ فَدَكُ فَكَانَ يُنْفِقُ مِنْهَا وَ يَعُوْدُ مِنْهَا عَلٰى صَغِيْرِ بَنِيْ هَاشِمٍ وَ يُزَوِّجُ مِنْهَا اَيِّمَهُمْ وَاَنَّ فَاطِمَةَ سَاَلَتْهُ اَنْ يَّجْعَلَهَا لَهَا فَاَبٰى فَكَانَتْ كَذٰلِكَ فِيْ حَيٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ فَلَمَّا اَنْ وُلِّيَ اَبُوْ بَكْرٍ عَمِلَ فِيْهَا بِمَا عَمِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ حَيَاتِهٖ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ فَلَمَّا اَنْ وُلِّيَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ عَمِلَ فِيْهَا بِمِثْلِ مَا عَمِلَا حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ ثُمَّ اَقْطَعَهَا مَرْوَانُ ثُمَّ صَارَتْ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فَرَاَيْتُ اَمْرًا مَنَعَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاطِمَةَ لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ وَ اِنِّيْ اُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ رَدَدْتُهَا عَلٰى مَا كَانَ يَعْنِيْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ اَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ رواه ابو داود"۔ (مشکوۃ ص: ۵۶ سوج ۱)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں جب حضرت عمر بن عبد العزیز ابن مروان ابن حکم رحمہ اللہ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے مروان کے بیٹوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ رسول کریم ﷺ فدک (کی زمین وجائیداد) پر اپنا ذاتی حق رکھتے تھے جس کے محاصل (آمدنی و پیداوار) کو آپ ﷺ (اپنے اہل وعیال اور فقراء و مساکین پر خرچ کرتے تھے اسی میں سے بنو ہاشم کے چھوٹے بچوں کے امداد و اعانت پر خرچ کر کے) ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے اور بے شوہر عورتوں غیر شادی شدہ مردوں کی شادی کرتے تھے (ایک

مرتبہ) حضرت فاطمہ ؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ درخواست کی تھی کہ فدک (کی زمین وجائیداد) کو میرے نام کر دیجئے (یا اس کی آمدنی میں سے میرا حصہ بھی مقرر کر دیجئے) لیکن آپ ﷺ نے ان کی درخواست کو رد کر دیا رسول کریم ﷺ کی زندگی میں اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور جب حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو ان کا معمول بھی وہی رہا جو رسول کریم ﷺ کا اپنی حیات مبارکہ میں رہا تھا (یعنی آنحضرت ﷺ کے مذکورہ معمول کی طرح حضرت ابوبکر ؓ بھی فدک کے محاصل کو آنحضرت ﷺ کے اہل وعیال اور بنو ہاشم کے بچوں پر اور نادار مرد وعورتوں کی شادی میں خرچ کرتے تھے) یہاں تک کہ حضرت ابوبکر ؓ اللہ کو پیارے ہو گئے اور (ان کے بعد) جب حضرت عمر بن خطاب ؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو اس سلسلہ میں ان کا بھی وہی عمل رہا جو ان دونوں (یعنی آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر ؓ) کا رہا تھا یہاں تک کہ حضرت عمر ؓ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

(مظاہر حق: ص ۸۹۳، ۸۹۴، ج۔ ۳)

حاصل جواب: یہ ہے کہ یہ مال فیٔ تھا جسکی تفصیل آگے آرہی ہے اور مال فیٔ کو کسی کی ملکیت میں نہیں دیا جاسکتا آنحضرت ﷺ نے اس پر عملی طور پر عمل کر کے واضح کر دیا ہے۔ لہٰذا حضرت فاطمۃ الزہرہ کے متعلق یہ الزام لگانا کہ انہوں نے اپنے وراثتی حق کا مطالبہ کیا تو صدیق اکبر ؓ نے ان کا حق نہیں دیا یہ الزام ہی درست نہیں ہے۔ ورنہ یہ الزام تو خاتم الانبیاء ﷺ پر آئے گا؟ چونکہ آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں باغ فدک دینے سے انکار فرما دیا تھا جیسا کہ اوپر حدیث میں صراحتاً موجود ہے۔

اس کا دوسرا جواب: بخاری ومسلم کی حدیث کا یہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم کا ہر حکم قطعی ہوتا ہے اسی طرح جو بات آنحضرت ﷺ سے براہ راست سنی ہو اس کا حکم بھی سننے والے کے حق میں قطعی ہوتا ہے، اور خبر واحد وغیرہ کی بحث تو نچلے راوی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے جو باغ فدک کے متعلق ارشاد فرمایا "نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ" اپنی جگہ درست ہے، اور یہ نص قطعی کا حکم رکھتا ہے۔

اس کا تیسرا جواب: یہ ہے کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حضرت فاطمہ ؓ کو بنونضیر فدک اور خیبر وغیرہ کی زمین جس میں کھجوریں وغیرہ کی وراثت نہیں دیں یہ فیصلہ عین مذہب شیعہ کے مطابق ہے چنانچہ شیعوں کی چاروں کتب میں تصریح ہے کہ عورتوں کو وراثت میں زمین سے کچھ نہیں ملتا فروع کافی میں مستقل باب ہے "بَابُ النِّسَاءِ لَا يَرِثْنَ مِنَ الْعِقَارِ شَيْئًا"۔

(فروع کافی، ج: ۷، ص: ۱۲۷، طبع ایران)۔

اور اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ "عقار" کا لفظ باب فتح سے ہے اور اس کا معنی زمین میں ضیاع ہونے والی چیزیں اور گھر ہے اور یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو وراثت زمین میں سے کچھ نہیں ملتا۔

(من لا یحضرہ الفقیہ، ج: ۴، ص: ۳۴۷ طبع تہران؛ الاستبصار، ج: ۴، ص: ۱۵۲؛ طبع تہران وتہذیب الاحکام، ج: ۹، ص: ۲۹۸؛ طبع تہران)

مسئلہ فدک کا پس منظر

مسئلہ فدک کو سمجھنے سے پہلے چند امور مدنظر رکھنا ضروری ہیں ① فدک ایک گاؤں تھا جو مدینہ طیبہ سے تین منزل پر تھا جس میں چشمے اور کچھ کھجور کے درخت تھے۔ اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فدک بغیر لڑائی بطور صلح کے آنحضرت ﷺ کے قبضہ میں آیا تھا۔ اہل سنت اور اہل تشیع بلکہ تمام مؤرخین مسلم وغیر مسلم کا اس بات میں کامل اتفاق واتحاد اور کلمہ واحد ہے کہ فدک اموال فیٔ میں سے تھا خود شیعہ حضرات کی کتاب شرح نہج البلاغہ مصنفہ سید علی نقی، فیض الاسلام صفحہ ۹۵۱، پر ہے فدک لوگوں نے اس کا نصف اور ایک دوسرے قول میں ہے کہ تمام فدک صلح سے بغیر جنگ کے آنحضرت ﷺ کے سپرد کر دیا۔

② اموال فیٔ فدک ہو یا غیر فدک اس کے متعلق قرآن کریم میں صاف وصریح واضح الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے: "مَا

اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ'' (سورۃ الحشر آیت۔۷)

جو مال (فئی) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دیہات والوں سے مفت دلایا، سو وہ اللہ اور رسول اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے تا کہ وہ تمہارے دولت مندوں میں نہ پھرتا رہے۔ یہ آیت اموال فئی کے متعلق بالکل محکم اور اپنے معنی میں نہایت واضح اور غیر مبہم ہے، اور اموال فئی کے مستحق لوگوں کو بخوبی عیاں و نمایاں کر دیتی ہے جو کہ نہ آنحضرت ﷺ سے مخفی تھی اور نہ صدیق رضی اللہ عنہ و فاروق رضی اللہ عنہ سے پوشیدہ تھی اور سیدہ رضی اللہ عنہا و علی رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے مسلمان سے کسی حجاب و نقاب میں مضمر و مستتر تھی۔

مال فئی کے متعلق تفسیر صافی ۲۱۰ پر موجود ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اموال فئی کے متعلق فرمایا: ''هِیَ لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلِمَنْ قَامَ مَقَامَهٗ بَعْدَهٗ'' فئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے اور اس کا حق ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بعد اس کا قائمقام خلیفہ بنے۔

❸ یہ امر بھی فریقین کی معتبر کتابوں سے ثابت ہے کہ اموال فئی فدک کے متعلق جو عمل آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں جاری فرمایا تھا تمام خلفاء راشدین کی خلافت راشدہ حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کے دور تک اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل واقع نہ ہوا ہے۔

اگر نعوذ باللہ صدیق رضی اللہ عنہ و فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ عمل ظالمانہ، غاصبانہ کہا جائے تو ان مہذب خطابات اور ایسے شائستہ اور مقدس کلمات سے اسی عمل کو جاری فرمانے والے (آنحضرت ﷺ) اور باقی، قائم و دائم رکھنے والے (حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت حسن رضی اللہ عنہ) کس طرح مستثنیٰ اور مبرا ہوں گے۔ العیاذ باللہ۔

بلکہ یہ بات بھی ثابت ہے کہ اموال فئی میں سے اراضی و باغات بنی نضیر وغیرہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی تولیت میں دے دیئے تھے کہ وہ ان کی آمدنی کے ہر قسم کے منتظم و متولی رہیں۔ چنانچہ دونوں حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان اموال فئی کو آنحضرت ﷺ کے طریقہ عمل کے مطابق تمام مستحقین میں تقسیم کرتے تھے۔

❹ یہ بات بھی فریقین کے معتبر مستند مسلمہ کتابوں میں ثابت ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں عرض کیا میں جب تک زندہ رہوں ان اموال فئی فدک وغیرہ میں عمل رسول ﷺ کو ہی جاری رکھوں گا، ان میں کسی قسم کی تبدیلی اور نہ کوئی دوسرا طریقہ جاری کروں گا، ہاں میرے ذاتی اموال میں سے آپ کو اختیار ہے جو چاہیں لے لیں، یہ سب کچھ آپ پر قربان ہے۔

چنانچہ حق الیقین: ص:۲۳۱: پر موجود ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اموال و احوال خودرا از تو مضائقہ ندارم آنچہ خواہی بگیر تو سیدہ امت پدری خودی و شجرۂ طیبہ از برائے فرزند ان خود انکار فضل تو کسے نمی تواند کرد و حکم تو نافذ است در مال من، اما در اموال مسلماناں مخالف گفتہ پدر تو نمی توانم کرد"

میں اپنا مال جائیداد دینے میں تم سے دریغ نہیں رکھتا جو کچھ مرضی چاہے لے لیجئے آپ اپنے باپ کی امت کی سردار ہیں، اور اپنے فرزندوں کے لیے پاکیزہ اصل اور شجرہ طیبہ ہیں، آپ کے فضائل کا کوئی انکار نہیں کرتا آپ کا حکم میرے ذاتی مال میں بلا چوں و چرا جاری و منظور ہے، لیکن عام مسلمانوں کے مال میں آپ کے والد بزرگوار ﷺ کے حکم کی مخالفت ہرگز نہیں کر سکتا۔

بخاری شریف میں ہے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں عرض کیا میں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑ سکتا جس پر جناب رسول اللہ ﷺ

عمل کرتے تھے۔ میں ضرور وہی عمل جاری رکھوں گا کیونکہ میں ڈرتا ہوں اگر کوئی چیز آپ ﷺ کے عمل سے چھوڑوں تو گمراہ ہو جاؤں گا۔
الغرض صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں اپنے اموال پیش کرنے سے دریغ نہ کیا مگر فدک وغیرہ اموال فئی میں حکم آنحضرت ﷺ کی رضا کے خلاف کچھ کرنے کو گمراہی فرمایا۔
❺ مسئلہ فدک کے بارے میں ناراضگی کی کہانی اہل سنت کی کسی معتبر کتاب میں سیدہ رضی اللہ عنہا کی زبانی ثابت نہیں کی جاسکتی کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے خود فرمایا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میرا حق غصب کرلیا ہے، اور مجھ پر ظلم کیا ہے میں اس سے ناراض ہوں اس سے کبھی بات چیت نہ کروں گی۔
ہمارا دعوی ہے کہ قیامت تک کوئی شخص اہل سنت کی معتبر کتابوں سے اس قسم کا ثبوت پیش نہیں کرسکتا، ناراضگی فعل قلب ہے جب تک خود ظاہر نہ کیا جائے دوسرے کو اس کا علم نہیں ہوسکتا، ہاں قرائن وحالات وقیاس سے دوسرا شخص بیان کرے گا، اور وہ دوسرا شخص اگرچہ معصوم بھی ہو تب بھی اس کو غلطی کا احتمال ہوسکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام معصوم نبی ہیں کشتی توڑنے کے وقت اپنی رائے ظاہر کی کہ تو نے کشتی کو اس لیے توڑا تا کہ کشتی والے غرق ہو جائیں حالانکہ حضرت خضر علیہ السلام نے یہ کام اس غرض کے لیے نہیں کیا تھا۔
تو اگرچہ دوسرے شخص کے متعلق رائے ظاہر کرنے والا اگرچہ معصوم ہی کیوں نہ ہو تو صحیح نہیں اس لیے کہ ناراضگی قلبی فعل ہے، اس کو کوئی دوسرا شخص متعین نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ خود متعین نہ کرے۔ تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے خود بنفس نفیس اپنی زبانی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا کسی اہل سنت کی معتبر کتب سے ثابت نہیں۔ البتہ اس کے برعکس شیعہ کی معتبر ترین کتب سے ثابت ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زبانی طور پر فدک کی وجہ سے سخت ناراض تھی، جس کا ازالہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں بھی نہ کیا بلکہ فدک کو آنحضرت ﷺ اور صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما کے طریقے پر باقی رکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جن پر سیدہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کتب شیعہ سے یقینی ثابت ہے اس کو خلیفہ برحق سمجھنا اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جن پر سیدہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کا کوئی یقینی ثبوت نہیں ان کو ظالم اور غاصب سمجھنا کس انصاف اور دیانتداری پر مبنی ہے؟
❻ مسئلہ فدک کو سمجھنے کے لیے یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ شیعہ حضرات کے نزدیک سیدہ رضی اللہ عنہا جناب رسول اللہ ﷺ کے سات باغوں پر قابض اور متصرف تھیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے املاک اس کے علاوہ تھے ان سات باغوں کی وراثت حسب روایت شیعہ آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جناب سیدہ رضی اللہ عنہا سے طلب کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ رضی اللہ عنہا نے یہی جواب دیا کہ ان میں وراثت نہیں چل سکتی، اور ان سات باغوں میں سے ایک حبہ بھی حضرت عباس کو نہ دیا۔
محمد بن یعقوب کلینی لکھتے ہیں کہ: احمد بن محمد نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی کہ میں نے امام موسیٰ کاظم سے ان سات باغوں کے متعلق دریافت کیا جو فاطمہ علیہا السلام کے پاس جناب رسول اللہ کی میراث تھے۔ تو امام صاحب نے فرمایا وہ میراث نہ تھے بلکہ وقف تھے، جناب رسول اللہ ﷺ ان میں سے اتنا لیتے تھے جو کہ مہمانوں کو کافی ہوتا تھا۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ رحلت فرما گئے، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان سات باغوں کی بابت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے جھگڑا کیا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے شہادت دی وہ وقف ہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر اور وہ سات باغ یہ ہیں۔ ① دلال ② عفاف ③ حسنی ④ صافیہ ⑤ مالام ابراہیم ⑥ میعب ⑦ برقہ۔ (فروع کافی، ص ۳۵، ۲۲۴، باب صدقات النبی ﷺ فاطمۃ والائمۃ ووصایاہم)
اب اس میں قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس سات باغ بھی تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی املاک اس

کے علاوہ تھیں، تو فدک کے اموال فئی کے متعلق اس قسم کا نظریہ کہ یہ اموال فدک آنحضرت ﷺ نے اپنی بیٹی کو دے دیے تھے شان نبوت پر سخت حملہ ہے۔ ملا باقر مجلسی نے حیات القلوب میں نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اہل فدک سے معاہدہ کر لیا کہ وہ ہر سال چوبیس ہزار دینار دیں۔ تو اس قسم کا نظریہ قرآن کریم شان نبوت کے خلاف ہے کہ لاکھوں روپے کی آمدنی کے اموال فئی فدک سیدہ رضی اللہ عنہا کو دے دیئے جائیں۔ یہ تو "كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ" کی نص صریح کے خلاف اور آنحضرت ﷺ کی طرف ایک خود غرضانہ اور اقربانوازی کا بدترین الزام ہے۔ العیاذ باللہ۔

حالانکہ اس وقت اصحاب صفہ اور دیگر مہاجرین وانصار کے پاس بدن ڈھانپنے کے لیے کپڑا اور پیٹ پالنے کیلئے نانِ جو میسر نہ تھے اور آنحضرت ﷺ کا آخری غزوہ تبوک سخت تنگی کی گھڑی والا مشہور ہے اس غزوہ میں مجاہدوں کو ایک دانہ کھجور کا ملتا تھا جب وہ ختم ہونے کو آ گیا تو چند مجاہدوں کو ایک دانہ دیا جاتا تھا، جسے وہ باری باری چوس کر پانی پی لیا کرتے تھے۔

تو کیا العیاذ باللہ آنحضرت ﷺ نے تمام فقراء مساکین یتامیٰ انصار ومہاجرین کے حقوق اور ضروریات اسلامی کو پس پشت ڈال کر خلاف قرآن اتنا مال اپنی بیٹی کو دے دیا تھا۔ حالانکہ شیعہ اور سنی کتب میں موجود ہے جب سیدہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے خانگی امور کے لیے لونڈی مانگی تو آپ ﷺ نے "سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر" کی تسبیحات نماز کے بعد تینتیس ۳۳ سو بار پڑھنے کی تعلیم دی فرمایا یا خادموں، نوکروں سے ان تسبیحات کا پڑھ لینا بدرجہا بہتر ہے۔

اور جب سیدہ رضی اللہ عنہا نے فدک کے متعلق سوال کیا تو آنحضرت ﷺ نے صاف انکار کر دیا، اور اپنی زندگی میں اسلامی ضروریات اور بنو ہاشم اور یتیموں، مسکینوں اور بیوگان کی ضرورت میں صرف کرتے رہے مگر سیدہ رضی اللہ عنہا کو نہ دیا جیسا کہ ابوداؤد شریف کے حوالہ سے اوپر گزر چکا ہے۔

سیدہ رضی اللہ عنہا کے سوال کی کیفیت

بعض اہل سنت بھی اپنے مطالعے کی کمی اور بخاری وغیرہ کتب احادیث پوری طرح نہ دیکھنے کے باعث یہی خیال کرتے ہیں کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے جا کر جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے وراثت کا سوال کیا۔

مگر یہ خیال بالکل غلط ہے، بخاری اور مسلم وغیرہ کی تحقیق سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا بالکل جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس دربار خلافت میں اس سوال کے لیے نہیں گئیں، بلکہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے اپنا آدمی بھیجا جس نے جا کر جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔ (دیکھئے بخاری، ج:۱، ص ۵۲۶)

اس میں یہ الفاظ ہیں: "اَرْسَلَتْ فَاطِمَةُ الخ" یہ الفاظ صراحۃً دلالت کرتے ہیں کہ خود سیدہ رضی اللہ عنہا نہیں گئی بلکہ قاصد کو بھیج کر سوال کیا ہے، اور یہاں سوال کرنے یا آنے کا جو ذکر سیدہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ہے وہ بطور مجاز کے ہے۔

اب یہ سوال ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی مالی وراثت نہ تھی قرآن کریم نے صراحۃً مال فئی کا حکم بتایا ہے تو پھر سیدہ رضی اللہ عنہا کا وراثت کا سوال کرنے کا کیا مقصد تھا؟

تو اس کا جواب امام المحدثین سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے عرف شذی شرح ترمذی، ص: ۴۸۵ پر سید سمہودی کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سوال ترکہ کے مالک بننے کے خیال وارادہ سے نہ تھا بلکہ صرف ان اموال فئی اور وقف اموال میں بطور قرابت ورشتہ داری متولی بننے کے متعلق تھا۔ جس کے جواب میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حدیث رسول اللہ ﷺ سنا دی جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ وغیرہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم جانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کے اموال متروکہ میں کسی قسم کی وراثت نہیں چل سکتی نہ مالکانہ نہ متولیانہ پس اس حقیقت کے بعد پھر کبھی سیدہ رضی اللہ عنہا کو صدیق رضی اللہ عنہ سے اس سوال کی نوبت

نہیں آئی صدیق اکبرؓ کا ارشاد بخاری شریف: ج :۱ :ص۔۵۲۶ پر موجود ہے دیکھ لیا جائے۔

❶ شرح نہج البلاغۃ درۃ نجفیہ :۳۳۲: پر موجود ہے صدیق اکبرؓ نے سیدہؓ کی خدمت میں عرض کیا۔ میں تیرے سامنے اللہ تعالیٰ کا عہد کر کے کہتا ہوں کہ میں ان اموال فئی فدک وغیرہ میں اسی طرح کروں گا جس طرح آنحضرت ﷺ کرتے تھے پس سیدہؓ اس بات پر راضی اور خوش ہو گئیں اور صدیق اکبرؓ سے یہی عہد لے لیا، اور صدیق اکبرؓ ان اموال فئی کی پیداوار وصول کر کے حضرت سیدہؓ اور ان کے گھرانے کے لیے ان کا تمام خرچ کافی ووافی دے دیا کرتے تھے۔

❷ ابن میثم بحرانی اپنی شرح نہج البلاغہ میں ذکر کرتے ہیں :ابوبکرؓ کہتے ہیں اے فاطمہؓ رضائے الٰہی کے لئے آپ کا مجھ پر حق ہے فدک کے معاملہ میں وہی عمل درآمد کروں گا جو رسول خدا ﷺ جاری کئے ہوئے تھے پس اس چیز پر حضرت فاطمہؓ راضی اور خوش ہو گئیں اور اس پر انہوں نے ابوبکرؓ سے پختہ وعدہ اور اقرار لیا۔ "فرضیت بذلك واخذت العهد عليه به" (شرح نہج البلاغۃ لابن میثم بحرانی :ص :۱۰۷ :ج :۵ :طبع تہران تحت مقصد ثامن از مقاصد بعروہ :۸۰ خط علی المرتضیٰؓ بجانب عثمان بن حنیف عامل بصرہ)

الغرض اموال فئی اور اموال وقف کی وراثت کا سدِ باب کرنے کے لئے یہ سب کچھ کیا گیا۔

تحقیق روایت ناراضگی

سوال: جب حضرت فاطمہؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے وراثت رسول اللہ ﷺ کا سوال کیا تو صدیق اکبر نے حدیث رسول سنائی "نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ" تو حضرت فاطمہؓ نے تادم زندگی کلام نہیں کیا اور ناراض ہو گئیں، اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: درحقیقت اصل روایت یہ ہے کہ جب صدیق اکبرؓ نے حدیث رسول اللہ سنائی جو کہ متعدد صحابہ کرام اور اہل بیت جانتے اور مانتے تھے تو حضرت فاطمہؓ مطمئن اور خوش ہو گئیں، اور اس بارے میں وفات تک پھر کسی قسم کا کلام نہ کیا۔ اس روایت میں ہرگز نہ تھا کہ صدیق اکبرؓ سے کوئی کلام نہ کیا اور ان سے ناراض ہو گئیں تھیں کیونکہ سیدہؓ کا حدیث رسول اللہ ﷺ سن کر ناراض ہونا ممکن ہی نہیں بلکہ ایک ادنیٰ مسلمان بھی ایسا نہیں جو کہ حدیث رسول سن کر ناراض ہو چہ جائیکہ سیدہؓ ناراض ہوں۔

سوال: پھر روایت میں "غَضِبَتْ" کا لفظ کیوں آ گیا ہے؟

تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ روایت فدک اصل میں تین صحابہ سے مروی ہیں۔ ❶ حضرت عائشہؓ۔ ❷ حضرت ابوہریرہؓ۔ ❸ حضرت ابوطفیلؓ۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوطفیلؓ کی روایت میں ناراضگی کا نام ونشان نہیں اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت زہری کے ذریعہ سے ہے اور زہری کے متعدد شاگردوں میں سے بعض نے کسی جگہ ناراضگی کا ذکر کیا اور کسی جگہ نہیں کیا۔ لیکن دوسرے بعض نے بالکل ذکر ہی نہیں کیا۔

اور جہاں بھی ناراضگی کا ذکر ہے اس میں حضرت فاطمہؓ کی زبان سے کسی صحیح روایت میں ان کا غضبناک اور ناراض ہونا ثابت نہیں۔ اور ناراضگی دل کا فعل ہے جب تک دل سے بات کو ظاہر نہ کیا جائے دوسرے شخص کو اس کا پتہ نہیں چلتا البتہ قرائن سے دوسرا شخص قیاس کر سکتا ہے تو قیاس واندازہ سے راوی نے ناراضگی سمجھ کر "غَضِبَتْ" روایت کیا ہے جو اس کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ بمقتضائے بشریت غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ خارجی قرائن سے نتیجہ نکالنے میں کبھی بڑوں سے بھی ایسی بات ہو جاتی ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور سے واپسی پر یہ سمجھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کے بعد قوم کی خبر

گیری میں میرے حکم کی اچھی طرح تعمیل نہیں کی حتیٰ کہ غصہ میں ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ کے کھینچے حالانکہ ہارون علیہ السلام بالکل بے قصور تھے، موسیٰ علیہ السلام کا یہ اندازہ ہارون علیہ السلام کی بابت درست نہ تھا۔ اور بعض چیزیں راوی اپنے قیاس سے صحیح سمجھ کر بیان کرتا ہے مگر حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، اس کی سیرت میں بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

جیسے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر چند روز بالاخانہ میں قیام پذیر ہو گئے تو مشہور ہوا کہ آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بالاخانہ میں جا کر آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کوئی طلاق نہیں دی۔ جس طرح آنحضرت ﷺ کی خلوت نشینی اور ازواج کے پاس آنے جانے سے رک جانے کے باعث لوگوں نے اپنے قیاس و اندازہ سے طلاق سمجھ لی تھی حالانکہ واقعہ میں کوئی طلاق نہ تھی۔

اسی طرح راوی نے روایت میں اپنے استاذ سے "لَمْ تَتَكَلَّمْ" کے الفاظ سنے اور اس سے اپنی غلط فہمی کے باعث ناراضگی سمجھ کر "غضبت" کا لفظ روایت میں بیان کر دیا اور پھر ایک دوسرے سے نقل ہوتا گیا۔ حالانکہ "لم تتکلم" کا مقصد یہ تھا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کو فدک کے متعلق تسلی ہو گئی کہ اس میں وراثت بھی نہیں اور اس میں عمل مثل عمل رسول اللہ ﷺ جاری رہتا ہے تو پھر اس بارے میں کبھی کلام دوبارہ نہ کیا۔ یہ مراد ہرگز نہ تھی کہ صدیق رضی اللہ عنہ پر ناراض ہو کر کلام و تکلم بند کر دیا۔ اس غلط فہمی کے بیان سے راوی کے عدل و صداقت اور ثقہ و معتبر ہونے پر کوئی اعتراض و شبہ نہیں ہو جاتا، گویا کہ یہ روایت بالمعنیٰ ہو گی راوی سے غلط فہمی ہو گئی۔

بخاری کے صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے راوی ثقہ، عادل و معتبر ہیں وضاع و کذاب نہیں اگر ان سے خطا اجتہادی یا غلط فہمی ہو جائے تو ان کی صداقت و عدالت، دیانت و ثقاہت کے خلاف نہیں اور نہ اس سے کتاب کی صحت پر حرف آتا ہے۔ اگر بالفرض ناراضگی کا واقعہ ہوتا تو اس کو شہرت حاصل ہوتی۔ جس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ ناراضگی کا کوئی واقعہ ہوا تھا۔

اور عقل کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جس کا لقب "بتول" یعنی تارک دنیا، اور خاتون جنت اور مخدومہ کائنات ہو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے حدیث رسول اللہ ﷺ سن کر ہرگز ناراض نہ ہو بلکہ راضی اور خوش ہو۔ علاوہ ازیں کتب شیعہ سے ثابت ہے کہ جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کی ہر طرح کی خدمت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کرتی رہتی تھیں حتیٰ کہ تجہیز و تکفین اور غسل کا کام بھی اسماء زوجہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سرانجام دیا۔ (جلاء العیون: ص: ۲۴۰؛ ج ۱: زندگانی فاطمہ زہرا علیہا السلام)

سیدہ رضی اللہ عنہا کا نماز جنازہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھایا۔ (کنز العمال: ج: ۶: ص: ۳۱۸: کتاب الفضائل من قسم الافعال و طبقات ابن سعد: ج: ۸: ص۔ ۲۹) (محصلہ ازالۃ الشک عن مسئلہ فدک تالیف مناظر اعظم مولانا عبدالستار تونسوی) اور کچھ تحقیق بندہ نے اس مسئلہ پر "ترجمہ معارف التبیان میں کی ہے قابل دید ہے۔

اللہ تعالیٰ حق سمجھنے اور صحابہ کرام سے سچی محبت و عقیدت نصیب فرمائے۔ (آمین)

فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً ؛ پس اگر کسی میت نے اولاد میں صرف بیٹیاں ہی چھوڑیں بیٹا نہیں چھوڑا تو وہ اگر دو سے زیادہ ہوں تب بھی ان کو دو تہائی ملے گا اور اگر صرف ایک ہی بیٹی چھوڑی تو اس کو میت کے ترکہ کا نصف ملے گا۔

وَلِأَبَوَيْهِ... الخ والدین زندہ ہوں تو وراثت کی تین صورتیں : والدین کو شرعی میراث ملنے کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت : یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کیلئے میت کے ترکے میں سے چھٹا حصہ مقرر ہے، اگر میت کی کچھ اولاد ہے خواہ مذکر ہوں یا مؤنث خواہ ایک یا زیادہ۔ اور بقیہ میراث اولاد اور دوسرے شرعی وارثوں کو ملے گی۔

دوسری صورت : یہ ہے کہ اگر کسی میت کی کچھ اولاد نہ ہو اور صرف اس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں یا ان کے ساتھ

کوئی ایک بھائی یا بہن ہو تو اس صورت میں اس (میت) کی ماں کا ایک تہائی حصہ ہے، اور باقی دو تہائی باپ کا۔ اس تصریح کی حاجت نہیں ہوئی اس لئے کہ واضح تھا کیونکہ جب اولاد ہو اور نہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں صرف والدین ہوں تو میراث صرف ان ہی دو میں تقسیم ہوگی۔ **تیسری صورت:** یہ ہے کہ اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن کسی قسم کے ہوں خواہ ماں باپ میں دونوں شریک ہوں جن کو عینی کہتے ہیں خواہ صرف باپ ایک ماں الگ الگ جس کو علاتی کہتے ہیں، یا ماں ایک ہو باپ الگ الگ جس کو اخیافی کہتے ہیں یا ملے جلے غرضیکہ کسی طرح کے بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں اور اولاد نہ ہوں اور ماں باپ ہوں تو اس صورت میں اس کی ماں کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا اور باقی باپ کو ملے گا۔

سب حصے وصیت کو پورا کرنے کے بعد یا اس پر قرض ہو اس کو ادا کرنے کے بعد تقسیم ہوں گے۔ وصیت بعد میں ہے مگر یہاں وصیت کو پہلے ذکر کیا تاکہ اس کو نظر انداز نہ کریں۔ واللہ اعلم

اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ : میراث کا معاملہ میت کی رائے پر نہ رکھنے کی حکمت: تمہارے جو اصول و فروع ہیں تم ان کے متعلق نہیں جان سکتے کہ ان میں سے کون سا شخص تم کو دنیوی یا اخروی نفع پہنچانے میں نزدیک تر ہے، اگر اس بات کو تمہارے رائے پر چھوڑ دیا جاتا تو اکثر حالات کے مطابق تم لوگ میراث کی تقسیم میں ترجیح و تفصیل کا مدار اپنی توقع کے مطابق کسی شخص سے نفع رسانی کی توقع رکھتے، مگر اس سے نفع نہ ہوتا اور جس سے نفع کی توقع نہ تھی اس سے نفع پہنچتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے خود تقسیم میراث کا قانون مقرر فرما دیا تاکہ کوئی الجھن پیش نہ آئے۔

خاوند کو بیوی کی وفات کے بعد میراث ملنے کی دو صورتیں ہیں

﴿۱﴾ **پہلی صورت:** وَلَكُمْ نِصْفُ... الخ یعنی تم مردوں کو آدھا حصہ ملے گا اس ترکہ کا۔ "مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ" جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں۔ "اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ"، اگر ان کی کچھ اولاد نہ ہو یعنی نہ مذکر نہ مؤنث نہ واحد نہ کثیر نہ اس خاوند سے نہ کسی سابق خاوند سے۔ **دوسری صورت** فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ... الخ پس اگر اس بیوی کی کچھ اولاد ہے خواہ تم سے ہو یا پہلے شوہر سے "فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ"، پس تمہارے لئے ان کے ترکہ سے ایک چوتھائی حصہ ملے گا۔

یہ دو صورتیں ہوئیں باقی مال دوسرے وارثوں کو ملے گا لیکن ہر صورت میں یہ میراث وصیت کے بقدر مال نکالنے کے بعد اگر اس نے وصیت کی ہے اور اگر اس پر قرض ہے تو قرض نکالنے کے بعد۔

عورت کو خاوند کی میراث سے حصہ ملنے کی بھی دو صورتیں ہیں

پہلی صورت وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ... الخ اور بیویوں کو چوتھائی ملے گا اس ترکہ کا جس کو تم چھوڑ جاؤ خواہ وہ ایک ہو یا کئی ہوں کہ وہ چوتھائی سب میں برابر تقسیم ہوگا اگر تمہاری کچھ اولاد نہ ہو یعنی نہ مذکر ہو نہ مؤنث نہ واحد نہ کثیر۔

دوسری صورت فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ... الخ پس اگر تمہاری اولاد ہو تو اس صورت میں ان بیویوں کو خواہ ایک ہو یا کئی تمہارے ترکہ سے آٹھواں حصہ ملے گا۔ اور باقی مال دوسرے وارثوں کو ملے گا۔

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ... الخ کلالہ کی تعریف اور تقسیم وراثت کی دو صورتیں: یعنی ایسا میت جو خواہ مرد ہو یا عورت جس کے نہ اصول ہوں یعنی باپ دادا اور نہ فروع ہوں یعنی اولاد اور نہ بیٹے کی اولاد تو اس کی وراثت کی بھی دو صورتیں ہیں!

پہلی صورت: یہ ہے کہ "وَاِنْ كَانَ... الخ یعنی اس میت کی یعنی جس کی میراث تقسیم ہوگی اس کا ایک بھائی یا ایک بہن

اخیافی یعنی ماں شریک ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

دوسری صورت: فَإِنْ كَانُوٓا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ ... الخ اگر یہ لوگ ایک سے زیادہ ہوں مثلاً دو ہوں یا اس سے زیادہ ہوں تو سب تہائی میں برابر کے شریک ہوں گے۔ ان میں مذکر مؤنث سب کا حصہ برابر ہے اور باقی میراث دوسرے ورثاء کو ملے گی۔ اور اگر کوئی نہ ہو تو پھر انہی کو دی جائے گی۔

فائدہ: اخیافی یعنی ماں شریک کی قید پر امت کا اتفاق اور اجماع ہے۔ (بیان القرآن: ص ۹۹: ج ۱)

غَيْرَ مُضَآرٍّ: اس کو اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں کا صیغہ بتاتے ہیں۔ اسم فاعل کا معنی ہوگا کہ وہ وصیت کرنے والا تکلیف دینے والا نہ ہو۔ اسم مفعول کا معنی ہوگا کہ وارثوں کو ضرر نہ دیا جائے پورا حصہ دیا جائے۔

﴿۱۴:۱۳﴾ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ: احکام خداوندی پر عمل کرنے اور نہ کرنے والوں کا انجام: ان آیات میں دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہے ایک کامل فرمانبردار اور دوسرے کامل نافرمان۔ پہلی آیت میں کامل فرمانبردار کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں کامل نافرمانوں کا ذکر ہے۔ اور تیسری قسم وہ ہے جس کا ذکر یہاں نہیں دوسری آیات میں موجود ہے یہ وہ لوگ ہیں جو عقائد میں فرمانبردار ہیں، مگر اعمال میں کمزور ہیں یہ لوگ سزا بھگتنے کے بعد نجات پا جائیں گے کیونکہ ان کا عقیدہ درست ہے۔

وَالَّٰتِي يَأْتِينَ الْفَٰحِشَةَ مِن نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ

اور وہ عورتیں جو بے حیائی کا کام کرتی ہیں تمہاری عورتوں میں سے پس چار گواہ لاؤ ان پر تم میں سے

فَإِن شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّىٰهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ

پس اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو روک رکھو گھروں میں یہاں تک کہ وفات دے دے ان کو موت یا بنائے اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی

لَهُنَّ سَبِيلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذَانِ يَأْتِيَٰنِهَا مِنكُمْ فَـَٔاذُوهُمَا فَإِن تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا

اور راستہ ﴿۱۵﴾ اور وہ دو مرد جو بے حیائی کا کام کرتے ہیں تم میں سے پس ان کو ایذا پہنچاؤ پس اگر وہ توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں تو اعراض کرو ان سے

إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿۱۶﴾ إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوٓءَ بِجَهَٰلَةٍ

بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ﴿۱۶﴾ بے شک توبہ کی قبولیت اللہ کے ذمے ان لوگوں کے لیے ہے جو برائی نادانی کی وجہ سے کرتے ہیں

ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰٓئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ

پھر توبہ کرلیتے ہیں جلدی سے یہی لوگ ہیں جن کے اوپر اللہ تعالیٰ (مہربانی) سے رجوع فرماتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے ﴿۱۷﴾ اور ان لوگوں کے لیے توبہ

التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّـَٔاتِ حَتَّىٰٓ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْـَٰٔنَ

نہیں ہے جو برائیاں کرتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک کے سامنے موت آجاتی ہے تو کہتا کہ بے شک میں توبہ کرتا ہوں اب

وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰٓئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۸﴾ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ

اور نہ ان لوگوں کے لیے توبہ ہوتی ہے جو اس حالت میں مرجاتے ہیں کہ وہ کفر کرنے والے ہوتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے ﴿۱۸﴾ اے ایمان

اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ

والو تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ تم وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی اور نہ روکو ان کو تاکہ تم بعض وہ چیزیں لے جاؤ جو

اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ

تم نے ان کو دی ہیں سوائے اس کے کہ وہ بے حیائی کی کھلی بات کریں اور ان عورتوں سے میل جول رکھو دستور کے مطابق پس اگر تم ان کو ناپسند کرو

فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ

تو شاید کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت سی بہتری بنادے ﴿۱۹﴾ اور اگر تم تبدیل کرنا چاہتے ہو ایک عورت کی جگہ

زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾

دوسری عورت کو اور تم نے ان میں سے ایک کو ڈھیر مال دیا ہے تو اس میں سے کوئی چیز بھی نہ لو کیا تم لیتے ہو اس کو بہتان اور صریح گناہ کی شکل میں ﴿۲۰﴾

وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

اور تم اس کو کیسے لو گے حالانکہ پہنچ چکے ہیں تمہارے بعض بعض کی طرف اور لیا ہے ان عورتوں نے تم سے پختہ عہد ﴿۲۱﴾

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ

اور نہ نکاح میں لاؤ ان عورتوں کو جن کے ساتھ نکاح کیا ہے تمہارے باپوں نے مگر وہ بات جو پہلے ہو چکی بے شک یہ بات بے حیائی اور غضب کی ہے

وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ ع

اور برا راستہ ہے ﴿۲۲﴾

﴿۱۵﴾ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ : ربط آیات : سورۃ کی ابتداء سے عورتوں کے حقوق قانون وراثت کا ذکر تھا اب یہاں سے عورتوں کی کچھ ذمہ داریوں کا ذکر ہے کہ ان کے پورا نہ کرنے میں تادیب ہوگی گویا کہ یہاں سے قانون اصلاح ازواج شروع ہوتا ہے۔

خلاصہ رکوع : ۳ زانی عورتوں کا بیان، گواہوں کا تقرر، کیفیت بعد از شہادت زانیہ، ہم جنسی کی تعزیر کا بیان، تائبین، شرط قبول توبہ، عدم قبول توبہ، عورتوں پر جبراً وارث بننے کی ممانعت، جبراً خلع پر آمادہ کرنے کی ممانعت، مال لینے کا استثناء، ترغیب خوش اخلاقی و خبر گیری، ناپسندیدہ عورتوں میں حکمت خداوندی، مہر جدید کے لئے پہلی بیوی کے مال پر قبضہ کی ممانعت، مہر واپس لینے کی ممانعت۔ ماخذ آیات ۱۵ تا ۲۲ +

وَالّٰتِيْ : زانی عورتوں کا بیان۔ فَاسْتَشْهِدُوْا : گواہوں کا تقرر : اگر عورت اتنے درجے کی بے حیاء ہوگئی ہے کہ وہ ایسے موقع پر رسوا کر رہی ہے جہاں چار آدمی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ فَاِنْ شَهِدُوْا : کیفیت بعد از شہادت زانیہ : اس کی سزا اس آیت میں یہ ہے کہ اسے ساری عمر قید میں رکھو جب تک اللہ تعالیٰ دوسرا حکم نہ دے۔ دوسرا حکم اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں دیا ہے اب غیر شادی شدہ کی سزا یہی ہے کہ اس کو سو دُرّے لگوائے جائیں۔ جب ثیبہ زنا کرے تو اس کی سزا سو تازیانے اور رجم

دونوں ہیں لیکن جب اس کی جان لینا مقصود ہو تو حاکم کو حق حاصل ہے کہ چھوٹی سزا کو معاف کر دے۔
رجم کا حکم: صحیح مسلم شریف میں حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے قرآن شریف میں مذکور نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اگر لوگ یوں نہ کہتے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن شریف میں زیادتی کر دی ہے تو میں رجم کی آیت کو قرآن شریف میں بڑھا دیتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رجم کا جملہ دراصل قرآن کریم کی شرح میں تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو اس قدر لازمی اور ضروری خیال کرتے تھے کہ اگر انہیں تحریف کا خطرہ نہ ہوتا تو قرآن کریم میں لکھ دیتے تاکہ آئندہ مسلمان حاکم اس کو نہ چھوڑ سکیں۔ (تفسیر حضرت لاہوریؒ ص۔ ۱۱۸)

فائدہ: اس آیت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

﴿۱۶﴾ **وَالَّذٰنِ يَأْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ**... الخ **ہم جنسی کی تعزیر کا بیان**: حضرات مفسرین نے اس آیت کا مطلب زنا ہی قرار دیا ہے اور حضرت شاہ صاحب بھی زنا ہی مراد لیتے ہیں لیکن بعض مفسرینؒ نے اس آیت کو دو مردوں کی باہمی بدکاری پر ہی محمول کیا ہے۔
(بحر محیط: ص: ۱۹۶، ج: ۳و مدارک: ص: ۵۸، ج: ۱ و ابن کثیر: ص: ۲۹، ج۔ ۲)

لواطت کی سزا میں مختلف اقوال ہیں شرع میں کوئی حد مقرر نہیں ہے مقدار اور کیفیت ایذاء امام حاکم کی تجویز پر موقوف ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے امام جیسا مناسب سمجھے دونوں کی تعزیر کرے بار بار سزا دینے کے بعد بھی اگر مجرم باز نہ آئے تو امام دونوں کو قتل کرا سکتا ہے اس میں شادی شدہ اور کنوارے کی کوئی تفریق نہیں ہے سیاست کا جیسا تقاضا ہو ویسا کیا جائے۔ امام ابن ہمام رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک حد مقرر نہیں بلکہ تعزیر کی جائے اور مرتے دم تک قید رکھا جا سکتا ہے اور اگر کوئی لواطت کا عادی ہو تو امام اس کو قتل کرا دے۔ (تفسیر مظہری، ص: ۵۰، ج۔ ۲)

فَإِنْ تَابَا: تائبین: پھر اگر وہ توبہ کر لیں۔ توبہ کے بعد جو فرمایا کہ تعرض مت کرو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سزا نہ دو کیونکہ یہ تو سزا کے بعد مذکور ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ سزا کے بعد پھر ملامت مت کرو اور زیادہ سزا مت دو برخلاف توبہ نہ کرنے والے کے اس پر ملامت درست ہے۔ (محصلہ بیان القرآن: ص: ۱۰۱، ج۔ ۱)

﴿۱۷﴾ **إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ**... الخ **ربط آیات**: اوپر توبہ کا ذکر تھا اب آگے توبہ کی قبولیت اور عدم قبولیت کا ذکر ہے۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ... الخ **شرط قبول توبہ**۔ **السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ**: جو جہالت کی وجہ سے برا کام کرتے ہیں۔ علامہ بغوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ہر گناہ خواہ قصداً ہو یا بلا قصد جہالت ہے جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے وہ جاہل ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے ابو العالیہ رحمہ اللہ کا قول بھی یہی نقل کیا ہے۔ بعض علماء نے جہالت کی تشریح میں کہا کہ ہمیشہ کے عیش کو چھوڑ کر عارضی فنا پذیر لذت کا حاصل کرنا جہالت ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ نفس حیوانی کے جوش کے وقت اللہ کے عذاب سے غافل ہو جانا ہی جہالت ہے۔ (تفسیر مظہری ص: ۷۰، ج۔ ۲)

سوال: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ ان لوگوں کی قبول ہوگی جو جہالت سے گناہ کرتے ہیں اور اگر بغیر جہالت کے گناہ کریں تو ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی؟

جواب: جہالت کبھی مبدأ میں ہوتی ہے اور کبھی مآل میں۔ یہاں مآل میں جہالت مراد ہے۔ مبدأ کا معنی یہ ہے کہ اس کو گناہ نہیں سمجھتا ہے کہ گناہ ہے یا نہیں۔ اور مآل میں جہالت یہ ہے کہ اس کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر سزا ملے گی یا نہیں اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ ہے۔ (روح المعانی)

اور توبہ کی بہترین صورت یہ ہے کہ مغلوب الہوی شخص سے اگر کوئی غلطی صادر ہو گئی ہے تو اس کے بعد فوراً طبیعت میں ندامت

پیدا ہوگئی ہو اور باز آجائے۔ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۔ الخ نتیجہ :حضرات علمائے کرام فرماتے ہیں عدل و انصاف تو یہی ہے کہ معاف نہ کرے مگر ایمان والوں کو اپنی رحمت سے معاف کردے گا۔

﴿۱۸﴾ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ ... الخ عدم قبول توبہ :اس وقت کہتا ہے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔ توبہ کا یہ طریقہ نہیں ہے ساری عمر دانستہ گناہوں پر اصرار کرتے رہیں جب موت کا یقین ہوجائے اور دم سینہ میں آکر ہچکیاں لینے لگے تو تب توبہ کریں ایسی توبہ قبول نہیں ہوگی اور مرنے کے بعد بھی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

فَائِدَہ: ❶ حضرت تھانوی ﷫ لکھتے ہیں کہ قریب کی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ زندگی سے ناامیدی ہوجائے لیکن اب تک دوسرے عالم کے احوال نظر نہیں آئے، دوسرے یہ کہ احوال نظر آنے لگیں، پہلی حالت میں کافر کا ایمان لانا اور عاصی کی توبہ کرنا دونوں مقبول ہیں اور دوسری حالت میں دونوں غیر مقبول۔ ❷ "سوء" اور "سیات" دونوں جگہ اپنے عموم سے ہر عمل بدنی کے کفر کو بھی شامل ہے۔ ❸ مسلمان عاصی کے حق میں جو فرمایا کہ حضور موت کے وقت توبہ قبول نہیں یعنی مغفرت کا وعدہ اس پر مرتب نہیں اور ویسے اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے فضل ہوجائے تو کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ (بیان القرآن: ص:۱۰۲ ج۔۱)

اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا : نتیجہ عدم قبول توبہ :ہم نے ان کافروں کے لئے دردناک سزا دوزخ میں تیار کررکھی ہے

﴿۱۹﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَکُمْ : عورتوں پر جبراً وارث بننے کی ممانعت :اے ایمان والو تمہارے لئے حلال نہیں کہ تم وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ تم عورت کو میت کا ترکہ سمجھ کر اس کے وارث بن جاؤ۔ اور اس پر ظلم کرتے رہو۔ اس کی کئی صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ اس عورت سے زبردستی نکاح کرلو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی دوسرے شخص کا اس سے نکاح کرادو اور اس کے مہر کو خود کھاجاؤ۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ان عورتوں کو نکاح کرنے سے روکے رکھو تاکہ وہ اس حال میں مرجائیں اور ان کے مال کے وارث بن جاؤ۔

وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ :جبراً خلع پر آمادہ کرنے کی ممانعت :اور عورتوں کو محض اس لیے تنگ نہ کرو کہ جو کچھ تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ حصہ ان سے واپس لے لو یعنی مطلب یہ ہے کہ ان عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ کر ایسا تنگ نہ کرو کہ وہ خلع لینے پر مجبور ہوجائیں پس جس قدر مال تم ان کو مہر میں دے چکے ہو اس قدر خلع کے بہانہ سے پھر واپس نہ لے لو۔

اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ : مال لینے کا استثناء :ہاں اگر وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں مثلاً، زنا، یا بدزبانی، یا نافرمانی تو ایسی صورت میں تمہیں حق ہے کہ ان کو خلع پر اور مہر کی واپسی پر مجبور کرو۔ حضرت تھانوی ﷫ لکھتے ہیں زنا سے مہر ساقط نہیں ہوگا۔ (بیان القرآن، ص: ۱۰۳ ج۔ ۲)

باقی دونوں صورتوں میں مہر واپس لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ : ترغیب خوش اخلاقی وخبر گیری :یعنی ان کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ اور نان نفقہ کا خیال رکھو اور اگر ایک سے زائد بیویاں ہیں تو عدل و انصاف کا خیال رکھو۔

فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ : ناپسندیدہ عورتوں میں حکمت خداوندی: پھر اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ان میں دنیوی یا دینی نفع رکھ دے مثلاً وہ تمہاری خدمت گار اور ہمدرد ہوں یہ دنیا کا نفع ہے یا اس سے کوئی صالح اولاد پیدا ہوجائے یا اولاد ہو کر مرجائے جو ذخیرہ آخرت بنے اگر کچھ بھی نہ ہو تو کم از کم صبر کا ثواب ملے گا، حدیث میں ہے کہ صبر کا بدلہ جنت ہے۔

﴿۲۰﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ : مہر جدید کے لئے پہلی بیوی کے مال پر قبضہ کرنے کی ممانعت : زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا ایک دستور یہ بھی تھا کہ جب کوئی اپنی عورت سے ناخوش ہوتا، اور اسے چھوڑ کر دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہتا، تو پہلی عورت پر کوئی جھوٹ وغیرہ کی تہمت لگاتا، اور مختلف طریقوں سے اس کو ستاتا کہ عورت مجبور ہو کر مہر واپس کر دے یہ مہر نکاح جدید کے کام آئے۔ اس کی ممانعت کے لئے یہ آیت نازل ہوئی اس میں مہر لینے کو صریح گناہ اور ناحق کہا گیا ہے۔

﴿۲۱﴾ وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ ...الخ مہر واپس لینے کی ممانعت : مہر کو کس طرح واپس لیتے ہو حالانکہ ایک دوسرے سے خلوت اور تنہائی میں مل چکے ہو۔ جب کوئی امر شرعی جماع سے مانع نہیں رہا ہو تو پھر پورا مہر واجب ہے، خواہ جماع ثابت نہ ہو کیونکہ "افضی" کے معنی خالی جگہ میں جانے کے ہیں، معلوم ہوا کہ محض "افضی" سے یعنی خلوت ہونے سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے، یہی جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کا مذہب ہے ہاں اگر خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دے دی تو آدھا مہر واجب ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں مہر واپس لینے کی حرمت کی دو علتیں بیان فرمائی ہیں ایک تنہائی و خلوت جماع سے کسی چیز کا مانع نہ ہونا۔ اور دوسری علت نکاح جو ایجاب وقبول سے پختہ عہد ہو چکا ہے لہٰذا مہر کو واپس لینا اس عہد و پیمان کے خلاف ہے۔

﴿۲۲﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ... الخ محرمات نکاح... زمانہ جاہلیت میں نکاح کے معاملہ میں سخت افراط و تفریط تھی لوگ حدود اللہ سے تجاوز کر چکے تھے مثلاً بعض لوگ اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتے اور بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کر لیتے، اور بعض دو بہنوں کو نکاح میں جمع کر لیتے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان عورتوں کا ذکر فرمایا ہے جن سے نکاح حرام ہے اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے باپ کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت کا ذکر فرمایا ہے۔

اور اس آیت میں تین لفظ ذکر فرمائے ہیں ایک "فَاحِشَةً" دوسرا "مَقْتًا" اور تیسرا "وَسَآءَ سَبِيْلًا" "فَاحِشَةً" سے قبح عقلی مراد ہے یعنی باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا عقلاً قبیح ہے اور "مَقْتًا" سے قبح شرعی مراد ہے یعنی شرعاً اور عند اللہ قبح ہے موجب غضب خداوندی ہے اور "وَسَآءَ سَبِيْلًا" سے قبح عرفی مراد ہے اور ایسا شخص مستحق قتل ہے۔

اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ : ہاں اگر جو چیز نہی اور ممانعت سے پہلے کی جا چکی ہے اس پر عذاب اور مواخذہ نہیں ہوگا مگر جو آئندہ ایسا کرے گا اس پر سخت مواخذہ ہوگا۔ حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرا ماموں میرے قریب سے گزرا اور اس کے پاس ایک جھنڈا تھا میں نے کہا آپ کہاں جا رہے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک شخص کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے کہ میں اس کا سر اتار کر لاؤں۔

(رواہ احمد و ابوداؤد والترمذی؛ معالم التنزیل: ص: ۲۵ ۲ ج: ۱؛ بحر محیط: ص: ۲۰۹ ج: ۳؛ ابن کثیر: ص: ۳۸۷ ج۔ ۲)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ

حرام قرار دی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ

اور حرام قرار دی گئی ہیں تم پر تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ کی بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری وہ پر وردہ بچیاں جو

حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫

تمہاری پرورش میں ہیں تمہاری عورتوں میں سے جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہے اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا

(کہ تم ان لڑکیوں سے نکاح کرو) اور (تم پر حرام قرار دی گئی ہیں) تمہارے ان بیٹوں کی عورتیں جو تمہاری پشت سے ہیں اور (تم پر حرام قرار دی گئی ہے یہ بات) کہ تم اکٹھا کرو دو بہنوں کو (یک وقت) مگر وہ جو

قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۲۳﴾

پہلے بات ہو چکی ہے بے شک اللہ بخشش کرنے والا مہربان ہے ﴿۲۳﴾

﴿۲۳﴾ حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ الخ محرمات کی تفصیلات۔ ربط آیات : گزشتہ آیت میں باپ کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت کا ذکر تھا اب آگے ان عورتوں کی تفصیل ہے جن سے نکاح حرام اور باطل ہے اور ان کی کئی قسمیں ہیں۔

خلاصہ رکوع ۴ (۱) تفصیل محرمات نسبیہ، محرمات رضاعیہ، محرمات صہریہ، محرمات نکاح شدہ، قسم مستثنیٰ، حلت نکاح کا بیان، شرائط نکاح، پہلی شرط کی تفصیل، مہر میں باہمی رضامندی سے کمی اور اضافہ کی اجازت، شرعی لونڈیوں سے نکاح کی اجازت، لونڈیوں سے نکاح کے شرائط، لونڈیوں کے زنا کی سزا، لونڈیوں سے نکاح کی اجازت کی وجہ، لونڈیوں سے عدم نکاح کی جزا خیر۔ ماخذ آیات: ۲۳: تا ۲۵ +

محرمات کی چار قسمیں ہیں۔ ۱۔ محرمات نسبیہ۔ ۲۔ محرمات رضاعیہ۔ ۳۔ محرمات صہریہ۔ ۴۔ محرمات نکاح شدہ

❶ محرمات نسبیہ : ان کی تعداد سات ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ : یعنی وہ عورتیں جو نسب میں شریک ہونے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں، اور تمہاری بیٹیاں تمہارے تمام اصول اور فروع عورتیں خواہ وہ اصول و فروع بواسطہ ہوں یا بلا واسطہ ہوں حرام ہیں۔

وَاَخَوٰتُكُمْ : اور تمہاری بہنیں، خواہ وہ عینی ہوں یا علاتی ہوں یا اخیافی۔ اور حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری پھوپھیاں یعنی تمہارے باپ دادا کی بہنیں خواہ کتنے ہی درجہ اوپر ہوں اور خواہ وہ باپ دادا کی عینی یا علاتی یا اخیافی بہنیں ہوں اور نانا کی بہنیں بھی پھوپھی کے حکم میں داخل ہیں۔ اور حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری خالائیں یعنی تمہاری ماں کی بہنیں خواہ وہ عینی ہوں یا علاتی ہوں یا اخیافی۔ اور حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری بھتیجیاں، اور حرام کی گئی ہیں تم پر بھانجیاں یعنی جو عورتیں بھائی یا بہن کی نسل سے ہوں اور ان کا نسب بھائی یا بہن کی طرف منتہی ہوتا ہے وہ سب تم پر حرام ہیں۔ یہ سات قسمیں تھی محرمات نسبیہ کی جن سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نکاح حرام ہے۔

❷ محرمات رضاعیہ : ان کی تعداد بھی سات ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ : اور جن ماؤں نے تم کو دودھ پلایا ہو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف رضاعی ماؤں اور رضاعی بہنوں ہی کی حرمت کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ رضاعی نانیاں اور رضاعی پھوپھیاں اور خالائیں اور بھانجیاں اور بھتیجیاں بھی حرام ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت کے بیان پر اکتفاء فرمایا تا کہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ رضاعت بمنزلہ نسب کے ہے۔ اور یہ ساتوں رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں، اور رضاعت سے بھی حرام ہیں یعنی رضاعی بیٹی اور پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی بھی حرام ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی صراحت فرمادی : "یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب"۔

فائدہ : دودھ پینا وہی معتبر ہے جو زمانہ شیر خوارگی میں پیا ہو۔ (معارف القرآن مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ ص ۱۷۵، ج ۲)

مسئلہ : ❶ ذرا سا دودھ (اگرچہ ایک قطرہ ہی ہو) اگر حلق میں صرف ایک ہی بار اتر جائے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: ❷ دوسال (چاند کے اعتبار سے) کی مدت کے اندر حرمت رضاعت ثابت ہوجاتی ہے اس پر سب ائمہ کا اجماع ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دودھ پلانے کی مدت اڑھائی سال ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ اڑھائی سال کے اندر کوئی بچہ یا بچی دودھ پی لے تو اس دودھ پینے کی وجہ سے حرمت کا فتویٰ دیا جائے اکثر ائمہ کے نزدیک دوسال کے بعد دودھ پینے سے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اڑھائی سال کے بعد دودھ پینے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

مسئلہ: ❸ محض کسی ایک عورت یا چند عورتوں کے کہنے سے کہ فلاں عورت نے فلاں لڑکے یا لڑکی کو دودھ پلایا ہے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی اس کے ثبوت کے لئے دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ہونا شرط ہے البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ اگر ایک عورت بھی کہہ دے کہ میں نے فلاں لڑکے اور لڑکی کو دودھ پلایا ہے تو ان کا آپس میں نکاح نہ کیا جائے۔

مسئلہ: ❹ اگر مردہ عورت کا دودھ چھاتی سے نکال لیا جائے اور کسی بچہ یا بچی کے حلق میں ڈال دیا جائے تو اس سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہوجاتی ہے۔ (انوارالبیان: ص:۲۷۶ ج۔۲)

❸ محرمات صہریہ: ان کی چار قسمیں ہیں۔

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ: اور تمہاری عورتوں کی مائیں یعنی جن عورتوں سے نکاح کے تعلق کی وجہ سے نکاح حرام ہے اب ان کا ذکر ہے۔
ان کی چار قسمیں ہیں۔ **پہلی:** وہ عورت ہے جس سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے وہ بیوی کی ماں ہے۔

دوسری: وہ عورت ہے جو بیوی کی بیٹی ہو دوسرے شوہر سے مگر شرط یہ ہے کہ اس بیوی سے صحبت بھی کی ہو، اگر صحبت سے پہلے اس عورت کو طلاق دے دی گئی، تو اس کی لڑکی سے نکاح ہوسکتا ہے۔ مگر بیوی کی ماں سے ہر حال میں نکاح حرام ہے خواہ بیوی سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔ **تیسری:** وہ عورت ہے، جو تمہارے بیٹوں کے نکاح میں آچکی ہیں ان سے بھی کبھی نکاح درست نہیں۔

چوتھی قسم: وہ عورتیں ہیں جن سے ہمیشہ کیلئے نکاح نہیں بلکہ اپنی بیوی کی قرابت کی وجہ سے نکاح درست نہیں جیسے بیوی کی بہن بیوی کی موجودگی میں۔ البتہ بیوی کے مطلقہ یا وفات کی صورت میں نکاح ہوسکتا ہے۔ **فِیْ حُجُوْرِكُمْ:** جو تمہاری پرورش میں ہیں تفسیر مدارک میں ہے کہ عادۃً ایسا ہوتا ہے کہ خاوند اس کو ساتھ رکھ لیتا ہے۔ (مدارک: ص:۳۶۳ ج۔۱) لیکن یاد رہے کہ یہ قید اتفاقی ہے۔

مِنْ اَصْلَابِكُمْ: یہ قید متبنّٰی بیٹے کی بیوی کو نکالنے کیلئے ہے دودھ شریک کو نکالنا مقصود نہیں ہے۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ

اور حرام (قرار دی گئی ہیں تم پر) خاوند والی عورتیں عورتوں میں سے مگر وہ کہ جن کے مالک ہوں تمہارے داہنے ہاتھ، یہ تم پر اللہ کی طرف سے حکم ہے اور حلال قرار دی گئی ہیں

لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا

تمہارے لیے ان سب عورتوں کے علاوہ یہ تلاش کرو تم اپنے مالوں کے ساتھ قید میں لانے والے ہو نہ شہوت رانی کرنے والے پس تم

اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا

نے ان میں سے جس سے فائدہ اٹھایا تو دے دو ان کو ان کے مہر جو مقرر ہیں اور تم پر اس چیز میں کوئی گناہ نہیں

تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ لَّمْ

کہ تم آپس میں راضی ہوجاؤ مقررہ مہر کے بعد بے شک اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے ﴿۲۴﴾ اور جو شخص تم

يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ

میں سے طاقت نہیں رکھتا کہ وہ نکاح کرے مومن آزاد عورتوں کے ساتھ، پس ان سے نکاح کرلے جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہیں

فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ

تمہاری نوجوان مومنہ لونڈیوں میں سے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے ایمانوں کو بعض تم میں بعض سے ہیں پس ان سے نکاح کرو ان کے

اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ

مالکوں کی اجازت سے اور ان کو مہر ادا کرو دستور کے مطابق، وہ قید نکاح میں آنیوالی ہو نہ محض شہوت رانی کرنے والی اور نہ پوشیدہ طور پر دوستی اختیار کرنے والی

اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى

پس جب وہ قید نکاح میں لائی جائیں اگر وہ کوئی بے حیائی کا کام کریں پس ان پر نصف ہے وہ سزا جو

الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ

آزاد لونڈیوں پر ہے یہ (لونڈیوں کے ساتھ نکاح کی اجازت) اس شخص کے لئے جو تم میں سے مشقت میں پڑنے سے ڈرتا ہے اور یہ کہ صبر کرو تمہارے لیے بہتر ہے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿۲۵﴾

❹ محرمات نکاح شدہ یعنی شوہر والی عورتیں۔

﴿۲۴﴾ وَالْمُحْصَنٰتُ... الخ یعنی شوہر والی عورتیں تم پر حرام ہیں جب تک ان کے شوہر زندہ ہیں یا طلاق نہ دیں، اور وفات یا طلاق کی عدت نہ گزر جائے تو دوسروں کو ان سے نکاح درست نہیں۔

اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ : قسم مستثنیٰ : مگر اس قسم میں وہ مستثنیٰ ہیں جن کے تمہارے ہاتھ شرعی طور پر مالک ہو جائیں یعنی مسلمان دار الحرب پر چڑھائی کریں اور ان کی عورتیں قید کر کے دار السلام میں لے آئیں تو ان کی عورتیں مال غنیمت میں تقسیم ہونگی اب جس کے حصہ میں آئیں گی وہ ان کے مالک ہو گئے ان کا سابق نکاح ختم ہو جائے گا خواہ ان کے سابق شوہر زندہ ہوں یا نہ ہوں۔ اب مسلمان ان کو اپنے استعمال میں لاسکتے ہیں وہ ان کے لئے حلال ہیں بشرطیکہ ایک حیض گزر جائے اور وہ اگر حاملہ ہوں تو وضع حمل ہو جائے، اس سے پہلے صحبت درست نہیں۔ وَاُحِلَّ لَكُمْ ... الخ : اور حلال کی گئیں تمہارے لیے وہ عورتیں جو ان کے علاوہ ہیں۔ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ : شرائط نکاح ❶ یعنی تم انہیں اپنے اموال کے ذریعہ تلاش کرو۔

مُحْصِنِيْنَ ❷۔ قید نکاح میں رکھنے والے ہوں (جب کہ متعہ میں یہ قید نہیں پائی جاتی) "غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ" ❸۔ نہ کہ مستی نکالنے والے ہوں (جب کہ متعہ میں شہوت رانی اور مستی نکالنی ہوتی ہے) پہلی شرط کی تفصیل فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ میں حرف "فَ" سے جو ما قبل پر تفریع اور ترتیب کے لیے ہوتا ہے "فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ" فرمایا ہے یعنی قید نکاح میں رکھنے اور شہوت رانی نہ کرنے کی قید کو ملحوظ رکھ کر جب عورتوں سے تم ازدواجی تمتع اور فائدہ حاصل کرو تو ان کے مقرر مہر ادا کرو، آگے فرمایا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ ، مہر میں باہمی رضامندی سے کمی اور اضافہ کی اجازت ، یعنی بیوی اور خاوند دونوں آپس میں

رضا سے مقررہ مہر کے بعد اور بھی بڑھا سکتے ہیں، یا عورت کم کر دے یا معاف کر دے ہر طرح درست ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب کہ ازدواجی تعلق برقرار ہو اور متعہ میں صرف مستی نکالنی ہوتی ہے، اس کے بعد بھلا ازدواجی تعلق کہاں ہوتا ہے؟

نکاح کے لیے چار شرطیں ہیں

❶ دونوں طرف سے زبانی طور پر ایجاب وقبول ہو۔ ❷ مہر دینا قبول کرے۔ ❸ نکاح کے ذریعہ سے عورتوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قبضہ میں رکھنا مقصود ہو صرف مستی نکالنا نہ ہو اور اس میں کوئی مدت متعین نہ ہو اس سے متعہ کا حرام ہونا واضح ہو گیا تمام اہل حق کا اس پر اجماع ہے۔ ❹ سورۃ مائدہ وغیرہ میں ہے کہ پوشیدہ طور پر دوستانہ اور یارانہ نہ ہو کم از کم اس نکاح پر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں، اگر بغیر گواہوں کے ایجاب وقبول ہوا تو زنا ہو گا نکاح نہیں ہو گا۔

نوٹ: یہاں چند مباحث کا یاد رکھنا ضروری ہے:

❶ **تعریف متعہ :** ڈاکٹر موسیٰ الموسوی الاصفہانی ''الشیعۃ والتصحیح'' جس کا اردو ترجمہ اصلاح شیعہ کے نام سے ابو مسعود آل امام نے کیا ہے اس میں لکھا ہے کہ فقہاء شیعہ کے فتویٰ جواز کے مطابق وقتی شادی یا متعہ صرف یہ ہے کہ ایک ہی شرط پر جنسی تعلقات کی عام آزادی ہے پس عورت کسی کے حبالہ عقد میں نہ ہو تو اس سے ایجاب وقبول کے ذریعہ نکاح جائز ہے کوئی بھی شخص دو کلموں میں یہ نکاح کر سکتا ہے، نہ گواہوں کی ضرورت اور نہ کسی خرچ واخراجات کی، اور مدت نکاح بھی اپنی حسب منشاء رکھ سکتا ہے، اور مطلق اختیارات بھی اپنے پاس محفوظ رکھ سکتا ہے، چاہے تو ایک ہی چھت تلے متعہ کے ساتھ اپنے پاس ہزار بیوی جمع کر لے۔
(اصلاح شیعہ: ص۔۱۹۱)

❷ **شیعہ مذہب میں متعہ کی فضیلت :** ملا باقر مجلسی عجالہ حسنہ میں لکھتے ہیں کہ جناب ختم المرسلین نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنی عمر میں ایک دفعہ متعہ کرے گا وہ اہل بہشت سے ہے۔ وہ مرد جس نے متعہ کا ارادہ کیا اور وہ عورت جو متعہ کے لیے آمادہ ہوئی جب یہ دونوں باہم بیٹھتے ہیں تو ایک فرشتہ نازل ہوتا ہے، اور وہ جب تک دونوں اپنی خلوت گاہ سے نکلتے نہیں وہ ان کی حفاظت کرتا ہے۔ دونوں کا آپس میں گفتگو کرنا تسبیح کا مرتبہ رکھتا ہے، جب دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتے ہیں، تو ان کی انگلیوں سے ان کے گناہ ٹپکنے لگتے ہیں، دونوں جب آپس میں بوسہ لیتے ہیں تو حق تعالیٰ دونوں کو ہر بوسہ کے ساتھ حج وعمرہ کا ثواب عطا فرماتا ہے، وہ دونوں عیش و مباشرت میں جب تک مصروف رہتے ہیں پروردگار عالم ہر لذت وشہوت کے ساتھ ان کے نامۂ اعمال میں پہاڑوں کے برابر ثواب تحریر کرتا ہے۔ جب وہ دونوں فارغ ہوتے ہیں اور غسل کرتے ہیں درآنحالیکہ وہ جانتے ہیں، اور یقین رکھتے ہوں کہ سبحانہ وتعالیٰ ہمارا خدا ہے، اور متعہ کرنا سنت رسول مقبول ہے، تو خدا تعالیٰ فرشتوں سے خطاب کرتا ہے کہ میرے ان دونوں بندوں کو دیکھو جو اٹھے ہیں اس علم ویقین کے ساتھ غسل کر رہے ہیں کہ میں ان کا پروردگار ہوں تم گواہ رہو میں نے ان کے گناہوں کو بخش دیا۔
ان کے جسم کے کسی بال سے پانی گرنے نہیں پاتا کہ دونوں کے لیے ایک ایک بال کے عوض دس دس ثواب لکھ دیئے جاتے ہیں، اور دس دس گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، اور ان کے مراتب دس دس درجہ بلند کر دیے جاتے ہیں۔ راویان حدیث جناب سلمان وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کیا کہ یا حضرت میں آپ کی تصدیق کرنے والا ہوں، یہ ارشاد ہوا کہ جو شخص اس کار خیر میں سعی کرے اس کے لیے کیا ثواب ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ اس کا ثواب بھی متعہ کرنے والوں کے ثواب کی مانند ہے، پھر جناب امیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ متعہ کرنے والے کا کیا ثواب ہے؟ حضرت نے فرمایا وہ لوگ فارغ ہو کر جب غسل کرتے ہیں تو جتنے قطرے ان کے بدن سے گرتے ہیں ان سے حق تعالیٰ ایسے فرشتے خلق فرماتا ہے جو تسبیح و تقدیس ایزدی

بجالاتے ہیں، اور اس کا ثواب تا قیامت دونوں کو پہنچتا ہے، یہ سن کر جناب امیر نے فرمایا کہ جو شخص اس سنت کو دشوار سمجھے اور اس پر عمل نہ کرے وہ میرے شیعوں میں سے نہیں اور میں اس سے بیزار ہوں۔

حضرت سید عالم نے فرمایا ہے کہ جس نے زن مؤمنہ سے متعہ کیا گویا اس نے خانہ کعبہ کی ستر مرتبہ زیارت کی۔(مترجم) اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی مؤمنہ سے متعہ کرنے والے کو حرم محترم کی ستر مرتبہ زیارت کرنے کا ثواب ملے گا۔ جناب رحمۃ للعالمین ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص ایک دفعہ متعہ کرتا ہے اس کے جسم کے ایک ثلث نار جہنم سے آزاد ہو جاتا ہے، جو شخص دو مرتبہ یہ عمل خیر بجالاتا ہے اس کا دو ثلث بدن آتش دوزخ سے آزاد ہو جاتا ہے، جو شخص تین مرتبہ متعہ کرتا ہے اس کا تمام جسم دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ سے آزاد ہو جاتا ہے۔ حضرت رسول کریم نے فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ مؤمنین و مؤمنات کو رغبت دلانی چاہئے کہ جب تک وہ متعہ نہ کریں دنیا سے رحلت نہ کریں خواہ ایک ہی مرتبہ ہو۔ (مترجم)

اس حدیث شریف سے متعہ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قربۃ الی اللہ کے لئے کم از کم ایک دفعہ ضرور متعہ کرنا چاہئے۔ خدائے پاک نے اپنی نفس کی قسم کھائی ہے کہ جس مرد اور عورت نے متعہ کیا ہوگا اس کو آتش دوزخ سے معذب نہ کروں گا، ایک دفعہ متعہ کرنے والا نار جہنم سے بے خوف رہے گا دو مرتبہ متعہ کرنے والا نیک بندوں کے ساتھ ہوگا، تین مرتبہ متعہ کرنے والا داخل جنت ہوگا جو شخص جس قدر متعہ کرے گا حق تعالیٰ اس کے مدارج اسی قدر زیادہ فرمائے گا۔

اے علی رضی اللہ عنہ قیامت کے دن زوج اور زوجہ ایسی نورانی سواریوں پر ہوں گے جن کے پاؤں مروارید کے اور کان زبرجد کے آنکھیں یاقوت کی، پیٹ لؤلؤ اور مرجان کے ہوں گے۔ یہ لوگ بجلی کی طرح صراط سے گزر جائیں گے، اور ان کے ساتھ ساتھ فرشتوں کی ستر صفیں ہوں گی۔ دیکھنے والے کہیں گے کہ یہ ملائکہ مقرب ہیں یا انبیاء مرسل فرشتے جواب دیں گے کہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سنت نبوی کو دنیا میں زندہ کیا یعنی متعہ کیا اور وہ لوگ بغیر حساب کئے ہوئے بہشت میں داخل کیے جائیں گے، یا علی رضی اللہ عنہ جو شخص برادر مؤمن کے لیے سعی کرے گا اس کو بھی متمتع کی مانند ثواب ملے گا، یا علی رضی اللہ عنہ متعہ کرنے والے جب غسل کرتے ہیں تو اپنے گناہوں سے اسطرح پاک ہو جاتے ہیں جیسا کہ اپنی ماں کے پیٹ سے بے گناہ پیدا ہوئے تھے، اور کوئی قطرہ ان کے بدن سے نہیں گرتا مگر یہ کہ حق تعالیٰ ہر دفعہ ایسے فرشتے پیدا فرماتا ہے جو تسبیح و تقدیس باری تعالیٰ بجالا کر ثواب متمتع اور متمتعہ کو بخشتے ہیں۔

(بحوالہ حسنہ ترجمہ رسالہ متعہ: ص ۱۲ تا ۱۷ مترجم سید محمد جعفر قدسی: در مطبع اثنا عشری دہلی طبع شد)

۳ **خمینی کا متعہ پر استدلال:** چنانچہ خمینی اپنے مجتہدین کی اتباع میں کشف الاسرار میں لکھتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ:

"عورتوں سے متعہ کرنا تمام مسلمانوں کے نزدیک اتفاقی طور پر آنحضرت ﷺ کے دور سے شروع ہے آنحضرت ﷺ کی وفات تک اس کا کوئی ناسخ نہیں اہل بیت اور سنیوں کی متواتر اخبار سے اس کا ثبوت ہے اور صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہ سے چند اسانید کے ساتھ مروی ہے کہ ہم نے آنحضرت ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں متعہ کیا تا آنکہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کیا۔

یہ بات استفاضہ کے ساتھ منقول ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کہا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں متعۃ الحج اور متعۃ النساء ہوتے تھے اور میں منع کرتا ہوں، اب اگر کسی نے ایسا کیا تو میں سزا دوں گا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا متعہ سے منع کرنا یہ مخالفت قرآن ہے کیونکہ قرآن میں آتا ہے "فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ" پس وہ عورتیں جن سے تم (جنسی) فائدہ اٹھاؤ تو ان کے مہر ان کو دے دو۔ اور طبری نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر رحمہ اللہ، سدی رحمہ اللہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے کہ اس آیت میں عورتوں سے متعہ مراد ہے اور خود عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اقرار تھا کہ یہ معاملہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہوتا تھا۔

(محصلہ کشف الاسرار: ص ۱۱۷ و ۱۱۸)

جواب: اس سے قبل ایک تمہید کا جاننا ضروری ہے شیعہ حضرات جس متعہ کے قائل ہیں اس کا کسی دین میں کسی وقت بھی جائز ہونا ثابت نہیں اس لیے کہ شیعہ کے نزدیک متعہ اور زنا میں کوئی فرق نہیں، اور زنا کسی دین میں کسی وقت بھی حلال نہیں تھا بلکہ تمام ادیان زنا کی حرمت پر متفق ہیں۔

ابتداء اسلام میں جو متعہ مشروع تھا اس کو نکاح مؤقت کہتے ہیں یعنی ایک مدت معینہ کے لیے گواہوں کی موجودگی میں ولی کی اجازت سے کسی عورت سے نکاح کیا جائے اور مدت معینہ کے گزر جانے کے بعد بغیر طلاق کے مفارقت ہو جائے لیکن مفارقت کے بعد ایک حیض کا آجانا ضروری ہے تاکہ دوسرے کے نطفہ سے اختلاط نہ ہو جائے صرف یہی صورت ابتداء اسلام میں جائز تھی بعد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی۔

باقی متعارف متعہ جسکی اوپر تعریف گذر چکی ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہے کہ میں تجھ سے ایک دن کے لئے نفع حاصل کروں گا اور ایک یا دو دن کے نفع کی اجرت دوں گا یہ صریح زنا اور عین زنا ہے متعہ کی یہ صورت کبھی اسلام میں جائز نہیں ہوئی۔

اور احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف نکاح مؤقت کی رخصت دی تھی، اور متعہ کی اجازت نہیں دی تھی، اور جس نے اس کو متعہ کہا تو اس کو مجازاً کہا یا باعتبار مشابہت کے کہا ہے۔

❷ نکاح متعہ کی حرمت کا پہلا اعلان: نکاح متعہ کی حرمت کا پہلا اعلان غزوہ خیبر میں ہوا پھر غزوہ اوطاس میں اور پھر غزوہ تبوک میں اور پھر حجۃ الوداع میں تاکہ عوام اور خواص کو اس کی حرمت کا خوب علم ہو جائے۔ حضور پاک ﷺ کا حرمت متعہ کے لیے بار بار اعلان پہلی حرمت کی تاکید در تاکید ہے جو آپ ﷺ غزوہ تبوک میں فرما چکے تھے۔ (محصلہ معارف القرآن مولانا کاندھلوی)

اب خمینی کے اعتراض کا جواب ملاحظہ فرمائیں: ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "حَتّٰی اِذَا نَزَلَتِ الْاٰیَةُ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ فَکُلُّ فَرْجٍ سِوَاهُمَا فَهُوَ حَرَامٌ"۔
(ترمذی، ج:۱، ص۔ ۱۳۳)

یہ آیت سورۃ المؤمنون کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ مردوں کو کسی پر اپنی شرمگاہیں ظاہر کرنا حرام ہے۔ اس سے واضح ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ابتداء اسلام میں متعہ کے قائل تھے، بعد میں متعہ کو حرام قرار دے دیا۔ خمینی کو صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نظر آ گئی کہ ہم آنحضرت ﷺ کے دور میں متعہ کیا کرتے تھے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں منع کر دیا لیکن اسی صحیح مسلم میں حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ (ابن اکوع) فرماتے ہیں "رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ اَوْطَاسٍ فِي الْمُتْعَةِ ثَلَاثًا ثُمَّ نَهٰى عَنْهَا"۔ (مسلم، ج:۱، ص۔ ۱۴۵)

آنحضرت ﷺ نے (غزوہ اوطاس والے سال تین دن کے لیے متعہ کی اجازت دی تھی، پھر اس سے منع کر دیا تھا۔ اس مرفوع حدیث میں متعہ کی نہی صراحتاً مذکور ہے، مگر خمینی کو نظر نہیں آئی۔

شیعہ حضرات کے نزدیک حضرت علی وصی رسول اور خلیفہ بلافصل ہیں وہ روایت فرماتے ہیں "اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ"۔ (بخاری، ج:۲، ص۔ ۶۰۶)

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (غزوہ) خیبر والے دن متعۃ النساء سے منع کر دیا تھا۔

تو اس روایت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برابر کے شریک ہو گئے اب ان کو بھی مخالف قرآن کہو۔ باقی قرآنی آیت سے استدلال پکڑنا بالکل باطل ہے اس لیے کہ اس میں "مُحْصِنِيْنَ" نکاح کی قید ہے، دوسری قید "غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ" کہ مستی نکالنے والے نہ ہو۔ اس سے متعۃ النساء کی بالکل جڑ ہی ختم ہو جاتی ہے

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں "وَوَقَعَ الْاِجْمَاعُ بَعْدَ ذٰلِكَ عَلٰى تَحْرِيْمِهَا مِنْ جَمِيْعِ الْعُلَمَاءِ اِلَّا الرَّوَافِضَ" اس کے بعد روافض کے علاوہ باقی تمام علماء اسلام کا متعہ کے حرام ہونے پر اجماع ہو چکا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ متعہ کی اباحت

کے قائل تھے "اِنَّهٗ رَجَعَ عَنْهُ"لیکن ان سے بھی رجوع مروی ہے۔ (شرح مسلم، ج:۱، ص۔۴۵۰)

الغرض اس آیت سے متعہ اس لیے مراد نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے نکاح صحیح اور ملک کے یمین کے بغیر عورتوں سے تمتع حرام قرار دیا ہے، اور جو چیزیں حرام ہوں وہ اس آیت کی تفسیر نہیں ہوسکتی۔

⑤ نکاح اور متعہ کے چند مسائل میں باہمی تقابل

چنانچہ شیعہ محقق ڈاکٹر موسیٰ الموسوی لکھتے ہیں:

تمام مسلمانوں کے ہاں متفق علیہ دائمی نکاح کی شرطیں۔	عارضی نکاح جس پر صرف شیعہ امامیہ کا اتفاق ہے
① دو گواہوں کے روبرو عقد نکاح پر مشتمل الفاظ بولنے پر زوجین میں نکاح مکمل ہوگا۔	① بغیر گواہ کے صرف عقد پر مشتمل الفاظ بولنے سے نکاح ہوجائے گا۔
② رہائش اور لباس سمیت بیوی کے جملہ اخراجات خاوند کے ذمہ ہونگے۔	② بیوی کے اخراجات کے متعلق خاوند بااختیار ہے۔
③ خاوند چار سے زائد بیویاں ایک وقت میں اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا اور چار کی اجازت بھی سخت ترین شروط کے ساتھ ہے۔	③ خاوند کو اجازت ہے کہ وہ لاتعداد بیویاں بغیر کسی شرط کے رکھ سکتا ہے۔
④ خاوند کے پہلے فوت ہوجانے کی صورت میں بیوی اس کی وراثت میں حصہ دار ہوگی۔	④ بیوی خاوند کی وارث نہیں ہوتی۔
⑤ دائمی نکاح کی مدت زوجین کی پوری زندگی ہے۔	⑤ عارضی نکاح کی مدت پندرہ منٹ بھی ہوسکتی ہے ایک دن بھی اور نوے برس بھی جس قدر مدت خاوند تجویز کرے اور بیوی اسے قبول کرے۔
شروط طلاق	**شروط طلاق**
① عورت کے لئے تین ماہ دس دن طلاق کی عدت ہے۔	① عورت کے لئے فسخ کی عدت وہی ہوگی جو لونڈی کے آزاد ہونے پر ہوتی ہے یعنی آزاد عورت کی عدت سے نصف مدت۔
② عدت کے دوران بیوی کے اخراجات خاوند کے ذمہ ہونگے۔	② ایام عدت فسخ میں خاوند بااختیار ہے بیوی کے اخراجات برداشت کرے یا آنکھیں پھیر لے۔

یہ ہم نے باہمی تقابل چند مسائل کے بارے میں شیعہ محقق کی تحریر سے پیش کیا ہے اس پر وہ خود لکھتے ہیں کہ یہ تقابلی نقشہ جو ہم نے پیش کیا ہے اس پر گہری نظر ڈال لینے کے بعد متعہ کے معاشرتی خطرات وفسادات پر کسی طویل گفتگو کی ضرورت باقی نہیں رہتی مجھے یقین ہے کہ میری یہ ندائے اصلاح اپنے گردان تمام فرزندان شیعہ کو جمع کرے گی جو ایسے قلب ونظر سے بہرہ ور اور ایسی سوچ رکھتے ہیں جس سے وہ معاملے کی سنگینی، گرانباری اور ذلت ورسوائی وادراک کرتے ہیں اور معاملہ نصف النہار سے بھی زیادہ واضح اور ظاہر ہے۔

(الشیعۃ والتصحیح، ص ۱۹۵ تا ۱۹۷ تالیف ڈاکٹر موسیٰ الموسوی اردو ترجمہ بنام اصلاح شیعہ مترجم: ابومسعود آل امام، طبع اول، فروری ۱۹۹۰ء)

⑥ مؤلف کا تعارف

چنانچہ ابو مسعود آل امام مؤلف کے تعارف میں لکھتے ہیں کہ آپ بڑے بلند پایا شیعہ محقق ہیں ایرانی انقلاب کا انہوں نے نہ صرف قریب سے مشاہدہ کیا بلکہ اس کے لئے بھر پور جدو جہد بھی کی آیت اللہ خمینی کے ساتھ ان کے قریبی روابط بھی رہے جلاوطنی کے ایام میں انہوں نے بارہا ان کی دست گیری کی ڈھارس بندھائی اور ان کے کام آئے خمینی کے مقتول بیٹے مصطفیٰ خمینی کے ساتھ ان کے خصوصی تعلقات تھے۔ (حوالہ بالا: ص ۶)

﴿۲۵﴾ وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ ... الخ ربط آیات: اوپر سے نکاح کے احکام چلے آرہے تھے اب یہاں سے شرعی لونڈیوں سے نکاح کرنے کا ذکر ہے۔

شرعی لونڈیوں سے نکاح کی اجازت: فرمایا جو شخص تم میں سے آزاد مسلمان عورت سے نکاح کرنے کی قدرت اور گنجائش نہ رکھتا ہو، تو وہ اپنے آپس والوں کی مسلمان لونڈیوں سے جن کے تم لوگ شرعاً مالک ہو ان سے نکاح کرلو کیونکہ لونڈیوں کا مہر وغیرہ کم ہوتا ہے اور غریب کے ساتھ نکاح کر دینے میں عار نہیں سمجھتے، اور نی ذاتہ لونڈی سے نکاح کو معیوب بھی نہ سمجھے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ لونڈی دین کے اعتبار سے تم سے بھی بہتر ہو، اور بہتر وافضل ہونے کی وجہ ایمان ہے۔

اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کی پوری حالت کو خوب جانتا ہے کہ اس میں کون اعلیٰ ہے اور کون اولیٰ ہے کیونکہ اس کا تعلق دل سے ہے اور دل کی پوری کیفیت کا علم صرف اللہ کی ذات کو ہے۔ اور دنیا میں اکثر وبیشتر عار کی وجہ نسب کا گھٹیا سمجھنا ہے اور یہ کوئی اہم معاملہ نہیں کیونکہ نسب میں تو ہم سب شریک ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء سلام اللہ علیہا کی اولاد ہیں۔

بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ: تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو، جب ایک دوسرے کے برابر ہو گئے تو پھر عار کی وجہ نہ رہی۔ تو مذکورہ ضرورت کے پیش نظر "فَانكِحُوهُنَّ" ان سے نکاح کرلیا کرو۔ مگر اس کی شرط یہ ہے کہ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ: شرعی لونڈیوں سے نکاح کے شرائط:۔ ❶ ان لونڈیوں کے مالکوں کی اجازت سے "وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ"۔ ❷ اور ان لونڈیوں کے مہر ان کے مالکوں کو شرعی طریقہ پر دیدیا کرو۔ مُحْصَنَاتٍ۔ ❸ اور یہ مہر دینا اس لیے ہو کہ ان کو نکاح میں لایا جائے۔ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ۔ ❹ نہ کہ بدکاری کرنے کے لیے "وَلَا مُتَّخِذَاتِ" الخ۔ ❺ اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی ہوں۔

الغرض وہ مہر نکاح کے مقابلہ میں ہوگا نہ کہ زنا کی اجرت کے طور پر وہ عورت حلال نہ ہوگی اور یہ آیت بھی متعہ کی حرمت پر واضح دلیل ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ: باندی کے مہر کا کون مالک ہوگا؟ اس سلسلہ میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ مہر باندی کا حق ہے، اور دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ باندی کے مہر میں جو مال ملے اس کا مالک بھی باندی کا آقا ہے

نوٹ: آیت کی تفسیر بھی دوسرے ائمہ کے مسلک کے مطابق کی گئی ہے۔

فَإِذَا أُحْصِنَّ: یعنی جب باندیاں لونڈیاں نکاح میں آجائیں تو اب پاک دامن رہنے کا انتظام ہو گیا ہے۔

فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ: لونڈیوں کی زنا کی سزا... اب اگر زنا کرلیں تو ان کو آدھی سزا ملے گی جو آزاد عورتوں کے لیے مقرر ہے۔ اس سے غیر شادی شدہ آزاد عورتیں مراد ہیں۔ اگر غیر شادی شدہ آزاد مرد و عورت زنا کرلیں تو ان کی سزا سو (۱۰۰) کوڑے ہیں، جس کا ذکر سورۃ النور کی دوسری آیت میں موجود ہے۔ اور جو کوئی شادی شدہ مرد و عورت زنا کرلیں تو ان کی سزا رجم ہے۔ یعنی پتھر مار مار کر ان کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور اس میں آدھی آدھی سزا نہیں ہوسکتی اس لیے ائمہ اربعہ کے نزدیک غلام اور باندی خواہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ ہوں ان سے اگر زنا ہو جائے تو ان کی سزا پچاس کوڑے ہیں، باندیوں کا حکم تو آیت میں مذکور ہے مگر بطور دلالت

النفس کے غلام کا حکم بھی اسی آیت سے سمجھ آ رہا ہے۔ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ : لونڈیوں سے نکاح کی اجازت کی وجہ : یعنی باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت اس شخص کو ہے جس کو زنا میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ : لونڈیوں سے عدم نکاح کی جزا خیر : یعنی باوجود اندیشہ زنا کے بھی اگر صبر کرلو اور اپنے نفسوں کو پاک دامن رکھ سکو تو یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ باندیوں سے نکاح کرو۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ : یعنی باندیوں سے نکاح کرنا مکروہ ہے اگر اس کے کراہت پر عمل کرلو گے تب بھی اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے۔

فائدہ: اگر گزشتہ قوانین کی پوری پابندی کی جائے تو بد اخلاقی کا قطعی طور پر انسداد ہو جائے گا۔

تنبیہ: قانون تدبیر منزل ختم ہو گیا ہے اب قانون اصلاح معاملات شروع ہے اور یہ قانون تدبیر منزل کا تتمہ ہے۔ بعنوان دیگر قانون تہذیب اخلاق کا ذکر ہے اس سے مراد وہ احکام ہیں جو ایک ہی شخص کے حالات اور معاملات کی درستگی سے متعلق ہوں جیسے چوری نہ کرنا، جھوٹ نہ بولنا، تکبر نہ کرنا، حسد، بغض، کینہ و حرص نہ کرنا، خوش اخلاقی سے پیش آنا لوگوں کے ظلم کو برداشت کرنا، توکل و قناعت سے زندگی بسر کرنا، عدل و انصاف کو اپنا شیوہ بنانا وغیرہ۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے بیان کرے اور تمہاری ان لوگوں کے راستوں کی طرف راہنمائی کرے جو تم سے پہلے گزرے ہیں اور تم پر (مہربانی سے) رجوع فرمائے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ

اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ﴿۲۶﴾ اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ تم پر رجوع فرمائے اور وہ لوگ چاہتے ہیں جو

الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ

خواہشات کے پیچھے لگتے ہیں کہ تم پھر جاؤ پھر جانا بہت بڑا ﴿۲۷﴾ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کردے اور

الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ

انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے ﴿۲۸﴾ اے ایمان والو! ایک دوسرے کے مال آپس میں باطل طریقے سے مت کھاؤ

بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ

سوائے اس کے کہ آپس میں رضا مندی سے تجارت ہو اور نہ قتل کرو ایک دوسرے کو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ

بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ مہربان ہے ﴿۲۹﴾ اور جو شخص یہ کام کرے گا تعدی کرتے ہوئے اور ظلم سے پس عنقریب

نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ

ہم اس کو آگ میں داخل کریں گے اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر آسان ہے ﴿۳۰﴾ اگر تم بچتے رہو گے ان بڑے گناہوں سے جن سے تم کو روکا گیا ہے

عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا

تو ہم معاف کریں گے تم کو تمہارے چھوٹے گناہ اور ہم داخل کریں گے تم کو بڑی عزت کے مقام میں ﴿۳۱﴾ اور اس چیز کی تمنا نہ کرو

مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ

کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ فضیلت بخشی ہے تمہارے بعض کو بعض پر مردوں کے لئے اس چیز میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا

وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْــَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ

اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل میں سے مانگو بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو

شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿٣٢﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ

جاننے والا ہے ﴿۳۲﴾ اور ہر ایک کے ترکے کے لئے ہم نے وارث مقرر کیے ہیں اس مال میں سے جس کو چھوڑا ہے والدین اور قرابت داروں نے اور وہ

عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدًا ﴿٣٣﴾ ع

جن کے ساتھ تمہاری قسمیں پختہ ہوئی ہیں پس ان کو ان کا حصہ دو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے ﴿۳۳﴾

اللہ تعالیٰ کا انعام واحسان

﴿۲۶﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ... الخ ربط آیات : گزشتہ آیات میں محرمات کی تفصیل اور متعہ کی ممانعت کا ذکر تھا اب یہاں سے احسانات وانعامات اور شفقت خداوندی کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع: ۵ ماقبل کے مضمون کا تتمہ، متبعین شہوات، شفقت خداوندی، کیفیت تخلیق انسان، مالی تصرف کی ممانعت، جانی تصرف کی ممانعت، قرآنی ہدایت کے مخالفت کا نتیجہ، اجتناب کبائر سے تکفیر صغائر، نہی تمنا خداداد فضیلت، اختیاری عمل کی ترغیب، میراث عقد موالات، ماخذ آیات ۲۶ تا ۳۳+

ماقبل کے مضمون کا تتمہ يُرِيْدُ اللّٰهُ : سے "وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا" تک ماقبل کے مضمون کا تتمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہیں پورا قانون سمجھادے اور گزشتہ لوگوں کے طریقہ سے پورا واقف کردے کہ تم اتباع کرو اور مخالفت سے بچو، اور تم میں اور تم سے پہلوں میں مشترک مقصود کا خلاصہ یہی ہے کہ تم پر اللہ تعالیٰ رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے۔

﴿۲۷﴾ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ ...الخ متبعین شہوات : یعنی جو لوگ شہوت پرست ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس قانون الٰہی کو ماننے اور اس پر عمل کرنے سے فلاں فلاں جگہ مشقت پیش آئے گی لہٰذا اس قانون کو سرے سے ناقابل عمل قرار دیا جائے۔ شہوت پرستوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو حلال وحرام کی تمیز نہیں کرنا چاہتے خواہ وہ (بے عمل) مسلمان فاسق ہوں یا کافری ہوں۔

اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا : کہ تم پھر جاؤ راہ راست سے بہت دور۔ اس کے دو مطلب ہیں۔ ❶ بغیر اندیشہ کے حرام کا مرتکب ہونا۔ ❷ اس حرام کو حلال سمجھنا۔ پہلی صورت کی کوشش فاسق کرتے ہیں، اور دوسری صورت کی کوشش کافر کرتے ہیں۔

﴿۲۸﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ... الخ شفقت خداوندی : یعنی اللہ تعالیٰ کو احکام میں تمہاری مصلحت پر نظر ہے، اسی طرح تمہاری

آسانی پر بھی نظر ہے۔ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ : کیفیت تخلیق انسان :انسان دوسری مکلف جنات کی بہ نسبت بدن اور ہمت دونوں میں کمزور پیدا کیا گیا ہے، اس لئے اس کے احکام بھی مناسب مقرر فرمائے ہیں، جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے ورنہ مصلحت کے پیش نظر اعمال شاقہ بھی تجویز کیے جاسکتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے دونوں باتوں کا خیال رکھا ہے، اور خصوصی مہربانی اور شفقت فرمائی ہے۔

﴿۲۹﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ... الخ ربط آیات : گزشتہ آیات میں نفوس یعنی ان کی ذات میں تصرف اور تنگ کرنے کی حرمت کا ذکر تھا، اب یہاں سے دوسرے کے مال کی حرمت کا ذکر کرتے ہیں کہ اس میں کسی قسم کا دوسرے کو تصرف کرنے کا حق نہیں بلکہ یہ ممنوع ہے۔

مالی تصرف کی ممانعت :فرمایا اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ آپس کی خوشی سے مثلاً: کوئی تجارت باہمی رضامندی سے واقع ہو بشرطیکہ اس میں اور بھی شرعی شرائط پوری ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں، یہاں تک مالی تصرف کا ذکر تھا۔ آگے جانی تصرف کا ذکر فرماتے ہیں۔ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ :جانی تصرف کی ممانعت :اور آپس میں کسی کو قتل نہ کرو، بالاتفاق مفسرین خودکشی بھی اس میں داخل ہے۔ (النہر الماد، ص:۲۳۱، ج:۳، معالم التنزیل، ص:۳۳۱، ج۔۱)

اور دوسرے کو ناحق قتل کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ (مدارک، ص:۳۰۷، ج۔۱)

نکتہ :اس جگہ مال میں تصرف نہ کرنے کے ذکر کو مقدم کیا، اور جانی تصرف نہ کرنے کے ذکر کو بعد میں ذکر کیا ہے۔ اس میں شاید یہ نکتہ ہو کہ مالی حقوق میں ظلم و جور اور کوتاہی و غفلت بہت عام ہے، ناحق قتل ریزی اگرچہ اس سے زیادہ اشد ہے مگر عادۃً اس میں ابتلاء کم ہے اس لئے اس کو مؤخر بیان فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا :یعنی جو احکام اس آیت میں دیے گئے ہیں کہ لوگوں کا مال ناحق نہ کھاؤ یا کسی کو ناحق قتل نہ کرو، یہ سب احکام تمہارے حق میں رحمت خداوندی ہیں، تاکہ تم ان کاموں کے اخروی وبال سے بھی محفوظ رہو اور دنیوی سزاؤں سے بھی۔

مسئلہ: خودکشی کرنے والوں کی نماز پڑھی جائے گی چنانچہ درمختار میں ہے "مَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ وَلَوْ عَمْدًا یُغْسَلُ وَیُصَلّٰی عَلَیْهِ"۔ (الدر المختار علی ہامش رد المختار باب صلوۃ الجنائز، ص:۸۱۵، ج۔۱)

ترجمہ: جس نے اپنے آپ کو مار ڈالا اگرچہ عمداً ایسا ہوا اس کو غسل دیا جائے اور اس کی نماز پڑھی جائے۔

﴿۳۰﴾ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ :قرآنی ہدایت کی مخالفت کا نتیجہ :یعنی جو شخص قرآنی ہدایات کے باوجود اس کی خلاف ورزی کرے، اور جان بوجھ کر تعدی اور ظلم کرے کسی کا مال ناحق لے لے یا کسی کو ناحق قتل کر دے تو ہم عنقریب اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔ تعدی اور ظلم کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر سہو و نسیان یا خطاء سے ایسا ہو گیا تو وہ اس وعید میں داخل نہیں۔

(معارف القرآن، ص:۳۸۲، ج:۲، م،ش،د)

عدوان اور ظلم میں فرق :جو شخص حقیقت میں قتل کا مستحق نہ ہو مگر اس کو قتل کیا جائے تو اس کو عدوان کہتے ہیں۔ اور ظلم یہ ہے کہ جو شخص قتل کا مستحق نہ ہو مگر اس کو جان بوجھ کر ناحق قتل کیا جائے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ عدوان کا معنی بندے کے حق کو توڑنا، اور ظلم کا معنی خدا کے حق کو توڑنا ہے۔ واللہ اعلم

﴿۳۱﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا الخ ربط آیات :اوپر کبیرہ گناہوں سے ترہیب کا ذکر تھا آگے بچنے کی ترغیب کا ذکر فرمایا اگر تم کبیرہ

گناہوں سے بچو گے تو ہم تمہارے خفیف خفیف گناہ معاف کردیں گے۔اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا :اجتناب کبائر سے تکفیر صغائر :حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ قرآن عزیز میں لکھتے ہیں کہ کبیرہ گناہ وہ ہیں جن پر قرآن یا حدیث میں صاف وعدہ یا دوزخ یا اللہ کے غضب یا اس پر حد مقرر فرمائی ہے اور تقصیر (یعنی صغیرہ گناہ) وہ ہے جس سے منع فرمایا اور کچھ زیادہ نہیں کہا۔ (ص:۲۳۱ طبع باردوم)

معتزلہ کا عقیدہ :وہ کہتے ہیں اس آیت سے ثابت ہوا کہ جو کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے گا اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ اس کے صغیرہ گناہ معاف کردے مگر کبیرہ گناہ معاف نہیں کرے گا۔

جواب ①:صاحب مدارک نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی معافی اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اگر چاہے تو سزا دے اور اگر چاہے تو معاف فرمادے کیونکہ قرآن کریم میں ہے "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ "اس آیت میں شرک کے علاوہ کے لیے وعدہ مغفرت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اور دوسرے مقام پر ہے "اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ "اس آیت میں "السَّيِّاٰتِ "کا لفظ مطلق ہے جو صغیرہ اور کبیرہ دونوں پر دلالت کرتا ہے کہ نیکیاں گناہوں کو لے جاتی ہیں خواہ وہ کسی قسم کے بھی ہوں۔

جواب ②:علامہ قرطبیؒ نے یہ بات کہی ہے کہ اس سے مراد اجناس کفر ہے مطلب یہ ہے کہ وجوہ کفر سے بچتے رہو گے تمہارے سب گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔

جواب ③:امام نووی، علامہ نسفی، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم چاہیں گے تو تمہارے سارے گناہوں کا کفارہ کردیں گے بشرطیکہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ ہو (کبیرہ گناہوں کا کفارہ نہ ہوگا کیونکہ ان کی مغفرت اور کفارے کے لیے توبہ شرط ہے) مولانا عاشق الٰہیؒ لکھتے ہیں کہ امام نوویؒ کی بات ان نصوص کی وجہ سے دل کو لگتی ہے جن میں اعمال صالحہ کے ذریعے گناہوں کے کفارہ کا تذکرہ ہے اور ان میں کبیرہ گناہوں سے بچنے کی کوئی قید یا شرط نہیں۔

اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے "اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا "میں مفہوم شرط معتبر نہیں یعنی کبائر سے اجتناب کرنے کی وجہ سے تو صغیرہ گناہ معاف ہوں گے لیکن عدم اجتناب کبائر سے صغیرہ معاف نہ ہوں گے اس پر اس کی دلالت نہیں ہے۔(انوار البیان ص ۲۹۶ ج ۲) استاذ محترم امام اہل سنتؒ فرماتے ہیں دو نیک اعمال کرنے سے اللہ تعالیٰ کبیرہ گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔ ① غسل میت۔② صلوٰۃ تسبیح پڑھنے سے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ کبیرہ پر فضل ودرگزر کا امکان اہل السنت کا مسلک اور اہل حق کا مشرب رہا ہے، فضل کرے تو چھٹیاں عدل کرے تو لٹیاں۔(کمالین ص ۵۵۷ ج ۱)

﴿۳۲﴾ وَلَا تَتَمَنَّوۡا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ...الخ نہی تمنا خداداد فضیلت :شان نزول :حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جن کا نام ہند تھا، عورتوں نے ان کو وکیل بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ سب کام جہاد وغیرہ تو مرد کرتے ہیں ہمیں تو کچھ بھی نہیں ملے گا، اور میراث میں سے ہمیں آدھا ملتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(کبیر: ص:۶۶، ج:۱۰، روح المعانی: ص:۲۷، ج:۵، قرطبی: ص:۵۵، ج:۵، ابن کثیر: ص:۶۹۰، ج:۲)

فَائِدَہ: بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ :کے عموم میں صرف مرد ہی داخل ہیں لہٰذا کسی مرد کے لئے نبوت وغیرہ کی تمنا بھی اس ممانعت میں داخل ہے۔وَسۡـَٔلُوا اللّٰهَ :اختیاری عمل کی ترغیب :اس سے مراد وہ اعمال وافعال ہیں جو انسان کے اختیار میں

ہیں مثلاً علمی فضائل اور عملی کمالات کا حاصل کرنا مستحسن عمل ہے اس آیت کے منافی نہیں۔

﴿۳۳﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ ... الخ ترمیم میراث عقد موالات : زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ لوگ ایک دوسرے کے حلیف بن جاتے (اس کو عقد موالات کہتے ہیں) کہ اگر میرے ساتھ کسی نے لڑائی کی تو تو میرے ساتھ مدد کرے گا، اور اگر تیرے ساتھ کسی نے لڑائی کی تو میں تیرے ساتھ مدد کروں گا، اگر تو مر گیا تو تیرا مال میرا اور اگر میں مر گیا تو میرا مال تیرا ہوگا۔ ابتداء اسلام میں جب تک اکثر مسلمانوں کے رشتہ دار مسلمان نہ ہوئے تھے تو آنحضرت ﷺ نے باہم انصار و مہاجرین میں عقد اخوت یعنی بھائی چارہ قائم فرما دیا تھا یہ وہی عقد موالات کی صورت تھی۔ اسی قدیم رسم کے مطابق ان کی باہم میراث ہوتی تھی۔ پھر جب لوگ بکثرت مسلمان ہوئے اس میں پہلی ترمیم یہ ہوئی جو اس آیت میں موجود ہے کہ موالات کو چھٹا حصہ، اور باقی دیگر وارثوں کو دلا دیا جاتا تھا پھر کچھ عرصہ بعد سورۃ انفال میں "وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ" (آیت۔ ۷۵) نازل ہوئی اس سے موالی الموالات کا حصہ بالکل منسوخ ہو گیا۔ (دیکھئے معالم التنزیل: ص: ۳۴۴ ج: ۱؛ ابن کثیر: ص: ۲۷۷ ج۔ ۲)

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اب بھی اگر کسی کا کوئی وارث موجود نہیں ہے تو موالی الموالات کو کل میراث ملے گی۔
(بیان القرآن: ص: ۱۱۴، ج۔ ۱)

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا

مرد نگران ہے عورتوں پر اس واسطے کہ اللہ نے فضیلت بخشی ہے ان میں سے بعض (مردوں) کو بعض (عورتوں) پر اور اس واسطے کہ وہ

مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ

اپنے مالوں میں سے خرچ کرتے ہیں پس نیک عورتیں اطاعت کرنے والی ہوتی ہیں اور پس پشت حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں اس چیز کی کہ اللہ نے اس کی حفاظت کا حکم دیا ہے (مال و آبرو) اور وہ عورتیں

نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ

کہ تم ان کی نافرمانی کا خوف کھاتے ہو ان کو نصیحت کرو اور جدا کردو ان کو خواب گاہوں میں اور ان کو مارو پس اگر وہ تمہاری اطاعت کریں

فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا

پس نہ تلاش کرو ان پر کوئی راستہ بے شک اللہ تعالیٰ بلند اور بڑا ہے ﴿۳۴﴾ اور اگر تم کو خوف ہو ان دونوں کی آپس میں مخالفت کا

فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ

پس کھڑا کرو ایک فیصلہ کرنے والا مرد کے خاندان سے اور ایک فیصلہ کرنے والا عورت کے خاندان سے اگر یہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان توفیق دے گا

بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ

بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے ﴿۳۵﴾ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ

اِحْسَانًا وَّبِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ

اچھا سلوک کرو اور قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ اور قریب والے ہمسائے کے ساتھ اور اجنبی

الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

ہمسائے کے ساتھ اور پاس بیٹھنے والے کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور وہ کہ جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہیں بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند نہیں کرتا

مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ﴿٣٦﴾ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ

جو بڑائی کرنے والا ہے اور فخر کرتا ہے ﴿۳۶﴾ وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اس چیز کو چھپاتے ہیں

مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿٣٧﴾ وَالَّذِينَ

جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہے اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کفر کرنے والوں کے لئے ذلت ناک عذاب ﴿۳۷﴾ اور وہ لوگ

يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ

جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کے لیے اور نہیں ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور نہ قیامت کے دن پر

وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ﴿٣٨﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ

اور جس شخص کا ساتھی شیطان ہو پس وہ بہت برا ساتھی ہے ﴿۳۸﴾ اور کیا حرج اور نقصان تھا ان کا اگر وہ ایمان لاتے اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ﴿٣٩﴾ إِنَّ اللَّهَ

اور قیامت کے دن پر اور خرچ کرتے اس چیز میں سے جو اللہ نے ان کو رزق دیا ہے اور اللہ ان کے ساتھ خوب علم رکھتا ہے ﴿۳۹﴾ بے شک اللہ

لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ

تعالیٰ ظلم نہیں کرتا ایک ذرے کے۔ برابر بھی اور اگر وہ نیکی ہو تو اس کو دگنا کرتا ہے اور اپنی طرف سے

أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى

بڑی جزا دیتا ہے ﴿۴۰﴾ پس کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جبکہ ہم لائیں گے ہر امت سے گواہ اور ہم آپ کو لائیں گے

هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ

ان لوگوں پر گواہ ﴿۴۱﴾ اس دن پسند کریں گے یا آرزو کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی کاش برابر کردی جائے ان کے ساتھ زمین

الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿٤٢﴾

اور وہ نہیں چھپا سکیں گے اللہ تعالیٰ سے کسی بات کو ﴿۴۲﴾

﴿۳۴﴾ الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ... الخ ربط آیات: اوپر عورتوں کے حقوق کا بیان تھا جن میں ان کی حق تلفی کی ممانعت کا ذکر تھا، اب آگے مردوں کی فضیلت کا ذکر ہے کہ مردوں کا درجہ عورتوں سے بڑھا ہوا ہے۔

خلاصہ رکوع ۶: تقسیم مراتب زوجین مرد کی حاکمیت اعلیٰ سبب فضیلت۔ا۔۲۔فرمانبردار عورتوں کے صفات۔ا۔۲۔نافرمان بیوی کی اصلاح کے چار طریقے،صورت اطاعت میں زیادتی کی ممانعت،عدم اطاعت کی صورت میں فریقین کے خاندان سے فیصل کا تقرر، فرائض مشترکہ، مذمت بخل عام، بخیلوں کی طرز زندگی، گذشتہ نعمتوں کی ناحق شناسی کا نتیجہ، ریاکاروں کی کیفیت، ایمان سے خالی ہونے کا بیان، شیطان کے ساتھی کا بیان، تتمہ مضمون سابق تنبیہ مذکورین بعنوان ترغیب، عدل وانصاف باری تعالیٰ، توبیخ مجرمین، تمناء مجرمین کیفیت مجرمین۔ماخذ آیات ۳۴ تا ۴۲+

تقسیم مراتب زوجین۔مرد کی حاکمیت اعلیٰ: اگر عورتیں مردوں سے علیحدہ ہوجائیں تو انتظام قائم نہیں کرسکتیں، اور دونوں کے اکٹھا رہنے کی صورت میں ایک کو حاکم بنانا ضروری ہے چونکہ مرد طبعاً حاکم ہے، اسلئے کاموں کی تقسیم یوں کی جائیگی کہ مشکل کام مرد سرانجام دیں سہل اور آسان کام عورتوں کے سپرد کیے جائیں، اگرچہ بعض عورتیں ہمت میں مردوں سے بھی بڑھی ہوئی نظر آئیں گی لیکن قانون میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ: سبب فضیلت ❶ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض مردوں کو بعض عورتوں پر قدرتی طور پر فضیلت دی ہے اور وہی امر ہے۔ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا ❷ مرد عورتوں پر مال خرچ کرتے ہیں، مہر نان، نفقہ وغیرہ۔

فَالصّٰلِحٰتُ: فرمانبردار عورتوں کے صفات ❶ شریف عورتیں مردوں کی فرمانبردار رہیں گی۔ ❷ اور مردوں کی غیر حاضری میں ان کی عزت کا خیال رکھیں گی، اس حفاظت کرنے سے اللہ تعالیٰ ان کی پوری مدد کرے گا۔

وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ: نافرمان بیوی کے اصلاح کے اس آیت میں تین طریقے مذکور ہیں: اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا خطرہ ہو تو انہیں سمجھاؤ، اصلاح کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ نرمی سے ان کو سمجھاؤ، اگر اس طریقہ سے باز نہ آئیں تو دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان کو اپنے بستر سے جدا کردو تا کہ اس کو شوہر کی ناراضگی کا احساس ہو اور اپنے فعل پر شرمندہ ہو۔یہاں "فِي الْمَضَاجِعِ" کا لفظ ہے اس لئے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ صرف بستر سے علیحدہ کیا جائے۔مکان سے علیحدہ نہ کیا جائے کیونکہ اس میں عورت کو تنہا چھوڑنے میں غم بھی زیادہ ہوگا اور فساد بڑھنے کے خطرات بھی زیادہ ہیں۔تیسرا طریقہ یہ ہے کہ جب گزشتہ دونوں شریفانہ طریقوں سے ان کو تنبیہ نہ ہو تو پھر معمولی مارنے کی بھی اجازت ہے جس سے اس کے بدن پر اثر نہ پڑے، اور ہڈی ٹوٹنے یا زخم لگنے تک نوبت نہ آئے، اور چہرے پر مارنے کی مطلقاً اجازت نہیں ہے۔

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ: صورت اطاعت میں زیادتی کی ممانعت: اگر مذکورہ تدبیروں سے وہ تمہاری بات ماننے لگے تو اب تم بھی زیادہ بال کی کھال نہ نکالو اور الزام تراشی میں مت لگو، بلکہ کچھ چشم پوشی سے کام لو اور خوب سمجھ لو کہ اگر اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر تمہیں کچھ بڑائی دی ہے تو اللہ تعالیٰ کی بڑائی تمہارے اوپر بھی مسلط ہے تم زیادتی کروگے تو اس کی سزا تم بھگتوگے۔

(معارف القرآن، ص ۴۰۲، ج ۲، م،ش،د)

الغرض اس آیت میں میاں بیوی کے اختلافات کی صورت میں گھر کا جھگڑا گھر ہی میں تدریجی طریقوں سے چکا دیئے جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔اور اگلی آیت میں ایک چوتھا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

﴿۳۵﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ الخ چوتھا طریقہ عدم اطاعت کے صورت میں فریقین کے خاندان سے فیصل کا تقرر: اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ گزشتہ تینوں صورتیں ممکن نہ رہیں تو پھر چوتھا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مرد اور عورت کے خاندان کے لوگ پھر جماعت المسلمین یا پھر حکام برادری کے لوگ ان میں مصالحت کرادیں تو خاندان ہی کے اندر محدود رہ کر جھگڑا ختم ہوسکے گا۔اگر ان مصالحتی لوگوں کی نیت صحیح ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دیدے گا ان دونوں کے درمیان اصلاح کی، اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر محلہ گاؤں کے

لوگ آئیں اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو آخری معاملہ عدالت تک پہنچے گا وہ دونوں کے حالات و معاملات کی تحقیق کر کے عادلانہ فیصلہ کرے۔

﴿۳۶﴾ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ الخ ربط آیات: یہاں تک مرد و عورت کے ملاپ اور اصلاح کا طریقہ بیان ہو چکا ہے اب یہ ذکر ہوگا کہ مرد اور عورت کے ملنے کے بعد ان دونوں کا مشترک فریضہ اور مقصد کیا ہے؟ جب دونوں ایک ہی فرض اور مقصد کی طرف آئیں گے تو ان کے اختلاف کم ہوں گے۔

فرائض مشترکہ اور مقصد: "وَاعْبُدُوا اللّٰهَ" اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو غیر اللہ کی عبادت نہ کرو عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ "وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْـًٔا": اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔ قرآن کریم نے جتنا زور شرک کی تردید اور توحید کی اثبات پر دیا ہے اتنا زور کسی دوسرے مسئلہ پر نہیں دیا اور حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت ﷺ تک جتنے بھی اللہ کے نبی اور رسول علیہم السلام تشریف لائے ہیں ان کی پہلی دعوت یہی رہی ہے کہ "ما لکم من الٰہ غیرہ" اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی بھی الٰہ نہیں لہٰذا اسی ہی کی عبادت کرو، مشرکین کو رب، عبادت، اور الٰہ کے معنی میں غلط فہمی ہوئی اور اسی غلط فہمی کا شکار ہو کر وہ توحید کی راہ سے بھٹک کر شرک کے عمیق گڑھے میں جا گرے۔ "وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا" اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد والدین نے تمہاری تربیت کی ہے ان کی فرمانبرداری کرو، اور ان سے نیکی کرو۔ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى: اس کی دو تفسیریں ہیں:

❶ پڑوسی بھی ہو اور رشتہ دار بھی ہو۔ ❷ وہ پڑوسی جس کے ساتھ تمہارا مکان ملا ہوا ہو۔

مختال اور فخور میں فرق: مختال عملی طور پر تکبر کرنے والا یعنی جو وضع قطع میں عملی طور پر تکبر کرتا ہو۔ "فخور" جو دل میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہو۔ چونکہ فخر اور خود پسندی کا مرض بہت زیادہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

﴿۳۷﴾ اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ ... الخ مذمت بخل عام: یہاں سے بخل کرنے والوں کا ذکر ہے کہ یہ لوگ تکبر کی وجہ سے حقوق واجبہ میں بھی بخل کرتے ہیں اپنی ذمہ داریوں کو نہیں سمجھتے۔ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ: بخیلوں کا طرز زندگی: دوسروں کو بھی اپنے قول و عمل سے اس بری صفت کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس آیت میں بخل کا لفظ عام ہے جو بخل بالمال اور بخل بالعلم دونوں کو شامل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہاں یہ آیت یہود مدینہ کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ (قرطبی، ص:۱۸۶ ج ۵)

یہ لوگ بہت زیادہ مغرور تھے، انتہائی درجہ کے کنجوس تھے، مال خرچ کرنے میں بھی بخل کرتے تھے، اور اس علم کو بھی چھپاتے تھے جو انہیں الہامی کتابوں کے ذریعے معلوم تھا لیکن یہود نے بخل سے کام لیا نہ خود اس علم کے تقاضے پر عمل کیا اور نہ دوسروں کو بتلایا کہ وہ عمل کرتے۔ وَاَعْتَدْنَا: گذشتہ نعمتوں کی ناحق شناسی کا نتیجہ: ہم نے ایسے لوگوں کیلئے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے۔

﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ ... الخ ریاکاروں کی کیفیت: اور وہ لوگ جو لوگوں کے دکھلاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں جہاں ان کی تعریف ہو وہاں تو ہزاروں روپے لٹانے کے لئے تیار ہوتے ہیں، اور جہاں شرعاً خرچ کرنا ضروری ہے وہاں خرچ نہیں کرتے۔ بیہقی کی روایت میں آتا ہے کہ قیامت کے دن جب اعمال صالحہ کا ثواب تقسیم ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان ریا کرنے والوں سے فرمائیں گے۔ ان لوگوں کے پاس چلے جاؤ جن کو دکھانے کیلئے تم دنیا میں نیک عمل کرتے تھے، اور دیکھو لو کہ کیا ان کے پاس تمہارے اعمال کا ثواب اور اس کی جزاء ہے۔ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ ... الخ ریاکاروں کا ایمان سے خالی ہونے کا بیان: یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ ... الخ شیطان کے ساتھی کا بیان: یعنی ریاکار لوگ شیطان کے ساتھی اور اس کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں اور شیطان سب سے برا ساتھی ہے اور ان کا نتیجہ جہنم ہے۔

﴿۳۹﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ ...الخ ربط آیات: گزشتہ آیات میں بخل وغیرہ کی مذمت تھی اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب ہے اور آخرت میں حشر کا بیان کر کے ان لوگوں کو انجام بد سے ڈرایا گیا ہے جو ایمان نہیں لاتے اور نہ نیک عمل کرتے ہیں۔ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ: تتمہ مضمون سابق تنبیہ مذکورین بعنوان ترغیب: جب بات سمجھ میں نہ آئے تو بطور تاسف کے کہا جاتا ہے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے بات کیوں نہیں سمجھتے فرمایا اگر یہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر بھی ایمان لے آتے اور اللہ کے عطا کردہ مال میں سے اپنے دینی بھائیوں پر خرچ کرتے ایسا کرنے سے حکم خداوندی کی تعمیل بھی اور رضاء الٰہی بھی حاصل ہوتی ہے "وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا" اللہ تعالیٰ ان کی نیت وارادہ کو خوب جانتا ہے۔

﴿۴۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ: عدل وانصاف باری تعالیٰ: یعنی اللہ تعالیٰ کسی کے اعمال حسنہ کا ثواب اور جزائے خیر میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں فرماتے بلکہ اپنی طرف سے اس میں اضافہ فرما دیتے ہیں۔ بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا ثواب بیس لاکھ گناہ تک ہو جاتا ہے، اور اللہ کی ذات تو کریم ذات ہے، وہ اپنی بے پایاں رحمت سے اتنا بڑھا کر دیتے ہیں کہ حساب وشمار میں بھی نہیں آتا۔ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ: اس اجر عظیم کا کیا تصور کیا جا سکتا ہے جو بارگاہ رب العزت سے ملتا ہے۔

﴿۴۱﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ ...الخ توبیخ مجرمین: یہاں سے میدان حشر کے استحضار کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اور کفار قریش کی توبیخ بھی مقصود ہے۔ ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جب میدان حشر میں ہر ہر امت کا نبی اپنی امت کے نیک وبد اعمال پر بطور گواہ پیش ہو گا، اور آپ اپنی امت پر گواہ بن کر پیش ہوں گے خصوصاً ان کفار ومشرکین کے متعلق جنھوں نے آپ کے کھلے معجزات دیکھ کر آپ کی تکذیب کی، اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کیا، اور آپ کی رسالت پر ایمان نہ لائے۔

استحضار آخرت

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم سنانے کا حکم ارشاد فرمایا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا آقا آپ پر تو قرآن کریم نازل ہوا کیا آپ مجھ سے سننا چاہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، میں نے سورۃ نساء کی تلاوت شروع کر دی اور جب "فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ" پر پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا اب بس کرو اور جب میں نے آپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو آپ ﷺ کی مبارک آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

(معالم التنزیل: ص: ۱۴۳ ج: ۱؛ روح المعانی: ص: ۲۶ ج: ۵؛ ابن کثیر: ص: ۸۷، ج۔ ۲)

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس آیت سے آنحضرت ﷺ کے سامنے آخرت کا منظر مستحضر ہو گیا تھا اور اپنی امت کی بے عملیوں کی وجہ سے آنسو جاری ہو گئے۔ هٰٓؤُلَآءِ: کا اشارہ زمانہ رسالت میں موجود کفار ومنافقین کی طرف ہے، اور بعض فرماتے ہیں قیامت تک کی پوری امت کی طرف اشارہ ہے۔

خاتم الانبیاء ﷺ پر عرض اعمال

صحیح روایت سے اجمالی طور پر عرض اعمال ثابت ہیں چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم (مشکل مسئلے) بیان کرو گے اور (میری طرف سے) ان کی حقیقت بیان کر دی جائے گی اور میری موت بھی تمہارے لئے بہتر ہو گی تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوں گے سو جو اچھے ہوں گے میں ان پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کروں گا اور جو برے ہونگے میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے معافی مانگوں گا اس کو بزاز نے روایت کیا ہے اور اس کے سب روای بخاری کے راوی ہیں۔ (مجمع الزائد ص: ۲۴، ج: ۹؛ وفا الوفاء ص: ۴۰۶ ج: ۲؛ شفاء السقام ص: ۳۴ زرقانی شرح مواہب: ص: ۳۳۷ ج۔ ۵)

یہ حدیث بالکل صحیح ہے لیکن یاد رہے کہ عرض اعمال سے امت کے تمام عرض اعمال مراد نہیں ہے جیسا کہ شیعہ شنیعہ کا مسلک ہے یا جس طرح غالی قسم کے اہل بدعت کا باطل نظریہ ہے بلکہ یہ عرض صرف اجمالی ہے جس میں درود وغیرہ بعض اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔

عام موتی پر عرض اعمال

اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایک مسلم حقیقت ہے کہ جملہ اموات پر بھی بعض اعمال پیش کئے جاتے ہیں اچھے ہوں تو وہ ان پر خوش ہوتے ہیں برے ہوں تو ان کو ان سے رنج ہوتا ہے۔ (تفصیل کے لئے سماع موتیٰ و تسکین الصدور دیکھیں)

﴿۴۲﴾ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِيْنَ... الخ تذکیر بما بعد الموت سے تمنا مجرمین: کفار آخرت کے دائمی عذاب سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے یہ آرزو کریں گے۔ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا: کیفیت مجرمین: اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کو چھپا نہیں سکیں گے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کچھ بھی نہ چھپا سکیں گے اور دوسری جگہ ہے "وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ" وہ قسم کھا کر کہیں گے ہم نے شرک نہیں کیا۔ تو بظاہر ان دو آیتوں میں تعارض ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ شروع میں کفار دیکھیں گے کہ مسلمانوں کے سوا جنت میں کوئی نہیں جا رہا تو وہ طے کرلیں گے کہ ہم اپنے شرک اور اعمال بد کا انکار کردیں ہو سکتا ہے اس طرح ہمیں نجات مل جائے لیکن انکار کے بعد ان کے اعضاء خود ان ہی کے خلاف گواہی دیں گے۔ سورہ یٰسین (آیت۔ ۶۵) میں ہے: "اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ"... الخ آج کے دن ہم ان کے مونہوں پر مہر لگادیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ

اے ایمان والو! نہ قریب جاؤ نماز کے اس حالت میں کہ تم نشے میں ہو جب تک کہ سمجھ نہ لو جو تم کہتے ہو

وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ

اور نہ جنابت کی حالت میں (نماز کے قریب جاؤ) سوائے اس کے کہ راستے میں گزرنے والے ہو یہاں تک کہ تم غسل کرلو تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو

اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً

یا تم میں سے کوئی شخص پست مقام (بیت الخلاء) سے آئے یا تم نے عورتوں کو چھوا ہے پھر تم پانی نہ پاؤ

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا

پس ارادہ کرو پاک زمین کا (طہارت حاصل کرنے کے لیے) پس ملو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو اس کے ساتھ بیشک اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا

غَفُوْرًا ۝۴۳ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ

اور بخشش کرنے والا ہے ﴿۴۳﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جن کو دیا گیا کچھ حصہ کتاب سے خریدتے ہیں گمراہی کو

وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ۝۴۴ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَاۗىِٕكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

اور ارادہ کرتے ہیں کہ تم بھی سیدھے راستے سے گمراہ ہو جاؤ ﴿۴۴﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور کافی ہے

وَلِيًّا ۗ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ

اللہ کارسازی کرنے والا اور کافی ہے اللہ مدد کرنے والا ﴿۴۵﴾ بعض ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوئے وہ تبدیل کرتے ہیں کلمات کو ان کے

مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا

ٹھکانے سے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نہیں مانیں گے اور سن اور تو نہ سنایا جائے اور راعنا (کا لفظ کہتے ہیں) موڑ

بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ

کر اپنی زبانوں کو اور عیب لگانے ہیں دین میں اگر یہ لوگ یوں کہتے کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت کی اور تو سن

وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ

اور ہماری طرف دیکھ تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اور زیادہ درست ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے ان کے کفر کی وجہ سے پس ایمان نہیں لاتے

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ

مگر بہت کم ﴿۴۶﴾ اے وہ لوگو جن کو کتاب دی گئی تھی ایمان لاؤ اس چیز پر جس کو ہم نے اتارا اور وہ تصدیق کرنے والی ہے اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے

قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓي اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ

اس سے پہلے کہ ہم مٹا دیں چہروں کو پھر الٹا دیں ان کو پشتوں کی طرف یا ہم ان پر لعنت بھیجیں جس طرح کہ ہم نے لعنت بھیجی ہفتے کے دن زیادتی کرنے والوں پر

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ

اور اللہ کا حکم تو پورا ہو کر رہتا ہے ﴿۴۷﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور بخشتا ہے اس سے ورے

لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ

جس کو چاہے اور جو اللہ کے ساتھ شریک کرے گا پس بے شک اس نے بہت بڑا گناہ کا افتراء باندھا ﴿۴۸﴾ کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو

يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ

جو اپنے آپ کو پاک بتلاتے ہیں بلکہ اللہ پاک کرتا ہے جس کو چاہے اور نہیں ظلم کیا جائے گا ان پر ایک دھاگے کے برابر بھی ﴿۴۹﴾ آپ دیکھیں یہ کس طرح

يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ ع

اللہ پر افتراء باندھتے ہیں جھوٹ کا اور کافی ہے یہ بات صریح گناہ ہونے کے سبب ﴿۵۰﴾

﴿۴۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ... الخ ربط آیات: اوپر ذکر تھا: وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا۔ شرک اتنی بری چیز ہے کہ اختیاری طور پر تو کجا غیر اختیاری طور پر بھی ناپسندیدہ ہے اب یہاں سے غیر اختیاری شرک سے منع کیا گیا ہے۔ (محصلہ بیان القرآن ص ۱۱۸ ج ۲)

خلاصہ رکوع ● اہل ایمان کو خصوصی خطاب، شراب کی وقتی حرمت، تیمم کی اجازت، فرائض تیمم، تیمم کا طریقہ، بعض

خبائث یہود۔ ❶ حصر علم الغیب باری تعالیٰ۔ ❷ تحریف کتاب، یہود کو دعوت الی الایمان، مشرکین کے لئے وعید، یہود کے دعویٰ تقدیس کی تردید، یہود کی تہمت۔ ماخذ آیات ۴۳: تا ۵۰+

اہل ایمان کو خصوصی خطاب یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ : شراب کی وقتی حرمت۔

شانِ نزول: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دعوت کی تھی جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدعو کیا تھا، کھانے کے بعد شراب پلائی، مغرب کی نماز کی جماعت کیلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھایا گیا انہوں نے سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ کافرون پڑھی "قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ" پڑھا یعنی درمیان میں "لَا" چھوڑ دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی۔

(خازن: ص: ۸۲ ج: ۱: کبیر: ص: ۸۵ ج ۱۰)

اس آیت میں جو حکم ہے یہ اس وقت تھا جب شراب حلال تھی، پھر جب شراب حرام ہوگئی تو پھر نہ نماز کے وقت درست ہے اور نہ غیر نماز کے وقت۔ الغرض آیت کا یہ حصہ اب منسوخ ہو چکا ہے۔ **وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ : حالت جنابت میں مسجد سے گزرنے کی اجازت** : اور نہ جنبی ہونے کی حالت میں مگر راستہ گزرتے ہوئے۔ یہاں تک کہ غسل کرلو۔ یعنی اگر مسجد میں سونے کی حالت میں غسل کی حاجت ہو جائے یا جس پر غسل واجب ہے وہ مسجد کے اندر جا کر کوئی چیز اٹھا کر لا سکتا ہے۔ یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ (کبیر: ص: ۸۶ ج ۱۰)

مَسْئَلَہ: ❶ احناف کے نزدیک جنبی آدمی کا مسجد سے گزرنا جائز نہیں۔ (امداد الفتاویٰ: ص: ۶۵۶ ج ۲)

مَسْئَلَہ: ❷ اگر کوئی شخص مسجد میں اعتکاف کی حالت میں جنبی ہو گیا تو اس کا اسی حالت میں مسجد سے نکلنا جائز ہے۔

(شامی: ص: ۱۴۳ ج: ۲، طبع کوئٹہ)

وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰۤی : تیمم کی اجازت : اور اگر تم بیمار ہو اور پانی کا استعمال مضر صحت ہو یا حالت سفر میں ہو اور پانی نہیں ملتا تو ان دونوں عذروں سے تیمم کی اجازت ہے یا تم میں سے کوئی شخص پیشاب یا پاخانہ کی ضرورت پوری کر کے آیا ہو جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، یا تم نے بیویوں سے قربت کی ہو جس سے غسل کی ضرورت پیش آ گئی ہو تو ان سب صورتوں میں خواہ مرض کی صورت میں ہو یا سفر کے عذر کی صورت میں یا ان کے علاوہ وضو اور غسل کی ضرورت ہو اور پانی کے استعمال کا موقع نہ ملے تو ان سب حالتوں میں پاک زمین سے تیمم کرنے کی اجازت ہے۔ اور اگر زمین پر کسی نے پیشاب کیا تو خشک ہونے کے بعد پاک تو ہو جائے گی مگر تیمم اس سے درست نہیں۔

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِکُمْ وَاَیْدِیْکُمْ : فرائض تیمم: تیمم کا طریقہ : دل میں یہ نیت و ارادہ کرے کہ پاک ہونے یا نماز پڑھنے کے لئے تیمم کرتا ہوں، بسم اللہ پڑھے اور انگلیاں کھلی رکھتے ہوئے دونوں ہاتھ پاک زمین پر مارے، اور ان کو زمین پر پہلے آگے کو پھر پیچھے کو ہلائے، پھر ان دونوں کو جھاڑ دے (تا کہ گرد و غبار سے صورت نہ بگڑے) اور سارے منہ کو مل لے مرد اپنی ڈاڑھی کا خلال کرے پھر فوراً ہی دوسری مرتبہ حسب سابق دونوں ہاتھوں کو زمین پر مار دے اور جھاڑ کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت ملے۔ یہ اس طرح کہ پہلے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور انگشت شہادت کو چھوڑ کر تین انگلیوں اور ہتھیلی کے کچھ حصہ کو دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے سوا چاروں انگلیوں کے سرے پر پشت کی جانب رکھ کر کہنی تک کھینچ لائے، پھر انگوٹھے اور انگشت شہادت اور باقی ہتھیلی کو سامنے کی طرف رکھ کر کلائی تک کھینچے اور دائیں انگوٹھے کا بھی اس کے ساتھ ہی مسح کرے۔ پھر ایسے ہی بائیں ہاتھ کا مسح کرے، مرد انگوٹھی اور عورتیں کنگن وغیرہ اتار لیں تا کہ کوئی جگہ چھوٹ نہ جائے۔ انگلیوں کا خلال کرے۔

تیمم کے صحیح ہونے کی شرطیں

❶ تیمم یا طہارت کی نیت کا ہونا۔ ❷ پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہونا۔ ❸ پاک مٹی یا جو چیز زمین کی جنس ہے اس پر تیمم کرنا۔ ❹ مسح کرنے میں بال برابر جگہ نہ چھوڑنا۔ ❺ کم از کم تین انگلیوں سے مسح کرنا۔ ❻ پانی کے قریب ہونے کے گمان پر پانی طلب کرنا۔ ❼ آدمی کا مسلمان ہونا۔

پانی کا بالکل علم نہ ہونا یا دور ہونا

مسئلہ: اگر کوئی جنگل میں ہے اور بالکل معلوم نہیں کہ پانی کہاں ہے نہ وہاں کوئی آدمی ایسا ہے جس سے دریافت کرے تو ایسے وقت میں تیمم کرلے اور اگر کوئی آدمی مل گیا اور اس نے ایک میل شرعی کے اندر اندر پانی کا پتہ بتایا اور غالب گمان ہے کہ یہ سچا ہے یا آدمی تو نہیں ملا لیکن کسی نشانی سے خود اس کا جی کہتا ہے کہ یہاں ایک میل شرعی کے اندر اندر کہیں پانی ضرور ہے تو پانی کا اس قدر تلاش کرنا کہ اس کو اور اس کے ساتھیوں کو انتظار کرنے وغیرہ کسی قسم کی تکلیف اور حرج نہ ہو تو ضروری ہے اور بے ڈھونڈے تیمم کرنا درست نہیں ہے۔ اور اگر خوب یقین ہے کہ پانی ایک میل شرعی کے اندر ہے تو پانی لانا واجب ہے۔ ایک شرعی میل دو ہزار انگریزی گز یا 1.8 کلومیٹر کے برابر ہوتا ہے۔

اور اگر اس کا کسی ایک جانب غالب گمان نہیں ہے تو پھر چاروں جانب تلاش کرنا پڑے گا تین سو گز ایک سمت پچھتر ۷۵ گز پر مشتمل ہوگی اور یہی اقرب ہے۔ (شامی: ص:۱۸۱: ج:۱: طبع کوئٹہ)

مسئلہ: اگر پانی کا پتہ چل گیا لیکن ایک میل سے دور ہے تو اتنی دور جا کر پانی لانا واجب نہیں بلکہ تیمم کرلینا درست ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی آبادی سے ایک میل کے فاصلہ پر ہو اور ایک میل سے قریب کہیں پانی نہ ملے تو بھی تیمم کرلینا درست ہے چاہے مسافر ہو یا مسافر نہ ہو تھوڑی دور جانے کے لئے نکلا ہو۔

مسئلہ: اگر کہیں پانی مل گیا لیکن بہت تھوڑا ہے اگر اتنا ہو کہ ایک ایک دفعہ منہ اور ہاتھ اور دونوں پیر دھو سکے تو تیمم کرنا درست نہیں بلکہ ایک ایک دفعہ ان چیزوں کو دھولے اور سر کا مسح کرلے اور وضو کی سنتوں کو چھوڑ دے اور اگر اتنا بھی نہ ہو تو تیمم کرلے۔

مسئلہ: سامان کے ساتھ پانی بندھا تھا لیکن یاد نہ رہا اور تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر یاد آیا تو اب نماز کا دھرانا واجب نہیں۔

مسئلہ: اگر پانی ایک میل شرعی سے دور نہیں لیکن وقت بہت تنگ ہے کہ اگر پانی لینے جائے گا تو نماز کا وقت جاتا رہے گا تب بھی تیمم درست نہیں ہے پانی لا کر وضو کرے اور قضا پڑھے۔

مسئلہ: اگر پانی قریب ہے یعنی ایک میل شرعی سے کم دور ہے تو تیمم کرنا درست نہیں جا کر پانی لانا اور وضو کرنا واجب ہے خواہ وہ عورت ہی ہو لیکن اگر اس جگہ جانے میں جان و مال و عزت و عصمت کا خوف ہو تو پھر تیمم کرنا جائز ہے۔

عورت کا محض مردوں سے شرم کی وجہ سے یا پردہ کی وجہ سے پانی لینے کو نہ جانا اور تیمم کرلینا درست نہیں۔ ایسا پردہ جس میں شریعت کا کوئی حکم چھوٹ جائے ناجائز اور حرام ہے۔ برقع اوڑھ کر یا سارے بدن سے چادر لپیٹ کر جانا واجب ہے البتہ لوگوں کے سامنے بیٹھ کر وضو نہ کرے اور ان کے سامنے ہاتھ منہ نہ کھولے۔

مسئلہ: اگر کسی میدان میں تیمم کر کے نماز پڑھ لی اور پانی وہاں سے قریب تھا لیکن اس کو خبر نہ تھی تو تیمم اور نماز دونوں درست ہیں جب معلوم ہو تو دھرانا ضروری نہیں۔

پانی نکالنے کا سامان نہ ہونا

مسئلہ: مسافر جب کنویں پر پہنچے اور اس کے پاس ڈول رسی یا دونوں ہی نہ ہوں تو تیمم کرے۔ اس طرح اگر ڈول تو ہو لیکن ناپاک ہو تب بھی تیمم کرے۔ جبکہ اس کے علاوہ کسی اور طریقے سے بھی پانی نکالنا ممکن نہ ہو۔

مسئلہ: اگر مٹکہ وغیرہ میں پانی ہو لیکن کوئی چیز نکالنے کی نہ ہو اور مٹکا جھکا کر بھی پانی نہ لے سکتا ہو اور ہاتھ نجس ہوں اور کوئی دوسرا شخص ایسا نہ ہو جو پانی نکال دے یا اس کے ہاتھ دھلا دے اور کوئی کپڑا یا رومال بھی نہ ہو جو مٹکے میں ڈال کر باہر نکالے اور کپڑے سے گرتے ہوئے پانی کیساتھ ہاتھ دھولے تو ایسی حالت میں تیمم درست ہے۔

مسئلہ: اگر پانی مول بکتا ہے تو اگر اس کے پاس دام نہ ہوں تو تیمم کر لینا درست ہے۔ اور اگر دام پاس ہوں اور سفر کے کرایہ کی ضرورت سے زیادہ بھی ہوں تو خریدنا واجب ہے البتہ اگر اتنا گراں بیچے کہ اتنا دام کوئی لگا ہی نہیں سکتا تو خریدنا واجب نہیں تیمم کر لینا درست ہے۔

مسئلہ: اگر سفر میں کسی اور کے پاس پانی ہو تو اپنے جی کو دیکھے اگر اندر سے دل کہتا ہو کہ اگر میں پانی مانگوں تو پانی مل جائے گا تو بے مانگے ہوئے تیمم کر لینا درست نہیں اور اگر اندر سے دل یہ کہتا ہو کہ مانگنے سے یہ شخص پانی نہ دے گا تو بے مانگے بھی تیمم کر کے نماز پڑھ لینا درست ہے لیکن اگر نماز کے بعد اس سے پانی مانگا اور اس نے دے دیا تو نماز کو دھرانا پڑے گا۔ (مسائل بہشتی زیور)

غسل کے تفصیلی احکام

غسل کے فرائض: غسل کے تین فرائض ہیں جن میں سے کوئی ایک فرض بھی چھوٹ جائے تو غسل نہیں ہوتا۔ وہ فرائض یہ ہیں:

(۱) کلی کرنا۔ اگر روزہ نہ ہو تو غرغرہ کرنا یعنی منہ میں پانی لے کر منہ میں اچھی طرح گھمانا۔

(۲) ناک میں پانی ڈالنا (یہاں تک کہ ناک کا نرم حصہ اندر سے تر ہو جائے)

(۳) پورے بدن پر اس طرح پانی بہانا کہ جسم میں بال برابر بھی جگہ خشک نہ رہے۔

غسل کی سنتیں: غسل میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا سنت ہے غسل کرنے والے شخص کو چاہیے کہ درج ذیل امور کا خیال رکھے تاکہ اس کا غسل کامل طریقے پر انجام پائے۔

(۱) غسل شروع کرنے سے پہلے "بسم اللہ" آخر تک پڑھے۔ ننگے ہونے کی صورت میں کپڑے اتارنے سے پہلے پڑھے۔ یہ نیت کرے کہ وہ طہارت اور پاکی حاصل کرنے کے لیے غسل کرنا چاہتا ہے۔ (۲) سب سے پہلے وضو کی طرح یہاں بھی اپنے دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئے۔ (۳) اگر بدن یا کپڑوں پر نجاست لگی ہوئی ہو تو غسل کرنے سے پہلے نجاست دھو ڈالے۔

(۴) غسل کرنے سے پہلے مسنون طریقے سے وضو کرے۔ اگر کسی ایسی نشیبی جگہ میں کھڑے ہو کر غسل کر رہا ہے جہاں پانی جمع ہو رہا ہے تو پھر وضو میں بھی پاؤں نہ دھوئے۔ بلکہ غسل سے فارغ ہو کر دھوئے۔ (۵) اپنے پورے بدن پر تین مرتبہ پانی بہائے۔

(۶) سب سے پہلے اپنے سر پر پانی ڈالے، پھر دائیں کندھے پر، پھر بائیں کندھے پر ڈالے اور اپنے پورے بدن پر پانی بہائے۔ (۷) اپنے جسم کو اچھی طرح ملے۔ (۸) اپنا جسم اس تسلسل کے ساتھ دھوئے کہ پہلے عضو کے خشک ہونے سے پہلے پہلے دوسرا عضو دھو ڈالے۔

غسل کی اقسام : غسل کی تین قسمیں ہیں :(۱) فرض۔(۲) مسنون۔(۳) مستحب۔

غسل فرض کب ہوتا ہے؟ درج ذیل چار صورتوں میں سے کوئی ایک صورت پائی جائے تو غسل فرض ہوجاتا ہے :

(۱) جنابت کی حالت میں انسان پر غسل فرض ہوجاتا ہے۔(۲) عورت جب ''حیض'' (ماہواری خون سے پاک ہوجائے تو اس پر غسل فرض ہوجاتا ہے۔(۳) عورت جب ''نفاس'' (ولادت کے خون سے پاک ہوجائے تو اس پر بھی غسل فرض ہوجاتا ہے۔(۴) میت کو غسل دینا زندوں پر فرض۔

غسل مسنون کب ہوتا ہے؟ درج ذیل چار صورتوں میں غسل کرنا مسنون ہے:(۱) جمعہ کے دن نماز فجر کے بعد سے جمعہ تک ان لوگوں کے لیے غسل کرنا سنت ہے۔جن پر نماز جمعہ واجب ہے۔(۲) عیدین کے دن نماز فجر کے بعد ان لوگوں کے لیے غسل کرنا سنت ہے۔جن پر عیدین کی نماز واجب ہے۔(۳) حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے لیے غسل کرنا مسنون ہے۔(۴) حج کرنے والے شخص کے لیے عرفہ کے دن زوال کے بعد غسل کرنا سنت ہے۔

غسل مستحب کب ہوتا؟ مندرجہ ذیل صورتوں میں غسل کرنا مستحب ہوتا ہے :(۱) شب برات یعنی شعبان کی پندرھویں رات کو غسل کرنا مستحب ہوتا ہے۔(۲) لیلۃ القدر کی رات میں اس شخص کے لیے غسل کرنا مستحب ہے جس کو لیلۃ القدر معلوم ہوگئی۔

(۳) کسوف (سورج گرہن)، خسوف (چاند گرہن)، کی نمازوں کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔(۴) ''صلوٰۃ الاستسقاء'' بارش کی نماز کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔ (۵) خوف اور گھبراہٹ کے وقت غسل کرنا مستحب ہے۔(۶) تاریکی چھانے کی صورت میں غسل کرنا مستحب ہے۔(۷) سخت آندھی کے موقع پر غسل کرنا مستحب ہے۔ (۸) عام محفل میں جانے کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔(۹) نئے کپڑے پہننے کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔(۱۰) کسی گناہ سے توبہ کرنے کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔

(۱۱) سفر سے واپس آنے والے کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔(۱۲) مدینہ منورہ (زادھا اللہ شرفاً و کرامۃ) میں داخل ہونے کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔(۱۳) مکہ مکرمہ (زادھا اللہ شرفاً و کرامۃ) میں داخل ہونے کے غسل کرنا مستحب ہے۔

(۱۴) مزدلفہ میں ٹھہرنے کے لیے دسویں تاریخ (۱۰ ذی الحجہ) کو طلوع فجر کے بعد غسل کرنا مستحب ہے۔(۱۵) طواف زیارت (حج کا فرض طواف جو دسویں ذی الحجہ کو کیا جاتا ہے) کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔

(۱۶) حج کے دوران منیٰ میں کنکریاں مارنے کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔(۱۷) مردے کو نہلانے کے بعد نہلانے والوں کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔(۱۸) جس شخص کا جنون ختم ہوجائے، یا بے ہوشی اور نشہ ختم ہوجائے اس کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔

(۱۹) اسلام لانے کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔لیکن اگر کافر پہلے سے جنبی ہے تو پھر غسل کرنا فرض ہے۔

متفرقات

● غسل کے لیے وہی آداب ہیں جو کہ وضو کے بیان میں گزر چکے ہیں۔سوائے اس بات کے وضو میں قبلہ رخ ہونا چاہیے مگر غسل میں عموماً آدمی ننگا ہوتا ہے لہٰذا اس میں قبلہ رخ ہونا جائز نہیں۔ ● اسی طرح جو چیزیں وضو میں مکروہ اور ناپسندیدہ ہیں اسی طرح وہی چیزیں غسل میں بھی ناپسندیدہ ہیں، البتہ غسل میں اس بات کا اضافہ ہے کہ وضو کے برعکس اس میں کوئی دعا وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے۔● اگر کسی شخص نے غسل کے دوران کلی نہیں کی البتہ منہ بھر کر پانی پی لیا اور پانی سارے منہ میں اچھی طرح پہنچ گیا تب بھی غسل کا فرض ادا ہوگیا۔کیونکہ اصل مقصود تو پانی پہنچانا ہے۔● اگر کسی شخص کے دانتوں میں چھالیہ وغیرہ کا ٹکڑا پھنسا رہ گیا اس نے نہ نکالا

اور اسی حالت میں غسل کرلیا اگر اس ٹکڑے کی وجہ سے دانتوں میں پانی نہ پہنچا تو غسل نہ ہوگا۔

تیمم کے تفصیلی احکام

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی : "اِنَّ الصَّعِيْدَ الطَّيِّبَ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ"۔

(رواہ الترمذی: ج:۱: ص ۶۷ا: رقم الحدیث ۱۲۴، والنسائی)

ترجمہ : پاک مٹی مسلمانوں کے لیے طہارت کا ذریعہ ہے چاہے اسے مسلسل دس سال تک پانی نہ ملے۔

تیمم کے ارکان : تیمم کے دو ارکان ہیں: (۱) تمام چہرے کا مسح کرنا۔ (۲) دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کرنا۔

تیمم میں درج ذیل باتوں کا اہتمام کرنا مسنون ہے : (۱) شروع میں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" پڑھنا۔ (۲) ترتیب کا خیال رکھنا، چنانچہ پہلے چہرہ کا مسح کرنا، پھر اپنے دائیں ہاتھ کا مسح کرنا، پھر بائیں ہاتھ کا مسح کرنا۔ (۳) چہرے اور ہاتھوں کے مسح کے درمیان کوئی ایسا کام نہ کرے جس کا تعلق اس مسح سے نہ ہو۔ مثلاً کھانا پینا، سلام دعا وغیرہ۔ (۴) مٹی پر مارتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو آگے پیچھے حرکت دینا۔ (۵) مٹی سے اٹھا کر دونوں ہاتھ جھاڑ لینا۔ (۶) مٹی پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ کھلے رکھنا۔

تیمم کے صحیح ہونے کی شرائط: تیمم کے صحیح ہونے کی آٹھ شرطیں ہیں۔ جن میں اگر کوئی شرط نہ پائی جائے تو تیمم صحیح نہیں ہوتا۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے :

(۱) پہلی شرط۔ نیت کا ہونا : نیت کے بغیر تیمم صحیح نہیں ہوتا۔ تیمم کے ذریعے نماز کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ تیمم کرنے والا شخص درج ذیل تین باتوں میں سے کسی ایک بات کی نیت کرے۔ (الف) "حدث" کی قسموں "حدث اکبر" یا "حدث اصغر" کی بھی نیت کرے۔ (ب) نماز کے مباح (اپنے لیے جائز) کرنے کی نیت کرلے۔ (ج) کسی بھی ایسی عبادتِ مقصودہ کی نیت کرلے جو طہارت کے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔ جیسے نماز، نماز جنازہ، سجدۂ تلاوت وغیرہ۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے قرآن کریم کے چھونے کی نیت سے تیمم کیا تو اس تیمم کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوتی۔ کیونکہ قرآن کریم کو چھونا عبادتِ مقصودہ نہیں ہے۔ بلکہ تلاوتِ قرآن کریم عبادتِ مقصودہ ہے۔

عبادتِ مقصودہ کا مطلب : عبادتِ مقصودہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود مقصود ہو، کسی اور عبادت کے لیے ذریعہ اور آلہ نہ ہو۔

مثال : اسی طرح اگر کسی شخص نے اذان اور اقامت کی نیت سے تیمم کیا تو اس سے بھی نماز ادا کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اذان اور اقامت بھی کوئی اپنی ذات میں عبادت نہیں ہیں بلکہ نماز کے لیے ذریعہ ہیں۔

مثال : اسی طرح اگر کسی شخص نے بے وضو ہونے کی حالت میں تلاوتِ قرآن کریم کے تیمم کیا تو اس تیمم سے بھی نماز ادا کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ تلاوت اگرچہ عبادتِ مقصودہ ہے مگر یہ وضو کے بغیر بھی صحیح ہو جاتی ہے۔ اس کے لیے وضو کا ہونا شرط نہیں۔

(۲) دوسری شرط : دوسری شرط یہ ہے کہ ان اعذار میں سے کوئی عذر پایا جائے جس کی وجہ سے تیمم کرنا جائز ہوتا ہے۔ وہ اعذار درج ذیل ہیں : (۱) پانی کا ایک میل یا زیادہ دور ہونا۔ (۲) اس شخص کا خود غالب گمان ہو یا کوئی مسلمان ماہر اور دیندار ڈاکٹر یہ بتلادے کہ اگر پانی کا استعمال کیا تو کسی بیماری کے ہو جانے کا اندیشہ ہے، یا بیماری بڑھ جانے کا خطرہ ہے یا اس بیماری سے شفاء اور صحت یابی کے مؤخر ہونے کا اندیشہ ہے۔ (۳) اس کا غالب گمان ہو کہ اگر اس نے ٹھنڈا پانی استعمال کیا تو ہلاکت کا اندیشہ

ہے۔(۴) پانی اس قدر تھوڑا ہو کہ اگر اسے وضو میں استعمال کرے گا۔تو خود یا کسی دوسرے شخص کے پیاسا ہونے کا خطرہ ہے۔(۵) آدمی پانی کے پاس موجود ہو لیکن اس پانی کے حاصل کرنے کی قدرت نہ ہو مثلاً کنویں پر ڈول یا رسی موجود نہ ہو یا موٹر کی صورت میں بجلی غائب ہو۔

(۶) اسے کسی دشمن کا خوف ہو جو اس کے پانی تک پہنچنے میں رکاوٹ بن رہا ہو۔خواہ وہ دشمن انسان ہو یا کوئی درندہ وغیرہ۔

(۷) اگر کسی شخص کا غالب گمان یہ ہو کہ اگر وہ وضو میں مشغول ہو گیا تو نمازِ عیدین یا نمازِ جنازہ نکل جائے گی۔تو ایسے شخص کے لیے وضو چھوڑ کر تیمم کی اجازت ہے۔تاکہ وہ تیمم کر کے جلدی سے ان نمازوں میں مل جائے کیونکہ ان نمازوں کی کوئی قضا نہیں ہوتی۔ یہ بات یاد رکھیں کہ یہ رخصت ان نمازوں کے لیے ہے جن کی قضا نہیں ہوتی۔

لہٰذا اگر کسی شخص کا یہ غالب گمان ہو کہ اگر وہ وضو میں مشغول ہوتا ہے تو فرض نماز کے وقت کے ختم ہونے کا اندیشہ ہے۔یا وضو میں مشغولی کی صورت میں نمازِ جمعہ ختم ہو جائے گی۔تو اس شخص کے لیے تیمم کی اجازت نہیں ہے۔کیونکہ فرض نماز کی قضا ہو سکتی ہے،اسی طرح جمعہ کے فوت ہو جانے کی صورت میں اس کے عوض میں شریعت نے ظہر کی نماز کو فرض قرار دیا ہے۔

(۳) تیسری شرط : تیمم کسی ایسی پاک چیز سے کیا جائے جو زمین کی ہی جنس میں سے ہو۔جیسے مٹی، ریت، پتھر، گچ، چونا، سرمہ وغیرہ اور جو چیز مٹی کی قسم میں سے نہ ہو اس پر تیمم کرنا درست نہیں ہے۔جیسے سونا، چاندی، گیہوں، لکڑی، کپڑا اور اناج وغیرہ۔ہاں البتہ ان چیزوں پر مٹی گرد لگا ہوا ہو تو اس پر تیمم کرنا جائز ہے۔چنانچہ اس سے معلوم ہو گیا کہ اگر گاڑی وغیرہ کی سیٹ یا فرنیچر پر مٹی لگی ہوئی ہو تو اس صورت میں سیٹ پر ہاتھ مار کر تیمم کیا جا سکتا ہے۔

زمین کی جنس میں سے ہونے کا مطلب : جو چیزیں جلانے سے نہ جلیں، پگھلانے سے نہ پگھلیں، اور مٹی سے مل جانے سے نہ گلیں تو ایسی اشیاء مٹی کی جنس میں داخل ہیں۔ جیسے ریت، پتھر وغیرہ۔خواہ وہ پتھر وغیرہ صاف ستھرا کیوں نہ ہو۔اور جو چیزیں جلانے سے جل جائیں، پگھلانے سے پگھل جائیں اور مٹی میں ملنے کی صورت میں گل جائیں تو یہ چیزیں مٹی کی جنس میں داخل نہیں ہیں ان پر تیمم جائز نہیں ہے۔جیسے لوہا، سونا چاندی، کپڑا، کاغذ اور لکڑی وغیرہ۔

(۴) چوتھی شرط : مکمل چہرے اور دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت اس طرح مسح کرنا کہ کوئی جگہ مسح سے رہ نہ جائے۔

(۵) پانچویں شرط: مسح میں اپنا پورا ہاتھ یا ہاتھ کا اکثر حصہ استعمال کرنا، لہٰذا اگر کسی نے اپنی دو انگلیوں سے مسح کیا اور پھر دوبارہ دو انگلیوں سے مسح کر لیا، یہاں تک کہ اعضاء مطلوبہ میں کوئی جگہ مسح سے نہیں بچی تب بھی تیمم نہیں ہوا۔

(۶) چھٹی شرط : اپنی ہتھیلیوں کے اندرونی حصوں کا زمین پر دو مرتبہ مارنا، خواہ وہ دونوں ضربیں ایک ہی جگہ کیوں نہ ہوں۔

(۷) ساتویں شرط : مسح کے دوران جلد پر کوئی ایسی چیز لگی ہوئی نہ ہو۔جس کی وجہ سے جلد پر مسح نہ ہوتا ہو۔ جیسے موم، چربی، ناخن پالش یا رنگ پینٹ وغیرہ۔لہٰذا مسح کرنے سے پہلے ایسی اشیاء کا جلد سے اتارنا ضروری ہے ورنہ مسح نہیں ہو گا۔

(۸) آٹھویں شرط : اسی طرح کوئی ایسی چیز نہ پائی جائے جو تیمم کے صحیح ہونے میں مانع (اور رکاوٹ) ہو، جیسے عورت کو حیض ونفاس آنا، یا حدث لاحق ہو جانا۔لہٰذا اگر کوئی عورت حائضہ یا نفاس والی ہے تو اس حالت میں اس کا تیمم صحیح نہیں ہوتا۔

متفرقات

● جس طرح مجبوری کی وجہ سے وضو کی جگہ تیمم کرنا درست ہے اسی طرح مجبوری کی وجہ سے غسل کی جگہ بھی تیمم جائز ہے۔ ایسے ہی جو عورت حیض ونفاس سے پاک ہوئی ہو اور اس کو کوئی ایسی مجبوری اور عذر درپیش ہو (جن کا بیان دوسری شرط کی ذیل میں

تفصیل سے ہو چکا ہے) تو اس کے لیے بھی تیمم کرنا جائز ہے۔ ● کسی کو غسل کی حاجت ہے اور وضو بھی نہیں ہے تو اس کے لیے ایک ہی تیمم دونوں چیزوں کے لیے کافی ہے وضو اور غسل کے لیے الگ الگ تیمم کی ضرورت نہیں۔

● اگر کسی شخص نے وضو کے لیے تیمم کیا ہے وضو کرنے کی مقدار پانی مل جائے تو تیمم ٹوٹ جائے گا اگر کسی آدمی نے غسل کا تیمم کیا ہے تو غسل کرنے کی مقدار پانی ملنے تو تیمم ٹوٹ جائے گا۔ اس سے کم پانی ملا خواہ وضو کے لیے کافی ہو تو غسل کا تیمم نہیں ٹوٹے گا۔

● اگر کسی شخص کے چہرے اور ہاتھ پر آندھی وغیرہ کی وجہ سے گرد و غبار لگ گیا اور اس نے تیمم کی نیت سے مسح کر لیا تو تیمم صحیح ہو جائے گا۔ ● اگر قریب ہی پانی موجود ہو مگر پانی حاصل کرنے کی صورت میں ریل گاڑی یا جہاز وغیرہ کے چلنے کا اندیشہ ہو اور خود ریل گاڑی میں پانی موجود نہ ہو تو اس صورت میں تیمم کرنے کی اجازت ہے۔

● جس شخص کو یہ امید ہو کہ اس کو نماز کے وقت کے ختم ہونے سے پہلے پہلے پانی مل جائے گا تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ تیمم کو نماز کے آخری وقت کے لیے مؤخر کر دے۔ ● جس شخص کے پاس اتنا تھوڑا پانی موجود ہو کہ یا تو وہ آٹا گوندھ سکتا ہے یا وضو کر سکتا ہے تو اسے چاہیے کہ پانی کو آٹا گوندھنے میں استعمال کرے اور نماز کے لیے تیمم کر لے اور اگر کسی کے پاس اتنا پانی ہو کہ یا تو وہ شوربہ بنا سکتا ہے یا وضو کر سکتا ہے تو یہ شخص شوربہ نہ بنائے بلکہ نماز کے لیے اس پانی کو وضو میں استعمال کرے۔

● اگر کوئی شخص ایسے علاقے میں ہے کہ اس کے دوسرے رفقاء کے پاس پانی موجود ہے خود اس کے پاس پانی موجود نہیں ہے اور وہ رفقاء بخیل نہیں ہیں تو اس پر وضو کے لیے پانی مانگنا واجب ہے۔ اور اگر کسی ایسی جگہ ہے کہ وہاں کے باشندے پانی دینے میں بخل سے کام لیتے ہیں تو اس پر پانی مانگنا واجب نہیں ہے۔ بغیر پانی مانگے تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ ● کسی شخص کے بدن اور کپڑے ناپاک ہیں اور وضو کی بھی ضرورت ہے اور پانی تھوڑا ہے تو یہ شخص بدن اور کپڑا دھو لے اور وضو کی جگہ تیمم کر لے۔

قضائے حاجت کے تفصیلی احکام

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ بِمَنْزِلَۃِ الْوَالِدِ اُعَلِّمُکُمْ فَاِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الْغَائِطَ فَلَا یَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَۃَ وَلَا یَسْتَدْبِرْھَا وَلَا یَسْتَطِبْ بِیَمِیْنِہٖ وَکَانَ یَاْمُرُ بِثَلَاثَۃِ اَحْجَارٍ وَیَنْھٰی عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّۃِ۔

(رواہ ابو داؤد: ج:۱: ص ۷ ۱۳۴: رقم الحدیث ۸)

سرکار دو عالم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے لیے ایسا ہوں جیسا کہ باپ بیٹے کے لیے ہوتا ہے۔ چنانچہ میں تمہیں احکام سکھلاتا ہوں کہ جب تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت (پاخانہ وغیرہ) کے لیے جائے تو قبلے کی طرف منہ کرے نہ پشت اور دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کرے اور جناب رسول اللہ ﷺ ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کا حکم فرمایا کرتے تھے اور گوبر اور ہڈی سے استنجاء کرنے کو منع فرماتے تھے۔ قضائے حاجت (یعنی پیشاب پاخانہ) کرنے والے کو مندرجہ ذیل آداب کی پابندی کرنی چاہیے۔ ان آداب کو سہولت کی غرض سے تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (۱) کرنے کے کام (۲) نہ کرنے کے کام (۳) قضائے حاجت کے مکروہات

(۱) قضائے حاجت میں کرنے کے کام: (۱) اتنی دور چلا جائے کہ اس کو کوئی دیکھ نہ سکے، اس سے نکلنے والی آواز کو کوئی سن نہ سکے۔ نہ اس کے فضلات کی بدبو دوسرے شخص کو پہنچے۔ (۲) قضائے حاجت کے لیے نرم اور نشیب جگہ کا انتخاب کرے تاکہ پیشاب کے چھینٹے اس کے بدن اور کپڑوں کو نہ لگیں۔ کیونکہ قبر کا عذاب عموماً پیشاب سے احتیاط نہ کرنے کی بناء پر ہوتا

ہے۔(۳) بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے یہ دُعا پڑھے : ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ'' اور جو شخص کسی صحرا (میدان یا جنگل) میں قضائے حاجت کر رہا ہو تو اس کو مندرجہ بالا دعا ستر کھولنے سے پہلے پڑھنی چاہیے۔(۴) بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پاؤں اندر رکھیں اور اس سے نکلتے وقت دایاں پاؤں باہر رکھے۔(۵) قضائے حاجت اور استنجاء کے وقت سر ڈھانپے۔(۶) بائیں پیر پر ذرا زور دیکر بیٹھیں اس لیے کہ یہ ہیئت قضائے حاجت میں سہولت کا سبب بنتی ہے۔

(۲) قضائے حاجت میں نہ کرنے کے کام :(۱) کسی سوراخ وغیرہ میں پیشاب نہ کرے اس لیے کہ عین ممکن ہے کہ سوراخ سے حشرات میں سے کوئی موذی جانور نکل کر اسے تکلیف پہنچادے۔(۲) کسی راستے، قبرستان، یا مسجد کے قریب ہرگز پیشاب یا پاخانہ نہ کرے۔(۳) اسی طرح سے کسی چھاؤں میں بھی پیشاب و پاخانہ سے گریز کرے۔اس لیے کہ اس سے چھاؤں میں بیٹھنے والے کو تکلیف ہوگی۔اسی طرح اس جگہ کا حکم بھی یہی ہے جہاں لوگ موسمِ سرما میں دھوپ کے لیے بیٹھتے ہوں۔(۴) پھل دار درخت کے نیچے پیشاب پاخانہ نہ کرے۔

(۳) قضائے حاجت کے مکروہات :(۱) قضائے حاجت کے دوران کسی سے بات کرنا مکروہ ہے البتہ ضرورت یا عذر کی بناء پر درست ہے۔(۲) استنجاء کے دوران قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور زبان سے ذکر کرنا مکروہ ہے۔(۳) قبلہ کی طرف منہ کر کے یا پشت کر کے پیشاب یا پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے خواہ وہ بیت الخلاء میں ہو یا کسی صحرا میں ہو۔(۴) سورج اور چاند کی سمت رخ نہ کرے۔

(۵) ماء راکد (یعنی ٹھہرا ہوئے پانی) جو تھوڑا ہو اس میں پیشاب کرنا مکروہ تحریمی ہے۔(۶) جاری پانی یا ایسے ٹھہرے ہوئے پانی میں جو بہت زیادہ ہو پیشاب، پاخانہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔(۷) غسل خانہ میں پیشاب کرنا مکروہ ہے۔کیونکہ اکثر وسواس کی بیماری اسی سے پیدا ہوتی ہے۔(۸) کسی کنویں، نہر یا حوض کے قریب پاخانہ یا پیشاب کرنا مکروہ ہے۔ (۹) کسی ایسی جگہ بیٹھ کر قضائے حاجت یا استنجاء کرنا جہاں پر کسی کی نظر پڑنے کا اندیشہ ہو مکروہ ہے۔(۱۰) بغیر عذر دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا مکروہ ہے۔(۱۱) بغیر عذر کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے۔

جب قضائے حاجت سے فارغ ہو جائے تو پہلے دایاں پاؤں باہر نکالے پھر یہ دعا پڑھے: ''غُفْرَانَكَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ''۔امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ استنجاء سے فراغت کے بعد یہ کلمات کہنے چاہئیں: ''اَللّٰھُمَّ طَهِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَحَصِّنْ فَرْجِیْ مِنَ الْفَوَاحِشِ۔ (احیاء العلوم ص ۲۱۸ ج ۱)

استنجاء کے آداب

استنجاء کرنے سے پہلے پیشاب، پاخانہ سے مکمل استبراء (فراغت کا یقین) حاصل کرنا ضروری ہے۔استبراء کا مطلب یہ ہے کہ پیشاب وغیرہ کے ایک دو قطرات جو باقی رہ جاتے ہیں ان کے نکل جانے کا مکمل اطمینان حاصل کر لیا جائے۔

شیخ المشائخ حضرت سیدنا شاہ عبد القادر جیلانیؒ نے استبراء کا یہ طریقہ بیان فرمایا ہے کہ تین پاک پتھر لیے جائیں۔جن میں سے ایک پتھر دائیں ہاتھ میں لیا جائے اور اگلی شرمگاہ سے صفائی شروع کی جائے۔الٹے ہاتھ سے پیشاب گاہ کی جڑ سے لے کر سر تک تین مرتبہ سونتا جائے۔اور جو قطرے ہوں ان کو دائیں ہاتھ کے پتھر سے صاف کیا جائے یہاں تک کہ سوراخ کے منہ پر تری کا نشان بھی باقی نہ رہے۔اس طرح تین پتھروں سے یہ عمل کیا جائے۔ (غنیۃ الطالبین۔ص ۵۱)

استنجاء کے حکم میں تفصیل یہ ہے کہ یہ بعض صورتوں میں فرض ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں واجب۔بعض صورتوں میں سنت

ہوتا ہے بعض صورتوں میں مستحب ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں بدعت۔

(۱) استنجاء کے فرض ہونے کی صورت :جب نجاست مخرج (پاخانے کی جگہ) سے بڑھ جائے ۔اور بڑھ کر ایک درہم کی مقدار سے زائد ہوجائے تو پانی سے اس کا دھونا فرض ہے اس نجاست کے ہوتے ہوئے نماز کا پڑھنا جائز نہیں۔

حضرات فقہائے کرامؒ نے ایک درہم کی مقدار کا اندازہ ہتھیلی کی گہرائی سے کیا ہے کہ ہاتھ کے سیدھا کرنے کی صورت میں ہتھیلی میں جس حد تک پانی ٹھہر جاتا ہے وہ ایک درہم کے برابر ہے۔

(۲) واجب ہونے کی صورت :اگر نجاست مخرج سے بڑھ جائے اور بڑھ کر ایک درہم ہو تو پھر پانی سے اس کا صاف کرنا واجب ہے۔(۳) سنت ہونیکی صورت: اگر نجاست مخرج سے نہ بڑھے بلکہ نجاست کا اثر صرف مخرج کی حد تک رہے تو پھر پانی سے استنجاء کرنا سنت ہے۔(۴) مستحب ہونکی صورت :اگر کسی شخص نے پاخانہ نہ کیا ہو صرف پیشاب کیا ہو اس صورت میں استنجاء کرنا مستحب ہے۔(۵) بدعت ہونے کی صورت: کسی شخص نے پیشاب، پاخانہ وغیرہ کچھ بھی نہیں کیا۔صرف ہوا خارج ہوئی ہے تو اس صورت میں استنجاء کرنا بدعت ہے۔

● یہ بات یاد رکھیں کہ استنجاء کی ہر حالت میں صرف پانی پر بھی اکتفا کرنا جائز ہے۔اسی طرح اگر نجاست کی مقدار ایک درہم سے کم ہے تو صرف ڈھیلوں پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے۔البتہ اس صورت میں ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد پانی سے دھونا افضل ہے ڈھیلوں کے بعد پانی استعمال کرنے سے زیادہ پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔● یہ بات یاد رکھیں کہ تین ڈھیلوں یا تین پتھروں سے استنجاء کرنا مستحب ہے۔لیکن اگر تین ڈھیلوں سے صفائی حاصل نہ ہو تو پھر طاق کی رعایت کرتے ہوئے تین ڈھیلوں سے زیادہ بھی استعمال کرسکتے ہیں۔ڈھیلوں کے استعمال کے بعد اپنے ہاتھ پانی سے دھو کر صاف کر لینے چاہئیں۔اس کے بعد پانی سے استنجاء کرنا چاہیے۔استنجاء سے فراغت کے بعد اپنے ہاتھوں کو دھونا اور دھونے کے لیے مٹی یا صابن استعمال کرنا چاہیے تا کہ ہاتھ خوب اچھی طرح صاف ہوجائیں اور بدبو بھی ختم ہوجائے۔

کِن اشیاء سے استنجاء ناجائز ہے؟ درج ذیل اشیاء سے استنجاء کرنا ناجائز ہے:(۱) ایسی چیز سے استنجاء نہ کرے جو قابل احترام ہو جیسے کھانے پینے کی اشیاء اور کاغذ وغیرہ۔کیونکہ کاغذ علم کا آلہ اور ذریعہ ہے۔اس کا ادب بہت ضروری ہے۔البتہ ٹشو پیپر سے استنجاء کرنا جائز ہے کیونکہ یہ صرف استنجاء کے غرض سے ہی بنایا گیا ہے۔(۲) کسی بھی قیمتی چیز سے استنجاء نہ کرے۔ جیسے کپڑا وغیرہ۔لہٰذا کوئی کپڑا ایسا ہو جو پہننے کے قابل نہ رہا ہو تو اس سے استنجاء کرنا جائز ہے۔(۳) کسی تکلیف دہ چیز سے استنجاء نہ کرے۔ جیسے کنکر، شیشہ، پکی اینٹ اور ہڈی وغیرہ۔کیونکہ ان چیزوں سے آدمی کے زخمی ہونے کا خطرہ ہے اور ہڈی سے استنجاء کے ممنوع ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ جنوں کی خوراک ہے۔(۴) کسی بھی ایسی چیز سے استنجاء نہ کرے جو صفائی کے بجائے مزید آلودگی اور تلویث کا سبب بن جائے۔ جیسے کوئلہ، گوبر، لید وغیرہ۔

وضاحت :خوب یاد رہے کہ ان اشیاء سے استنجاء کرنا برا ہے۔تاہم اگر کسی نے کرلیا تو استنجاء ہوجائے گا جس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی پاکیزگی کی بنیاد پر نماز صحیح ہوجائے گی۔اوپر ذکر کردہ اصول کی روشنی میں مندرجہ بالا اشیاء کے علاوہ باقی چیزوں سے (پتھر، ڈھیلوں وغیرہ) سے استنجاء کرنا جائز ہے۔

﴿۴۴﴾ اَلَمْ تَرَ ...الخ ربط آیات: اوپر ایمان والوں کے مسائل کا ذکر تھا آگے یہود کی بعض قباحتوں اور خباثت کا ذکر ہے۔

بعض خباثت یہود ❶ اہل کتاب جس طرح اپنا قانون چھوڑ بیٹھے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی قرآن کریم پر عمل کرنا چھوڑ دیں۔

﴿۴۵﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ... الخ حصر علم الغیب: اللہ تعالیٰ تمہارے ان دشمنوں کو خوب جانتا ہے۔ خباثت ❷: تحریف کتاب: یہود خود بھی ہدایت نہیں پاتے اور دوسروں کو بھی ہدایت نہیں پانے دیتے، بلکہ چشمہ ہدایت کو گدلا کرنا چاہتے ہیں، یہود نے توراۃ میں تحریف کی اس کا ذکر سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ: اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ تم ہماری بات سنو اور خدا کرے تم کو کوئی بات نہ سنائی جائے۔ اس کا اچھا مطلب تو یہ ہے کہ تم کو کوئی مخالف اور رنج زدہ بات نہ سنائی جائے، بلکہ آپ کا ایسا اقبال رہے کہ جو بات فرمائیں سب اس کے جواب میں موافق ہی بات آپ کو سنائیں۔ اور برا مطلب یہ ہے کہ تم کو کوئی موافق اور مسرت بخش بات نہ سنائی جائے بلکہ آپ جو بات کہیں اس کا جواب مخالف ہی آپ کے کان میں پڑے۔ (معارف القرآن: ج:۲: ص:۴۲۶م،ش،د)

﴿۴۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ... الخ یہود کو دعوت الی الایمان: اے اہل کتاب اس دین مبین اور سچی کتاب کی مخالفت چھوڑ دو بلکہ اس پر ایمان لاؤ۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ: یہود کو دھمکی: اس میں مسخ صورت ہے مطلب یہ ہے کہ اب تو تمہارے چہرے چھاتی کے سامنے ہیں ہم چاہیں تو ان کو پیٹھوں کی طرف پھیر دیں ہمارے لئے کونسا کام مشکل ہے (اَوْ نَلْعَنَهُمْ) اس میں مسخ سیرت ہے حاصل یہ نکلا کہ اگر تم قرآن کریم کو چھوڑ دو گے، تو پھر یا تو تم تنزل کو ترقی سمجھنے لگو گے۔ اور یا تم میں انسانیت کے آثار ہی بالکل ناپید ہو جائیں گے جیسے ہم نے ہفتے کے دن میں زیادتی کرنے والوں کے ساتھ کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ طمس اور مسخ کیا واقع ہوا ہے یا نہیں؟ بعض نے کہا کہ یہ عذاب قیامت سے قبل یہود پر ہوگا۔

بعض نے کہا کہ یہ عذاب اس لیے واقع نہیں ہوا کہ ان میں سے بعض ایمان لے آئے تھے۔ (تفسیر منیر: ص:۱۰۴: ج۔۵)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ قرآن کریم میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے معلوم ہوا کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو طمس و مسخ کا عذاب ضرور واقع ہوگا، بلکہ احتمال ہے یعنی اگر ان کے جرم کو دیکھا جائے تو وہ اس سزا کے مستحق ہیں اور اگر عذاب نہ دیں تو یہ ان کی رحمت ہے۔ (بیان القرآن: ص:۱۲۲: ج۔۱)

﴿۴۸﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ... الخ مشرکین کے لئے وعید۔

شرک کی تعریف: یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی مخصوص صفات کے بارے میں جو مسلمانوں کے عقائد ہیں اس طرح کا کوئی عقیدہ کسی مخلوق کے لئے رکھنا یہ شرک ہے۔ شرک کی مشہور تین قسمیں ہیں۔

(۱) شرک فی العلم: اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ اعتقاد رکھنا کہ ہمارے سب حال کی اس کو ہر وقت خبر ہے، نجومی، پنڈت، سے غیب کی خبریں دریافت کرنا یا کسی بزرگ کے کلام میں فال دیکھ کر اس کو یقینی سمجھنا یا کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہوگی یا کسی کے نام کا روزہ رکھنا۔ (۲) شرک فی التصرف: یعنی کسی کو نفع یا نقصان کا مختار سمجھنا، کسی سے مرادیں مانگنا، روزی اور اولاد مانگنا۔

(۳) شرک فی العبادۃ: کسی کو سجدہ کرنا، کسی کے نام کا جانور چھوڑنا، چڑھاوا چڑھانا، کسی کے نام کی منت ماننا کسی کی قبر یا مکان کا طواف کرنا، خدا کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے قول یا رسم کو ترجیح دینا کسی کے روبرو رکوع کی طرح جھکنا، کسی کے نام پر جانور ذبح کرنا، دنیا کے کاروبار کو ستاروں کی تاثیر سے سمجھنا اور کسی مہینہ کو منحوس سمجھنا وغیرہ۔ (معارف القرآن: ج:۲، ص:۴۳۰م،ش،د)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا اٹل قانون حرف "اِنَّ" کے ساتھ جو تحقیق کے لیے ہوتا ہے بیان کر دیا ہے کہ مشرک کی بخشش

کسی صورت میں نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ وہ شرک سے توبہ نہ کرے اور شرک سے نیچے دوسرے گناہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں داخل ہیں جس کو چاہیں معاف کردیں اور جس کو چاہیں مناسب سزا دیں۔

مسئلہ توحید بیان کرنے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظلم وجور

توحید خداوندی کو بیان کرنے کی وجہ سے سب سے زیادہ تکالیف کا سامنا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہی کو کرنا پڑا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ انسانوں میں سب سے زیادہ مصائب اور امتحانات انبیاء علیہم السلام کو برداشت کرنے پڑے ہیں، پھر ان کو جوان کے قریب تر ہوں، پھر ان کو جوان کے قریب تر ہوں۔ (مشکوٰۃ: ص ۱۳۶، والدارمی: ص ۷۵ ۳، والترمذی: ص: ۶۷ ج ۲، وقال حسن صحیح) اور ان سب سے بڑھ کر مصائب وآلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برداشت کئے ہیں، آپ کو دشمنوں نے پتھر برسا کر لہولہان کیا، شعب ابی طالب میں محبوس کیا، تمام قوم نے بائیکاٹ کیا، آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے، آپ کی گردن مبارک پر اوجھڑی ڈالی گئی، ایک مرتبہ آپ کے گلے مبارک میں چادر ڈال کر اس زور سے آپ کو کھینچا گیا کہ گردن مبارک میں بدھیاں پڑگئیں، آپ کو گالیاں دی گئیں، جب آپ باہر نکلتے تو شریر لڑکے آپ کے پیچھے پیچھے غول باندھ کر نکلتے، اور شقی اور بدبخت نے آپ کے سر مبارک پر خاک ڈال دی، اور ایک مرتبہ آپ کو شہید کرنے کا پورا پورا انتظام کردیا، تو حضرت ابوبکر صدیق گئے آپ کو دشمنوں کے نرغے سے نکالا، اور یہ کہا کہ اس شخص کو قتل کرتے ہو کہ جو یہ کہتا ہے کہ میری پرورش کرنے والا صرف ایک ہی ہے۔ غرضیکہ دشمنوں نے آپ کو تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، کہنے والوں نے کیا کچھ نہ کہا، حاسدوں نے اس بات سے دریغ کیا جو بغض اور حسد میں نہ کہی جاتی ہو، مفسدوں کی مفسدہ پردازی، موذیوں کی ایذاء، اور ظلم وجور کی وہاں کیا کمی تھی کبھی کاہن کہا، کبھی ساحر، کبھی مجنون بنایا، تو کبھی مفتری ٹھہرایا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

اور آپ کے جانثاروں پر جو جانگداز واقعات گزرے ان کو پڑھ کر دل کانپ جاتا ہے اور بدن پر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں

حضرت سمیہ کو ابوجہل نے نازک مقام پر برچھی مار کر شہید کردیا، حضرت یاسر بھی کافروں کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہوگئے، حضرت بلال کو کڑکتی دھوپ میں ریت پر لٹایا گیا اور سینہ پر وزنی چٹان رکھی گئی، حضرت خباب کو جلتے کوئلوں پر لٹا کر ان کی چھاتی پر پاؤں رکھے گئے تاکہ کروٹ بدلنے نہ پائیں، حضرت فکیہہ کے پاؤں میں رسی باندھ کر ان کو گھسیٹا گیا، حضرت لبیبہ کو حضرت عمر کفر کی حالت میں اتنے مارتے مارتے کہ مارتے مارتے تھک جاتے اور کہتے تھے کہ میں نے تجھ کو رحم کی بنا پر نہیں چھوڑا بلکہ اس لئے چھوڑا ہے کہ تھک گیا ہوں، حضرت زنیرہ کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہی، حضرت عثمان کو چچا نے رسی سے باندھ کر پیٹا، حضرت ابوذر کو کعبہ میں مارتے مارتے لٹا دیا گیا، حضرت زبیر بن عوام کو چچا نے چٹائی میں باندھ کر ان کی ناک میں دھواں دیا حضرت سعید بن زید کو رسیوں سے باندھا گیا، حضرت عبداللہ بن مسعود کو حرم کعبہ میں اتنا مارا گیا کہ ان کا چہرا زخمی ہوگیا حضرت صہیب کو پانی میں ڈبکیاں دی گئی حضرت حارث بن ابی ہالہ کے ناحق خون سے کعبہ کے پاس مسجد حرام کی زمین رنگین کی گئی (یہ تمام واقعات کتب حدیث، تاریخ اور سیر میں موجود ہیں)

غرضیکہ مسلمانوں پر مصائب وآلام کا ایسا طوفان برپا کیا گیا کہ بہت سے افراد نے حبشہ کی طرف ہجرت کر کے دشمنوں سے جان بچائی اور جو مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں رہے ان کو بھی تختہ مشق بنایا گیا حتی کہ حضرت ابوبکر صدیق ایسے بزرگ بھی مجبور ہوکر مکہ سے حبشہ ہجرت کرنے پر تیار ہوگئے مگر ابن دغنہ کافر کی مداخلت سے ان کا یہ ارادہ ملتوی ہوا۔

(بخاری: ص: ۵۲۵: ج ۱)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تکالیف جو آنحضرت ﷺ آپ کے حضرات صحابہ کرام کو دی گئیں ان کا سبب، علت اور وجہ کیا تھی؟ کیا آپ مشرکین کو اللہ تعالیٰ کی ہستی اور ذات منوانا چاہتے تھے اور وہ اس کا انکار کرنا چاہتے تھے؟ قطعاً نہیں تمام مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کو آسمان اور زمین کا خالق اور مدبر رازق بلکہ مدبر امر اور ہر چیز کا اختیار رکھنے والا جانتے تھے۔

کیا آپ ان کے سامنے شریعت کے اوامر یعنی نماز روزہ، حج قربانی وغیرہ پیش کرتے تھے جن کے ماننے میں مشرکین کو تامل تھا؟ یہ بھی نہیں کیونکہ یہ تمام تر عبادات کافی عرصہ کے بعد نازل ہوئی تھیں۔ تو کیا آپ ان کے سامنے نواہی یعنی شراب، نکاح متعہ، بے پردگی، حرام جانوروں کے کھانے سے روکنا وغیرہ پیش کرتے تھے جس سے وہ نہ رک سکے اور آپ کا مقابلہ کیا؟ لیکن یہ بھی نہیں کیونکہ نواہی کا حکم بھی کافی عرصہ کے بعد نازل ہوا۔

کیا انہوں نے آپ ﷺ سے جھوٹ سنا تھا العیاذ باللہ جس کی پاداش میں مصائب کا یہ بے پناہ طوفان امنڈ آیا نہیں ہرگز نہیں بلکہ بلاخوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ مشرکین عرب کا آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات کے محاسن پر اتفاق تھا کہ آپ ہمیشہ سچ کہتے ہیں اور جھوٹ سے بچتے رہے ہیں پھر آپ حیران ہوں گے کہ کیا بات تھی کہ مشرکین آپ کا ساتھ نہیں دیتے تھے تو قرآن کریم میں اور احادیث میں اس پر واضح روشنی موجود ہے۔ ایک دفعہ ابو جہل نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ بے شک ہم جانتے ہیں کہ آپ صلہ رحمی بھی کرتے ہیں اور باتیں بھی سچی کرتے ہیں ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ اس چیز کو جھٹلاتے ہیں جس کو آپ لیکر آئیں ہیں۔ (ترمذی: ص: ۱۳۲؛ ج ۲، مستدرک: ص: ۳۱۵؛ ج۔ ۲)

آپ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر آئے تھے مشرکین اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے اس کی تفصیل سورۃ انعام کی آیت :۳۳: میں موجود ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ کیا آیات اللہ میں سارا قرآن داخل ہے جس کا مشرکین کو انکار تھا؟ یا اس کا کچھ حصہ تھا؟ اور وہ حصہ کونسا تھا؟ اس کی تفصیل سورۃ یونس کی آیت :۱۵: میں ملاحظہ فرمائیں۔

مشرکین کو قرآن کریم کے کس مضمون اور حکم سے انکار تھا؟ اور کس حکم پر ان کو تعجب اور تکبر تھا؟ تو اس کی تفصیل سورۃ ص۔ ۱۵ میں ملاحظہ فرمائیں کہ ان کو قرآن کریم کے اس حصہ سے اختلاف تھا جس میں صرف ایک ہی اللہ کے تسلیم کرنے کا حکم ہے۔

﴿۴۹﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ : یہود کے دعویٰ تقدس کی تردید: یہود اپنے آپ کو مقدس بتلاتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت پر یہ آیت نازل فرمائی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کو اپنی یا دوسروں کی پاکی بیان کرنا جائز نہیں اس کی تین وجہ ہیں ❶ اپنی تعریف کا سبب اکثر تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے اس لئے اپنی تعریف ممنوع ہوئی کبر کی وجہ سے۔ ❷ خاتمہ کا حال اللہ کو معلوم ہے کہ تقویٰ وطہارت پر ہوگا یا نہیں اس لئے اپنے آپ کو مقدس بتلانا خلاف خوف الٰہی ہے۔ ❸ اکثر اوقات اس دعوے سے لوگوں کو یہ وہم ہونے لگتا ہے کہ یہ آدمی اللہ کے ہاں اس لئے مقبول ہے کہ یہ تمام نقائص اور عیوب سے پاک ہے حالانکہ یہ جھوٹ ہے کیونکہ بہت سے عیوب بندہ میں موجود ہوتے ہیں۔

مسئلہ: اگر مذکورہ عوارض نہ ہوں تو اظہار نعمت کیلئے اپنی صفات بیان کرنے کی اجازت ہے۔

(بیان القرآن: ص: ۱۲۳؛ ج۔ ۱)

﴿۵۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ ... الخ یہود کی تہمت : یہ یہود اللہ پر کیسی جھوٹی تہمت لگاتے ہیں کہ یہ اپنے آپ کو اللہ کے ہاں مقبول ہونا بتلاتے ہیں، تو اس سے صاف لازم آتا ہے کہ کفر اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے حالانکہ یہ محض تہمت ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام شرائع میں کفر کو ناپسندیدہ ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ
کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جن کو دیا گیا کچھ کتاب سے وہ ایمان رکھتے ہیں جبت اور طاغوت پر

وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿٥١﴾ أُولَٰئِكَ
اور وہ کہتے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا کہ یہ زیادہ ہدایت والے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں ﴿۵۱﴾ یہی لوگ ہیں

الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾ أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ
کہ جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کردے پس تو نہ پائے گا ان کے لئے کوئی مددگار ﴿۵۲﴾ کیا ان کے لئے حصہ ہے

مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا
بادشاہی میں (اگر ایسا ہوتا) پس وہ نہ دیتے لوگوں کو ایک تل کے برابر بھی کوئی چیز ﴿۵۳﴾ کیا یہ لوگ اہل کتاب حسد کرتے ہیں لوگوں کے ساتھ اس چیز پر

آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾
جو اللہ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے پس بے شک ہم نے دی ہے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت اور ہم نے ان کو دی ہے بڑی سلطنت ﴿۵۴﴾

فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ
پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لائے ہیں اور بعض وہ ہیں جو اس سے رو کتے ہیں اور کافی ہے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ﴿۵۵﴾ بے شک وہ لوگ جنہوں نے

كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا
ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے جب ان کی کھالیں جل جائیں گی ہم ان کے لئے

غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
دوسری کھال تبدیل کردیں گے تاکہ وہ عذاب چکھیں اور بے شک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے ﴿۵۶﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے شائستہ کام کیے

سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَّهُمْ فِيهَا
عنقریب ہم ان کو باغوں میں داخل کریں گے جن کے سامنے نہریں بہتی ہونگی ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور ان کے لیے ان (باغوں) میں

أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٥٧﴾ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ
پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم ان کو داخل کریں گے گھنی چھاؤں میں ﴿۵۷﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ادا کرو

إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ
ان کے اہل کی طرف اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو یہ فیصلہ کرو انصاف کے ساتھ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے

إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے ﴿۵۸﴾ اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول کی

وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ

اور تم میں سے جو صاحب امر ہوں ان کی پس اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو پس لوٹاؤ اس کو اللہ کی طرف اور رسول کی طرف

إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾

اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن یعنی قیامت پر یہ بات بہتر ہے اور اچھی ہے انجام کے اعتبار سے ﴿۵۹﴾

﴿۵۱﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ ...الخ ربط آیات :اوپر یہود کی قباحتوں اور بری خصلتوں کا ذکر تھا اب ان آیات میں ان کی مذمت کا ذکر ہے کہ وہ اہل ایمان کی بجائے مشرکین کو ترجیح دیتے تھے۔

خلاصہ رکوع ۸ شرک کرنے کی وجہ سے یہود کی مذمت، نتیجہ شکوہ، یہود کا بخل، یہود کا حسد تسلی خاتم الانبیاء اور منکرین کا انجام، مخالفین کا انجام، کیفیت جلود، بشارت مؤمنین، متبعین کا انجام۔ اداء امانت کا حکم، اقامت عدل، حکم اطاعت، شرعی احکام میں اختلاف کے حل کرنے کا طریقہ۔ ماخذ آیات ۵۱: تا ۵۹ +

شرک کرنے کی وجہ سے یہود کی مذمت :أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ ...الخ شان نزول: تجارت کے بہانے یہود کا ایک گروہ کعب بن اشرف کی زیر نگرانی مکہ گیا اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے مشرکین کو تیار کرنے لگا مشرکین نے کہا کہ ہم اس وقت تک ساتھ نہیں دیں گے جب تک تم جبت اور طاغوت پر ایمان نہیں لاتے، اور یہ بتاؤ کہ ہمارا دین مسلمانوں کے بہ نسبت اچھا اور حق ہے؟ یہود نے ایسا ہی کہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے روح المعانی: ص ۳۰۷، ج: ۵؛ قرطبی: ص ۲۴۹، ج: ۵؛ بحر محیط: ص ۲۷۱، ج۔ ۳)

جبت اور طاغوت کی تشریح :مالک بن انس رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اللہ کے سوا جن چیزوں کی عبادت کی جاتی ہے ان سب کو طاغوت کہا جاتا ہے۔ اور جبت بت کا نام ہے۔ اور علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے بھی مالک بن انس رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ یہ قول قرآن کریم کے موافق ہے۔ قرآن کریم میں ہے "أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ"۔

وَيَقُولُونَ :شکوہ یہود: یہود کہتے کہ مشرکین مسلمانوں سے زیادہ راہ ہدایت پر ہیں جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ شرک توحید سے بہتر ہے حالانکہ جس کتاب (توراۃ) پر یہ ایمان رکھتے ہیں وہ توحید کی تعلیم اور بت پرستی کی مذمت سے بھری پڑی ہے۔

﴿۵۲﴾ نتیجہ :جن لوگوں نے مشرکین کو موحدین پر ترجیح دی اور طریقہ کفر وشرک کو طریقہ اسلام سے افضل بتلایا ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ چنانچہ یہود مسلمانوں کے ہاتھوں سے ذلیل وخوار ہوئے کوئی قید ہوا اور کوئی قتل ہوا قریش مکہ کی کوئی مدد ونصرت ان کے کام نہ آئی۔

﴿۵۳﴾ أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ :الخ یہود کا بخل :اگر ان لوگوں کو سلطنت مل جائے تو اس قدر بخیل ہیں کہ کسی کو ایک تل کے برابر بھی نہ دیں لہٰذا ایسے لوگ سلطنت کے اہل نہیں۔

﴿۵۴﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ :یہود کا حسد :آلَ إِبْرَاهِيمَ :ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ (تفسیر کشاف: ص ۵۲۲، ج۔ ۱)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ سے جس کو مناسب سمجھتا ہے نبوت وخلافت اور حکومت کا اعزاز عطا کرتا ہے۔ یہ سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بخشا گیا اس میں اعتراض یا حسد کی کیا بات ہے؟

﴿۵۵﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ...الخ تسلی خاتم الانبیاء اور منکرین کا انجام: ان انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں بھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان سے گزر چکے ہیں، اور جو لوگ موجود ہیں، ان میں سے بعضے تو اس کتاب وحکمت پر ایمان لے آئے اور بعضے اس سے روگردانی کر رہے ہیں، اگر آپ کی رسالت اور قرآن پر ایمان نہ لائیں تو کوئی رنج کی بات نہیں آپ تسلی رکھیں آخرت میں ان کے لئے سزا یقینی ہے۔

﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ مخالفین کا انجام۔ كُلَّمَا نَضِجَتْ : کیفیت جلود: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب ان کی کھال جل چکے گی تو اس کو تبدیل کیا جائے گا، اور یہ کام اتنی سرعت سے ہوگا کہ ایک ساعت میں سو (۱۰۰) مرتبہ تبدیل کی جائے گی۔ (دیکھئے معالم التنزیل: ص: ۵۲ سو ج: ۱؛ ابو سعود، ص: ۵۴۷، ج۔۱)

﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...الخ بشارت مؤمنین۔ ظِلًّا ظَلِيْلًا : متبعین کا انجام: ربیع بن انس نے اس کی تفسیر میں فرمایا! "ھو ظل العرش لا یزول" یعنی وہ عرش الٰہی کا سایہ ہے جو کبھی زائل نہ ہوگا۔ (مظہری: ص: ۱۴۶، ج۔۲)

﴿۵۸﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ...الخ اداء امانت کا حکم: یہاں سے دوسرا باب یعنی سیاست مدنیہ شروع ہوتی ہے تفسیر خازن میں ہے کہ بعض مفسرین فرماتے ہیں اس آیت میں مسلمانوں کے جو والی اور امام ہیں ان کو خطاب ہے خواہ وہ امراء ہوں یا حکام۔ آیت کے سیاق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ: اقامت عدل: اے مسلمانوں کے حاکموں اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اپنی رعیت کے کاموں میں جن کا تمہیں امین بنادیا گیا ہے پورا حق ادا کرو اور ان کے درمیان انصاف کرو۔ انتہی (خازن: ص: ۹۵ سو ج۔۱)

اس آیت کا شان نزول یہ لکھا ہے کہ سن: ۸: ہجری میں مکہ فتح ہوا عثمان بن طلحہ کعبۃ اللہ کے چابی بردار تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے چابی چھین لی، اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو چابی دے دو لہٰذا چابی عثمان بن طلحہ ہی کے خاندان میں رہی۔ (تفسیر کبیر: ص: ۱۰۸، ج۔۴)

مواعظ ونصائح

تکلیف کا مداوا کیجئے: جب آپ محسوس کریں کہ آپ کی بات سے کسی کا دل دکھا ہے یا کسی اور عمل سے اس کے دل کو تکلیف پہنچی ہے تو اس زخم کے پھیلنے اور ناسور بننے سے پہلے کسی دوسری مناسب ترکیب سے اس کا مداوا کیجئے۔

آپ پوچھیں گے: "وہ کیسے؟"

تو آیئے ہم اس کی مثال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے پیش کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے فتح کرنے سے پہلے مکہ معظمہ پر کفار قریش کا قبضہ تھا۔ وہاں رہنے والے بے کس مسلمانوں پر وہ ظلم ڈھاتے رہتے تھے۔ پھر بہت سے مسلمان وہاں سے مدینہ ہجرت کر گئے۔ ان میں سے بعض مسلمان اپنے بچوں کو اپنے ساتھ نہ لے جاسکے۔ اور یہ بچے انہی کافروں کے زیر تسلط رہ گئے، الغرض مکہ میں رہ جانے والے مسلمان بڑی مشکل صورتحال سے دوچار تھے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ہمراہ عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ کی طرف آرہے تھے تو وہاں پہنچنے سے پہلے قریش نے آپ کو واپس جانے پر مجبور کر دیا اور حدیبیہ کے مقام پر جو واقعات پیش آئے وہ معلوم ہیں جن کے نتیجہ میں آپ کے اور قریش

کے مابین ایک معاہدۂ صلح طے پایا جس میں دونوں فریق اس بات پر متفق ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ اس مرتبہ تو بغیر عمرہ کیے مدینہ واپس چلے جائیں، البتہ اگلے سال یہاں آ کر عمرہ کر لیں۔ آپ مدینہ واپس تشریف لے گئے اور اگلے سال اپنے اصحابؓ کے ہمراہ احرام باندھ کر لبیک کہتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے اور عمرہ ادا فرمایا۔ مکہ میں آپ نے چار دن قیام فرمایا۔

حضرت امیر حمزہؓ کی بیٹی اور آپ کا کریمانہ فیصلہ

جب آپ مدینہ جانے کے لیے مکہ سے نکلنے لگے تو ایک چھوٹی بچی آپ کے پیچھے پیچھے آئی۔ یہ حضرت حمزہؓ کی بیٹی تھی جو جنگ اُحد میں شہید ہو گئے تھے اور ان کی یہ یتیم بیٹی مکہ میں رہ گئی تھی۔

یہ بچی رسول اللہ ﷺ کے پیچھے "اے چچا جان" "اے چچا جان" پکارتی آ رہی تھی۔ اس وقت حضرت علیؓ اور ان کی زوجہ مکرمہ حضرت فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ تو اس بچی کو حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر حضرت فاطمہؓ کو دیا اور کہا: "لو اپنے چچا کی بیٹی کو سنبھالو" حضرت فاطمہؓ نے اس کو اپنی گود میں بٹھالیا۔

حضرت زیدؓ نے جب اس بچی کو دیکھا تو انہیں یاد آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد ان کے اور حضرت حمزہؓ کے درمیان بھائی چارہ کرایا تھا۔ یہ سوچ کر وہ آگے آئے اور کہنے لگے: کہ "یہ تو میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ میں اس کا زیادہ حق دار ہوں۔"

اتنے میں حضرت جعفرؓ بھی وہاں آ گئے اور کہنے لگے: "یہ تو میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے (یعنی اسماء بنت عمیسؓ جو ان کی زوجہ تھیں) میں اس کا زیادہ حق دار ہوں۔"

اس پر حضرت علیؓ نے کہا: "اس کو میں نے اٹھایا ہے اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کا باہمی اختلاف دیکھا تو فیصلہ فرمایا کہ "لڑکی اپنی خالہ کے پاس جائے گی۔" اور پھر اس لڑکی کو حضرت جعفرؓ کے حوالہ کیا تا کہ وہ اس کی کفالت کریں اور فرمایا کہ "خالہ ماں کی جگہ ہوتی ہے۔"

پھر رسول اللہ ﷺ کو خیال آیا کہ علی اور زید کو جو میں نے لڑکی نہیں دی تو اس وجہ سے ان کے دل میں کہیں رنجش اور ناراضگی پیدا نہ ہو جائے، تو اس کا مداوا کرنے کے لیے آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: "تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔"

پھر حضرت زیدؓ سے فرمایا: "تم ہمارے بھائی اور مولیٰ ہو۔" پھر آپ نے حضرت جعفرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: تم جسمانی لحاظ سے بھی اور عادات میں بھی مجھ سے بہت مشابہ ہو۔" تو دیکھئے نبی اکرم ﷺ نے کیسی دانائی سے کام لیا۔ بے شک آپ لوگوں کے دلوں سے رنجش دور کر کے ان میں اپنے لیے محبت پیدا کرنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔

﴿۵۹﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا ...الخ **حکم اطاعت** :اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آنحضرت ﷺ کی اطاعت اور جو لوگ اہل حکومت ہوں ان کا بھی کہا مانو اور یہ حکم خاص ہے تم محکومین کے ساتھ۔ اس کی تفصیلات سورۃ آل عمران آیت ۲۰ میں گزر چکی ہے۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ :**شرعی احکام میں اختلاف کے حل کرنے کا طریقہ** :اگر ان احکامات میں سے کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو کہ یہ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں تو آنحضرت ﷺ سے پوچھ کر اور آپ کی وفات کے بعد ائمہ مجتہدین علمائے دین سے رجوع کر کے اس امر کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف حوالہ کر لیا کرو۔ اور کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ کتاب وسنت کے منصوص یعنی صاف صاف مذکورہ احکام کی طرف رجوع کیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر منصوص احکام موجود نہیں تو کتاب وسنت میں مذکور ان کے نظائر پر قیاس کیا جائے۔ اور یہ حکم بھی کتاب وسنت سے ثابت کہلائیں گے اور یہ بھی انہی میں داخل ہیں۔

مسلمان حکمران کے صالح ہونے کا بیان

مختصر یہ کہ ایک مسلمان حکمران کے لیے ضروری یہ ہے کہ وہ خود صالح، متقی اور خدا ترس ہو، اور کتاب و سنت کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق تمام معاشرے کی اصلاح کر کے انہیں صالح اور خدا ترس بنائے، خود صالح ہونا اور دوسروں کو صالح بنانا یہ ہے اسلامی حکومت کا اساسی اصول، اس کی علمی تفصیلات کتاب و سنت میں محفوظ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اسی نہج پر تربیت فرمائی اور خلافت راشدہ کے بابرکت اور زریں عہد میں اس کا مثالی نمونہ عملی طور پر ظہور پذیر ہوا قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بعد اولی الامر کی اطاعت کو بھی لازم قرار دیا گیا:

أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (النساء:۵۹)

(اے ایمان والو) حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہو (از شیخ الہند) لفظ "منکم" میں بتلا دیا گیا کہ اسلامی حکومت کے سربراہ کا مسلمان اور مومن ہونا شرط ہے، یعنی اس کی اطاعت اس وقت لازم ہوگی جب کہ وہ حق تعالیٰ کے احکام کا مطیع اور فرمانبردار ہو اور اگر وہ اللہ تعالیٰ سے باغی ہو جائے اس کے احکام سے سرتابی کرے اور اسلام کا زرین تاج اپنے سر سے اتار پھینکے تو اس کی اطاعت کا سوال باقی نہیں رہتا۔ "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق"۔

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الامارۃ والقضاء ج ۲ :ص ۳۲۱ :، ط: قدیمی)

"اولی الامر" کا اصل مصداق تو خلفاء راشدین ہیں جن میں صفات جہانبانی کے ساتھ تفقہ فی الدین کا وصف بھی موجود تھا، وہ خلفاء بھی تھے اور فقہاء بھی، حاکم بھی تھے اور عالم بھی، اس لیے اولی الامر کی تنقیح میں علماء تفسیر کا اختلاف ہوا کہ اس سے مراد امراء خلفاء ہیں یا علماء و فقہاء؟ ظاہر ہے علمی و دینی اعتبار سے فقہاء و علماء اس کا مصداق ہیں اور احکام خداوندی کو جاری اور نافذ کرنے کی طاقت و قوت ارباب اقتدار کے پاس ہوتی ہے، اب اگر کسی شخصیت میں تفقہ فی الدین اور اقتدار کی دونوں صفات جمع ہو جائیں جیسا کہ خلفاء راشدین میں جمع تھیں تو اس کا وجود سراپا رحمت ہے لیکن جب یہ دونوں صفات کسی ایک ہستی میں جمع نہ ہوں تو ضروری ہوگا کہ حکومت دونوں قسم کے رجال کو جمع کرے جن میں مقتدر حکام بھی ہوں اور دین کی صحیح بصیرت رکھنے والے اصحاب تفقہ بھی۔

خلافت راشدہ کا بابرکت دور علم و عمل، صلاح و تقویٰ، فقر و زہد، ایثار و قربانی اور اخوت و مساوات کے لحاظ سے انسانیت کا تابناک دور تھا، جس کے آثار و برکات نے عرصہ دراز تک دنیا کو منور رکھا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو کہتے ہیں (دعویٰ کرتے ہیں) کہ وہ ایمان لائے ہیں اس چیز پر جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے اور جو

قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ

آپ سے پہلے اتاری گئی ہے اور وہ ارادہ کرتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت کی طرف لے جائیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ کفر کریں

وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا

اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو گمراہ کرے اور گمراہی میں دور لے جائے ﴿۶۰﴾ اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف آؤ جو

أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ

اللہ نے نازل کی ہے اور رسول کی طرف آؤ تو آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ سے اعراض کرتے ہیں اعراض کرنا ﴿۶۱﴾ پس کیا حال ہوگا

إِذَآ أَصَٰبَتْهُم مُّصِيبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَآءُوكَ يَحْلِفُونَ بِٱللَّهِ إِنْ

جس وقت ان کو مصیبت پہنچے گی ان کے ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے پھر وہ آئیں گے آپ کے پاس قسمیں اٹھائیں گے اللہ تعالیٰ کے نام کی کہ نہیں

أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَٰنًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ يَعْلَمُ ٱللَّهُ مَا فِى قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ

ارادہ کیا انہوں نے مگر بھلائی کا اور آپس میں اتفاق کا ﴿۶۲﴾ یہی لوگ ہیں کہ جانتا ہے اللہ تعالیٰ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے پس آپ ان سے اعراض کریں

عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِىٓ أَنفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ

اور ان کو نصیحت کریں اور کہیں ان کو ان کے نفسوں کے بارے میں اثر کرنے والی بات ﴿۶۳﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول

إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ ٱللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَٱسْتَغْفَرُوا۟ ٱللَّهَ

مگر اس لیے تاکہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے اور اگر یہ لوگ جبکہ انہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی آپ کے پاس آتے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے ہیں

وَٱسْتَغْفَرَ لَهُمُ ٱلرَّسُولُ لَوَجَدُوا۟ ٱللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ

اور بخشش طلب کرتا ان کے لیے اللہ کا رسول بھی البتہ پاتے وہ اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور نہایت مہربان ﴿۶۴﴾ پس تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے

حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا۟ فِىٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا

یہاں تک کہ آپ کو فیصل بنائیں اس چیز میں جو ان کے درمیان جھگڑا ہوا ہے پھر نہ پائیں اپنے نفسوں میں تنگی اس چیز پر جو

قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ ٱقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ أَوِ

آپ نے فیصلہ کیا اور قبول کریں اس کو کھلے دل سے قبول کرنا ﴿۶۵﴾ اور اگر ہم ان پر فرض کرتے ہیں کہ اپنی جانوں کو قتل کر دیا

ٱخْرُجُوا۟ مِن دِيَٰرِكُم مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا۟ مَا يُوعَظُونَ

اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو یہ لوگ ایسا نہ کرتے مگر ان میں سے بہت تھوڑے اور اگر یہ لوگ کرتے اس چیز کو جس کی نصیحت کی جاتی ہے

بِهِۦ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ﴿٦٦﴾ وَإِذًا لَّءَاتَيْنَٰهُم مِّن لَّدُنَّآ أَجْرًا

تو البتہ یہ بات ان کے حق میں بہتر ہوتی اور زیادہ ثابت رکھنے والی ہوتی ﴿۶۶﴾ اور اس وقت ہم البتہ ان کو دیتے اپنی طرف سے

عَظِيمًا ﴿٦٧﴾ وَلَهَدَيْنَٰهُمْ صِرَٰطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٦٨﴾ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ فَأُو۟لَٰٓئِكَ

بہت بڑا اجر ﴿۶۷﴾ اور ہم ان کو صراط مستقیم کی ہدایت دیتے ﴿۶۸﴾ اور جو شخص اطاعت کرے گا اللہ اور رسول کی پس یہی لوگ ہیں

مَعَ ٱلَّذِينَ أَنْعَمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ ٱلنَّبِيِّۦنَ وَٱلصِّدِّيقِينَ وَٱلشُّهَدَآءِ وَٱلصَّٰلِحِينَ ۚ

ان کے ساتھ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے انبیاء، صدیق، شہداء اور صالحین میں سے

وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيقًا ﴿٦٩﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيمًا ﴿٧٠﴾ ع

اور بہت ہی اچھی ہے ان لوگوں کی رفاقت ﴿۶۹﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہے اور کافی ہے اللہ جاننے والا ﴿۷۰﴾

﴿۶۰﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ... الخ ربط آیات :اوپر تمام معاملات میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی طرف رجوع کرنے کا حکم تھا آگے منافقین کے غیر شریعت کی طرف رجوع کرنے کی مذمت کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ۹ شریعت سے انحراف پر منافقین کی مذمت، اظہار عداوت شیطان کی دلیل، بداعمالیوں کی سزا، منافقین کی کیفیت، وسعت علم باری تعالیٰ، مقصد بعث خاتم الانبیاء، منافقین کے لئے جرم کی تلافی کا طریقہ، فریضہ خاتم الانبیاء، مضمون سابق کی تاکید کے لئے شرائط ایمان۔ ۱، ۲ تعمیل احکام الٰہی، ترغیب اطاعت برائے منافقین، بثبیت کا نتیجہ، وعدہ مطیعین، تشریح وعدہ وطبقات انعام یافتہ، شفقت خداوندی۔ ماخذ آیات ۶۰: تا ۷۰+

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ... الخ شریعت سے انحراف پر منافقین کی مذمت۔ شان نزول :بشیر نامی منافق کا کسی یہودی سے جھگڑا ہوا، یہودی نے فیصلہ آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں لے جانے کو کہا منافق نے کہا کہ کعب بن اشرف یہود کے سردار کے پاس لے چلیں۔ (قرطبی: ص: ۲۵۳: ج: ۵: روح المعانی: ص: ۸۹: ج۔ ۵)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہودی اپنے معاملہ میں حق پر ہوگا، اس نے سمجھا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس حق کا فیصلہ ہوگا جبکہ منافق غالباً باطل پر تھا اور اس نے سمجھا کہ آپ ﷺ کے پاس میری بات نہ چلے گی، البتہ منافق کو کعب بن اشرف کے پاس معاملہ بننے کی امید تھی۔

الغرض وہ دونوں آنحضرت ﷺ کے پاس آگئے اور آپ ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا، وہ منافق اس پر راضی نہ ہوا، منافق کہنے لگا کہ فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لیکر چلتے ہیں، وہ سمجھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کفار پر خوب سخت ہیں اس یہودی پر سختی فرمائیں گے، یہودی کو اطمینان تھا کہ اگرچہ وہ سخت ہیں مگر ان کی سختی بے جا نہیں بلکہ حق پرستی کی وجہ سے ہے جب میں حق پر ہوں گا وہ میرے حق میں فیصلہ کریں گے، دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے یہودی نے پورا واقعہ سنا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس منافق سے پوچھا کیا یہی بات ہے؟ اس نے کہا جی ہاں۔ حضرت عمر نے فرمایا اچھا تم ٹھہرو میں آتا ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھر سے تلوار لی اور اس منافق کا کام تمام کر دیا اور کہا کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہیں اس کا یہی علاج ہے۔

(روح المعانی: ص: ۸۹: ج: ۵: معالم التنزیل: ص: ۵۵ ۳: ج: ۱: و بحر محیط: ص: ۲۸۹: ج: ۳: و خازن: ص: ۷۹ ۳: ج۔ ۱)

حضرات مفسرین فرماتے ہیں اس واقعہ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا "انت فاروق" تو فاروق ہے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا "اِنَّ عُمَرَ فَرَقَ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ فَسُمِّيَ الْفَارُوْقَ" تحقیق عمر رضی اللہ عنہ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا اس لیے ان کا نام فاروق رکھا گیا۔ (تفسیر کبیر: ص: ۱۲۰: ج: ۴: قرطبی: ۵: ص: ۲۵۴: ابو سعود: ص: ۵۴۱: ج۔ ۱)

سوال: اس واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس منافق کو قتل کرنے پر قصاص یا دیت واجب کیوں نہیں ہوئی؟

جواب: ۱ یہ ہے کہ اس منافق کی جان کو اس کے کفر کی وجہ سے حفاظت حاصل نہیں تھی۔

جواب: ۲ یہ ہے کہ یہ سزا تعزیر کے طور پر تھی۔

اس پر سوال ہوتا ہے کہ اس سے تو اسلام کی بدنامی ہوگی اور لوگوں میں وحشت ہونے کا احتمال قوی ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ایک دوسری حکمت کو غلبہ حاصل ہے اور وہ یہ ہے کہ منافق چونکہ ظاہراً مسلمان تھا اور اس کا

معاملہ ایک کھلے کافر سے تھا، اور اس معاملے میں اس منافق کو سزا دی گئی، اور اس کا خون ضائع کیا گیا تا کہ وہ کھلا کافر اس واقعہ کو اپنی قوم میں بیان کرے اور اس کی قوم عقل و انصاف رکھنے والے اسلام کی حق پرستی سے متاثر ہوں کہ دیکھو اسلام غیر قوموں کے حقوق کے مقابلہ میں اپنی قوم کو حق قبول کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ :اظہار عداوت شیطان۔

﴿۶۱﴾ اظہار عداوت شیطان کی دلیل :شیطان نے جب ان کو ہدایت سے دور پھینکدیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا، تو جب انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا گیا تو انہوں نے اعراض کیا یہی اظہار عداوت شیطان کی دلیل ہے۔

﴿۶۲﴾ فَکَیْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ: بداعمالیوں کی سزا :اس مصیبت سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس منافق کو قتل کرنا، یا نفاق کا کھل جانا، اور خباثت باطنی کا پردہ چاک ہو جانا، اور لوگوں میں ذلیل ہونا، اور باز پرس ہونا یعنی اس وقت فکر ہوئی کہ طاغوت کے پاس مقدمہ لے جانے کی کیا تاویل کریں۔ ثُمَّ جَآءُوْكَ یَحْلِفُوْنَ :منافقین کی کیفیت :یعنی پھر وہ آپ کے پاس آتے ہیں خدا کی قسم کھاتے ہوئے کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اس لئے گئے تھے کہ اس سے ہمارا مقصود صرف یہ تھا کہ شاید فریقین میں باہم صلح اور ملاپ ہو جائے کیونکہ آپ جو فیصلہ فرمائیں گے وہ تو عین حق اور عین عدل ہوگا اس میں ذرہ برابر کسی کی رعایت نہ ہوگی، اور باہمی فیصلہ میں کچھ نہ کچھ رعایت ہو جاتی ہے، ہمیں یا رسول اللہ آپ اپنا مخلص اور نیازمند سمجھئے، دوسری جگہ مقدمے لے جانے کی ہماری غرض اور نیت بری نہ تھی ہمیں اس مصیبت و ذلت سے بچائیے۔

﴿۶۳﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَعْلَمُ اللّٰهُ...الخ وسعت علم باری تعالیٰ۔ وَعِظْهُمْ :مطلب یہ ہے کہ آپ ان کی باتوں کو دیکھ کر مایوس نہ ہوں وعظ و نصیحت برابر ان کو کرتے رہیں شاید ان میں سے کوئی راہ راست پر آجائے۔

﴿۶۴﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ ...الخ مقصد بعثت خاتم الانبیاء: جو آنحضرت ﷺ کے فیصلہ پر ناخوش تھے، مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے وہ اسلئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے لہٰذا دل و جان سے آپ کی اطاعت فرض ہے۔ پس جو شخص آپ کا حکم نہیں مانتا وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں مانتا۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ: کے یہی معنی ہیں کہ بغیر چوں و چرا کے آپ ﷺ کی اطاعت اللہ کے حکم سے فرض ہے۔ بعض علماء نے "بِاِذْنِ اللّٰهِ" کا معنی کیا ہے "بِتَوْفِیْقِ اللّٰهِ"۔ (قرطبی: ص:۲۵۵: ج۔۵)

مطلب یہ ہے کہ ہم نے رسولوں کو اس لیے بھیجا کہ ان کی اطاعت کی جائے مگر ان کی اطاعت وہی شخص کرے گا جس کو حق تعالیٰ شانہ توفیق دے گا۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا :منافقین اور مؤمنین کے لئے جرم کی تلافی کا طریقہ :اگر یہ منافق اور مؤمن اپنے گناہوں سے متنبہ ہونے کے بعد منافق اپنے نفاق اور مؤمن اپنے گناہ پر اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرتے۔ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ: فریضہ خاتم الانبیاء :اور رسول بھی ان کیلئے اللہ سے معافی مانگے، اس سے مقصود آنحضرت ﷺ کی تعظیم کا اظہار ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نبوت و رسالت کا منصب عطا کرتا ہے اس کو اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان سفیر اور ترجمان ٹھہراتا ہے اگر یہ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور دعاء مغفرت کی درخواست کرتے، تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی سفارش ضرور قبول کرتا اور ان کے تمام گناہوں کو معاف کردیتا، تاہم یہ بات بھی یاد رہے کہ توبہ کیلئے ایمان شرط ہے بغیر ایمان کے توبہ قبول نہیں ہوتی۔ مگر یہاں اللہ تعالیٰ نے ایک اور شرط ضروری قرار دی ہے کہ ان منافقین نے آپ کے فیصلے کو قبول نہ کیا، اور طاغوت کے فیصلہ کو قبول کیا، اور آپ کے فیصلہ پر ترجیح دی، جس کی وجہ سے آپ کو دلی صدمہ اور ایذاء پہنچائی، لہٰذا اب آنحضرت ﷺ کو راضی کئے بغیر ان کی توبہ قبول نہ ہوگی۔

روضہ اقدس ﷺ پر دعاء مغفرت کا جواز

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ معارف القرآن میں لکھتے ہیں یہ آیت اگر چہ واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لئے دعاء مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی، اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ ﷺ کی دنیوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضۂ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس کے تین روز کے بعد ایک گاؤں والا آیا اور قبر شریف کے پاس آ کر گر گیا، اور زور زور سے روتے ہوئے آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گنہگار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور رسول اللہ ﷺ اس کے لئے دعاء مغفرت کر دیں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی، اس لئے میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ (ﷺ) میرے لئے دعا کریں۔ اس وقت جو لوگ حاضر تھے ان کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضہ اقدس سے آواز آئی "قد غفر لك" یعنی مغفرت کر دی گئی۔

(تفسیر بحر محیط: ص: ۲۸۳، ج: ۳، بحوالہ معارف القرآن: ص: ۴۵۹، ج۔ ۲)

فائدہ: حضرت علیؓ کی اس روایت کے بارے میں علامہ ابن عبد الہادیؒ نے (الصارم المنکی ص: ۳۲۴: طبع مکہ) میں کڑی جرح کی ہے کہ اس سند میں ہیثم بن عدی کذاب راوی ہے اور یہ خبر منکر اور موضوع ہے اور انہی کی پیروی میں سجاد بخاری نے اقامۃ البرھان (از ص ۲۸۴: تا ص ۲۸۷:) میں اس پر کتب اسماء الرجال سے مفصل بحث کی ہے لیکن علامہ ابن الہادیؒ کا اس کو قطعی طور پر موضوع کہنا صرف ہوائی فائر ہے اس لئے کہ اس روایت کی سند میں جس راوی پہ سخت جرح ہوئی ہے وہ ہیثم ہے اور ابن عبد الہادیؒ لکھتے ہیں کہ اظنه ابن عدی الطائی فان یکن هو، فهو متروك، كذاب والا هو مجهول الخ (الصارم المنکی ص: ۳۲۳:) میرا خیال ہے کہ یہ راوی ہیثم بن عدی الطائی ہے پس اگر یہ وہی ہے تو وہ متروک اور کذاب ہے اور اگر وہ نہیں تو وہ مجہول ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب علامہ ابن الہادیؒ اس راوی کی تعیین ہی میں متردد ہیں تو ان کو اس کا حق کیسے اور کہاں سے حاصل ہے کہ وہ قطعیت کے ساتھ اس حدیث کو موضوع قرار دیں؟ اگر علی التعیین یہ راوی ہیثم بن عدی طائی ہی ہوتا تو کتب اسماء الرجال سے جتنی جرحیں اس پر نقل کی گئی ہیں کہ وہ کذاب اور متروک ہے وہ بجا ہیں مگر ایسا نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ یہ روایت ضعیف ہوگی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کہ شفاعت کی التجاء کرنا ذمہ دار حضرات فقہاء کرام محدثین عظام اور تعامل علماء سے ثابت ہے اس لئے جواز کے مسئلہ کے لیے یہ روایت قابل برداشت ہوگی۔

چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ وقال العلماء من المحدثين و الفقهاء و غير هم يجوز و يستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف مالم يكن موضوعا الخ (کتاب الاذکار ص: ۷، طبع مصر) علماء محدثین اور فقہاء وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ فضائل اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف حدیث کے ساتھ عمل جائز اور مستحب ہے بشرطیکہ موضوع نہ ہو۔ غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب المتوفی ۱۳۲۰ھ لکھتے ہیں کہ ضعیف حدیث جو موضوع نہ ہو اس سے استحباب اور جواز ثابت ہو سکتا ہے۔ (فتویٰ نذیریہ: ص: ۲۶۵: ج۔۱) اور نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کے حجت ہونے پر علماء کا اتفاق ہے (دلیل الطالب ص۔ ۸۸۹)

تعامل کس طبقہ کا معتبر ہے؟

حضرت استاذ محترمؒ لکھتے ہیں کہ: اہل علم کی عبارات میں جب یہ آتا ہے کہ علماء نے اس کی تلقی بالقبول کی ہے یا اس پر امت کا تعامل ہے تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہر عالم کہلانے والے کی تلقی بالقبول یا تعامل مراد ہے ورنہ ہر بدعت پسند طبقہ حظوظ نفس کے لئے اپنی بدعات کو حرز جان قرار دیتا ہے اور اس پر شدت سے کاربند اور مصر ہے اس کا عمل بھی تلقی بالقبول کی مد میں ہوگا حاشا وکلا عالم اور امتی سے وہ عالم اور امتی مراد ہے جو قرآن کریم اور سنت نبویہ علی صاحبہا الف الف تحیہ کو جاننے والا اور دل وجان سے ان پر عامل ہو اور حضرات صحابہ کرامؓ تابعین، تبع تابعین اور سلف وخلف کے عمل کو صحیح اور ٹھوس حوالوں کے پیش نظر اپنے لئے راہ نجات سمجھے اس لئے ان الفاظ سے نہ دھوکہ دینا چاہئے اور نہ کھانا چاہئے اللہ تعالیٰ ہر ایک کو صحیح سمجھ نصیب فرمائے آمین۔

(تسکین الصدور ص ۳۶۷ :، ۳۶۸)

اور حضرت مولانا حسین علیؒ نے اس واقعہ کو مقام استدلال میں پیش کیا ہے اور اس کی تحریرات حدیث میں تردید نہیں فرمائی اور تعامل امت کی وجہ سے گویا انہوں نے اس کو صحیح سمجھا ہے اور ہمارا استدلال بھی اسی پہلو سے ہے۔

غیر مقلدین کے نصیب شاہ سلفی کا نبی کی قبر کے پاس دعا پر اعتراض :

نبی کریم ﷺ کی روح مبارک جنت میں اور جسم قبر میں ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث ہے اور قرآن میں آپ کو میت قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انك ميت و انهم ميتون"۔ (سورۂ زمر آیت :۳۰)

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تاریخی خطبہ بخاری اور سنن میں موجود ہے جس میں یہ الفاظ قابل غور ہیں۔ من كان يعبد محمدًا فان محمدًا قد مات جو شخص نبی ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً محمد ﷺ فوت ہو گئے ہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد تھی مگر کسی نے اعتراض نہیں کیا تھا اسی کو اجماع امت کہتے ہیں۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کی قبر کی وجہ سے کسی جگہ پر دعا مانگنا ائمہ دین اور سلف صالحین سے ثابت نہیں وہ سن نہیں سکتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم کی کئی آیات اس پر شاہد ہیں۔ سورۃ فاطر ۱۳۔ انعام ۔۶۳، نمل ۸۰ نحل ۲۱ روم ۵۲ بلکہ یہ مشرکین کا طریقہ ہے جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے یعنی یہود ونصاریٰ۔ واما الدعاء لاجل كون المكان فيه قبر نبي اولي فلم يقل احد من سلف الامة وائمتها فاصله من دين المشركين لا من دين عباد الله المخلصين كا تخاذ القبور مساجد لمن لعنهم رسول الله من اليهود والنصرى۔ (فتاویٰ ۱۴ ص :۷۵)

جواب :

نصیب شاہ سلفی نے بخاری کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے اس میں نہ روح کے جسم کے ساتھ تعلق کی نفی کا ذکر ہے اور نہ شفاعت کی نفی کا۔ آیت :"انك ميت و انهم ميتون" جب آپ ﷺ دنیا میں زندہ تھے اس وقت نازل ہوئی تھی اور اس میں آئندہ وفات پانے کی اطلاع دی گئی ہے نہ کہ وفات کے بعد حیات کی نفی کا بیان ہے اور ہم حضور ﷺ کی دنیا کی وفات کے منکر نہیں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خطبے میں بھی وقوع وفات کی خبر کا ذکر ہے نہ کہ حیات بعد الوفات کی نفی کا تذکرہ ہے۔

الغرض حضرات انبیاء علیہم السلام کی دنیوی اموات کا عقیدہ ایک حتمی اور قطعی النص عقیدہ ہے اور اس پر امت کا اجماع مستزاد ہے۔ اور یہ حیات کا عقیدہ وعدہ الٰہی کے وارد ہونے (یعنی ورود موت) کے بعد قبر اور عالم برزخ میں حاصل ہے بلا کسی اختلاف کے۔ اور ہم قبر و برزخ کی حیات کے قائل ہیں اس پر ہمارے پاس دلائل قرآن وحدیث سے موجود ہیں کچھ گزر چکے ہیں اور کچھ کا ذکر

آگے آئے گا انشاء اللہ طالب حق کو تشفی ہوگی اور وہ راہ حق اختیار کرے گا منکر کے لئے انبار نا تمام ہیں۔

غیر مقلدین کے نزدیک دعائیں مزارات پر جلد قبول ہوتی ہیں: نصیب شاہ سلفی علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ نبی کے قبر کی وجہ سے کسی جگہ پر دعا مانگنا ائمہ دین اور سلف سے ثابت نہیں کیونکہ وہ سن نہیں سکتے جب کہ نصیب سلفی شاہ کے مقتداؤں کا عقیدہ ہے کہ عام قبروں کے پاس بھی دعا جلد قبول ہوتی ہے اور قبر کے پاس مطلق دعا کو شرک اور کفر قرار دینے والوں کے قول کو فاسد کہا ہے۔ چنانچہ علامہ وحید الزمان ہدیۃ المہدی میں لکھتے ہیں کہ "واما الدعا من الله فلاشك فی جوازه فی كل محل و اختلفوا فی جوازه عند القبر قال بعض ترجی بسرعة الاجابة عند قبر النبی او غيره من المواضع المتبركة قال الشافعی رحمه الله تعالیٰ قبر موسیٰ الكاظم رحمه الله تعالیٰ ترياق مجرب۔ وروی الشيخ ابن حجر المكی فی القلائد عن الشافعی رحمه الله تعالیٰ قال انی استبرك بقبر ابی حنيفة رحمه الله تعالیٰ واذا عرضت لی حاجة اجیٔ عند قبره واصلی ركعتين وادعوا الله عنده فتقضی حاجتی وروی الواقدی ان فاطمة بنت رسول الله ﷺ كانت تاتی قبور شهداء احد و تدعوا۔

ولو قال هذا القائل كما قال الشيخان ان الدعاء عند القبر بدعة او انه شیٔ مستحدث لم يعهد عن الصحابة رضی الله عنهم و التابعين رحمهم الله لكان كلامه وجهان قال الجزری ان لم يجب الدعاء عند قبر النبی ﷺ ففی ای موضع يستجاب و نقل عن مالك انه امر المنصور بالدعاء عند قبر النبی ﷺ و نقل عن مالك خلافه ايضاً"۔ (ہدیۃ المہدی ص ۳۲۔۳۳)

ترجمہ: رہا اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا تو کسی مقام پر اس کے جواز میں شک نہیں اور جواز عند القبر میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نبی اکرم ﷺ کی قبر کے پاس یا اس کے علاوہ مقامات مقدسہ پر دعا کی جلدی قبول ہونے کی امید رکھتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حضرت امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر تریاق مجرب ہے۔ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "قلائد" میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا کہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر سے برکت حاصل کرتا ہوں اور جب مجھے کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر کے پاس دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ سے دعا کرتا ہوں تو میری حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

واقدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ میں شہداء احد کی قبروں کے پاس جا کر دعا کرتی ہوں، اگر قائل یہ کہتے ہیں کہ شیخان نے دعا عند القبر کو ایسی بدعت یا محدثہ چیز کہا ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں نہ تھی اس کلام کی دو وجہیں ہیں۔ (نوٹ: اس عبارت میں شیخان سے مراد ابن تیمیہ اور ابن قیم ہیں، ہدایۃ المہدی ص۔۴)

علامہ جزری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اگر حضور ﷺ کی قبر کے پاس دعا قبول نہیں ہوتی تو وہ کون سی جگہ ہے جہاں دعا قبول ہوتی ہے؟ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ میں حضور اکرم ﷺ کی قبر کے پاس دعا کے ساتھ نصرت حاصل کرتا ہوں اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کے خلاف بھی منقول ہے۔

علامہ وحید الزمان اس عقیدہ پر طویل بحث کر کے ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی چار قسمیں بیان کرنے کے بعد اپنا عقیدہ اور فیصلہ یوں کرتے ہیں: "قلت قد ظهر من كلام الشيخ فساد قول هذا القائل فانه جعل مطلق الدعا عند القبر شركا و كفرا والقسم الرابع لی فيه نزاع و عندی انه لاباس بهذا الظن ان الدعا من الله

تعالیٰ فی المواضع المتبرکۃ سیما عند قبر النبی ﷺ ترجی اجابتہ بالسرعۃ اما ظنہ ان الدعا عند القبر افضل من الدعا فی المسجد فلا دلیل علیہ فھو ظن فاسد و الشیخ فیہ مصیب''۔

(ہدیۃ المہدی ص ۳۳۔ ۳۴)

ترجمہ: میں کہتا ہوں شیخ ابن قیم کے کلام میں اس شخص کے قول کا فساد ظاہر ہے جو قبر کے پاس دعا کو مطلقاً شرک اور کفر قرار دیتا ہے اور میرے نزدیک قسم چہارم میں نزاع ہے اور میرے نزدیک اس میں کچھ حرج نہیں کہ مقامات مقدسہ اور نبی کریم ﷺ کے روضہ اقدس کے پاس دعا کے جلد قبول ہونے کی امید رکھنا چاہیے۔ رہا اس کا یہ گمان کہ عند القبر دعا مسجد میں دعا سے افضل ہے تو یہ گمان فاسد ہے اور شیخ (ابن قیم) اس میں صواب پر ہیں۔ الحمد للہ اہل حق کا بھی یہی عقیدہ کے مقامات مقدسہ میں دعا کی قبولیت میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ یہ مقامات اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کے مورد ہیں۔

﴿۶۵﴾ فَلَا وَرَبِّكَ ... الخ مضمون سابق کی تائید کے لئے شرائط ایمان۔ پس آپ کے رب کی قسم یہ لوگ جو صرف ظاہری ایمان رکھتے ہیں، اور عند اللہ ایمان سے خالی (یعنی منافق) ہیں۔

شرط ❶ : جب تک آپس کے جھگڑے میں آپ سے اور آپ کی عدم موجودگی میں آپ کی شریعت سے فیصلہ نہ کرائیں تو مسلمان نہیں ہوسکتے۔

شرط ❷ : پھر جب آپ فیصلہ کردیں تو پھر اس فیصلہ کے بعد نہ اپنے دلوں میں تنگی پائیں اور اس فیصلے کو ظاہر و باطن سے حق تسلیم کرلیں تو انہیں ایماندار کہا جائے گا۔

یہاں پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص دوسرے قانون کو باطل سمجھ کر بھی رجوع کرے تو وہ مسلمان نہیں حالانکہ حرام کا مرتکب جب تک اس کے حلال ہونے کا اعتقاد نہ کرے وہ مسلمان ہے اگرچہ اس کو عملی فاسق کہا جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ اس کے دل میں شرعی فیصلہ سے تنگی پیدا ہو مگر وہ شخص اس فیصلہ کو حق سمجھے تو وہ بھی مسلمان نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس شخص کے دل میں شرعی فیصلہ کی وجہ سے تنگی پیدا ہوئی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اس فیصلہ پر عمل نہ کرے یہ بھی تو عدم تسلیم کی صورت ہے تو اس صورت حال میں بھی مسلمان نہ رہے حالانکہ انسان ترک عمل کی وجہ سے ایمان سے نہیں نکلتا۔

ان تمام شبہات کا جواب یہ ہے کہ اسلام کے قانون کی طرف رجوع کرنا اور دل میں تنگی محسوس نہ کرنا اور احکامات پر عمل کرنا اس کے تین درجے ہیں۔ ❶ اعتقاد سے۔ ❷ زبان سے۔ ❸ عمل سے۔

اعتقاد سے اسلام کے قانون کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قانون شریعت کے فیصلوں کو حق مانتا ہے اور دل میں تنگی وغیرہ بھی محسوس نہیں کرتا اور زبان سے اقرار بھی کرتا ہے اور عملاً فیصلہ بھی لے جاتا ہے اور اس فیصلہ کے مطابق عمل بھی کرتا ہے۔

پہلا درجہ: ایمان وتصدیق کا یہی ہے اس کا منکر عند اللہ کافر ہے اور منافقین میں یہی درجہ نہیں پایا جاتا تھا۔

دوسرا درجہ: زبان سے اقرار ہے اس کے نہ پائے جانے کی وجہ سے لوگوں کے نزدیک کفر ہے عند اللہ کفر نہیں ہے کیونکہ دل میں تنگی کا پیدا ہونا غیر اختیاری فعل ہے اور غیر اختیاری فعل کا انسان مکلف نہیں ہے لہٰذا اس پر مواخذہ نہیں ہے۔

تیسرا درجہ: اسلام کے قانون کی طرف عملی طور پر رجوع کرنا ہے یہ درجہ تقویٰ پر مبنی ہے اس کا نا پایا جانا فسق ہے اور اس میں طبعی تنگی معاف ہے۔ اس آیت میں منافقین کا ذکر ہے اسلئے اس آیت میں پہلا درجہ ایمان وتصدیق کا ہے جو کہ منافقین اس سے خالی تھے لہٰذا کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا ہے۔

﴿۶۶﴾ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ ...الخ تعمیل احکام الٰہی: اگر ہم ان لوگوں پر احکام مقصودہ کے طور پر یہ فرض کر دیتے کہ تم خود قتل کروا اپنی جانوں کو (بنی اسرائیل کی طرح) یا اپنے وطن سے ہجرت کر جاؤ تو سوائے گنتی کے چند لوگوں کے جو صرف کامل مومن ہیں ان کے علاوہ کوئی بھی اس حکم کو نہ بجالاتا۔ اس میں تمام صحابہ ومومنین کاملین سب داخل ہیں جو کفار وفجار کی تعداد کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ : ترغیب اطاعت برائے منافقین: اور اگر یہ منافق لوگ جن کو آنحضرت ﷺ کی اطاعت کی نصیحت کی جاتی ہے اگر اس پر عمل کرتے تو دنیا میں تو ان کے استحقاق کی وجہ سے بہتر ہوتا اور تکمیل دین کے اعتبار سے ان کے ایمان کو زیادہ پختگی حاصل ہوتی کیونکہ دین کا کام کرنے سے ایمان واعتقاد کی باطنی کیفیت کو ترقی ہوتی ہے۔

﴿۶۸،۶۷﴾ تثبیت دین کا نتیجہ۔ ﴿۶۹﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ ...الخ وعدہ مطیعین۔ ربط آیات: اوپر اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ کی اطاعت پر خاص مخاطبین سے اجر عظیم کا وعدہ تھا اب آگے بطور قاعدہ کلیہ کے اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ کی اطاعت پر عام وعدے کا ذکر ہے۔ شان نزول: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ اور دیگر چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ ہمیں ہماری جانوں اور اولاد سے زیادہ محبوب ہیں اور ہماری حالت یہ ہے کہ جب کبھی گھر میں آپ یاد آجاتے ہیں تو ہم بے چین ہو جاتے ہیں اور جب تک آپ کو دیکھ نہیں لیتے تو صبر نہیں آتا خیر یہاں تو دیکھ لیتے ہیں مگر جب آخرت کا خیال آجاتا ہے تو دل بے چین ہو جاتا ہے کہ وہاں آپ کو کیسے دیکھ سکیں گے اس لئے کہ آپ تو اعلیٰ علیین اور جنت کے اعلیٰ درجوں میں ہوں گے وہاں حاضر ہو کر ہم آپ کو کیسے دیکھ سکیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جنت میں ساتھ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ سب ایک درجہ میں ہوں گے کیونکہ یہ تو محال ہے "هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ" اللہ تعالیٰ کے ہاں لوگوں کے مختلف درجات ہوں گے۔ ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نیچے کے درجہ والے اوپر کے درجے والوں سے ملتے رہیں گے، درجات اور مراتب کا فرق زیارت اور ملاقات سے مانع نہ ہوگا جس طرح دنیا میں تفاوت درجات ملاقات سے مانع نہیں ہوتا۔ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ تشریح وعدہ وطبقات انعام یافتہ: طبقات اربعہ کی تفسیر سورۃ فاتحہ میں گزر چکی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ

اے ایمان والو اپنے بچاؤ کا سامان اختیار کرلو پھر کوچ کرو جدا جدا گروہوں کی شکل میں یا سب اکٹھے ہو کر ﴿۷۱﴾ بے شک بعض

مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ

تم میں سے البتہ وہ ہیں جو تاخیر کرتے ہیں پس اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو وہ کہتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر انعام کیا ہے جبکہ

اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ

میں ان کے ساتھ حاضر نہیں تھا ﴿۷۲﴾ اور اگر تم کو اللہ کا فضل پہنچتا ہے تو وہ کہتا ہے (پھر اس کی حالت ایسی ہوتی ہے) گویا

تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾

تمہارے اور اس کے درمیان دوستی کا کوئی تعلق نہیں (پھر کہتا ہے) کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو میں بھی کامیابی حاصل کرتا بڑی کامیابی ﴿۷۳﴾

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ

پس چاہئے کہ لڑیں اللہ کے راستے میں وہ لوگ جو بیچتے ہیں دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے اور جو شخص بھی لڑے گا

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۷۴﴾ وَمَا لَكُمْ

اللہ کے راستے میں پھر وہ مارا جائے یا غالب آجائے (ہر صورت میں) عنقریب ہم دیں گے اس کو اجر عظیم ﴿۷۴﴾ اور تمہیں کیا ہے

لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ

تم اللہ کے راستے میں نہیں لڑتے حالانکہ مردوں، عورتوں، اور بچوں میں سے

الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ

کمزور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال کہ اس کے رہنے والے ظالم لوگ ہیں اور بنا دے ہمارے لیے اپنی طرف سے

لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا ﴿۷۵﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ

کوئی سرپرستی کرنے والا اور بنادے ہمارے لیے اپنی طرف سے مدد گار ﴿۷۵﴾ ایمان والے لوگ لڑتے ہیں

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِیَآءَ

اللہ کے راستے میں اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ لڑتے ہیں طاغوت کے راستے میں پس (اے ایمان والو) لڑو

الشَّیْطٰنِ ۚ اِنَّ كَیْدَ الشَّیْطٰنِ كَانَ ضَعِیْفًا ﴿۷۶﴾ ع

شیطان کے حمائتیوں سے بے شک شیطان کی تدبیر کمزور ہے ﴿۷۶﴾

﴿۷۱﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ...الخ ربط آیات : گزشتہ آیات میں منافقین اور دشمنان دین کی شرارتوں کا ذکر تھا اب ان آیات میں مسلمانوں کو ان سے جہاد کا حکم ہے جو احیاء دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کا ذریعہ ہے۔

خلاصہ رکوع ⓾ جہاد میں دشمن کے مقابلہ کیلئے سامان جنگ سے لیس ہونے کا حکم، منافقین کی تاخیر کے دو مقاصد، ترغیب جہاد، مجاہد کی ہر حال میں کامیابی، مقصد جہاد تتمہ ماسبق، مظلوموں کی درخواست۔۱۔۲۔قتال کے مقاصد میں فریقین کا تفاوت۔

ماخذ آیات ۷۱: تا ۷۶ +

تمہید: جہاد فی سبیل اللہ اطاعت خدا اور رسول ﷺ کا (جن کا ماقبل میں ذکر تھا) اعلیٰ واکمل فرد ہے جس سے اندرونی اخلاص اور نفاق ظاہر ہوجاتا ہے۔ کیونکہ جہاد کا حکم منافقین پر گراں گزرتا ہے اسی وجہ سے یہاں سے لے کر چھ رکوع تک اسی مضمون کے متعلقات کا بیان ہے۔ جہاد میں دشمن کے مقابلہ کیلئے سامان جنگ سے لیس ہونے کا حکم: فرمایا اے ایمان والو! ایمان کا تقاضا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بول بالا کرنے کے لئے دشمنان خدا سے جہاد کرو اسی میں اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ کی بہترین اطاعت ہے اسی کی راہ میں جانبازی کے لئے مگر اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو اپنے بچاؤ کے لئے ہتھیاروں اور سامان جنگ اور تدبیر عقل سے اور تیرو تلوار سے لیس ہوکر دشمن سے ہوشیار اور باخبر ہوکر دشمنوں سے مقابلہ کرو اور مقابلہ کیلئے گھر سے باہر نکلو خواہ جدا جدا فوج ہو کر نکلو یا سب اکٹھے ہوکر نکلو ایک لشکر عظیم کی صورت میں دشمن کے مقابلہ کے لئے نکلو جیسا موقع اور مصلحت ہو۔

﴿۷۲﴾ منافقین کی تاخیر کے دو مقاصد : فرمایا تم میں سے بعض ایسے ہیں (اس سے مراد منافقین ہیں) جو نکلنے میں تاخیر کرتے ہیں ان کے دو مقاصد پیش نظر رہتے ہیں۔ مقصد ❶ جو لوگ ہم سے پہلے اس غرض کے لئے جاچکے ہیں ان کے کام کا نتیجہ

دیکھ لیں اگر نتیجہ شکست کی صورت میں ظاہر ہوا تو کہہ دیں گے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ہم شکست خوردہ گروہ میں موجود نہ تھے۔

﴿۷۳﴾ مقصد ❷ اگر جماعت حق کو فتح حاصل ہوئی تو حسرت کے ساتھ کہیں گے کہ کاش ہم بھی ساتھ ہوتے اور مال غنیمت پاتے یہ منافق نہایت حسرت کے ساتھ افسوس کرتے ہیں کیونکہ منافقین کا ہمیشہ مطمع نظر دنیا ہی رہی ہے۔

﴿۷۴﴾ ترغیب جہاد : جولوگ دنیا کی زندگی پر لات مار چکے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ جہاد کریں۔

وَمَنْ يُّقَاتِلْ...الخ مجاہد کی ہر حال میں کامیابی : خدا کی راہ میں جہاد کرنے والا خواہ قتل ہو جائے یا فتح پائے دونوں صورتوں میں ثواب عظیم کا مستحق ہوگا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو چاہئے دنیا کی زندگی پر نظر نہ رکھیں بلکہ آخرت چاہیں اور سمجھیں کہ اللہ کے حکم میں ہر طرح کا نفع ہے۔ (موضح القرآن)

﴿۷۵﴾ مقصد جہاد و تتمہ ماسبق : اس آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ۔ ❶ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ ❷ ایک اور داعی بھی موجود ہے وہ یہ ہے کہ کمزور مسلمانوں کی خاطر لڑنا بھی ضروری ہے تا کہ وہ کفار کے پنجہ سے آزاد ہوں جن مظلوموں میں کچھ مرد ہیں کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں جو کفار سے تنگ ہو کر دعا کر رہے ہیں۔

مظلوموں کی درخواست ❶ اے اللہ ہمیں کسی طرح اس بستی (یعنی مکہ) سے جو ہمارے لئے جیل خانہ بنا ہوا ہے اس سے باہر نکال دے تا کہ ظالموں کے ظلم سے بچ جائیں۔ ❷ ہمارے لئے غیب سے کسی حامی کو کھڑا کر دے جو ہمارے لئے حمایت کر کے ظالموں کے پنجہ سے چھڑائے۔

فائدہ: اس آیت میں اہل ایمان کی دو درخواستوں کا ذکر ہے دونوں کو اللہ پاک نے قبول فرمایا ہے۔

پہلی درخواست یہ تھی کہ ہمیں اس قریہ یعنی مکہ سے نکال دے۔ دوسری درخواست یہ تھی کہ ہماری مدد کے لئے کوئی غیبی حامی کھڑا کر دے۔ پہلی دعا و درخواست کو قبول کرتے ہوئے اللہ پاک نے بعض حضرات کو مکہ سے نکلنے کے مواقع میسر فرما دیئے۔ اور دوسری دعا کو بھی قبول فرمایا کہ بعض حضرات وہاں مکہ میں مقیم رہے مگر جب فتح مکہ ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو متولی مقرر فرمایا جنہوں نے اپنے زمانہ حکومت میں ان کو خوب آرام و راحت پہنچائی۔ دوسری دعا بھی قبول ہو گئی الحمد للہ۔

﴿۷۶﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...الخ قتال کے مقاصد میں فریقین کا تفاوت : ارشاد فرمایا جو ایمان دار لوگ ہیں وہ احکام الٰہی کو سن کر غلبہ اسلام کے ارادہ سے قتال کرتے ہیں اور جو کافر ان کے مقابلے میں ہیں شیطان کی راہ میں غلبہ کفر کے ارادہ سے لڑتے ہیں، واضح بات ہے کہ ان دونوں گروہوں میں سے ایمان والوں کے ساتھ مدد و نصرت الٰہی ہوگی اس لئے اہل ایمان کو چاہئے کہ شیطان کے ساتھی یعنی کفار کا ڈٹ کر مقابلہ کریں لڑائی کریں اگر چہ کفار بھی مختلف تدبیریں کرتے ہیں مگر ان کی تدبیریں بے فائدہ ہیں اگر کبھی چند دن کے لئے کفار کو غلبہ حاصل ہو جائے گھبرانے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کے لئے چند دن کی مہلت ہے وہ غیبی امداد کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں جو اہل ایمان کو حاصل ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

کیا تمہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کو کہ ان سے کہا گیا کہ روکو اپنے ہاتھوں کو اور قائم کرو نماز کو اور دیتے رہو زکوٰۃ

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ

پس جب فرض کی گئی ان پر لڑائی تو اچانک ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو ڈرتے ہیں لوگوں سے جیسا کہ اللہ سے ڈرنا ہوتا ہے

أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ

یا اس سے بھی زیادہ ڈر وان لوگوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! تو نے کیوں فرض قرار دے دیا ہے ہمارے اوپر لڑائی کو کیوں نہیں تو نے مؤخر کیا ہمیں

أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَ

تھوڑی مدت تک اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے فائدہ دنیا کا بہت تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے اس شخص کے لئے جو ڈرتا ہے اور

لَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧٧﴾ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ

تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا دھاگے کے برابر بھی ﴿۷۷﴾ جہاں بھی تم ہوگے پالے گی تم کو موت اگرچہ ہو تم مستحکم قلعوں میں

وَإِن تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ

اور اگر پہنچے ان کو بھلائی تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ان کو پہنچے کچھ برائی

يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۖ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ

تو کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے (تیری وجہ سے ہے) اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے سب اللہ کی جانب سے ہے پس کیا ہے ان لوگوں کو

لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿٧٨﴾ مَّا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۖ وَمَا

نہیں قریب کہ یہ سمجھیں کسی بات کو ﴿۷۸﴾ جو پہنچتی ہے تجھ کو بھلائی پس وہ اللہ کی جانب سے ہوتی ہے اور جو پہنچتی ہے

أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ ۚ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ

تجھ کو کچھ برائی پس تیرے نفس کی طرف سے اور بھیجا ہے ہم نے تجھ کو لوگوں کے لئے خدا کا پیغام پہنچانے والا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ

شَهِيدًا ﴿٧٩﴾ مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ وَمَن تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ

گواہ ﴿۷۹﴾ جس نے اطاعت کی رسول کی بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو

عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ﴿٨٠﴾ وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِندِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ

ان پر نگہبان بنا کر ﴿۸۰﴾ اور کہتے ہیں یہ لوگ کہ ہمارا معاملہ اطاعت کا ہے پھر جب وہ نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو رات کے وقت

مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۖ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۖ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ

ان میں سے ایک گروہ مشورہ کرتا ہے اس کے خلاف جو آپ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ لکھتا ہے جو کچھ وہ مشورہ کرتے ہیں پس ان سے اعراض کریں اور

عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٨١﴾ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ

اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کریں اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کام بنانے والا ﴿۸۱﴾ کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ

غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿٨٢﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ

اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو البتہ وہ ضرور پاتے اس میں بہت سا اختلاف ﴿۸۲﴾ اور پہنچتی ہے ان کے پاس کوئی بات امن کی یا خوف کی

اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ

تو اس کو پھیلا دیتے ہیں اور اگر وہ پلٹاتے اس کو رسول کی طرف اور ان میں سے جو صاحب امر ہیں ان کی طرف تو البتہ تحقیق معلوم کرتے وہ لوگ جو

يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ

اس بات کی تحقیق کرتے ہیں (اس کو نکالتے ہیں) ان میں سے اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تو تم شیطان کی پیروی کرتے

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٨٣﴾ فَقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ

مگر بہت تھوڑے ﴿۸۳﴾ پس اے پیغمبر! آپ اللہ کی راہ میں لڑیں نہیں تکلیف دی جائے گی مگر تیرے نفس کو اور برانگیختہ کریں ایمان والوں کو

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿٨٤﴾

امید ہے کہ اللہ تعالیٰ روک دے لڑائی ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ سخت لڑائی والا اور سخت سزا دینے والا ہے ﴿۸۴﴾

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً

جو شخص سفارش کرے گا اچھی سفارش اس کے لیے ہوگا اس میں سے حصہ اور جو شخص سفارش کرے گا

سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ مُّقِيْتًا ﴿٨٥﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا

بری سفارش تو ہوگا اس کے لیے بوجھ اس سے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۸۵﴾ اور جب تم کو دعا دی جائے سلام کے ساتھ تو تم بھی دعا دو

بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ حَسِيْبًا ﴿٨٦﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ

اس سے بہتر یا اس کو لوٹا دو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے ﴿۸۶﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے

لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿٨٧﴾

وہ ضرور جمع کرے گا تمہیں قیامت کے دن جس میں کوئی شبہ نہیں ہے اور کون زیادہ سچا ہے بات میں اللہ تعالیٰ سے ﴿۸۷﴾

﴿۷۷﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ ...الخ ربط آیات :اوپر جہاد کی ترغیب تھی اب آگے بھی جہاد کی ترغیب کا ذکر ہے مگر ایک لطف آمیز شکایت کے طریقہ پر۔

خلاصہ رکوع: ⑪ مقدمہ جہاد، مشروعیت جہاد، تمناء حکم التواء جہاد، جواب تمنا۔۱، ۲ عجیب کیفیت منافقین، اجمالی جواب، تفصیلی جواب، اثبات رسالت خاتم الانبیاء، اصول کامیابی مع تسلی خاتم الانبیاء۔ ❶ زبانی کیفیت منافقین، تسلی خاتم الانبیاء۔

❷ تدبر قرآن کا حکم، انتظامی بدعنوانی کی ممانعت، شفقت خداوندی، ترغیب جہاد، برائے بدر صغریٰ، دلیل کامیابی، ترغیب وحقیقت سفارش، تعلیم سلام، اساس دین حصر الالوہیت باری تعالیٰ، تذکیر بما بعد الموت۔ ماخذ آیات ۷۷: تا ۸۷+

مقدمہ جہاد: حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "وَاَقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ" جہاد کا مقدمہ ہیں جس چیز کی جہاد میں ضرورت ہے اس کی ان دونوں میں مشق کرائی جاتی ہے یعنی مالی اور بدنی قربانی تاکہ ضرورت کے وقت تیار ہوں قدم پیچھے نہ ہٹیں۔

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الخ مشروعیت جہاد : مکہ میں کفار اہل ایمان کو بہت تکلیفیں دیتے تھے اس وقت بعض صحابہ کرامؓ نے جہاد کی اصراراً اجازت طلب کی مگر چونکہ وہ وقت صبر اور درگزر کرنے کا تھا۔ ہجرت مدینہ کے بعد جب جہاد فرض ہوا تو طبیعتوں پر یہ حکم دشوار ہوا تھا، اس پر یہ شکایت فرمائی، اس سے جہاد کا انکار یا جہاد کے حکم پر اعتراض مقصود نہیں تھا، بلکہ یہ ایک محض آرزو تھی اس آرزو کا سبب واضح ہے چونکہ مکہ میں کفار کی تکلیفوں سے دل میں جوش اٹھتا تھا جہاد کرنا آسان تھا اب چونکہ ہجرت کے بعد امن ہو گیا تھا، اب طبعی مصلحتیں سامنے آنے لگیں، اللہ تعالیٰ نے اس شکایت کے ساتھ جہاد کی ترغیب دی کہ دنیا کی زندگی فانی ہے لہٰذا موت سے کوئی شخص نہیں بچ سکتا اس کے مدمقابل آخرت کی زندگی ہمیشہ کی ہے۔

اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً :اس کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ اکثر و بیشتر اللہ تعالیٰ سے ڈرنا عقلاً ہوتا ہے اور دشمن کا ڈر طبعی طور پر ہوتا ہے اور قاعدہ قانون ہے کہ حالت طبعی حالت عقلی سے سخت ہوتی ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے ویسے ہی رحمت کی امید بھی ہوتی ہے جبکہ مخالف دشمن سے ضرور کا خوف ہی خوف ہوتا ہے اور طبعی خوف پر حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے کوئی گرفت نہیں ہوتی۔ اس کی مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں وَقَالُوْا رَبَّنَا :تمناء حکم التواء جہاد لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ" جہاد کے حکم کو ملتوی کرنے کی آرزو خواہ زبان سے ہو یا دل سے دونوں باتوں کا علم حق تعالیٰ شانہ کو حاصل ہے یہ آرزو بطور اعتراض یا انکار کے نہ تھی اس لئے اس کا کوئی گناہ نہیں۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ،جواب تمنا ❶ ارشاد فرمایا کہ تم دنیا کے فوائد حاصل کرنے کے لئے مہلت کی آرزو کرتے ہو یہ تو چند دن کی زندگی ہے، اور آخرت جس کے حاصل کرنے کا سب سے اعلیٰ ذریعہ جہاد ہے جو ہر طرح سے بہتر ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک ان آیات کا تعلق مؤمنین سے نہیں بلکہ منافقین سے ہے، اس صورت میں کسی قسم کا اشکال نہیں۔

(تفسیر کبیر، ص ۱۴۵، ج۔۱۰)

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا...الخ جواب تمنا ❷ تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں آہی پکڑے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہی ہو۔ الغرض جب موت اپنے وقت پر ضرور آئے گی اور مر کر دنیا کو ہی چھوڑ جانا ہے تو آخرت میں جہاد جیسے عمل سے خالی ہاتھ کیوں جائیں۔

وقوع موت پر عبرت آموز واقعہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اس آیت کے ذیل میں ایک عبرتناک واقعہ براویت ابن جریر و ابن ابی حاتم عن مجاہد لکھا ہے کہ "پہلی امتوں میں ایک عورت تھی اس کو جب وضع حمل کا وقت شروع ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا تو اس نے اپنے ملازم کو آگ لینے کو بھیجا، وہ دروازہ سے نکل ہی رہا تھا کہ اچانک ایک آدمی ظاہر ہوا اور اس نے پوچھا اس عورت نے کیا جنا ہے؟ ملازم نے جواب دیا ایک لڑکی ہے تو اس آدمی نے کہا آپ یاد رکھیے یہ لڑکی سو (۱۰۰) مردوں سے زنا کرے گی، اور آخر ایک مکڑی سے مرے گی، ملازم یہ سن کر واپس ہوا اور فوراً ایک چھری لے کر اس لڑکی کا پیٹ چاک کیا اور سوچا کہ اب یہ مرے گی تو

بھاگ گیا، مگر پیچھے لڑکی کی ماں نے ٹانکے لگا کر لڑکی کا پیٹ جوڑ دیا، یہاں تک کہ وہ لڑکی جوان ہوگئی اور خوبصورت اتنی تھی کہ وہ شہر میں بے مثال تھی، اور اس ملازم نے سمندر کی راہ لی، اور کافی عرصہ تک مال و دولت جمع کرتا رہا اور پھر شادی کرنے کیلئے شہر آیا اس کو ایک بڑھیا ملی، تو اس نے ذکر کیا، کہ میں ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں جس سے زیادہ خوبصورت اس شہر میں کوئی اور نہ ہو۔

اس عورت نے کہا فلاں لڑکی سے زیادہ کوئی خوبصورت نہیں۔ آپ اسی سے شادی کرلیں، آخر کار کوشش کی اور اس سے شادی کرلی۔ تو اس لڑکی نے مرد سے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ اور کہاں رہتے ہو؟ اس نے کہا میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں، لیکن ایک لڑکی کا پیٹ چاک کر کے بھاگ گیا تھا، پھر اس نے پورا واقعہ سنایا یہ سن کر وہ لڑکی بولی وہ لڑکی میں ہی ہوں، یہ کہہ کر اس نے اپنا پیٹ دکھایا جس پر نشان موجود تھا، یہ دیکھ کر اس مرد نے کہا اگر تو وہی عورت ہے تو تیرے متعلق دو باتیں بتلاتا ہوں، ایک یہ کہ تو سو (۱۰۰) مردوں سے زنا کرے گی، اس عورت نے اقرار کیا ہاں مجھ سے ایسا ہوا ہے، لیکن تعداد یاد نہیں، مرد نے کہا تعداد سو (۱۰۰) ہے، دوسری بات یہ کہ تو مکڑی سے مرے گی، مرد نے اس کیلئے ایک عالی شان محل تیار کرایا جس میں مکڑی کے جانے تک نام بھی نہ تھا ایک دن اسی میں لیٹے ہوئے تھے کہ دیوار پر ایک مکڑی نظر آئی عورت بولی کیا مکڑی یہی ہے جس سے تو مجھے ڈراتا ہے؟ مرد نے کہا ہاں! اس پر وہ فوراً اٹھی اور کہا کہ اس کو تو میں فوراً مار دوں گی، یہ کہہ کر اس کو نیچے گرایا اور پاؤں سے مسل کر ہلاک کردیا، مکڑی تو ہلاک ہوگئی لیکن اس کے زہر کی چھینٹیں اس کے پاؤں اور ناخنوں میں پڑگئیں جو اس کی موت کا پیغام بن گئیں۔

وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ: حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اس آیت کی رو سے رہنے سہنے مال و اسباب کی حفاظت کے لئے مضبوط و عمدہ گھر تعمیر کرنا نہ خلاف توکل ہے اور نہ خلاف شرع۔ (معارف القرآن: ص: ۸۳ ج ۲: بحوالہ قرطبی: ص: ۲۷۲: ج ۔ ۵)

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ ...الخ عجیب کیفیت منافقین: اور اگر پہنچتی ان منافقین کو کوئی نعمت تو ان کی عجیب کیفیت ہے یہ کہتے ہیں کہ اتفاقاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگئی ہے اس میں آنحضرت ﷺ اور اہل ایمان کی کسی تدبیر کا کوئی دخل نہیں اور اگر ان منافقین کو کوئی تکلیف پہنچے تو اس کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کرتے ہیں۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ: اجمالی جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان منافقین کو کہہ دیجئے کہ یہ فتح شکست، قتل، غنیمت قیمتوں کی ارزانی، اور قحط سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے میرا اس میں کوئی دخل نہیں، ان منافقین کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ بھلائی اور برائی سب اللہ کی طرف سے ہے انسان کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ تفصیلی جواب: "مِنْ حَسَنَةٍ" اس سے مراد نعمت ہے "مِنْ سَيِّئَةٍ" اس سے مراد مصیبت ہے۔ (مظہری، ص: ۱۶۸، ج: ۲، مدارک، ص: ۲۰۴ ج: ۱، قرطبی، ص: ۲۷۲، ج: ۵)

مطلب یہ ہے کہ انسان کو جو نعمت پہنچتی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے اور جو تکلیف پہنچتی ہے وہ اس کے اعمال بد کی شامت ہے۔

سؤال: گزشتہ آیت میں تھا کہ بھلائی اور برائی کا پہنچنا حق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ برائی بندے کی طرف سے ہے۔ تو ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے؟

جواب: یہ ہے کہ مصیبت کی تخلیق کا خالق اگرچہ اللہ تعالیٰ ہیں لیکن اس کا سبب خود انسان کے اعمال بد ہوتے ہیں اب اگر کافر ہے تو اس کے لئے دنیا میں جو مصیبت پیش آتی ہے یہ اس کیلئے آخرت کے عذاب کا دنیا میں ادنیٰ سا نمونہ ہے اور آخرت کا عذاب اس سے زیادہ ہوگا۔ اور اگر وہ مؤمن ہے تو اس کے لئے مصائب و تکالیف اس کے گناہوں کا کفارہ ہو کر نجات آخرت کا سبب ہو جائے گا باقی رہی یہ بات کہ منافقین کا اس برائی کو آنحضرت ﷺ کی طرف نسبت کرنا انتہائی درجہ کی حماقت ہے کیونکہ نہ

آپ خالق ہیں اور نہ آپ برائی کے موجد ہیں ۔وَاَرۡسَلۡنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوۡلًا :اثبات رسالت خاتم الانبیاء :اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ صرف عربوں کے رسول نہیں بلکہ عالمی رسول ہیں خواہ اس وقت جو لوگ موجود ہیں یا آئندہ تا قیامت پیدا ہوں گے۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ :وسعت علم باری تعالیٰ :یعنی شہادت قولی اور فعلی مطلب یہ ہے کہ قولی شہادت کا ذکر "اَرۡسَلۡنٰكَ" میں موجود ہے اور فعلی آپ ﷺ کے معجزات ہیں۔ واللہ اعلم۔

﴿۸۰﴾ اصول کامیابی۔"وَمَنۡ تَوَلّٰى الخ تسلی خاتم الانبیاء ❶ یعنی جس نے آپ کی اطاعت سے روگردانی کی پس آپ اس کا غم کچھ غم نہ کریں اس لئے کہ ہم نے آپ کو ان کے کفر نہ کرنے کا نگران نہیں بنایا پس آپ کا فرض ہے ان تک پیغام الٰہی پہنچا دینا۔ باقی آپ سے کسی قسم کی باز پرس نہیں ہوگی۔

استخراج مسئلہ :ختم نبوت کی دلیل :اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی اطاعت دائمی کا حکم ہے اگر آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کو نبی مانا جائے تو آنحضرت ﷺ کی طرح اس کی بھی اطاعت دائمی کرنی پڑے گی اور اس کو بھی اسی طرح مطاع مانا جائے گا اس سے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کی نافرمانی کیا ہوگی؟ ایسا تو کفر ہے۔ "وَمَنۡ تَوَلّٰى" اور جس نے آپ ﷺ کی اطاعت دائمی اور نبوت سے انحراف کیا اور کسی جھوٹے دعویدار نبوت کی صدا پر کان دھرے اور اسکو مان لیا تو اسکو اپنے ایمان کی یقیناً فکر کرنی چاہئے۔

﴿۸۱﴾وَيَقُوۡلُوۡنَ طَاعَةٌ... الخ زبانی کیفیت منافقین :یہ منافق لوگ آپ سے احکام سن کر آپ کے سامنے تو کہتے ہیں کہ ہمارا کام آپ کی اطاعت کرنا ہے پھر جب آپ کی مجلس سے اٹھ کر باہر جاتے ہیں رات کے وقت اپنے سرداروں سے مشورہ کرتے ہیں، چونکہ اصل مشورہ سرداروں کا ہے یہ تو ان کے تابع ہیں برخلاف اس کے جو کچھ زبان سے کہہ چکے تھے اللہ تعالیٰ سرکاری روزنامچہ میں لکھتے جاتے ہیں جو یہ منافقین راتوں کو مشورہ کرتے ہیں اللہ پاک موقع پر ضرور سزا دے گا۔

فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ: تسلی خاتم الانبیاء ❷ : آخر میں فرمایا آپ ان کی بیہودہ باتوں کی طرف خیال اور فکر نہ کیجئے بلکہ سارا قصہ حق تعالیٰ شانہ کے حوالہ کیجئے وہ خود مناسب طور پر اس کا دفعیہ فرمائیں گے، چنانچہ کبھی بھی ان کی شرارت سے کوئی ضرر نہیں پہنچا۔

﴿۸۲﴾اَفَلَا يَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ... الخ تدبر قرآن کا حکم: کیا یہ لوگ تدبر قرآن کریم کر کے اس اعجاز فصاحت وبلاغت میں اور غیب کی صحیح صحیح خبروں کو نہیں دیکھ رہے ہیں پھر بھی قرآن میں غور نہیں کرتے کہ ان پر قرآن کا کلام الٰہی ہونا واضح ہو جائے۔

تدبر قرآن کے مختلف درجات ہیں: ائمہ مجتہدین کا تدبر ایک ایک آیت سے ہزاروں مسائل کا نکالنا ہے۔ عام علماء کا تدبر ان مسائل کو سمجھنا ہے۔ اور، عوام الناس قرآن کریم کا ترجمہ اپنی اپنی زبان میں پڑھ کر تدبر کریں اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت اور آخرت کی فکر کریں البتہ عوام الناس کو غلط فہمی سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ کسی صحیح عقیدہ عالم سے سبقاً تعلیم حاصل کریں وگرنہ کسی مستند تفسیر کا مطالعہ کریں وہ بھی سمجھ میں نہ آئے تو مستند علماء حق کی طرف رجوع کریں خود اپنی عقل دوڑانا شروع نہ کردیں۔

ایک بڑے میاں کا ترجمہ قرآن کا دیکھنا: حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ: ایک بڑے میاں ملے جو بڑے تہجد گذار اور پابند اوراد تھے مگر قرآن کا ترجمہ دیکھ کر گمراہ ہوئے تھے وہ مجھ سے کہنے لگے کہ جب قرآن پڑھا کروں تو لفظ (راعنا) چھوڑ دیا کروں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا" جس کا ترجمہ لکھا ہے کہ ایمان والو "راعنا" مت کہا کرو، تو کیا تلاوت کے وقت "راعنا" کو نہ پڑھا کروں، میں نے ان سے کہا کہ "راعنا" کو تو مت چھوڑو مگر آج سے قرآن کا ترجمہ دیکھنا چھوڑ دو کیونکہ تم کو سمجھنے کی قابلیت نہیں۔

فَائِدَہ: ایسے ہی تو لوگوں نے شریعت کا ناس کیا تھا جو ترجمہ قرآن وحدیث کا دیکھ کر مجتہد بن گئے ہیں جب ایسے لوگوں کو منع کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ تم ہمارے ترجمہ قرآن پڑھنے سے جلتے ہو۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

حقانیت قرآن: اور اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس کے مضامین ان کی کثرت کی وجہ سے بکثرت تفاوت پاتے کیونکہ ہر ہر مضمون میں ایک ایک اختلاف وتفاوت ہوتا تو مضامین کثیرہ میں اختلاف کثیرہ ہوتے حالانکہ ایک مضمون بھی اختلافی نہیں پس جس سے واضح ہوا کہ یہ غیر اللہ کا کلام نہیں ہوسکتا۔ اگر بالفرض والمحال قرآن کریم کسی انسان کا کلام ہوتا تو اس میں یکسانیت نہ ہوتی بلکہ کہیں نہ کہیں اس میں فصاحت وبلاغت کا تفاوت ہوتا اور کہیں ماحول کا اثر ہوتا کیونکہ انسان ایک حالت پر نہیں رہتا کبھی اطمینان ہے کبھی پریشانی ہے رنج ہے خوشی ہے لیکن قرآن کریم حق تعالیٰ شانہ کا کلام ہونے کی وجہ سے تمام تناقضات اور اختلافات سے پاک اور مبرا ہے۔

﴿۸۳﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ ... الخ انتظامی بدعنوانی کی ممانعت۔ ربط آیات: اوپر منافقین کی بدعنوانی کا ذکر تھا اب آگے ان کی انتظامی بدعنوانی کا ذکر ہے جس سے مسلمانوں کو نقصان ہوتا تھا۔ فرمایا جب ان منافقین کے پاس کسی نئے امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ وہ امر موجب امن ہو یا موجب خوف ہو، مثلاً مسلمانوں کا کوئی لشکر جہاد کے لئے گیا ہے اور ان کے غالب آنے کی خبر آئی یا امن کی خبر ہے یا ان کے مغلوب ہونے کی خبر آئی یا خوف کی خبر ہے تو اس کو فوراً مشہور کردیتے حالانکہ وہ بعض اوقات غلط ہوتی اگر صحیح بھی ہوتب بھی مصلحت انتظامیہ کے خلاف ہے اگر یہ لوگ خود مشہور کرنے کی بجائے اس خبر کو آنحضرت ﷺ کے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جو ان امور کو سمجھتے ہیں ان کے حوالہ کردیتے اور خود دخل نہ دیتے اور اس خبر کی صحت غلط اور قابل مشہور ہونے یا نہ ہونے کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں سے اس کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں ان کو خواہ مخواہ روڑا اٹکانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

اَلَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ: علامہ خازن لکھتے ہیں کہ "وَهُمُ الْعُلَمَاءُ الَّذِيْنَ عَلِمُوْا مَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّكْتَمَ مِنَ الْاُمُوْرِ وَمَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّذَاعَ مِنْهَا۔ (خازن: ص: ۴۰۷؛ ج۔۱)

وہ علماء ہیں جو ایسی خبر رکھتے ہیں کہ کونسے امور چھپانے کے قابل ہیں اور کونسے قابل اشاعت ہیں۔ اور حاشیہ بیضاری میں بھی ہے کہ اس سے مراد مجتہد علماء ہیں۔

اُولِي الْاَمْرِ: کی تعیین میں متعدد اقوال ہیں ❶ علماء اور فقہاء مراد ہیں۔ (احکام القرآن للجصاص) ❷ اہل فقہ اور اہل دین مراد ہیں۔ (تفسیر سمرقندی) ❸ امراء اور حکام مراد ہیں۔ (قرطبی؛ ص: ۲۷۸؛ ج۔۵)

اور دوسری تفسیر راجح ہے۔ دیکھیں فتح البیان، خازن، کبیر، مدارک وغیرہ اور صاحب تفسیر سراج المیر لکھتے ہیں کہ "اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ" کی تفسیر میں اَيْ ذُو الرَّاْيِ مِنَ الصَّحَابَةِ كَاَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ (تفسیر سراج المیر؛ ص۔ ۳۶۳) یعنی ذو رائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے حضرات خلفاء راشدین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، اس آیت میں غیر مجتہدین کو از خود عمل کرنے یا کسی امر کے ابلاغ واظہار سے منع فرما کر مستنبطین (مجتہدین) کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ حقیقت میں یہی حضرات دینی نفع نقصان کو سمجھ سکتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے بعد اولی الامر کا ذکر اس طرح کیا کہ دونوں کو ایک ہی فعل "رَدُّوْهُ" کے تعلق میں شریک کرکے اشارہ فرمایا کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کی طرف رجوع کرنا دلیل طلب کرنے کے بغیر محض حسن ظن اور اعتماد واعتبار کی بناء پر ہے اسی طرح مجتہدین کے قول وفعل کی طرف رجوع کرنا دلیل طلب کرنے کے بغیر محض حسن ظن اور اعتماد واعتبار کی بناء پر ہونا چاہئے گو نوعیت اعتماد دونوں جگہ مختلف ہے مقلدین

کی اصطلاح میں اس کو تقلید کہتے ہیں لہٰذا اس آیت سے ثابت ہوا کہ غیر مجتہدین کو مجتہدین کی تقلید ضرور کرنی چاہیئے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازیؒ اس آیت سے چند امور کو استنباط فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فَثَبَتَ اَنَّ الْاِسْتِنْبَاطَ حُجَّةٌ وَ الْقِيَاسُ اِمَّا اِسْتِنْبَاطٌ اَوْدَاخِلٌ فِيْهِ فَوَجَبَ اَنْ يَكُوْنَ حُجَّةً اِذَا ثَبَتَ هٰذَا فَنَقُوْلُ الْاٰيَةُ دَالَّةٌ عَلٰى اُمُوْرٍ اَحَدُهَا اَنَّ فِيْ اَحْكَامِ الْحَوَادِثِ مَالَا يُعْرَفُ بِالنَّصِّ بَلْ بِالْاِسْتِنْبَاطِ وَثَانِيْهَا اَنَّ الْاِسْتِنْبَاطَ حُجَّةٌ وَثَالِثُهَا اَنَّ الْعَامِّيَّ يَجِبُ عَلَيْهِ تَقْلِيْدُ الْعُلَمَاءِ فِيْ اَحْكَامِ الْحَوَادِثِ ۔ (کبیر: ص ۲۷۲: ج:۳، طبع مصر)

ترجمہ: پس ثابت ہوا استنباط حجت ہے اور قیاس یا استنباط ہے اور یا اس میں داخل ہے پس قیاس کا حجت ہونا بھی ثابت ہو گیا ہے۔ اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ چند امور پر دلالت کرتی ہے۔ (۱) بعض ایسے احکام بھی ہیں کہ جن کی معرفت نص سے نہیں ہوتی بلکہ استنباط سے معلوم ہوتے ہیں (جیسے امور اجتہادیہ غیر منصوصہ) (۲) استنباط حجت (شرعیہ) ہے (۳) احکام حوادث (اجتہادیہ) میں غیر مجتہد پر (مجتہدین) علماء کی تقلید واجب ہے۔

ائمہ اربعہ میں سے ایک امام کی تقلید کیوں واجب ہے؟

سوال ہوتا ہے کہ مجتہدین تو بہت سارے گزرے ہیں کس کا اتباع کیا جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کا چونکہ طریق بتفصیل معلوم ہے اور دوسرے ائمہ کا طریق جزئیات وفروعات معلوم نہیں پس اس لئے مذاہب اربعہ میں انحصار ثابت ہوا۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ تقلید صرف ایک کی کیوں ضروری ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مسائل دو قسم پر ہیں۔ ❶ وہ مسائل جو سب کے نزدیک اتفاقی ہیں۔ ❷ اختلافی۔ اتفاقی مسائل میں تو سب کا اتباع کیا جائے گا اور اختلافی مسائل میں ہر امام کی مجموعی حالات وکیفیت پہ نظر کیجائے گی ظن غالب اور اعتقاد راجح ہو کہ یہ منیب ومصیب ہے تو اس کی اتباع کی جائے گی باقی کا ادب واحترام کرتے ہوئے۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ اگر اتفاق کو برقرار رکھتے ہوئے سب کے مسائل کو بوقت ضرورت لیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ پھر تقلید نہ ہوئی بلکہ نفس پرستی اور خواہش پرستی ہوگی یہ شریعت میں ممنوع ہے پھر سوال ہوتا ہے کہ تم نے صرف مذہب حنفی کو کیوں اختیار کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم جہاں رہتے ہیں یہاں امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب شائع ہے اور اسی مذہب کی کتب اور علماء موجود ہیں جو اس مذہب کی کتب کے ماہر ہیں اگرچہ دوسرے مذاہب کی کتب بھی مل سکتی ہیں اور ان کا مطالعہ بھی ممکن ہے مگر اس قدر نظر وسیع ودقیق نہیں رکھ سکتے۔

پھر سوال ہوتا ہے کہ جہاں یہ سارے مذاہب شائع ہوں وہاں حنفی بننے کی کیا ضرورت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ پہلے سے ایک مذہب پر ضرورت کی بنا پر عمل کر رہا ہے اگر اس کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرے گا تو ایک امام کی تقلید چھوڑ کر دوسرے امام کی تقلید اختیار کرے گا تو اس کی کوئی وجہ متعین ہونی چاہیئے تو اب اس شخص کو قوت اجتہادیہ تو حاصل نہیں کہ وجوہ ترجیح سمجھ سکے، اس کو متعین کر سکے تو اس کا یہ فعل ترجیح بلا مرجح ہوگا تو یہ درست نہیں۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کو تھوڑی بہت سمجھ ہے تو اس کو تو اجازت ہونی چاہیئے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے عوام الناس کے لیے جو متبع ہیں ان کے لیے خواہش نفسانی اور ترک تقلید شخصی کا دروازہ کھل جائے گا۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے جو امر عوام کے لیے باعث فساد ہو اس سے خواص کو بھی روکا جاسکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ علماء دین فرماتے ہیں کہ انتقال عن المذہب ممنوع ہے۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ ایک نیا مسلمان ہوا ہے اس کو کون سے امام کا مذہب اختیار کرنا چاہیئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں جس امام کا مذہب شائع ہو۔

پھر سوال ہوتا ہے کہ اگر کسی جگہ ائمہ اربعہ کے مقلدین برابر یا کم وبیش ہوں تو کونسا مذہب اختیار کرے؟ تو اس کا جواب یہ

ہے کہ اس کو اپنی صوابدید پر اختیار ہے۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ پر گیا ہے اس جگہ اس کے مذہب کا کوئی عالم نہیں وہ مسائل شرعیہ میں کیا کرے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مذاہب اربعہ میں سے جو مذہب وہاں شائع ہو علماء سے دریافت کر کے اس پر عمل کرے ایسے شخص کے لئے اپنے مذہب سابق پر تقلید شخصی واجب نہیں۔

وَلَوْلَا الخ شفقت خداوندی :بطور احسان فرمایا کہ اگر اللہ پاک کا فضل اور رحمت نہ ہوتی یعنی قرآن اور اپنا رسول نہ بھیجتا تو تم شیطان کے پیروکار ہو جاتے مگر تھوڑے آدمی بچ جاتے جن کو حق تعالیٰ نے عقل سلیم عطا فرمائی ہے۔

شان نزول :اس آیت کے ذیل میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے تو وہ اپنے گھر سے مسجد کی طرف آئے جب دروازے پر پہنچے تو مسجد کے اندر لوگوں میں بھی یہی ذکر ہو رہا ہے یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبر نہ کیا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ تحقیق کرنے کے بعد مسجد کی طرف واپس آیا اور دروازہ پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق نہیں دی، جو آپ لوگ کہہ رہے ہو غلط ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر: ج:۲:ص:۸۳۸:طبع بیروت)

﴿۸۴﴾ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ : ترغیب جہاد برائے بدر صغریٰ۔

شان نزول :جب غزوہ احد شوال میں ہو چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیقعدہ میں کفار کے وعدہ کے مطابق بدر صغریٰ میں مقابلہ کے لئے جانا چاہا اس وقت بعض لوگوں نے اس کو ناگوار سمجھا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(معالم التنزیل:ج:۱:ص:۶۳ ۳ خازن:ص:۵۷ ۳ ج:۱:روح المعانی:ص:۱۲۷:ج_۵)

جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت دی گئی کہ اگر یہ کچے مسلمان لڑائی سے ڈرتے ہیں تو اے رسول تم تنہا جہاد کرنے میں توقف مت کرو اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے، اس ہدایت کو پاتے ہی (۷۰) ہمراہیوں کے ساتھ بدر صغریٰ کو تشریف لے گئے۔ جس کا وعدہ ابوسفیان کے ساتھ غزوہ احد کے بعد ہوا تھا، حق تعالیٰ شانہ نے ابوسفیان اور کفار قریش کے دل میں رعب اور خوف ڈال دیا، اور کوئی مقابلہ میں نہ آیا اور وہ اپنے وعدے سے جھوٹے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد کے موافق کافروں کی لڑائی کو بند کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سمیت سلامتی کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔ (قرطبی:ص:۲۷۹:ج_۵)

لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ : آپ صرف اپنی جان کے ذمہ دار ہیں۔ اب اگر بالفرض دوسرا جہاد کیلئے نہیں نکلتا تو آپ فکر نہ کریں کیونکہ آپ کا کام صرف ترغیب دینا ہے اگر کوئی نہ جائے تو آپ بری الذمہ ہیں اور آپ تنہا جانے کی بھی فکر نہ کریں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ روک دے اور ان کو مرعوب و مغلوب کر دے اور آپ کو تنہا ہی کامیاب کر دے۔

وَاللهُ أَشَدُّ :دلیل کامیابی :اس کے بعد کامیابی کی دلیل بیان فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ کی مدد آپ کے ساتھ ہے جس کی قوت جنگ اور زور جنگ کافروں سے بدرجہا زیادہ ہے تو پھر کامیابی بھی یقیناً آپ ہی کی ہے اور وہ سزا دینے میں بھی سخت ہے خواہ دنیا میں ہو یا قیامت میں۔

﴿۸۵﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً ...الخ ربط آیات: گزشتہ آیات میں جہاد کی ترغیب تھی اب ان آیات میں سفارش کے متعلق ایک قانون بیان فرماتے ہیں کہ جو شخص عمدہ سفارش کرے (مثلاً شرکت جہاد کی ترغیب دے) اس کو اس میں حصہ ملے گا یعنی اس کو بھی اسی قدر ثواب ملے گا جس قدر اس پر عمل کرنے والوں کو اور جو کوئی بری سفارش کرے مثلاً لوگوں کو جہاد سے روکے اور

ان کو جہاد میں جانے سے ڈرائے تو اس کو گناہ میں سے حصہ ملے گا۔

سفارش کی حقیقت :حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں کہ اس آیت میں شفاعت یعنی سفارش کو اچھی اور بری قسموں میں تقسیم فرما کر اس کی حقیقت کو بھی واضح کر دیا اور یہ بھی بتلا دیا کہ نہ ہر سفارش بری ہے اور نہ ہر سفارش اچھی ہے۔شفاعت کے لفظی معنی ہیں کسی کمزور طالب حق کے ساتھ اپنی طاقت ملا کر اس کو قوی کر دیا جائے۔اس سے معلوم ہوا کہ جائز شفاعت و سفارش کے لئے ایک تو یہ شرط ہے کہ جس کی سفارش کی جائے اس کا مطالبہ حق اور جائز ہو۔دوسری یہ ہے کہ اپنے مطالبے کو بوجہ کمزوری خود بڑے لوگوں تک نہیں پہنچا سکتا، آپ پہنچا دیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ خلاف حق سفارش کرنا یا دوسروں کو اس کے قبول پر مجبور کرنا شفاعت سیئہ یعنی بری سفارش ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سفارش میں اپنے تعلق یا وجاہت سے طریقہ دباؤ اور اجبار کا استعمال کیا جائے تو وہ ظلم ہونے کی وجہ سے جائز نہیں اس لئے وہ بھی شفاعت سیئہ میں داخل ہے۔ (معارف القرآن،ج:۲،ص۔۴۹۷)

ووٹ کی شرعی حیثیت

اسمبلیوں اور کونسلوں وغیرہ کے انتخاب میں کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی شہادت ہے جس میں ووٹ دہندہ کی طرف سے اس کی گواہی ہے کہ ہمارے نزدیک یہ شخص اپنی استعداد اور قابلیت کے اعتبار سے دین اور امانت کے اعتبار سے بھی قومی نمائندہ بننے کے قابل ہے قرآن کریم کی رو سے یہ ایک سفارش بھی ہے اور شرعی حیثیت سے وکالت بھی ہے اس لئے اگر کسی نااہل کو اپنی نمائندگی کے لئے ووٹ دیکر کامیاب بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اس کی گردن پر رہے گا اگر کسی نااہل کو ووٹ دے گا تو یہ جھوٹی شہادت بھی ہے اور حقوق مشترکہ میں ناجائز وکالت بھی اور اس کے تباہ کن ثمرات بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھیں جائیں گے اس لئے ہر مسلمان ووٹر پر فرض ہے کہ ووٹ دینے سے پہلے اس کی پوری تحقیق کرلے کہ جس کو ووٹ دے رہا ہے وہ کام کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں اور دیانت دار ہے یا نہیں؟ محض غفلت اور بے پرواہی سے بلا وجہ ان عظیم گناہوں کا مرتکب نہ ہو۔

(ملخص معارف القرآن:ص:۲۷،ج۔۳)

﴿۸۶﴾ وَإِذَا حُيِّيتُمْ : تعلیم سلام اور طریق جواب سلام۔ ربط آیات : گزشتہ آیات میں شفاعت حسنہ کا ذکر تھا اب شفاعت حسنہ میں تحیہ اور دعا کا ذکر ہے۔

تحیہ کے لغوی معنی دعا حیات کے ہیں زمانہ اسلام سے پہلے عرب میں یہ رواج تھا کہ جب دو آدمی آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو "حیاك الله" کہتے یعنی اللہ تعالیٰ تجھ کو زندہ رکھے، یہ دعا ان کے یہاں تحیہ کہلاتی تھی شریعت اسلام نے اس دعا کو لفظ السلام علیکم سے بدل دیا اور تحیہ اسلام اس کا نام رکھا۔(مدارک،ص:۸۰۳،ج:۱، کبیر،ص:۱۶۱،ج:۳، مظہری،ص:۱۷۳،ج۔۲)

اس آیت میں اسلامی تحیہ "السلام علیکم" مراد ہے۔ (معالم التنزیل،ص:۶۴۳،ج۔۱)

نوٹ:السلام علیکم کی ابتداء کی وجہ سورہ بقرہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ میں گزر چکی ہے۔

﴿۸۷﴾ اللهُ لَآ إِلٰهَ ...الخ اساس دین حصر الالوہیت باری تعالیٰ۔ لَا رَيْبَ فِيهِ : تذکیر بما بعد الموت :یعنی قیامت کا آنا اور ثواب وعقاب سب برحق ہے اس میں کسی قسم کا تخلف نہ ہوگا۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ

پس کیا ہو گیا ہے تمہیں (اے اہل ایمان) منافقوں کے بارے میں کہ تم دو گروہ ہو گئے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو الٹ دیا ہے ان کے اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے کمائے ہیں کیا تم چاہتے ہو کہ

تَهۡدُوۡا مَنۡ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِيۡلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوۡا لَوۡ

راہ راست پر لاؤ ان کو جنہیں اللہ نے گمراہ کر دیا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کرے پس ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لیے راستہ ﴿۸۸﴾ یہ تو چاہتے ہیں (پسند کرتے ہیں) کہ

تَكۡفُرُوۡنَ كَمَا كَفَرُوۡا فَتَكُوۡنُوۡنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ اَوۡلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوۡا

تم بھی کفر کرو جیسا کہ انہوں نے کفر کیا اور ہو جاؤ تم برابر (سو تمہیں یہ حکم دیا جاتا ہے اے اہل ایمان) نہ بناؤ ان میں سے کسی کو اپنا ساتھی یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں

فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ وَجَدْتُّمُوۡهُمۡ ۖ وَلَا

اللہ کے راستے میں اور اگر وہ روگردانی کریں پس ان کو پکڑو اور مارو جہاں بھی ان کو پاؤ اور نہ

تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ۙ ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيۡنَ يَصِلُوۡنَ اِلٰى قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ

بناؤ ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار ﴿۸۹﴾ مگر وہ لوگ جو ملتے ہیں ان لوگوں سے کہ تمہارے اور ان کے درمیان

مِّيۡثَاقٌ اَوۡ جَآءُوۡكُمۡ حَصِرَتۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَنۡ يُّقَاتِلُوۡكُمۡ اَوۡ يُقَاتِلُوۡا قَوۡمَهُمۡ ؕ

عہد و پیمان ہے یا وہ لوگ جو تمہارے پاس اس حال میں آتے ہیں کہ ان کے دل تنگ ہیں تمہارے ساتھ لڑنے سے یا اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے

وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمۡ عَلَيۡكُمۡ فَلَقٰتَلُوۡكُمۡ ۚ فَاِنِ اعۡتَزَلُوۡكُمۡ فَلَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ

اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا پس وہ تم سے لڑتے ہیں اگر وہ الگ رہیں تم سے اور تم سے نہ لڑیں

وَاَلۡقَوۡا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سَبِيۡلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوۡنَ اٰخَرِيۡنَ

اور تمہاری طرف صلح کی پیشکش ڈالیں تو پس نہیں بنایا اللہ نے تمہارے لیے ان پر کوئی راستہ ﴿۹۰﴾ تم پاؤ گے کچھ اور لوگوں کو

يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّاۡمَنُوۡكُمۡ وَيَاۡمَنُوۡا قَوۡمَهُمۡ ؕ كُلَّمَا رُدُّوۡۤا اِلَى الۡفِتۡنَةِ اُرۡكِسُوۡا فِيۡهَا ۚ

کہ وہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں (لیکن وہ ایسے ہیں) کہ جب بھی ان کو پلٹایا جاتا ہے فتنے کی طرف تو اس طرف پلٹا دیے جاتے ہیں،

فَاِنۡ لَّمۡ يَعۡتَزِلُوۡكُمۡ وَيُلۡقُوۡۤا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ

پس اگر یہ تم سے الگ نہ رہیں اور تمہاری طرف صلح کی پیشکش نہ کریں اور اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں پس پکڑو ان کو اور مارو ان کو جہاں بھی پاؤ

حَيۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ ؕ وَاُولٰٓـئِكُمۡ جَعَلۡنَا لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ﴿۹۱﴾

اور یہی لوگ ہیں کہ ہم نے بنایا ہے تمہارے لیے ان کے اوپر کھلا غلبہ ﴿۹۱﴾

﴿۸۸﴾ فَمَا لَكُمۡ فِى الۡمُنٰفِقِيۡنَ ۔۔۔الخ منافقوں کے ساتھ معاملہ۔ ربط آیات : گزشتہ آیات میں منافقین کے احوال کا ذکر تھا اب ان آیات میں کفار کے تین اقسام اور ان کے ساتھ سلوک کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ۱۲ کفار کے تین اقسام۔ ماخذ آیات ۸۸ تا ۹۱ +

تمہید ❶ جو ہجرت پر قدرت رکھنے کے باوجود ہجرت نہ کریں یا کرنے کے بعد دارالاسلام سے دارالحرب کی طرف منتقل ہو جائیں۔
❷ مسلمانوں سے جنگ نہ کرنے کا خود معاہدہ کر لیں یا معاہدہ کرنے والوں سے معاہدہ کر لیں۔
❸ عیار و چالاک قوم جو وقتی صلح کر لیں جب مسلمانوں کے خلاف جنگ کا اعلان اور دعوت دی جائے تو شرکت کریں اور اپنے عہد پر قائم نہ رہیں۔ پہلی اور تیسری قسم کا حکم عام کفار جیسا ہے یعنی قتال اور دوسری قسم کا حکم مصالحت کی صورت میں عدم قتال ہے۔ واللہ اعلم

قسم اول۔ منافقین و مرتدین کا بیان :شان نزول: مشرکین مکہ میں سے کچھ لوگ مدینہ طیبہ آئے اور یہ ظاہر کیا کہ ہم مسلمان اور مہاجر ہو کر آئے ہیں کچھ دن مدینہ طیبہ میں مقیم رہے پھر مدینہ کی آب و ہوا کے موافق نہ آنے کا عذر کر کے آنحضرت ﷺ سے اجازت مانگی کہ یا رسول اللہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم جنگل میں جا کر رہیں یہاں کی آب وہوا ہم کو موافق نہیں آپ نے ان کو اجازت دے دی یہ بہانہ کر کے جب مدینہ سے باہر نکل گئے تو منزل بہ منزل کوچ کرتے ہوئے مشرکین مکہ سے جا ملے اور گھر پہنچ کر آنحضرت ﷺ کو ایک جھوٹ موٹ خط لکھا کہ آپ ہماری طرف سے کچھ خیال نہ کریں ہم آپ کے دین پر ہیں اور ہم مدینہ کی آب وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے اپنے وطن مکے چلے آئے ہیں یہ حال سن کر مسلمان ان کے ایمان و کفر میں اختلاف کرنے لگے، بعض نے کہا یہ منافق ہیں ہم ان کو قتل کریں گے اگر وہ ہماری طرح مسلمان ہوتے تو مصائب پر صبر کرتے اور ہجرت کو ترک کر کے واپس نہ ہوتے اور بعض نے کہا ایسا نہیں وہ مسلمان ہیں ہم کو ان سے بدگمانی نہیں کرنی چاہئے جب تک ہم پر ان کا پورا حال نہ کھل جائے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کا کفر اور نفاق ظاہر کر دیا اور ارشاد فرمایا اے مسلمانوں! ان منافقوں کے بارے میں دو گروہ کیوں بن گئے ہو یہ لوگ تو پکے کافر ہیں کہ تم کو بھی کافر اور گمراہ بنانے کی فکر میں ہیں۔

(تفسیر قرطبی: ج:۵: ص:۲۹۳: کبیر: ص:۱۶۸: ج:۳، روح المعانی: ج:۵: ص۔۱۴۰)

الغرض اللہ پاک نے فرمایا تمہیں ذوجہین کفار کے متعلق اختلاف رائے نہیں کرنا چاہئے۔

﴿۸۹﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ الخ کفار کی تمنا۔ فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ :دوستی کی ممانعت: خواہ مشرکین ہوں یا منافقین، زندیق اور ملحدین سے یعنی وہ تمہیں اپنے جیسا کافر بنانا چاہتے ہیں۔ (کبیر ص:۱۷۰: ج۔۴) حَتّٰى يُهَاجِرُوْا الخ تکمیل اسلام :ہجرت کے ساتھ ساتھ مسلمان ہونا ضروری ہے۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ الخ قسم اول سے قتال کا حکم۔

﴿۹۰﴾ قسم دوم۔ عہد و پیمان والوں کا بیان۔ شان نزول :آنحضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ تشریف لے جانے سے قبل ہلال بن عویمر اسلمی سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ نہ آپ کے مدد دے گا اور نہ آپ کے مقابلے میں کسی کو مدد دے گا اور جو شخص ہلال کے پاس چلا جائے اور اس کی پناہ پکڑے تو اس کو ہماری طرف سے ایسی ہی پناہ ہو گی جیسے خود ہلال کو خواہ وہ شخص اس کی اپنی قوم کا ہو یا کسی غیر قوم کا اس پر یہ آیتیں "وَلَا تَتَّخِذُوْا الی فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا" نازل ہوئیں۔ (قرطبی: ج:۳: ص: ۲۹۵: کبیر: ص:۱۷۱: ج۔۴)

يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ :طریق نجات ❶ ایسے لوگوں سے جا ملتے ہیں کہ تمہارا اور ان کے درمیان صلح ہے تو ان کے عہد بھی اس استثناء میں داخل ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ منافق قتل اور قید سے مستثنیٰ رہیں گے۔ اَوْ جَآءُوْكُمْ :طریق نجات ❷ یعنی جو کافر اور منافق ایسے ہوں کہ نہ تو اپنی قوم کے ساتھ مل کر تم سے لڑیں اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں بلکہ غیر جانبدار رہیں تو ان لوگوں کو بھی قتل مت کرنا۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ :احسان خداوندی :اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ باوجود قوت و قدرت کے ان کے دلوں کو تم سے جنگ کرنے سے تنگ کر دیئے اور تمہیں پریشانی سے بچا لیا ہے۔ الغرض خواہ وہ صلح کا بالواسطہ یا بلا واسطہ کا خواستگار ہو تو وہ حکم

اخذ اور قتل سے مستثنیٰ ہے کیونکہ ان کا غیر جانبدار رہنا ان کے امن پسندی کی واضح دلیل ہے۔

﴿۹۱﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ... الخ قسم سوم۔ عیار و چلاک قوم کا بیان۔

شانِ نزول: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت اسد اور غطفان کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ جب مدینہ آتے تو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تا کہ ان کو مسلمانوں سے کسی قسم کی مضرت نہ پہنچے اور جب اپنی قوم میں جاتے تو کفر کا اظہار کرتے اور ان جیسی کہتے تا کہ ان سے بھی امن رہے اور جب ان کی قوم کا کوئی آدمی پوچھتا کہ تم کس چیز پر ایمان لائے ہو تو کہتے ہم بندر اور ریچھ پر ایمان لائے آیت میں اسی گروہ کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ (قرطبی: ج:۵: ص:۲۹۲: بحوالہ معارف القرآن: ص:۲۷۷: ج:۲: مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ)

فَخُذُوْهُمْ الخ قسم سوم سے قتال کا حکم۔ تو ایسے لوگوں سے تم درگزر مت کرو تمہارے ہاتھ صریح بات آگئی کہ انہوں نے اپنا عہد خود توڑ ڈالا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ

اور نہیں لائق کسی مومن کے لئے کہ وہ قتل کرے کسی مومن کو مگر غلطی سے اور جس شخص نے قتل کر لیا مومن کو غلطی سے (پس اس کے لئے کفارہ ہے)

رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۚ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ

ایک مومن غلام کو آزاد کرنا اور خون بہا جو پہنچا دیا جائے مقتول کے گھر والوں تک مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں اگر وہ (مقتول) اس قوم سے ہے جو تمہاری دشمن

لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

ہے اور وہ (مقتول) مومن ہے (تو پھر بھی یہی کفارہ ہے) کہ ایک مومن غلام کو آزاد کرنا اور اگر مقتول اس قوم سے ہے کہ تمہارے اور ان کے درمیان

مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

عہد و پیماں تو خون بہا جو پہنچایا جائے گا اس کے گھر والوں تک اور ایک مومن غلام کا آزاد کرنا بھی (ضروری ہوگا کفارہ میں) پس جس نے نہ پایا (مومن غلام تو اس

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا

کے لیے متبادل صورت یہ ہے) روزے رکھے دو مہینے کے مسلسل یہ ہے توبہ اللہ کی جانب سے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے ﴿۹۲﴾ اور جو شخص کسی مومن کو

مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ

جان بوجھ کر قتل کرے گا پس اس کی سزا جہنم ہے اس میں ہمیشہ رہنے والا ہوگا اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اس پر لعنت ہوگی اور تیار رکھا ہے اس کے لیے

عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا

بہت بڑا عذاب ﴿۹۳﴾ اے ایمان والو جب تم سفر کرو اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کیلئے) پس پوری طرح تحقیق کر لیا کرو اور نہ کہو اس شخص کے لئے

لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ

جو تمہاری طرف سلام ڈالتا ہے کہ تو مومن نہیں ہے کیا تم تلاش کرتے ہو دنیا کی زندگی کا سامان پس اللہ کے ہاں

مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۚ كَذَٰلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

بہت سی غنیمتیں اس سے پہلے تم بھی اس طرح تھے پس اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے پس خوب تحقیق کر لیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ

بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٤﴾ لَّا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ

جو کچھ تم کام کرتے ہو اس کی خبر رکھنے والا ہے ﴿۹۴﴾ نہیں برابر وہ لوگ جو بیٹھنے والے ہیں ایمانداروں میں سے جن کو کوئی عذر نہیں

وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ

اور وہ جو جہاد کرتے ہیں اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ سوائے ان لوگوں کے جو عذر والے ہیں اللہ نے فضیلت بخشی ہے جہاد کرنے والوں کو

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَ

اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ بیٹھنے والوں کے مقابلہ میں درجے کے اعتبار سے اور ہر ایک سے وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا اور

فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً

اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی ہے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں کے مقابلے میں بہت بڑے اجر کی ﴿۹۵﴾ یہ درجے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور بخشش

وَرَحْمَةً ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٩٦﴾

اور مہربانی ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا مہربان ہے ﴿۹۶﴾

﴿۹۲﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ ... الخ ربط آیات : پہلے کفار سے جہاد کرنے کا ذکر تھا کہ ان کو قتل کرو، اب ذکر ہے کہ مؤمن کو قتل نہ کرو مگر خطاً مار ڈالو تو اس کے متعلق احکامات ہیں۔

خلاصہ رکوع ۱۳ قتل مؤمن خطاء کی تین صورتیں مع کفارہ، عدم مؤمن کی متبادل صورت، قتل عمد کی سزا، قتال میں تحقیق کا حکم، تنبیہ۔ ۱، ۲ صحابہ رضی اللہ عنہم پر احسان خداوندی، مجاہدین کی دو قسمیں۔ ❶ قاعد۔ ❷ مجاہد، مجاہد اور قاعد کے لئے وعدہ حسنیٰ، اجر عظیم اجمالی کی تفصیل۔ ماخذ آیات: ۹۲: تا ۹۶ +

قتل خطاء کی تعریف مع کفارہ : قتل خطاء کہتے ہیں جیسے کسی مسلمان کو حربی سمجھ کر قتل کر دینا یا کسی جانور پر گولی چلائی اور وہ کسی مسلمان کو جا لگی، یا کسی آدمی کو دور سے شکار سمجھ کر اس پر گولی چلا دی یہ سب شکلیں قتل خطاء کو شامل ہیں۔ اس آیت میں قتل مؤمن خطاء کی تین صورتیں مذکور ہیں:

اول : یہ کہ جس مسلمان کو غلطی سے مارا گیا اس کے وارث مسلمان ہیں تو اس صورت میں دیت اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔

دوم : یہ کہ اس مسلمان مقتول کے وارث ایسے کافر ہیں جن سے تمہارا کوئی عہد و پیمان ہے تو اس صورت میں بھی دیت (خون بہا) اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔

سوم : یہ کہ اس مسلمان مقتول کے وارث ایسے کافر ہیں جن سے تمہاری دشمنی ہے تو اس صورت میں صرف کفارہ واجب ہوگا اور دیت دینا لازم نہ ہوگا۔ (معارف القرآن، ج ۲، ص۔ ۲۸۴)

فائدہ : اس آیت میں قتل خطاء کے دو حکم مذکور ہیں:

❶ ایک مسلمان غلام یا باندی آزاد کرنا دوسرے خون بہادینا جس کو دیت کہتے ہیں۔
❷ یہ دیت مقتول کے ورثاء پر تقسیم کی جاتی ہے اور شرعی حصوں کی طرح تقسیم ہوتی ہے ہاں اگر مقتول کے وارث بعض یا کل رقم معاف کر دیں یا بعض وارث اپنا حصہ معاف کر دیں تو معاف ہو جاتی ہے۔
❸ دیت میں اگر اونٹ دیئے جائیں تو سو اونٹ ہیں، اگر نقدی دیا جائے تو ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہیں۔
❹ سو اونٹ جو دیت میں دیئے جائیں گے وہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک عمر کے نہ ہونگے بلکہ پانچ قسم کی عمر کے ہوں گے، جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:
بیس جذعہ۔ بیس حقہ۔ بیس بنت لبون۔ بیس بنت مخاض۔ اور بیس ابن مخاض۔
جذعہ: وہ اونٹ ہے جو چار سال پورے کر کے پانچویں سال میں جا رہا ہو۔
حقہ: وہ اونٹ ہے جو تین سال پورے کر کے چوتھے سال میں جا رہا ہو۔
بنت لبون: وہ اونٹ ہے جو دو سال پورے کر کے تیسرے سال میں جا رہا ہو۔
بنت مخاض: وہ اونٹ ہے جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں جا رہا ہو۔ نر اور مادہ کے فرق سے پانچویں قسم ابن مخاض ہے۔ احناف کے نزدیک عورت کی دیت مرد سے نصف ہے اور مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے۔
مزید معلومات کے لئے کتب فقہ کی طرف مراجعت کریں۔
فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ: عدم غلام مؤمن کی متبادل صورت۔ دو ماہ مسلسل روزے رکھے۔
﴿۹۳﴾ وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا ...الخ قتل عمد کی سزا: اس آیت میں جو حکم مذکور ہے وہ اس شخص کے لئے ہے جو شخص جان بوجھ کر بلا وجہ کسی مؤمن کو مار ڈالے اور پھر بغیر توبہ کے مر جائے تو وہ طویل مدت تک دوزخ میں رہے گا اس لئے کہ توبہ سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کے کفر و شرک بھی معاف ہو جاتا ہے۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک خلود اس کے لئے ہے جو مسلمان کے قتل کو حلال سمجھے کیونکہ اس کے کفر میں شک نہیں یا خلود سے مراد یہ ہے کہ مدت دراز تک جہنم میں رہے گا یا وہ شخص مستحق تو اسی سزا کا ہے آگے اللہ پاک جو چاہے کرے۔ (تفسیر عثمانی: ص۔ ۱۲۰)
مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں خلود سے طویل مدت تک دوزخ میں رہنا مراد ہے کافروں کی طرح غیر محدود اور ابدی طور پر رہنا مراد نہیں اس لئے کہ احادیث متواترہ سے یہ امر ثابت ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو گا وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا اور اسی پر تمام سلف و خلف کا اجماع ہے۔ قاتل کے خلود اور کافر کے خلود میں فرق ہے، کافر کا خلود ابدی ہے اسی وجہ سے قرآن کریم میں کافروں کے خلود کے ساتھ "ابدا" کا لفظ آیا ہے اور قاتل کا خلود غیر ابدی ہے۔ (معارف القرآن: ج:۲: ص۔ ۲۸۶)

علامات اسلام کافی ہیں

﴿۹۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا الخ قتال میں تحقیق کا حکم: اس آیت میں مسلمان اور کافر کے امتیاز کا قانون بتلایا جاتا ہے ورنہ قتل ناحق کی ایک یہ صورت بھی نکل آتی کہ صاحب ہم نے اس کو مسلمان نہیں سمجھا تھا اس لئے قتل کر دیا۔ لہذا حکم ہے کہ جو شخص تم پر اسلامی سلام کہہ دے وہ پورا مسلمان ہے اس کے اندرونی عقائد جانچنے کی تمہیں ضرورت نہیں۔
اس آیت کے نزول کے اسباب کے کچھ ایسے واقعات ہیں جن میں بعض صحابہ کرام سے اس بارہ میں لغزش ہو گئی تھی۔ چنانچہ

ترمذی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ قبیلہ بنو سلیم کا ایک آدمی صحابہ کرام کی ایک جماعت سے ملا جب کہ یہ حضرات جہاد کے لئے جارہے تھے، یہ آدمی اپنی بکریاں چرارہا تھا، اس نے حضرات صحابہ کرام کو سلام کیا، جو عملاً اس چیز کا اظہار تھا کہ میں مسلمان ہوں صحابہ کرام نے سمجھا کہ اس وقت اس نے محض اپنی جان و مال بچانے کے لئے یہ فریب کیا ہے کہ مسلمانوں کی طرح سلام کرکے ہم سے بچ نکلے۔ چنانچہ انہوں نے اس کو قتل کردیا اور اس کی بکریوں کو مال غنیمت قرار دے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو شخص آپ کو اسلامی طرز پر سلام کرے تو بغیر تحقیق کے یہ نہ سمجھو کہ اس نے فریب کی وجہ سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا ہے، اور اس کے مال کو مال غنیمت سمجھ کر حاصل نہ کرو۔ (ابن کثیر: ج ۲: ص۔۸۵۱)

وَلَا تَقُوْلُوْا: تنبیہ۔ ❶ تَبْتَغُوْنَ: تنبیہ۔ ❷ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ: صحابہ پر احسان خداوندی۔

مواعظ و نصائح

بہادر خراب سے خراب حالات میں بھی مسکراتا رہتا ہے: بہادر اس کو کہیں گے جو اپنے جذبات پر قابو رکھتا ہے اور خراب سے خراب حالات میں بھی مسکراتا رہتا ہے۔

ایک بدو کی آپ ﷺ سے کیفیت: ایک روز حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ کہیں جارہے تھے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے جس کی موٹی گوٹ تھی۔ ایک بدو نے آپ کو دیکھا تو وہ بھی پیچھے ہولیا۔ وہ تیز قدم چل رہا تھا تاکہ آپ سے جاملے۔ جب وہ آپ کے قریب پہنچ گیا تو اس نے آپ کی چادر زور سے کھینچی۔ اس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی گردن پر اس کی رگڑ لگی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کی گردن دیکھی تو بدو نے جو زور سے چادر کھینچی تھی اس کی گوٹ سے آپ کی گردن پر سرخ نشان پڑ گیا تھا۔

آخر یہ شخص چاہتا کیا تھا؟ کیا اس کے گھر کو آگ لگ گئی تھی جس کو جلدی بجھانے کے لیے آپ کی مدد طلب کرنے آیا تھا یا مشرک دشمنوں نے اس کے گھر اور بستی پر حملہ کردیا تھا جس کی مدافعت کے لیے دوڑا دوڑا آپ سے مدد مانگنے آیا تھا۔

ذرا سنیئے، وہ کیا طلب کرنے آیا تھا۔ کہنے لگا: "اے محمد!" (دیکھئے اس نے "یارسول اللہ!" نہیں کہا)۔

کہنے لگا: "اے محمد! تمہارے پاس جو اللہ کا مال ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی دلواؤ۔" رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور ہنسے۔ پھر اس کو بیت المال میں سے کچھ دینے کا حکم فرمایا۔ جی ہاں! رسول اللہ ﷺ بڑے دل والے تھے اور اس قسم کی حرکتوں سے مشتعل نہیں ہوتے تھے۔ نہ بدلہ لیتے تھے اور نہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں سے آپ کو غصہ آتا تھا۔ بلکہ آپ نرم دل ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اعصاب اور جذبات کو قابو میں بھی رکھتے تھے۔

خراب سے خراب حالات میں بھی آپ مسکراتے رہتے تھے۔ اور ہر قدم اٹھانے سے پہلے اس کے نتائج پر غور فرمالیتے تھے۔ مثلاً اسی موقع پر اگر آپ اس بدو پر غصہ سے چیختے یا اس کو دھکا دیتے تو کیا فائدہ ہوتا۔ کیا اس سے آپ کی گردن پر جو کھرینچ لگی تھی وہ ٹھیک ہوجاتی، یا وہ شخص تمیز اور آداب سیکھ لیتا؟ ہرگز نہیں۔ لہٰذا ایسے موقع پر صبر و برداشت سے کام لینا ہی بہتر طریقہ ہے۔

جی ہاں! بعض ایسے امور جن پر ہمیں غصہ اور جوش آجاتا ہے ان کا علاج اور اصلاح کرنے کا دوسرا طریقہ بھی ہے۔ ان کی اصلاح نرمی، مسکراہٹ اور ضبط و تحمل سے بھی ہوسکتی ہے۔ حسن ظن سے کام لے کر اور لوگوں کے دل جیت کر بھی یہ کام ہوسکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے کتنی سچی بات فرمائی ہے: "بہادر پہلوان وہ نہیں ہے جو کسی کو کشتی میں پچھاڑ دے، بلکہ بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔" نبی اکرم ﷺ مسکراہٹ اور خوش روئی سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرلیتے تھے۔

غزوہ خیبر کے موقع پر تھیلا حضرت عبداللہؓ کو دے دیا

غزوہ خیبر کے موقع پر جنگ کے دوران یہودیوں کے قلعہ سے ایک بڑا تھیلا گرا جس میں چربی بھری ہوئی تھی۔ اس کو حضرت عبداللہ بن مغفلؓ نے اٹھالیا اور اس کو خوشی خوشی اپنے کاندھے پر ڈال کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے ٹھکانے کی طرف جانے لگے۔ جو شخص مال غنیمت جمع کرنے کا ذمہ دار تھا وہ آیا اور اس تھیلے کو اپنی طرف لے جانے لگے۔ اور اس تھیلے کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہنے لگا: ''لاؤ یہ مجھے دے دو تاکہ ہم اسے سب مسلمانوں میں تقسیم کرسکیں۔''

حضرت عبداللہؓ نے اس تھیلے کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور کہنے لگے: ''نہیں واللہ! یہ میں تمہیں نہیں دوں گا۔ اس کو میں نے زمین سے اٹھایا ہے۔'' دونوں میں کھینچا تانی ہونے لگی۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ وہاں سے گزرے تو دونوں کو تھیلے پر کھینچا تانی کرتے دیکھا۔ آپ مسکرائے اور مال غنیمت جمع کرنے والے سے فرمایا کہ ''یہ تھیلا انہی کو لینے دو'' اس نے وہ تھیلا حضرت عبداللہؓ ہی کو دے دیا۔ حضرت عبداللہؓ وہ تھیلا لے کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے ٹھکانے پر آئے اور سب نے مل کر اس کو کھایا۔ آخر میں یہی کہوں گا کہ ''اپنے بھائی کو دیکھ کر مسکرانا بھی صدقہ ہے نہ کہ اس کو جان سے مار ڈالنا۔''

﴿۹۵﴾ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ... الخ مجاہدین کی دو قسمیں ❶ مجاہد مؤمن بلا عذر بیٹھنے والے۔ ❷ میدان جنگ میں مال و جان سے جہاد کرنے والے دوسری قسم والے بنسبت پہلی قسم سے افضل ہیں۔

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ: مجاہد اور قاعد دونوں کے لیے وعدہ حسنیٰ: جنت و مغفرت دونوں کو حاصل ہوگی مگر فرق درجات کا ہوگا۔

اقسام جہاد: ❶ فرض کفایہ۔ ❷ فرض عین۔ فرض کفایہ: کا مطلب یہ ہے کہ جس کی ادائیگی ہر فرد مسلم پر ضروری نہ ہو بلکہ بعض افراد کا کر لینا کافی ہو، اس میں عموماً قومی اور اجتماعی کام داخل ہیں مثلاً نماز جنازہ، تعلیم و تبلیغ وغیرہ۔

فرض عین: جب کچھ لوگ جہاد اسلام کے لئے کافی نہ ہوں مزید کمک کی ضرورت ہو تو اول قرب و جوار کے مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے اور اگر وہ بھی کافی نہ ہوں تو پھر مغرب و مشرق کے تمام مسلمانوں پر فرض عین ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: لنگڑے، لولے، (یعنی جو ہاتھ پاؤں سے معذور) اندھے، بیمار اور دیگر معذور شرعی لوگوں پر جہاد فرض نہیں ہے۔

(معارف القرآن: ۵۲۴، ج: ۲، م، ش، د)

مسئلہ: شامی میں لکھا ہے کہ فرائض کی پابندی جہاد سے افضل ہے مگر یہ کہ جہاد فرض عین ہو جائے۔

بخاری و مسلم کی روایت ہے، پوچھا: ''اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟ قَالَ الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ ثُمَّ الصَّلٰوةُ فِيْ وَقْتِهَا ثُمَّ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' اگر جہاد فرض کفایہ ہو تو والدین کی اجازت کے بغیر جانا حرام ہے۔

﴿۹۶﴾ اجر عظیم کی اجمالی تفصیل۔ ان مخلصین و مجاہدین میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کارکردگی کے لحاظ سے درجات مغفرت اور رحمت عطا فرمائے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا

بے شک وہ لوگ جن کو فرشتے وفات دیتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر زیادتی کرتے ہیں (فرشتے) کہتے ہیں کہ تم کس بات میں تھے، وہ کہتے ہیں کہ ہم

مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ

زمین میں کمزور تھے، (فرشتے) کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے

فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ

پس یہی لوگ ہیں کہ جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بہت بری جگہ ہے لوٹنے کی ﴿۹۷﴾ مگر وہ لوگ جو کمزور ہیں مردوں،

وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ

عورتوں اور بچوں میں سے جو نہیں طاقت رکھتے کسی تدبیر کی اور وہ نہیں راہ پاتے ﴿۹۸﴾ پس یہ لوگ ہیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ

اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ

ان کو معاف کرے گا اور اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا اور بخشش کرنے والا ہے ﴿۹۹﴾ اور جو شخص ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں وہ پائے گا

فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ

زمین میں بہت سی جگہ اور وسعت اور جو شخص نکلے گا اپنے گھر سے ہجرت کرتے ہوئے اللہ اور

رَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾

اس کے رسول کی طرف پھر پالے اس کو موت؛ پس بے شک واقع ہوگیا اللہ پر اس کا اجر اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا مہربان ہے ﴿۱۰۰﴾

﴿۹۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ... الخ ربط آیات: اوپر جہاد کی ترغیب اور مجاہدین کے نتائج کا ذکر تھا اب آگے ہجرت کی فرضیت اور ترک ہجرت پر وعید ہے۔

خلاصہ رکوع ۱۴ ہجرت، مکالمہ ملائکہ، جواب مکالمہ از تارکین ہجرت، تنبیہ ملائکہ، نتیجہ ترک ہجرت، استثناء معذورین، نتیجہ معذورین، ترغیب ہجرت وتسلی، سعادتدارین۔ ۱۔ ۲ ماخذ آیات ۹۷: تا ۱۰۰+

اِنَّ الَّذِيْنَ الخ ہجرت کی فرضیت اور ترک ہجرت پر وعید۔ قَالُوْا فِيْمَ: فرشتوں کا مکالمہ۔ قَالُوْا كُنَّا: جواب مکالمہ از تارکین ہجرت۔ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ: فرشتوں کی تنبیہ فَاُولٰٓئِكَ: نتیجہ ترک ہجرت۔

فائدہ: ۱ اس سورۃ کے بارہویں رکوع آیت ۸۹: میں ہجرت کی فرضیت کا بیان ضمناً ہوا تھا۔ یہاں شروع کی آیت میں جو ڈانٹ اور سزا کا ذکر ہے تو اس فرض کے ترک پر ہے۔

ہجرت کی تعریف: لغت میں ہجرت، ہجران اور ہجر کے معنی کسی چیز سے بیزار ہو کر اس کو چھوڑ دینا، اور محاورات عامہ میں ہجرت کا لفظ ترک وطن کرنے کے لئے بولا جاتا ہے، اصطلاح شرح میں دار الکفر کو چھوڑ کر دار الاسلام میں چلے جانے کو ہجرت کہتے ہیں (روح المعانی) اور حضرت ملا علی قاریؒ نے (شرح مشکوٰۃ مرقاۃ: ص ۳۹: ج ۱) میں لکھتے ہیں کہ کسی وطن کو دینی وجوہ کی بناء پر چھوڑ دینا بھی ہجرت میں داخل ہے۔

❷ اس آیت میں روح کو قبض کرنے کی نسبت فرشتوں کی طرف ہے، اور ان کیلئے جمع کا لفظ ذکر کیا ہے، جبکہ ایک اور مقام پر ہے "یَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ" کہ تمہاری جان ملک الموت قبض کرتا ہے اور ایک آیت میں ہے "اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ" کہ اللہ پاک جان کو قبض کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقی قابض تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ان کے ہی حکم سے سب کچھ ہوتا ہے اور ظاہراً قابض ملک الموت ہے کہ اللہ پاک کے حکم سے جان قبض کرتا ہے اور باقی دوسرے فرشتے ان کے معاون و مددگار ہیں۔

﴿۹۹،۹۸﴾ **استثناء معذورین اور ان کا نتیجہ**: وہ مسلمان مرد عورتیں اور بچے جو بیچارے بے بس ہوں اور سفر کی راہ نہ پائیں دار الکفر کو چھوڑ کر ہجرت نہ کرنے کے الزام سے بری ہیں امید ہے اللہ تعالیٰ معاف کر دے لیکن حیلہ بازوں کے لئے معافی کی کوئی صورت نہیں۔ ترک ہجرت کی وعید ایک بوڑھے نے سنی تو اپنے پوتوں سے کہا کہ مجھے چارپائی پر اٹھا کر لے جاؤ، انہوں نے کہا آپ اس سے مستثنیٰ ہیں "اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ" اس نے کہا تم مجھے چارپائی پر لے جاسکتے ہو لہٰذا اس کو لے گئے اس نے راستے میں وفات پائی۔

﴿۱۰۰﴾ **ترغیب ہجرت و تسلی**: یَجِدْ فِی الْاَرْضِ: سعادت دارین۔ ① مُرٰغَمًا: ظرف مکان کا صیغہ ہے بھاگنے کی جگہ، منتقل ہونے کی جگہ، مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لئے ہجرت کرتا ہے اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں اچھا ٹھکانا دیتے ہیں۔ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ: سعادت۔ ②

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ

اور جب تم زمین میں سفر کرو پس تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ کم کردو نماز میں سے اگر تم کو خوف ہو کہ

اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا كُنْتَ فِیْهِمْ

تم کو فتنہ میں ڈالیں گے کفر کرنے والے لوگ بیشک کفر کرنے والے تمہارے کھلے دشمن ہیں ﴿۱۰۱﴾ اور جب آپ ان میں موجود ہوں

فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْیَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا

اور آپ ان کے لیے نماز قائم کریں تو چاہئے کہ ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور وہ اپنے ہتھیار لے لیں پس جب

سَجَدُوْا فَلْیَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۪ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰی لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَكَ

وہ سجدہ کریں تو آپ کے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ آجائے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی پس وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں

وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ

اور لے لیں اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار پسند کرتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ کسی طرح تم کو غافل پائیں اپنے اسلحہ

وَاَمْتِعَتِكُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْكُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ

اور سامان سے پس حملہ کردیں تم پر یکبارگی حملہ کرنا اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تمہیں

اَذًی مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تکلیف ہو بارش کی وجہ سے یا تم بیمار ہو کہ تم اپنے ہتھیار اتار دو اور (ہر حالت میں) اپنے بچاؤ کا سامان اختیار کرو بیشک اللہ تعالیٰ نے

أَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى

کفر کرنے والوں کے لیے ذلت ناک عذاب تیار رکھا ہے ﴿۱۰۲﴾ پھر جب تم پورا کر چکو نماز کو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کھڑے ہونے کی حالت میں اور بیٹھنے کی حالت میں اور

جُنُوْبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

اپنی کروٹوں کے بل پر جب تم اطمینان کی حالت میں ہو جاؤ تو نماز کو قائم کرو (دستور کے مطابق) بے شک نماز ایمان والوں پر

كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ إِنْ تَكُوْنُوْا تَأْلَمُوْنَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُوْنَ كَمَا

فرض کی ہوئی ہے بقید وقت ﴿۱۰۳﴾ اور مت سستی کرو دشمن کا تعاقب کرنے میں اگر تم درد پاتے ہو پس بیشک وہ بھی درد پاتے ہیں جیسا کہ

تَأْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾

تم درد پاتے ہو اور تم امید رکھتے ہو اللہ سے اس چیز کی جس کی وہ امید نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ﴿۱۰۴﴾

﴿۱۰۱﴾ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ... الخ ربط آیات: اوپر جہاد اور ہجرت کا ذکر تھا دونوں میں سفر کی ضرورت ہوتی ہے یہاں سے اس کے احکامات کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ⑮: سفر میں نماز قصر کا حکم، صلوٰۃ خوف کا حکم مع طریقہ استحبابی عمل، علت، استحبابی حکم پر عمل نہ کرنے کی اجازت، تاکید برائے استحبابی عمل، حالت اقامت اور حالت امن میں نماز کا طریقہ، جہاد میں کم ہمتی کی ممانعت، یا اس میں فریقین کا تفاوت۔ ماخذ آیات ۱۰۱: تا ۱۰۴+

سفر میں نماز قصر کا حکم: فرمایا: جب تم زمین میں سفر کرو جس کی مقدار حدیث میں ذکر ہے کہ ایک جگہ پندرہ دن سے کم کے قیام کا ارادہ ہو تو تم مسافر ہو ظہر، عصر اور عشاء کی نماز کی رکعات میں چار کی جگہ دو پڑھا کرو۔

مسئلہ: کبیری میں ہے کہ حالت سفر میں فجر کی سنتیں ہر حال میں ضروری ہیں اور باقی سنتیں قرار کی حالت میں ہیں اضطرار کی حالت میں نہیں۔

مسئلہ: بعض لوگوں کو پوری نماز کی جگہ قصر رہنے میں دل میں گناہ کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے یہ صحیح نہیں اس لئے کہ قصر بھی شریعت کا حکم ہے جس کی تعمیل پر گناہ نہیں ہوتا بلکہ ثواب ملتا ہے۔ (معارف القرآن: ص ۵۳۴، ج ۲)

وطن اصلی اور وطن اقامت

وطن دو قسم کا ہوتا ہے: ❶ وطن اصلی: یہ تین طرح سے ہوتا ہے۔ ① جائے ولادت جب کہ آدمی وہاں رہتا بھی ہو۔ ② وہ جگہ جہاں آدمی نے سکونت اختیار کر لی ہو اور یہ ارادہ ہے کہ یہاں سے نہیں جائے گا۔ ③ جہاں اس کے اہل و عیال مستقل رہائش رکھتے ہوں۔

مسئلہ: ❶ اگر کسی شخص نے اپنا شہر بالکل چھوڑ دیا اور کسی دوسرے شہر میں اپنا گھر بنا لیا اور بیوی بچوں سمیت وہاں رہنے لگا اور شہر اور پہلے گھر سے کچھ مطلب نہیں رہا تو اب دوسرا شہر اس کا وطن اصلی بن گیا اور پہلا شہر اور پردیس برابر ہو گئے اس لئے اگر پہلے شہر میں جائے گا تو مسافر ہوگا۔

مسئلہ: ❷ اگر وطن اصلی سے اپنے اہل و عیال اور سامان سمیت کسی دوسرے شہر کو چلا گیا اور اس کو وطن بنا لیا لیکن

پہلے شہر میں اس کا گھر اور زمینیں باقی ہیں تو وہ وطن باقی نہیں رہے گا اس لئے کہ اعتبار اہل کا ہے نہ کہ جائیداد کا۔

مسئلہ: ③ ایک شخص لاہور کا رہنے والا ہے۔ لاہور میں اس کے اہل وعیال ہیں اس نے ملتان میں بھی ایک عورت سے نکاح کرلیا اور اس کو ملتان ہی میں رکھا تو یہ شخص جب بھی ملتان جائے گا تو خواہ وہاں ایک دو دن ہی رہے پوری نماز پڑھے گا کیونکہ اس وقت ملتان اس کا وطن اہلی ہے یعنی اس کے اہل کا وطن ہے۔

مسئلہ: ④ نکاح کے بعد اگر عورت اپنے اصلی وطن اور شہر کو چھوڑ کر مستقل طور پر سسرال میں رہنے لگی مثلاً ملتان کی عورت کا نکاح لاہور کے رہنے والے سے ہوا اور نکاح کے بعد وہ شوہر کے ساتھ مستقل لاہور میں رہنے لگی تو اب اس کا اصلی وطن لاہور بن گیا ملتان نہیں رہا۔

مسئلہ: ⑤ کوئی شخص جب بھی اپنے وطن اصلی میں آئے مقیم شمار ہوگا اگرچہ ایک ہی نماز کے وقت تک ٹھہرے مثلاً لاہور کا باشندہ ملتان گیا ملتان سے اسکا ارادہ براستہ لاہور راولپنڈی جانے کا ہوا لاہور میں اس نے بس کے اڈے پر یا اسٹیشن پر یا ہوائی اڈے پر ظہر کی نماز پڑھی تو وہ پوری پڑھے گا۔

:۲ وطن اقامت : یہ وہ شہر یا بستی ہے جہاں مسافر پندرہ دن یا زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے۔

مسئلہ :ایک وطن اقامت کو چھوڑ کر کسی اور جگہ کو وطن اقامت بنالیا یعنی وہاں پندرہ دن یا زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرلی تو پہلا وطن اقامت ختم ہوگیا خواہ ان دو جگہوں کے درمیان مسافت سفر ہو یا نہ ہو اب جب دوبارہ پہلی جگہ شرعی مسافر ہو کر آئے گا تو قصر نماز پڑھے گا۔ (مسائل بہشتی زیور: ص ۲۵۵: تا: ۲۵۴ حصہ اول)

سسرال میں آدمی مقیم ہے

اگر کوئی شخص سسرال میں جائے تو وہ مقیم سمجھا جائے گا اس کو پوری نماز پڑھنی چاہئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مکہ میں اسی وجہ مقیم کی نماز پڑھتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ صَلّٰی بِمِنًی اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَاَنْكَرَهُ النَّاسُ عَلَيْهِ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ تَاَهَّلْتُ بِمَكَّةَ مُنْذُ قَدِمْتُ وَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ مَنْ تَاَهَّلَ فِیْ بَلَدٍ فَلْيُصَلِّ صَلٰوةَ الْمُقِيْمِ۔ (مسند احمد: ص ۱۹۹، ج ۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعات نماز پڑھی تو لوگوں نے اعتراض کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا اے لوگو! میں نے مکہ مکرمہ میں نکاح کرلیا ہے جب سے میں آیا ہوں اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے جو شخص کسی شہر میں نکاح کرے تو اس کو مقیم شخص کی نماز پڑھنی چاہئے۔

اِنْ خِفْتُمْ : **نماز خوف کا حکم** :پوری امت کا اس پر اتفاق واجماع ہے کہ سفر میں خوف بھی نہ ہو تب بھی نماز قصر مشروع ہے اور اس اجماع کی بنیاد حدیث ہے آیت میں خوف کا ذکر محض اس وقت کی حالت کے اعتبار سے ہے۔

(۱۰۲) وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ ...الخ **نماز خوف کا طریقہ** :اس آیت میں دونوں گروہوں کے ایک ایک رکعت پڑھنے کا ذکر موجود ہے دوسری رکعت کا طریقہ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو دونوں گروہ نے اپنی ایک ایک رکعت خود پڑھ لیں، مزید تفصیل احادیث میں ہے یہ صورت اس وقت ہے جبکہ امام مسافر ہو جیسا کہ عام جنگوں میں ہوتا ہے ورنہ ہر گروہ کو دو دو رکعتیں پڑھائے۔ یہ صورت حال اس وقت ہے جب سارے ایک امام کے ساتھ نماز پڑھنا چاہیں ورنہ ہر گروہ علیحدہ امام کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے۔ "وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ" کی قید میں بھی یہی نکتہ نظر ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر ایک کو نماز

پڑھنا محبوب تھا۔ باقی " وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ " سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ حکم صرف آپ کی ذات کے ساتھ خاص تھا بلکہ یہ حکم صلوٰۃ خوف کا ائمہ اربعہ کے نزدیک اب بھی باقی ہے منسوخ نہیں ہے۔

وَلْیَاْخُذُوْا : ہتھیار وغیرہ ساتھ رکھنے کا حکم استحبابی ہے۔ وَدَّ الَّذِیْنَ الخ ہتھیار لینے کی علت۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ : استحبابی حکم پر عمل نہ کرنے کی اجازت۔ وَخُذُوْا الخ۔ تاکید برائے استحبابی عمل۔

﴿۱۰۳﴾ فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ ... الخ مشاغل بعد صلوٰۃ۔ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ : حالت اقامت اور حالت امن میں نماز کا طریقہ : اب ان عوارض کے ختم ہونے کے بعد نماز کی اصلی صورت کی حفاظت لازم ہوگئی ہے۔

استخراج مسئلہ : ختم نبوت کی دلیل : نماز میں التحیات پڑھا جاتا ہے جس میں آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کی گواہی دی جاتی ہے اور اگر آپ ﷺ کے بعد کسی نبی نے آنا ہوتا تو اذان، اقامت اور نماز میں آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا اعلان نہ کرایا جاتا اور نہ ہی رخ اور جہت کے لئے پسندیدہ قبلہ کا انتخاب کیا جاتا۔

مسافر کی نماز کے فضائل و تفصیلی احکام

عَنْ اَنَسٍ ؓ اَنَّهُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مِنَ الْمَدِیْنَةِ اِلٰی مَکَّةَ فَکَانَ یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ رَکْعَتَیْنِ حَتّٰی رَجَعْنَا اِلَی الْمَدِیْنَةِ۔ (بخاری: ج:۱: ص ۱۱۵: رقم الحدیث ۱۰۸۱، ومسلم)

بخاریؒ و مسلمؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہم نے رسول ﷺ کے ساتھ مدینے سے مکہ کے ارادے سے کوچ کیا تو آنحضرت ﷺ سفر میں دو رکعتیں ادا فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم واپس مدینے پہنچ گئے۔

چونکہ شریعتِ مطہرہ میں مسافر کی نماز کے خاص احکامات ہیں اور انہیں دیگر مسائل کی طرح بڑی اہمیت حاصل ہے، تو عزیز طلباء کی سہولت کے پیش نظر ان تمام مسائل کو ایک ترتیب سے بیان کیا جاتا ہے تاکہ انہیں ذہن نشین کرنے میں آسانی ہو، اس ترتیب میں یہ بات پیش نظر رہے کہ ایک مسافر جب سفر کا ارادہ کرتا ہے اور اس ارادے کے نتیجے میں سفر سے لوٹ کر واپس آجاتا ہے تو ارادے سے لے کر دوبارہ واپس آنے تک بالترتیب احکام شریعت کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

مسافر جب سفر کے ارادے سے نکلتا ہے تو دیکھا جائے گا کہ وہ سفر کی نیت کا اہل ہے یا نہیں۔

نیتِ سفر صحیح ہونے کی شرائط: نیت سفر کے صحیح ہونے کے درج ذیل شرائط ہیں: (۱) بالغ ہو۔ چنانچہ اگر سفر کی نیت کرنے والا شخص نابالغ ہے تو اس کی نیت کا اعتبار نہیں لہٰذا اس پر قصر واجب نہیں۔ (۲) سفر کی نیت کرنے والا خود مستقل بالذات ہو اس کی نیت اور ارادہ کسی کے تابع نہ ہو اگر اپنے ارادے اور نیت میں دوسرے کا تابع ہو تو اس کی نیت سفر کا کچھ اعتبار نہیں۔ چنانچہ:

(الف) اگر شوہر نے سفر کی نیت نہ کی تو اس کی بیوی کی نیت سفر کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس لیے کہ بیوی اپنے شوہر کے تابع ہوتی ہے۔ (ب) قیدی کی اپنی نیت کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اس شخص کی نیت کا اعتبار ہوگا جس نے اسے قید کر رکھا ہے۔

(ج) جس شاگرد کا کھانا پینا استاد کے ذمہ ہو تو اس استاد کے ساتھ سفر کرنے کی صورت میں اس کی اپنی نیت کا اعتبار نہ ہوگا اس لیے کہ اب شاگرد استاد کے تابع ہے۔ (د) حاضر سروس فوجی کی نیت کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ ان کے کمانڈر کی نیت کا اعتبار ہوگا اس لیے کہ فوجی اپنے کمانڈر کے تابع ہوتے ہیں۔

نیتِ سفر کے مسائل خود مسافر کی اہلیت کے ثابت ہونے کے بعد دیکھا جائے کہ وہ کتنے سفر کی نیت کریگا تو قصر کرنا واجب ہوگا۔

سفر شرعی کی مقدار: اکثر پیدل چلنے والے یا اونٹ سوار قافلے آرام وطعام کے ساتھ درمیانی رفتار سے چلتے ہوئے تین دن یا تین رات کی مسافت کی نیت کر کے سفر کریں تو یہ سفر شرعی کی کم از کم مقدار ہے جس کا تخمینہ انگریزی میل کے اعتبار سے ۴۸ میل لگایا گیا ہے اور موجودہ حساب سے تقریباً ۷۷ کلومیٹر بنتے ہیں چنانچہ اگر کوئی شخص تقریباً ۷۷ کلومیٹر دور کسی علاقے کی نیت سے سفر شروع کرے تو یہ شخص شرعاً مسافر شمار ہوگا۔ یاد رکھیں کہ شرعی مسافت کا اعتبار اپنے گھر سے نہیں بلکہ اپنے شہر، بستی کی حدود اور اس کے فناء سے ہوگا (فناء کی تعریف آگے آرہی ہے)

۷۷ کلومیٹر کی مسافت اگر کوئی تیز رفتار سواری جہاز یا ریل گاڑی وغیرہ پر خواہ کتنا ہی جلدی طے کیوں نہ کرلے تب بھی اتنی مسافت کے ارادے سے نکلنے والے کو شرعاً مسافر ہی شمار کریں گے۔

ضروری وضاحت: شریعت کی نظر میں مسافر بننے کے لیے تین چیزوں کا اکھٹے پایا جانا ضروری ہے: (۱) تین دن اور تین رات کی مسافت ہونا۔ جو تقریباً ۷۷ کلومیٹر بنتی ہے۔ (۲) اپنے شہر کی حدود سے نکل جانا۔ (۳) سفر شرعی (۷۷ کلومیٹر) کی نیت سے سفر شروع کرنا۔

چنانچہ اگر کوئی شخص سفر کی نیت سے نکلا مگر اس نے مسافت شرعیہ کی نیت نہیں کی اور بغیر نیت کے اتنی مسافت طے کرلے تو وہ مسافر شرعی نہیں بنتا۔ لیکن اگر واپس گھر آنے کی نیت سے چل پڑے تو چونکہ اب مسافتِ شرعیہ کی نیت بھی ہے اور مسافت شرعیہ بھی ہے اس لیے واپسی پر سفر شروع کرتے وقت مسافر بن جائے گا۔

سفر شروع کرنے کے بعد وہ کون سا مقام ہے جہاں سے اس کے لیے قصر نماز پڑھنا جائز ہوجاتا ہے۔

قصر کی ابتداء کب ہوگی؟ مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ اگر کوئی شخص تقریباً ۷۷ کلومیٹر دور منزلِ مقصود کے ارادے سے سفر شروع کرے اور وہ اپنی بستی اور شہر کی حدود اور اس کی فناء سے باہر نکل جائے تو اس کی طرف احکامِ سفر متوجہ ہوجاتے ہیں آبادی اور فناء سے نکلتے ہی اس پر قصر نماز ہوگی خواہ آبادی پختہ ہو یا جھونپڑیاں وغیرہ۔

فناء کی تعریف: فناء شہر بھی شہر کے حکم میں ہوتا ہے قصر کی ابتداء کے لیے شہر اور اس کے فناء دونوں سے باہر نکلنا ضروری ہے۔ اور فناء سے مراد وہ جگہیں ہیں جو شہر کی ضروریات اور کاموں کے لیے استعمال ہوتی ہوں جیسے قبرستان، گھوڑ دوڑ کا میدان، اسٹیڈیم کچرا ڈالنے کی جگہیں، سبزی منڈی، بس اسٹاپ، ایئرپورٹ اور ریلوے اسٹیشن وغیرہ۔

مذکورہ بالا تفصیل اس وقت ہے جب آبادی اور اس کا فناء متصل ہوں ان کے درمیان فاصلہ دو سو گز (۱۶ء۷ ۱۳ میٹر) سے کم ہو کوئی زرعی زمین یا کھیت وغیرہ حائل نہ ہوں۔

آبادی اور اس سے فناء میں فاصلہ دو سو گز یا اس سے زیادہ ہو یا ان کے درمیان کوئی زرعی زمین وغیرہ حائل ہو تو اس صورت میں صرف آبادی سے نکلتے ہی قصر کرنا ضروری ہوگا۔ فناء کی حدود سے باہر نکلنا ضروری نہیں ہے۔

● شہر اور آبادی سے متصل اگر باغات، کھیت یا کارخانے وغیرہ ہیں تو دیکھا جائے گا کہ ان باغات کھیتوں اور کارخانوں میں کام کرنے والے انہی مکانات یا جھونپڑیوں میں رہتے ہیں یا کام کاج سے فارغ ہو کر شہر آجاتے ہیں اگر یہ لوگ واپس شہر آتے ہیں تو یہ جگہیں بھی فناء شہر میں شمار ہوں گی اور اگر ان کے مکانات اور جھونپڑیاں وغیرہ وہیں ہیں تو یہ باغات کھیت اور کارخانے وغیرہ فناء شہر میں داخل نہیں ہوں گے قصر نماز کے شروع ہونے کے لئے صرف شہر سے باہر نکلنا ہی کافی ہے۔ مسافر شہر اور اس کی فناء سے باہر نکل آتا ہے اور نماز کا وقت ہوجاتا ہے تو کس طرح نماز قصر ادا کرے؟

قصر کا طریقہ: دورانِ سفر اگر مسافر خود امام بنے یا اکیلا نماز پڑھے تو ہر وہ نماز جو چار رکعت والی ہے جیسے ظہر، عصر اور عشاء کی نماز اس میں قصر کرنا یعنی چار چار رکعت کی جگہ دو دو رکعت پڑھنا واجب ہے۔ اگر کسی شخص نے شرعی مسافر ہوتے ہوئے یہ نمازیں پوری پڑھیں تو گناہگار ہوگا، اس کے علاوہ جو نماز چار رکعت والی نہیں ہیں جیسے فجر، مغرب اور عشاء کے بعد وتر تو ان میں قصر کرنا جائز نہیں ہے اور سنت مؤکدہ کا حکم یہ ہے کہ اگر مسافر جلدی میں ہے تو فجر کی سنتوں کے علاوہ باقی سنتیں چھوڑ سکتا ہے ان کے چھوڑنے سے کوئی گناہ نہ ہوگا۔ اور فجر کی سنتوں کے بارے میں چونکہ حدیث پاک میں بڑی تاکید آئی ہے لہٰذا ان کو نہ چھوڑے اور اگر مسافر آدمی جلدی میں نہیں ہے یا کسی ہوٹل یا مسافر خانہ میں ٹھہرا ہوا ہے تو افضل یہ ہے کہ سنتیں پڑھ لے اور سنتوں کی ادئیگی کی صورت میں قصر نہ کرے بلکہ سنتوں کو پورا پڑھنا ضروری ہے۔

● اگر مسافر نے بھول کر ظہر، عصر اور عشاء میں پوری چار رکعتوں کی نیت کرلی اور نماز شروع کرنے کے بعد خیال آیا تو نماز میں دل سے نیت کی اصلاح کرلے اور دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے نماز توڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اسے غلطی کا احساس نہیں ہوا اور اسی طرح چار رکعتیں پڑھ لیں تو اگر اس نے دوسری رکعت کے بعد التحیات پڑھی ہے تو اس صورت میں دو رکعت فرض اور دو رکعت نفل ہو جائیں گی اور سجدہ سہو کرنا ضروری ہے اور اگر دو رکعتوں کے بعد التحیات نہ پڑھی تو اب چار رکعت نفل شمار ہوں گی فرض نماز دوبارہ ادا کرے۔

دورانِ سفر بھی مسافر کو کسی ایسے امام پیچھے نماز پڑھنے کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے جو مسافر نہ ہو بلکہ مقیم ہو اب کسی مسافر کے مقیم امام شخص کے مسافر امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے احکام ذکر کیے جاتے ہیں۔

(الف) مسافر، مقیم امام کے پیچھے کسی بھی وقت کے اندر اندر اقتداء کرسکتا ہے۔ وقت گزرنے کے بعد مسافر کے لیے اپنی قضاء نماز مقیم امام کے پیچھے پڑھنا جائز نہیں ہے مقیم امام کے پیچھے ادا نماز پڑھنے کی صورت میں مسافر مقتدی کے لیے قصر کرنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اپنے امام کی اتباع میں پوری نماز پڑھنا ضروری ہے۔ (ب) مقیم کی اقتداء مسافر کے پیچھے ہر حال میں درست ہے خواہ نماز ادا ہو یا قضاء جس کا طریقہ یہ ہے کہ مسافر امام جب دو رکعتیں پڑھ کے سلام پھیر دے تو مقیم مقتدی کو چاہیے کہ اپنی نماز اٹھ کر پوری کرے ان رکعتوں میں چونکہ یہ "لاحق" کے حکم میں ہے لہٰذا یہ قرأت نہ کرے بلکہ خاموش کھڑا رہے اور مقیم مقتدی کیونکہ مسافر امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے لہٰذا امام کی اتباع میں جس طرح امام پر قعدۂ اولیٰ فرض ہے اسی طرح اس مقیم مقتدی پر بھی قعدۂ اولیٰ فرض ہوگا۔

مسافر امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ نماز سے پہلے یا نماز کے فوراً بعد اپنے مسافر ہونے کا اعلان کرے تا کہ مقیم مقتدی اپنی نماز پوری کرے۔ سفر کے بعد مسافر اپنی منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے یا وہ دوران سفر کسی جگہ اقامت اختیار کر لیتا ہے تو ان جگہوں پر بھی وہ شرعاً مسافر کے حکم میں ہوگا یا مقیم کے حکم میں؟ تفصیل ملاحظہ کیجئے:

اقامت کے شرعی احکام: مسافر کے مقیم ہونے کے لیے درج ذیل شرائط ہیں، ان شرائط کی موجودگی میں جب کوئی مسافر مقیم ہو جائے تو اسے پوری نماز پڑھنا ضروری ہوگا۔ (۱) اقامت (یعنی کسی جگہ ٹھہرنے) کی نیت کرنا۔ (۲) ایک ہی جگہ پر مسلسل پندرہ دن یا زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرنا چنانچہ اگر کسی جگہ کم ٹھہرنے کی نیت کی ہو تو اس جگہ بدستور مسافر ہی شمار ہوگا۔ یا اس نے پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت تو کی ہے مگر ایک ہی جگہ میں نہیں بلکہ مختلف مقامات میں ٹھہرنے کی نیت کی ہے جن میں سے ایک جگہ کی (بغیر لاؤڈ اسپیکر) اذان کی آواز دوسری جگہ نہ پہنچتی ہو تو اس صورت میں بھی یہ شخص دونوں جگہ مسافر ہی شمار ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی مسافر وطنِ اصلی اور وطنِ اقامت کے علاوہ کسی جگہ پندرہ دن کی نیت کے بغیر ٹھہرا رہا تو ایسا شخص میت

اقامت نہ ہونے کی وجہ سے بدستور مسافر رہے گا خواہ اس طرح مہینوں وہاں ٹھہرا رہے۔

مثال : کوئی شخص کراچی سے سکھر کے ارادے سے نکلا اور اس نے ایک ہفتہ سکھر اور ایک ہفتہ روہڑی (روہڑی اور سکھر کے درمیان صرف دریائے سندھ کا فاصلہ ہے) میں ٹھہرنے کا ارادہ کیا تو ایسا شخص دونوں جگہ مسافر شمار ہوگا۔

مثال : تبلیغی جماعت کی کسی شہر کی مختلف علاقے کی مختلف مساجد میں پندرہ یا زیادہ دن کی تشکیل ہوئی تو یہ جماعت مقیم سمجھی جائے گی۔ مختلف مساجد میں تشکیل کی وجہ سے مسافر نہ ہوگی کیونکہ وہ ایک ہی شہر کی مختلف مسجدیں ہیں۔

(۳) اپنی نیت اور ارادے میں مستقل ہو کسی کا تابع نہ ہو اسی شرط کی تفصیل سفر کی شرائط میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

(۴) ایسی جگہ ٹھہرنے کی نیت کرے جو جگہ اقامت کی صلاحیت رکھتی ہو جیسے شہر اور بستی وغیرہ۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے کسی جنگل یا جزیرے یا کشتی اور بحری جہاز وغیرہ میں پندرہ دن یا زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرلی تو چونکہ یہ جگہ ہمارے معاشرے میں اقامت کی صلاحیت نہیں رکھتی لہٰذا یہ شخص بدستور مسافر رہے گا مقیم نہیں بنے گا۔

● مسلمانوں کے کسی لشکر نے کسی جنگل میں پڑاؤ ڈالا اور وہاں خیمے وغیرہ نصب کردیئے اور پندرہ دن یا زیادہ ٹھہرنے کی نیت بھی کرلی تب بھی اس جگہ (جنگل) میں اقامت کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ مقیم نہیں ہوں گے بلکہ بدستور مسافر رہیں گے (البدائع: ج ۱ ص ۹۷ : ۸۹)

وطن کی اقسام

صاحب بدائع امام کاسانیؒ کے بیان کے مطابق وطن کی تین قسمیں ہیں: (۱) وطن اصلی۔ (۲) وطن اقامت۔ (۳) وطن سکنیٰ۔

(۱) وطنِ اصلی : کسی شخص کا وطن اصلی تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے بنتا ہے : (الف) وہ جگہ جہاں آدمی پیدا ہوا ہو اور وہاں رہتا بھی ہو۔ (ب) وہ جگہ جہاں آدمی نے مستقل سکونت اختیار کرلی ہو اور یہ ارادہ ہو کہ وہاں سے نہ جائے گا۔ (ج) وہ جگہ جہاں اس کے اہل وعیال مستقل رہائش رکھتے ہوں۔ یا شادی شدہ عورت کے لیے اس کا شوہر جہاں مستقل رہتا ہو۔ وطن اصلی یہ سب سے اعلیٰ درجے کا وطن ہوتا ہے۔

(۲) وطنِ اقامت: وطن اقامت اس شہر یا بستی کو کہتے ہیں جہاں مسافر آدمی پندرہ دن یا زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے۔ (جب کہ اس میں اقامت کی وہ تمام شرائط پائی جاتی ہوں جن کا ذکر مقیم بننے کی شرائط کے بیان میں گزر چکا ہے) وطنِ اقامت وطنِ اصلی سے کم درجے کا وطن ہوتا ہے۔

(۳) وطنِ سکنیٰ: یہ وہ وطن ہے جہاں کوئی شخص اپنے شہر کی کسی دوسری جگہ پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے۔

وطن سکنیٰ یہ وطن اصلی اور وطن اقامت دونوں سے ادنیٰ درجے کا وطن ہوتا ہے۔ وطن کے متعلق احکام سمجھنے کے لیے چند تمہیدی باتیں سمجھنا ضروری ہیں : (۱) وطن کے ساتھ جن احکام کا تعلق ہے وہ اس وقت تک ہوں گے جب تک آدمی کا وطن برقرار رہے۔ جب کسی جگہ کا وطن ہونا ختم ہوجائے گا تو وطن کے احکام بھی ختم ہوجائیں گے۔ (۲) وطن اصلی اور وطن اقامت دونوں میں کوئی شخص مسافر نہیں ہوسکتا اس کے لیے نماز میں قصر کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ وطن سکنیٰ چونکہ درحقیقت شرعی وطن ہوتا ہے۔ لہٰذا احکام میں اس کا کوئی اعتبار نہیں وطن سکنیٰ میں آدمی بدستور مسافر رہتا ہے۔ (۳) ہر چیز اپنی مثل (برابر کی چیز) یا اپنے سے زیادہ قوی چیز سے تو باطل ہوسکتی ہے اپنے سے کم کسی چیز سے باطل نہیں ہوسکتی۔

وطن اصلی کب ختم ہوتا ہے؟ چنانچہ اس تیسرے اصول کی روشنی میں کسی شخص کا ایک وطن اصلی دوسرے وطن اصلی سے باطل ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کے برابر کی چیز ہے۔

مثال: چنانچہ اس تیسرے اصول کی روشنی میں کسی شخص کا ایک وطن اصلی دوسرے وطن اصلی سے باطل ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کے برابر کی چیز ہے۔ مثال: چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنا شہر بالکل چھوڑ دیا اور کسی دوسرے شہر میں اپنا گھر بنالیا اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ مستقل وہاں رہنے لگا اور پہلے گھر سے کچھ سروکار نہیں ہے تو اب دوسرا شہر اس کے لیے وطن اصلی بن گیا اور پہلا شہر اس کے لیے پردیس کی طرح۔ اگر وہاں جائے گا اور وہ جگہ سفر شرعی کی مقدار (تقریباً ۷۷ کلومیٹر) پر واقع ہے تو یہ وہاں مسافر ہوگا۔

● یاد رکھیں کہ اسی طرح کسی شخص کے ایک سے زیادہ وطن اصلی بھی ہوسکتے ہیں مثال کے طور پر کسی شخص کے بیوی بچے کراچی میں رہتے ہیں اور اس نے لاہور میں نئی شادی کرلی اور اپنی دوسری بیوی کو لاہور ہی رکھا تو اس کے لیے کراچی بھی وطن اصلی ہے (کیونکہ اس کے پہلے بیوی بچے یہاں ہیں) اور لاہور بھی وطن اصلی ہے (کیونکہ دوسری بیوی اور اس کا گھر اس جگہ موجود ہے) لہٰذا اگر یہ شخص کراچی سے لاہور جائے گا تو دوران سفر اگرچہ شرعاً مسافر ہوگا مگر لاہور پہنچتے ہی وہ شخص پوری نماز پڑھے گا۔ خواہ ایک ہی دن کیوں نہ ٹھہرے۔ مگر وطن اصلی، وطن اقامت اور وطن سکنیٰ سے باطل نہیں ہوتا کیونکہ یہ دونوں، وطن اصلی سے کم درجہ کے وطن ہیں۔

مثال: مثال کے طور پر اگر کسی شخص کے اہل وعیال کراچی میں ہیں (تو یہ اس کا وطن اصلی ہے) اور یہ شخص سفر کرکے پندرہ دن یا زیادہ دن ٹھہرنے کی نیت سے حیدرآباد آجاتا ہے تو حیدرآباد اس کے لیے وطن اقامت ہے لیکن حیدرآباد کے وطن اقامت بننے کی وجہ سے کراچی کا وطن اصلی ختم نہیں ہوگا۔

وطن اقامت کب ختم ہوتا ہے؟ وطن اقامت تین صورتوں میں ختم ہوجاتا ہے جن کی تفصیل نمبروار ذکر کی جاتی ہے:

(۱) وطن اقامت وطن اصلی سے ختم ہوجاتا ہے کیونکہ یہ اس سے زیادہ قوی وطن ہے۔ مثال: کوئی شخص ملتان سے سفر کرکے حیدرآباد پہنچا اور پندرہ دن یا زیادہ رہنے کی نیت سے وہاں مقیم ہے تو حیدرآباد اس کے لیے وطن اقامت ہے اب یہ شخص کراچی میں اپنا مستقل رہنے کے ارادے سے گھر بنالیتا ہے اور وہاں اپنے اہل وعیال کو لے آتا ہے تو یہ کراچی اس کا وطن اصلی بن چکا ہے لہٰذا یہ شخص جونہی کراچی کے لیے حیدرآبا کو چھوڑے گا تو حیدرآباد اس کا بطور وطن اقامت ختم ہوجائے گا۔

(۲) کسی شخص کا وطن اقامت دوسری جگہ وطن اقامت سے ختم ہوجاتا ہے کیونکہ یہ اس کے برابر کا وطن ہے۔ مثال: کوئی شخص کراچی سے سفر کرتے ہوئے ملتان پہنچا اور وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی تو یہ ملتان اس کا وطن اقامت بن گیا ہے اب یہ شخص ملتان چھوڑ کر اسلام آباد چلا جاتا ہے اور وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلیتا ہے تو اب اسلام آباد اس کا وطن اقامت بن جائے گا اور پہلا وطن اقامت ختم ہوجائے گا۔

(۳) اسی طرح وطن اقامت وطن کی ضد (سفر شروع کرنے سے باطل ہوجاتا ہے) مگر وطن اقامت وطن سکنیٰ سے باطل نہیں ہوتا۔ مثال، کوئی شخص کراچی میں پندرہ دن کی نیت سے ٹھہرا ہوا ہے تو کراچی اس کا وطن اقامت ہے اب یہ شخص تقریباً چودہ دن کی نیت سے حیدرآباد چلا جاتا ہے (حیدرآباد اس کا وطن سکنیٰ ہے) تو اگرچہ حیدرآباد شرعی مسافت پر واقع ہے مگر وطن سکنیٰ حیدرآباد کی اقامت کی وجہ سے اس کا وطن اقامت (کراچی) ختم نہیں ہوگا۔

وطن سکنیٰ کب ختم ہوتا ہے؟ وطن سکنیٰ درج ذیل صورتوں میں باطل ہوجاتا ہے: (۱) وطن سکنیٰ سے کوئی شخص وطن اصلی میں چلا جائے۔ (۲) وطن سکنیٰ سے کوئی شخص وطن اقامت اختیار کرلے۔ (۳) وطن سکنیٰ سے کوئی شخص دوسرا وطن سکنیٰ اختیار کرلے۔

قضا نمازوں کے احکام

نماز قضاء کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: "اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ (نساء۔ ۱۴۳)
بے شک نماز مسلمانوں پر اپنے مقررہ وقتوں میں فرض ہے۔
تمام نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنا فرض ہے بغیر کسی شرعی عذر کے نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرنا جائز نہیں ہے۔ جس شخص نے کسی عذر کی وجہ سے نماز کو اس کے وقت میں ادا نہ کیا تو اس پر عذر کے ختم ہونے کے بعد اس نماز کی قضاء کرنا ضروری ہے۔
● فرض کی قضاء کرنا فرض ہے۔ ● واجب کی قضاء کرنا واجب ہے۔ ● سنتوں اور نفلوں کی کوئی قضاء نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص سنتیں اور نفل شروع کر کے توڑ دے تو اس پر ان کی قضاء کرنا واجب ہے سنتیں اور نفل شروع کرنے سے واجب ہو جاتے ہیں لہٰذا واجب کو توڑنے کی وجہ سے قضاء کرنا واجب ہے۔
قضاء کرنے کا طریقہ: یہ بات خوب ذہن نشین رہے کہ وقتی نماز اور قضاء نماز کے درمیان ترتیب کی رعایت رکھنا واجب ہے پہلے قضاء نماز ادا کرنا ضروری ہے اور اس کے بعد وقتی نماز ادا کرے اگر کسی شخص نے پہلے وقتی نماز پڑھ لی اس کے بعد قضاء نماز پڑھی تو اس کی وقتی نماز ادا نہیں ہوئی اس کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ مثال: کسی شخص کی ظہر کی نماز رہ گئی یہاں تک کہ عصر کا وقت شروع ہو گیا تو اس شخص پر واجب ہے کہ پہلے ظہر کی قضاء نماز پڑھے اس کے بعد عصر کی نماز ادا کرے۔ اگر اس نے ترتیب کی رعایت کیے بغیر یونہی پہلے عصر کی نماز ادا کر لی اور پھر ظہر کی نماز قضاء کرنے لگا تو اس کی عصر کی نماز ادا نہیں ہوئی۔ ظہر کی قضاء کے بعد پھر عصر کی نماز پڑھنا ضروری ہے۔
اسی طرح اگر کسی شخص کی کئی نمازیں فوت ہو گئیں ہوں، تو ان قضاء نمازوں کے ادا کرنے میں ترتیب کا لحاظ رکھنا واجب ہے پہلے تمام قضاء نمازوں کو ترتیب سے ادا کرنا ضروری ہے اس کے بعد وقتی نماز کا پڑھنا ضروری ہے۔ یہ بات یاد رکھیں کہ یہ مسئلہ اس شخص کے لیے ہے جو فقہ کی اصطلاح میں "صاحب ترتیب" کہلاتا ہے۔
صاحبِ ترتیب کی تعریف: "صاحب ترتیب" سے مراد وہ شخص ہے جس کے ذمہ کوئی قضاء نماز نہ ہو یا اگر اس کے ذمہ قضاء نمازیں ہوں بھی تو پانچ یا اس سے کم ہوں۔ خواہ یہ نمازیں مسلسل ہوں یا متفرق اوقات میں قضاء ہونے والی ہوں، نئی قضاء ہوئی ہو یا پرانی ذمہ میں ہو۔ اگر اس کے ذمہ میں چھ یا زیادہ نمازیں ہوں تو ایسا شخص "صاحب ترتیب" نہیں ہے۔
مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق جو صاحب ترتیب ہو گا اسے اپنی ادا اور قضاء نماز میں ترتیب کا خیال رکھنا واجب ہے۔ اور جو صاحب ترتیب نہیں ہے اسے اپنی ادا اور قضاء نمازوں میں ترتیب کا خیال رکھنا واجب نہیں ہے۔
ایک غلط فہمی کا ازالہ: یہ بات یاد رکھیں کہ صاحب ترتیب ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ زندگی میں کبھی اس کی کوئی نماز قضاء نہ ہوئی ہو یا پانچ نمازوں تک قضاء نہ ہوئی ہوں۔ بلکہ اس کے ذمہ میں اتنی نمازیں قضاء واجب نہ ہوں۔
لہٰذا اگر کسی شخص نے برسوں نماز نہیں پڑھی لیکن توبہ کے بعد اس نے تمام نمازیں قضاء کر لیں۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس کے ذمہ پانچ نمازوں تک رہ گئیں تو یہ شخص مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق صاحب ترتیب بن گیا ہے۔
مثال: کسی شخص کی فجر، ظہر، عصر اور مغرب کی نماز قضاء ہو گئی اب وہ عشاء کے وقت ان نمازوں کو پڑھنا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے فجر کی نماز، پھر ظہر، پھر عصر، پھر مغرب کی نماز قضاء پڑھے قضاء نمازیں ترتیب کے ساتھ ادا کرنے کے بعد پھر عشاء کی وقتی نماز ادا کرے۔ اگر کسی شخص کی مکمل ایک دن اور اگلے دن کی فجر کی نمازیں قضاء ہو گئیں تو چونکہ اس کی قضاء نمازوں کی

تعداد چھ ہو چکی ہے لہٰذا اس پر ترتیب کا لحاظ رکھنا واجب نہیں ہے جس طرح چاہے پڑھ سکتا ہے پہلے وقتی نماز پڑھے یا پہلے قضاء۔ پھر قضاء نمازوں سے پہلے جونسی چاہے پڑھ لے۔

نمازوں میں ترتیب کا واجب ہونا: عام حالت میں مذکورہ بالا ترتیب۔ کے مطابق نماز پڑھنا واجب ہے مگر درج ذیل تین صورتوں میں سے کوئی صورت پائی جائے تو نمازوں میں ترتیب کا خیال رکھنا صاحب ترتیب پر واجب نہیں رہتا۔ وہ تین صورتیں یہ ہیں:

(۱) فوت شدہ نمازیں چھ یا چھ سے زیادہ ہونا: جب کسی شخص کی فوت شدہ نمازیں چھ یا اس سے زیادہ ہو جائیں تو ترتیب کا خیال رکھنا واجب نہیں ہوتا۔ (۲) وقت کا تنگ ہونا: وقت اس قدر تنگ ہو جائے کہ اگر ترتیب کا خیال رکھتے ہوئے پہلے قضاء نماز پڑھے گا تو وقتی نماز کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہو۔ مثلاً: کسی شخص کی عصر کی نماز فوت ہو گئی اور نماز مغرب کے اخیر وقت میں اسے یاد آیا کہ عصر کی نماز اور مغرب دونوں ادا کرنا باقی ہیں، اور مغرب کا وقت ختم ہونے میں تقریباً پانچ منٹ باقی ہوں اب اگر یہ شخص ترتیب کی رعایت کرتے ہوئے مغرب سے پہلے عصر کی قضاء نماز پڑھے گا تو خود مغرب کے قضاء ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں ترتیب ضروری نہیں ہے بلکہ پہلے مغرب اپنے وقت میں ادا کر لے اس کے بعد عصر کی نماز قضاء کر لے۔

(۳) بھول جانا: کسی شخص کے ذمہ قضاء نماز تھی اس نے بھول کر وقتی نماز ادا کر لی اور اسے یاد نہ رہا کہ اس کے ذمہ قضاء نماز ہے تو اس شخص پر ترتیب کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں ہے۔ چونکہ یہ وقتی نماز پڑھ چکا ہے۔ لہٰذا قضاء نماز اب پڑھ لے۔ اگر کسی شخص کے ذمہ کوئی قضاء نماز ہے (جیسے فجر کی نماز) اور اس نے قضاء نماز یاد ہوتے ہوئے وقتی نماز (ظہر کی نماز) پڑھ لی۔ تو ترتیب کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے اس کی یہ وقتی نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن اس نماز کا فساد موقوف (رکا ہوا) رہے گا۔ (ابھی اس کے فاسد ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا)۔

چنانچہ اگر اس نے ظہر کی نماز کے بعد قضاء نماز (فجر کی نماز) کے یاد ہوتے ہوئے تیسری نماز (عصر کی نماز) پڑھ لی تو یہ نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ مگر اس کے فساد کا حکم بھی موقوف رہے گا۔ اس کے بعد چوتھی نماز (مغرب کی نماز) بھی قضاء نماز کے یاد ہوتے ہوئے پڑھ لی تو مغرب کی نماز بھی فاسد ہو جائیگی۔ مگر اس کے فساد کا حکم بھی موقوف رہے گا۔ پھر اس نے قضاء نماز (فجر کی نماز) کے یاد ہوتے ہوئے پانچویں نماز (عشاء کی نماز) بھی پڑھ لی تو یہ عشاء کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی اور اس کے فساد کا حکم بھی موقوف رہے گا، ابھی فجر کی نماز ذمہ میں باقی تھی کہ اس نے اگلے دن کی فجر کی نماز بھی ادا کر لی تو اس کی یہ نماز بھی فاسد ہو جائے گی اور اس کے فساد کے ساتھ ہی فاسد نمازوں کی تعداد چھ ہو گئی چنانچہ صاحب ترتیب ہونے والی خصوصیت کے ختم ہونے کی وجہ سے پہلے ادا کی ہوئی ساری نمازیں جن کے فاسد ہونے کا حکم موقوف تھی سب صحیح ہو جائیں گی اور ان کا فساد ختم ہو جائے گا۔

لیکن اگر اس شخص نے چھٹی نماز (اگلے دن فجر کی نماز) کے ادا کرنے سے پہلے پہلے فجر کی قضاء نماز پڑھ لی تو اس کی یہ تمام نمازیں نفل ہو جائیں گی اور اس شخص کے ذمہ واجب ہے کہ قضاء نماز کے پڑھنے سے پہلے اس نے جتنی بھی وقتی نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھی ہیں انہیں دوبارہ ادا کر لے۔

دونوں مسئلوں میں فرق صاف ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں فجر کی قضاء سے پہلے (چھ نمازوں کے پڑھنے کی صورت میں) چونکہ نمازیں اس وجہ سے فاسد ہو رہی تھیں کہ اس شخص کے ذمہ قضاء اور وقتی میں ترتیب کا لحاظ رکھنا ضروری تھا۔ لیکن ہوتے ہوتے اس کے ذمہ چھ نمازیں قضاء ہو گئیں تو ترتیب ضروری نہیں رہی لہٰذا وہ نمازیں مجموعی طور پر جو ترتیب کا لحاظ نہ ہونے کی وجہ سے فاسد ہو رہی تھیں بعد میں یہ ظاہر ہونے کی وجہ سے کہ اس پر ترتیب ضروری نہ تھی وہ تمام نمازیں صحیح ہو جائیں گی۔

جبکہ دوسرے مسئلہ میں چونکہ فوت ہونے والی مجموعی نمازیں چھ سے کم ہیں اور ایسی صورت میں ترتیب کی رعایت کرنا واجب ہوتا ہے، مگر اس شخص نے ترتیب کی رعایت کیے بغیر پہلے وقتی نمازیں پڑھیں اور بعد میں فجر کی قضاء کی۔ لہٰذا اس کی وہ تمام وقتی نمازیں فاسد ہوتی رہیں اور چونکہ مجموعی طور پر فوت شدہ نمازیں چھ کے عدد تک نہ پہنچی تھیں لہٰذا ترتیب بدستور اس پر واجب رہی۔

قضائے عمری کا مسئلہ:● کسی بے نمازی شخص نے توبہ کر لی عمر بھر جتنی نمازیں قضاء ہوئی ہیں سب کی قضاء پڑھنا واجب ہے۔ توبہ سے نمازیں معاف نہیں ہوتیں البتہ نہ پڑھنے کی وجہ سے جو گناہ ہوا تھا وہ معاف ہو گیا۔ اب اگر ان کی قضاء نہیں پڑھے گا تو پھر گناہگار ہوگا۔ یاد رہے کہ قضائے عمری کا طریقہ صرف اور صرف قضاء نمازوں کا پڑھنا ہے اس کے علاوہ ہمارے معاشرے میں جو قضائے عمری سے متعلق باتیں مشہور ہو رہی ہیں کہ خاص ایام یا خاص راتوں کی عبادت یا توبہ سے معاف ہو جاتی ہیں، سب من گھڑت ہیں۔ جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔

قضائے عمری کا طریقہ: آدمی کو چاہیے کہ زندگی بھر میں اس سے جتنی نمازیں قضاء ہوئی ہیں ان کا حساب لگا کر (اور اگر کوئی یقینی تعداد یاد نہ ہو تو خوب سوچ بچار کے بعد اندازہ کر کے) جس قدر جلدی ہو اپنی فرض نمازوں کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کر لے۔

چونکہ یہ نمازیں تعداد میں بہت زیادہ ہو سکتی ہیں جن کا یاد رکھنا مشکل ہے لہٰذا نیت کرتے وقت اتنی نیت کر لینا کافی ہے کہ میرے ذمہ جتنی نمازیں قضاء ہیں ان میں سے پہلے فجر یا پہلی ظہر یا پہلی عصر کی نیت کرتا ہوں۔

یا یوں نیت کر سکتا ہے: کہ میرے ذمہ جتنی قضاء نمازیں ہیں ان میں سے آخری فجر یا اخری ظہر یا اخری عصر کی نیت کرتا ہوں۔ اور ہر دفعہ یونہی نیت کر لینا کافی ہے۔

مریض کی نماز کے احکام

پہلا مرحلہ : کھڑے ہو کر نماز پڑھنا:● جو شخص بیماری یا عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے عاجز ہو وہ بیٹھ کر فرض نماز پڑھے اور رکوع سجود کرے۔

عذر کا مطلب :عذر کا معنی یہ ہے کہ اس کو کھڑا ہونے سے ضرر ہوتا ہے خواہ عذر فرض یا واجب یا سنتِ فجر شروع کرنے سے پہلے موجود ہو یا نماز کے اندر لاحق ہوا ہو۔ اور خواہ وہ عذر حقیقی ہو جیسے اگر کھڑا ہو تو گر پڑے یا حکمی ہو مثلاً کھڑے ہونے سے مرض کی زیادتی کا یا دیر میں اچھا ہونے کا یا چکر آنے کا خوف ہو یا کھڑے ہونے سے بدن میں کسی جگہ شدید اور نا قابل برداشت درد ہوتا ہو ان سب صورتوں میں قیام ترک کر دے اور بیٹھ کر رکوع و سجود سے نماز پڑھے۔ اور اگر تھوڑا (یعنی قابل برداشت) درد یا تکلیف ہو تو قیام کا چھوڑنا جائز نہیں۔● اگر قیام رکوع و سجود سے عاجز ہے اور بیٹھنے پر قادر ہے تو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے اور اشارہ کی حقیقت سر کا جھکا دینا ہے۔ اور سجدہ کا اشارہ رکوع سے لازمی طور پر زیادہ نیچے کرے اور اگر رکوع و سجود کا اشارہ برابر کرے گا تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔

دوسرا مرحلہ :لیٹ کر نماز پڑھنا:● اگر بیٹھنے پر قادر نہیں، اگرچہ وہ عذر حکمی ہو مثلاً کسی سے آنکھ بنوائی اور طبیب حاذق مسلمان نے چت لیٹے رہنے کا حکم کیا، اور ہلنے جلنے سے منع کر دیا، تو لیٹے لیٹے اشارہ سے نماز پڑھتا رہے، کیونکہ جیسے جان بچانا فرض ہے ایسے ہی اعضاء کا بچانا بھی فرض ہے۔● لیٹ کر نماز پڑھنے کی صورت یہ ہے کہ چت یعنی کمر پر لیٹے اور اپنے دونوں پاؤں قبلہ کی طرف کو پھیلائے (ہمارے ملک میں چونکہ قبلہ مغرب کی طرف ہے لہٰذا مریض کا سر مشرق کی طرف ہوگا۔ اور اس کے پاؤں مغرب کی طرف ہوں گے) اور اشارہ سے رکوع و سجود کرے۔ لیکن اگر کچھ طاقت ہو تو دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر لے اور پاؤں قبلے کی طرف نہ

پھیلائے کیونکہ بلا ضرورت یہ فعل مکروہ تنزیہی ہے۔

چاہیے کہ سر کے نیچے ایک تکیہ رکھ دیں تا کہ لیٹا ہوا مریض بیٹھنے والے کے مشابہ ہو جائے۔ اور سر قبلے کی طرف ہو جائے آسمان کی طرف نہ رہے اور رکوع وسجود کے لیے اشارہ بھی اچھی طرح کر سکے۔

● اگر چت نہ لیٹے بلکہ دائیں بائیں کروٹ پر لیٹے اور منہ قبلے کی طرف کو کر کے اشارہ سے نماز پڑھے تو جائز ہے لیکن چت لیٹنا اولیٰ وافضل ہے اور دائیں کروٹ کو بائیں کروٹ پر فضیلت ہے اور جائز دونوں طرح ہے۔ ● جب مریض سر سے اشارہ کرنے سے بھی عاجز ہو تو نماز کا فرض اس سے ساقط ہو جاتا ہے آنکھ یا ابرو یا دل کے اشارہ سے نماز نہ پڑھے کیونکہ ان کے اشاروں کا کچھ اعتبار نہیں ہے ایسے مریض کو جب صحت ہو جائے تو نماز قضاء کر لے۔

مریض کا قبلہ رخ ہونا: ● مریض اگر قبلے کو پہچانتا ہو لیکن قبلے کی طرف منہ کرنے پر قادر نہیں اور ایسا شخص نہیں ملتا جو اس کا منہ قبلے کی طرف کو پھیر دے تو اسی طرح نماز پڑھے اور پھر اس نماز کا اعادہ نہ کرے۔ ● اور اگر کوئی ایسا شخص مل گیا جو اس کا منہ قبلے کی طرف کو پھیر دے تو اس کو کہے کہ میرا منہ قبلے کی طرف پھیر دو اگر اس نے نہ کیا اور قبلہ کے علاوہ کسی اور طرف کو نماز پڑھی تو نماز جائز ہو گی۔

مریض کے بستر کا حکم: ● مریض نجس بچھونے پر ہو تو اگر پاک بچھونا نہیں ملتا یا ملتا ہے لیکن کوئی ایسا شخص نہیں جو اس کا بچھونا بدل دے اور مریض خود اٹھنے کے قابل نہ ہو تو نجس بچھونے پر نماز پڑھ لے اور اس کا اعادہ نہ کرے اور اگر ایسا شخص مل جائے جو اس کا بچھونا بدل دے تو چاہیے کہ اس کو کہے اور اگر نہ کہا اور نجس بچھونے پر نماز پڑھ لی تو نماز جائز نہیں ہو گی۔

● کسی مریض کے کپڑے اور بستر کی چادر نجس ہوں اُدھر مریض کا یہ حال ہو کہ جو چادر بدل کر اس کے نیچے بچھائی جائے گی وہ اس کے وضو اور نماز سے فارغ ہونے سے قبل اس قدر نجس ہو جائے جو نماز سے مانع ہے تو چادر بدلے بغیر ہی نماز پڑھ لے۔

● اگر بیمار کا بستر نجس ہے اور اس کے بدلنے میں بہت تکلیف ہو خواہ کسی معاون کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو تب بھی اس پر نماز پڑھ لینا درست ہے۔

سجدۂ سہو کے تفصیلی احکام

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ إن أحدكم إذا قام يصلي جاءه الشيطن فلبس عليه حتى لا يدري كم صلى فإذا وجد ذلك أحدكم فليسجد سجدتين وهو جالس"۔

(مشکوٰۃ شریف ج:۱: ص:۹۴؛ رقم الحدیث ۹۴۷)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص نماز پڑھنے لگے اور شیطان اس کو شک میں ڈال دے یہاں تک کہ اسے پتہ نہ چلے کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ جب شک کی یہ حالت ہو تو اسے چاہیے کہ قعدہ کی حالت میں سہو کے دو سجدے کر لے۔

سجدہ سہو کرنے کی اجازت: کبھی بھول کر نماز میں ایسی غلطی ہو جاتی ہے جس سے نماز ٹوٹتی تو نہیں البتہ نماز میں نقصان واقع ہو جاتا ہے اس نقصان کے تدارک کے لیے شریعت مقدسہ نے "سجدۂ سہو" کی اجازت دی ہے جس سے نقصان کی تلافی ہو جاتی ہے۔ اور نماز کامل ہو جاتی ہے۔

سجدۂ سہو کے مسائل خاص اہمیت کے حامل ہیں شاید ہی ایسا کوئی نمازی ہو جسے ان مسائل کی ضرورت نہ پڑتی ہو سجدۂ سہو

کے ایک ایک مسئلہ کو یاد رکھنا کافی مشکل ہوتا ہے۔ اس مشکل کے حل کے لیے حضرات فقہائے کرامؒ نے ایسے اصول وقواعد بتلا دیئے ہیں جن کو سمجھنے اور یاد کر لینے کے بعد سہو کے مسائل میں ایک طالب علم کو فقہی بصیرت پیدا ہو جاتی ہے۔

عزیز طلباء کی سہولت کے پیش نظر ذیل میں قواعد اور مثالیں ذکر کی جاتی ہیں وہ قواعد یہ ہیں :(۱) پہلا قاعدہ : سہو کے معنیٰ بھول جانا۔ اور سجدۂ سہو اسی صورت میں کرنے کی اجازت ہے جب نماز میں کوئی غلطی بھول چوک سے ہوگئی ہو۔ اور اگر کوئی غلطی عمداً (جان بوجھ) کی تو سجدۂ سہو کی اجازت نہیں ہے بلکہ نماز کا اعادہ کرنا ضروری ہے۔ خود سجدۂ سہو کے نام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سجدہ سہو یعنی (بھول) کی صورت میں ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا قاعدہ: سجدۂ سہو کا تعلق چونکہ صرف نماز کے ارکان (فرائض) اور واجبات سے ہے۔ سنتوں، مستحبات، مکروہات، مفسدات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے سجدۂ سہو میں بصیرت پیدا کرنے کے لیے عزیز طلباء کی خدمت میں گزارش کی جاتی ہے کہ وہ آگے چلنے سے پہلے نماز کے فرائض، واجبات، سنتیں، مستحبات، مکروہات، اور مفسدات کو پھر سے تازہ کرلیں چنانچہ سورۃ بقرہ آیت ۲ کی تفسیر کے ذیل میں دیکھیں۔ باقی فرائض وواجبات کے بارے میں سجدہ سہو کے احکام چوتھے قاعدہ میں آرہے ہیں۔

(۳) تیسرا قاعدہ : سجدۂ سہو صرف فرضوں میں ہی (قاعدہ نمبر ۴ کی) غلطی کے مطابق ضروری نہیں ہوتا بلکہ ایسی غلطی کی صورت میں واجب، سنت مؤکدہ، غیر مؤکدہ اور نفل سب نمازوں میں ہوتا ہے۔ (۴) چوتھا قاعدہ : نمازوں میں بھول کر درج ذیل غلطی سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے :(الف) ترک واجب، تقدیم واجب، تاخیر واجب، تبدیل واجب، تکرار واجب۔

(ب) تقدیم رکن، تاخیر رکن، تکرار رکن۔

تفصیل تشریح: ترک واجب : ترک واجب کا مطلب یہ ہے کہ کسی واجب کو چھوڑ دیا جائے۔

مثال نمبر ۱۔ :پہلی رکعت میں فاتحہ پڑھنا بھول گیا تو سجدہ سہو واجب ہے۔ کیونکہ اس نے ایک واجب کو ترک دیا۔

مثال نمبر ۲۔ :قومہ یا جلسہ چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ قومہ اور جلسہ واجب ہیں۔

تقدیم واجب : تقدیم واجب کا مطلب یہ ہے کہ کسی واجب کو اس کے اصلی وقت سے پہلے ادا کر لیا جائے۔ مثال : کسی شخص نے سورۃ الفاتحہ سے پہلے کوئی سورت پڑھ لی تو دوسری سورۃ کا سورۃ الفاتحہ کے بعد پڑھنا واجب ہے اور اس شخص نے اس واجب کو پہلے ادا کر لیا لہٰذا تقدیم واجب کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہے (اگر اس کے برعکس دیکھا جائے تو یہ تاخیر واجب کی مثال بھی بن سکتی ہے)

تاخیر واجب : تاخیر واجب کا مطلب یہ ہے کہ کسی واجب کو اس کے اصلی مقام کے بعد ادا کرنا۔ مثال : کسی شخص نے سورۃ فاتحہ کو قیام کے بجائے رکوع پر پڑھا تو تاخیر واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہے۔

تبدیل واجب : تبدیل واجب کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک واجب کو کسی دوسرے واجب سے تبدیل کر دیا جائے۔

مثال : کسی شخص نے ظہر یا عصر کی نماز میں بھول کر تین بار زیادہ آیتیں اونچی آواز سے تلاوت کرلیں۔ یا فجر یا مغرب یا عشاء میں بھول کر تین بار زیادہ آیتیں سرّاً (آہستہ آواز سے) پڑھیں تو تبدیل واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ کیونکہ جہری نماز میں امام کے لیے قرأت جہراً (بلند آواز سے) واجب ہے اور سری نماز میں قرأت سراً واجب ہے مگر اس شخص نے چونکہ ایک کو دوسرے نماز کے واجب سے تبدیل کر دیا ہے لہٰذا اس پر سجدۂ سہو واجب ہے۔

تکرار واجب : تکرار واجب کا مطلب یہ ہے وہ کسی واجب کو ایک سے زیادہ مرتبہ ادا کر لیا جائے۔ مثال : کسی شخص نے

بھول کر ایک سے زیادہ مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھ لی یا ایک سے زیادہ مرتبہ التحیات پڑھ لی تو تکرار واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہو گیا۔

تقدیم رکن : تقدیم رکن کا مطلب یہ ہے کہ کسی فرض کو اس کے اصلی مقام سے پہلے ادا کر لیا جائے۔ مثال : کوئی شخص بھول کر رکوع کرنے کے بجائے سجدے میں چلا گیا تو سجدہ کو ان کے اصلی مقام سے پہلے ادا کرنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہو گیا۔

تاخیر رکن : تاخیر رکن کا مطلب یہ ہے کہ کسی فرض کو اس کے اصلی مقام سے مؤخر کر کے ادا کیا جائے۔ مثال :(اوپر والی مثال اس مسئلے پر بھی پیش کی جاسکتی ہے) کوئی شخص قیام کے بعد بھول کر سیدھا سجدے میں چلا گیا بعد میں یاد آیا کہ اس نے رکوع نہیں کیا تو فوراً سجدے سے اٹھ کر رکوع کر لیا اور پھر دوسرا سجدہ کر لے تو چونکہ اس نے رکوع کو موخر کیا تو تاخیر رکن کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہے۔

مثال : کوئی شخص ایک سجدۂ کر کے قعدہ میں بیٹھ گیا التحیات اور درود شریف پڑھ لیا۔ سلام سے پہلے یاد آیا کہ اس نے ایک سجدۂ نہیں کیا تو فوراً سجدۂ کر لے اور چونکہ تاخیر رکن ہو چکا ہے آخر میں التحیات پڑھ کر سجدۂ سہو بھی کر لے۔

تکرار رکن : تکرار رکن کا مطلب یہ ہے کہ کسی رکن کو اس کی مقررہ حد سے زیادہ مرتبہ ادا کر لیا جائے۔ مثال : کسی شخص نے بھول کر دو رکوع کر لیے یا تین سجدے کر لیے تو اس پر تکرار رکن کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ ترک رکن کی وجہ سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا بلکہ سرے سے نماز ہی نہیں ہوتی سجدۂ سہو کا تعلق صرف ترک واجب سے ہے۔

(۵) پانچواں قاعدہ : اگر کوئی چیز نماز میں بھول کر چھوٹ جائے تو وہ تین طرح کی ہوسکتی ہے: (۱) فرض (۲) سنت (۳) واجب۔ اگر چھوٹنے والی چیز فرض ہے تو دیکھا جائے گا کہ اس فرض کی قضاء ممکن ہے یا نہیں اگر قضاء ممکن ہو تو نماز کے اندر اندر قضاء کر لے اور تاخیر رکن کی وجہ سے سجدۂ سہو بھی واجب ہے لیکن اگر اس کی قضاء ممکن نہیں ہے تو سرے سے نماز ہی باطل ہو جائے گی۔ سجدۂ سہو سے تدارک ممکن نہیں ہے۔

مثال : کسی شخص نے بھول کر رکوع چھوڑ دیا اور آخری قعدہ میں یاد آیا تو چونکہ ابھی یہ شخص نماز کی حالت میں ہے لہٰذا اس کی نماز کے اندر اندر قضاء ممکن ہے لہٰذا یہ شخص قعدہ سے اٹھ کر رکوع کرلے اور پھر تاخیر رکن کی وجہ سے قعدۂ میں سجدہ سہو کر لے لیکن اگر اس شخص نے سلام پھیر دیا اور نماز کے بعد یاد آیا کہ اس کے ذمہ رکوع باقی ہے تو اس شخص کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اب اس کی قضاء ممکن نہیں۔ اور اگر چھوٹنے والی چیز واجب ہے تو دیکھا جائے کہ عمداً (جان بوجھ کر) چھوڑا ہے یا بھول کر اگر جان بوجھ کر چھوڑ دیا تو اس صورت میں نماز کا اعادہ واجب ہے اور اگر بھول کر چھوڑا ہے تو سجدۂ سہو سے اس کا تدارک کیا جاسکتا ہے۔

(۶) چھٹا قاعدہ : اگر امام پر سجدہ سہو واجب ہو جائے تو مقتدیوں پر بھی سجدہ سہو واجب ہو گا چونکہ مقتدی ہر فعل میں امام کے تابع ہوتے ہیں اور اگر مقتدیوں سے ایسی غلطی ہو جائے جس سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے تو امام پر سجدہ سہو واجب نہیں ہو گا کیونکہ تابع کی غلطی شمار نہیں کی جائے گی۔

(۷) ساتواں قاعدہ : اگر نمازی سے کئی غلطیاں ایسی ہو جائیں کہ جن سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہو تو ان سب کی طرف سے ایک سجدۂ سہو کافی ہو گا خواہ دوبارہ ہونے والی غلطی سجدہ سہو کر لینے کے بعد کیوں نہ ہو، ایک دفعہ تحریمہ کے بعد سلام پھیرنے تک ایک نماز شمار ہوتی ہے اور اگلی تحریمہ کے بعد دوسری۔

سجدۂ سہو کرنے کا طریقہ: سجدۂ سہو کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آخری رکعت میں صرف التحیات پڑھ کر داہنی طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرلے، پھر بیٹھ کر التحیات اور درود شریف اور دعا پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیر دے اور نماز ختم کردے۔

﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَهِنُوْا... الخ جہاد میں کم ہمتی کی ممانعت: اس میں جہاد کا ایک حکم مذکور ہے کہ جہاد میں سستی ناجائز ہے۔

وَتَرْجُوْنَ: الخ یاس میں فریقین کا تفاوت۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ

بیشک ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف کتاب حق کے ساتھ تاکہ آپ فیصلہ کریں لوگوں کے درمیان اس کے مطابق جو اللہ نے آپ کو بات سمجھائی ہے اور نہ ہوں آپ

لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ۝۱۰۵ۙ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۰۶ۚ وَلَا تُجَادِلْ

خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑا کرنے والے ﴿۱۰۵﴾ اور اللہ سے بخشش مانگیں بیشک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور مہربان ہے ﴿۱۰۶﴾ اور نہ جھگڑا کریں آپ

عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِــيْمًا ۝۱۰۷ۚۙ

ان لوگوں کی طرف سے جو اپنے نفسوں سے خیانت کرتے ہیں بیشک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا اس شخص کو جو خیانت کرنے والا گنہگار ہو ﴿۱۰۷﴾

يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ

یہ لوگ چھپتے ہیں لوگوں سے اور نہیں چھپتے اللہ سے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے جبکہ وہ رات کو مشورہ کرتے ہیں

مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۝۱۰۸ ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَاۗءِ

اس بات کا جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی یہ کام کرتے ہیں اس کا احاطہ کرنے والا ہے ﴿۱۰۸﴾ ہاں سنو اے لوگو!

جٰدَلْتُمْ عَنْھُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۣ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْھُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ

تم جھگڑتے ہو ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں پس کون جھگڑے گا اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کی طرف سے قیامت والے دن یا کون ہوگا

يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝۱۰۹ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ

ان کی طرف سے وکیل ﴿۱۰۹﴾ اور جو شخص برائی کرے یا ظلم کرے اپنی جان پر پھر وہ اللہ سے بخشش طلب کرے تو پائے گا

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۱۰ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰي نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِــيْمًا حَكِــيْمًا ۝۱۱۱

اللہ تعالیٰ کو بخشش کرنے والا مہربان ﴿۱۱۰﴾ اور جو شخص گناہ کمائے گا بیشک وہ کمائے گا اس کو اپنی جان پر اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے ﴿۱۱۱﴾

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗــــــَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗــــــًٔـا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۱۱۲ۧ

اور جو شخص کوئی خطا یا گناہ کرے گا پھر وہ اسے کسی بری شخص پر لگائے گا بے شک اس نے اٹھایا بہتان اور صریح گناہ

﴿۱۰۵﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ... الخ صداقت قرآن۔ ربط آیات: اوپر منافقین کا ذکر ہو رہا تھا اب آگے بھی منافقین کے

ایک خاص واقعہ کے مضمون کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ۱۶ صداقت قرآن، حکمت انزال، طرف داری کی ممانعت، تنبیہ خاتم الانبیاء، کیفیت خائنین، تنبیہ طرف داران، ترغیب توبہ برائے خائنین، وبال گناہ، کیفیت متہم۔ ماخذ آیات: ۱۰۵: تا ۱۱۲+

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی چوری کا واقعہ

شان نزول: بنو اُبیرق ایک خاندان تھا اس میں بشیر یا بشر نامی ایک منافق تھا اس نے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں نقب لگا کر کچھ آٹا اور اس میں ہتھیار رکھے تھے چرا لیے، صبح کو قریب کے پڑوس میں تلاش کیا اور بعض قوی قرائن سے بشیر پر شبہ ہوا بنو ابیرق نے جو بشیر کے شریک حال تھے اپنی برأت کے لئے حضرت لبید کا نام لیا انہوں نے جب مارنے کی دھمکی دی تو بنو ابیرق نے ایک یہودی کے نام پر چوری لگا دی۔ غرض حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج کر اس واقعہ کی اطلاع دی۔

آپ نے تحقیق حال کا وعدہ فرمایا بنو ابیرق کو جب یہ خبر ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ اور قتادہ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی، کہ بلا ثبوت شرعی چوری ہمارے نام لگا رہے ہیں، حالانکہ مسروقہ مال یہودی کے گھر سے برآمد ہوا ہے، کیونکہ انہوں نے آٹے کی بوری کو تھوڑا سا پھاڑ دیا تھا جس کی وجہ سے آٹا گرتا رہا تھا حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے مکان اور اس یہودی کے مکان تک آٹے کے گرنے کے نشانات موجود تھے، جب یہودی سے تحقیق ہوئی تو اس نے کہا میرے پاس بنو ابیرق نے امانت کے طور پر رکھی ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی آپ ان کو منع کریں اور یہ یہودی پر دعویٰ کریں۔

ظاہری حالات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رجحان بھی یہودی کے متعلق ہونے لگا کہ اس کو چوری کی سزا دی جائے۔ ادھر حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ آپ لوگ بغیر دلیل شرعی کے ایک مسلمان گھرانے پر چوری کا الزام لگا رہے ہیں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں بہت رنجیدہ ہوئے افسوس کیا کہ کاش میں اس معاملہ کو حضور کی خدمت میں نہ لے جاتا مال چلا جاتا تو کوئی حرج نہ تھی، اسی طرح جب حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس پر صبر کیا۔ اس معاملہ میں کچھ وقت نہ گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حقیقت حال کو کھول دیا آپ پر ایک رکوع اس بارے میں نازل ہو گیا۔ بنو ابیرق کا چوری کرنا ظاہر کر دیا اور یہودی کو بری کر دیا بنو ابیرق نے مجبور ہو کر مسروقہ مال واپس کیا، حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اسلحہ جہاد کے لئے وقف کر دیا بشیر مدینہ سے مکہ بھاگ گیا مشرکین کے ساتھ مل گیا، پہلے منافق تھا اب کھلا کافر ہو گیا اگر پہلے مسلمان تھا تو اب مرتد ہو گیا۔ (تفسیر مظہری، ص ۲۲۹، ج ۲)

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ الخ صداقت قرآن :اے رسول ہم نے اپنی سچی کتاب تجھ پر اس لئے اتاری کہ۔ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ : حکمت انزال قرآن: تا کہ آپ ان لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں۔ وَلَا تَكُنۡ :طرف داری کی ممانعت: حاصل آیت: اللہ کی مرضی کے مطابق فیصلہ ہونا چاہئے اور کسی کی رعایت نہ کی جائے۔

﴿۱۰۶﴾ حکم استغفار :اگر ایسی غلطی ہو جائے تو اہل حل وعقد کا فرض ہے کہ خدا تعالیٰ سے معافی مانگیں تا کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو کر مدد نہ چھوڑ دے۔ ﴿۱۰۷﴾ تنبیہ خاتم الانبیاء: لوگوں کے مالوں کی خیانت کرنے والے مجرموں کی ہر گز طرف داری نہ کی جائے۔ اِنَّ اللّٰهَ الخ نتیجہ۔ ﴿۱۰۸﴾ کیفیت خائنین: وہ لوگوں سے چھپ سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ تو ان کی کارروائیوں سے پوری طرح آگاہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت معیت

اللہ تعالیٰ صفتِ معیت کے ساتھ بھی متصف ہے، معیت الٰہی کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم، سمع، بصر اور احاطہ کے اعتبار

سے اپنی مخلوق اور بندوں کے ساتھ ہے، اس کو معیت عامہ کہا جاتا ہے۔ دوسری معیت خاصہ ہے جو خاص مؤمنین کے لیے ہے اور اس معیت کا معنی بندوں کی نصرت، تائید اور حفاظت ہے، اس کی معیت اور قرب مخلوق کی معیت اور قرب کی طرح نہیں ہے۔

معیت پر دو دلائل :اس مقام پر صرف دو مقام پیش خدمت ہیں تفصیل معارف التبیان میں دیکھیں۔ ایک تو یہی مقام ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے : (۱) "یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ "۔ (النسآء :۱۰۸)

ترجمہ :"یہ لوگوں سے تو شرماتے ہیں، اور اللہ سے نہیں شرماتے حالانکہ وہ اللہ تو ان کے ساتھ ہوتا ہے"

(۲) وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (الحدید :۴) ترجمہ :"اور تم جہاں کہیں ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے، اور جو کام بھی تم کرتے ہو، اللہ اس کو دیکھتا ہے۔" (ہود۔ ٦)

قرب و بعد: نیک آدمی اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے اور برا آدمی اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے۔ یہ قرب اور بعد مسافت کے اعتبار سے نہیں بلکہ یہ قرب بلا کیف ہے اور یہ بعد بھی بلا کیف ہے۔

اللہ کے وجود کا منکر :جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہے وہ بے دین اور کافر ہے اور اس جرم کی پاداش میں وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہر عیب سے پاک :اللہ تعالیٰ ہر قسم کے نقص وعیب، کمزوری ومحتاجی اور تمام لوازمات وعاداتِ بشریہ مثلاً پیدا ہونا، بیماری، صحت، بچپن، جوانی، بڑھاپا، نیند، اونگھ، تھکاوٹ اور نسیان وغیرہ سے پاک ہے۔ فرمایا:"اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ج لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ"۔ ترجمہ :"اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو سدا زندہ ہے، جو پوری کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، جس کو نہ کبھی اونگھ لگتی ہے نہ نیند۔"

"لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ(۳) وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ"۔ (الإخلاص۔ ۴۔۳)

ترجمہ :"نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور اس کے جوڑ کا کوئی بھی نہیں۔"

"سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ"۔ (الصّٰفّٰت :۱۸۰) ترجمہ :"تمہارا پروردگار، عزت کا مالک، ان سب باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ مؤثرِ حقیقی ہے:اللہ تعالیٰ ہی نے ہر چیز کو وجود بخشا ہے اور ہر چیز کے خواص اور تاثیر کا بھی وہی خالق ہے، کوئی چیز ذاتی طور پر مؤثر، مفید یا نقصان دہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز میں مؤثر حقیقی ہے اور ہر چیز کا نفع ونقصان اسی کے قبضہ میں ہے۔ مخلوق کی زندگی اور موت، صحت اور بیماری، اچھائی اور برائی سب اسی کے قبضہ میں ہے، وہ جب چاہتا ہے مخلوق کو زندہ رکھتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کو موت دے دیتا ہے۔ اسی طرح جب تک چاہے گا کائنات کو باقی رکھے گا اور جب چاہے گا اس کو فنا کر کے قیامت برپا کر دے گا۔"اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ"۔ (فُصِّلَت :۵۴) ترجمہ :"یاد رکھو کہ وہ ہر چیز کو احاطے میں لیے ہوئے ہے۔"

نزول باری تعالیٰ:اللہ تعالیٰ جب آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں تو ان کا نزول بلا کیف ہوتا ہے اور جب قیامت کے دن میدانِ حشر میں نزول فرمائیں گے تو ان کا نزول بلا کیف ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ:"وَّجَآءَ رَبُّكَ"۔ (الفجر :۲۲) ترجمہ :"اور آئے گا تمہارا رب۔"

"هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ" (البقرۃ :۲۱) ترجمہ :"یہ اس کے سوا کس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ خود ان کے سامنے آموجود ہو۔"

باری تعالیٰ کا غیر فانی ہونا: اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں تغیر اور فنا نہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات بھی ہمیشہ باقی رہے گی اور اس کی صفات بھی ہمیشہ باقی رہیں گی، اس کے سوا ہر مخلوق فانی ہے اور فنا ہونے والی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ: "لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ط لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ"۔ (قصص :۸۸)

ترجمہ : "اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر چیز فنا ہونے والی ہے، سوائے اس کی ذات کے۔ حکومت اسی کی ہے، اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔"

"كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ"۔ (الرحمٰن :۲۶۔۲۷)

ترجمہ : "اس زمین میں جو کوئی ہے، فنا ہونے والا ہے، اور صرف تمہارے پروردگار کی جلال والی، فضل و کرم والی ذات باقی رہے گی۔"

﴿۱۰۹﴾ تنبیہ طرف داران : اگر تم نے دنیا میں ان مجرموں کو بچالیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں کون بچائے گا؟

﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ الخ ترغیب توبہ برائے خائنین : جو کوئی متعدی گناہ کرے یا صرف اپنی جان کا ضرر کرے مطلب یہ ہے کہ اس گناہ کا اثر دوسروں تک نہ پہنچے پھر اللہ تعالیٰ سے حسب قانون معافی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔

فَائِدَة : قرآن کریم کی تعلیمات سے انحرف کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ ہے کہ روح تعلیم اڑا دی جائے، مثلاً جہاد فرض قرار دیا گیا ہے، ایک جماعت پیدا ہو کہ وہ جہاد کی فرضیت کو اڑا دے تو یہ "يَعْمَلْ سُوْٓءًا" میں داخل ہوگا اور دوسری صورت یہ ہے کہ حکم کی صورت کو توڑ دیا جائے تو یہ "يَظْلِمْ نَفْسَهٗ" ہوگا مثلاً کوئی شخص با جماعت نماز پڑھنے میں نقص پیدا کر دے ان جرموں کا مرتکب بھی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے گا تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے گا۔

﴿۱۱۱﴾ وبال گناہ : یعنی جو اپنے ارادہ سے گناہ کرے اس کا وبال تو اس پر پڑے گا اور اس کی سزا خاص اس کو دی جائے گی کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ تو وہی کر سکتا ہے جس کو حقیقت بات کی خبر نہ ہو یا حکمت سے بے خبر ہو مگر حق تعالیٰ بلا مبالغہ علیم و حکیم ہیں وہاں اسکی گنجائش کہاں تو اب خود چوری کر کے یہودی کے سر لگانے کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ ﴿۱۱۲﴾ کیفیت متہم: یعنی جس نے چھوٹا یا بڑا گناہ کر کے کسی بے گناہ کے ذمہ لگایا تو اس پر تو دو گنا گناہ لازم ہو گیا، ایک جھوٹی تہمت دوسرا وہ اصلی گناہ تو ظاہر ہو گیا کہ خود چوری کر کے یہود پر تہمت لگانے سے وبال بڑھ گیا نفع کچھ بھی نہ ہوا، معلوم ہو گیا، گناہ بڑا ہو یا چھوٹا توبہ خالص کے سوا اس کا کوئی علاج نہیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ

اور اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا اور اس کی رحمت تو البتہ ارادہ کیا تھا ایک گروہ نے ان میں سے کہ آپ کو بہکا دیں اور نہیں بہکاتے مگر

اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ

اپنی جانوں کو اور وہ نہیں نقصان پہنچا سکتے آپ کو کسی قسم کا اور اتاری ہے اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت اور سکھلایا ہے آپ کو

مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿١١٣﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ

وہ کچھ جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے ﴿۱۱۳﴾ کچھ بہتری نہیں ان کے بہت سے پوشیدہ مشوروں میں

اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

مگر وہ شخص کہ جس نے حکم دیا صدقہ کرنے کا یا نیک کام کرنے کا لوگوں کے درمیان اصلاح کا اور جو شخص یہ کام کرے گا

ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١١٤﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ

اللہ کی خوشنودی کی تلاش کے لئے پس ہم عنقریب دیں گے اس کو بہت بڑا اجر ﴿۱۱۴﴾ اور جو شخص مخالفت کرے گا اللہ کے رسول کی

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ

اس کے بعد کہ اس شخص کے لئے ہدایت واضح ہو چکی ہے اور وہ شخص پیروی کرتا ہے مومنوں کے رستے کے علاوہ ہم اس کو پھیر دیں گے اسی طرف جس طرف اس نے رخ کیا ہے اور ہم

جَهَنَّمَ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿١١٥﴾

اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے لوٹ کر جانے کی ﴿۱۱۵﴾

﴿۱۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ ... الخ ربط آیات: اوپر خائنوں کا ذکر تھا اب آگے آپ کی عصمت جلال کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ۱۷ شفقت خداوندی سے عصمت پیغمبری، اخبار غیب، سرگوشی کی ممانعت، رفع ممانعت۔۱۔۲۔۳۔نتیجہ، نتیجہ مخالفت رسول ومؤمنین اور اجماع کی حجیت پر دلیل۔ا۔ماخذ آیات ۱۱۳: تا ۱۱۵+

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ: شفقت خداوندی سے عصمت پیغمبری: "طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ" ان منافقین میں سے ایک گروہ یہ ارادہ کر چکا تھا کہ اپنی چرب زبانی سے آپ کو غلطی میں ڈال دیں آپ سے خلاف حق فیصلہ کرالیں مگر حق تعالیٰ نے آپ پر اپنا فضل کیا کہ وحی کے ذریعہ اصل واقعہ سے آپ کو مطلع کر دیا اور آپ کی عصمت جلال کو باقی رکھا۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ: اخبار غیب: اللہ تعالیٰ نے بہت سی غیب کی خبروں پر آپ کو مطلع کیا جن کا آپ کو پہلے سے کچھ علم نہ تھا اور یہ اس وجہ سے کہ تجھ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے اور ظاہر ہے کہ جس پر اللہ کا خاص فضل ہو اس کو کون ضرر اور نقصان پہنچا سکتا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اس واقعہ سے آپ کو اطلاع نہ دیتا تو آئندہ کے لئے بھی منافقوں میں مخلص اور مفلس مسلمانوں کے مال ہتھیانے کی ہمت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دغا اور فریب کرنے کی جرأت بڑھ جاتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی

اس واقعہ سے معلوم ہوا (۱) اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہوتے تو آپ نے یقیناً منافق کو چوری کرتے دیکھا ہوتا۔ (۲) منافقین کی آپس میں دغابازی اور جعلسازی کی تمام باتیں سنی اور مشاہدہ کی ہوتیں۔ (۳) پھر آپ نے کیوں صاحب حق اور سچے صحابی کو نہ صرف یہ کہ حق ہی نہ دلوایا بلکہ ڈانٹ ڈپٹ بھی کی اور منافقین کو سچا تصور فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو معافی مانگنا پڑی۔ (۴) کیا آپ نے دیدہ دانستہ صاحب حق کو جھڑکا اور جائز حق سے محروم رکھا؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ) کچھ تو فرمائیے کیا یہی عشق رسول ہے؟

خدا معلوم جب تم خشمگین ہوتے تو کیا کرتے۔ کئے لاکھوں ستم اس پیار میں بھی آپ نے ہم پر۔

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ آپ کو جمیع ماکان و مایکون کا بھی علم حاصل نہ تھا اور نہ آپ مختار کل تھے کہ جو چاہتے سو کرتے بلکہ آپ پر موقع بہ موقع اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام نازل ہوتے رہتے تھے۔ (تجرید، ص ۹۲، ۹۳)

اہل بدعت کا علم غیب پر استدلال اور اس کا رد

اس آیت سے بریلوی حضرات نے علم غیب پر استدلال کیا ہے کہ اس میں "ما" عموم کے لئے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پاک ﷺ علم غیب کلی جانتے تھے اس کا جواب سورہ بقرہ کی آیت :۱۵۱ میں تفصیلاً گزر چکا ہے دیکھیں۔ البتہ ایک من گھڑت ضابطہ کا حشر بھی ملاحظہ فرمالیں۔

من گھڑت ضابطہ: بعض بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ "ما" عموم کے لئے ہے اور "عَلَّمَ" کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور مفعول آنحضرت ﷺ ہیں اللہ تعالیٰ مفیض عام ہے اور آنحضرت ﷺ میں استعداد تام ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو کلی علم غیب تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سورہ علق میں "عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ" اس میں "الْإِنْسَانَ" سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک آنحضرت ﷺ ہیں اور بعض بریلوی مولوی بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں تو یہاں بھی فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور مفعول آنحضرت ﷺ ہیں اور سورہ علق کی یہ آیتیں بھی بالاتفاق سارے قرآن سے پہلے نازل ہوئی تھیں، اگر "ما" کو عموم اور استغرق حقیقی کے لئے مان لیا جائے اور "عَلَّمَ" ماضی کا صیغہ ہے جو گزشتہ زمانہ میں وقوع فعل پر دلالت کرتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے پہلے یا اس کے نزول کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو تمام علوم غیبیہ سکھا دیے تھے تو (العیاذ باللہ) پھر سارے قرآن کے نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیونکہ یہ تحصیل حاصل ہے نیز یہ قانون بھی کسی کتاب میں نہیں لکھا ہوا کہ فاعل اللہ تعالیٰ ہو اور مفعول آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس ہو تو وہاں ہمیشہ عموم ہی مراد لیا جاتا ہے بلکہ یہ ضابطہ محض شرک کی اشاعت کے لئے گھڑ لیا گیا ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق دے۔

استخراج مسئلہ: ختم نبوت کی دلیل: اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل آپ ﷺ پر یہ ہے کہ آپ کو ختم نبوت کا تاج پہنایا گیا کہ آپ آخری نبی ہیں۔ (ابن کثیر: ص:۱۱ سوج۔ ۳)

نمبر ۱۴۔ علامہ فیضی صاحب کا حضرت عمرؓ کے قول سے علم غیب پر استدلال لکھتے ہیں:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اعتقاد تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کے سارے حالات جانتے تھے۔ یقول (عمر) قام فینا النبی صلی الله علیه وسلم مقامًا فأخبرنا عن بدء الخلق حتّٰی دخل أهل الجنة منازلهم و أهل النار منازلهم۔ (رواہ البخاری ج ۱: ص۔ ۴۵۳)

ترجمہ: حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم میں کھڑے ہوئے اور ہمیں ابتداً مخلوق کے حالات کی خبر دینی شروع کی یہاں تک کہ بہشتی بہشت میں اپنے مقامات میں داخل ہوئے اور دوزخی دوزخ میں اپنے مقامات میں داخل ہوئے۔"

پھر علامہ صاحب نے حاشیہ اور شرح کا حوالہ دے کر یہ نتیجہ کشید کیا ہے کہ: "اب جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق کے کسی ذرہ سے بے علم اور بے خبر جانتے ہیں وہ فاروق اعظم کے دشمن اور گستاخ ہیں اور نظریہ فاروقی کے منکر ہو کر بے دین ہیں۔"

(نظریات صحابہ ص ۲۹، ۳۰)

الجواب: علامہ صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کردہ حدیث سے اپنا خود ساختہ عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرہ ذرہ کا علم تھا، آپ ساری مخلوق کے سارے حالات جانتے تھے، پھر ظلم بالائے ظلم یہ کہ یہ شرکیہ عقیدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سر تھوپ دیا اور پھر اس عقیدہ کو "نظریاتِ صحابہ" میں شامل کر کے پوری اُمت کے مسلمانوں پر گستاخِ صحابہ اور منکرِ صحابہ کا فتویٰ جڑ دیا اور بے دین بھی کہہ دیا ہے "لاحول ولاقوۃ الا باللہ"۔

اولاً: اسلئے کہ فریق مخالف کو چاہئے تھا کہ وہ حدیث بخاری کے مطلب کو کتاب وسنت کی روشنی میں معلوم کرنے کی کوشش کرتے اور سلف صالحین کے فہم کو سامنے رکھ کر حدیث مذکورہ کی مراد معلوم کرتے تو یقیناً اتنا ظلم نہ کرتے جواب کر دیا۔

کیونکہ وہ اپنے مخصوص نظریات ثابت کرنے کے لیے سلف صالحین کے راستے سے ہٹ جاتے ہیں اور مجبوراً ان کو غیر مقلدین کے اسٹیج سے بات کرنی پڑتی ہے، اور غیر مقلدیت کا خیر سے اسٹیج ہی کچھ ایسا ہے جس میں سلف صالحین کا کوئی ادب واحترام نہیں ہے، اسی اسٹیج سے کتاب وسنت کے من مانے مطالب بیان کیے جاتے ہیں، اسی اسٹیج سے ائمہ مجتہدین پر کیچڑ اُچھالا جاتا ہے، اسی اسٹیج سے بے ڈھنگے فتوے جاری کیے جاتے ہیں، اسی اسٹیج سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معیارِ حق سے گرایا جاتا ہے، اور اسی اسٹیج سے گندی زبان استعمال کی جاتی ہے، "نمازِ حنفی" جو درحقیقت "نمازِ محمدی" ہے، اسی اسٹیج سے اس کا مذاق اُڑایا جاتا ہے، اور اسی اسٹیج پر "فقہ حنفی" جو درحقیقت "فقہ محمدی" ہے کو قرآن وحدیث کے خلاف "سازش" کہا جاتا ہے، چونکہ وہ ایسے اسٹیج سے بول رہے ہیں، خیر سے بولی بھی انہی والی بولتے ہیں، جیسا دیس ویسا بھیس۔ لہٰذا انہوں نے مطلب حدیث بیان کرنے میں خالص دروغ گوئی سے کام لیا ہے۔ یہ حدیث کا ہرگز مطلب نہیں ہے۔

ثانیاً: اگر حدیث عمر رضی اللہ عنہ کا وہ مطلب لیا جائے جو انہوں نے بیان کیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات کے تمام حالات جانتے ہیں، بلکہ ذرہ ذرہ کا علم رکھتے ہیں تو یہ مطلب قرآن کے بھی خلاف، حدیث کے بھی خلاف، نظریاتِ صحابہ کے بھی خلاف، اہلِ سنت والجماعت کے عقیدہ کے بھی خلاف اور فقہ حنفی کے بھی خلاف ہے۔

نمبر ایک یہ نظریہ قرآن کے خلاف ہے: (۱) قرآن کہتا ہے کہ قیامت کی حتمی تاریخ کا علم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیا گیا۔ (۲) قرآن کہتا ہے کہ شعر وشاعری کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں سکھایا گیا۔ (۳) قرآن کہتا ہے کہ بعض نبیوں کے حالات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بتائے گئے۔ (۴) قرآن کہتا ہے کہ بعض منافقین کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں تھا۔ (۵) قرآن میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اعلان کیا گیا ہے: "وَلَآ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ" یعنی میں غیب نہیں جانتا۔

(۶) قرآن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلواتا ہے: "ان ادری، لا ادری" یعنی میں نہیں جانتا۔

قارئین کرام! فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ قرآن تو کہتا ہے کہ آپ کو بعض چیزوں اور بعض شخصوں کا علم نہیں دیا گیا اور علامہ صاحب کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذرہ ذرہ کو جانتے تھے، یہ دو متضاد نظریات ہیں جس کو چاہیں سچا کہیں، اور جس کو چاہیں جھوٹا کہیں، لیکن انصاف شرط ہے۔

نمبر ۲ یہ نظریہ حدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھی خلاف ہے، اس پر چار دلائل: (۱) بخاری شریف کی صحیح حدیث میں ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میدانِ محشر میں کچھ لوگ میرے حوضِ کوثر کی طرف آنے کی کوشش کریں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کے ملائکہ ان کو میرے حوضِ کوثر سے ہٹا کر جہنم کی طرف دھکیل دیں گے، تو میں کہوں گا کہ: یہ لوگ میرے ساتھی ہیں! لیکن مجھے جواب دیا جائے گا: "انك لا تدري ما أحدثوا بعدك!" یعنی آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا ایجاد

کیا؟ یعنی اصلی دین کو چھوڑا اور نیا دین بنایا اور مرتد و مبتدع بن گئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ :جس نے میرے بعد دین کو تبدیل کیا اس کے لیے ہلاکت ہے۔یہ حدیث بخاری شریف جلد:۲ صفحہ ۹۶۹ :اور ص ۹۷۴ :پر موجود ہے، اور بخاری شریف کے علاوہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی یہ حدیث بکثرت موجود ہے، اور تیس سے زیادہ اصحاب کرامؓ اس کو روایت کرنے والے ہیں، اور وہ سب صحابہؓ یہی فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مرتدین کے حالات معلوم نہ تھے، اسی لیے آپ نے ان کو اپنا اُمتی سمجھا، حالانکہ وہ سچا دین چھوڑ کر مرتد ہو چکے تھے۔آپ نے دیکھا کہ ایک طرف تیس سے زیادہ صحابہ کرامؓ ہیں جن کا نظریہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے سارے حالات کو نہیں جانتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتدین کے حال کا علم نہیں تھا، اور دوسری طرف علامہ صاحب ہیں جو کہتے ہیں کہ :آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے سارے حال جانتے تھے اور یہی نظریہ صحابہ ہے۔فیصلہ خود فرمائیں کہ علامہ صاحب کے دعویٰ میں کتنے فیصد صداقت پائی جاتی ہے۔

یقین جانئے علامہ منظور فیضی صاحب کا صحابہ کرامؓ پر حملہ ہے :آپ نے بخاری اور دوسری کتب حدیث سے جان لیا کہ تیس سے زائد صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتدین کا حال معلوم نہیں تھا، اور علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ :جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق کے ایک ذرہ سے بھی بے خبر جانے وہ بے دین ہے (معاذ اللہ، استغفر اللہ) علامہ صاحب ہوش میں آئیں! آنکھیں کھولیں! کن لوگوں کو بے دین کہہ رہے ہیں؟ آپ نے شاید یہ سمجھا کہ میرے فتویٰ کی گولی کا نشانہ صرف علمائے دیوبند ہیں، نہ نہ! یہ تو اصحاب رسول کا نظریہ اور عقیدہ ہے، اور آپ کے فتویٰ کا رُخ بھی اسی طرف ہے، لیکن آسمان کا تھوکا منہ پر آتا ہے۔

(۲) بخاری شریف میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ :غزوۂ بنی المصطلق میں، میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھی، راستے میں آپ نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا، وہاں میرا ہار گم ہو گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاش میں وہاں ٹھہر گئے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ٹھہر گئے، آپ نے ہار کی تلاش کے لیے آدمی بھیجے، جس مقام پر ہمارا پڑاؤ تھا وہاں پانی نہیں تھا، پانی کی عدم موجودگی کی وجہ سے لوگوں کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا، اسی موقع پر تیمم کی آیت نازل ہوئی، ہار نہ ملا، بالآخر روانگی کے لیے اُونٹ کو اُٹھایا گیا تو ہار اُونٹ کے نیچے پڑا ہوا تھا۔(بخاری شریف ج ۱ :ص۔۴۸)

اس غزوہ میں سینکڑوں آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، اور سب کے سب آپ کے صحابہؓ تھے، سیدہ عائشہ صدیقہ کا ہار گم ہو گیا، تلاش کیا گیا، آپ نے تلاش کے لیے خود آدمی بھیجے لیکن ہار نہ ملا، تلاش کرنے میں اچھا خاصا وقت لگ گیا، پانی نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو سخت تکلیف ہوئی اور پریشانی لاحق ہوئی، اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی، لیکن ہار نہ ملا، بالآخر مایوس ہو گئے اور کوچ کے لیے اُونٹ کو اُٹھایا گیا تو گمشدہ ہار اُونٹ کے نیچے پڑا تھا۔اب یہ تو خود علامہ صاحب بتائیں گے کہ گمشدہ ہار کی خبر نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو، اس کی کیا وجہ جب کہ آپ کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کے ذرہ ذرہ کو جانتے ہیں؟ پس ثابت ہوا کہ علامہ صاحب کا یہ نظریہ احادیث کے مخالف ہے۔غور کا مقام ہے کہ غزوۂ بنی المصطلق میں شریک تمام صحابہ کرامؓ کا نظریہ تو یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہار کا علم نہیں تھا، اسی لیے صحابہ کرامؓ کو تلاش کرنے کا حکم دیا، لیکن علامہ صاحب کہتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کے ایک ذرہ سے بے خبر ہیں تو وہ بے دین ہے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم! ملاحظہ فرمائیں ''نظریات صحابہ'' کا مؤلف کس بے دردی سے نظریات صحابہ کو بے دینی کہہ رہا ہے۔

(۳) بخاری شریف میں حدیث شفاعت موجود ہے، جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، اُس طویل حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: میدان حشر میں لوگ تمام پیغمبروں سے واپس لوٹ کر میرے پاس شفاعت کے لیے آئیں گے تو میں فوراً شفاعت کے لیے سجدہ میں چلا جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد وثنا کروں گا جو اس وقت اللہ تعالیٰ میرے دل میں الہام والقا کریں گے، پس میں انہیں تعریفوں سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کروں گا۔ جواب مجھے نہیں ہیں، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "یلهمنی محامد أحمده بها لا تحضرنی الأن"، یعنی وہ تعریفیں اُس وقت اللہ تعالیٰ مجھے سکھائیں گے، وہ اب مجھے معلوم نہیں ہیں۔
(بخاری شریف ج ۲: ص۔ ۱۱۸)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کے بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جن کا علم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میدانِ حشر میں عطا کیا جائے گا، دنیا میں آپ کو ان کا علم نہیں دیا گیا۔ لیکن علامہ صاحب کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرہ ذرہ کا علم دے دیا گیا ہے، اور دھمکی بھی دے دی، اگر ایسا نہ مانو گے تو معاذ اللہ بے دین ہو جاؤ گے۔

(۴) بخاری شریف میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث موجود ہے کہ: ایک غزوہ میں عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین نے اپنی خاص محفل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے متعلق گستاخانہ باتیں کیں، حضرت زید بن ارقم کم عمر تھے انہوں نے ان کی باتیں سن لیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی کو بلایا اور پوچھا کہ: کیا تو نے یہ باتیں کی ہیں؟ تو وہ قسم کھا کر کہنے لگا کہ: میں نے یہ باتیں نہیں کیں، یہ بچہ غلط کہتا ہے! تو حضرت زیدؓ فرماتے ہیں: "فکذبنی رسول الله صلی الله علیه وسلم و صدّقه" یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم پر اعتماد کر کے مجھے جھٹلایا اور اس کی تصدیق کر دی۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں: مجھے دکھ اور صدمہ پہنچا جس کی وجہ سے میں غم کے مارے گھر میں بیٹھ گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ "اذا جاءك المنافقون" نازل فرمائی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے گھر سے بلایا اور یہ سورۃ سنائی پھر ارشاد فرمایا: "ان الله صدقك یا زید" (اے زید! اللہ تعالیٰ نے تیری تصدیق کر دی ہے)۔ (بخاری شریف ج ۲، ص۔ ۷۲۷)

علامہ صاحب ذرا اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جان بوجھ کر حضرت زید بن ارقم کی تکذیب کر دی تھی؟ نہیں! نہیں (نعوذ باللہ من ذالک) حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ بن اُبی دنیاوی لحاظ سے ذی اثر اور عمر رسیدہ آدمی تھا، زبان کا طرار اور باتونی قسم کا عیار آدمی تھا، پھر اس نے قسم بھی اُٹھالی، مزید اس کی جماعت نے صفائی دے دی، ادھر حضرت زید کم عمر بچے تھے، ان کے پاس کوئی گواہ بھی نہیں تھا، اکیلے تھے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عالم الغیب نہیں تھے، انہیں حالات کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتوں اور قسموں پر اعتماد کر لیا اور حضرت زید کی تکذیب کر دی، لیکن اللہ تعالیٰ نے سورۃ منافقون نازل کر کے حقیقت حال کھول کر رکھ دی اور حضرت زید کی تصدیق بھی کر دی۔

ان مذکورہ بالا چار حدیثوں کے دلائل علاوہ اور دلائل بھی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ کو جاننے والا صرف اللہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وہ علوم عطا فرمائے ہیں جو آپ کے شایان شان تھے، مخلوق کے ذرہ ذرہ کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیا گیا، اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ضرورت تھی، لیکن ہم انہی دلائل پر اکتفا کرتے ہیں۔

ثالثاً: علامہ صاحب کا نظریہ، مسلک اہل سنت والجماعت اور فقہاء کرام کے بھی خلاف ہے

اہل سنت والجماعت کے تمام علماء کا اتفاق ہے کہ عالم الغیب صرف اللہ ہے، وہی ساری مخلوق کے حالات کو جانتا ہے اور وہی ذرہ ذرہ سے واقف ہے، کائنات کی کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے، بلکہ علمائے اہل

سنت والجماعت نے وضاحت اور صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ جو شخص حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ غیب جانتے تھے، تو وہ کافر ہے، چار حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں :

(۱) شارحِ مشکوٰۃ سلطان العلماء حضرت مولانا مُلّا علی القاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں : ''ثم اعلم انّ الأنبياء عليهم الصلوٰة و السلام لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلّا ما علّمهم الله أحياناً. و ذكر الحنفية تصريحًا بالتكفير باعتقادہ انّ النبيّ صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قولہ تعالىٰ: "قل لا يعلم من فى السمٰوات والأرض الغيب الا الله" كذا فى المسايرة''۔ (شرح فقہ اکبر ص ۔ ۱۵۱)

ترجمہ : ''پھر جان لے کہ حضرت انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مغیبات کا علم نہیں رکھتے تھے، مگر صرف اس قدر جس کا علم اللہ تعالیٰ نے ان کو احیاناً عطا فرمایا ہے، حضراتِ فقہائے احنافؒ نے صراحت کے ساتھ ایسا اعتقاد رکھنے والے کی تکفیر کی ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علمِ غیب ثابت کرتا ہے، کیونکہ یہ عقیدہ سراسر اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مخالف ہے کہ : آپ فرما دیجئے کہ جو مخلوق آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، ان میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا، ہاں! صرف اللہ تعالیٰ ہی غیب کا علم رکھتا ہے اور بس۔''

(۲) امام فخرالدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی الحنفی (المتوفی ۲۹۵ھ) لکھتے ہیں : ''رجل تزوّج امرأة بشهادة الله و رسولہ كان باطلاً لقولہ صلى الله عليه وسلم :لا نكاح إلّا بشهود. و كل نكاح يكون بشهادة الله و بعضهم جعلوا ذالك كفرًا لأنہ يعتقد أنّ الرسول صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب، وهو كفر۔''
(فتاویٰ قاضی خان برہامش فتاویٰ عالمگیریہ ص ۔ ۳۳۴)

ترجمہ : ''ایک شخص نے اللہ اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر کسی عورت سے نکاح کیا، تو یہ نکاح باطل ہوگا، کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :ہر وہ نکاح جو بغیر گواہوں کے ہو وہ نکاح جائز نہیں ہے۔ ویسے ہر نکاح اللہ تعالیٰ کی شہادۃ سے ہوتا ہے لیکن گواہوں کا حاضر ہونا ضروری ہے، بعض علماء نے ایسے طریقہ سے ہونے والے نکاح کو کفر قرار دیا ہے، کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو نکاح میں گواہ بنا رہا ہے وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ رسول غیب جانتے ہیں، حالانکہ یہ اعتقاد رکھنا کفر ہے۔''

(۳) شیخ الاسلام حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب الدین المعروف بابن البزاز لکھتے ہیں: ''جو شخص حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ آپ غیب جانتے ہیں، تو ایسے شخص کے کفر کا خطرہ ہے۔''
(فتاویٰ بزازیہ برہامش عالمگیریہ ج ۴ :ص ۔ ۱۱۹)

(۴) فتاویٰ عالمگیریہ میں بھی یہی لکھا ہے کہ :جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علمِ غیب جانتے ہیں وہ کافر ہے۔ (فتاویٰ عالمگیریہ ج ۲ :ص ۔ ۲۶۶)

اس کے علاوہ بھی حوالہ جات موجود ہیں سب کا احاطہ مقصود نہیں ہے جن میں یہ لکھا ہے کہ جو شخص حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق علمِ غیب کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہے، لیکن وہ موقعہ بہ موقعہ آتے رہیں گے فی الحال انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

رابعاً: علامہ صاحب نے حدیثِ عمرؓ کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ آیاتِ قرآنیہ کے بھی خلاف، احادیثِ صحیحہ کے بھی خلاف اور نظریاتِ صحابہ کے بھی خلاف ہے، اور کسی آیت یا حدیث کا ایسا مطلب بیان کرنا جو دوسرے نصوصِ قطعیہ اور عقائدِ مسلّمہ کے خلاف ہو، ایسا مطلب خود غلط ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیثِ عمرؓ کا کیا مطلب ہے؟ لہٰذا اب حضرت عمرؓ کی بیان کردہ حدیث کا مطلب معلوم کریں۔

حدیثِ بخاری کا مطلب : حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجلس میں کھڑے ہو کر اصولِ دین بیان فرمائے اور ضروری باتیں بتائیں، آنے والے فتنوں سے اُمت کو آگاہ اور خبردار فرمایا، الغرض مبدأ و معاد کی تمام اہم اور ضرورت کی تمام چیزوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مطلع فرمایا۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذرہ ذرہ کے متعلق نجی اور غیر ضروری باتیں بیان فرمائیں، بلکہ ایسی چیزیں نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرضِ منصبی میں شامل ہیں اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان ہیں، چنانچہ نواب محمد قطب الدین صاحب محدث دہلوی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن بڑی تفصیل کے ساتھ مبدأ و معاد کے احوال کو اوّل سے آخر تک بیان فرمایا، یعنی پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تخلیق کائنات کی ابتداء کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو قائم کرنے کا ارادہ کیا تو شروع میں کیا کیا چیزیں بنائیں، پھر کس طرح نظام عالم کو قائم فرمایا اور اس عالم کو "انسان" نامی مخلوق سے آباد کرنے کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی اور ان کے ذریعہ نسلِ انسانی کا سلسلہ شروع ہوا، کائنات انسانی کی تہذیبی، اخلاقی اور دینی زندگی کا نظم قائم کرنے اور رب کائنات کی حاکمیت اور ہدایت کے ظہور کے لیے کون کون نبی اور رسول اس دنیا میں آئے، کیسی کیسی ملتیں اور قومیں وجود میں آئیں، ان ملتوں اور قوموں نے اپنے نبیوں اور رسولوں کی اطاعت کی ان کو کیا اجر و انعام ملے، اور جن لوگوں نے ان رسولوں کو جھٹلایا اور ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا، ان کو کس طرح تباہ و برباد کر دیا گیا، اور آخرت میں ان سب ملتوں اور اُمتوں کا کیا حال ہوگا، اور پھر آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے بارے میں بتایا کہ خدا کے آخری دین اسلام کو ماننے والوں یعنی مسلمانوں کی ملی زندگی میں کیسے کیسے انقلاب آئیں گے، انہیں کن کن احوال سے دوچار ہونا پڑے گا، کون کون سی اچھائیاں ان کا طرۂ امتیاز بنیں گی، اور کون کون سی برائیاں ان کی دینی اور دنیاوی زندگی کو خراب کریں گی، پھر آخرت میں اس اُمتِ محمدیہ کے ساتھ کیا سلوک ہوگا، کس طرح کے لوگ جنت میں اور کس طرح کے لوگ دوزخ کے سپرد کیے جائیں گے۔" (مظاہر حق ج ۵ : ص۔ ۲۹۱)

آپ نے حدیثِ عمر رضی اللہ عنہ کی تشریح پڑھ لی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو فائدے کی سب باتیں بتادیں اور ضرورت کی چیزیں سنادی ہیں، اور آنے والے فتنوں سے خبردار کر دیا، کامیابی اور ناکامی کے اُصول بتادیئے، الغرض اُصولِ دین، اُمورِ مہمہ اور ضرورت کی مفید باتیں بتلادیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ذرہ ذرہ کا علم بتادیا، غیر ضروری باتیں بتادیں، بے فائدہ کام اور فضول باتیں سنادیں، کیونکہ ان باتوں سے اُمت کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اور نہ ان کی اُمت کو ضرورت ہے، اور نہ ہی ایک نبی کے شایانِ شان ہیں۔

اگر علامہ صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ ہر دور میں اربوں کھربوں انسانوں میں سے ہر ایک فرد کے نجی اور ذاتی غیر ضروری حالات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے، مثلاً : ہر ایک آدمی روزانہ کیا کھائے گا اور کتنا کھائے گا؟ کیا پیئے گا اور کتنا پیئے گا؟ اس کے منہ سے کیا نکلے گا اور کتنا نکلے گا؟ روزانہ کیا کام کرے گا اور کتنے کام کرے گا؟ کتنا سوئے گا اور کتنا جاگے گا؟ کتنا چلے گا اور کتنا کھڑا رہے گا اور کتنا بیٹھے گا؟ کتنی دفعہ بیت الخلا جائے گا؟ اور کتنی دفعہ بازار جائے گا؟ اس کے وجود پر کتنے بال ہوں گے، کتنا ہنسے گا اور کتنا روئے گا؟ کہاں مرے گا؟ کون کون سے لوگ اس کا جنازہ پڑھیں گے؟ ان کی پھر کیا کیا علامتیں ہوں گی؟ کہاں دفن ہوگا؟ جس قبرستان میں دفن ہوگا وہاں کتنے درخت ہوں گے اور کتنی مٹی ہوگی اور کتنی گھاس ہوگی؟ اس کی لاش کب قبر میں پھٹے گی اور کب گلے سڑے گی؟ وغیرہ وغیرہ ہمارے لیے یہ سب باتیں فضول اور لایعنی ہیں اور اُمت کو ان کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

اگر علامہ صاحب یہی سمجھتے ہیں تو یہ ان کا سوئے فہم ہے، پھر انسانوں سے زیادہ تعداد جانوروں کی ہے، پرندے اور درندے ہیں، کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام حیوانوں کے نجی اور غیر ضروری حالات بتائے ہوں گے؟ پھر ان سب سے زیادہ تعداد حشرات الارض

کی ہے، کیا ان سب کیڑوں مکوڑوں کے نجی اور غیر ضروری حالات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیے ہوں گے؟ پھر ان سے زیادہ تعداد جنات کی ہے، کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سب حرکات وسکنات اور حالات بیان کیے ہوں گے؟ پھر ان سب سے زیادہ تعداد ''ملٰئکۃ اللہ'' کی ہے، کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملائکہ کے بھی سب حالات بیان فرمائے ہوں گے؟

نہیں نہیں ہرگز نہیں کیونکہ یہ باتیں بحیثیت نبی ورسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان نہیں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اُمت کی ضرورت کے لیے مفید باتیں تفصیل سے بیان کی ہیں اور وہی کچھ بیان فرمایا جو کہ آپ کے شایان شان تھا، اللہ تعالیٰ کی شان اور ہے، وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے، اور ذرہ ذرہ کا علم اُس کے شایانِ شان ہے، اور مخلوق کے تمام حالات اور حرکات و سکنات کا علم اُسی کو حاصل ہے، یہ خالق و مالک (اللہ) کی شان ہے، مخلوق کی یہ شان ہرگز نہیں ہے۔

بس ثابت ہوا کہ مبدأ و معاد کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ضروری اہم اور مفید باتیں تفصیل کے ساتھ بیان فرمائیں، خصوصاً آنے والے فتنوں سے اُمت کو آگاہ فرمادیا، یہ ہے حدیث عمرؓ کا صحیح مطلب، جس سے علامہ صاحب نے خواہ مخواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ذرہ ذرہ کا علم ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

علامہ صاحب سے چند سوالات : اگر اب بھی علامہ صاحب بضد ہیں تو مزید چند چیزیں بطورِ سوال واستفہام ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، تاکہ حقیقت حال کھل کر ان کے سامنے آجائے:

(۱) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے مجمع میں کھڑے ہو کر مبدأ سے معاد کے جو حالات و واقعات بیان فرمائے ہیں، کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو قیامت کی حتمی تاریخ بمع سنہ کے بھی بتائی تھی یا نہیں؟ اگر بتائی تھی تو وہ کون سی تاریخ اور کون سا مہینہ ہے؟

(۲) کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شعر وشاعری کا علم دیا گیا تھا؟ اور کیا اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو شعر و شاعری بھی سکھائی تھی؟ (۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم جادو جانتے تھے؟ اور کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جادو کا علم بھی صحابہ کو سکھایا تھا؟

(۴) اہلِ خیبر نے بکری کے گوشت میں زہر ملا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بعض صحابہؓ نے زہر آلود گوشت تناول فرمایا، کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان بوجھ کر خود بھی زہر کھایا اور صحابہ کرامؓ کو بھی کھلایا؟

(۵) حدیثِ افک میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ روایت فرماتی ہیں کہ میں اپنے کجاوہ سے باہر نکل کر قضائے حاجت کے لیے دُور چلی گئی، پیچھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی کا حکم دے دیا، کجاوہ پر پردہ پڑا ہوا تھا، کجاوہ بردار صحابہؓ نے سمجھا کہ میں کجاوہ میں موجود ہوں، حالانکہ میں باہر تھی، انہوں نے بے خبری میں میرا خالی کجاوہ اُونٹ پر کس دیا اور قافلہ روانہ ہو گیا اور میں پیچھے رہ گئی۔ سوال یہ ہے کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ سیدہؓ کجاوہ میں نہیں ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظار کیوں نہ فرمایا؟ اور قافلہ کو کوچ کا حکم کیوں دے دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے بوجھتے تھے، لیکن پھر بھی خاموشی کے ساتھ سیدہؓ کو چھوڑ کر کیوں چلے گئے؟

(۶) بخاری شریف کی جس حدیث سے علامہ صاحب یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ ولم کو ذرہ ذرہ کا علم تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرہ ذرہ کا علم صحابہ کرامؓ کے سامنے کھڑے ہو کر بیان فرما بھی دیا تھا، اس حدیث کو روایت کرنے والے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی شہادت کا واقعہ کتابوں میں اس طرح لکھا ہے کہ ۲۷ ؍ذوالحجہ ۲۳ھ بروز بدھ آپؓ مسجد نبوی میں صحابہ کرامؓ کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ ابولؤلؤ مجوسی زہر آلود خنجر لے کر مسجد کے محراب میں چھپا ہوا تھا، اس ظالم نے عین نماز کی حالت میں خنجر کے پے در پے وار کر کے آپؓ کو شدید زخمی کر دیا، آپ پانچ دن تک زندہ رہے،

بالآخر یکم محرم الحرام ۲۴ھ بروز اتوار کو اس دارفانی سے رخصت ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بقول علامہ صاحب کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو سب کچھ بتا دیا تھا، اور ذرہ ذرہ کا علم بھی بیان فرما دیا تھا، تو حضرت عمرؓ بھی اس مجمع میں موجود تھے، بلکہ وہی تو اس حدیث کے راوی ہیں، تو لازماً حضرت عمرؓ کو یہ بتایا ہوگا کہ ۲۷ ذوالحجہ ۲۳ھ بروز بدھ بوقت صبح تیرا قاتل مسجد نبوی کے محراب میں چھپا بیٹھا ہوگا، لہٰذا خیال کرنا اپنی جان کا اور بقول علامہ صاحب اس کو ہلاکت میں نہ ڈالنا۔ سوال یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ بتا دیا تھا تو انہوں نے اپنی جان کی حفاظت کیوں نہیں کی؟ حضرت عمرؓ کے پاس مسلمانوں کی جماعت تھی اور مجوسی اکیلا تھا، اس کو تو گرفتار کرنا بالکل آسان تھا، اس کو تو نماز شروع کرنے سے پہلے ہی پکڑا جا سکتا تھا، اب علامہ صاحب ہی بتلائیں گے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کا واقعہ بے خبری میں ہوا یا کہ پوری تفصیل حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بتا چکے تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے جان بوجھ کر اس کو گوارا کر لیا؟ حقیقت یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو ان کی شہادت کی خبر تو دی تھی، لیکن واقعہ شہادت کی پوری تفصیل کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ تھا، تفصیل نہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بتائی اور نہ ہی اللہ کے نبی نے صحابہؓ کو بتائی۔

(۷) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام نبیوں کے نام اور حالات واقعات بتائے گئے تھے یا نہیں؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب نبیوں کے نام وحالات صحابہؓ کو بتائے تھے یا نہیں؟ (۸) اعلانِ نبوت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دینِ اسلام کو، قرآن کو، وحی کو، احکام وشرائع وغیرہ سب کو جانتے تھے یا نہیں؟ جب کہ قرآن کہتا ہے: ''مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ'' اس کا ترجمہ ''کنز الایمان'' میں یوں لکھا ہے: (اے پیغمبر!) اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے، نہ احکام شرع کی تفصیل۔''

(۹) بخاری شریف صفحہ ۱۹۴: پر یہ حدیث موجود ہے کہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً عصر کی نماز پڑھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھول کر دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا، ایک صحابی نے جن کا نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ذوالیدین'' رکھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: اے اللہ کے رسول! آپ بھول گئے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نماز میں قصر کر دی گئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ میں بھولا ہوں اور نہ ہی نماز میں قصر ہوئی ہے! انہوں نے کہا: بلکہ آپ بھول گئے ہیں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے صحابہؓ سے پوچھا: کیا یہ صحیح کہتا ہے؟ انہوں نے تصدیق کی کہ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے ہیں، ذوالیدین سچ کہتا ہے، تب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ کر دو رکعت اور شامل کیں اور آخر میں سجدہ سہو کیا۔

صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت تو فرما رہی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بھول گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بھول کا علم بھی نہ ہوا، جب تمام صحابہؓ نے تصدیق کر دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی بھول چکے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بھول کا احساس ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیہ رکعاتیں بھی پوری فرمائیں اور سجدہ سہو بھی فرمایا، اِدھر علامہ صاحب دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق کے ذرہ ذرہ کا علم ہے، اور اُدھر صحابہ کرامؓ کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول بھول گئے، اور بھول کا علم بھی نہ ہوا، حتیٰ کہ صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔ اب ''نظریاتِ صحابہ'' کا مؤلف فیضی خود بتائے کہ حقیقی اور اصلی نظریاتِ صحابہ کیا ہیں؟

(۱۰) مستدرک حاکم، مصنف ابوبکر ابن ابی شیبہ، ابن حبان، طبرانی کے حوالے سے حصن حصین میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا منقول ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: ''اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ۔'' (حصن حصین ص ۱۵۰: ۱۵۱)

ترجمہ: ''اے اللہ! میں ایسے علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو نفع دینے والا نہ ہو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دُعا سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ علوم ایسے ہیں جن میں کوئی نفع نہیں ہے، اور ایسے غیر نافع اور غیر مفید علوم سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی پناہ مانگی، اب سوال یہ ہے کہ جن غیر مفید علوم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی، کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن سے پناہ ملی یا نہ ملی؟ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ مل گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ذرہ ذرہ کا علم ثابت نہ ہوا، اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ نہیں ملی تو کیا جو علوم آپ نہیں چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے زبردستی اپنے پیغمبر کو دے دیئے؟ کیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول نہ ہوئی؟

قارئین کرام! مذکورہ بالا گزارشات سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے علم کے خزانہ سے بہت کچھ عطا کیا، اور یقیناً بہت کچھ عطا کیا اور ساری مخلوق کے علم سے بھی زیادہ عطا کیا، لیکن سارا کچھ عطا نہیں کیا ہے، اور یہی حق اور سچ ہے۔

خامساً: علامہ صاحب کا حضرت عمرؓ پر بہتان پھر اس کا بطلان: آپ حضرات نے حدیثِ عمرؓ کا صحیح مطلب تو معلوم کرلیا، چونکہ علامہ صاحب نے بڑی دلیری سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف ایک شرکیہ عقیدہ کی نسبت کردی کہ ان کا اعتقاد تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کے سارے حالات جانتے تھے، حالانکہ یہ حضرت عمرؓ پر بہتان ہے اور ان کا دامن ایسے شرکیہ عقائد سے پاک وصاف ہے، لہٰذا چند دلائل آپ کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں تاکہ علامہ صاحب کے بہتان کا بطلان ہو جائے۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں بہت سے مسائل صحابہ کرامؓ سے دریافت کرتے تھے، اور بہت سے معاملات میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ مشورے بھی کرتے تھے، بعض اوقات حضرت عمرؓ اپنی دی ہوئی رائے سے رجوع بھی کر لیتے تھے، بقول علامہ صاحب کے اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کو سب کچھ بتا دیا تھا اور کوئی ذرہ بھی باقی نہیں چھوڑا تھا، تو حضرت عمرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کیوں نہیں کرتے تھے؟ اور صحابہؓ سے مسائل کیوں پوچھتے تھے اور مشورہ کیوں کرتے تھے؟ حالانکہ ان کو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ بتا دیا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجلس میں سب کچھ اور ذرہ ذرہ بیان نہیں کیا تھا، بلکہ اہم اور ضروری باتیں تفصیل کے ساتھ بتلائی تھیں۔

(۲) حضرت عمرؓ جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو انہوں نے مندرجہ ذیل چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی مقرر کی اور فرمایا کہ: میرے مرنے کے بعد تم حضرات مشورہ کر کے کسی ایک کو خلیفۃ المسلمین مقرر کر لینا (۱) حضرت عثمان (۲) حضرت علی (۳) حضرت طلحہ (۴) حضرت زبیر (۵) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۶) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اجمعین اس چھ رکنی کمیٹی نے مشورہ کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا۔ بقول علامہ صاحب اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرہ ذرہ بتلا دیا تھا تو حضرت عمرؓ کو یہ بھی بتلا دیا ہوگا کہ تیرے بعد خلیفہ عثمانؓ ہوگا، جب خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو نامزد کر کے مقرر کر دیا تھا اور حضرت عمرؓ کو بتا بھی دیا تھا تو چھ رکنی کمیٹی کو تشکیل دینے کا کیا مطلب؟ اور ان سے مشورہ کرنے کا کیا فائدہ؟ پس حضرت عمرؓ کے اس طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نامزد خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا، ورنہ کمیٹی اور مشورہ کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

(۳) علامہ صاحب کا نظریہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ایک ہی مجلس میں صحابہ کرامؓ کو سب کچھ بتلا دیا تھا، سوال یہ ہے کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو اُن کے قاتل کا نام بھی بتایا تھا کہ تیرا قاتل ابولؤلؤ فیروز مجوسی ہوگا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل کا نام واضح کر دیا تھا تو حضرت عمرؓ نے زخمی ہونے کے بعد فوراً کیوں پوچھا کہ: میرا قاتل کون ہے؟ اور جب بتایا گیا کہ آپ کا قاتل ابولؤلؤ فیروز مجوسی ہے تو تکبیر پڑھی اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ مجھے ایک کافر کے ہاتھ سے شہادت کا درجہ

نصیب ہوا۔ معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہادت کی خوشخبری تو سنائی تھی لیکن قاتل کا نام نہیں بتایا تھا، اس لیے تو حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے اپنے قاتل کا نام پوچھا۔

(۴) نسائی شریف جلد ۲ :ص ۲۶۰ :پر یہ روایت موجود ہے کہ قاضی شریح نے حضرت عمرؓ کی طرف خط لکھا اور پوچھا کہ میں فیصلہ کس طرح کروں؟ تو حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا : تو فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کر، اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ہو تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کر، اگر وہ مسئلہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ہو تو سلف صالحین کے طریقہ کے مطابق فیصلہ کر، اور اگر مسئلہ ایسا درپیش آیا جو نہ کتاب اللہ میں ہے، اور نہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اور نہ ہی سلف صالحین سے اس کے بارے میں کچھ منقول ہے تو تجھے اختیار ہے، چاہے تو اجتہاد سے کام لے یا پیچھے ہٹ جا، یعنی خاموش رہ اور دخل نہ دے۔

معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بعض مسائل ایسے بھی ہیں جو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں پائے جاتے اور ایسے مسائل میں سلف صالحین کی تقلید کرنی پڑتی ہے، بقول علامہ صاحب جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کو سب کچھ بتلا دیا تھا تو حضرت عمرؓ کے اس کہنے کا کیا مطلب ہے کہ اگر مسئلہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ہو تو سلف صالحین کی تقلید کرنا، پس ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ کا اعتقاد یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرہ ذرہ نہیں بتلایا، بلکہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں جو سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں تھے۔

جو شخص بھی ان دلائل میں غور وفکر کرے گا وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ علامہ صاحب نے ایک غلط شرکیہ عقیدہ کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرامؓ کی طرف کردی، حالانکہ اُن کے نفوسِ قدسیہ، شرکیہ عقائد سے کوسوں دُور ہیں، رضی اللہ عنہم اجمعین الی یوم الدین۔

ضروری انتباہ: علامہ صاحب نے بخاری شریف کی شروح اور حواشی کے حوالے دے کر عوام الناس کو یہ تاثر دیا ہے کہ بخاری شریف کے شارحین حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذرہ ذرہ کے علم کے قائل ہیں، حالانکہ بخاری شریف کا کوئی شارح، بلکہ کوئی محدث اور کوئی فقیہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کا قائل نہیں ہے، چنانچہ :

(۱) حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ شارحِ بخاری ایک حدیثِ بخاری کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے۔ (فتح الباری شرح بخاری ج ۱۳ :ص۔۱۵۱)

(۲) علامہ بدرالدین عینیؒ شارحِ بخاری لکھتے ہیں کہ : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے۔

(عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۱۱ :ص۔۲۷۱)

(۳) امام قسطلانی شارح بخاری فرماتے ہیں کہ : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے۔

(ارشاد القاری شرح بخاری ج ۱۰ :ص۔۲۰۲)

(۴) علامہ الحسین بن عبداللہ بن محمد الطیبیؒ لکھتے ہیں کہ : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے۔ (بحوالہ انجاح الحاجہ ص۔۱۶۹)

نوٹ : مذکورہ بالا چاروں حوالے استاذ محترم محقق العصر شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صاحب صفدر کی معرکۃ الاراء کتاب ''ازالۃ الریب عن عقیدۃ علم الغیب'' سے نقل کیے گئے ہیں۔

خلاصہ کلام: الحمد للہ ثم الحمد للہ ! کہ دلائل صحیحہ قویہ سے ثابت ہو گیا کہ ذرہ ذرہ کو جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور مخلوقات کے تمام حالات کو جاننے والا بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس کا علم ہر شے کو محیط ہے، کائنات کی کوئی چھوٹی بڑی چیز اس سے مخفی نہیں ہے، عالم الغیب صرف وہی، اور صفت علم میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، درحقیقت یہی نظریات صحابہ ہیں۔

نمبر ۱۵۔علامہ فیضی صاحب لکھتے ہیں : ''صحابہ کا یہ اعتقاد تھا کہ اللہ اور رسول اعلم ہیں (بہت علم والے) دونوں کے لیے ایک خبر''اعلم'' بیان کرتے تھے، فرق نہ کرتے تھے، اللہ بھی اعلم، حضور بھی اعلم، صحابہ نے حضور سے کہا :اللہ و رسولہ أعلم۔ اب جولوگ حضور کے علم کی کمی بیان کرتے ہیں وہ گستاخ صحابہ اور نظریات صحابہ کے منکر ہو کر بے دین ہو گئے۔'' (نظریات صحابہ ص۔۳۰)

الجواب: علامہ صاحب نے یہ نہیں بتلایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ جملہ ''اللہ و رسولہ أعلم'' کس موقع پر استعمال کرتے تھے، اگر حقیقت بتلا دیتے تو ظاہر ہے ان کا من مانا مطلب حاصل نہ ہوتا، اسی لیے حقیقت پر پردہ ڈال کر اپنے مطلب کو نکالنے کی کوشش کی، لیکن کب تک؟ لہٰذا پہلے آپ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

اولاً: حقیقت حال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ کو تعلیم دینے کی نیت سے کوئی دینی بات صحابہ کرامؓ سے پوچھ لیتے تھے اور مقصد پوچھنا نہیں ہوتا تھا، بلکہ مقصد ان کو بتلانا ہوتا تھا، پس ایسے موقع پر صحابہ کرامؓ کہتے ہیں : ''اللہ و رسولہ أعلم'' یعنی اس دینی مسئلہ کو اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ تو سب سے زیادہ جانتے ہیں اور سب کچھ جانتے ہیں اور کائنات کی کوئی چیز اس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں ہے، اور چونکہ ایک دینی مسئلہ ہم سے دریافت کیا گیا، اور دینی احکام و مسائل کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ گویا صحابہ کرامؓ ''اللہ و رسولہ أعلم'' کہہ کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دینی مسائل اور احکام کو اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ علامہ صاحب نے ''اللہ و رسولہ أعلم'' والا جملہ بخاری شریف جلد ۱: ص ۱۱ : ۱۹ سے نقل کیا ہے، ان دونوں جگہوں پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال منقول ہے ''أتدرون ما الایمان؟''، ''هل تدرون ما الایمان؟'' یعنی کیا تم جانتے ہو کہ ایمان کیا ہے؟ اس موقع پر صحابہؓ کہتے ہیں : ''اللہ و رسولہ أعلم'' یعنی اللہ اس کا رسول ایمان کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ اب بات تو صرف اتنی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک اللہ کے رسول دین و ایمان کی باتیں سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، اور یہ حقیقت ہے، اس میں تو کسی کو اختلاف کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ لیکن علامہ صاحب نے ''اللہ و رسولہ أعلم'' سے یہ سمجھ لیا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے رسول بھی سب کچھ جانتے ہیں۔ یہ علامہ صاحب کی سمجھ کا قصور اور قلتِ تدبر کا نتیجہ ہے، اگر موقع و محل دیکھ لیتے تو غلط فہمی کا شکار نہ ہوتے، لیکن علامہ صاحب مجبور ہیں، اگر بات کی حقیقت کھول کر بیان کر دیا کریں تو ان کا خود ساختہ عقیدہ ثابت نہیں ہوتا، اسی لیے حقائق پر پردہ ڈال کر اپنی من مانی تشریح کر لیتے ہیں۔ بہر حال ''اللہ و رسولہ أعلم'' کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین و ایمان کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرح سب کچھ جاننے والے ہیں۔

ثانیاً: یہ علامہ صاحب کا اصول غلط ہے :علامہ صاحب نے دیکھا کہ ''اللہ و رسولہ'' مل کر مبتدا بنتے ہیں اور ''اعلم'' ان دونوں کی ایک خبر ہے، پس جب دونوں کی خبر ایک ہے تو اللہ اور اس کے رسول کے علم میں مساوات اور برابری ہوگی، لہٰذا اللہ بھی اعلم اور رسول بھی اعلم، پس دونوں کا علم برابر ہو گیا اور کوئی فرق نہ رہا، اور جو اللہ اور اس کے رسول کے علم میں فرق کرے گا وہ گستاخ صحابہ ہو کر بے دین ہو جائے گا حالانکہ یہ اصول ان کا خود ساختہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ثالثاً : آپ نے یہ اصول کہاں سے حاصل کیا؟ اور کس کتاب میں پڑھا کہ جب چند اشیاء یا اشخاص کی ایک خبر لائی جائے تو ان میں ایسی مساوات اور برابری آجاتی ہے کہ کوئی فرق باقی نہیں رہتا، اور اگر کوئی فرق کرے گا تو وہ بے دین ہو جائے گا اور گستاخ ہو جائے گا؟ یہ اصول قرآن میں ہے یا حدیث میں؟ فقہ میں ہے یا اصول فقہ میں؟ صرف میں ہے یا نحو میں؟ منطق میں ہے یا فلسفہ

ہیں؟ علم بیان میں ہے یا علم ادب میں؟ کس نے لکھا ہے؟ اور کس کتاب میں لکھا ہے؟ میری دانست کے مطابق یہ اُصول علامہ صاحب کا خانہ ساز ہے، جیسے علامہ صاحب کے عقائد خانہ ساز ہیں، عملیات خانہ ساز ہیں، نظریات خانہ ساز ہیں، اسی طرح ان کے اُصول بھی خانہ ساز اور جعلی ہیں، جب اُصول غلط ہے، بنیاد ٹیڑھی ہے، اس پر کھڑی ہونے والی عمارت کا خود ہی اندازہ لگالیں۔

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج تا ثریا مے رود دیوار کج

اب چند شواہد آپ کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں، جن سے علامہ صاحب کے خودساختہ اُصول کی حقیقت کھل کر آپ کے سامنے آجائے گی۔

شاہدِ اوّل: اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کرامؓ کے متعلق ارشاد فرمایا:

(۱) "هم المتقون" (۲) "هم المفلحون" (۳) "هم المهتدون" (۴) "هم الفائزون" (۵) "هم المؤمنون" (۶) "هم الراشدون" (۷) "هم الصديقون" (۸) "هم الصادقون"۔

قرآنِ حکیم کے مذکورہ بالا مقامات میں آپ غور کریں ہر جگہ "هم" مبتدأ ہے، اس سے صحابہؓ اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے تمام مؤمنین مراد ہیں، اور آگے سب کی خبر ایک ہے جیسے "المتقون، المفلحون" وغیرہ۔ پس اگر علامہ صاحب کے اُصول کو صحیح مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ سب صحابہؓ کی شان، ان کا مقام اور رُتبہ برابر ہے، ان میں کوئی فرق نہیں ہے، اور جو فرق کرے وہ ایسا ویسا ہے، حالانکہ تمام اہلِ سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ صحابہ کرامؓ کے درجات اور مقامات میں تفاوت ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہؓ سے افضل ہیں، خلفائے راشدینؓ بالترتیب تمام صحابہؓ سے افضل ہیں، پھر عشرہ مبشرہؓ افضل ہیں، پھر بدر میں شریک ہونے والے افضل ہیں، چوتھا درجہ جنگ اُحد کے شریک صحابہؓ کا ہے، پھر بیعتِ رضوان کے شرکاء، ان کے بعد فتح مکہ کے وقت مسلمان ہونے والے، اور اسی درجے میں بیعت عقبیٰ اُولیٰ اور ثانیہ کے شرکاء صحابہ کرامؓ اور پھر بعد میں مسلمان ہونے والے بھی شامل ہیں، کما صرح بہ فی کتب العقائد۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے سب صحابہ کرامؓ کے لیے ایک خبر لائی ہے، لیکن درجات برابر نہیں، بلکہ متفاوت ہیں، تفاوتِ درجات کو مفتی نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے بھی بیان کیا ہے، چنانچہ "وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى" پر حاشیہ لکھتے ہیں:

"البتہ درجات میں تفاوت ہے، قبلِ فتح مکہ خرچ کرنے والوں کا درجہ اعلیٰ ہے۔"

پس جس طرح یہاں خبر ایک ہے، لیکن شان و درجہ میں فرق ہے، اسی طرح "الله و رسولهٗ أعلم" میں خبر ایک ہے، لیکن علم میں فرق ہے، اللہ تعالیٰ کا علم ساری مخلوق کے علم سے زیادہ ہے، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم دوسرے لوگوں سے، بلکہ تمام لوگوں سے زیادہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے علم سے کم ہے۔

شاہدِ ثانی: سورۂ یوسف میں ہے کہ: جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو اپنا تعارف کرایا تو فرمایا:

"هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ۔" (یوسف۔۸۹)

ترجمہ: "تمہیں معلوم ہے کہ تم نے جہالت کی حالت میں یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟"

اس آیت میں "انتم" مبتدأ ہے اور "جاهلون" اس کی خبر ہے، یہاں تمام برادرانِ یوسف کو "جاهلون" کہا گیا، لیکن ان کی جہالت برابر نہیں تھی، بعض میں کم اور بعض میں زیادہ تھی، کیونکہ بعض کا مشورہ تھا کہ "اُقتلوا یوسف" اور بعض کا مشورہ تھا کہ "لا تقتلوا یوسف" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی جہالت برابر نہیں، حالانکہ خبر ایک ہے، پس ثابت ہوا کہ ایک خبر لانے

سے ہر قسم کی برابری ثابت نہیں ہوتی، بلکہ فرق رہ جاتا ہے۔

شاہدِ ثالث: مسلم شریف میں روایت موجود ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کو دیکھا کہ وہ نر کھجور کے پھول مادہ کھجور کے خوشہ میں ڈال رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: تم کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہم تابیر کر رہے ہیں، اور اس عمل سے پھل زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اگر یہ کام نہ کرو تو بہتر ہے، صحابہ کرامؓ نے تابیر کرنا چھوڑ دیا، لیکن پھل کم ہو گیا، تو صحابہ کرامؓ نے اس بات کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میں بشر ہوں اور یہ میرا مشورہ اور رائے تھی اور میرا گمان تھا، اگر میں کسی دینی کام کا حکم کروں تو اس پر ضرور عمل کیا کرو اور اگر کسی دنیاوی کام کا مشورہ دوں تو تمہیں اختیار ہے، میرا مشورہ اپناؤ یا نہ اپناؤ، کیونکہ تم اپنی دنیا کے حالات و معاملات کو زیادہ جانتے ہو۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ ہیں: ”أنتم أعلم بأمر دنیا کم!“۔
(مسلم شریف ج ۲: ص۔ ۲۶۴)

ترجمہ: ”تم اپنے دنیاوی کام کو زیادہ جانتے ہو!“ اس حدیث میں ”أنتم“ مبتدا ہے اور ”أعلم“ اس کی خبر ہے، اور خبر بھی ایک ہے، لیکن تمام صحابہ کرامؓ کا علم برابر نہیں تھا، بلکہ کسی صحابی کا علم زیادہ اور کسی کا کم تھا، حالانکہ خبر ایک ہے، جیسا کہ ”اللہ و رسولہٗ أعلم“ میں خبر ایک ہے، لیکن علم میں فرق ہے، پس جس طرح ”أنتم أعلم“ میں صحابہ کرامؓ کا علم برابر نہیں ہے، بلکہ فرق ہے، اسی طرح ”اللہ و رسولہٗ أعلم“ میں اللہ اور رسول کا علم برابر نہیں ہے، بلکہ فرق ہے۔

شاہدِ رابع: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”ءَأَنتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ“ ترجمہ: ”اے اہلِ کتاب! کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟“ اس آیت میں ”أنتم“ جمع حاضر کی ضمیر ہے اور مبتدا ہے، اور ”أعلم“ اس کی خبر ہے، اس کے باوجود سب اہلِ کتاب علم میں برابر نہیں تھے، پس بہر حال ثابت ہو گیا کہ علامہ صاحب کا یہ اصول کہ جب کئی اشخاص یا اشیاء کی خبر ایک ہو تو ان میں برابری ہوتی ہے اور کوئی فرق نہیں رہتا، غلط ہے، اور کتاب و سنت کے خلاف ہے۔

نظریاتِ صحابہ و نظریاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: علامہ صاحب نے جب دیکھا کہ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں ”اللہ و رسولہٗ أعلم“ تو فوراً اس کو ”نظریاتِ صحابہ“ میں شامل کر لیا، اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو برابر کر دیا، لیکن یہ نہ دیکھا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کو فرما رہے ہیں کہ: ”أنتم أعلم“ یعنی دنیاوی امور میں تم ”أعلم“ (زیادہ جاننے والے) ہو، پس ثابت ہوا کہ دینی امور میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ”أعلم“ (زیادہ جاننے والے) ہیں، اور دنیاوی امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق صحابہ کرامؓ ”أعلم“ (زیادہ جاننے والے) ہیں۔ واللہ اعلم کہ علامہ صاحب نے ”أنتم أعلم بأمر دنیا کم“ کو ”نظریاتِ صحابہ“ میں شامل کیوں نہیں کیا؟ حالانکہ یہ نظریہ تو صحابہ کرامؓ کو خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے نظریہ میں تو کسی قسم کا شک و شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ پس ثابت ہوا کہ صحابہ کرام دنیاوی امور کو زیادہ جانتے ہیں، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دینی امور کو زیادہ جانتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ کو جانتے ہیں اور وہ اپنی صفتِ علم میں وحدہٗ لاشریک ہیں، علم میں کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں ہے، اور جو شخص اللہ کے رسول کو صفتِ علم میں اللہ تعالیٰ کا شریک بناتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا علم برابر ہے، تو وہ کافر ہے۔ چنانچہ مُلّا علی القاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”من اعتقد تسویة علم اللہ و رسولہ یکفر اجماعًا“۔ (موضوعات کبیر ص۔ ۱۶۲)

ترجمہ: ”جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا علم برابر ہے تو اس کو بالاجماع کافر کہا جائے گا۔“

رابعاً: خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض علوم کے متعلق اپنے "اعلم" ہونے کی نفی فرمادی۔ بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث جبریل میں ہے کہ :جب حضرت جبریل علیہ السلام نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق سوال کیا کہ قیامت کب ہوگی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :"ما المسئول عنها بأعلم من السائل۔"

ترجمہ "مسئول عنہا (جس سے سوال کیا گیا ہو) سائل سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے۔"

اس حدیث پاک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرمارہے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی؟ پس ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض علوم عطا نہیں کیے گئے، جیسا کہ قیامت کا علم ہے، اسی لیے تو فرمایا :"ما المسئول عنها بأعلم من السائل" اس کا مطلب یہ ہے کہ :اے جبریل! قیامت کب ہوگی؟ اس معاملہ میں میرا اور تیرا علم برابر اور یکساں ہیں، کیونکہ جس طرح قیامت کی حتمی تاریخ کو نہیں جانتا، اسی طرح قیامت کی حتمی تاریخ کو میں بھی نہیں جانتا۔"

علامہ فیضی صاحب کے فتویٰ کی اُڑان: علامہ صاحب نے فتوی صادر کیا کہ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی کمی بیان کرتے ہیں وہ گستاخ صحابہ اور نظریات صحابہ کے منکر ہو کر بے دین ہوئے۔ لیکن حدیث میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کی حتمی تاریخ کے متعلق اپنی لاعلمی کو ظاہر فرمارہے ہیں، لیکن یقین جانئے کہ علامہ صاحب کا یہ فتویٰ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں جاسکتا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت اعلیٰ اور ارفع ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ آخر یہ فتویٰ جائے گا کہاں؟ علامہ صاحب کے اندر سے نکلنے والی بات ہے، رائیگاں تو نہیں جائے گی، مجھے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اس فتویٰ کو کہیں ٹھکانا نہ ملے گا تو بالآخر جہاں سے نکلا، وہاں ہی لوٹے گا، کیونکہ وہ مقام اس کے لیے زیادہ موزوں اور مناسب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اعتقاد: علامہ صاحب نے نمبر ۱۴ میں حضرت عمر پر بہتان باندھا تھا کہ ان کا اعتقاد تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب کچھ جانتے ہیں، اور صحیحین کی مذکورہ بالا حدیث، حدیثِ جبریل کو روایت کرنے والے حضرت عمرؓ ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کی حتمی تاریخ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں تھی، پس معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کا اعتقاد یہ تھا کہ قیامت کی حتمی تاریخ کا علم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیا گیا تھا۔

﴿۱۱۴﴾ سرگوشی کی ممانعت :یعنی ان سرگوشیوں میں کوئی نفع نہیں۔۔۔ مَنْ أَمَرَ :رفع ممانعت سرگوشی ۱۔ ۲۔ ۳ ہاں امر بالصدقہ، امر بالمعروف، اصلاح بین الناس کی سرگوشی ہو تو مفید ہوگی۔ اگرچہ اس آیت کا نزول خاص ہے مگر حکم عام ہے مطلب یہ ہے کہ ان تین کاموں کے علاوہ سرگوشی نہیں کرنی چاہئے۔ فَسَوْفَ :نتیجہ :ہم ان کو عنقریب آخرت میں اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

﴿۱۱۵﴾ نتیجہ مخالفت رسول و مؤمنین اور اجماع امت کی حجیت پر دلیل: اس آیت میں ہے جو شخص آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے مسلم اور متفق علیہ طریقہ کو چھوڑ کر نیا طریقہ اختیار کرے گا اس کو بھی ہدایت نصیب نہیں ہوگی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

اجماع شرعی کے حجت ہونے کا بیان

اس آیت کے ذیل میں چند مباحث کا جاننا ضروری ہے: علامہ خازن رحمہ اللہ وغیرہ لکھتے ہیں کہ یہ آیت اجماع امت کے حجت ہونے کی دلیل ہے۔ (خازن: ص: ۴۳۰ ج ۱)

❶ اجماع کا لغوی معنی اور اصطلاحی معنی

اجماع کا لغوی معنی :لغت میں اجماع متفق ہونے کو کہتے ہیں لغوی معنی کے اعتبار سے اتفاق اور اجماع ایک ہی چیز ہے۔

اجماع کا اصطلاحی معنی :شریعت کی اصطلاح میں اجماع کی تعریف یہ ہے : آنحضرت ﷺ کے بعد کسی زمانے کے تمام فقہاء مجتہدین کا کسی حکم شرعی پر متفق ہوجانا اجماع ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اجماع امت کی حجیت پر استدلال :حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا اجماع امت کے حجت ہونے کی دلیل قرآن مجید میں ہے؟ آپ نے قرآن سے دلیل معلوم کرنے کے لئے تین روز تک تلاوت قرآن کو معمول بنایا ہر روز دن میں تین مرتبہ اور رات میں تین مرتبہ پورا قرآن ختم کرتے تھے بالآخر یہی مذکورہ آیت ذہن میں آئی اور اس کو علماء کے سامنے بیان کیا تو سب نے اقرار کیا کہ اجماع کی حجیت پر یہ دلیل کافی ہے۔ (معارف القرآن ج ۲: ص ۵۴۷، م ش، د)

۲ حضرات صحابہ میں حضرات خلفائے راشدین کا اجماع

عام صحابہ کرام کا اجماع اور امت محمدیہ کا اجماع ان میں ہر ایک اجماع اپنے مقام پر صحیح اور حجت ہے آنحضرت ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہمارے لئے معیار حق قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ کہ بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹ چکے تھے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوں گے سب کے سب فرقے دوزخ میں جائیں گے مگر صرف ایک فرقہ۔ صحابہ نے پوچھا وہ کون سا فرقہ ہوگا۔ فرمایا "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" جس نے وہ کام کیئے جو میں نے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیئے۔ (ترمذی: ص ۸۹، ج ۲: مشکوٰۃ ص ۳۰، ج ۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جیسے آنحضرت ﷺ اور حضرات خلفاء راشدین کی سنت ہمارے لئے مشعل ھدایت ہے۔ اسی طرح "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" کے ارشاد کے تحت حضرات صحابہ کرام کے اقوال و اعمال بھی ہمارے لئے حق کا معیار اور پیمانہ ہیں۔ اور حضرات صحابہ کرام کے ثقاہت اور عدالت کے بارے میں حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وَالصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عُدُوْلٌ مُطْلَقًا لِظَوَاھِرِ الْکِتَابِ وَسُنَّۃٍ وَاِجْمَاعُ مَنْ یَعْتَدُّ بِہٖ۔ (مرقات: ص ۵۱۷، ج ۵)

حضرات صحابہ کرام سب کے سب مطلقاً عادل اور ثقہ ہیں کیونکہ قرآن کریم اور سنت اور معتمد علیہ لوگوں کے اجماع کے ظاہری الفاظ اور عبارتیں اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع واجب الاتباع ہے۔ بلکہ صحابہ کرام رض کا اجماع قوی ترحجت اور دوسری (غیر منصوص) حجتوں پر مقدم ہے۔ (اقامۃ الدلیل، ص: ۱۳۰، ج ۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ صحابہ کا اجماع حجت ہے۔ (فتح الباری ص: ۲۶۶، ج ۳)

۳ اجماع امت

اس امت مرحومہ کی تعریف و توصیف سورۃ آل عمران میں اللہ جل شانہ نے کی ہے کہ تم سب امتوں سے بہتر امت ہو جو بھیجی گئی ہو انسانوں کی بھلائی کیلئے حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے۔ الخ یہ امت جس چیز کو خیر کہے گی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خیر ہوگی اور جس چیز کو شر کہے۔ وہ اللہ کے نزدیک بھی شر ہوگی۔ یہ امت محمدیہ سرکاری گواہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے یہ امت قیامت کے دن تمام امتوں پر گواہی دے گی اور انکی قسمتوں کا فیصلہ ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَۃٍ۔ یہ اس امت کی خصوصیت ہے کہ یہ کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی۔ اس حدیث کے پیش نظر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ یُسْتَدَلُّ بِھَا عَلَی الْحُجَّۃِ بِالْاِجْمَاعِ (مستدرک، ص: ۱۲۰، ج ۱) اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اجماع حجت ہے۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے پیش نظر لکھتے ہیں۔ فِی الْحَدِیْثِ دَلِیْلٌ عَلٰی حَقِیَّۃِ الْاِجْمَاعِ۔
(مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۱۰۳، ج ۱)

شیخ الاسلام علی بن محمد البزدوی لکھتے ہیں: " فَصَارَ الْاِجْمَاعُ كَآيَةٍ مِّنَ الْكِتَابِ اَوْحَدِيْثٍ مُتَوَاتِرٍ فِيْ وُجُوْبِ الْعَمَلِ وَالْعِلْمِ فَيُكَفَّرُ جَاحِدُهٗ فِي الْاَصْلِ"۔ (اصول بزدوی، میر محمد کتب خانہ: ص ۲۴۵:)

ترجمہ: اجماع کی مثال ایسی ہے جیسے قرآن کریم کی آیت یا حدیث متواتر۔ جیسے یہ موجب علم وعمل ہیں اسی طرح اجماع بھی، نتیجہ یہ ہوگا کہ نفس اجماع کا منکر کافر ہوگا۔

④ خیر القرون کا تعامل بھی حجت ہے

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین اور تبع تابعین کی اکثریت کا کسی کام کو بلانکیر کرنا یا چھوڑنا بھی ایک حجت شرعی ہے اور ہمیں ان کی بھی پیروی کرنا ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: " خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَجِيْئُ اَقْوَامٌ لِتَسْتَبِقُ شَهَادَةُ اَحَدِهِمْ يَمِيْنَهٗ وَيَمِيْنُهٗ شَهَادَتَهٗ۔ (بخاری: ص: ۶۲ سو ج:۱)

ترجمہ: کہ بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے زمانہ میں ہیں پھر ان کے بعد والے اور پھر انکے بعد ہوانے۔ پھر ایسی قومیں آئیں گی جنکی شہادت قسم سے اور قسم شہادت اور گواہی سے سبقت کرے گی۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خیر القرون کے بعد آنے والے لوگ خیانت کریں گے اور امانت میں ان پر اعتبار نہیں کیا جائے گا اور ان میں موٹا پا خوب ظاہر ہوگا۔ (ترمذی: ص: ۵ سو ج۔ ۲)

مطلب یہ ہے کہ خیر القرون کے بعد جو لوگ پیدا ہونگے ان میں دین کی قدر وعظمت نہ ہوگی۔ جو خیر القرون کے زمانے میں تھی جھوٹ ان میں بکثرت رائج ہوگا۔ جھوٹی قسمیں اٹھائیں گے۔ امانت کا خیال نہیں رکھیں گے۔ فکر آخرت سے بے غم ہو کہ خوب کھا کھا کر فربے ہونگے جو حق پسندی کا جوجذبہ خیر القرون کے لوگوں میں تھا وہ ان میں مفقود ہوگا۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے خیر القرون کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے قرن کے متعدد معانی بیان کئے ہیں۔ پھر آخر میں لکھتے ہیں۔ "والصحیح ان قَرْنَه الْصحابة" صحیح بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرن سے حضرات صحابہ کا قرن و الثانی التابعون اور دوسرے قرن سے تابعین کا قرن و الثالث تابعوهم اور تیسرے قرن سے تبع تابعین کا قرن مراد ہے۔

(شرح صحیح مسلم: ص: ۳۰۹ ج۔ ۲)

اس سے واضح ثابت ہوا کہ خیر القرون سے مراد تین قرن ہیں۔

پہلے قرن سے مراد حضرات صحابہ کرام دوسرے سے تابعین اور تیسرے سے تبع تابعین مراد ہیں اور کتب اسماء الرجال میں یہ واضح طور پر تصریح ہے کہ تبع تابعین کا دور ۲۲۰ھ تک ہے اور یہی وہ حضرات ہیں جن کے نقش قدم پر چل کر ہمیں کامیابی نصیب ہو سکتی۔

⑤ قیاس شرعی کے حجت ہونے کا بیان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ انسانی ضروریات اور انسانی ماحول ایک حالت پر قائم رہنے والی چیز نہیں ہے۔ اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فروعی مسائل میں خود احکامات صادر کرنے کے بجائے ان لوگوں کے فہم وفراست پر فیصلہ چھوڑ دیا جو قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی مانتے ہیں اور قرآن وسنت کے اصولی احکامات کو واجب

انتمیل مانتے ہیں۔ایسے لوگوں کے متعلق آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرے اور اجتہاد کرتے ہوئے درست فیصلہ کرے تو اسی کو دہرا اجر ملے گا اور اگر اس سے خطاء سرزد ہو تو اس کو ایک ہی اجر ملے گا۔

(بخاری :ج ۲:/ ۱۰۹۲:اومسلم :ج ۲:/ ۷۶:ومشکوۃ :ج ۲ :/ ۳۲۴)

آنحضرت ﷺ نے مجتہد کی اصابت رائے کو درست قرار دیتے ہوئے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو اس وقت آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تو کس طرح فیصلہ کریگا جب تیرے سامنے کوئی جھگڑا پیش تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے موافق فیصلہ کروں گا۔آپ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں وہ بات تجھے نہ مل سکے۔؟ عرض کیا پھر سنت رسول اللہ کے موافق فیصلہ کرونگا۔آپ نے فرمایا اگر سنت رسول اللہ میں بھی نہ ہو تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔"اَجْتَهِدُ بِرَأْيِيْ" میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔یہ سن کر حضور پاک ﷺ نے "فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَلٰى صَدْرِهٖ" اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا فرمایا۔الحمد اللہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عطاء فرمائی جس پر اللہ کا رسول راضی ہے۔

(مشکوۃ :ج۔۲/ ۳۲۴)

اس روایت میں آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے جواب پر کہا اجتھد برائی کہ میں قیاس اور رائے سے کام لوں گا۔ الحمد للہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرمایا۔اور خوشی کا اظہار فرمایا جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فروعی مسائل کو منجمد رکھنا پسند نہیں فرمایا بلکہ امت محمدیہ کے اہل علم حضرات کے لئے قرآن وسنت سے مسئلہ نکالنے کی دعوت دی ہے اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی مقدمہ لے کر آتا اس کو سب سے پہلے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں تلاش کرتے تھے۔اگر ان کو اسکی وضاحت نہ ملتی تو فرماتے "اَجْتَهِدُ بِرَأْيِيْ فَإِنْ يَّكُنْ صَوَابًا فَمِنَ اللهِ وَاِنْ يَّكُنْ خَطَأً فَمِنِّيْ وَاَسْتَغْفِرُ اللهَ"

(طبقات ابن سعد :ج۔۳/ ۱۳۶)

اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں اگر درست ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہوگی ورنہ میری خطاء ہوگی اور میں اللہ سے معافی چاہتا ہوں۔اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشہور تابعی قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا اس میں کتاب وسنت اور اجماع کے بعد خاص طور پر اجتہاد کرنیکا ذکر ہے۔ (دیکھیے مسند دارمی :ص۔ ۳۴)

الغرض مجتہد کا کام صرف اتنا ہے کہ مسکوت عنہ جزی کی کڑی دلیل شرعی سے جوڑ دیتا ہے۔یہ ایک شرعی حجت ہے قیاس اور اجتہاد سے نہ دین میں خلل واقع ہوتا ہے اور نہ اضافہ ہوتا ہے۔بلکہ ایک غیر منصوص مسئلہ کی کڑی کو منصوص سے ملا دیا جاتا ہے اس کو بدعت نہیں کہا جاسکتا۔حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔وَاَمَّا الْقِيَاسُ وَالْاِجْتِهَادُ فَلَيْسَ مِنَ الْبِدْعَةِ فِيْ شَيْءٍ فَاِنَّهٗ مُظْهِرٌ لِمَعْنَى النُّصُوْصِ لَا مُثْبِتُ اَمْرٍ زَائِدَةٍ (مکتوبات حصہ سوم ص۔ ۷۴)

بہر حال قیاس اور اجتہاد تو اس کا بدعت سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے کیونکہ قیاس نصوص کے معانی کو ظاہر کرنے والا ہے کسی زائد چیز کا اثبات نہیں کرتا۔علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں تصوف کے دقائق اور اسرار میں کلام کرنا اور ان کا اثبات کرنا بھی بدعت نہیں۔

(الاعتصام :ج۔۱/ ۲۷۴)

اس سے واضح معلوم ہوا کہ حضرات صوفیاء کرام نے تصفیہ قلب کے لئے جو اعمال واشغال بتلاتے ہیں وہ بدعت نہیں ہیں۔

اہل بدعت کی نئی نئی ایجاد کردہ بدعات کو نصوص شرعیہ پر قیاس نہیں کیا جائے گا

اور یہاں یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ اہل بدعت نے آئے دن نئی نئی بدعات ایجاد کر کے شعار دین بنا رکھا ہے۔ انکو قیاس اور اجتہاد کے ذریعہ سے نصوص شرعیہ سے نہیں جوڑا جائیگا۔ وہ اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک بدعت کا سبب اور محرک خیر القرون میں موجود تھا۔ مگر ان خود ساختہ بدعات کا وجود اور رواج اس وقت ہرگز نہیں تھا۔ لہذا ان بدعات کو قیاس واجتہاد کی مد میں شامل نہیں کیا جائیگا جب کسی چیز کے محرک اور سبب کے ہوتے ہوئے کوئی رکاوٹ موجود نہ ہو آنحضرت ﷺ نے اس کام کو اگر نہیں کیا اور کرنیکی ترغیب بھی نہیں دی تو وہ کام بدعت قبیحہ اور بدعت سیئہ ہوگا۔ مجتہد کا قیاس صرف ان مسائل اور امور میں ہوگا جن کے دواعی و اثبات و محرکات آنحضرت ﷺ کے بعد ظہور پذیر ہوئے۔ اور ایسے امور میں ہر گز ہرگز قیاس اور اجتہاد جائز نہیں ہے جن کے دواعی و اسباب اور محرکات آنحضرت ﷺ اور حضرات صحابہ کرام کے وقت موجود تھے۔ اور آج کل جتنی بدعات رائج ہیں ان کے اسباب اس وقت بھی موجود تھے ایسے امور میں فلاح و نجات آنحضرت ﷺ حضرات صحابہ کرام تابعین وغیرہم کے نقش قدم پر چلنے سے نصیب ہوگی۔ (محصلہ راہ سنت)

سوال: جب ہر اجماعی فیصلہ قرآن یا سنت یا قیاس پر مبنی ہوتا ہے تو اجماع سے کیا فائدہ؟

جواب: اجماع کے دو فائدے ہیں: ایک یہ کہ قرآن یا سنت یا قیاس سے ثابت ہونے والا حکم اگر ظنی ہو یعنی وہ حکم مراد ہونے کا گمان غالب ہو تو اجماع اسے یقینی اور قطعی بنا دیتا ہے جس کے بعد کسی فقیہ کو اس سے اختلاف کا جواز باقی نہیں رہتا اور اگر وہ حکم پہلے ہی قطعی تھا تو اجماع اس کی قطعیت میں مزید قوت اور تاکید پیدا کر دیتا ہے۔

دوسرا فائدہ اجماع کا یہ ہے کہ وہ جس دلیل شرعی پر مبنی ہو بعد کے لوگوں کو اس دلیل کے پرکھنے کی اور اس میں غور وفکر کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ان کو اس مسئلہ پر اعتماد کرنے کے لئے بس اتنی دلیل کافی ہوتی ہے کہ فلاں زمانے کے تمام مجتہدین کا اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ انہوں نے کس دلیل شرعی کی بنیاد پر یہ اجماع فیصلہ کیا تھا؟ یہ جاننے کی ضرورت بعد کے لوگوں کو نہیں رہتی۔

❻ سند اجماع کی چند مثالیں

❶ **قرآن سے ماخوذ ہونے کی مثال:** فقہ کا مشہور اجماعی مسئلہ ہے کہ دادی، نانی اور نواسی سے نکاح حرام ہے۔ اجماع کرنے والوں نے یہ مسئلہ قرآن پاک کی آیت: "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ"۔ (نساء۔۲۳) سے لیا ہے۔

❷ **سنت سے ماخوذ ہونے کی مثال:** یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ کھانے کی کوئی چیز خرید کر قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کر دینا جائز نہیں۔ اس مسئلہ میں سند اجماع نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے: "مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ"۔
(ترمذی ص ۱۵۵، ج ۱: فاروقی کتب خانہ ملتان)

جس نے کوئی کھانے کی چیز خریدی وہ اس پر جب تک قبضہ نہ کرلے اسے فروخت نہ کرے۔ یہ حکم جیسا کہ صاف ظاہر ہے اس حدیث سے معلوم ہو گیا تھا مگر یہ حدیث خبر واحد ہے جو گمان غالب کا فائدہ دیتی ہے۔ لہذا حکم اغلبی ہوا یقینی نہیں ہوا لیکن جب اس پر اجماع ہو گیا تو یہی حکم یقینی اور قطعی بن گیا۔

❸ **قیاس سے ماخوذ ہونے کی مثال:** یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ ربا (سود) چاول میں بھی جاری ہوتا ہے یعنی جب چاول کو چاول کے عوض میں فروخت کیا جائے تو ادھار بھی حرام ہے (کیونکہ جب عوض برابر ہوگا اور اس وقت مال ادھار پر دیا جا رہا ہوگا تو ادھار لینے والا اس پر تجارت کر کے جو نفع حاصل کرے گا وہ کسی چیز کے عوض میں نہیں ہوگا اس لئے ادھار حرام ہے) اور کسی طرف مقدار میں کمی بیشی بھی حرام ہے لین دین ہاتھوں ہاتھ ہونا ضروری ہے اور دونوں طرف کے چاول چاہے مختلف قسم کے ہوں مگر مقدار ان دونوں کی برابر ہونی ضروری ہے ادھار کریں گے یا مقدار میں کسی طرف کی بیشی ہوگی تو ربا ہو جائے گا جو حرام ہے۔

اس اجماعی فیصلہ میں سند اجماع قیاس ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چھ چیزوں سونا، چاندی۔ گندم، جو، کھجور، نمک کے بارے میں فرمایا تھا ان میں سے کسی چیز کو جب تم اسی کی جنس کے بدلے میں فروخت کرو تو اس میں ادھار یا کمی بیشی سود ہے۔ حدیث سے ان چھ چیزوں کا حکم تو صاف طور پر معلوم ہو گیا مگر چاول کے متعلق حدیث میں تصریح نہ تھی اجماع کرنے والوں نے چاول کا حکم ان چھ چیزوں پر قیاس کر کے معلوم کیا اور بتایا کہ جو حکم ان چھ چیزوں کا ہے وہی چاول کا بھی ہے اگر اس قیاس پر سب مجتہدین کا اجماع نہ ہوتا تو یہ حکم ظنی ہوتا کیونکہ قیاس خود دلیل ظنی ہے مگر جب اس قیاس پر ایک زمانے کے تمام مجتہدین نے اجماع کر لیا تو یہ حکم قطعی اور یقینی ہو گیا اور کسی مجتہد کے لئے اس سے اختلاف کرنے کی گنجائش نہ رہی۔

۷ اجماع کے اقسام

بنیادی طور پر اجماع کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) اجماع قولی۔ (۲) اجماع عملی۔ (۳) اجماع سکوتی۔ ان تینوں کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے:

❶ اجماع قولی یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والے تمام حضرات کسی زمانے میں اپنے قول سے کسی دینی مسئلہ کا اپنا اتفاق ظاہر کریں جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور زبان سے اقرار کیا۔

❷ اجماع عملی یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والے تمام حضرات کسی زمانے میں کوئی عمل کریں جب کوئی عمل تمام اہل اجماع (مجتہدین) جائز سمجھ کر کرنے لگیں تو اس عمل کو بالاجماع جائز سمجھا جائے گا اجماع کی اس قسم سے اس فعل کا صرف مباح یا مستحب یا مسنون ہونا ثابت ہوگا واجب ہونا اس قسم سے ثابت نہیں ہوسکتا مگر یہ کہ وہاں کوئی قرینہ ایسا پایا جائے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہو۔ ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جو سنت مؤکدہ ہیں ان کا سنت مؤکدہ ہونا صحابہ کرام کے اجماع عملی سے ثابت ہوا ہے۔

نوٹ: اجماع کی یہ دونوں قسمیں سب فقہاء کے نزدیک حجت ہیں۔

❸ اجماع سکوتی یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والوں (یعنی مجتہدین) میں سے کچھ حضرات کوئی متفقہ فیصلہ زبانی یا عملی طور پر کریں جس کی اس زمانہ میں خوب شہرت ہو جائے یہاں تک کہ اس زمانے کے باقی سب مجتہدین کو بھی اس فیصلہ کی خبر ہو جائے مگر وہ غور وفکر اور اظہار رائے کا موقع ملنے کے باوجود سکوت اختیار کریں اور ان میں سے کوئی بھی اس فیصلہ سے اختلاف نہ کرے۔

نوٹ: اجماع سکوتی کے حجت ہونے میں فقہا کا اختلاف ہے امام احمدؒ اکثر حنفیہ اور بعض شوافع کے نزدیک یہ حجت قطعیہ ہے۔

۸ اجماع کے درجات

اجماع کرنے والوں کے اعتبار سے اجماع کے حسب ذیل تین درجات ہیں (۱) سب سے قوی درجہ اس اجماع کا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عملی یا زبانی طور پر صراحت سے کیا ہو۔ اس کے حجت قطعیہ ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے۔

(۲) دوسرا درجہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سکوتی کا ہے یہ بھی اگرچہ حنفیہ سمیت بہت سے فقہاء کے نزدیک حجت قطعیہ ہے مگر اس کا منکر کافر نہیں کیونکہ اس کے حجت ہونے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر فقہاء کا اختلاف ہے۔

(۳) تیسرے درجہ پر وہ اجماع ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کسی زمانے کے تمام فقہاء نے کیا ہو یہ بھی جمہور کے نزدیک حجت تو ہے مگر حجت قطعیہ نہیں کیونکہ جو حضرات غیر صحابہ کے اجماع کو حجت نہیں مانتے ان کے اختلاف کی وجہ سے اس اجماع میں قطعیت باقی نہیں رہی مطلب یہ ہے کہ اس کے منکر کو کافر نہیں کہیں گے اجماعی فیصلوں کے درجات کی جو ترتیب بیان ہوئی یہ خود اجماع کے انعقاد

کے اعتبار سے ہے۔اس کے بعد ایک مرحلہ یہ بھی ہے کہ ایک زمانے کا اجماع اگلے زمانوں کی طرف یا تو تواتر سے نقل ہوا ہو یا خبر واحد کے طریقے پر ہر ایک کے اعتبار سے حکم میں فرق ہوگا۔

⑨ نقل اجماع

چنانچہ تمام صحابہ کرامؓ کا قولی یا عملی اجماع جو اپنی ذات میں حجت قطعیہ ہے اگر اس کی خبر ہم تک تواتر سے پہنچے تو وہ ہمارے لئے بھی حجت قطعیہ رہے گا اور اس کا منکر کافر ہوگا اور اگر ہم تک خبر واحد لیکن قابل اعتماد ذریعے سے پہنچے تو اس کی قطعیت بہر حال ہمارے حق میں باقی نہ رہے گی اور اس کا حکم وہی ہوگا جو خبر واحد حدیث کا ہوتا ہے اور وہ دلیل ظنی ہوگا یعنی شرعی احکام اس سے ثابت ہوسکتے ہیں مگر اس کا منکر کافر نہیں ہوتا۔ (اصول دین: ص۔۸۴تا۹۰)

علامہ فیضی کا بدعت حسنہ پر استدلال

نمبر ۱۷۔علامہ فیضی صاحب نے بدعت حسنہ پر استدلال کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نظریہ تھا کہ ہر بدعت گمراہی نہیں ہوتی، بلکہ کچھ بدعتیں اچھی بھی ہوتی ہیں''کل بدعة ضلالة'' ہے۔

قال عمر نعم البدعة هذه۔ سارا رمضان نماز تراویح جماعت سے پڑھنا اچھی بدعت ہے، اچھی ایجاد ہے۔

اب جو لوگ ہر اچھی ایجاد پر گمراہی کا فتویٰ دیتے ہیں وہ حضرت کے دشمن اور حضرت عمر کے نظریہ سے منہ موڑ کر بے دین ہوئے۔''(نظریات صحابہ ص۔۳۱)

الجواب: بدعت حسنہ اور سیئہ پر بحث ہم سورۃ بقرہ میں کر چکے ہیں تاہم علامہ صاحب اس نمبر میں ایک چور دروازے سے گھس کر اپنی بدعات اور نئی ایجادات کو سند جواز دینے کی کوشش کر رہے ہیں، اور حضرت عمرؓ کے نام نامی کو اپنے من مانے مطلب میں استعمال کر رہے ہیں اور ان کی مقدس شخصیت پر بہتان اٹھا رہے ہیں کہ ان کے نزدیک ہر بدعت گمراہی نہیں ہوتی، بلکہ کچھ بدعتیں اچھی بھی ہوتی ہیں۔ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرامؓ ہر قسم کی بدعتوں سے متنفر تھے اور ان سے کوسوں بھاگنے والے تھے، انہیں لوگوں کو تو براہ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی تھی اس لیے اس سے پردہ چاک کرنا ضروری ہے:

اولاً: یہ استدلال اس حدیث سے درست نہیں ہے اس لئے کہ حدیث پاک میں ہے''ایاکم والمحدثات! فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة''۔(مشکوٰۃ ص ۳۰؛ سنن دارمی ص۔۵۷) ترجمہ: ''محدثات سے بچو! دین میں ہر نئی ایجاد بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

''وشر الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة''۔(رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص ۲۷؛) ترجمہ: ''محدثات برے کام ہیں، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

''من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد''(بخاری ومسلم، مشکوٰۃ ص۔۲۷)

ترجمہ: ''جو شخص ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کرے جو در اصل دین میں سے نہیں، تو وہ نئی چیز مردود ہے (کسی صورت میں بھی قابل قبول نہیں ہے)

''ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلها من السنة. فتمسك بسنة خير من احداث بدعة''۔(مشکوٰۃ ص۔۳۱) ترجمہ: ''جو قوم بدعت ایجاد کرتی ہے تو بطور سزا کے اس قوم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت سے محروم کر دیا جاتا

ہے، سنت کو پکڑنا بدعت پیدا کرنے سے بہتر ہے۔"

"من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الاسلام ـ" (رواہ احمد، مشکوۃ ص ـ ۳۱)

ترجمہ : "جو شخص کسی بدعتی کی تعظیم کرتا ہے، وہ دینِ اسلام کے گرانے میں تعاون کرتا ہے۔"

"لا يقبل الله لصاحب بدعةٍ صومًا ولا صلوةً ولا صدقةً ولا حجًا ولا عمرةً ولا جهادًا ولا صرفًا ولا عدلًا، يخرج من الاسلام كما تخرج الشعرة من العجين ـ" (ابن ماجہ ص ـ ۶)

ترجمہ : "اللہ تعالیٰ بدعتی شخص کی کوئی عبادت قبول نہیں فرماتے، نہ نماز، نہ روزہ اور نہ حج اور نہ عمرہ، نہ جہاد نہ فرض اور نہ نفل، بدعتی دین سے ایسے خارج ہو جاتا ہے جیسے آٹے سے بال۔"

یہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین مبارکہ ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدعت سے بچنے کی تاکید فرما رہے ہیں اور بدعات کی مذمت بیان فرما رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدعات کے خلاف نفرت دلانے والی تعلیمات کا یہ اثر تھا کہ تمام صحابہ کرامؓ ہر قسم کی بدعات اور محدثات سے متنفر اور بیزار تھے، چنانچہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ : میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گیا، وہاں کے مؤذن نے اذان کے بعد تثویب کہہ دی، تو حضرت ابن عمرؓ نے مؤذن کو فرمایا کہ : تو پاگل ہے! تیری اذان میں جو دعوت تھی کیا وہ لوگوں کو بلانے کے لیے ناکافی تھی؟ اور حضرت مجاہد کو فرمایا کہ : مجھے اس بدعتی سے لے چل اور یہ تثویب بدعت ہے، چنانچہ حضرت ابن عمرؓ نے وہاں نماز ادا نہ فرمائی اور اس مسجد سے باہر چلے گئے۔

"تثویب" کے معنی ہیں کہ اذان دے کر دوبارہ لوگوں کو نماز کے لیے بلانا، اور اذان کے لہجہ میں آواز دینا، چونکہ حضرت ابن عمرؓ اس تثویب کو بدعت سمجھتے تھے اس لیے مؤذن کو اس سے روکا اور بدعت سے اتنے متنفر ہوئے کہ اس مسجد میں نماز بھی ادا نہ کی۔

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ابی شیبہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مؤذن کو عشاء کے وقت تثویب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ : اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔

(بحر الرائق ج ۱ : ص ـ ۲۶۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بدعات سے اتنی نفرت تھی کہ بدعتی آدمی کو مسجد سے نکال دینے کا حکم دے رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ایاکم والتبدع!" یعنی نئی ایجادات اور بدعات سے بچو! حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ہر قسم کی بدعات سے نفرت ہے، اسی لیے ان سے بچنے کی تاکید فرما رہے ہیں۔ (سنن دارمی ج ۱ : ص ـ ۶۶)

"اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ وَکَانُوۡا شِیَعًا" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ : حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ : دین میں تفرقہ ڈالنے والے اور گروہ بندی کرنے والوں لوگوں سے مراد اہل بدعت ہیں۔

(تفسیر مظہری ج ۲ : ص ـ ۳۱۵)

معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ اور سیدہ عائشہؓ ہر قسم کی بدعات اور ایجادات سے متنفر اور بیزار تھے، اسی لیے تو اس آیت کا مصداق انھوں نے اہل بدعت کو قرار دیا۔

"یَوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوۡہٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡہٌ" کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ : سفید چہرے والوں سے مراد اہل سنت ہیں، اور سیاہ چہرے والوں سے مراد اہل بدعت ہیں۔ (تفسیر مظہری ج ۲ : ص ـ ۱۱۶)

پس ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے تمام صحابہ کرامؓ ہر قسم کی شریعت بدعات سے متنفر تھے اور کسی میں بھی دینی امر میں

بدعات کو گوارا نہیں کرتے تھے، بلکہ فوراً روک دیتے تھے اور بیزاری کا اعلان کرتے تھے۔ اُن کے نزدیک کسی شریعت میں بدعت کی کوئی خوبی اور اچھائی نہیں تھی، شریعت بدعت کی خرابی اس کی ہر خوبی پر غالب رہتی ہے، لہٰذا شریعت میں بدعت کی ہر خوبی نظر انداز کرنے کے لائق ہے، اور ہر لحاظ سے مردود ہے۔

ثانیاً: حضرت عمرؓ کا تراویح کے متعلق یہ فرمان کہ: ''نعم البدعة هٰذه'' تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین راتیں نمازِ تراویح جماعت سے پڑھائی، پھر امت پر فرض ہو جانے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی جماعت چھوڑ دی، اس کے بعد صحابہ کرامؓ انفرادی طور پر نمازِ تراویح ادا کرتے رہے یا پھر دو تین آدمی مل کر بلا اہتمام اپنی جماعت کر لیتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں معاملہ ایسے ہی رہا، اور حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کے اوائل میں بھی معاملہ ایسے ہی رہا، لیکن حضرت عمرؓ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ نمازِ تراویح باقاعدہ جماعت کے ساتھ شروع کی جائے، چنانچہ انہوں نے حضراتِ صحابہ کرامؓ سے اس بارے میں مشورہ کیا، سب صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا، پس جب باتفاقِ صحابہؓ بیس تراویح کی جماعت کا اہتمام کیا گیا تو حضرت عمرؓ نے جماعت کے اس اہتمام کو لغوی معنی میں ''بدعت'' کہا ہے، یعنی تراویح کی باقاعدہ جماعت اور اس کا اہتمام ایک نئی چیز ہے، ورنہ شریعت میں بیس تراویح، اس کی جماعت اور جماعت کا اہتمام یہ سب چیزیں سنت ہیں، کیونکہ بیس تراویح اور اس کی جماعت خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور باقاعدہ جماعت کا اہتمام اجماعِ اُمت اور خلفائے راشدینؓ کے عمل سے ثابت ہونے کی وجہ سے سنت ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: ''لن تجمع أمتي على الضلالة'' اور ''عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين'' اس سے ثابت ہوا کہ بیس تراویح اور اس کے تمام اجزاء سنت ہیں، بدعتِ شرعی کی تعریف نہ تو تراویح پر صادق آتی ہے اور نہ اس کی جماعت پر، اور نہ ہی جماعت کے اہتمام اور باقاعدگی پر، کیونکہ شرعی بدعت احداث فی الدِّین کو کہتے ہیں، اور دوسرے لفظوں میں جس کو خیر القرون میں دین سمجھ کر نہیں کیا گیا، اگر بعد والے لوگ اس کو دین سمجھ کر کرنے لگیں تو وہ کام بدعت ہے۔

البتہ احداث للدِّین اور تبلیغ و تعلیم کے وسائط اور ذرائع بھی بدعتِ شرعی کی حد سے باہر ہیں، اور اسی طرح بدعتِ لغوی پر بھی بدعتِ شرعی کی تعریف صادق نہیں آتی، کیونکہ لغت کا دائرہ علیحدہ اور شریعت کا دائرہ علیحدہ ہے، نیز لغت اور شریعت کی اصطلاحات کو خلط ملط کرنے سے آدمی بہت سی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے صرف لغت کے لحاظ سے تراویح کی باقاعدہ جماعت کو بدعت کہا ہے، ورنہ تراویح کی باقاعدہ جماعت سنت ہے، بدعتِ شرعی کی تعریف اس پر بالکل صادق نہیں آتی، چونکہ علامہ صاحب نے اصطلاح لغت کو اصطلاح شریعت سے خلط ملط کر دیا، جس کی وجہ سے عوام الناس کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا، حالانکہ بدعت لغوی اور چیز ہے اور بدعت شرعی اور چیز ہے، حضرت عمرؓ کا بیس رکعات تراویح کی جماعت کو بدعت کہنا صرف لغت کے اعتبار سے ہے، کیونکہ شرعی طور پر تراویح کی جماعت ہرگز ہرگز بدعت نہیں ہے، بلکہ خالص سنت ہے، مثال کے طور پر عیدین کے دنوں میں روزہ رکھنا حرام اور ممنوع ہے، کیونکہ یہ اذن اللہ تعالیٰ کی مہمانی کے دن ہیں، اور شرعی روزہ رکھنے سے اللہ تعالیٰ کی مہمانی سے اعراض لازم آتا ہے، اس لیے ان دنوں میں شرعی روزہ رکھنا حرام ہے، اور شرعی روزہ کی تعریف یہ ہے کہ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک آدمی روزہ کی نیت سے نہ کچھ کھائے، نہ کچھ پیئے اور نہ عورت کے قریب جائے، یہ تو شرعی روزہ کی تعریف ہے، اور لغوی روزہ یہ ہے کہ آدمی مطلقاً کھانے پینے سے رُک جائے، اگر آدمی نے عیدین کے دنوں میں گھنٹہ یا آدھ گھنٹہ یا اس سے کم و بیش وقت میں کچھ کھایا پیا نہیں ہے تو یہ شخص لغۃً روزہ دار ہے، لیکن شرعی طور پر اس شخص کو روزہ دار نہیں کہا جائے گا، اور نہ ہی شرعی روزہ کے احکام اس پر لاگو ہوں گے، کیونکہ عیدین کے ایام میں شرعی روزہ رکھنا ممنوع اور حرام ہے، اور عیدین کے ایام میں گھنٹے اور آدھ گھنٹے کے رُکنے والے کو یہ نہیں کہا جائے گا چونکہ یہ شخص لغوی روزہ دار ہے اور اس نے حرام کا ارتکاب کیا ہے، کیونکہ شرعی اصطلاح اور ہے اور لغوی اصطلاح اور ہے، بہرحال عیدین کے دنوں میں اگرچہ ہر شخص لغوی

معنی میں صائم (روزہ دار) ہوتا ہے، کیونکہ آدمی سارا دن لگاتار کھا پی نہیں سکتا، بلکہ وقفہ لازماً ہوتا ہے، پس اسی مطلق امساک کی وجہ سے یہ باعتبار لغت صائم ہے، لیکن وہ شرعی طور پر صائم نہیں ہے، اور نہ ہی شرعی صوم کی تعریف اس پر صادق آتی ہے، بعینہٖ اسی طرح حضرت عمرؓ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت کو لغوی معنی میں بدعت کہا ہے، اس لغوی بدعت سے شرعی بدعت کا جواز ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔

اس کی ایک دوسری مثال ملاحظہ فرمائیں : لغت میں ''کافر'' چھپانے والے کو کہتے ہیں، اور اسی لغوی معنی کے لحاظ سے کاشتکار کو بھی ''کافر'' کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ بھی دانہ کو زمین میں چھپانے والا ہے، اور شریعت میں ''کافر'' وہ ہے جو ضرورتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار کر دے، لیکن ایک کاشتکار کو لغوی معنی میں ''کافر'' کہا جا سکتا ہے، لیکن شرعی طور پر اس کو ''کافر'' کہنا بالکل صحیح نہیں ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کاشتکار مؤمن ہو اور تمام ضروریاتِ دین پر ایمان رکھنے والا ہو۔ پس جس طرح لغوی کفر سے شرعی کفر ثابت نہیں ہوتا اسی طرح لغوی بدعت سے شرعی بدعت ثابت نہیں ہوتی۔ الحمدللہ! ثابت ہو گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان : ''کل بدعة ضلالة'' (ہر شرعی بدعت گمراہی ہے) عام ہے، کوئی شرعی بدعت سے مخصوص نہیں ہے، شرعی بدعت میں نہ کوئی خوبی ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی اچھائی، نبی علیہ السلام کا فرمان سچا ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ نئی ایجادات کی ہر خوبی پر بدعت کا خبث غالب ہوتا ہے، بدعت چاہے جیسی حسین و جمیل ہو اور چاہے جیسی رنگین اور دلکش ہو، بہرحال بدعت ہے، اور اپنی تمام خوبیوں کے باوجود ''کل بدعة ضلالة'' کا عین مصداق ہے۔ حضرت عمرؓ اور دیگر تمام صحابہ کرامؓ کسی شرعی بدعت کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، حضور علیہ السلام فرمائیں کہ ہر بدعت گمراہی ہے، اور صحابہ کرامؓ کہیں کہ بعض بدعتیں اچھی ہوئی ہیں یہ ناممکن ہے! مشکل ہے! بلکہ محال ہے۔

ثالثاً: علامہ صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بہتان کھڑا کیا ہے کہ ''وہ بعض بدعتوں کو اچھا سمجھتے تھے'' جس کا ان کو روز قیامت جواب دینا ہوگا، حضرت عمرؓ ہر شرعی بدعت کو گمراہی سمجھتے تھے اور کسی شرعی بدعت کو انہوں نے اچھا نہیں کہا۔

علامہ صاحب کا دعویٰ: رابعاً: علامہ صاحب نے دعویٰ کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان : ''کل بدعة ضلالة'' مخصوص منہ البعض ہے، یعنی ہر بدعت گمراہی نہیں ہے، بلکہ بعض بدعات گمراہی ہیں اور بعض بدعات اچھی ہیں۔ تو بندہ عرض کرتا ہے کہ علامہ صاحب شرعی بدعات کی فہرست تیار کریں اور پھر نشان لگائیں کہ یہ شرعی بدعت گمراہی ہے، اور یہ شرعی بدعت اچھی ہے، تاکہ عامۃ المسلمین کو معلوم ہو جائے کہ کون سی شرعی بدعت ضلالت ہے اور کون سی شرعی بدعت ہدایت ہے۔ لیکن یاد رہے کہ لغوی بدعت کو شمار نہیں کرنا، احداث للدین کو اس میں شامل نہیں کرنا، اور تبلیغ و تعلیم کے ذرائع اور وسائط کو بھی پیش نہیں کرنا، کیونکہ یہ امور بدعت شرعیہ کی حد سے خارج ہیں، آپ صرف بدعات شرعیہ کی فہرست پیش کریں اور پھر اس پر ضلالت یا ہدایت کا نشان لگائیں۔ شکریہ پیشگی!

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ

بیشک اللہ تعالیٰ نہیں معاف کرتا اس بات کو اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور بخشتا ہے اس کے سوا جس کو چاہے، اور جس شخص نے شرک کیا

بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ إِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ إِلَّآ إِنٰثًا ۚ وَإِنْ يَّدْعُوْنَ

اللہ کے ساتھ پس بے شک وہ گمراہ ہو گیا اور گمراہی میں دور جا پڑا ﴿۱۱۶﴾ (شرک کرنے والے) نہیں پکارتے اللہ کے سوا مگر عورتوں کو اور نہیں پکارتے

إِلَّا شَيْطَٰنًا مَّرِيدًا ﴿١١٧﴾ لَّعَنَهُ اللَّهُ ۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿١١٨﴾

مگر شیطان سرکش کو ﴿۱۱۷﴾ جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور کہا (شیطان نے) البتہ میں بناؤں گا تیرے بندوں میں سے ایک حصہ مقرر کیا ہوا ﴿۱۱۸﴾

وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ

اور میں ضرور ان کو گمراہ کروں گا اور ان کو باطل آرزوئیں دلاؤں گا اور ان کو حکم دوں گا پس وہ چیریں گے جانوروں کے کان اور میں ان کو حکم دوں گا

فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۚ وَمَن يَتَّخِذِ الشَّيْطَٰنَ وَلِيًّا مِّن دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ

پھر وہ تبدیل کریں گے اللہ کی بنائی ہوئی چیز کو اور جو شخص بنائے گا شیطان کو دوست اللہ کو چھوڑ کر بے شک وہ نقصان

خُسْرَانًا مُّبِينًا ﴿١١٩﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَٰنُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢٠﴾

میں پڑا صریح طور پر ﴿۱۱۹﴾ شیطان لوگوں کو وعدہ دیتا ہے اور باطل امیدیں دلاتا ہے اور نہیں وعدہ دیتا ان کو شیطان مگر فریب کا ﴿۱۲۰﴾

أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ﴿١٢١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور نہ پائیں گے یہ اس سے کہیں بھی بھاگنے کی جگہ ﴿۱۲۱﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے

الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ

اچھے کام کیے ہم ضرور ان کو داخل کریں گے ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ﴿١٢٢﴾ لَّيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ

ان میں یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کے اعتبار سے ﴿۱۲۲﴾ نہیں ہیں تمہاری آرزوؤں کے ساتھ اور نہ

أَهْلِ الْكِتَابِ ۗ مَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا

اہل کتاب کی آرزوؤں کے ساتھ بلکہ جو شخص برا عمل کرے گا اور اس کو بدلہ دیا جائے اس کا اور نہ پائے گا وہ اپنے لیے اللہ کے سوا کسی کو کارساز

وَلَا نَصِيرًا ﴿١٢٣﴾ وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ

اور نہ کوئی مددگار ﴿۱۲۳﴾ اور جو شخص بھی عمل کرے گا نیک اعمال میں سے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ ایمان رکھتا ہو پس یہی لوگ

يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿١٢٤﴾ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ

داخل ہوں گے جنت میں اور نہیں ظلم کیا جائے گا ان پر ایک تل کے برابر بھی ﴿۱۲۴﴾ اور کون شخص زیادہ بہتر ہے دین کے اعتبار سے اس شخص سے جس نے تابع کر دیا ہے اپنے چہرے کو اللہ کے لئے

وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ﴿١٢٥﴾ وَلِلَّهِ

اور وہ نیکی کرنے والا ہے اور اس نے تابعداری کی ہے ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی جو حنیف تھے اور بنا لیا اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل ﴿۱۲۵﴾ اور اللہ ہی کے لئے ہے

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کو گھیرنے والا ہے ﴿۱۲۶﴾

﴿۱۱۶﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ... الخ ربط آیات: اوپر مخالفت رسول کا ذکر تھا اس کا نتیجہ دوزخ بتلایا اب بھی مخالفین رسول یعنی مشرکین کی خیانات ونتائج کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ۱۸: وعید مشرکین، علت، تردید مشرکین، فیصلہ خداوندی، شیطان کا مکالمہ، شیطان کے کارنامے، متبعین شیطان کا نتیجہ، فیصلہ خداوندی برائے خالی نسبت، مدار نجات، قانون مساوات، مخلصین کی اطاعت الٰہی، حصر المالکیت باری تعالیٰ، حصر علم الغیب باری تعالیٰ۔ ماخذ آیات ۱۱۶ تا ۱۲۶+

وعید مشرکین: مشرک کو اللہ تعالیٰ ابدی سزا میں مبتلا رکھیں گے اس کے سوا باقی جتنے گناہ ہیں خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ معاف فرما دینگے البتہ مشرک کی توبہ سے تلافی ہوسکتی ہے۔

﴿۱۱۷﴾ تردید مشرکین: عورتوں کے نام پر دیویاں۔ مشرکین کی بے وقوفی۔ ❶ کہ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف چند زنانی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں۔ ❷ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا: شیطان کو نہیں پکارتے تھے لیکن شیطان کے کہنے پر غیر اللہ کو پکارتے تھے۔

﴿۱۱۸﴾ فیصلہ خداوندی: شیطان کی عبادت کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت خاصہ سے دور کر رکھا ہے۔ یہاں تین باتیں یاد رکھیں۔ ❶ خازن وغیرہ میں ہے کہ لفظ اللہ مذکر ہے مشرکین اس کو مؤنث بنا کر لات کہتے تھے۔ لفظ منّان مذکر ہے اس کو انہوں مناۃ بنا دیا۔ لفظ عزیز مذکر ہے اس کو انہوں نے عزیٰ بنا دیا۔ (خازن: ص: ۴۳۱: ج۔۱)

❷ عرب کے بعض قبیلوں میں دستور تھا مذکر ان کا بت ہوتا محبت کی وجہ سے اس کو انثیٰ کہتے۔ (روح المعانی: ص: ۱۹۳: ج۔۵)

❸ یہاں تشبیہ ہے عورتیں صنف نازک ہوتی ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قوی ذات کو چھوڑ کر ایسی مخلوق کو پکارتے ہو جو کمزور ہے۔

وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ: شیطان کا مکالمہ: یعنی جب شیطان سجدہ نہ کرنے پر مردود قرار دیا گیا تو اس نے اسی وقت کہا تھا میں تو تباہ ہو چکا مگر میں بھی تیرے بندوں اور اولاد آدم میں سے اپنے لئے ایک مقدار حصہ معلوم ان کو گمراہ کر کے دوزخ میں ساتھ لے جاؤں گا جیسا کہ سورۃ حجر اور بنی اسرائیل وغیرہ میں مذکور ہے الغرض شیطان انسان کا ازل سے دشمن ہے تو کس قدر جہالت اور نادانی کی بات ہے کہ انسان شیطان کی اطاعت کرتا ہے حالانکہ قیامت کے دن شیطان معذرت کرلے گا کہ مجھے ملامت مت کرو، اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ تیرے بندے اپنے مال میں میرا حصہ ٹھرائیں گے جیسا کہ لوگ بت یا جن یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ غیر اللہ کی نذر اور نیاز کرتے ہیں۔

﴿۱۱۹﴾ وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ: الخ شیطان کے کارنامے ❶ اضلال اور امانی سے ہر قسم کی گمراہی اور امیدیں دلانا مراد لیا جاسکتا ہے لیکن بعض حضرات نے اضلال سے مراد اعتقادی گمراہی لی ہے۔ ❷ تمنیت سے گناہوں پر امیدیں دلانا مراد لیا ہے۔ فَلَيُبَتِّكُنَّ ❸ اس کے معنی کاٹنا اور پھاڑنا کے ہیں چونکہ کفار کا عام طریقہ بھی یہی تھا کہ وہ جانوروں کو اپنے بتوں کے نام پر جب چھوڑتے تو ان کے کان تھوڑے تھوڑے کاٹ دیتے تھے یا پیچ میں سے کان چھید دیا کرتے تھے، اور ان کو بحیرہ اور سائبہ وغیرہ کہتے تھے جس کا ذکر ساتویں پارہ میں آئے گا۔ انشاء اللہ۔ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ❹ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں میں تغیر اور تبدل

کرتے تھے، یہ عام ہے اس میں ہر قسم کی غیر شرعی تبدیلی داخل ہے خواہ وہ صورت کی تبدیلی ہو مثلاً کسی جانور کی آنکھ کا پھوڑ دینا یا کسی کا داڑھی منڈانا۔ (روح المعانی: ص: ۱۹۵: ج۔۵)

یا مرد کا عورت کی صورت اختیار کرنا یا عورت کا مرد کی صورت اختیار کرنا یا فطرت سلیمہ کو بدلنا مثلاً مرد کو خصی کرنا وغیرہ یہ سب تغیر میں داخل ہیں۔ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ : الخ متبعین شیطان کے نتائج : ایسے لوگ شیطان کی اطاعت کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔

﴿۱۲۰﴾ يَعِدُهُمْ : الخ شیطان کا وعدہ : اس میں شیطان کے وہ تمام مکروفریب سیاہ کاریں داخل ہیں جو اولاد آدم کی تباہی اور نقصان کا سبب ہیں۔ ﴿۱۲۱﴾ أُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ : نتیجہ : متبعین شیطان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

﴿۱۲۲﴾ بشارت : ربط : اوپر شیطان کے متبعین کے انجام کا ذکر تھا اب آگے اہل ایمان کے نتائج اور بشارت کا ذکر ہے تاکہ تصویر کے دونوں رُخ سامنے رہیں۔ ﴿۱۲۳﴾ فیصلہ خداوندی برائے خالی نسبت : مطلب یہ ہے کہ آخرت کے متعلق بے بنیاد امیدیں قائم کرنے سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جو شخص بھی کوئی برا کام کرے گا خواہ وہ برا کام عقائد سے متعلق ہو یا اعمال سے متعلق ہو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ وَلَا يَجِدْ لَهٗ : نفی شفیع قہری : اور ایسے شخص کی قیامت کے دن کوئی حمایت کرنے والا نہ ہوگا۔

شان نزول : حاکم میں مرفوعاً روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اکثر صحابہ پر شاق گزری، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں عرض کیا : یارسول اللہ! (ﷺ) اب نجات اور فلاح کی کیا صورت ہوگی کیونکہ ہم سے جو برا کام ہوا ہے اس کی سزا ملے گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ تیری مغفرت کرے کیا تجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی کیا تجھے کوئی غم نہیں ہوتا کیا تجھے کسی آفت سے دوچار ہونا نہیں پڑتا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آقا ایسا تو اکثر ہوتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہی جزا تو ہے جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ (ابن کثیر: ص: ۱۸۲: ج۔۲)

استخراج مسئلہ : اس آیت کے پہلے حصہ میں فریقین کے مباحثہ کا ذکر تھا مگر اس حصہ میں آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی نفی کسی صورت میں بھی نہیں ہے اس سے واضح ثابت ہو کہ آنحضرت ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں اور جو آپ کو کتاب قرآن کریم دیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جس کے ذریعہ سے تمام سابقہ کتب الہیہ منسوخ ہو چکی ہے۔

﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ ... الخ مدار نجات قانون مساوات : اس میں مرد وعورت کی کوئی تفریق نہیں اور مؤمن سے مراد وہ ہے جس کا دین اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو اور مقبول وہی ہے جس کا عقیدہ درست ہو مکمل اطاعت اخلاص ملت ابراہیمی پیروی کرنے والا ہو اور اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات مثلاً خالق، رازق قادر مطلق، علم الغیب والشہادت وغیرہ میں کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔

وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا : عدل وانصاف باری تعالیٰ : اس سے مراد بہت حقیر شئی کھجور کی گٹھلی پر جو چھلکا ہوتا ہے اس کو نقیر کہتے ہیں۔ ظلم کی نفی فرمائی کیونکہ جہاں عدل ہی عدل ہو وہاں ظلم کہاں؟

﴿۱۲۵﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ : مخلصین کی اطاعت الٰہی : مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک ادنیٰ غلام اپنے آقا کے سامنے اس کی خدمت بجالاتا ہے اسی طرح مخلصانہ طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیے۔

خَلِيْلًا : خلیل ایسے دوست کو کہتے ہیں جو خالص ہو۔ حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں یہ درجہ بہت ہی ممتاز درجہ ہے مگر محبت سے کم۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حق تعالیٰ شانہ نے خالص دوستی کے منصب پر فائز فرمایا، اور آنحضرت ﷺ کو محبوبیت خالصہ کے درجہ پر فائز فرمایا، اور محبوبیت کی راہ میں خالص دوستی سے گزرنا پڑتا ہے اس لئے حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ نے جس طرح حضرت ابرہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا، اسی طرح مجھ کو بھی خلیل بنایا ہے۔ یعنی محبوب بنانے سے پہلے مجھ کو خلیل بنایا۔ خلت ودوستی

کے لئے شرط یہ ہے کہ بندہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار ہو خواہ اس کی جان و مال و اولاد کا معاملہ ہو، اور کوئی اور معاملہ ہو، اور محبت کے لئے شرط یہ ہے کہ محبِّ محبت میں فنا ہو جائے اور سوائے محبوب کے کوئی چیز باقی نہ رہے ہر طرف وہی ہو بلکہ خود اپنی ذات بھی پیشِ نظر نہ رہے۔ (تفسیر کشف الرحمٰن ج ۱: ص۔۸۲۹)

﴿۱۲۶﴾ وَلِلّٰهِ ...الخ حصر المالکیت باری تعالیٰ۔ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا : حصر علم الغیب باری تعالیٰ۔

استخراج مسئلہ : ختم نبوت کی دلیل : اس آیت میں مسلک ابراہیمی کی پیروی کا حکم ہے اور ملت ابراہیمی کی پیروی تب ممکن ہے جب آنحضرت ﷺ کی اطاعت کی جائے اور آپ ﷺ کی اطاعت بجا آوری اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے بعد کسی نبی ضرورت نہیں۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَآءِ ۖ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ

اور لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں عورتوں کے بارے میں آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ تم کو فتویٰ دیتا ہے ان کے متعلق اور وہ جو تلاوت کی جاتی ہیں تم پر کتاب میں

فِي يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ اَنْ تَنْكِحُوهُنَّ

یتیم عورتوں کے بارے میں کہ تم نہیں دیتے ان کو وہ چیز جو ان کے لئے مقرر کی گئی ہے اور تم رغبت رکھتے ہو کہ ان سے نکاح کرو

وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُومُوا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوا

اور کمزور بچوں کے بارے میں اور یہ کہ تم قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف کے ساتھ اور جو کچھ تم

مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيمًا ۝ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا

بھلائی کرو گے۔ پس بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے ﴿۱۲۷﴾ اگر کوئی عورت خوف کھائے اپنے خاوند کی طرف سے نافرمانی

اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ

یا اعراض کا تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کرلیں اور صلح ہی بہتر ہے

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ

اور حاضر کیا گیا ہے جانوں کے پاس بخل کو اور اگر تم نیکی کرو اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو پس بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کام کرتے ہو

خَبِيرًا ۝ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا اَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا

اس کی خبر رکھنے والا ہے ﴿۱۲۸﴾ اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ انصاف کرسکو عورتوں کے درمیان اگرچہ تم حرص کرو پس تم نہ مائل ہو

كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

پوری طرح ایک طرف مائل ہونا پس چھوڑ دو اس عورت کو معلق (لٹکی ہوئی) چیز کی طرح اور اگر تم اصلاح کرو گے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے ﴿۱۲۹﴾

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا

اور اگر وہ دونوں آپس میں جدا ہو جائیں تو مستغنی بنائے گا اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی وسعت سے اور ہے اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور حکمت والا ﴿۱۳۰﴾ اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور البتہ تحقیق ہم نے تاکیدی حکم دیا ہے ان لوگوں کو جن کو کتاب دی گئی ہے تم سے پہلے

وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

اور تم کو بھی یہی حکم دیا جاتا ہے کہ ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اور اگر تم کفر کرو گے پس بے شک اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

اور اللہ تعالیٰ غنی (بے پرواہ) ہے اور تعریفوں والا ہے ﴿۱۳۱﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ

وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ

کارساز ﴿۱۳۲﴾ اگر چاہے تو لے جائے تم کو (یعنی فنا کردے) اے لوگو! اور لائے دوسروں کو اور اللہ تعالیٰ اس پر

قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ

قدرت رکھتا ہے ﴿۱۳۳﴾ جو شخص چاہتا ہے تم میں سے دنیا کا ثواب پس اللہ کے نزدیک ہے ثواب دنیا کا اور آخرت کا

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور ہر چیز کو دیکھنے والا ہے ﴿۱۳۴﴾

﴿۱۲۷﴾ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ... الخ ربط آیات : سبق الغایات میں ہے سورۃ کے شروع میں عورتوں کے مسائل بیان کئے پھر کچھ دوسرے مسائل کا ذکر تھا اب پھر عورتوں کے مسائل کا بیان ہے۔

خلاصہ رکوع۔ ⑲ مسائل ملک داری، عورتوں کے مہر و میراث کے مسائل، یتیم لڑکیوں کے حقوق، کمزور طبقات کے ساتھ انصاف، میاں بیوی کی باہم رنجش کے حل کا طریقہ، طبعی میلان ناقابل تقسیم ہے، فریقین کے لئے تسلی، وسعت علم باری تعالیٰ، حصر الملکیت، تاکید تقویٰ، مختاریت باری تعالیٰ، دنیا و آخرت کا موازنہ۔ ماخذ آیات ۱۲۷ : تا ۱۳۴ +

نوٹ: مسائل ملک داری کی جو تمہید سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے اس کو ضرور ملاحظہ فرما لیا جائے۔

اشارات ضروریہ : سورۃ النساء میں دو باب تھے، تدبیر منزل۔ سیاست مدنیہ۔ سیاست کے پھر دو باب تھے ملک گیری، ملک داری۔ ملک گیری گذشتہ رکوع پر ختم ہو چکی اب اسی رکوع (۱۹) سے ملک داری شروع ہوتی ہے۔

عورتوں کے مہر و میراث کے مسائل : فرمایا! یہ لوگ آپ سے عورتوں کی میراث اور مہر وغیرہ کے بارے میں حکم پوچھتے ہیں۔

قُلِ اللّٰهُ... الخ جواب، یتیم لڑکیوں کے حقوق : آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ان عورتوں کے بارے میں حکم دیتا ہے

اوراس بارے میں وہ آیات بھی تم کو حکم دیتی ہیں جو قرآن کریم میں تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اوران کی تم پر تلاوت کی جاتی ہے یعنی سورہ نساء کی وہ آیات جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کہ جن میں یتیم عورتوں کے شرعی حقوق میراث اور مہر وغیرہ کا ذکر ہے کہ تم ان کے خوبصورت اور مالدار ہونے کی وجہ سے چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کرلو۔ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَاَنْ تَقُوْمُوْا ... الخ کمزور طبقات کے ساتھ انصاف:اور وہ آیات جو کمزور بچوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جن میں یتیم کے ساتھ انصاف اور پوری نگہداشت کا حکم ہے۔

حضرت لاہوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس طرح یتیم لڑکیوں کو نکاح میں لا کر عدل وانصاف کا لحاظ لازمی ہے تا کہ ان پر کوئی تعدی اور ظلم نہ ہونے پائے اسی طرح رعایا پر بھی پوری شفقت سے حکومت کی جائے جس میں بے انصافی کی بو نہ آنے پائے۔ ماخذ: وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ۔

﴿۱۲۸﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ ... الخ میاں بیوی کی باہم رنجش کے حل کا طریقہ:اگر عورت کو قرائن سے اس بات کا غالب احتمال ہو کہ خاوند کی طرف سے زیادہ بے رغبتی کا برتاؤ ہے اور عورت طلاق وغیرہ نہیں چاہتی تو آپس میں بغیر کسی حکم اور فیصلہ کے کسی چیز پر صلح کرلیں، مثلاً عورت اپنا حق چھوڑ دے یا کم کر دے نان نفقہ وغیرہ میں سے اور شوہر اس کو قبول کرلے تو روزانہ کی جھک جھک اور طلاق وفراق سے بہتر ہے۔ اس کے لئے بطور دلیل کے ارشاد فرمایا! "وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ" کو طبعاً ہر انسان کے سامنے حرص رکھی ہوئی ہے اس صورت میں مرد کا مطلب بھی پورا ہو جائے گا اور عورت کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی مگر پھر بھی احسان اور تقویٰ کی طرف توجہ دلائی کہ ان کے حقوق چھڑانے کی خواہش نہ کرو۔

استخراج مسائل ❶ حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نکاح کی روح دراصل اتفاق ہی تھا اسلئے اگر عورت کے بعض حقوق چھوڑنے سے میاں بیوی میں اتفاق رہ سکتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح اگر رعایا اپنے بعض حقوق رائی کے حوالے کر دے تو اسے اختیار ہے کہ مصالحت سے اچھی طرح کام چلے۔ ماخذ "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا"۔

مَسْئَلَہ: ❷ اگر بیوی اپنی باری اور دیگر حقوق کو ساقط کر دے تو وہ حقوق ساقط ہو جائیں گے لیکن اگر بعد میں عورت اپنے حقوق سے رجوع کرلے تو پھر شوہر کو حقوق ادا کرنے پڑیں گے لیکن زمانہ ماضی کے نہیں البتہ مستقبل کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرنا ضروری ہوگا۔

﴿۱۲۹﴾ متعدد بیویوں میں طبعی میلان ناقابل تقسیم ہے: مطلب یہ ہے کہ متعدد بیویوں کی حالت میں یہ انسان کے بس کی بات نہیں کہ سب کے ساتھ یکساں دلی محبت ہو تاہم یہ ضروری ہے کہ کوئی مرد صرف ایک ہی بیوی کی طرف نہ جھک جائے بلکہ حتی الوسع سب کے ساتھ اچھا نباہ کرے اور ظاہری برتاؤ میں کوئی فرق پیدا نہ ہونے دے۔

استخراج مسئلہ: حضرت لاہوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح مسلم رائی کے ماتحت جب مختلف قومیں دارالاسلام میں آباد ہوں تو رائی اگرچہ طبعاً مسلمانوں سے بہت زیادہ مانوس ہوگا لیکن اس کیلئے لازم ہوگا کہ دوسری قوموں کو بھی قانون سے پورا فائدہ اٹھانے کا موقع دے تا کہ انکے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ ان پر ظلم اور تشدد ہو رہا ہے۔ ماخذ۔ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ۔

﴿۱۳۰﴾ فریقین کے لئے تسلی: اگر میاں بیوی میں کسی صورت سے نباہ نہ ہو سکے تو جدا ہو جائیں۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ مناسب جوڑ ادلا دے گا۔

استخراج مسئلہ: حضرت لاہوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح اگر رائی اور رعایا نباہ نہ کرسکیں تو وہ جدا ہو جائیں دونوں کی

ضروریات کے پورا کرنے کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہے رعایا کو اور رائی مل جائے گا ورائی کو دوسری جگہ مل جائے گی۔ ماخذ "وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ"۔

﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ... الخ دلیل وسعت۔ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا: تاکید تقویٰ: "اُوْتُوا الْكِتٰبَ"... الخ یعنی تورات وانجیل "وَاِنْ تَكْفُرُوْا" اور اگر تم ناشکری کرو گے یعنی احکام الٰہیہ کی مخالفت کرو گے تو اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرر نہیں ہاں تمہارا ہی نقصان ہے۔

استخراج مسئلہ: ختم نبوت کی دلیل: اس آیت میں تم سے پہلے اور تمہیں کتاب دیئے جانے کا ذکر ہے اور تم سے بعد والوں کا ذکر نہیں اور اگر بعد میں کوئی کتاب آنی ہوتی تو کہیں اس کا ذکر کیا جاتا جس طرح یہ کتاب قرآن کریم آخری کتاب ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ بھی آخری نبی ہیں۔

﴿۱۳۲﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ الخ دلیل غناء۔ ﴿۱۳۳﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ... الخ مختاریت باری تعالیٰ۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو تم کو دین کے کام بتارہے ہیں تو تمہاری ہی سعادت کے لئے ورنہ وہ دوسروں سے بھی کام لے سکتے ہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے "اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ"۔ (سورۃ محمد۔ ۳۸) یعنی اگر تم پھر جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئیں گے پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے اس لئے اسکی عنایت کی قدر کرو۔

﴿۱۳۴﴾ دنیا وآخرت کا موازنہ: فرمایا دین کے کام کا اصلی ثمرہ آخرت میں ہے۔ دنیا میں نہ ملنے سے بددل نہ ہونا بلکہ دنیا کا معاوضہ ادنیٰ ہے اور آخرت کا اعلیٰ ہے تو اللہ تعالیٰ سے اعلیٰ چیز ہی کیوں نہ مانگی جائے۔

استخراج مسئلہ: حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جو شخص قرآن کریم کو قانون الٰہی سمجھ کر محض دنیا کیلئے ہی اس پر عمل کرے گا پھر بھی قانون الٰہی ہونے کی برکت سے اُسے آخرت میں حصہ مل جائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ

اے ایمان والو! ہوجاؤ قائم رہنے والے انصاب پر گواہی دینے والے ہو اللہ کے لیے اگرچہ تمہارے نفسوں کے خلاف ہو

اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا

یا ماں باپ یا قرابت داروں کے خلاف ہو (جس پر گواہی دی گئی ہے) اگر وہ مالدار ہے یا محتاج ہے پس اللہ زیادہ بہتر ہے ان دونوں کے ساتھ پس نہ پیروی کرو

الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

خواہش کی اس بات سے کہ تم انصاف کرنا چھوڑ دو اور اگر تم زبان کو پھیرو گے یا اعراض کرو گے پس بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کام کرتے ہو اس پر پوری طرح خبر رکھنے والا ہے ﴿۱۳۵﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ

اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جس کو اس نے نازل کیا ہے اپنے رسول پر

وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ

اور ہر اس کتاب پر جس کو نازل کیا ہے اس نے اس سے پہلے اور جو شخص کفر کرے گا اللہ کے ساتھ اس کے فرشتوں کے ساتھ اس کی کتابوں کے ساتھ اس کے رسولوں کے ساتھ

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ

اور قیامت کے دن کے ساتھ پس بیشک وہ گمراہ ہوا اور گمراہی میں دور جا پڑا ﴿۱۳۶﴾ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور پھر انہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا پھر

اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ

ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا پھر کفر میں بڑھتے گئے نہیں ہے اللہ تعالیٰ ایسا کہ ان کو بخش دے اور نہ ان کی راہنمائی کرے گا

سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ

(سیدھے) راستے کی طرف ﴿۱۳۷﴾ آپ منافقوں کو خوشخبری سنا دیں کہ بیشک ان کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۱۳۸﴾ وہ (منافق) جو بناتے ہیں کافروں کو اپنا ساتھی

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾

مومنوں کے سوا کیا یہ تلاش کرتے ہیں ان کے پاس عزت پس بیشک عزت اللہ کے لئے ہے سب کی سب ﴿۱۳۹﴾

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ

اور تحقیق اتارا ہے اس نے تم پر کتاب میں (یہ حکم) کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے اور ٹھٹھہ کیا جاتا ہے

بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ

پس نہ بیٹھو ان کے ساتھ یہاں تک کہ وہ گھس جائیں اس کے علاوہ کسی دوسری بات میں بے شک تم اس وقت ان جیسے ہوگے

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِىْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ﴿۱۴۰﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ

تحقیق اللہ تعالیٰ اکٹھا کرنے والا ہے منافقوں اور کافروں کو جہنم میں سب کو ﴿۱۴۰﴾ وہ جو انتظار کرتے ہیں تمہارے بارے میں

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ

اور اگر تم کو فتح نصیب ہو اللہ کی جانب سے تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ اور اگر کافروں کا حصہ ہو

قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

تو کہتے ہیں کیا ہم نہیں غالب آگئے تھے تم پر اور کیا ہم نے نہیں حفاظت کی تمہاری مؤمنوں سے پس اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾

اور ہر گز نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے مومنوں پر کوئی راستہ ﴿۱۴۱﴾

﴿۱۳۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... الخ ربط آیات: اوپر نکاح اور طلاق کے احکام تھے اس میں گواہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے گواہی کا ذکر فرمایا ہے۔

خلاصہ رکوع ۲۰: مسئلہ شہادت، عقائد ضروریہ کی تفصیل، مذمت مرتدین، مذمت منافقین اور بے استقلالی کے پانچ

نتائج۔ا۔۲۔منافقین کی کفار سے دوستی کی غرض۔ ۳۔ ۴۔کفار کی مجالس سے ممانعت،(۵) منافقین کی دورخی۔ماخذ آیات ۱۳۵ :تا۱۴۱+

مسئلہ شہادت: فرمایا :انسان کا پہلا فرض جو اس آیت میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ وہ انصاف سے گواہی دے اس کا ہمیشہ پابند رہے اگر چہ جان مال جائے لیکن آن نہ جائے اور اسی پر قائم رہنا چاہئے اگر چہ پابندی انصاف میں والدین اور باقی اعزاء کٹ جائیں۔

وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ :سے مراد اپنے جرم کا اقرار ہے۔مطلب یہ ہے کہ وہ حق کلمہ اپنی ذات کے خلاف کیوں نہ ہو۔

"وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا" اگر تم نے پیچیدہ الفاظ میں اظہار کیا یا اس قانون سے اعراض کر گئے تو بھی اللہ تعالیٰ ان باتوں کو خوب جانتا ہے۔اگر تم اس کے قانون کی خلاف ورزی کر کے ترقی کرنا چاہو گے تو وہ پیچھے ہٹا دے گا۔

﴿۱۳۶﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْ ...الخ عقائد ضروریہ کی تفصیل:اس کی کئی تفسیریں ہیں۔

❶ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا ای اَظْهِرُوْا اِیْمَانَکُمْ بِاَلْسِنَتِکُمْ :یعنی اپنے ایمان کو زبان سے ظاہر کرو۔یہ اہل ایمان کو خطاب ہے۔❷ اٰمِنُوْٓا اَیْ اُثْبُتُوْا عَلٰی اِیْمَانِکُمْ وَدَامُوْا عَلَیْهِ :یعنی ایمان پر ثابت رہو اور اسی پر دوام رہے۔

(کشاف :ج ۱: ص :۵۷۵ :معالم التنزیل :ج ۱ :ص :۳۹۱ :مدارک :ص :۴۴۰ :ج ۱ :روح المعانی :ص :۲۲۱ :ج۔۵)

❸ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں اس سے مراد منافقین ہیں ان کو خطاب ہے۔"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَیْ بِاللِّسَانِ اٰمِنُوْٓا اَیْ بِالْقَلْبِ" یعنی زبان اور دل سے ایمان لاؤ۔ (مظہری :ص :۲۰ :ج ۲ :معالم التنزیل :ص :۳۹۱ :ج۔۱)

فرمایا جو لوگ پہلے فرائض پورے کر چکے ہیں انہیں حکم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی تصدیق بھی ضرور کریں یعنی جو شرح قانون کی آپ نے فرمائی ہے اس کا اتباع کریں اس کتاب کی اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں ان سب کی تعظیم کریں۔(ومن یکفر باللہ) جو ترقی قانون الٰہی اور فرائض انسانیت سے مبرا ہو وہ اگر چہ اعلیٰ درجہ کا عقلمند اور فلاسفر کہلائے لیکن وہ اعلیٰ درجہ کا بداخلاق ہوگا اس کو شریف کہنا ہی غلط ہے پرانے زمانہ کے فلاسفروں کا عموماً یہی خیال ہے۔

استخراج مسئلہ : ختم نبوت کی دلیل :اس آیت میں قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کا ذکر ہے بعد والوں کا ذکر نہیں یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ...الخ مذمت مرتدین :اس آیت میں ایمان اور کفر کا ذکر بطور قید کے نہیں ہے بلکہ واقعہ کے طور پر ہے جو اس آیت کے نزول کے وقت پیش آیا تھا۔حضرت قتادۃ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد یہود ہیں جو پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے پھر بچھڑے کی پوجا کر کے مرتد ہوئے پھر انجیل پر ایمان لائے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کیا پھر کفر میں بڑھ گئے یہاں تک کہ حضور پاک ﷺ کے ساتھ کفر کیا۔

(روح المعانی :ص :۶۲۲ :ج ۵ :معالم التنزیل :ص :۳۹۱ :ج ۱ :مظہری :ص :۲۶۱ :ج ۲ :ابوسعود :۵۹۵ :ج۔۱)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ مرتد ہونے کے بعد کفر پر قائم رہے اور کفر میں بڑھتے رہے یہاں تک کہ کفر پر مر گئے ایسے لوگوں کے لئے مغفرت نہیں ہے۔ (ابن کثیر :ص :۸۹۷ :ج۔۲)

استخراج مسئلہ :حضرت لاہوریؒ : لکھتے ہیں کہ بے استقلالی کے آثار ان لوگوں میں پائے جاتے ہیں جب ان کو صحیح راستہ پر استطاعت نہیں تو مغفرت اور ہدایت کے لئے کیسے نکل سکتے ہیں۔

﴿۱۳۸﴾ مذمت منافقین اور بے استقلالی کے پانچ نتائج ❶ یعنی حضرت لاہوری :فرماتے ہیں کہ یہاں سے بے استقلالی کے پانچ نتائج کا ذکر ہے پہلا نتیجہ نفاق ہے اور نفاق کی سزا عذاب الیم ہے۔

﴿۱۳۹﴾ ❷ منافقین کی کفار سے دوستی کی غرض: حاصل مطلب یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کا دور ایک انقلابی دور تھا کفار کو بتدریج زوال تھا اور اہل ایمان کو بتدریج اقتدار حاصل ہوا تھا اس لئے ان لوگوں کو مکمل اطمینان نہ تھا خالص مسلمان ایک طرف تھے اور کھلے کافر مخالف سمت پر تھے کچھ کمزور لوگ زمانہ کا رنگ دیکھ رہے تھے وہ اس انتظار میں تھے کہ دیکھیں زمانہ کا اونٹ کس کروٹ پر بیٹھتا ہے اس لئے وہ دونوں طرف تعلقات قائم رکھنے کی کوشش کرتے تھے کہ جس طرف غلبہ اور قوت دیکھیں گے اسی طرف ہو جائیں گے، وہ لوگ اہل ایمان کی مجلس میں بھی آتے تھے اور کفار سے ساز باز رکھتے تھے ایسے لوگوں کیلئے اس آیت میں تنبیہ ہے۔

حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں بے استقلالی کے دوسرا نتیجہ کا ذکر ہے کہ یہ لوگ بجائے مومنوں کے دشمنان اسلام سے دوستی رکھیں گے۔

اَيَبۡتَغُوۡنَ ❸ تیسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ کفار سے عزت کے خواہاں ہوں گے۔ تو سن لو کہ تمام تر عزت اللہ ہی کے پاس ہے جس کو وہ چاہے عطا کرے اور اللہ پاک یہ اعزاز اپنے دوستوں کو بخشتا ہے۔ "وَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَلِرَسُوۡلِهٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ"۔

﴿۱۴۰﴾ وَقَدۡ نَزَّلَ... الخ ❹ کفار کی مجالس سے ممانعت: اس سے مراد بعض نے کفار مکہ بعض نے یہود مراد لئے ہیں بعض نے صرف منافقین مراد لیے ہیں اگر فقط منافقین مراد ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ تم جب مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہو تو ایسی مجلس میں کیوں شریک ہوتے ہو، اور کفر بآیات اللہ کے وقت ان کے ساتھ بیٹھے رہو گے تو تمہارا بھی انہیں میں شمار ہوگا اور تمہارے ساتھ ان جیسا سلوک کیا جائے گا۔ حضرت لاہوری: رحمہ اللہ لکھتے ہیں یہ چوتھا نتیجہ ہے کہ انہیں کفر بآیات اللہ اور آیات الٰہی پر تمسخر سن کر خاموش رہنا پڑا تو آخرت میں کفار کے ساتھ جہنم میں ہوں گے۔

﴿۱۴۱﴾ ❺ منافقین کی دورخی: حضرت لاہوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں پانچواں نتیجہ کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کی شکست کو خوشی کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ وَلَنۡ يَّجۡعَلَ اللّٰهُ لِلۡكٰفِرِيۡنَ: مطلب یہ ہے کہ جب تک مسلمان دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں گے ان پر کافروں کو غلبہ حاصل نہیں ہوگا۔ (کشف الرحمٰن: ج ۱: ص ۸۳۸)

اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ يُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمۡ‌ۚ وَاِذَا قَامُوۡۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوۡا

بیشک منافق دغابازی کرتے ہیں اللہ کے ساتھ اور وہ ان کو ان کی دغابازی کا بدلہ دیتا ہے اور جب یہ منافق کھڑے ہوتے ہیں

كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوۡنَ النَّاسَ وَلَا يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۙ‏ ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبۡذَبِيۡنَ بَيۡنَ

نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں سستی، دکھاوا کرتے ہیں لوگوں کے سامنے اور نہیں یاد کرتے اللہ تعالیٰ کو مگر بہت تھوڑا ﴿۱۴۲﴾ یہ اس کے درمیان متردد ہیں

ذٰ لِكَ ‌ۖ لَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ‌ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِيۡلًا‏ ﴿۱۴۳﴾

نہ ان کی طرف اور نہ ان کی طرف اور جس شخص کو اللہ بھٹکا دے پس ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لئے کوئی راستہ ﴿۱۴۳﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡـكٰفِرِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ‌ ؕ اَتُرِيۡدُوۡنَ

اے ایمان والو! نہ بناؤ کافروں کو اپنا دوست مومنوں کو چھوڑ کر کیا تم چاہتے ہو کہ

اَنۡ تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ عَلَيۡكُمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا‏ ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِى الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ‌ ۚ

بنا لو اللہ کے لیے تمہارے اوپر صریح الزام ﴿۱۴۴﴾ بے شک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے

وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ﴿١٤٥﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا

اور تو ان کے لئے ہرگز نہ پائے گا کوئی مددگار ﴿۱۴۵﴾ مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کرلی اور اصلاح کرلی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور انہوں نے

دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٤٦﴾

اپنے دین کو خالص بنایا اللہ تعالیٰ کے لئے یہی لوگ ہیں ایمان والوں کے ساتھ اور عنقریب اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بہت بڑا اجر دے گا ﴿۱۴۶﴾

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٤٧﴾

کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر اگر تم شکر گزاری کرو گے اور ایمان لاؤ گے اور اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۱۴۷﴾

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ﴿١٤٨﴾

اللہ تعالیٰ بری بات کو ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا مگر وہ شخص جس پر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ سننے والا ہے اور جاننے والا ہے ﴿۱۴۸﴾

إِنْ تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوهُ أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا ﴿١٤٩﴾

اگر تم ظاہر کرو گے بھلائی یا نیکی کو یا اس کو چھپاؤ گے یا معاف کرو گے برائی کو پس بیشک اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا قدرت رکھنے والا ہے ﴿۱۴۹﴾

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ

بیشک وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور وہ چاہتے ہیں کہ تفریق پیدا کریں اللہ اور اس کے رسولوں کے

وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١٥٠﴾

درمیان اور وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں بعض پر اور انکار کرتے ہیں بعض کا۔ اور وہ لوگ چاہتے ہیں کہ بنالیں اس کے درمیان ایک راستہ ﴿۱۵۰﴾

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا

یہی لوگ کفر کرنے والے ہیں یقیناً اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کفر کرنے والوں کیلئے ذلت ناک عذاب ﴿۱۵۱﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے

بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ

اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور انہوں نے تفریق نہیں کی ان میں سے کسی ایک کے درمیان یہی لوگ ہیں کہ عنقریب دیا جائے گا ان کو ان کا بدلہ اور

وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٥٢﴾

اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے ﴿۱۵۲﴾

﴿۱۴۲﴾ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ... الخ ربط آیات: اوپر منافقین کا ذکر تھا اب آگے منافقین کے امراض اور ان کی مذمت کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ۲۱ منافقین کی امراض اربعہ، کفار و منافقین سے مقاطعہ از موالات، تنبیہ مومنین، نتیجہ منافقین، تائبین کے لئے

اجرعظیم، منافقین کے لئے تنبیہ، اعلان معافی، مذمت یہود۔ا۔نتیجہ تفریق، مستفیدین من القرآن کی پالیسی اور نتیجہ۔

ماخذ آیات ۱۴۲ : تا ۱۵۲ +

منافقین کی امراض :فرمایا: یہ منافق اپنے باطل خیال اور زعم باطل میں اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کا مطلب سورۃ بقرہ کی آیت ۹ میں دیکھیں۔ الغرض اس آیت میں منافقین کی چار بیماریوں کا ذکر ہے۔ ❶ خدع :اس کا مطلب سورۃ بقرہ میں دیکھیں۔ ❷ کسل۔ ❸ ریا۔ ❹ تذبذب۔ کسل : کا مطلب یہ ہے کہ جس کام کا نشاط اور انبساط نہ ہو مگر کسی وجہ سے کرنا پڑے۔ ریا : کا مطلب یہ ہے کہ محض دکھاوا ہو کسی وقت نماز کی حالت میں خالی زبان ہلادی ایک آدھ کلمہ کہہ دیا کہ برابر والا سمجھے کہ کچھ پڑھ رہا ہے۔

﴿۱۴۳﴾ مرض ❹ اس آیت میں منافقین کے چوتھے مرض تذبذب کا ذکر ہے جو لوگ کفر اور ایمان کے درمیان میں لٹکے ہوئے ہیں جو نہ پوری طرح مسلمانوں کی طرف ہیں اور نہ پوری طرح کافروں کی طرف ہیں۔ جسے اللہ گمراہ کردے تو اے مخاطب تو ان کے لئے ایمان لانے اور مؤمن ہونے کی کوئی راہ نہیں پائے گا۔

﴿۱۴۴﴾ کفار و منافقین سے مقاطعہ از موالات :اس آیت میں دشمنانِ اسلام خواہ منافق ہوں یا کافر سب سے دوستی نہ رکھنے کا حکم ہے۔ کفار سے دوستی کے سلسلہ کی بحث سورۃ آل عمران کی آیت۔ ۲۸ میں گزر چکی ہے۔

اَتُرِيْدُوْنَ... الخ تنبیہ مؤمنین۔ کیا تم ان سے دوستی کرکے اپنے اوپر اپنے مجرم و مستحق عذاب ہونے پر اللہ تعالیٰ کی صریح حجت قائم کروو ہی ہے کہ جب اس نے منع کیا ہے تو پھر کیوں کیا۔

﴿۱۴۵﴾ منافقین کا نتیجہ :اس آیت میں منافقین کی سزا اخروی کا ذکر ہے کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ میں سب سے آخری طبقہ ہے۔ حضرات مفسرین فرماتے ہیں! جہنم کے سات طبقات ہیں۔ ① جہنم۔ ② لظی۔ ③ حطمہ۔ ④ سعیر۔ ⑤ سقر۔ ⑥ جحیم۔ ⑦ ہاویہ۔ (روح المعانی :ص :۲۳۱ :ج:۵ :بحر محیط :ص :۳۸۰ :ج۔۳)

پہلے طبقہ میں گناہ گار مؤمنین ہوں گے، دوسرے طبقہ میں نصاریٰ ہوں گے تیسرے طبقہ میں یہود ہوں گے، چوتھے طبقہ میں صابی ہوں گے، پانچویں طبقہ میں مجوسی ہوں گے، چھٹے طبقہ میں مشرکین ہوں گے، ساتویں طبقہ میں منافقین ہوں گے۔ منافقین کو جہنم کا سب سے آخری طبقہ اس لئے ملے گا چونکہ انہوں نے کفار کا ساتھ دیا اور اسلام کا مذاق اڑایا۔

(کشاف :ج ۱: ص ۵۸۱ :ابوسعود :ص ۵۹۹ :ج ۱ : کبیر :ص ۲۵۱ :ج۔۴)

﴿۱۴۶﴾ تائبین کے لئے اجر عظیم :ہاں جو تائب ہوجائیں وہ مخلص جماعت میں شامل کرلئے جائیں گے۔ اور ان کے لئے اجرعظیم کا وعدہ ہے۔ ﴿۱۴۷﴾ منافقین کے لئے تنبیہ :اے منافقو! اگر تم شکر گزار ہو کر قانون الٰہی کے پابند بن جاؤ تو پھر نہ کوئی جرم عائد ہوگا نہ سزا ملے گی، بلکہ اعمال صالحہ کی برکت سے کئی گنا زائد اجر عطا کیا جائے گا، اور شکر سے مراد اعمال صالحہ ہیں۔

سُؤَالٌ: یہاں شکر پہلے ہے اور ایمان بعد میں جس سے یہ شبہ ہوا کہ کافر کا شکر قبول ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں واو ترتیب کے لئے نہیں۔ (خازن :ج ۱ :ص۔ ۴۴۳)

الغرض اس آیت میں پورے دین کا خلاصہ اور نچوڑ بیان کیا گیا ہے کہ ایمان میں تمام عقائد داخل ہیں اور شکر میں تمام اوامر کا بجالانا اور نواہی سے بچنا آ گیا۔

﴿۱۴۸﴾ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ... الخ ربط آیات :اوپر منافقین کا ذکر تھا اور وہ طرح طرح کے جھوٹ بولتے تھے اب یہاں

ے ذکر ہے کہ ایسی باتیں حق تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ **ممانعت اظہار برائی :** آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہے کہ کسی شخص کی برائی کا چرچا کیا جائے اور کسی کی شکایت کی جائے البتہ اگر کوئی مظلوم ہے اور ظلم کرنے والے کی شکایت کرتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ **اِنْ تُبْدُوْا الخ اعلان معافی:** مطلب یہ ہے کہ اگر تم کوئی نیکی کا کام اعلانیہ کرو یا پوشیدہ کرو یا زیادتی کرنے والی کی برائی کو معاف ہی کر دو تو یہ بہت اچھی بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے مخالف سے بدلہ لینے کی قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دیتا ہے۔

اہل تشیع کا ماتم پر استدلال

مصنف فلاح الکونین: ص: ۱۲۱: اسی آیت کے تحت لکھتا ہے کہ آیت مجیدہ مظلوم کے حق کو ادا کر رہی ہے کہ ظلم وستم جو اس پر روا رکھے گئے ان کو بیان کرے اور ظالم کی شکایت کرے ہماری مجالس ہمارا گریہ و ماتم کا مقصد امام مظلوم کی حمایت اور کربلا کے سانحہ عظیم کو دنیا کے سامنے آشکار کرنا ہے جس سے بڑھ کر وحشت و بربریت ظلم وستم عداوت وشقاوت کی روئے زمین پر اور کوئی مثال نہیں اب بتائیں اس سے زیادہ قرآن کریم سے مرثیہ خانی اور سینہ زنی کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟

جواب: جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ اس آیت میں مظلوم کو صرف زبان سے ظالم کی شکایت کرنے کی اجازت دی گئی ہے تا کہ مدد طلب کی جائے اور ظالم سے بدلہ لیا جائے لیکن اس آیت کے بعد دوسری آیت۔ ۱۴۹) اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا۔ مقبول حسین دہلوی نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے "اگر تم کسی نیکی کا اظہار کرو گے یا اس کو چھپاؤ گے یا کسی برائی سے درگزر کرو گے تو اللہ بھی بڑا درگزر کرنے والا ہے قدرت رکھنے والا ہے" اس ترجمہ سے یہ بات واضح ہے کہ جس کو مقبول حسین نے اسی ترجمہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ مدد طلب کرنے میں کسی کو برا بھلا کہا جائے الا جس شخص پر ظلم کیا گیا ہو اس کے لئے کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ ظالم کے برخلاف اتنی مدد مانگے جتنی مدد دینی دین میں جائز ہے اور اس مدد مانگنے میں اگر وہ ظالم کی برائیاں بیان کرے تو کوئی حرج نہیں طلب نصرت کی نظیر دوسری جگہ بھی قرآن مجید میں موجود ہے "**وانتصروا من بعد ما ظلموا**" بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا انہوں نے مدد مانگی۔ (ترجمہ مقبول: ص: ۱۲۱: آیت زیر بحث طبع ناشران افتخار بکڈ پو رجسٹرڈ کرشن نگر لاہور)

الغرض اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ظالم کی شکایت کرنے کا مقصد لوگوں سے مدد طلب کرنا ہے تا کہ ظالم سے انتقام لیا جائے مقبول حسین دہلوی نے بھی اس آیت کا مطلب ماتم نہیں لیا۔

ماتمیوں سے ایک سوال : ہم پوچھتے ہیں کہ ظالم کی شکایت کرنے اور اس کی برائی لوگوں کو بتانے کا مقصد تو یہ تھا کہ ظالم سے انتقام لیا جائے اور مظلوم کی مدد کی جائے مگر اب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل تو موجود ہی نہیں تو ان سے بدلہ لینے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اور اگر آپ یہی کہیں کہ ہم نے قاتلان حسین کے حامیوں سے انتقام لینا ہے تو فرمایئے پاکستان میں قاتلان حسین کے حامی کون لوگ ہیں؟ اور اگر آپ کے نزدیک ایسے لوگ موجود ہیں تو ان سے جنگ کر کے انتقام کیوں نہیں لیتے؟ کیا انتقام لینے کا طریقہ شریعت نے یہ سکھایا کہ خود ہی اپنے منہ پر طمانچے مارو اور اپنے ہی بدن کو لہولہان کرو اس سے تو ظالم ہی کا مقصد پورا ہوتا ہے کہ اس نے جس کو زدوکوب کرنا تھا اس نے خود ہی وہ کام کر دیا کیا ظالم سے انتقام لینے کا یہ طریقہ بھی سنت سے ثابت ہے؟ کیا یہ طریقہ معقول بھی ہے؟ (بشارت الدارین بالصبر علی شہادت الحسین)

نیزان آیات میں نہ تو کوئی رونے کا لفظ ہے نہ سینہ کوبی کا نہ مرثیہ کا پھر آپ کا دعویٰ ماتم کیسے ثابت ہو گیا؟ اور یہ بھی کوئی خوبی نہیں ہے کہ ظالم کی شکایت کو مستقل مشن بنایا جائے جس بات کی اجازت ہے وہ وقتی ہے اور بضرورت اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ مرثیہ کا یہ مطلب ہے کہ نظم یا نثر میں مرنے والی کی خوبیاں بیان کی جائیں اور آیت میں تو ظالم کی برائی بیان کرنے کی اجازت ہے لیکن آپ نے اس کے خلاف یہ سمجھ لیا کہ آیت میں مظلوم کی خوبیان بیان کرنے کی اجازت ہے اگر آپ کے نزدیک مرثیہ کا معنی میت پر رونا ہے ماتم کرنا ہے ماتمی جلوس نکالنے ہیں تو اس کا اس آیت میں کہیں بھی ذکر نہیں اگر آپ کی مراد جزع فزع ہو شریعت نے میت پر صبر کا حکم دیا ہے جزع فزع کی ممانعت فرمائی ہے۔

﴿۱۵۰﴾ **مذمت یہود**: بعض انبیاء کا صراحتاً انکار کرتے ہیں مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا، اور خود بھی اقرار بھی کرتے ہیں اور یہ لوگ عند اللہ پکے کافر ہیں۔

﴿۱۵۱﴾ **نتیجہ تفریق**: اس قسم کی تفریق کرنے والے اور کتاب الٰہی کے بعض حصوں پر ایمان لانے والے اور بعض کا انکار کرنے والے پکے کافر ہیں۔ اور ان کے لئے ذلت ناک عذاب ہے۔

﴿۱۵۰﴾ **مستفیدین من القرآن کی پالیسی اور نتیجہ**: یعنی اور جن لوگوں نے کسی نبی کو جدا نہیں کیا بلکہ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کو بڑا اجر عطا فرمائے گا۔ **استخراج مسئلہ**: **ختم نبوت کی دلیل**: اس آیت کا اولین مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس جماعت صحابہ کرام ہیں۔ تو جماعت صحابہؓ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانا ہے۔ اور اس کے خلاف کے لئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور بعد از زندگی جہاد کیا ہے۔ اگر کوئی نبی آپ کے بعد میں ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے وصیت کر جاتے۔ اور آپ کی زندگی مبارک میں ان کے خلاف جہاد نہ ہوتا۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ

اے پیغمبر! آپ سے اہل کتاب سوال کرتے ہیں کہ آپ اتاریں ان پر کتاب آسمان کی طرف سے بیشک حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے سوال کیا

مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ

اس سے بھی بڑی چیز کا پس انہوں کہا کہ دکھا دو ہمیں اللہ سامنے پس پکڑا ان کو بجلی نے ان کے ظلم کی وجہ سے پھر بنایا انہوں نے بچھڑے کو معبود بعد اس

بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ وَرَفَعْنَا

کے کہ ان کے پاس واضح باتیں پہنچ چکی تھیں پھر ہم نے معاف کیا اس سے اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلا غلبہ عطا کیا ﴿۱۵۳﴾ اور ہم نے اٹھایا ان کے

فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا

اوپر طور پہاڑ کو ان کے عہد کے وقت اور ہم نے ان سے کہا داخل ہو دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے اور ہم نے ان سے کہا تعدی نہ کرو

فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

ہفتے کے دن اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا ﴿۱۵۴﴾ پس بوجہ توڑنے اپنے پختہ عہد کو اور بوجہ ان کے کفر کرنے کے اللہ کی آیتوں کے ساتھ

وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ

اور بوجہ ان کے قتل کرنے کے اللہ کے نبیوں کو ناحق اور بوجہ ان کے یہ کہنے کے کہ ہمارے دل غلافوں میں بند ہیں ایسا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر مہر کردی ہے ان کے کفر کی وجہ سے

فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا

پس نہیں ایمان لاتے مگر بہت تھوڑے ﴿۱۵۵﴾ اور بوجہ ان (یہودیوں) کے کفر کرنے اور بوجہ ان کے کہنے کے حضرت مریم پر بہتان عظیم ﴿۱۵۶﴾ اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ

قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ

بے شک ہم نے قتل کیا ہے مسیح ابن مریم کو جو اللہ کا رسول ہے حالانکہ انہوں نے نہیں قتل کیا اس کو اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ یہ بات ان کے لئے مشتبہ کردی گئی ہے

لَهُمْ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۗ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ

اور بیشک وہ لوگ جنہوں نے اس میں اختلاف کیا ہے البتہ شک میں ہیں اس سے ان کو اس کا کچھ علم نہیں سوائے گمان کی پیروی کے

الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾

اور نہیں قتل کیا انہوں نے اس مسیح کو یقینا ﴿۱۵۷﴾ بلکہ اللہ نے اس کو اٹھا لیا اپنی طرف اور اللہ تعالیٰ عزیز (کمال قدرت کا مالک) اور حکیم (کمال حکمت کا مالک) ہے ﴿۱۵۸﴾

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ

اور نہیں ہے اہل کتاب میں سے کوئی بھی مگر یہ کہ ضرور ایمان لائے گا اس پر اس کی موت سے پہلے اور قیامت والے دن وہ ان پر

عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ

گواہی دینے والا ہوگا ﴿۱۵۹﴾ پس بوجہ ظلم کرنے ان لوگوں کے جو یہودی ہوئے ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام قرار دیں جو حلال تھیں اور بوجہ ان کے

لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ

اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کے بہت سے لوگوں کو ﴿۱۶۰﴾ اور ان کے سود لینے کے حالانکہ انہیں منع کیا گیا تھا اس سے اور

وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۗ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ

بوجہ ان کے کھانے لوگوں کے مال باطل طریقے سے اور تیار کیا ہے ہم نے کفر کرنے والوں کے لئے دردناک عذاب ﴿۱۶۱﴾ لیکن ان میں سے

الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ

علم میں پختہ لوگ اور ایمان لانے والے جو ایمان لاتے ہیں اس چیز پر جو آپ کی طرف اتاری گئی اور

قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ

جو آپ سے پہلے اتاری گئی (تعریف کے مستحق ہیں) اور وہ لوگ جو نماز قائم کرنے والے ہیں اور زکوٰۃ دینے والے ہیں اور جو ایمان رکھنے والے ہیں

اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ ع

اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔ یہی لوگ ہیں کہ ان کو ہم بہت بڑا اجر دیں گے ﴿۱۶۲﴾

ع ۲۲
۲

﴿۱۵۳﴾ يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ الخ :۱۸ :نقائص اہل کتاب۔ربط آیات :اوپر اہل کتاب کا ذکر تھا اب آگے ان کے نقائص اور نافرمانیوں کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ۲۲ ۱۸۔نقائص اہل کتاب، حضرت عیسیٰ کا رفع الی السماء، نافرمانی کا نتیجہ، بقیہ تفصیل نقائص اہل کتاب، نتیجہ اہل کتاب میں سے مؤمنین کے اوصاف۔۱۔۲۔۳۔۴۔۵۔نتیجہ۔ماخذ آیات ۱۵۳ :تا۱۶۲+

شان نزول :آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں یہود کا ایک وفد آیا انہوں نے مطالبہ کیا کہ اگر آپ خدا کے سچے رسول ہیں تو قرآن کو دفعۃً واحدۃ نازل کرو۔اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔(بحر محیط :ص :۳۸۶، ج :۳، قرطبی :ص :۹، ج :۶ ؛ کبیر :ص ؛ ۲۵۶، ج :۴ ؛ابوسعود :ص :۶۰۱، ج :۱ ؛ابن کثیر :ص :۹۰۷، ج :۲ ؛اسباب النزول :ص۔۱۰۶)

اب ان آیات میں آنحضرت ﷺ کی تسلی کا ذکر ہے اور اہل کتاب کے۔۱۸۔نقائص اور شرارتوں اور سرکشیوں کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ ❶ لایعنی سوال۔ ❷ دنیا میں رؤیۃ باری تعالیٰ کا سوال۔ ❸ یہود کی مذموم حرکت تعلیم صحیح پانے کے بعد بچھڑے کو خدا بنایا۔﴿۱۵۴﴾۔ ❹ توراۃ کو مکمل شریعت ماننے سے انکار پر کوہ طور کا سروں پر معلق ہونا۔وَقُلْنَا لَهُمْ...الخ ❺ حکم خداوندی: برائے دخول بیت المقدس کیفیت سجدہ کے ساتھ، مگر انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی۔ ❻ ہفتہ کے دن کو عبادت کے لئے مختص کیا گیا تھا مگر انہوں نے اس کی بھی خلاف ورزی کی۔وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ...الخ۔ ❼ عہد الٰہی کی خلاف ورزی :یعنی حیلہ اور بہانے سے اللہ کے صریح حکم کو توڑا جس کی تفصیل سورۃ اعراف میں مذکور ہے۔"وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ...الخ

﴿۱۵۵﴾ ربط آیات :یہاں تک یہود کے سات نقائص اور ان کی شرارتوں اور سرکشیوں کو بیان کیا گیا اب آگے یہود کے بقیہ نقائص اور ان کے مورد غضب الٰہی اور لعنتی ہونے کا بیان ہے۔ ❽ نقض میثاق کی وجہ سے لعنت فرمائی۔ ❾ کفر بآیات اللہ۔ ❿ قتل انبیاء علیہم السلام۔ ⓫ غرور اور تکبر کی وجہ سے کہنے لگے ہمارے دلوں پر پردے ہیں یعنی اس میں مزید علم کی گنجائش نہیں حالانکہ ان کے دل علم سے خالی تھے اس وجہ سے بھی اللہ نے ان پر لعنت فرمائی۔ ⓬ کفر کی وجہ سے قلوب پر مہر کا لگنا۔
﴿۱۵۶﴾ ⓭ مریم سلام اللہ علیہا پر بہتان عظیم باندھنا۔﴿۱۵۷﴾ ⓮ یہود کا دعویٰ قتل عیسیٰ علیہ السلام۔وَمَا قَتَلُوْهُ الخ نفی دعویٰ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قادیانی اشکالات اور ان کے جوابات

① :اشکال :ایک شخص کی شکل ہو بہو عیسیٰ علیہ السلام جیسی کیسے ہو گی؟ ❶ جواب :جس طرح فرشتے بشر کی شکل میں متمثل ہوتے ہیں۔ ❷ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا اژدھا بن جانا قرآن کریم میں منصوص ہے۔ ❸ انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے پانی کا شراب اور زیتون بن جانا نصاریٰ کے نزدیک مسلم ہے پس اسی طرح اگر کسی شخص کو عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ اور ہم شکل بنا دیا جائے تو کیا بعید ہے۔؟ ❹ احیاء موتیٰ کا معجزہ اس سے کہیں زیادہ بلند تھا۔لہٰذا احیاء موتیٰ کی طرح القاء شبیہ کے معجزہ کو بھی بلا شبہ اور بلا تردد تسلیم کرنا چاہئے۔
❺ نیز موجودہ سائنس کے دور میں پلاسٹک سرجری سے چہروں کو شباہت تبدیل کی جاتی ہے یہ انسان اپنے ذرائع سے کر رہا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک شخص کی شباہت دوسرے شخص پر ڈال دی تو وجہ تعجب کیا ہے؟

اشکال ② جس شخص پر عیسیٰ علیہ السلام کی شباہت ڈالی گئی وہ آپ کا دشمن تھا یا حواری اگر دشمن پر ڈالی گئی تو اسے مسیح بنا کر عزت کیوں دی گئی کافر کو عزت دی گئی، اگر حواری تھا تو اس پر ظلم ہوا اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے؟۔ جواب :اس آیت کی تفسیر میں دو اقوال ہیں کیونکہ قرآن کریم تاریخی کتاب نہیں بلکہ ہدایت کا منبع ہے یہ تاریخ کا موضوع ہے کہ وہ شخص جو پھانسی دیا گیا وہ کون ہے؟ قرآن کریم صرف اتنا بتلانا چاہتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نہ قتل ہوئے نہ پھانسی دیئے گئے، یہود کا قول قتل مسیح کا دعویٰ غلط

ہے اب وہ شخص کون تھا؟ تو اس میں سابقہ کتب میں دو اقوال ہیں۔ ❶ کہ وہ دشمن تھا۔ ❷ وہ حواری تھا اس لیے مفسرین نے دونوں اقوال نقل کیے۔ اب کہ وہ دشمن تھا تو نبی کی شکل کیوں دے دی گئی یہ تو اس کا اعزاز ہو گیا؟ **جواب:** کہ اعزاز نہیں دیا گیا بلکہ عذاب دیا گیا ہے کہ وہ پھانسی پر لٹکایا گیا۔ اور دوسرا قول کہ مسیح علیہ السلام کا حواری تھا اس پر اشکال کہ بے قصور تھا اس پر ظلم ہوا؟ اس کا جواب بھی تفسیروں اور کتب سابقہ میں موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ کون شخص ہے جو میرے جگہ پھانسی پر چڑھے اور قیامت کے دن جنت میں میرا رفیق بنے یہ سوال تین بار کیا تو تینوں دفعہ مخلص حواری اٹھا جو اپنے نبی کی جگہ قربانی کے لئے آمادہ ہوا یہ ایثار و قربانی کی بے مثال روایت ہے کہ اپنے نبی کے لئے جان قربان کر کے رفیق جنت بننے پر آمادہ ہوا اور ایسے کر کے وہ اعزاز کا مستحق ہوا اور درجہ شہادت پر فائز ہوا، قادیانی مخلص حواری مسیح کی شہادت کو ظلم سے تعبیر کریں تو جو لوگ اپنے دین و ایمان اسلام و قرآن انبیاء کرام علیہم السلام کی عزتوں کے تحفظ کے لئے شہید ہوئے تو کیا ان سب پر ظلم ہوا؟ العیاذ باللہ۔

﴿۱۵۸﴾ اثبات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء: بلکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جسم سمیت اٹھالیا۔

اشکال: اس آیت میں لفظ "بل" ابطالیہ نہیں نحویوں نے لکھا ہے کہ لفظ "بل" قرآن میں نہیں آسکتا۔ (مرزائی پاکٹ بک)

❶ **جواب:** پھر تو یہ مطلب ہوا کہ کافر یہود سچے ہیں جو کہتے تھے ہم نے مسیح کو قتل وغیرہ کر دیا، اے جناب تم نے خود بحوالہ کتب نحو لکھا ہے کہ جب خدا کفار کا قول نقل کرے تو بغرض تردید اس میں "بل" آسکتا ہے۔ (احمد پاکٹ بک: ص ۲۲۴:) یہی معاملہ اس جگہ ہے خود مرزائی قادیانی مانتے ہیں کہ اس جگہ لفظ "بل" تردید قول کفار کے لیے ہے مسیح مصلوب مقتول ہو کر نہیں مرا بلکہ خدا تعالیٰ نے عزت کے ساتھ اس کو اپنی طرف اٹھالیا۔ (ازالہ اوہام: ص۔ ۵۹۸)

❷ **جواب:** قرآن کریم میں کفار کے قول کی تردید کے لیے متعدد بار "بل" ابطالیہ استعمال ہوا ہے۔ اس پر ہم سر دست صرف چار دلائل پیش کرتے ہیں۔ دلیل ایک (۱) دیکھیں (سورۃ بقرۃ آیت۔ ۱۱۶) دلیل ۲ سورۃ الانبیاء (آیت۔ ۲۶) دلیل نمبر ۳ سورۃ مومنون (آیت۔ ۷۰) دلیل نمبر ۴ سورۃ (الم سجدہ آیت۔ ۳) مذکورہ چاروں مقامات پر "بل" ابطالیہ ہے۔

اشکال: رفع سے مراد وہ موت ہے جو عزت کے ساتھ ہو (مرزائی پاکٹ بک۔ ❶ **جواب:** وعدہ بلا توقف و بجلد رفع کا تھا۔ اگر آپ کے معنی صحیح ہوں تو مطلب یہ ہوا کہ مسیح اسی وقت عزت کے ساتھ مر گیا تھا اور کون نہیں جانتا کہ یہ یہود کی تائید ہے چونکہ یقیناً حضرت مسیح علیہ السلام اس زمانے میں فوت نہیں ہوئے جیسا کہ مرزا قادیانی کو بھی اقرار ہے لہٰذا اس وقت جو رفع ہوا وہ یقیناً زندہ آسمان پر اٹھایا جانا تھا۔ اس کے علاوہ رفع کے معنی عزت کی موت لینا نہ صرف بوجہ تمام کتب لغت کے خلاف ہونے کے مردود ہیں بلکہ اس میں یہ نقص ہے کہ کلام ربانی درجہ فصاحت سے گر جاتا ہے کیونکہ سورۃ آل عمران آیت :۵۵: میں "وَرَافِعُكَ" سے پہلے "مُتَوَفِّيكَ" کا وعدہ موجود ہے اور توفی کے معنی جیسا کہ کتب عربیہ اور تحریرات مرزا سے کسی چیز کو پورا لینے کے ہیں پس یہ کہنا کہ زندہ اٹھالیا۔ پھر ساتھ ہی یہ کہنا کہ عزت کی موت دے کر اٹھا دیا۔ یہ متضاد کلام خدا کی شان سے بعید ہے اگر کہا جائے کہ "مُتَوَفِّيكَ" کے معنی بھی موت ہیں تو بھی خلاف فصاحت ہے کیونکہ جو بات ایک لفظ (موت) سے ادا ہو سکتی تھی اس کو دو فقروں میں بیان کرنا بھی شان بلاغت پر دھبہ ہے۔ حاصل یہ کہ یہود کہتے تھے کہ ہم نے مسیح علیہ السلام کو مار دیا ان کے جواب میں یہ کہنا کہ ہاں مار تو دیا تھا مگر یہ عزت کی موت ہے یہود کی تردید نہیں بلکہ تصدیق ہے حالانکہ خداوندی تعالیٰ اس عقیدہ کو لعنتی قرار دیتا ہے جو قادیانیوں کو مبارک ہے۔ ❷ **جواب:** "بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ" کی تفسیر میں تیرہ سو سال کے کسی ایک مفسر یا محدث یا امام لغت نے رفع درجات یا رفع روحانی مراد نہیں لیا، یہ خالصۃً قادیانی تحریف کا شاخسانہ ہے جس کی سب سے بڑی دلیل ہے وہ اپنے دعویٰ

رفع درجات یا روحانی رفع کے لئے اس آیت کی تفسیر میں سلف کا ایک قول پیش نہیں کر سکتے۔

﴿۱۵۹﴾ اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ "اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ" میں "بِهٖ" اور "موتہ" میں دونوں ضمیریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں معنی یہ ہے کہ جو اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ہوں گے ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ رہے گا جو ان پر ایمان نہ لائے گا اور یہی تفسیر راجح ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ "بہ" کی ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف راجع ہے اور "موتہ" کی ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سب اہل کتاب اپنے مرنے سے پہلے ایمان لائیں گے یعنی جس وقت روح نکلنے لگے گی اور عذاب کے فرشتے دیکھیں گے تو فوراً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی برحق ہونے کا اقرار کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہو جائیں گے مگر کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ یہ تفسیر اگرچہ کتب تفسیر میں موجود ہے مگر سیاق وسباق اس کی تائید نہیں کرتا تین وجوہات سے۔

❶ اس لئے کہ نزع کے وقت ایمان معتبر نہیں اور نہ عند اللہ اسے شرف قبولیت حاصل ہے حالانکہ آیت کے شروع میں لام تاکید اور آخر میں نون تاکید ثقیلہ ہے جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ وہ ضرور بضرور ایمان لائیں گے اور اس سے وہ ایمان مراد ہے جو عند اللہ ایمان معتبر بھی ہو اور مقبول بھی ہو، اور مرتے وقت اہل کتاب کا ایمان، ایمان ہی نہیں تو وہ اس "لَیُؤْمِنَنَّ" کا مصداق کیسے ہو سکتے ہیں۔ ❷ قرآن کریم میں ہے "فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ" اس میں ہر مکلف سے وہ ایمان مطلوب ہے جو اس کی مرضی اور مشیت سے ہو، اور نزع کے وقت جب فرشتے سامنے ہوں تو اس وقت کا ایمان مجبوری اور اکراہ کا ہوا اور اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔

❸ قرآن کریم سے فصیح بلیغ کتاب دنیا میں موجود نہیں اگر "موتہ" کی ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع ہو تو آگے "وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ" الخ میں "یکون" میں "ھو" ضمیر یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے تو اس سے انتشار ضمائر لازم آئے گا کہ ایک ضمیر تو اہل کتاب کی طرف راجع اور متعین ہوئی کہ "قَبْلَ مَوْتِهٖ" میں بھی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور یہود ونصاریٰ کو اپنی غلطی کا احساس واقرار ہوگا تو اپنی نزع سے پہلے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے اور وہ ایمان ایمان ہوگا اور مقبول ہوگا۔ چنانچہ علامہ اندلسی تفسیر بحر محیط (ص:۹۲ سوج۔ ۳) اور قاضی بیضاوی تفسیر بیضاوی (ص:۲۵۵، ج۔۱) میں لکھتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ "بہ" اور "موتہ" میں دونوں ضمیریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جب آخر زمانے میں نزول ہوگا تو اہل کتاب اور دیگر ملتوں والوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہوگا جو ان پر ایمان نہیں لائے گا بلکہ اس وقت صرف ایک ہی ملت اسلام ہی ہوگی جس پر لوگ کاربند ہوں گے یہی بات حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ امام حسن بصری رحمہ اللہ اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے اور احادیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "وَالْقَوْلُ الصَّحِيْحُ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْجُمْهُوْرُ قَبْلَ مَوْتِ الْمَسِيْحِ"۔

(الجواب الصحیح: ص ۳۲۱، ج۱، وص ۱۱۳، ج۔۲)

اس آیت کی صحیح تفسیر وہی ہے جس پر جمہور اہل اسلام ہیں کہ "موتہ" کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ پہلی ہی تفسیر راجح ہے اور مفہوم واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں سے نزول کے بعد جو اہل کتاب موجود ہوں گے اور وہ ان پر ایمان لائیں گے تو اس وقت ان کا ایمان عند اللہ معتبر ہوگا۔ اور (آیت۔ ۱۹۸) اور اس آیت کی معتبر اور ٹھوس تفاسیر سے یہ بات بالکل عیاں ہوگئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء ان کی حیات اور قیامت سے پہلے ان کا زمین پر نازل ہونا نصوص قطعیہ سے ثابت ہے جس کا انکار ملحد کافر کے بغیر کوئی نہیں کر سکتا۔

امت مسلمہ کا اجماع و اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا ہے۔ اور وہ آسمان پر زندہ ہیں۔ اور آخر زمانہ میں ان کا زمین پر نزول اور متمکن ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور وہ جب نازل ہونگے آسمانوں سے تو اس وقت کوئی مستقل شریعت لیکر نہیں آئیں گے اگرچہ وہ خود وصف نبوت کیساتھ متصف ہونگے مگر وہ فیصلے شریعت محمدیہ کے مطابق کرینگے اور غیر منصوص احکام میں اجتہاد کرینگے۔ جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ مجتہدین نے اجتہاد کیا۔ اور ان کا اجتہاد بقول حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد کے مطابق ہوگا۔ جیسا کہ مکتوبات امام ربانی دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب میں تحریر ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ "وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ" الخ کی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ مشہور یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق میں نازل ہونگے جب لوگ صبح کی نماز میں مصروف ہونگے اور امام مھدی امام ہونگے اور وہ پیچھے ہٹ جائیں گے تا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امامت کرائیں۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام مھدی کو آگے کر کے انکی اقتداء میں نماز پڑھیں گے اور فرمائیں گے کہ نماز آپ کے لئے قائم کی گئی تھی۔

مسند احمد، مستدرک حاکم۔ مجمع الزوائد میں ہے کہ "افیق" نامی ٹیلے پر نازل ہونگے اور یہ قدس شریف میں ایک جگہ ہے جو سوق حمیدیہ میں جامع اموی کے شرقی کنارے پر ہے جس پر سفید منارہ بنا ہوا ہے۔ جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بوقت صبح نازل ہونگے۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے بخاری: ص ۴۹۰ : میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے البتہ ضرور بضرور تم میں حضرت عیسیٰ بن مریم نازل ہونگے۔ حاکم اور عادل ہونگے۔ صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کردینگے اور لڑائی کو موقوف کرینگے اور مال بکثرت تقسیم کرینگے یہاں تک کہ مال قبول کرنیوالا کوئی نہ رہے گا۔ اور اُس وقت ایک سجدہ دنیا و ما فیہا سے زیادہ بہتر ہوگا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب کو توڑیں گے اور نصاریٰ پر یہ واضح کرینگے کہ تم صلیب کی تعظیم کرتے رہے اور میں اسکو توڑ کر یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ تعظیم کے قابل نہیں ہے اسی طرح خنزیر کو قتل کریں گے عیسائیوں پر یہ ظاہر کرینگے کہ تم اسکو حلال سمجھتے رہے اور اسی سے حجت کرتے رہے۔ اور میں اس کے وجود کو بھی ختم کر رہا ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے کوئی کافر نہیں رہے گا اور اس لئے قتال اور جذیہ موقوف ہوجائیگا۔ ظلم ختم ہوجائیگا۔ عدل و انصاف کا دور ہوگا۔ زمین کی برکات کیوجہ سے کوئی غریب اور محتاج نظر ہی نہیں آئے گا تا کہ اسکو مال دیا جائے اور وہ مال قبول کرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول برکت ہی برکت ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے مسلم شریف (ص۔ ۲۴۰۔ ۴۵۳) میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں دجال نکلے گا اور چالیس تک رہیگا۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ چالیس دن ہونگے یا مہینے یا سال۔ اسی دور میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجے گا۔ انکا حلیہ حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جیسا ہوگا اور وہ دجال لعین کو طلب کرینگے اور اسکو ہلاک کریں گے۔

- دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال چالیس دن تک زمین پر رہیگا پہلا دن سال جتنا لمبا ہوگا دوسرا مہینے جتنا اور تیسرا ہفتے جیسا لمبا ہوگا حضرات صحابہ کرام نے پوچھا کہ سال مہینہ اور ہفتہ جیسے لمبے دن میں صرف ایک ہی دن کی نمازیں پڑھنی ہونگیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ اس مدت میں سال اور ماہ اور ہفتہ کی نمازیں اوقات کا اندازہ لگا کر پڑھنی ہونگیں۔ (مسلم ۴۰۱ ج ۲)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُس وقت شریعت کا حکم یہی ہوگا اسمیں قیاس اور اجتہاد کا کوئی دخل نہیں ہوگا۔

حضرت مجمع بن جاریہ انصاری سے (ترمذی ص ۴۸ ج ۲) میں مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو لد کے دروازے پر قتل کرینگے۔ یہ بیت المقدس کے قریب ایک بستی ہے اسکا نام لد ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نزول کی کئی حکمتیں ہیں

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ: یہود کے اس گمان کا رد کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے یہود کا جھوٹ واضح کر دیا کہ وہ قاتل نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انکے قاتل ہونگے۔ ❷ یا اسلئے کہ جب انکی وفات کا وقت قریب آئیگا تو نازل ہونگے کیونکہ مٹی کی مخلوق زمین میں ہی دفن ہوتی ہے اور وہ زمین ہی میں فوت ہوتی ہے۔ ❸ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ اور آپکی امت میں اٹھنے کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول فرمائی اور انکو زندہ رکھا آخر زمانہ میں جب دجال کا خروج ہوگا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر دجال کو قتل کرینگے اور مذہب اسلام کی تجدید کرینگے پہلی توجیہ زیادہ بہتر ہے۔

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے نازل ہونے کے بعد چالیس سال تک عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کرینگے اور حج عمرہ بھی کرینگے۔ اسکے بعد پھر انکی وفات ہوگی اور اہل اسلام اسکا جنازہ پڑھائیں گے۔ پھر مدینہ طیبہ میں روضہ اقدس میں دفن ہونگے۔

قادیانی: اشکال رَفَعَهُ اللهُ میں خدا کی طرف اٹھانا مرقوم ہے آسمان کا کہاں ذکر ہے؟ جواب یہ اشکال قرآن کریم اور تعلیمات مرزا کے بھی خلاف ہے۔ اولاً: قرآن کریم کے اس لیے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے فوق وعلو ہے انہیں معنوں سے قرآن کریم میں کہا گیا ہے "ءَاَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ۔ (الملک۔ ١٦)

کیا تم نڈر ہو گئے اس ذات سے جو آسمان میں ہے اس سے کہ دھنسا دے تم کو زمین میں "اَمْ اَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا۔ (الملک ١٧:) کیا نڈر ہو گئے ہو اس ذات سے جو آسمان میں ہے اس بات سے کہ برسا دے تم پر مینہ پتھروں کا۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انتظار وحی کے وقت آسمان کی طرف دیکھا کرتے تھے قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ (البقرۃ ١٤٤:) بیشک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف۔

ثانیاً: مرزا کی تعلیمات میں بھی "رَفَعَهُ الله" کے معنی آسمان کی طرف اٹھایا جانا لکھے ہیں۔ ❶ رَافِعُكَ کے یہی معنی ہیں کہ جب عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے تو ان کی روح آسمان کی طرف اٹھائی گئی۔ (ازالہ اوہام: ص: ٢٦٦: خزائن: ص: ٢٣٤: ج۔ ٣)
❷ مرنے کے بعد ہر مؤمن کی روح خدا کی طرف اٹھائی جاتی ہے رب کی طرف واپس چلی جاتی ہے اور بہشت میں داخل ہو جاتی ہے (ملخص ضمیمہ براہین احمدیہ پنجم: ص: ١٧: خزائن: ج: ٢١: ص۔ ٣٤١) ❸ حضرت مسیح علیہ السلام تو انجیل کو ناقص کی ناقص ہی چھوڑ کر آسمانوں پر جا بیٹھے (حاشیہ براہین احمدیہ: ص ٣٦١: خزائن: ج: ص۔ ٤٣) ناظرین کرام غور فرمائیں قرآن کریم کی تین آیات اور خود مرزا صاحب کی تعلیمات سے واضح معلوم ہوا کہ مرفوع چیز آسمانوں کی طرف اٹھائی گئی، مرفوع میں اختلاف ہے جہت رفع میں اختلاف نہیں ہے۔

﴿١٦٠﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا --- الخ تتمہ سابق بقیہ تفصیل نقائص اہل کتاب ⓯ یعنی ہم نے بہت سی پاکیزہ یعنی حلال ونافع اور لذیذ چیزیں جو پہلے سے ان کے لئے حلال تھیں۔

جیسا کہ سورۃ آل عمران کی آیت: ٩٣: "كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ" میں ہے ان پر شریعت موسوی میں حرام کر دیں جن کا ذکر سورہ انعام کی آیت: "وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ" الخ میں ہے اللہ پاک نے حلال چیزوں کو ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے حرام کر دیا تھا۔

⓰ اور وہ لوگ احکام خداوندی میں تحریف کرتے یا چھپا کر بہت سے لوگوں کو حق تعالیٰ کی راہ سے روکتے تھے۔

﴿١٦١﴾۔ ⓱ سود لیا کرتے تھے حالانکہ ان کو تورات میں اس سے ممانعت کی گئی تھی۔ ⓲ اور وہ لوگوں کے مال کو غیر مشروع طریقے سے کھا جاتے تھے، جس کی وجہ سے جب تک شریعت موسوی باقی رہی ان پر تخفیف نہ ہوئی۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت

میں کچھ احکام تبدیل ہوئے جیسا کہ آیت : "وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ" میں ہے پھر شریعت محمدیہ میں بہت زیادہ تخفیف ہوگئی جیسا کہ "وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ" الخ سے ثابت ہے یہ تو دنیوی سزا تھی تاہم آخرت میں جو ان لوگوں میں کافر ہیں ان کے لئے دردناک سزا ہے۔ البتہ جو شریعت کے مطابق ایمان لائے ان کے سب پچھلے جرائم معاف ہوجائیں گے۔

﴿١٦٢﴾ اہل کتاب میں سے مؤمنین کے اوصاف ١۔ ٢۔ ٣۔ ٤۔ ٥۔ نتیجہ۔ ربط آیات : اوپر کی آیات میں ان یہود کا ذکر تھا جو مورد غضب الٰہی ٹھہرے اور اپنے کفر پر قائم تھے اب ان یہود کا ذکر ہے جو آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے اور خدا پرست بنے۔

شان نزول: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حضرت اسید رضی اللہ عنہ اور حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی تو انہوں نے اپنی کتابوں میں جو آپ کی صفات پڑھیں اور وہ آپ میں پوری پائی گئیں تو یہ حضرات آپ پر ایمان لائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (محصلہ معارف القرآن ص ٦٠٧ ، ج ٢ ، م ، ش ، ر)

استخراج مسئلہ : ختم نبوت کی دلیل : اس آیت میں آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے والوں کا ذکر ہے اگر آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی ہوتا تو اس پر ایمان اور ان کے فرائض اور نتائج کا ذکر ہوتا۔

اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ كَمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى

بیشک ہم نے وحی نازل کی ہے آپ کی طرف جیسا کہ ہم نے وحی نازل کی تھی نوح علیہ السلام کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوح (علیہ السلام) کے بعد آئے

اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَ

اور ہم نے وحی نازل کی ابراہیم (علیہ السلام) اسحاق (علیہ السلام) یعقوب (علیہ السلام) اور ان کی اولاد کی طرف اور عیسیٰ (علیہ السلام) ایوب (علیہ السلام) یونس (علیہ السلام)

هٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا

ہارون (علیہ السلام) اور سلیمان (علیہ السلام) اور داؤد علیہ السلام کو زبور عطا کی ﴿١٦٣﴾ اور ہم نے ایسے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ پر بیان کیا ہے اس سے پہلے اور ایسے رسول بھی بھیجے

لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۗ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿١٦٤﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا

جن کے حالات ہم نے نہیں بیان کئے آپ پر اور اللہ تعالیٰ نے کلام کیا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کرنا ﴿١٦٤﴾ ہم نے رسول بھیجے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے تاکہ نہ

يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ

ہو لوگوں کیلئے اللہ کے سامنے کوئی حجت رسولوں کے بھیجنے کے بعد اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے اور کمال حکمت کا مالک ہے ﴿١٦٥﴾ لیکن اللہ گواہی دیتا ہے

يَشْهَدُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿١٦٦﴾

اس چیز کی جس کو اس نے اتارا آپ کی طرف اس کو اپنے علم کے ساتھ اتارا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہی کے اعتبار سے ﴿١٦٦﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿١٦٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا تحقیق وہ گمراہ ہوگئے اور گمراہی میں دور جا پڑے ﴿١٦٧﴾ بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ

اور ظلم کیا ان کو نہیں بخشے گا اور نہ ان کی راہنمائی کرے گا سیدھے راستے کی طرف ﴿۱۶۸﴾ سوائے جہنم کے راستے کے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے

فِيهَا أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ﴿١٦٩﴾ يٰأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ

ہوں گے اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر آسان ہے ﴿۱۶۹﴾ اے لوگو! بیشک آگیا ہے تمہارے پاس رسول حق بات لیکر تمہارے رب کی طرف سے

مِنْ رَبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ ۚ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ

پس ایمان لاؤ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر کفر کرو گے پس آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ کا ہے

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧٠﴾ يٰأَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا

اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ﴿۱۷۰﴾ اے اہل کتاب! نہ غلو کرو اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ پر سوائے حق کے۔ بیشک مسیح عیسیٰ ابن مریم

الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ ۚ أَلْقٰهَا إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوحٌ

اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ (حکم) ہے جس کو ڈالا اس نے مریم کی طرف اور روح اس کی طرف سے پس ایمان لاؤ اللہ

مِنْهُ ۖ فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلٰثَةٌ ۚ انْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ ۚ إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وَاحِدٌ ۖ سُبْحٰنَهُ

پر اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو تین خدا، باز آجاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا بیشک اللہ تعالیٰ ایک ہی معبود ہے اس کی ذات پاک ہے

أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۘ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا ﴿١٧١﴾ ع ۲۳ / ۹ / ۲

اس بات سے کہ اس کی اولاد ہو اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ کافی ہے کارساز ﴿۱۷۱﴾

﴿۱۶۳﴾ إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ تا ازالہ شبہ و اثبات رسالت خاتم الانبیاء از انبیاء سابقہ۔

ربط آیات: اوپر "يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتٰبِ" سے یہود کا ایک احمقانہ سوال نقل کر کے آگے ان کی ۱۸۔ کمزوریاں بیان کیں کہ یہ بڑی شریر قوم ہے اب یہاں سے اللہ تعالیٰ ان کے شبہ کا الزامی جواب دے کر اثبات رسالت خاتم الانبیاء کو بیان فرما رہے ہیں کہ کیا پہلے انبیاء پر کتابیں دفعۃً واحدۃً نازل نہیں ہوئی تھیں تو پھر ان نبیوں کو کیوں نہ مانا۔ یا یوں کہیں کہ پہلے بھی تو بہت سے انبیاء پر کتابیں نازل ہوئیں ہیں آپ لوگ ان کو نبی مانتے ہو تو آنحضرت ﷺ کو کیوں نہیں مانتے۔

خلاصہ رکوع ۲۳ حضور پاک ﷺ کا دین ادیان سابقہ سے اصولاً متحد ہے، خاتم الانبیاء ﷺ سے نفی علم غیب کلی، فرائض مشترکہ برائے رسل، صداقت قرآن و اثبات رسالت خاتم الانبیاء کے لئے شہادت خداوندی، کیفیت مخالفین قرآن، مخالفین قرآن کا انجام، نصاریٰ کو خطاب۔ ماخذ آیات ۱۶۳ تا ۱۷۱+

آپ ﷺ کا دین سابقہ تمام ادیان سے اصولاً متحد ہے: یعنی توحید، رسالت اور قیامت میں یہ سب چیزیں دین کی بنیادیں ہیں البتہ صورتوں میں اختلاف رہا ہے مگر یہ حقیقی نہیں ہے۔ یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ نوح علیہ السلام سے پہلے بھی تو نبی گزرے ہیں تو

"مِنۡۢ بَعۡدِهٖ" کا لفظ کیوں کہا ہے "مِنۡ قَبۡلِهٖ" کیوں نہیں کہا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مشرکین کی طرف سب سے پہلے نبی حضرت نوح علیہ السلام آئے تھے اس سے پہلے کوئی امت مشرک نہیں تھی اس لئے "مِنۡۢ بَعۡدِهٖ" کہا ہے اور سابقہ انبیاء تعمیری تھے۔ واللہ اعلم

استخراج مسئلہ ختم نبوت کی دلیل :اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی وحی مبارک کو سابقہ انبیاء کے مشابہ بتایا ہے اگر آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی ہوتا تو اسکی نشاندھی کی جاتی۔

﴿۱۶۴﴾ خاتم الانبیاء ﷺ سے نفی علم غیب کلی لَمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَ :جن کا حال ہم نے تم سے بیان نہیں کیا اسی وجہ سے حضرات انبیاء علیہم السلام کی قطعی طور پر تعداد بیان کرنا نا مناسب ہے گو بعض جگہ ایک لاکھ چوبیس ہزار اور بعض جگہ دو لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی تعداد آئی ہے تاہم اس آیت کی وجہ سے سکوت اولیٰ ہے۔ (شرح عقائد نسفی)

اور اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے علم غیب کلی کی نفی ہے اور یہ سورۃ مدنی ہے جس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بعض حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات بتائے ہیں اور بعض کے حالات کا علم عطا ہی نہیں کیا، جب اللہ تعالیٰ نے ان کے احوال کا علم عطا ہی نہیں کیا تو پھر وہ اور کہاں سے آ جائے گا؟ اور نہ اس کے بعد کسی صحیح نقلی یا عقلی دلیل سے اثبات ہے اور نہ ہرگز یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ حضور پاک ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام کے تفصیلی حالات بتائے گئے تھے۔ اللہ پاک سمجھنے کی توفیق عطا کرے۔

﴿۱۶۵﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيۡنَ :فرائض مشترکہ برائے رسل : متبعین کی ہمت کو چست کرنے والے، "مُنۡذِرِيۡنَ" غلط کاروں کی ہمت کو پست کرنے والے۔ لِئَلَّا يَكُوۡنَ :تاکہ پھر کوئی یہ نہ کہے کہ صاحب اس قانون پر عمل کرنے کیلئے فلاں فلاں مانع تھے۔ اسلئے ہم نے عمل نہیں کیا۔ انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کے بعد تمام عقدے حل ہو گئے۔

﴿۱۶۶﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشۡهَدُ الخ صداقت قرآن کیلئے شہادت خداوندی و اثبات رسالت خاتم الانبیاء ﷺ۔

شان نزول: یہود کی ایک جماعت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ نے فرمایا کہ اے یہود تم میرے رسول ہونے کو خوب جانتے ہو لیکن عناداً ایمان نہیں لاتے انہوں نے کہا ہمیں تمہارے نبی ہونے کا علم نہیں اور کفار اہل مکہ نے بھی آ کر کہا کہ اے محمد (ﷺ) ہم نے اہل کتاب سے تمہارے نبی ہونے اور حلیہ اور صفات کا حال دریافت کیا تھا انہوں نے جواب دیا کہ ہم ان کو نہیں پہچانتے اور نہ ان کو اپنی کتاب کے موافق نبی پاتے ہیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، کہ اے محمد (ﷺ) اللہ خوب جانتا ہے کہ تم اس کے نبی ہو اور جو کچھ اس نے تم پر اتارا ہے تمہیں اس کا اہل سمجھ کر اتارا ہے کافروں کے انکار سے کیا ہوتا ہے، بس حق تعالیٰ کی (قرآن کریم اور آپ ﷺ کی نبوت کے لئے) گواہی کافی ہے۔ (معالم التنزیل: ص ۹۹ ج ۱؛ خازن: ص ۵۳ ج ۱)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم کو پورے علم سے نازل فرمایا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس کے حامل غالب رہیں گے، اور تمہاری ہمت افزائی کے لئے یہ کافی ہے کہ فرشتے بھی اس کی تحسین کرتے ہیں۔

﴿۱۶۷﴾ کیفیت مخالفین قرآن :فرمایا! جو لوگ قرآن کریم کی اشاعت کی راہ میں سد راہ بنتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی کبھی امداد نہیں کرے گا اور وہ صحیح راستہ سے دور جا پڑے ہیں۔

﴿۱۶۸﴾ :مخالفین قرآن کا نتیجہ اخروی ❶ فرمایا ایسے ظالموں کی کبھی مغفرت نہیں ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون یعنی قرآن کریم سے دشمنی کر کے اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔ ﴿۱۶۹﴾ نتیجہ اخروی ❷ فرمایا ان کیلئے سوائے جہنم کے اور کوئی راستہ نہیں ہوگا۔

﴿۱۷۰﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ الخ خطاب عمومی برائے اثبات رسالت خاتم الانبیاء۔ ربط آیات اوپر مخالفین کے انجام اور نبوت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اثبات کا ذکر تھا اب تمام جہان کے انسانوں کو عمومی خطاب فرماتے ہیں کہ تمہاری نجات اسی میں ہے کہ محمد ﷺ کی نبوت پر ایمان لے آؤ۔ وَاِنْ تَكْفُرُوْا: اور اگر انکار کیا تو زمین و آسمان میں کہیں بھی اس کی گرفت سے بچ نہیں سکو گے، اللہ تعالیٰ تمہارے حالات سے پورا آگاہ ہے، جب وہ چاہے گا تو ایسے حکمت کے طریقے سے تمہیں عذاب میں پھنسائے گا کہ تمہیں پتہ ہی نہ لگنے پائے گا۔ واللہ اعلم۔

عیسائیوں کے عقائد

﴿۱۷۱﴾ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ الخ نصاریٰ کو خطاب۔ عیسائیوں کے چار گروہ ہیں!۔ ❶ یعقوبیہ۔ ❷ ملکانیہ۔ ❸ نسطوریہ۔ ❹ مرقوسیہ۔ یعقوبیہ اور ملکانیہ کہتے ہیں! کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعینہ اللہ تعالیٰ ہیں اور آپس میں حلول کیا ہوا ہے۔ نسطوریہ کہتے ہیں! کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ مرقوسیہ کہتے ہیں کہ تین میں سے تیسرے ہیں۔

(معالم التنزیل، ص ۴۰۰، ج۔۱)

یعنی دنیا تین الہٰوں سے قائم ہے، اللہ، عیسیٰ اور بقول بعض مریم اور بقول بعض جبرائیل۔ اور ان تینوں کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ (تفسیر خازن، ج ا، ص۔ ۴۵۴)

عیسائیوں کی توحید: عجیب بات یہ ہے کہ عیسائیت بھی توحید کا نام لیتی ہے لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ باپ، بیٹا، روح القدس تین ہیں اور یہ تینوں ایک ہی ہیں گویا ان کا خدا ایک لمیٹڈ کمپنی ہے جس کے تین حصہ دار ہیں۔ باپ اللہ تعالیٰ کی صفت حیات کو کہتے ہیں، بیٹا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفت کلام کو اور روح القدس جبرائیل کی صفت قدرت کو کہتے ہیں یہ تین الگ الگ شخصیات ہیں لیکن تینوں کو ویلڈنگ کر کے ایک خدا بنا لیا گیا ہے۔ یہ عقیدہ کسی نبی کی تعلیم میں نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ۲۵۰ سو سال بعد نیقیا کونسل نے یہ عقیدہ تجویز کیا تھا۔ حاصل مطلب آیت یہ ہے کہ فرمایا: اے اہل کتاب تم اپنے دین میں حد سے تجاوز مت کرو، غلو کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔ اور امام ابوبکر جصاص احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ اَلْغُلُوُّ فِی الدِّیْنِ هُوَ مُجَاوَزَةُ حَدِّ الْحَقِّ فِیْهِ۔ یعنی دین کے بارے میں غلو یہ ہے کہ دین میں جس چیز کی جو حد مقرر کی گئی ہے اس سے آگے نکل جائے۔ چونکہ یہود و نصاریٰ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات گرامی خصوصی طور پر باعث نزاع بنی ہوئی تھی اس لئے قرآن کریم نے نہایت سنجیدگی سے ان کے مسئلے کو صاف کر دیا نصاریٰ ان کو خدا کا بیٹا اور تین میں سے تیسرا کہتے تھے اور یہود ان کی رسالت ہی کے منکر تھے۔ یہ ان کا صریح غلو تھا حتیٰ کہ ان کی والدہ ماجدہ پر تہمت لگائی اور ان کے نسب پر عیب جوئی کی۔ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ: اس میں ان کی خرافات کی طرف اشارہ ہے جن کا ابھی ذکر ہو چکا ہے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ؛ تردید مرقوسیہ: اور تم یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ثالث ثلٰثہ ہے کہ مجموعہ اللہ کا ایک جزو ہے دو اجزا الوہیت کے مسیح علیہ السلام اور جبرئیل علیہ السلام کو بتاتے تھے۔ سُبْحٰنَهٗ الخ تردید نسطوریہ: فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف شریک ٹھہرانے سے باز آجاؤ وہ وحدہ لاشریک ہے وہ ذات اور مخصوص صفات میں یکتا ہے اور ان باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔

استخراج مسئلہ: ختم نبوت کی دلیل: "فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ" میں رسل کی اضافت استغراق کے لئے ہے اس لئے تمام رسولوں پر ایمان لانے کا حکم جنکی آنحضرت ﷺ نے اجمالاً اور تفصیلاً خبر دی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سب پر ایمان لائے مگر مرزا قادیانی پر ایمان لانے کا کہیں بھی ذکر نہیں اگر ہے تو دیدہ باید؟

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ

مسیح علیہ السلام اس بات میں ہرگز عار نہیں سمجھتے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے اس میں عار سمجھتے ہیں اور جو شخص عار سمجھے گا

يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿١٧٢﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اس کی عبادت سے اور تکبر کرے گا پس اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف اکٹھا کرے گا۔ ﴿۱۷۲﴾ پس بہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کئے

الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا

پس پورا پورا ہوگا ان کو ان کا بدلہ اور زیادہ دے گا ان کو اپنے فضل سے اور بہر حال وہ لوگ جنہوں نے عار سمجھا اور تکبر کیا (اس کی عبادت سے)

وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٧٣﴾

پس ان کو سزا دے گا دردناک سزا اور نہ پائیں گے وہ اپنے لئے اللہ کے سوا کسی کو حمایتی اور نہ مددگار ﴿۱۷۳﴾

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾

اے لوگو! بیشک آگیا ہے تمہارے پاس برہان تمہارے رب کی طرف سے اور اتارا ہے ہم نے تمہارے طرف واضح نور ﴿۱۷۴﴾

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ

پس بہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ پر اور انہوں نے اس کو مضبوطی سے پکڑا پس عنقریب داخل کرے گا ان کو اپنی رحمت میں اور اپنے فضل میں

وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ

اور راہنمائی کرے گا ان کی اپنی طرف سیدھے راستے کی ﴿۱۷۵﴾ یہ لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ تمہیں فتویٰ دیتا ہے کلالہ کے بارے میں

اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ

اگر کوئی شخص ہلاک ہوگیا اور اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے اور اس کی بہن ہے تو اسے اس کے ترکہ میں سے نصف ملے گا

يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا

اور وہ بھائی وارث ہوگا اس بہن کا اگر اس کی اولاد نہیں ہے اور اگر یہ دو بہنیں ہوں تو ان کو دو تہائی ملے گا اس میں سے جو اس نے چھوڑا۔ اور اگر وہ بھائی مرد

وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ

اور عورتیں ہوں (بہت سے) پس مرد کیلئے دو عورتوں کے برابر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بیان کرتا ہے تا کہ تم گمراہ نہ ہو اور اللہ

شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾

ہر چیز کا جاننے والا ہے ﴿۱۷۶﴾

﴿١٧٢﴾ لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ تالخ ربط آیات :اوپر ذکر تھا کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شریک فی الالوہیت ٹھہراتے تھے اس کا ابطال اور رد تھا اب آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خود عبودیت اور خدا کا بندہ ہونے کے اعتراف کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع : ﴿٢٤﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ کی عبدیت، فریقین کے نتائج، نفی شفیع قہری، اثبات رسالت خاتم الانبیاء، صداقت قرآن، بشارت مؤمنین و نتائج، کلالہ کی وراثت کی تقسیم کا طریقہ، ملے جلے بہن بھائیوں کی تقسیم وراثت کا طریقہ، شفقت خداوندی، حصر علم الغیب فی ذات باری تعالیٰ۔ ماخذ آیات ١٧٢ تا ١٧٦+

حضرت عیسیٰ علیہ السلام و ملائکہ کی عبدیت: فرمایا! حضرت مسیح علیہ السلام کو تو بندہ خدا ہونے سے انکار نہیں تھا تم نے ہی غلو کر کے انہیں خدا مان لیا ہے۔ اور نہ مقرب فرشتے اللہ کا بندہ ہونے سے عار سمجھتے ہیں۔

﴿١٧٣﴾ فریقین کے نتائج : یعنی جو لوگ اس غلو سے باز آ کر دین اسلام کے پیروکار ہو جائیں گے وہ یقیناً اجر کے مستحق ہوں گے اور جو ضد پر جمے رہیں گے وہ سزا پائیں گے۔ وَلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ تالخ نفی شفیع قہری : یعنی اللہ تعالیٰ کے مخالف ہو کر کہاں سے مدد پائیں گے۔ ﴿١٧٤﴾ خطاب عام۔ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ :اثبات رسالت خاتم الانبیاء : اس "بُرْهَانٌ" سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ :صداقت قرآن : "نُوْرًا" سے مراد قرآن کریم ہے۔

(خازن و مدارک۔ ج ١ ص ٥٦٤۔ کبیر ص ٢٧٤۔ ج ٤۔ مظہری ص ٢٨٣ ج ٢۔ معالم التنزیل ص ٤٠١۔ ج ١۔ منیر ص ٥١۔ ج ٦۔ والنہر الماد۔ بحر محیط ص ٤٠٥ ج ٣)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو برہان فرمایا اور یہ حقیقت ہے کہ آپ کی ذات اقدس، آپ کے اخلاق کریمانہ، آپ کے معجزات اور آپ پر کتاب کا نزول یہ سب چیزیں آپ کی نبوت اور آپ کی رسالت کے کھلے کھلے دلائل ہیں جن کے دیکھنے کے بعد پھر کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔

﴿١٧٥﴾ بشارت مؤمنین و نتائج : یعنی جو لوگ اس نور سے فائدہ حاصل کریں گے اور اچھی طرح حق تعالیٰ شانہ سے تعلق قائم کریں گے تو ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل سے حصہ دے گا، اور جہاں انہیں رہنمائی کی ضرورت پیش آئے گی اللہ تعالیٰ ان کی دستگیری فرمائے گا۔

استخراج مسئلہ : ختم نبوت کی دلیل :ان آیات میں آنحضرت ﷺ پر اور قرآن پر ایمان لانے اور انکو مضبوطی سے تھامنے کا حکم ہے اور اگر آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی اور نبی ہوتا تو اس کا ذکر ہوتا اور مضبوطی سے پکڑنے کا حکم ہوتا اور اس پر نتیجہ کا ذکر ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور اپنے فضل میں داخل کرے گا۔

عینی اور علاتی کی وراثت کا بیان

﴿١٧٦﴾ کلالہ کی وراثت کی تقسیم کا طریقہ :اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی کی ایک نظیر بتائی جا رہی ہے کہ مسلمانوں کو باوجودیکہ قانون میراث پہلے مل چکا ہے لیکن جب ایک صورت کے متعلق ان کی تشفی نہیں ہوئی اور سوال کرتے ہیں تو قرآن کریم کے ذریعہ سے ان کو تفصیلی جواب دیا جاتا ہے۔

حضرات مفسرین فرماتے ہیں شروع سورۃ میں اخیافی (یعنی جو صرف ماں کی طرف سے) بہن بھائیوں کی وراثت کے مسائل کا ذکر تھا اب یہاں سے عینی (یعنی ماں باپ دونوں کی طرف سے ہوں) اور علاتی (یعنی جو صرف باپ کی طرف سے ہوں) اس کا بیان ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہی منقول ہے کہ کلالہ وہ شخص ہے جس کی نہ اولاد ہو اور نہ والدین۔

صحابہ کرامؓ نے کلالہ کی میراث کے متعلق آنحضرت ﷺ سے حکم دریافت کیا تو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو نہ بیٹا نہ بیٹی اور نہ پوتا، نہ پوتی اور نہ ماں نہ باپ اور اس شخص کی ایک عینی یا علاتی بہن ہے تو اس کی بہن کو اس کے ترکہ میں سے آدھا حصہ ملے گا۔

اور اگر وہ کلالہ شخص زندہ ہے اور اس کی بہن مذکورہ مرجائے تو یہ بھائی اپنی بہن کے کل ترکہ کا وارث ہوگا بشرطیکہ اس کی بہن کی کوئی اولاد نہ ہو اور نہ ماں باپ زندہ ہوں، صرف ایک سگا بھائی یا ایک علاتی بھائی چھوڑے تو وہ بھائی اپنی بہن کے کل مال کا وارث ہوگا لیکن اخیافی بھائی کا یہ حکم نہیں اس کا صرف چھٹا حصہ ہے جیسا کہ شروع سورۃ میں گزر چکا ہے۔ یہ تو اس وقت مسئلہ ہے جب اس کی ایک بہن ہو۔ اب اگر اس کلالہ شخص کی دو بہنیں یا اس سے زیادہ ہوں تو ترکہ میں سے دو تہائی حصہ ملے گا۔

وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً :الخ ملے جلے بہن بھائیوں کی تقسیم وارثت کا طریقہ :اور اگر کوئی میت ہو جس کی نہ اولاد ہے اور نہ والدین خواہ وہ میت مذکر ہو یا مؤنث وہ مرنے کے بعد ملے جلے مرد وعورت یعنی بھائی بہنیں چھوڑ جائے تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے بشرطیکہ وہ سب عینی یا سب علاتی ہوں اور اگر عینی اور علاتی مخلوط ہوں تو ان کا حکم جدا ہے جو کتب فرائض میں مذکور ہے۔

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ ...الخ شفقت خداوندی... اللہ تعالیٰ نے یہ احکام اس لیے بیان فرمائے تا کہ تم لوگ لاعلمی کی وجہ سے گمراہ نہ ہو جاؤ۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ: حصر علم الغیب باری تعالیٰ۔

تفسیر کبیر میں ہے اس سورت کی ابتداء میں حق تعالیٰ شانہ کی کمال قدرت کا ذکر تھا اب آخر سورت میں کمال علم کا ذکر ہے اور کمال علم اور کمال قدرت سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور الوہیت اور عظمت شان ثابت ہوتی ہے پس انسانوں پر فرض ہے کہ اس علیم وقدیر ذات کے احکام کی بغیر کسی سوچ بیچار کے تعمیل کریں اور اس کے اوامر اور نواہی کے پابند رہیں۔ واللہ اعلم (کبیر ص ۲۷۵ ج ۴)

استخراج مسئلہ :ختم نبوت پر دلیل :صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ سے وراثت اور اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے کہ کئی مسائل کے بارے میں پوچھا اگر آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی ہوتا تو اس کے متعلق ضرور دریافت کرتے۔

الحمد للہ تیس مارچ ۲۰۰۴ء بوقت سوا گیارہ بجے دن بمقام مدرسہ معارف اسلامیہ سعید آباد کراچی سورۃ نساء کی تفسیر مکمل ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہ اپنی بارگاہ عالی میں قبول ومنظور فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

﴿نظر ثانی ۲۰۱۱/۳/۱۲ بیت اللہ شریف میں بعد نماز عصر از طرف رکن یمانی اور رکن عراقی کے درمیان ہوئی﴾

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

احقر عبدالقیوم قاسمی عفی عنہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ المائدہ

نام اور کوائف :اس سورۃ کا نام سورۃ المائدہ ہے، یہ سورۃ بھی سورۃ بقرہ، سورہ آل عمران اور سورۃ نساء کی طرح مدنی ہے کیونکہ اس کا اکثر حصہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوا ہے تاہم اسکی تیسری آیت کا حصہ، "اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا" حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔

اس سورۃ کا نام سورۃ مائدہ کے علاوہ سورۃ العقود بھی ہے، کیونکہ اس سورۃ کی پہلی آیت میں "بِالۡعُقُوۡدِ" کا لفظ آیا ہے جس کا معنی عہد و پیمان ہے اس کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس سورۃ کا نام "منجیہ" بھی ہے کیونکہ یہ انسانوں کو عذاب الٰہی سے بچانے والی سورۃ ہے، تاہم اس کا زیادہ مشہور نام مائدہ ہے۔ یہ قرآن کریم کی ترتیب تلاوت میں پانچویں سورۃ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے یہ ١١٢ نمبر پر ہے، اس سورہ میں کل رکوع ١٦، آیت ١٢٠، ہیں۔

وجہ تسمیہ :اس سورۃ کا نام مائدہ دو وجوہات سے ہے، پہلی وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ کے پندرھویں رکوع میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی "اَللّٰھُمَّ رَبَّنَاۤ اَنۡزِلۡ عَلَیۡنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ" اے اللہ! ہمارے لئے آسمان سے دسترخوان نازل فرما دے، مائدہ اس دسترخوان کو کہتے ہیں جس پر کھانا چنا ہوا ہو۔ اگر محض دسترخوان ہو اور اس پر اشیاء اکل و شرب موجود نہ ہوں تو اسکو عربی زبان میں خوان کہتے ہیں اور دور جدید میں سفرہ کہتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں کھانے پینے کی اشیاء کی حلت و حرمت کے احکام ہیں، حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے اخلاق کا انحصار اشیاء اکل و شرب پر ہوتا ہے اور اس کا اثر انسان کی طہارت، سماحت (سخاوت) عدالت اور اخبات (عاجزی) پر پڑتا ہے۔ اگر کھانا حلال کا ہو تو انسان میں اخلاق حسنہ پیدا ہوتے ہیں، اسلئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حلال کھانے کا پابند کیا ہے، اور جو چیزیں انسان کے اخلاق کے لئے مضر ہیں، انہیں حرام قرار دے کر ان کے استعمال سے منع فرمایا ہے، اس لئے بھی اس سورۃ کا نام سورۃ مائدہ ہے۔

ربط آیات ❶ سورۃ نساء کے آخر میں اہل ایمان کے لئے احکام ضروریہ کا ذکر تھا۔ کما قال تعالیٰ :"یَسۡتَفۡتُوۡنَکَ" اس سورۃ کے شروع میں بھی احکام ضروریہ کا ذکر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ :"اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ"۔

❷ سورۃ نساء کے شروع میں احکام ضروریہ کا ذکر تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ :"وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ" اس سورۃ کے شروع میں بھی احکام ضروریہ کا ذکر ہے۔

❸ سورۃ نساء کے آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی نفی کا ذکر تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ :"وَلَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَۃٌ" "اِنۡتَھُوۡا خَیۡرًا لَّکُمۡ" تو اس سورۃ کے آخر میں بھی یہی مضمون ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ :"وَاِذۡ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ" (آیت ١١٦)

❹ سورۃ نساء کے شروع مین خالقیت و ربوبیت باری تعالیٰ کا ذکر تھا "خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ" اس سورۃ کے آخر میں بھی ربوبیت و مالکیت باری تعالیٰ کا ذکر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ :"لِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ"

❺ اس سورۃ کے شروع میں شرک فعلی کا رد ہے یعنی "اُحِلَّتۡ لَکُمۡ بَھِیۡمَۃُ الۡاَنۡعَامِ" اور اس سورۃ کے آخر میں شرک اعتقادی کا رد ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ :"وَاِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ"۔ واللہ اعلم

موضوع سورۃ : اصلاح اہل عرب فی ضمن علم الخاصمہ اور احکامات ضروریہ للمومنین۔

خلاصہ سورۃ : اس سورۃ میں علم الاحکام کی تفصیلات کا بیان ہے خواہ انکا تعلق اعتقادیات سے ہو یا عملی اعضاء وغیرہ سے ہو، امام الانبیاء کی ختم نبوت کا بیان، تحریمات عباد کی تردید۔ تحریمات الٰہیہ کا بیان۔ نیازات غیر اللہ کی تردید۔ نیازات الٰہیہ کا بیان۔ تذکیرات ثلاثہ۔ قرآن کریم سے استفادہ کرنے اور نہ کرنے والوں کے نتائج۔ محرمات ابدی اور محرمات وقتی کی تشریح وتوضیح۔ صداقت قرآن۔ رسالت خاتم الانبیاء۔ ترغیب عدل ونتائج۔ اسباب گمراہی اور اسباب رسوائی۔ معاندین اہل کتاب کے خبائث ونتائج۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے الوہیت کی نفی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے علم غیب کی نفی۔ اہل کتاب کا دعویٰ کاذبہ اور اس کی تردید۔ چوری کی ممانعت اور اس کی حد۔ ڈاکے کی حرمت اور اس کے نتائج۔ ضرورت تبلیغ اور طریق تبلیغ۔ توراۃ وانجیل کے فضائل۔ قانون مساوات کا بیان۔ اختیار خداوندی۔ تنبیہات مؤمنین۔ مرتدین کے خبائث ونتائج۔ امہال مجرمین۔ فرائض خاتم الانبیاء۔ دلائل عقلی ونقلی کے ساتھ توحید خداوندی کا ذکر۔ فضائل بیت اللہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین اور مخالفین کے نتائج۔ علم غیب صرف خاصہ خداوندی ہے۔ اہل کتاب کے ساتھ طریق مناظرہ۔ منافقین کے خبائث ونتائج۔ بعث بعد الموت کا اثبات۔ بوقت ضرورت تیمم کی اجازت۔ فضائل اسلام وغیرہ۔

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى

اے ایمان والو! پورا کرو عہد وپیماں کو۔ تمہارے لئے حلال قرار دئے ہیں مویشی مگر وہ جو تم پر پڑھ کر سنائے جائیں گے

عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اس حال میں کہ تم حلال نہ سمجھنے والے ہو شکار کو جبکہ تم احرام کی حالت میں ہو بیشک اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتا ہے جو چاہتا ہے ﴿۱﴾ اے ایمان والو!

اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْىَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَاۤ اٰمِّيْنَ

نہ بے حرمتی کرو اللہ کے شعائر کی اور نہ حرمت کے مہینہ کی اور نہ ان جانوروں کی جو اللہ کی نیاز کے طور پر کعبے شریف کی طرف لے جائے جاتے ہیں اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹہ ڈالا جاتا ہے

الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ

(اور ان کو قربانی کیلئے لے جاتے ہیں) اور نہ ان لوگوں سے تعرض کرو جو بیت الحرام کا قصد کرتے ہیں تلاش کرتے ہیں اپنے رب کا فضل اور اس کی خوشنودی جس وقت تم احرام سے نکل جاؤ پس تم شکار کرو اور

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا

نہ آمادہ کرے تم کو کسی قوم کی دشمنی انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا۔ کہ تم زیادتی کرنے لگو اور تعاون کرو

عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

آپس میں نیکی اور تقوے کی بات پر اور نہ تعاون کرو گناہ اور زیادتی کی بات پر اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ تعالیٰ

شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ

سخت عذاب والا ہے ﴿۲﴾ حرام قرار دیا گیا ہے تم پر مردار جانور اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ چیز جس پر

لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا

غیر اللہ کا نام پکارا اور جو گلا گھٹنے سے مر گیا ہو اور چوٹ لگنے سے ہلاک ہو گیا ہو اور جو اونچی جگہ سے گر کر ہلاک ہو گیا ہو اور جس کو دوسرے جانور نے سینگ مار کر ہلاک کر دیا ہو اور جس کو درندوں نے کھا لیا ہو مگر

مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ

وہ جسے تم نے ذبح کر لیا ہو اور جو ذبح کیا گیا ہو کسی تھان پر۔ اور یہ کہ تم تقسیم کرو جوئے کے تیروں کے ساتھ یہ نافرمانی اور گناہ کی بات ہے آج کے دن

يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ

ناامید ہو گئے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تمہارے دین سے پس ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو آج میں نے کامل کر دیا تمہارے لئے

دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ

تمہارے دین کو اور پوری کر دی ہے میں نے تم پر اپنی نعمت اور پسند کیا ہے میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین پس جو شخص مجبور ہو گیا بھوک سے اس حال میں

غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣﴾ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ

کہ وہ نہیں مائل ہونے والا گناہ کی طرف پس بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے ﴿۳﴾ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کیلئے کیا چیز حلال قرار دی گئی۔ آپ کہہ دیجئے

أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ

کہ حلال قرار دی ہے تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں اور جو سکھلایا تم نے شکاری جانوروں کو کہ تم ان کو چھوڑتے ہو شکار پر۔ تم ان کو سکھلاتے ہو وہ چیز جو اللہ نے تم کو سکھلائی ہے

فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ

پس کھاؤ جو روک رکھیں تمہارے لئے اور اس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ تعالیٰ جلد

الْحِسَابِ ﴿٤﴾ الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ

حساب لینے والا ہے ﴿۴﴾ آج حلال قرار دی گئی ہیں تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں اور طعام ان لوگوں کا جن کو کتاب دی گئی تمہارے لئے حلال قرار دیا گیا ہے اور تمہارا طعام

حِلٌّ لَهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ

ان کیلئے حلال ہے اور پاکدامن عورتیں ایمان والیوں میں سے اور پاکدامن عورتیں ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی تم سے پہلے

قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ

(وہ بھی تمہارے لئے حلال قرار دی گئی ہیں) جبکہ تم ان کو ان کے مہر دیدو (اس حال میں) کہ تم قید نکاح میں لانے والے ہو نہ صرف مستی نکالنے والے اور نہ پوشیدہ طور پر دوستی

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

کرنے والے اور جو شخص کفر کرے گا ایمان کے ساتھ پس بیشک اسکا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ﴿۵﴾

خلاصہ رکوع : ❶ ایفائے عہد کی تشکیل، تحریمات عباد کی تردید، تحریمات الٰہیہ کا بیان، مؤمنین کے لئے خصوصی خطاب برائے تعظیم شعائر اللہ، فضائل بیت اللہ، امرا باحت یعنی تحریمات وقتیہ کا بیان، قانون مساوات، تحریمات الٰہیہ کا بیان، کفار کی مایوسی، بشارت اکمال دین، سوال برائے شکار، جواب سوال، حلال چیزوں میں عدم نسخ کا بیان، ذبیحہ اہل کتاب کا حکم، مؤمن پاکدامن عورتوں سے نکاح کی اجازت، کتابیہ سے نکاح کی حلت، مرتد کے اعمال کے ضائع ہونے کا بیان۔ ماخذ آیات ا : تا ۵+

﴿۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ... الخ ایفاء عہد کی تشکیل : اے ایمان والوں عہدوں کو پورا کرو۔ حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں کہ عقود سے مراد عام ہے عقد بالخالق ہو یا بالخلوق۔ جس وقت انسان ایفائے عہد بالخالق کی مشق کرے گا تو ایفائے عہد بالخلوق کی بھی آسانی ہوگی۔ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ : تحرمات عباد کی تردید: مطلب یہ ہے کہ یہ مویشی یعنی گائے، اُونٹ، اور بھیڑ بکری، یا پھر ان مویشیوں کے مشابہ ہوں جیسے ہرن، نیلگائے وغیرہ تمہارے لئے حلال ہیں مگر مشرکین ان حلال جانوروں کو غیر اللہ کے نام پر دے کر حرام قرار دیتے۔ حضرت لاہوریؒ فرماتے ہیں یعنی ایسی پابندی کرو کہ اللہ کی مرضی کے سوا ایک لقمہ بھی اندر جانے نہ پائے اور جب پابندی کی اتنی مشق ہو جائے گی تو دل میں رضائے الٰہی کا جلوہ پیدا ہوگا۔ عرب سے گوشت چھڑوانا ایسا ہی ہے جس طرح ہندوستان (پاکستان) والوں سے اناج۔ کیونکہ وہاں اناج کم پیدا ہوتا ہے۔ دودھ اور گوشت پر عرب کا زیادہ گذارہ ہوتا ہے۔ ایفائے عہد کی تلقین کر کے اشیاء ممنوعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ سفر حج عموماً مسلمان کو پیش آتا ہے اور پھر حضر کی اشیاء کا ذکر ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ : تک ممنوعات سفر کا ذکر ہے۔

فرمایا! تمہارے لئے تمام مویشی حلال ہیں مگر وہ جانور جنکی حرمت آئندہ تمہارے سامنے بیان کی جائے گی یعنی جس کا ذکر "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ" میں ہے وہ باوجود "بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ" میں شامل ہونے کو حلت کے حکم میں داخل نہیں باقی ان کے علاوہ سب جانوروں کا کھانا اور شکار کرنا تمہارے لیے ہر حال میں حلال ہے۔ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ : تحریمات الٰہیہ کا بیان: یعنی وہ جانور جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وقتی طور پر حرام قرار دیئے ہیں حالت احرام میں ہونے کی وجہ سے اور حدود حرم کے اندر بھی حالت احرام میں کسی جانور کا شکار نہ کرو، بعض لوگ اپنی محدود عقل سے یہ اعتراض کرتے ہیں جانور بھی تو جان رکھتا ہے اس کو ذبح کرنا ایک جاندار کو ایذا دینا ہے؟ یا فلاں جانور حلال ہے اور فلاں حرام ہے یہ تخصیص کیوں کی گئی ہے؟ قرآن کریم نے اس کا مختصر جامع جواب دیا کہ "اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ" بندہ کا کام ہے اتباع کرنا باقی حق تعالیٰ شانہ نے جس جانور کو بندوں کے لئے مفید جانا اسکو اپنی رحمت سے حلال کر دیا اور جس جانور کو مضر جانا اسکو حرام کر دیا ہے کیونکہ وہ حکیم مطلق ہے اس نے ہر جانور میں ایک خاص صفت اور خاص کیفیت رکھی ہے اب ہمیں حق حاصل نہیں کہ اسکی حکمت میں دخل دیں۔

﴿۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... الخ مؤمنین کے لئے خصوصی خطاب برائے تعظیم شعائر اللہ۔ شَعَآئِرَ اللّٰهِ: شعائر دین ان امور کو کہتے ہیں جو اسلام کی خاص علامت ہیں اور ان سے اسلام کی خاص شان وشوکت ظاہر ہوتی ہو جیسے اذان، حج عمرہ اور قربانی وغیرہ۔ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ : اور نہ حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی کرو۔ ابتداء اسلام سے ہی فریقین کے نزدیک محرم، رجب، ذیقعدہ اور ذی الحجہ میں قتال کی ممانعت تھی۔

وَلَا الْهَدْيَ : یعنی جو جانور بغرض قربانی خانہ کعبہ بھیجے جاتے ہیں ان پر لوٹ ڈال کرانکی بے حرمتی مت کرو۔ وَلَا الْقَلَآئِدَ "قَلَائِدَ" جمع "قِلَادَةٌ" یعنی مہر، وہ چیز جو گردن میں لٹکائی جائے، ہار، رسی، پٹہ وغیرہ اصل لغت میں "قَلْدٌ" کے معنی ہیں بٹنا "قَلَدَتُ الْحَبْلَ" میں نے رسی بٹی۔ "قَلِيْدٌ" اور "مَقْلُوْدٌ" بٹی ہوئی چیز اس صورت میں "قِلَادَةٌ" کے معنی ہوئے وہ بٹی ہوئی چیز جو گردن میں ڈالی جاتی ہے جیسے ڈورا یا چاندی وغیرہ کی زنجیر، توسیع محاورہ کے بعد بٹنے کا مفہوم ساقط کر دیا گیا بلکہ جو چیز گردن میں ڈال دی جائے خواہ وہ بٹی ہوئی نہ ہو، اس کو قلادہ کہنے لگے، جب یہ قلادہ انسان کے گلے میں ہو تو ہار کہلاتا ہے اور حیوان کے گلے میں ہو تو پٹہ کہلاتا ہے، باقی تقلید پر بحث کچھ پہلے گزر چکی ہے مزید آگے اپنے مقام پر آئے گی۔ مطلب یہ ہے کہ نہ ایسے جانوروں کی طرف تعرض کرو جو قربانی کی شناخت کے لئے ان کے گلوں میں پٹے ڈالے ہوئے ہیں۔

وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ: فضائل بیت اللہ: بیت اللہ کے فضیلت کے آداب میں سے ہے جو شخص اسکی زیارت کو جا رہا ہے اس سے تعرض مت کرو اس لئے کہ جب خانہ کعبہ کے احترام میں قربانی کے جانور سے تعارض جائز نہیں تو انسان سے تعرض کرنا کیسے روا ہوگا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چودہ یا پندرہ سو صحابہؓ کے ساتھ ٦ھ میں عمرہ کے ارادہ سے نکلے تھے مگر مشرکین نے حدیبیہ کے مقام پر روک دیا، قربانی کے جانور ان کے ساتھ تھے مگر کفار نے انہیں عمرہ کرنے کی اجازت نہ دی اور اس بات پر صلح ہوگئی کہ اس سال مسلمان عمرہ کئے بغیر واپس چلے جائیں، البتہ اگلے سال عمرہ ادا کریں۔

چنانچہ صلح کی شرائط کے مطابق صحابہ کرامؓ نے وہیں جانور ذبح کر دیئے اور مدینہ طیبہ واپس آگئے، پھر آپ نے ٧ھ میں عمرہ قضا کیا، اس لئے فرمایا کہ حج عمرہ کے ارادہ سے حرم شریف جانے والے لوگوں کے ساتھ بھی کسی قسم کا تعرض نہیں کرنا چاہیے ان کا ادب اور احترام ملحوظ رکھو۔ ایسے لوگ اللہ کا فضل اور اسکی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔

فَائِدَہ : آنحضرت ﷺ کے ہمراہ مہاجرین و انصار میں سے کتنے اشخاص تھے؟ اس بارے میں روایات مختلف ہیں مشہور چودہ سو کا قول ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت جابر بن عازبؓ سے مروی ہے اور صحیحین ہی میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے پندرہ سو کا قول مروی ہے۔ (تفصیل کے لئے زرقانی : ص :١٨٠ : ج :٢ : کی مراجعت کریں)

وَاِذَا حَلَلْتُمْ ...الخ :امر اباحت یعنی تحریمات وقتیہ کا بیان : یعنی جب تم احرام کھول دو تو تمہیں شکار کی اجازت ہے الغرض یہ تحریم وقتی طور پر تھی۔ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ : مطلب یہ ہے کہ کفار نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا، اب اللہ نے تمہیں غلبہ دے دیا ہے تو تم بھی اسی طرح زیادتی نہ شروع کر دو، ایسا کرنا مسلمانوں کی شان کے خلاف ہے کہ برائی کا بدلہ برائی ہی سے دیں۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ : قانون مساوات: نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔ یہ قرآن اور اسلام کا موضوع اور قانون مساوات ہے کہ اقوام عالم میں جہاں بھی کوئی مسلمان موجود ہے نیکی میں اس کے لئے دست تعاون برابر بڑھایا جائے مگر اس زمانے میں اس چیز کا فقدان ہے، اب نیکی کے بجائے برائی کے کام میں تعاون کیا جاتا ہے اب موضوع اور قانون بدل گیا ہے ظاہر ہے اس کے نتائج بھی ایسے ہی نکلیں گے۔

اس آیت سے واضح ثابت ہو گیا کہ دوسرے سے مالی بدنی تعاون جائز ہے اس سے توحید خداوندی میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور آنحضرت ﷺ کی زندگی مبارک میں آپ سے عملی طور پر بھی ثابت ہے۔

استخراج مسئلہ : ختم نبوت کی دلیل: اس آیت میں شعائر اللہ کے ادب و تعظیم کا بیان ہے۔ بیت اللہ میں آنے والے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھنے والے ہیں جو آپ کی ختم نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور منکرین ختم نبوت کبھی بھی شعائر اللہ کی تعظیم و ادب

کے قائل نہیں ہے۔ چنانچہ مرزا قادیانی نے کہا۔ زمین قادیان اب محترم ہے ہجوم خلق سے ارض حرم ہے۔ (درثمین :ص ٥٢) مرزا قادیانی نے قادیان کی فضیلت میں لکھا ہے کہ لوگ معمولی اور نفلی طور پر حج کرنے کو بھی جاتے ہیں۔ مگر اس جگہ قادیانی میں آنا نفلی حج سے ثواب زیادہ ہے اور غافل رہے ہیں نقصان اور خطرہ میں کیونکہ سلسلہ آسمانی ہے اور حکم ربانی۔ (آئینہ کمالات اسلام: ص ٥٦ سو مندرجہ روحانی خزائن: ج:٥: ص ٣٥٦)

مگر یاد رکھیں یہ مرزا قادیانی کا اہل اسلام کو فریب دینا ہے اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ تمام شہروں سے افضل شہر مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ طیبہ ہیں زادہما اللہ شرفاً تعظیماً۔ اور قادیان میں جانے سے ایک رتی کے برابر بھی ثواب نہیں حج نفلی تو اپنی جگہ پر رہ گیا۔

﴿٣﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ شروع سورۃ مویشیوں کی حلت کے ذکر میں بعض کا استثنیٰ اجمالاً کیا تھا آگے اس اجمال کی تفصیل ہے۔ اور اس آیت میں گیارہ چیزوں کا ذکر ہے۔ ❶ مردار جانور یعنی جو بغیر ذبح کئے اور بغیر شکار کے اپنے طبعی موت سے مرجائے وہ تم پر حرام ہے۔ ❷ وہ خون جو بہتا ہوا ہو جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے۔ "اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا" مشرکین عرب ایسا خون کڑھا وغیرہ میں تل کر کھایا کرتے تھے۔ اس آیت میں اسکو حرام قرار دیا گیا۔ البتہ وہ خون جو گوشت پر لگا رہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے تاہم کلیجی اور تلی کا کھانا جائز ہے۔ (روح المعانی: ص:١٥ سو ج_٦: ٥)

مَسْئَلَہ: پولٹری فارم کی مرغی کی پرورش خون کی آمیزش سے کی جاتی ہے جو دم مسفوح ہوتا ہے اس لئے اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر مرغی کی غذا کا غالب حصہ اگر حرام ہو تو اس کا کھانا مکروہ ہے اس کو تین دن بند رکھا جائے اور حلال غذا دی جائے اس کے بعد کھایا جائے، اور اگر انکی خوراک میں حلال غالب ہو تو کھانا جائز ہے کما فی الدر المختار مع الرد :(ص ٣٤٠ :ج_٦) و تجسس الجلالة حتی یذهب نتن لحمها و قدر بثلاثة ایام لدجاجة الخ. (بحوالہ آپ کے مسائل ص :٥٠٨ :ج_٥)

❸ سور کا گوشت، پوری امت محمدیہ کا اجماع ہے کہ سور نجس العین ہے اس کے کسی حصہ سے بھی انتفاع حرام ہے یہ بڑے درجہ کا حریص اور بے غیرتی اس کے خمیر میں داخل ہے، جو قومیں سور کا گوشت کھاتی ہیں وہ بے غیرت ہیں اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں حقیقت سب پر واضح ہے۔ ❹ جو چیز بقصد تقرب غیر اللہ کے نامزد کر دی گئی ہو وہ بھی تم پر حرام کی گئی ہے، بقصد تقرب و تعظیم جانور کو غیر اللہ کے لئے نامزد کرنا یہی شرک ہے، جس طرح کتا اور خنزیز اور بہائم محرمہ پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے سے حلال نہیں ہو جاتے اسی طرح "وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ" پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے سے حلال نہیں ہوگا جب تک اس فعل شرکیہ سے توبہ نہ کریں۔ اسکی مفصل تشریح سورۃ بقرہ کی (آیت ١٧٣:) میں گزر چکی ہے۔

نذر عبادت ہے

البتہ یہاں ایک بات یاد رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اولیاء کرام کے تقرب کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے باطل وحرام ہے۔ ① ایک تو اس لئے کہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کے لئے عبادت جائز نہیں۔ ② دوسرے اس لئے کہ جس کے لئے نذر مانی گئی ہے وہ میت ہے اور نذر کی چیز وہ اپنی ملک میں نہیں لے سکتی۔ ③ اس لئے کہ نذر ماننے والے کا یہ گمان ہوتا ہے کہ میت اللہ تعالیٰ کے ورے معاملات میں تصرف کرتی ہے سو اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔ سُؤال: یہ ہے کہ اگر صرف غیر اللہ کی عبادت ہی کفر و شرک ہے تو حضرات فقہاء کرام اور علی الخصوص علامہ شامیؒ کو تیسری وجہ (ومنها ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون الله تعالی فاعتقاده بذالك كفر) کو الگ بیان نہ کرتے، اس سے واضح ہوا کہ حضرات فقہاء کرام نذر کو عبادت ہی سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ شرک کی صرف دو قسمیں نہیں ہیں بلکہ بے شمار ہیں کما لا یخفی علی العلماء یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اگرچہ غیر

اللہ کی ایسی تعظیم اور تقرب کرنے والا اس کاروائی کو بزعم خویش عبادت نہ بھی تصور کرے اور نہ اپنے کو عابد اور جس کی تعظیم کر رہا ہے اس کو معبود خیال کرے لیکن شرعاً ایسی تعظیم پر مبنی اس کی یہ کاروائی عبادت ہی تصور ہوگی گو عبادت اس میں بند نہیں ہے۔
(احمام البرھان: ص ۴۹: حصہ دوم)

❺ وہ جانور جو گلا گھٹ کر مر جائے وہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے اس لئے کہ ایسا جانور درحقیقت مردار ہے۔

❻ وہ جانور جو چوٹ کھا کر مرا ہو وہ بھی تم پر حرام کیا گیا یعنی لکڑی کی چوٹ سے مر گیا ہو وہ بھی حرام کیا گیا ہے۔

❼ وہ جانور جو اوپر سے نیچے گر کر مرا ہو خواہ وہ خود گر کر مرا ہو یا کسی نے گرا دیا ہو وہ بھی حرام ہے۔

❽ وہ جانور جو دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مرا ہو، وہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے کیونکہ وہ بھی مردار ہوا ہے۔

❾ وہ جانور جس کو درندے نے پھاڑ کھایا ہو، اس کا بقیہ تم پر حرام ہے۔ لیکن "اَلْمُنْخَنِقَةُ" اور "اَلْمَوْقُوْذَةُ" اور "اَلْمُتَرَدِّيَةُ" اور "وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ" شریعت کے مطابق ذبح کر ڈالو وہ اس حرمت کے حکم سے مستثنٰی اور خارج ہیں۔

❿ وہ جانور جو کسی تھان پر ذبح کیا جائے یعنی کسی معبود باطل کے تھان پر وہ بھی حرام ہے۔ تھان سے مردوہ مقامات ہیں جن کو لوگ متبرک سمجھ کر خدا کے سوا دوسروں کی نذرونیاز چڑھاتے ہیں۔ جیسا کہ آج کل بزرگان دین کی مزرات پر کیا جاتا ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں کہ "نُصُب" ان پتھروں کو کہتے ہیں جن کو مشرکین عرب غیر اللہ کی عبادت کے لئے نصب کرتے تھے اور جانور کو لے جا کر وہاں ذبح کرتے تھے۔ "كما قال تعالىٰ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ" (معارج۔ ۴۳) (مفردات: ص۔ ۱۳)

نصب اور صنم میں فرق : "نصب" غیر مصور پتھر کو کہتے ہیں جو کسی دیوتا یا دیوی کے نام کا کھڑا کیا جائے۔

صنم : وہ مصور پتھر ہے جس پر کسی دیوتا یا دیوی کی تصویر بنی ہوئی ہو۔ (تفسیر منیر: ص: ۸٦: ج۔ ۵)

مشرکین نے بیت اللہ کے گرد تین سو ساٹھ پتھر کھڑے کیئے ہوئے تھے جنکو اپنے دیوتاؤں کا تھان سمجھ کر بتوں کیلئے قربانیاں کیا کرتے تھے۔ اور ان پتھروں کو بدلتے بھی رہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان قربانیوں کو حرام قرار دیا ہے یہ فی الحقیقت نذر لغیر اللہ کی ایک خاص صورت ہے گو ذبح کے وقت زبان سے "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہہ دیا جائے تب بھی حرام ہے کیونکہ اس سے غیر اللہ کا تقرب اور تعظیم مقصود ہے۔

⓫ ازلام : "زلم" کی جمع ہے جس کے معنی تیر کے ہیں "ازلام" ان تیروں کو کہتے ہیں جو بتوں کے مجاوروں کے پاس ہوا کرتے تھے مشرکین عرب کا دستور تھا کہ جو کوئی ضرورت پیش آتی تو ان کے ذریعہ قسمت معلوم کرتے اور مجاوروں کے پاس جاتے اور وہ اپنے تھیلے سے تیر نکالتے جس میں تین تیر ہوتے ایک پر لکھا ہوتا "اَمَرَنِيْ رَبِّيْ" میرے رب نے حکم دیا ہے دوسرے پر لکھا ہوتا "نَهَانِيْ رَبِّيْ" میرے رب نے منع کیا ہے اور تیسرا خالی ہوتا تھا تو جب لوگوں کو کسی کام میں مذبذب ہوتے تو مجاور کے پاس جاتے اور وہ تیر نکالتا اگر "اَمَرَنِيْ رَبِّيْ" لکھا ہوتا تو کام کرتے اور اگر "نَهَانِيْ رَبِّيْ" لکھا ہوتا تو ایک سال کے لئے کام نہ کرتے۔ اگر خالی تیر نکلتا تو پھر دوبارہ کروا لا تیر نکالا جاتا گویا کہ یہ بتوں سے ایک قسم کا مشورہ اور استعانت تھی یہ خالص جہالت اور رسم پرستی اور افتراء علی اللہ ہے اللہ پاک نے شدت سے اسکی حرمت کا ذکر فرمایا۔ اسی طرف آج کے زمانہ میں لوگ طوطے والے کے پاس جا کر قسمت معلوم کرتے ہیں یہ بھی شرک میں داخل ہے اور خالص حرام ہے اس لئے شریعت نے استخارہ کی اجازت دی ہے کہ استخارہ کرو۔ (معارف القرآن، م، ک، د)

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا : کفار کی مایوسی : آج کے دن کفار تمہارے دین سے ناامید ہو گئے یعنی اس کے مٹانے یا اس پر غالب آجانے سے مایوس ہو گئے اب تک تو یہ سمجھتے تھے کہ اسلام چند دن کا مہمان ہے، اور جو لوگ مسلمان ہوئے ہیں وہ

عنقریب دین اسلام چھوڑ کر پھر انہیں میں جاملیں گے، لیکن اب وہ بالکل ناامید ہو گئے اور سمجھ گئے ہیں کہ یہ شمع بجھنے والی نہیں، اور یہ پروانے اسے چھوڑنے والے نہیں، پس جب یہ بات ہے کہ کفار تمہارے دین کے مٹانے اور اس پر غالب آنے سے ناامید ہو چکے ہیں تو تم اس دین پر عمل کرنے سے ان سے مت ڈرو، وہ تمہارا کچھ بھی نہیں کر سکتے بلکہ مجھ سے ڈرو۔

استخراج مسئلہ : ختم نبوت کی دلیل: اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے مبارک دور کے مسلمانوں سے لے کر قیامت کی صبح تک کے مسلمانوں کو خطاب ہے کہ کفار تمہارے دین سے مایوس ہو گئے ہیں یہ سب مسلمان آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں اب جو اس کا انکار کرے گا وہ خود کفار کے زمرہ میں شامل ہو گا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ : بشارت اکمال دین : یعنی اب میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ تمام حلال وحرام فرض وواجب چیزیں اور تمام مکارم اخلاق وعقائد اور اصول وقواعد سب بیان کر دیئے ہیں، اب قیامت تک جتنے واقعات پیش آئیں گے ان سب کے احکام قرآن وسنت کی روشنی میں معلوم ہو سکیں گے۔

کعب بن احبار نے کہا کہ یہ آیت اگر ہمارے ہاں نازل ہوتی تو ہم اس کے یوم نزول کو یوم العید بنا لیتے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ جل شانہ نے اس امت کو بہت بڑا اعزاز دیا اور اس پر اپنے خاص انعام کا ذکر کیا ایک تو یہ کہ تمہارے دین کو کامل کر دیا گیا تو دین اسلام کے اکمال کی بشارت دی۔ دوسرے اتمام نعمت کا تذکرہ فرمایا کہ تم پر ہم نے اپنی نعمت کو مکمل کر دیا اور تیسرے یہ کہ آخر میں کہہ دیا "وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" تمام ادیان سماویہ میں دین اسلام کو اللہ نے تمہارے لئے منتخب فرمالیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے وہ دن بھی معلوم ہے جگہ بھی معلوم ہے جب حضور اکرم ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی تھی یعنی عرفہ کا دن تھا اور آپ عرفات کے میدان میں تھے کتاب الایمان کی روایت میں جمعہ کے دن کی بھی تصریح ہے۔ اسحاق کی روایت میں "وَكِلَاهُمَا بِحَمْدِ اللهِ لَنَا عِيْدٌ"۔ یعنی جمعہ اور عرفہ دونوں دن ہمارے لئے عید ہیں۔ (فتح الباری ۱/۱۰۵: کتاب الایمان باب زیادۃ الایمان ونقصانہ)

اور طبری کی روایت میں ہے "هما لنا عيدان"۔ (فتح الباری ۱/۱۰۵: کتاب الایمان باب زیادۃ الایمان ونقصانہ)

مگر یہاں سوال یہ ہے کہ یوم الجمعہ تو واقعی ہفتے کی عید ہے تاہم عرفہ کے دن کو کیسے عید کہہ دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یوم النحر درحقیقت یوم العید ہوتا ہے اور چونکہ وہ یوم عرفہ سے متصل اور شئی کے قریب کو اس شئی کا حکم بسا اوقات دیدیا جاتا ہے اس لئے یوم عرفہ کو عید کہا۔ (فتح الباری ۱/۱۰۵)

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حج کرنے والوں کی اصل عید تو یوم عرفہ ہی ہے کیونکہ اسی دن حج کا رکن اعظم وقوف عرفہ ادا کیا جاتا ہے۔ (کشف الباری: کتاب التفسیر: ص ۱۷۴ تا ۱۷۵)

سوال: کیا اسلام ترقی سے مانع ہے؟ جواب: اسلام حقیقی ترقی کا حکم دیتا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ شریعت نے جس چیز سے منع کیا ہے وہی چیز تنزلی کا سبب ہے اور جس چیز کا حکم دیا ہے وہی ترقی کا ذریعہ اور سبب ہے کیونکہ اللہ پاک سب چیزوں کے حقائق سے باخبر ہیں۔

استخراج مسئلہ : ختم نبوت کی دلیل : تکمیل دین تکمیل نبوت کی تشریح و وضاحت ہے اس سے واضح ہوا کہ آنحضرت ﷺ آخری نبی ورسول ہیں۔

فَمَنِ اضْطُرَّ : تتمہ سابق : اس آیت کے شروع میں میتہ وغیرہ کی حرمت کا ذکر تھا یہ اسی حکم کا تتمہ ہے، فرمایا جو شخص بھوک کی شدت کی وجہ سے مجبور ہو اسکو جان بچانے کے لئے ان حرام اشیاء سے کھانا جائز ہے، بشرطیکہ مقدار حاجت سے زیادہ نہ کھائے۔

اسلام کا معنیٰ اور اس کا اطلاق

اسلام اور دین کا فرق اور استعمال وضاحت سورۃ آل عمران میں گزر چکی ہے مگر تھوڑے سے فرق کے ساتھ دوبارہ ذکر کیا جارہا ہے۔

حضرت بنوریؒ بصائر وعبر میں لکھتے ہیں کہ :جہاں تک لغت کا تعلق ہے ''اسلام'' کے معنی تسلیم وانقیاد اور طاعت وفرمانبرداری کے ہیں اور قرآن کریم کی اصطلاح میں ''اسلام'' کا اطلاق اس آسمانی دین پر ہوتا ہے جو انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے ذریعہ حق تعالیٰ کی طرف سے آیا، یہ سلسلہ حضرت آدم صلی اللہ علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم ہوا، اسی لیے ہر نبی کے دورِ نبوت میں اس کے ذریعہ آئے ہوئے دین کو ''دین اسلام'' کہا جاتا تھا اور ہر وہ شخص جو اس دین کا متبع ہو ''مسلمان'' کہلانے کا مستحق تھا لیکن آخر میں جب یہ سلسلہ حضرت خاتم النبیین ﷺ پر آ کر ٹھہرا تو دین حق دین محمدی (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کا نام بن گیا اور جو دین حق تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نازل فرمایا محض اس کا لقب ''اسلام'' رکھا گیا اب ''دین اسلام'' صرف اسی مخصوص دین کا لقب اور نام ہے کسی دوسرے دین پر اس کا اطلاق نہ ہوگا اور نہ کسی قدیم یا جدید دین کے ماننے والے کو ''مسلمان'' کہنا ہی صحیح ہوگا اسی لیے عرفات کے میدان میں عرفے کے دن جمعہ کی عصر کو (۹ ذی الحجہ ۱۰ھ) تمام امت اسلامیہ کے سامنے یہ اعلان کر دیا گیا :اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔(المائدہ ۳:)

ترجمہ : آج کے دین تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کردیا اور اپنی نعمت پوری کردی اور اسلام ہی تمہارا دین تمہارے لیے پسند کیا۔

اس مقام پر ''بعض مشاہیر'' اہل قلم کو بڑی غلط فہمی ہوئی اور خطرناک باتیں قلم سے نکل گئیں، حقیقت یہی ہے جو عرض کی گئی، کامل ترین صورت میں حق تعالیٰ نے ''دین اسلام'' کو نازل فرمایا۔

اجتہادی مسائل میں اختلاف ناگزیر ہے

اور اس آخری ہدایت کو آخری شکل دے دی گئی جس میں کسی اضافے یا ترمیم کی گنجائش نہیں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی اور ارشادات سے اس کی مکمل تشریح کردی گئی اور قرآنی ارشادات میں ایسے رموز ونکات واشارات کردیئے گئے کہ صحیح طور پر سمجھ لینے کے بعد آئندہ کے تمام مسائل کا حل نکل سکے اور ان کی روشنی میں وہ تمام مسائل خود بخود واضح ہوتے رہیں گے، ظاہر ہے کہ مدارک وعقول کے مراتب میں قدرتی تفاوت واختلاف موجود ہے تو اجتہادی مسائل میں بھی اختلاف ناگزیر ہے اس لیے اس کو برداشت کیا گیا اور عہد نبوت میں جو طریقہ کار رہا اس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے البتہ غور وفکر کرنے والے حضرات کے لیے قرآن وحدیث کی روشنی میں اجتہاد کی اہلیت اور اس کے شرائط ضروری ہیں اور جن کو اہلیت نہ ہو ان کی مداخلت برداشت کے قابل نہیں، یہ تو نہایت نازک مرحلہ ہے اور غامض ودقیق حِکَم واسرار ہیں، اللہ ورسول کا کلام ہے، ہر کس وناکس کے لیے دخل دینے کی گنجائش کا کیا امکان ہے، جب کہ دنیا کے ''علوم وفنون'' جو انسانی عقول وادراکات کے نتائج اور انسانی دائرہ عقل سے بالاتر نہیں، ان کے لیے بھی اہلیت کو ضروری سمجھا جاتا ہے پھر کیسی عجیب بات ہے کہ اللہ ورسول کے کلام میں اتنی آزادی وحریت؟ کہ جس کا جی چاہے اور جو چاہے اس کے لیے وقف عام کردیا جائے کتنی حیرت کی بات ہے اور اس سے بڑھ کر حیرت کی بات یہ ہے کہ شرعی نصوص یعنی اللہ تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ کی واضح ہدایت کو میزان عقل قاصر سے ناپا تولا جائے اور جب اپنی فہم نارسا کے موافق نہ دیکھے انکار کیا جائے۔

دنیا وآخرت کی فلاح صرف دین اسلام میں ہے

حضرت بنوریؒ بصائر وعبر میں لکھتے ہیں کہ :اس آیت کریمہ میں فرمایا جارہا ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارا وہ دین جس کا

سلسلہ نہ صرف ۲۳ سال بلکہ ہزاروں سال پہلے حضرت آدم علیہ السلام سے جاری تھی، مکمل وکامل کردیا اور نعمت یعنی نعمتِ نبوت یا نعمت اسلام یا اللہ سے تعلق کو پورا کردیا، اب دنیا میں تمہاری فلاح اور دنیا و آخرت دونوں میں تمہاری فلاح ونجات صرف دین اسلام سے وابستہ ہے تمہاری صلاح وفلاح کسی بھی ازم یا نظامِ حیات سے وابستہ نہیں ہے۔

غور فرمایئے! جب یہ آیت کریمہ اتری ہے، اس وقت دنیا میں مختلف اور متعدد مذاہب اور نظامہائے حیات موجود تھے، مختلف ''ازم'' موجود تھے جن سے دنیا آشنا تھی، آج جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اس کی ابتدائی شکلیں اس وقت موجود تھیں لیکن رب کریم نے ان سب پر خطِ تنسیخ پھیر کر اسلام اور صرف اسلام کو ہماری خیر وفلاح کا ضامن ٹھہرایا ہے کیونکہ اس قانون کا بنانے والا رب العالمین، احکم الحاکمین، ارحم الرحمین ہے جس کی مدح وثناء ہم عاجز بندے کر ہی نہیں سکتے پھر نہ صرف یہ کہ اس نے اس دین کو پسند کیا بلکہ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی اعلان فرمایا ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (آل عمران :۸۵) جو شخص اسلام کے علاوہ کسی نظام کو اپنا دین بنائے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں کی فہرست میں شمار ہوگا۔

کمالِ دین کا مطلب اور اس کے معنی: یہ بھی سمجھئے کہ کمالِ دین کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دین میں عقائد، عبادات، احکام، معاملات، معاشرت، قانون صلح وجنگ، اقتصادیات، معاشیات، سیاسیات سب کچھ موجود ہو ورنہ اگر انسانی زندگی سے متعلق کوئی ایک شعبہ بھی نہ ہو تو وہ کامل نہیں ہوسکتا وہ ناقص اور محتاجِ تکمیل کہلائے گا۔

کسی ازم کی بھیک کی کیا ضرورت ہے؟ جب اللہ تعالیٰ اس دین کو کامل فرما رہے ہیں اور واقعۃً اس میں سب کچھ موجود ہے تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم امریکہ، روس یا چین سے کسی ازم کی بھیک مانگیں، درحقیقت کسی بھی دوسرے ازم سے بھیک مانگنا اور اسلام میں اس کا پیوند لگانا شرک فی الربوبیۃ ہے جو شرک کی بدترین قسم ہے اور جو شخص اس کو جائز سمجھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے ایمان کی خیر منائے، نہ اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے اور نہ آخرت پر، موجودہ حالات کے تحت اسلام کے معاشی نظام کی ترتیب و تنظیم زیر غور ہے، اللہ تعالیٰ توفیق دے تاکہ مثبت پہلو میں دین کا یہ نقشہ آپ کے سامنے آجائے۔

ساری دنیا کا محور پیٹ ہے: ساری دنیا کا محور آج کل پیٹ کا مسئلہ ہے اسلام نے پیٹ کے مسئلہ کو حل کیا ہے لیکن اس کے پس منظر میں انسان کو حیوان سے اور جانوروں سے ممتاز کرنے کی غرض سے ایک مستقل نظامِ روحانیت یعنی عقائد وعبادات، اعمال صالحہ واخلاقِ فاضلہ کو محفوظ رکھا ہے، اس کے برعکس امریکہ نے زراندوزی اور عیش کوشی کو ہی زندگی کا مقصد قرار دیا ہے، روس اور چین نے پیٹ کے مسئلہ کو جیسا تیسا حل کیا لیکن انسان کو جانور بنا کر ساری انسانی مکرومیت اور توقیر چھین لی اور تمام اخلاقی اور روحانی اقدار کو پامال کر کے نرا حیوان بنا ڈالا، اسلام ہی وہ دین کامل ہے جس نے انسان کا صحیح مقام اس دنیا میں متعین کیا اور اس کو وہ نظامِ حیات دیا ہے جو اس کے شایانِ شان ہے، اسلام میں صرف روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ جانوروں کا نعرہ تو ہوسکتا ہے انسان کا نعرہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

اسلام میں کسی ازم کی گنجائش نہیں: یاد رکھیں کہ اسلام میں کسی بھی ازم کی گنجائش نہیں ہے نہ کیپٹل ازم کی نہ سوشلزم کی نہ نیشنلزم کی، آج ہمارے ملک میں جو مشکلات ہیں وہ معاذ اللہ اسلام کی پیدا کردہ ہرگز نہیں ہیں بلکہ لوگوں نے اسلامی نظام جس کے نام پر یہ ملک حاصل کیا تھا اس کو پس پشت ڈال کر اور مغربی سرمایہ دارانہ نظام کو اپنا کر یہ مشکلات خود پیدا کی ہیں، اس ملک میں اسلام کو ایک دن بھی معاشی نظام جاری کرنے کا موقعہ نہیں دیا گیا، اگر اسلام کے معاشی نظام کو یہاں جاری کیا جاتا تو اس کا امکان ہی نہیں تھا کہ ملک کی معاشی حالت اس درجہ پر پہنچتی اور یہ سوشلزم کے کافرانہ نعرے بلند ہوتے۔

اسلامی سوشلزم کا نعرہ: پھران سارے نعروں میں سب سے زیادہ دلچسپ یا تکلیف دہ نعرہ اسلامی سوشلزم کا ہے بھلا یہ بھی کوئی بات ہے یہ تو بالکل ایسا ہی ہے کہ کہا جائے، "اسلامی دہریت" "اسلامی لادینی" "اسلامی شراب" "اسلامی قحبہ خانہ" بلکہ میرے نزدیک اسلامی سوشلزم اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے اس سے تو اسلام کے عقیدہ پر زد پڑتی ہے کہ دین مکمل نہیں ہے۔

اگر کوئی دین وایمان سے کورا انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ موجودہ دور بدل گیا ہے اس لیے ہمیں نئے نظام کی ضرورت ہے تو ایسا شخص کافرانہ غلطی میں مبتلا ہے اور اس کا ایمان اللہ اور اس کے رسول برحق پر صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ قانون تو اللہ علیم وخبیر کا بنایا ہوا ہے جو قیامت تک آنے والی نسلوں، ان کے امراض وعوارض ان کی حاجات وضروریات مرغوبات ومیلانات کو جاننے والا تھا اور ہے، اس کے علم گزشتہ اور آئندہ سب پر محیط ہے اس کی قدرت کامل ہے، اس نے اپنے ابدی قانون میں اپنے علم اور قدرت دونوں کو سمو دیا ہے اب نہ کوئی آنے والا ہے نہ کوئی نبی مبعوث ہونے والا ہے، اب ہماری ہدایت کے لیے یہی نسخہ کیمیا کافی وشافی ہے۔

کام کی ترتیب: اب اس وقت آپ کے سامنے کام کی ترتیب یہ ہے: الف: جہاد باللسان، یعنی زبان سے جہاد، علماء اس میں پہل کریں، آپ ان کی معاونت کریں اور اپنے ماحول وگرد وپیش میں اسلام کے لیے مسلسل کام کرتے رہیں۔ ب: جہاد بالقلم، جو شخص لکھنے کی قدرت وصلاحیت رکھتا ہے وہ ان فتنوں کے خلاف لکھے، اخبار نویس اخبارات میں، مصنفین ومؤلفین رسائل وکتابوں میں۔

ج: جہاد بالقوۃ، یعنی ضرورت کے وقت اپنے دست بازو کی قوت کو کام میں لائیں اور ان فتنوں کی بیخ کنی کر کے ہی دم لیں۔

﴿۴﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ... الخ سوال برائے شکار۔ قُلْ اُحِلَّ لَكُمْ الخ جواب: آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے حلال جانور حلال رکھے گئے ہیں۔ "وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ الخ" "جوارح" کے معنی شکار کرنے والے جانوروں کے ہیں جس میں کتا اور باز اور شکرا وغیرہ داخل ہیں۔

اس آیت میں شکاری جانور کے متعلق چار شرطیں مذکور ہیں ❶ وہ شکاری جانور جس کو تم نے تعلیم دی ہو وہ تمہارے کہنے پر جائے اور واپس آئے۔ ❷ تم نے اپنے ارادے سے شکار پر چھوڑا ہو۔ ❸ بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا ہو۔ ❹ وہ خود نہ کھائے بلکہ تمہارے لئے لے آئے۔ ❺ وہ شکاری جانور اسکو زخمی بھی کرلے۔ پہلی چاروں شرطیں تمام ائمہ کے نزدیک متفق ہیں آخری شرط صرف حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔

نوٹ: تعلیم یافتہ جانور کی علامت یہ ہے کہ مالک کے کہنے پر حملہ کرے اور اس کے منع کرنے سے رک جائے جب یہ حالت کم از کم تین مرتبہ تجربہ میں آجائے تو وہ تعلیم یافتہ سمجھا جائے گا۔

﴿۵﴾ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمْ... الخ حلال چیزوں میں عدم نسخ کا بیان: مطلب یہ ہے کہ پاکیزہ چیزیں جو پہلے حلال تھیں اب بھی وہی حلال ہیں ان میں کوئی نسخ واقع نہیں ہوا۔ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ... الخ ذبیحہ اہل کتاب کا حکم: امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس طعام سے مراد ذبیحہ ہے۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے وہ اہل کتاب مراد ہیں جن کے عقیدے وہی ہوں جو اصل اہل کتاب کے تھے اور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں۔ اور اگر یہود "باسم موسیٰ" یا نصرانی "باسم عیسیٰ" کہیں تو حلال اور جائز نہیں ہوگا، بلکہ حرام ہوگا۔ فرمایا: آج تمہارے لئے تمام پاکیزہ اور حلال چیزیں ہمیشہ کے لئے حلال کردی گئی ہیں، ان میں سے کسی میں نسخ واقع نہیں ہوا اور جن کو تم سے پہلے کتاب دی جاچکی ہے، ان کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے۔

احکام ومسائل ① مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ ② آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے منکر کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

③ جو لوگ برائے نام مسلمان ہیں حقیقت میں ملحد اور زندیق اور ضروریات دین کے منکر اور دین اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں

قرآن کریم کی تحریف کرتے ہیں ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔ ④ قصداً اللہ تعالیٰ کا نام چھوڑنے والے کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے۔

وَالْمُحْصَنٰتُ...الخ مؤمنہ پاکدامن عورتوں سے نکاح کی اجازت: اس قید سے باندی اور زانیہ کو نکالنے کے لئے پاک دامن ہونے کی شرط لگائی ہے فرمایا پاک دامن وہ عورتیں جو مسلمان ہوں، آزاد ہوں زانیہ نہ ہوں وہ تمہارے لئے حلال ہیں۔ اور بوقت ضرورت باندی سے نکاح جائز ہے اور زانیہ جب کہ وہ توبہ کرلے اس سے نکاح جائز ہے۔ (خازن: ص:۲۸ ج۔۱)

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ...الخ کتابیہ سے نکاح کی حلت: یعنی اسی طرح وہ پاک دامن عورتیں جوان لوگوں میں ہوں جن کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہے، وہ بھی تمہارے لئے حلال ہیں جبکہ تم ان کو ان کا مہر وغیرہ ادا کردو اور یہ مذکورہ عورتیں جو تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں اس طریقہ پر حلال کی گئی ہیں کہ تم انکو عقد نکاح میں لانے والے ہو، اور بیویاں بنانے والے ہو، ان سے علانیہ بدکاری کرنے والے نہ ہو اور نہ ان سے خفیہ دوستی کرنے والے ہو، الغرض آج کل نصرانی عورتوں سے نکاح کرنے میں احتیاط کرنی چاہئے بلکہ بہتر یہ ہے کہ ان سے نکاح نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس زمانہ میں صحیح معنی میں نصرانی نہیں بلکہ محض برائے نام نصاریٰ ہیں۔ وَمَنْ يَّكْفُرْ...الخ مرتد کے اعمال کے ضائع ہونے کا بیان۔

نوٹ: اس آیت سے شیعوں کے متعہ کی صراحۃً نفی ہے جس کا ذکر سورۃ نساء کی آیت: ۲۴: میں تفصیلاً گزر چکا ہے دیکھ لیں۔

استخراج مسئلہ: ختم نبوت کی دلیل: اس آیت میں اہل کتاب کے کھانے کو حلال کہا گیا ہے جو زمانہ ماضی میں گزر چکے ہیں اگر آپ کے بعد مستقبل میں کسی نے آنا ہوتا تو ان کے کھانے کے حلال ہونے کو بیان کیا جاتا۔ اس سے واضح ثابت ہوتا ہے کہ نہ کوئی نئی کتاب آئے گی اور نہ کوئی نیا نبی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ

اے ایمان والو! جب تم کھڑے ہو نماز کی طرف پس دھولو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں پر

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ

اور اپنے پاؤں کو بھی ٹخنوں تک دھولو اور اگر جنابت کی حالت میں ہو تو اچھی طرح طہارت کرلو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو

مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا

یا تم میں سے کوئی جائے ضرورت سے آئے یا تم عورتوں کے پاس گئے ہو پھر تم نے پانی نہیں پایا پس قصد کرو

مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ

پاک مٹی کا اور مل لو اپنے چہروں اور ہاتھوں پر اس مٹی سے اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی ڈالدے۔

لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کر دے اور تا کہ تم پر اپنی نعمت پوری کر دے تا کہ تم شکر ادا کرو ﴿۶﴾

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ

اور یاد کرو اللہ کے احسان کو اور اس کے عہد کو جو اس نے تم سے پختہ طریقے پر ٹھہرایا ہے جب تم نے کہا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے دلوں کے راز ﴿۷﴾ اے ایمان والو! ہو جاؤ قائم رہنے والے

كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ

اللہ تعالیٰ کیلئے اس حال میں کہ تم گواہی دینے والے ہو انصاف کیساتھ اور نہ آمادہ کرے تم کو کسی قوم کی دشمنی کہ تم انصاف کرنا چھوڑ دو،

اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸ وَعَدَ اللّٰهُ

انصاف کرو کہ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب خبر رکھتا ہے ان باتوں کی جو تم کرتے ہو ﴿۸﴾ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ان لوگوں سے جو ایمان لاتے ہیں اور اچھے اعمال کئے ہیں کہ ان کیلئے بخشش ہے اور بڑا اجر ہے ﴿۹﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کا

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۱۰ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ

راستہ اختیار کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہ لوگ ہیں دوزخ والے ﴿۱۰﴾ اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت کو تم پر،

عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

جب قصد کیا ایک قوم نے کہ وہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھوں کو پس روک دیا اللہ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱

اور اللہ کی ذات پر ہی چاہئے کہ ایمان والے بھروسہ رکھیں ﴿۱۱﴾

ع ۲

﴿۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ ۔۔۔الخ طہارت حقیقی صغریٰ و کبریٰ۔ ربط آیات :طہارت کی دو قسمیں ہیں۔ ❶ طہارت باطنی (ایمان)۔ ❷ طہارت ظاہری۔ طہارت باطنی ایمان کو کہتے ہیں اور طہارت ظاہری وضو کو کہتے ہیں پہلے طہارت باطنی کا ذکر تھا، اب طہارت ظاہری کا ذکر ہے یعنی وضو کا۔

خلاصہ رکوع ❷ : حدث اصغر اور اکبر کے دور کرنے یعنی وضو و غسل کا طریقہ، مشروعیت تیمم، مباشرت، تاکید ایفائے میثاق، اقامت شہادت کیلئے عدل و انصاف کی اہمیت، متبعین کیلئے مغفرت کا وعدہ، تذکیر انعامات، منکرین احسانات کا انجام، تذکیر بالآء اللہ سے مؤمنین کو بعض انعامات کی یاد دہانی۔ ماخذ آیات ٦ تا ١١ +

تمہید :اہل ایمان کو نماز سے پہلے نظافت کا حکم ہے اور یہ طہارت سے حاصل ہوگی اور طہارت سے مراد روح و جسم دونوں کی طہارت ہے لہٰذا مسلمانوں کو طہارت جسمی کا پابند بنایا جاتا ہے، کہ یہ وضو سے حاصل ہوگی۔ اور طہارت روحانی بھی سکھائی جاتی ہے جو نماز میں پیدا ہوگی۔

وضو کے فرائض :اس آیت میں سب سے پہلے حدث اصغر کے دور کرنے کا طریقہ یعنی وضو کا ذکر ہے اور وضو کے چار فرائض ہیں ❶ چہرہ کا دھونا ❷ ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا ❸ چوتھائی سر کا مسح کرنا ❹ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ :اس میں وضو

کے چوتھے فرض کا ذکر ہے کہ اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھونا۔

مسئلہ اختلافیہ:۔ "وَاَرْجُلَكُمْ" میں دو قرأتیں ہیں اور دونوں متواتر ہیں ایک "لام" کے "فتحه" کے ساتھ ہے اور دوسری "لام" کے "جر" کے ساتھ ہے۔ اگر "لام" کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا عطف "وَاَيْدِيَكُمْ" پر ہوگا۔ اور معنی ہوگا کہ اور اپنے پیروں کو ٹخنوں تک دھویا کرو۔ یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ اگر "لام" کے "جر" کے ساتھ قرآت ہو تو اس کا عطف لفظ "بِرُءُوْسِكُمْ" پر ہوگا اور معنی ہوگا کہ اپنے سروں پر اور اپنے پیروں پر مسح کرلیا کرو۔ اور یہ شیعہ امامیہ کا مذہب ہے۔

اور یہ دونوں قرأتیں متواتر ہیں اور بمنزلہ دو آیتوں کے ہیں اور وقت واحد میں دونوں پر عمل اس آیت کے مطابق نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا اب کیسے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی منشاء اس سے کونسا معنی مراد لینے سے پوری ہوگی، تو اس اجمال اور اشتباہ کو دور کرنے کے لئے احادیث نبویہ ﷺ اور تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ کی طرف رجوع کرنا ضروری معلوم ہوا پس احادیث متواترہ صحیحہ اور صریحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے امت کو جو وضو کی تعلیم دی ہے اس میں پیروں کے دھونے کا حکم دیا ہے، اور آنحضرت ﷺ نے زندگی بھر نہ سفر میں اور نہ حضر میں پاؤں کا مسح کیا ہے، بلکہ جن لوگوں نے پاؤں کے دھونے میں کوتاہی کی آپ نے انکو باواز بلند فرمایا "ویل للاعقاب من النار" یعنی ان ایڑیوں کے لئے ہلاکت اور عذاب نار ہے جن کو پانی نہیں پہنچا معلوم ہوا کہ وضو میں پیروں کا دھونا فرض ہے مسح کافی نہیں ہے۔

باقی جر والی قرأت کی سب سے آسان توجیہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں قراءتوں میں کوئی تعارض نہیں ہر ایک قرأت میں ایک جداگانہ حالت کا حکم بیان کیا گیا ہے، قرأت "جر" جس سے مسح قدمین معلوم ہوتا ہے، یہ حکم اس حالت میں ہے کہ جب قدموں پر موزے پہنے ہوئے ہوں، تو پاؤں کا مسح کرے اور اگر پیروں پر موزے نہ ہوں تو ایسی حالت میں پاؤں کو دھونا فرض ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ دونوں قرأتیں دو مختلف حالتوں پر محمول ہیں اس لئے کہ عقلاً یہ ناممکن ہے کہ وقت واحد اور حالت واحدہ میں ایک ہی عضو کو دھونا بھی فرض ہو اور مسح بھی فرض ہو، جس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو قرأتوں میں دو مختلف حالتوں کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ (فتح الباری: ۲۳۴، ج۔۱)

علامہ بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں کہ فخر الاسلام بزدوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور یہ توجیہ نہایت ہی لطیف ہے اور فرماتے ہیں کہ قرأت جر میں "اِلَى الْكَعْبَيْنِ" کا لفظ مسح کی غایت نہیں اس لئے کہ مسح تو ظاہر خفین پر کافی ہے "كَعْبَيْنِ" تک مسح بالاجماع ضروری نہیں بلکہ یہ تَخَفُّف کی غایت ہے کہ جو سیاق کلام سے مفہوم ہوتا ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ پیروں پر مسح کرلیا کرو درانحالیکہ تم ٹخنوں تک موزے پہنے ہوئے ہو۔ اور اگر موزے ٹخنوں سے نیچے ہوں تو پھر موزوں پر مسح درست نہ ہوگا۔ (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، ص۱۹۹، ج۲، بحوالہ معارف القرآن، ص۶۵۴، ج۲، مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)

فائدہ: ❶ اگر وضو کے تمام آداب کا خیال رکھا جائے تو اس سے انسان کے تمام صغیرہ گناہ پانی کے قطروں کے ساتھ جھڑ جاتے ہیں حتی کے آخری قطرہ گناہ لے کر زمین پر گرتا ہے۔

فائدہ: ❷ کبیرہ گناہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہونگے۔ میرے استاذ محترم شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ذخیرۃ الجنان میں فرماتے ہیں کہ مجھے ساٹھ سال سے زائد عرصہ ہوگیا ہے حدیث پاک پڑھاتے ہوئے صرف دو احادیث پاک میں نے پڑھی ہیں جن میں ہے کہ کبیرہ گناہ دو کام کرنے سے معاف ہوجاتے ہیں۔ ❶ میت کو غسل دینے سے۔ ❷ صلوٰۃ التسبیح پڑھنے سے۔

وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا...الخ غسل کی فرضیت :اوپر طہارت صغریٰ کا یعنی وضو کا ذکر تھا اب طہارت کبریٰ یعنی جنابت کی حالت طاری ہو جائے تو کس طرح طہارت حاصل کرنی چاہیئے اس کا ذکر ہے بے وضو ہونے کو حدث اصغر کہتے ہیں اور جنابت طاری ہونے کو حدث اکبر کہتے ہیں۔جنابت کا معنی بعد یا دوری، جب یہ حالت طاری ہوتی ہے تو انسان ملائکہ سے دور ہو جاتا ہے اور جب مکمل طہارت حاصل کر لیتا ہے تو پھر اسے ملائکہ سے مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔اور حالت جنابت اس وقت طاری ہوتی ہے جب انسان کے جسم سے مادۂ تولید شہوت کے ساتھ خارج ہو۔خواہ یہ اخراج مباشرت کی وجہ سے ہو یا احتلام کی وجہ سے ہو ہر صورت میں آدمی جنبی ہو جاتا ہے۔تو یہاں جنابت کی صورت کو بیان فرمایا ہے کہ جب جنبی ہو جاؤ "فاطھروا" تو مکمل طہارت حاصل کرو۔

غسل کے فرض تین ہیں۔ ❶ کلی کرنا۔ ❷ ناک میں پانی ڈالنا۔ ❸ سارے جسم پر پانی کا بہانا کہ کوئی جگہ خشک نہ رہے۔باقی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰی...الخ مشروعیت تیمم :ربط آیات :اوپر وضو اور غسل کے فرائض کا ذکر تھا اب آگے تیمم کا ذکر ہے "وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰی" اور اگر تم بیمار ہو یا بیماری کی نوعیت ایسی ہو کہ پانی کے استعمال سے بیماری کے بڑھ جانے کا خطرہ ہو یا حالت سفر میں ہو فقہائے کرام فرماتے ہیں اگر پانی مسافر کے عارضی قیام سے کم از کم ایک میل کے فاصلے پر ہو تو اس کے لئے تیمم مباح ہو جاتا ہے۔یا تم میں سے کوئی شخص پیشاب یا پاخانہ کی ضرورت سے فارغ ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ملے ہو۔اَوْ لٰمَسْتُمْ...الخ مباشرت بلمس :کے دو معانی ہیں حضرت امام شافعی ؒ فرماتے ہیں اس سے مراد صرف ہاتھ لگانا ہے گویا عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔دوسرا معنی عورت سے قربت یا مباشرت ہے۔حضرت امام ابوحنیفہ ؒ اور دیگر ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ "لمس" سے مراد مباشرت ہے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے چار علل بیان فرمائی ہیں کہ اگر تم مریض ہو یا سفر پر ہو، یا جائے ضرورت سے آئے ہو، یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہے، تو ان سب صورتوں میں جب پانی نہ پاؤں یا اس پر قدرت حاصل نہ ہو یا اس کے استعمال سے مہلک بیماری کا خطرہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔تیمم کا طریقہ سورۃ نساء کی آیت ۴۳ میں گزر چکا ہے دیکھ لیں۔

نماز کی شرائط کے تفصیلی احکام کا بیان

چند چیزیں جو کہ نماز کی حقیقت میں تو داخل نہیں لیکن نماز کی صحت کا مدار ان پر ہے۔اس حیثیت سے اگر ان میں سے ایک بھی فوت ہو جائے تو نماز صحیح نہ ہو گی اور ان چیزوں کو شروط صلوۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ان میں سے طہارت کا ہونا: نماز کے صحیح ہونے کے لیے پہلی شرط طہارت ہے، طہارۃ کے بغیر نماز صحیح نہ ہو گی اور طہارت سے مراد چند اشیاء کی طہارت ہے: (الف) نمازی کا بدن حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک ہو۔(ب) نمازی کا بدن نجاست کی اتنی مقدار سے پاک ہونا ضروری ہے جو کہ معاف نہیں۔(ج) جس کپڑے پر نماز پڑھنی ہے وہ بھی نجاست کی اتنی مقدار سے پاک ہو جو کہ معاف نہیں ہے۔

● اگر کوئی شخص معذور ہے جیسے مستحاضہ عورت، سلسل البول (مسلسل پیشاب یا قطروں کا مریض) یا ایسا زخمی جس کے زخموں سے خون مسلسل رستا رہتا ہے۔تو اس کے لیے کپڑوں کی پاکی کا حکم یہ ہے کہ اگر اسے یقین ہو کہ ایک مرتبہ کپڑا دھونے کے بعد نماز سے فارغ ہونے تک دوبارہ ناپاک نہیں ہو گا تو اسے دھونا واجب ہے۔اور اگر یہ یقین ہو کہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے دوبارہ ناپاک ہو جائے گا تو دھونا واجب نہیں۔ایسی نجس کپڑوں میں نماز پڑھ سکتا ہے۔(د) جس جگہ پر نماز پڑھنی ہو وہ جگہ بھی نجاست سے پاک ہو اور جگہ سے مراد (کھڑے ہونے کی جگہ) قدموں کی جگہ، ہاتھ رکھنے کی جگہ، گھٹنے رکھنے کی جگہ اور پاؤں رکھنے کی جگہ ہے۔

● جس شخص کے پاس نجاست زائل کرنے کے لیے کوئی چیز نہ ہو وہ شخص نجاست کے ساتھ نماز پڑھے اور نماز کا اعادہ بھی نہ کرے۔
● ناپاک کپڑے کے پاک کنارے پر نماز پڑھنا اس وقت درست ہے جب کہ ایک کنارہ کو حرکت دینے سے دوسرے کنارے کو حرکت نہ ہو۔

ستر چھپانا: نماز کے صحیح ہونے کے لیے دوسری شرط ستر چھپانا ہے۔ اگر ستر ڈھانپنے پر قادر ہو تو پھر ستر چھپائے بغیر نماز درست نہ ہوگی اور ستر چھپانے سے مراد یہ ہے کہ نماز کی ابتداء سے لے کر انتہا تک ستر ڈھانپا ہوا ہو۔ اگر عضو کا چوتھائی حصہ نماز شروع کرنے سے پہلے کھلا ہوا ہو تو نماز درست نہ ہوگی۔ اور اگر نماز کے دوران عضو کا چوتھائی حصہ ایک رکن کی مقدار کھل جائے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

جب مختلف اعضاء سے ستر کھل جائے اگر ان کا مجموعہ ستر کھلے اعضاء میں سے چھوٹے عضو کے ربع (چوتھائی) تک پہنچ جائے۔ تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اور اگر مجموعہ ستر کھلے ہوئے اعضاء میں سے چھوٹے عضو کے ربع تک نہ پہنچے تو اس صورت میں نماز درست ہو جائے گی۔

مرد کے ستر کی مقدار: مرد کے ستر کی مقدار ناف سے لے کر گھٹنے کی انتہا تک ہے گھٹنہ ستر میں داخل ہے اور ناف ستر میں داخل نہیں ہے۔

عورت کے ستر کی مقدار: چہرے، ہتھیلیوں اور قدموں کے علاوہ تمام بدن عورت کے ستر میں داخل ہے۔

متفرقات

● جس شخص کے پاس ستر چھپانے کے لیے کپڑا نہیں اور اسی طرح گھاس اور مٹی وغیرہ بھی نہیں اور ننگے بدن کے ساتھ نماز پڑھے اور اعادہ بھی نہ کرے۔ ● جس شخص کے پاس چوتھائی کپڑا ہو تو ننگی حالت میں نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ ● جس شخص کے پاس ناپاک کپڑا ہے تو اس کے لیے نماز ناپاک کپڑے میں پڑھنا بہتر ہے ننگی حالت میں نماز پڑھنے سے۔ ● ننگی حالت میں نماز پڑھنے والا بیٹھ کر اور ٹانگوں کو قبلے کی طرف پھیلا کر نماز پڑھے رکوع اور سجدہ کو اشارے سے ادا کرے۔

نماز کا وقت ہونا: نماز کے صحیح ہونے کے لیے تیسری شرط نماز کے وقت کا ہونا ہے۔ نماز وقت داخل ہونے سے پہلے درست نہیں نیز استقبال قبلہ کا ذکر بقرہ آیت ۱۵ کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

طہارت کے تفصیلی احکام

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :اَلطُّھُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ۔ (رواہ مسلم: ج:۱: ص ۹۳ ۷: رقم الحدیث ۲۲۳)
(ترجمہ) پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے۔ طہارت اور پاکیزگی عبادات کے لیے بنیادی شرط ہے جس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔
رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوۃُ وَمِفْتَاحُ الصَّلٰوۃِ الطُّھُوْر۔ (رواہ احمد)
(ترجمہ) جنت کی کنجی طہارت ہے۔ طہارت کا لغوی معنیٰ نظافت ہے۔

طہارت کی اقسام: شریعت مطہرہ میں طہارت کی دو قسمیں ہیں: ● حدث سے طہارت حاصل کرنا۔ اسے "طہارت حکمیہ" بھی کہا جاتا ہے۔ ● نجاست سے طہارت حاصل کرنا۔ اسے "طہارت حقیقیہ" بھی کہا جاتا ہے (نجاستوں سے پاکی حاصل کرنے کے احکام آگے آرہے ہیں)

(۱) "حدث سے طہارت" (طہارت حکمیہ) کی دو قسمیں ہیں: (۱) حدث اکبر سے طہارت: حدث اکبر سے طہارت صرف

غسل کے ذریعے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اگر پانی کا استعمال کسی مجبوری کی وجہ سے ممکن نہ ہو تو شریعت کی طرف سے تیمم کی بھی اجازت ہے۔ حدث اکبر درج ذیل صورتوں میں لاحق ہوتا ہے: (۱) آدمی کا جنبی ہونا۔ (جنبی ہونے کی تفصیل آگے آرہی ہے) (۲) عورت کا ماہواری خون کا آنا۔ (۳) عورت کو ولادت کا خون آنا۔

نوٹ: "حَدَث" یعنی بے وضو یا غسل فرض ہونے کی حالت میں جو ناپاکی انسان پر طاری ہوتی ہے وہ بظاہر لگی ہوئی نہیں ہوتی اس ناپاکی کو محض شریعت کے حکم کی وجہ سے تسلیم کیا گیا ہے لہٰذا اسے "حکمیہ" کہا جاتا ہے۔ (ان تینوں قسموں کی تفصیل آگے آرہی ہے)

(۲) حَدَث اصغر سے طہارت: وضو توڑنے والی اشیاء میں سے کوئی چیز پائی جائے تو "حَدَث اصغر" لاحق ہوتا ہے اور حدث اصغر سے طہارت وضو سے حاصل ہوتی ہے اس صورت میں بھی اگر کسی مجبوری کی وجہ سے پانی کا استعمال مشکل ہو تو پھر تیمم کرنے سے بھی طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔

(۲) "نجاست سے طہارت" (نجاستِ حقیقیہ) یعنی نجاست سے طہارت حاصل کرنے کے لیے خود نجاست کا دور کرنا ضروری ہے خواہ وہ پانی کے ذریعے ہو یا پاک مٹی کے ذریعے، پتھر ہو یا ٹشو پیپر۔ یا کھال وغیرہ کی دباغت (یعنی دھوپ، نمک یا کیمیکلز کے ذریعے کھال کی نجس رطوبات کو زائل کرنا) کے ذریعے ہو۔ چونکہ اس نجاست کا انسانی بدن یا دوسری اشیاء پر لگنا آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ اس لیے اس نجاسب کو "حقیقیہ" کہا جاتا ہے۔

پانی کی اقسام

چونکہ طہارت حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ پانی ہے لہٰذا اب پانیوں کی اقسام اور ان سے طہارت حاصل کرنے سے متعلق شرعی احکام لکھے جاتے ہیں: اپنی ذات اور حقیقت کے اعتبار سے پانی کی دو قسمیں ہیں: (۱) ماء مطلق۔ (۲) ماء مقیّد۔

(۱) ماء مطلق: لفظ "پانی" بولنے کی صورت میں جس چیز کی طرف عام لوگوں کا دھیان جائے وہ "ماء مطلق" کہلاتا ہے۔

ماء مطلق کی درج ذیل اقسام ہیں: (الف) آسمانی پانی۔ (جو بارش کی صورت میں برستا ہے) (ب) سمندر کا پانی۔ (ج) دریا کا پانی۔ (د) کنویں کا پانی۔ (ہ) چشمے کا پانی۔ (و) برف کا پانی (خواہ وہ برف آسمانی ہو جو ٹھنڈے علاقوں میں جمتی ہے یا وہ مصنوعی ہو جو فریزر وغیرہ کے ذریعے سے بنائی جاتی ہے۔ (ز) اولوں کا پانی۔ (ح) بورنگ (نل وغیرہ) کا پانی۔ (۲) ماء مقیّد: اگر لفظ پانی بولنے سے لوگوں کا دھیان اس طرف نہ جائے تو اسے "ماء مقیّد کہتے ہیں۔ اس کی مثال جیسے وہ پانی جو درختوں، سبزیوں یا پھلوں سے خود بخود نکلے یا نکالا جائے۔ جیسے انگور کا جوس، گاجر کا جوس یا عرقِ گلاب یا ناریل کا پانی وغیرہ۔

اس کا حکم یہ ہے کہ یہ پانی اگرچہ طاہر (خود پاک) ہوتا ہے مگر مطہر (دوسری اشیاء کو پاک کرنے والا) نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس سے "طہارتِ حکمیہ" وضو یا غسل کرنا جائز نہیں ہے البتہ اس پانی سے اگر ممکن ہو تو "نجاست حقیقیہ" دور کرنا درست ہے۔

حکم کے اعتبار سے پانی کی قسمیں: حکم کے اعتبار سے "ماء مطلق" کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) طاہر مطہر غیر مکروہ: ایسا پانی جو پاک بھی ہو اور دوسروں کو بھی پاک کردے اور مکروہ نہ ہو جیسے عام طور پر ماء مطلق یہ پاک ہوتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے ہر قسم کی طہارت حاصل کرنا جائز ہے۔ خواہ نجاستِ حکمیہ ہو یا حقیقیہ۔ (۲) طاہر مطہر مکروہ: ایسا پانی جو بذاتِ خود تو پاک ہو اور دوسروں کو بھی پاک کردے لیکن اس کے استعمال میں کراہت ہو جیسے بلی کا جھوٹا، سباع الطیر (ایسے پرندے جو درندوں کی طرح اپنے پنجوں سے چیر پھاڑ کر کھاتے ہیں) کا جھوٹا، سانپ اور چوہے کا جھوٹا وغیرہ۔

ایسے پانی کا حکم یہ ہے کہ ماء مطلق کی پہلی قسم (طاہر مطہر غیر مکروہ) کی موجودگی کی صورت میں وضو اور غسل میں اس کا استعمال

مکروہِ تنزیہی ہے اگر پہلی قسم کا پانی موجود نہ ہو تو اس کا استعمال جائز ہے۔ یہ یاد رہے کہ اگر بلی نے تازہ چوہا کھایا ہو اور اس کے منہ سے خون ٹپک رہا ہو یا مرغی کی چونچ پر نجاست لگی ہوئی ہو تو ایسی صورت میں ان کا جھوٹا پانی نجس (ناپاک) ہوتا ہے جس کا حکم پانچویں نمبر پر آ رہا ہے۔

(۳) طاہر مشکوک : یعنی ایسا پانی جو بذات خود پاک ہو لیکن شرعی دلائل کی روشنی میں اس کے مطہر ہونے میں شک ہو کہ آیا اس سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں جیسے گدھے یا خچر کا جھوٹا پانی۔ ایسے پانی کا حکم یہ کہ اگر ماء مطلق کی پہلی قسم (طاہر مطہر غیر مکروہ) موجود ہے تو اس سے طہارت حاصل کرنا درست نہیں ہے اگر اس کے علاوہ کوئی پانی موجود نہ ہو تو اس پانی سے وضو بھی کر لے اور تیمم بھی خواہ وضو پہلے کرے اور تیمم بعد میں یا تیمم پہلے کرے اور وضو بعد میں۔ (۴) طاہر غیر مطہر : ایسا پانی جو بذات خود پاک ہو لیکن اس سے طہارت حاصل کرنا جائز نہ ہو۔ جیسے ماء مستعمل (استعمال شدہ پانی)

ماء مستعمل کی تعریف : ہر وہ پانی جسے حدث دور کرنے کے لیے وضو یا غسل میں استعمال کیا گیا ہو یا عبادت کے طور پر استعمال کیا گیا ہو جیسے وضو کے ہوتے ہوئے ثواب حاصل کرنے کے لیے وضو کرنا۔

چنانچہ اگر کسی نے وضو یا غسل محض ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے یا بچوں کو وضو یا غسل سکھانے کے لیے کیا تو اس میں خرچ ہونے والے پانی کو "ماء مستعمل" نہیں کہتے بلکہ یہ بدستور پانی کی پہلی قسم میں داخل ہے اور طاہر اور مطہر ہے۔

نوٹ : یاد رہے جس وقت پانی وضو کرنے والے یا غسل کرنے والے شخص کے جسم سے جدا ہوتا ہے اسی آن میں وہ مستعمل ہو جاتا ہے۔

ماء مستعمل کا حکم : ماء مستعمل کا حکم یہ ہے کہ یہ پانی بذات خود پاک ہوتا ہے لہٰذا بدن یا کپڑے یا کسی جگہ مستعمل پانی کے لگنے کی حالت میں نماز ہو جاتی ہے۔ مگر اس سے وضو یا غسل کی طہارت حاصل کرنا جائز نہیں۔

(۵) ماء نجس (یعنی ایسا پانی جو ناپاک ہو) : اس پانی سے کسی قسم کی طہارت حاصل نہیں ہوتی بلکہ الٹا یہ دوسری اشیاء کو بھی ناپاک بنا دیتا ہے۔ ماء نجس کی تفصیل سمجھنے کے لیے پانی کے بہاؤ یا ٹھہراؤ کے اعتبار سے ماء مطلق کی دو قسمیں سمجھنا ضروری ہے۔
پانی کے بہاؤ ٹھہراؤ کے اعتبار سے ماء مطلق کی دو قسمیں ہیں : (۱) ماء جاری (۲) ماء راکد۔

(۱) ماء جاری کی تعریف : ماء جاری کی مختلف تعریفیں بیان کی گئی ہیں: پہلی تعریف : وہ پانی جو تنکا بہا کر لے جائے۔
دوسری تعریف : وہ پانی جس سے چلو بھرنے سے دوبارہ وہ پانی ہاتھ نہ آئے۔ تیسری تعریف : وہ شخص جس نے طہارت حاصل کرنی ہے اس کے غالب گمان میں جو پانی جاری ہو۔ مثال : جیسے دریا کا پانی، چشمے کا پانی اور بہتے ہوئے نل وغیرہ کا پانی۔

ماء جاری کا حکم : جاری پانی کا حکم یہ ہے کہ یہ حکم کے اعتبار سے ماء مطلق کی پہلی قسم (طاہر، مطہر، غیر مکروہ) میں داخل ہے۔
اور اگر جاری پانی میں نجاست گر جائے اور نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو تو اس سے ہر قسم کی طہارت حاصل کرنا جائز ہے۔ لیکن اگر جاری پانی میں نجاست کا اثر ظاہر ہو تو وہ پھر پانچویں قسم ماء نجس میں داخل ہے۔ اس سے طہارت حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

ملاحظہ : ایسا بڑا حوض (الغدیر العظیم) جس کی ایک جانب سے پانی کو حرکت دینے سے دوسری جانب متحرک نہ ہو یا اس کی ایک جانب نجاست گرنے سے دوسری جانب نجاست کا اثر ظاہر نہ ہوتا ہو تو ایسے بڑے حوض کا پانی اگرچہ دیکھنے میں جاری نہیں ہوتا بلکہ ٹھہرا ہوا ہوتا ہے وہ بھی جاری پانی کے حکم میں ہے چنانچہ نجاست کے گرنے سے وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ ہاں اگر نجاست کا اثر ظاہر ہو جائے تو پھر ناپاک ہو جاتا ہے۔

ایسے بڑے حوض کا طول وعرض میں سوذراع ۲۲۵ فٹ = ۹۰۰۹ء۲۰ میٹر اور گول حوض کا قطر ۹۳ء۱۶ فٹ ۱۶ء۵ میٹر ہونا ضروری ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴۵_۲)

اور گہرائی اتنی ہو کہ چلو بھرنے سے زمین کی تہہ ننگی نہ ہوتی ہو۔

(۲) ماء راکد کی تعریف: ہر وہ پانی جو ٹھہرا ہوا ہو اور مقدار میں بڑے حوض (جس کی تفصیل اوپر آچکی ہے) سے چھوٹا ہو۔

ایسے پانی میں کوئی نجاست ملی ہوئی نہ ہو تو وہ حکم کے اعتبار سے پہلی قسم (طاہر، مطہر، غیر مکروہ) میں داخل ہے۔ اگر اس میں نجاست ملی ہوئی ہو خواہ اس کا اثر پانی میں ظاہر ہو یا نہ ہو خواہ وہ نجاست تھوڑی ہو یا زیادہ ہو وہ پانی نجس (ناپاک) ہے اس سے کسی قسم کی طہارت حاصل کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ایسا پانی کسی پاک چیز میں مل جائے تو اسے بھی ناپاک کر دیتا ہے۔

متفرقات

● اگر ماء مطلق میں کوئی خوشبو مل جائے تو وہ پانی بدستور پاک رہتا ہے خواہ وہ خوشبو کتنی تیز کیوں نہ ہو۔ (امداد الفتاویٰ۔ص ۹۲)

● پانی کی وہ اقسام جو مطہر نہیں ہیں مگر بذات خود طاہر ہیں ان سے نجاستِ حکمیہ (حدث اصغر وحدث اکبر) تو ختم نہیں ہوسکتی۔ البتہ نجاست حقیقیہ وغیرہ دھوڈالنے سے طہارتِ حقیقیہ حاصل ہو جاتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ۔ص ۴۰)

● شریعت مطہرہ کا اصول ہے کہ ''الأصل في الاشياء الطهارة'' یعنی تمام اشیاء میں اصل طہارت ہے۔ لہٰذا جب تک کسی چیز کے نجس ہونے کا غالب گمان نہ ہو تو اس پانی کو پاک سمجھیں گے۔ اس سے ہر قسم کی طہارت حاصل کرنا جائز ہے۔

(امداد الفتاوی۔۳۲)

● پاک ہونا اور چیز ہے اور صاف ہونا اور چیز ہے۔ کوئی چیز صاف ہوتے ہوئے بھی ناپاک ہوسکتی ہے۔ جیسے چھوٹے حوض میں پیشاب کا قطرہ گر جانا اور کوئی چیز پاک ہوتے ہوئے میلی اور گندی بھی ہوسکتی ہے۔ جیسے سیلاب کا پانی یا صابن ملا پانی۔

● پاک ہونا اور چیز ہے اور حلال ہونا اور چیز ہے۔ کوئی چیز پاک ہوتے ہوئے بھی حرام ہوسکتی ہے جیسے بلی یا کتے وغیرہ کی جلد پاک ہوتی ہے (بشرطیکہ کوئی ظاہری نجاست نہ لگی ہو) مگر اس کا گوشت حرام ہے۔ اسی طرح مٹی بھی اس کی واضح مثال ہے۔

ماء مقید کی تعریف اور احکام: (پانی میں پاک شی مل جائے تو اس سے طہارت کا حکم)

ماء مقید کی تعریف اور احکام سمجھنے سے پہلے دو باتیں سمجھنا ضروری ہے: (۱) پانی کی طبعیت کیا ہے (۲) پانی کے اوصاف کیا ہیں۔

(۱) طبع الماء (پانی کی طبعیت): پانی کی طبعیت سے مراد اس کی وہ خصوصیات ہیں جن کے موجود ہوتے ہوئے اس کو پانی کہا جائے اور اگر ان میں سے کوئی خصوصیت ختم ہو جائے تو اسے پانی سے نہ پکارا جائے۔

پانی کی طبعیت میں دو چیزیں داخل ہیں: (۱) رقۃ (پتلا ہونا) (۲) سَیلان (بہنا)

چنانچہ اگر کوئی پانی ایسا ہو کسی وجہ سے اس کی رقت (پتلا ہونا) یا سیلان (بہنا) ختم ہو جائے تو پھر اسے ''پانی'' نہیں کہتے۔

مثال: کسی نے پانی میں چینی ملا کر آگ پر پکایا ہو جس کی وجہ سے وہ گاڑھا ہو گیا تو چونکہ چینی کی وجہ سے اس کی رقت اور سیلان ختم ہو جاتی ہے۔ اب اسے ''شیرہ'' کہتے ہیں اسے کوئی شخص پانی کہنے کو تیار نہیں اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ چینی ملنے کی وجہ سے اس کی طبعیت ختم ہو چکی ہے اور ماء مقید بن چکا ہے۔ یخنی، شوربہ یا شرابیں بھی اس کی مثال ہیں۔

(۲) پانی کے اوصاف: پانی کے تین اوصاف ہیں: (۱) لون (اس کا رنگ) (۲) طَعم (اسکا ذائقہ) (۳) رائحہ (اس کی بو)

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں "ماء مقید" اس پانی کو کہا جاتا ہے کسی وجہ سے جس کی طبعیت (رقت اور سیلان) دو طرح ختم ہو سکتی ہے۔

(۱) اس کو پکانے کے ذریعے سے (جیسے شوربہ، یخنی، شیرہ، قہوہ وغیرہ) (۲) اس پر کوئی دوسری چیز غالب آجائے۔

دوسری چیز کے غالب آنے میں تفصیل یہ ہے: وہ دوسری چیز جو پانی کے ساتھ ملے گی وہ یا تو جامدات (یعنی ٹھوس چیزیں پھل پتے وغیرہ) میں سے ہوگی یا مائعات (بہنے والی چیزیں دودھ، سرکہ وغیرہ) میں سے ہوگی۔

● اگر وہ جامدات میں سے ہے اور وہ ماء مطلق کے ساتھ اس طرح ملی ہے کہ اس پر غالب نہیں ہوئی یعنی اس کی رقت اور سیلان کو ختم نہیں کیا تو ایسا پانی ماء مطلق کی پہلی قسم طاہر مطہر غیر مکروہ میں داخل ہے۔ اس سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے۔ اگرچہ پانی کے تین اوصاف (رنگ، مزہ اور بو) تبدیل ہو جائیں جیسے پانی کے اندر صابن، مٹی، آٹا یا زعفران کا مل جانا۔ ہاں! اگر وہ پاک چیز پانی پر اس طرح غالب آجائے کہ اس کی رقت (پتلا ہو جانا) اور سیلان (بہہ جانا) ختم کر دے تو وہ چیز طاہر تو ہے مگر مطہر نہیں ہے۔

● اگر وہ چیز مائعات (بہنے والی اشیاء) میں سے ہے تو وہ تین طرح کی ہو سکتی ہے: (۱) تین اوصاف والی (۲) دو اوصاف والی (۳) اس کا کوئی وصف نہیں ہے۔

تفصیل: (۱) اگر وہ چیز ایسی ہے جس میں پانی کی طرح تینوں اوصاف پائے جاتے ہوں جیسے الخل (سرکہ کہ اس میں رنگ، بو اور ذائقہ تینوں اوصاف ہوتے ہیں) اور وہ پانی کے ساتھ مل جائے اور اس کے دو وصف پانی پر ظاہر ہو جائیں تو پانی مغلوب ہو جائے گا اور وہ شے غالب۔ اس صورت میں وہ شے طاہر تو ہے مگر مطہر نہیں ہے۔ اس سے طہارت حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر صرف ایک ہی وصف ظاہر ہو تو چونکہ اب اوصاف میں ماء مطلق کا پلہ بھاری ہے لہٰذا ماء مطلق کی پہلی قسم میں داخل ہو کر طاہر اور مطہر سمجھا جائے گا۔

(۲) اگر وہ پانی کے ساتھ ملنے والی چیز دو اوصاف والی ہے جیسے دودھ کیونکہ اس میں رنگ اور ذائقہ ہوتا ہے مگر بو نہیں ہوتی۔ چنانچہ اگر ایسی چیز مل جائے اور اس کا ایک وصف بھی پانی پر ظاہر ہو جائے۔ مثلاً اس کا رنگ یا اس کا ذائقہ پانی کے رنگ اور ذائقہ کو مغلوب کر دے تو یہ چیز خود طاہر ہے مگر مطہر نہیں ہے۔

(۳) اگر وہ ملنے والی چیز ایسی ہے جس کا کوئی وصف پانی سے مختلف نہ ہو (جیسے ماء مستعمل کیونکہ یہ اپنے تینوں اوصاف میں ماء مطلق کی طرح ہوتا ہے) تو اب غلبہ کے لیے وزن اور مقدار کو دیکھا جائے گا۔ جو چیز وزن اور مقدار میں زیادہ ہوگی اس کا حکم بھی وہی ہوگا۔ اگر تین لیٹر پانی میں ایک لیٹر ماء مستعمل اور دو لیٹر ماء مطلق ہو تو چونکہ مقدار میں زیادہ ماء مطلق ہے لہٰذا وہ طاہر مطہر غیر مکروہ ہے۔ اگر تین لیٹر پانی میں ایک لیٹر ماء مطلق اور دو لیٹر ماء مستعمل ہو تو چونکہ مقدار میں زیادہ ماء مستعمل ہے لہٰذا وہ طاہر غیر مطہر ہوگا اس سے طہارت حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

● اور اگر دیر تک پانی کے کھڑے رہنے کی وجہ سے اس کے تینوں اوصاف رنگ، بو اور ذائقہ تبدیل ہو جائیں تب بھی وہ پانی طاہر اور مطہر ہے۔ ● اگر پانی میں کوئی ایسی چیز مل جائے جس سے پانی کو بچانا عموماً دشوار ہوتا ہے تو وہ پانی بھی طاہر اور مطہر ہے۔ جیسے نہری پانی میں زمین کے اجزاء شامل ہو کر پانی کو گدلا اور مٹیالا کر دیتے ہیں اور پھل، درختوں کے پتے اور کائی (جسے عربی میں طحلب کہتے ہیں)

● اسی طرح پانی میں اگر ایسی پاک چیز ملائی جائے جسے نظافت اور صفائی میں بہتری پیدا کرنا مقصود ہو تو اس سے بھی پانی بدستور طاہر اور مطہر رہتا ہے۔ جیسے پرانے زمانے میں بیری کے پتے ملائے جاتے تھے اور اب صابن، سرف، شیمپو یا وغیرہ ملایا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام: ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ماء مقید بننے کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ لفظ پانی بولنے سے لوگوں کا دیہان اس طرف نہ جائے۔ اور یہ خصوصیت تین صورتوں میں سے کسی صورت میں سے پائی جاسکتی ہے۔

(۱) اپنی ذات میں ہی وہ چیز ایسی ہو کہ پانی کے لفظ بولنے سے دیہان اس طرف نہ جائے۔ جیسے پھلوں اور سبزیوں کے جوس، درختوں کا پانی، عرق گلاب وغیرہ۔ (۲) اپنی ذات میں تو وہ ماء مطلق تھا مگر کسی پاک چیز کے ساتھ پکانے کی وجہ سے یہ خصوصیت ختم ہوگئی۔ جیسے یخنی، شوربہ اور شیرہ وغیرہ۔ (۳) اپنی ذات میں تو وہ ماء مطلق تھا مگر دوسری پاک چیز اس طرح مخلوط ہوئی کہ اس پر غالب آگئی اور غلبہ کی وجہ سے اس کی یہ خصوصیت ختم ہوگی کہ اب لفظ پانی بولنے سے دیہان اس کی طرف نہیں جاتا (غلبہ کی تفصیل بیان ہوچکی ہے)

ماء مقید کی ان تینوں صورتوں میں اگر نجاستِ حقیقیہ زائل کرنا ممکن ہو تو نجاست صاف کی جاسکتی ہے لیکن نجاست حکمیہ سے طہارت حاصل نہیں ہوتی۔ البتہ تیسری صورت میں اگر دوسری پاک چیز مخلوط ہو لیکن اسے غلبہ حاصل نہ ہو تو اس صورت میں طہارتِ حکمیہ (ازالہ حدث) بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ کیونکہ غلبہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ پانی بدستور ماء مطلق کی صف میں شامل ہے۔

جھوٹے پانی کے احکام

پہلے چند ضابطے اور اصول سمجھ لیں : ● ہر وہ جانور جس کا لعاب نجس ہے۔ اس کا جھوٹا بھی نجس ہے اور جس کا لعاب پاک ہے اس کا جھوٹا بھی پاک ہے اور جس کا لعاب مکروہ ہے اس کا جھوٹا بھی مکروہ ہے۔ ● ہر وہ جانور جس کا گوشت کھانا حرام ہے اس کا لعاب نجس ہے۔ جس کا گوشت کھانا حلال ہے اس کا لعاب بھی پاک ہے۔ ● ہر وہ جانور جس کا جھوٹا ناپاک ہے اس کا پسینہ بھی ناپاک ہے اور جس کا جھوٹا پاک ہے اس کا پسینہ بھی پاک ہے (چند جانوروں کے احکام اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں جیسے بلی اور گدھا کے احکام آگے آرہے ہیں) (عالمگیریہ۔ص ۲۳ ج ۱)

اب اصل مسائل کی طرف آتے ہیں :

جھوٹے پانی کی تعریف : ایسا پانی جو آدمی یا جانور کے پینے کے بعد برتن وغیرہ میں بچ جائے ''جھوٹا پانی'' کہلاتا ہے۔

اوپر ذکر کردہ اصول اور ضوابط کی روشنی میں جانور کے بدلنے سے اس کے جھوٹے کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔ جس کی تفصیل نمبر وار ذکر کی جاتی ہے: (۱) پاک (طاہر مطہر) آدمی کا جھوٹا پاک ہے خواہ مرد ہو یا عورت، کافر ہو یا مسلم، ناپاک (جنبی، حائضہ وغیرہ) ہو یا پاک۔ ہاں اگر اس کے منہ میں نجاست (جیسے شراب) لگی ہو تو اس کا جھوٹا ناپاک ہے۔

نوٹ : عورت کا جھوٹا اجنبی مرد کے لیے مکروہ ہے۔ وہ اس وجہ سے مکروہ نہیں کہ عورت کا جھوٹا ناپاک ہے بلکہ اس وجہ سے مکروہ ہے کہ غیر آدمی پیئے گا تو اس کے دل میں ناپاک خیالات پیدا ہوں گے۔ اسی طرح عورت کے لیے اجنبی مرد کا جھوٹا پانی پینا مکروہ ہے۔ (عالمگیریہ۔ص ۲۳ ج ۱)

اسی طرح گھوڑے کا جھوٹا بھی بغیر کسی کراہت کے پاک ہے۔ ہر وہ جانور جس کا گوشت کھانا حلال ہے (جیسے گائے، بکری، اونٹ، چڑیا، مینا اور طوطا وغیرہ) ان کا جھوٹا بھی پاک ہے۔

(۲) طاہر مطہر مکروہ : (الف) بلی کا جھوٹا طاہر ہے مگر اس کا طہارت میں استعمال مکروہ تنزیہی ہے۔ بشرطیکہ اس کے منہ میں کوئی نجاست نہ لگی ہو۔ اگر اس کے منہ میں نجاست لگی ہو تو اس کا جھوٹا ناپاک ہے۔ آزاد مرغی کا جھوٹا بھی مکروہ ہے کیونکہ اسے بھی گندگی میں چونچ مارنے کی عادت ہوتی ہے۔

(ب) سباع الطیر (ایسے پرندے جو پنجے سے شکار کرتے ہیں) کا جھوٹا بھی مکروہ ہے۔اس کے جھوٹے کا استعمال طہارت میں مکروہ تنزیہی ہے۔(ج) وہ جانور جو عموماً گھروں میں رہتے ہیں ان کا جھوٹا بھی طاہر مطہر مکروہ ہے۔ جیسے چوہا، سانپ وغیرہ۔

(۳) طاہر مشکوک: خچر اور گدھے کا جھوٹا پاک ہے، مگر اس کے مطہر ہونے میں شک ہے۔ لہٰذا اگر کوئی اور پانی موجود ہو تو اسے طہارت میں استعمال نہ کرے۔ہاں! اگر کوئی اور پانی موجود نہ ہو تو اس سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی۔

(۴) نجس: تمام درندوں (جیسے خنزیر، کتا، شیر، چیتا، ہاتھی وغیرہ) کا جھوٹا ناپاک ہے اس سے طہارت حاصل کرنا ناجائز ہے۔اسی طرح بلی نے اگر تازہ چوہا کھایا ہو اور اس کے منہ میں خون لگا ہوا ہو یا مرغی کی چونچ پر نجاست لگی ہوئی ہو یا آدمی نے تازہ شراب پی ہوئی ہو اور اسی حالت میں یہ پانی میں منہ ڈال دے تو اس کا جھوٹا بھی نجس ہو جاتا ہے۔

ملاحظہ: ایسا جانور جس کا بہنے والا خون نہ ہو خواہ وہ خشکی کا جانور ہو یا پانی کا۔اس کا جھوٹا پاک ہے۔ جیسے چھپکلی، مینڈک، پانی کا سانپ وغیرہ۔مگر ضرر کے اندیشے سے ان کے جھوٹے کا استعمال مناسب نہیں۔

کنویں کے احکام: کنویں میں گرنے والی چیز دو طرح کی ہو سکتی ہے یا وہ کوئی جاندار ہوگی یا نجاست اگر وہ جاندار ہے تو پھر اس کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں یا اسے کنویں سے زندہ نکال لیا گیا ہوگا یا وہ کنویں میں گر کر مر جائے گا اگر اس جاندار کو کنویں میں سے زندہ نکال لیا گیا تو کنویں کے پانی پر کوئی حکم لگانے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کنویں میں گرنے والی چیز کس قسم کی ہے۔

● اگر وہ ایسا جاندار ہے جو خود بھی پاک ہو اور اس کا لعاب دہن بھی پاک ہوتا ہے تو اس جانور کے گرنے سے وہ کنواں ناپاک نہیں ہوگا جیسے انسان اور وہ جانور جس کا گوشت کھانا حلال ہے (مثلاً گائے، بکری، اونٹ یا حلال پرندے وغیرہ)

لیکن شرط یہ ہے کہ ان کے جسم پر کوئی اور ظاہری نجاست (خون، پیپ، پیشاب وغیرہ) نہ لگی ہو ورنہ اس نجاست کے ملنے کی وجہ سے کنواں ناپاک ہو جائے گا۔● اور اگر کوئی ایسا جانور ہے کہ اس کی جلد خود تو پاک ہوتی ہے مگر اس کا لعاب نجس ہوتا ہے (جیسے شیر، چیتا، کتا، اور تمام چیر پھاڑ کرنے والے درندے) تو اس کے گرنے سے بھی کنواں ناپاک ہو جائے گا بشرطیکہ پانی میں اس جانور کا منہ ڈوب جائے اور کنواں پاک کرنے کے لیے تمام پانی کا نکالنا واجب ہے کیونکہ لعاب ملنے سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے۔

● اگر وہ کنواں جاری ہے کہ پانی نکالنے سے اس کا پانی ختم ہی نہیں ہوتا زمین کی سوتوں سے برابر پانی نکلتا رہے تو اب فقہائے کرام کے فرمان کے مطابق شہر کے درمیانے ڈول کو معیار بناتے ہوئے ۲۰۰ سے لے کر ۳۰۰ تک ڈول نکالنا واجب ہے۔

● اگر وہ جانور بذات خود نجس العین ہے جیسے خنزیر تو اس کے گرنے سے بھی کنواں ناپاک ہو جائے گا۔خواہ اس کا لعاب پانی میں ملے یا نہ ملے۔● اور اگر جانور ایسا ہے جس کا جھوٹا مشکوک ہوتا ہے (جیسا کہ گدھا اور خچر) اور اس کا لعاب پانی میں مل جائے تو اس کے جھوٹے پانی کی طرح کنویں کا پانی بھی مشکوک ہو جائے گا۔● اور اگر گرنے والا جانور ایسا ہے جس کا جھوٹا مکروہ ہوتا ہے جیسے بلی، سباع الطیر (باز، شکرا، گدھ وغیرہ اور آزاد مرغی، سانپ، چوہا وغیرہ) اور ان کے جسم پر نجاست وغیرہ نہیں تھی تو ان کے گرنے سے کنویں کا پانی بھی مکروہ ہو جائے گا۔

یہ تھی تفصیل جانور کو زندہ نکالنے کے بارے میں لیکن اگر وہ جانور کنویں میں گر کر مر جائے تو اب حکم شرعی کی تفصیل یہ ہے کہ دیکھا جائے گا کہ مرنے والا جانور کیسا ہے یا تو ایسا جانور ہوگا جس میں بہنے والا خون نہیں ہے یا وہ ایسا جانور جس میں بہنے والا خون ہوتا ہے: اگر وہ ایسا جانور ہے کہ جس میں بہنے والا خون نہیں ہوتا (جیسے چھپکلی، مچھر، مکھی، بھڑ، بچھو، پسو کھٹمل، لال بیگ وغیرہ) ان کے گر کر مر جانے سے بھی کنواں ناپاک نہیں ہوتا۔

اور اگر ایسا جانور ہے جس میں بہنے والا خون ہوتا تو پھر اس کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) یا تو وہ جانور گر کر مرنے کے بعد پھول یا پھٹ چکا ہو۔ اگر وہ جانور مر کر پھول یا پھٹ چکا ہو تب بھی وہ ناپاک ہو جائے گا کنویں کا سارا پانی نکالنا واجب ہے۔ خواہ وہ جانور چھوٹا ہو (جیسے چوہا) یا بڑا ہو (جیسے آدمی، بیل، بکری وغیرہ)

(۲) اور اگر وہ جانور گر کر مر تو گیا ہے مگر ابھی پھولا یا پھٹا نہیں ہے کنویں کے پانی کی طہارت کا حکم معلوم کرنے کے لیے جانور کی طرف دیکھنا ضروری ہے چنانچہ :(الف) اگر وہ جانور بڑا ہے (جیسے آدمی، کتا، بکری وغیرہ) یا ان کے قریب قریب یا ان سے بڑا جانور تو اب کنویں کو پاک کرنے کے لیے سارا پانی نکالنا ضروری ہے اگر سارا پانی کسی وجہ سے نکالنا ممکن نہ ہو تو کم از کم دو سو (۲۰۰) درمیان درجے کے ڈول نکالنا واجب ہے اور تین سو (۳۰۰) نکالنا مستحب ہے۔ (ب) اور اگر وہ جانور درمیانے درجے کا ہے جیسے بلی وغیرہ تو اب کنواں پاک کرنے کے لیے چالیس ڈول سے پچاس ڈول تک نکالنا ضروری ہے۔ چالیس ڈول واجب ہے اور پچاس نکالنا مستحب ہے۔ (ج) اور اگر وہ جانور چھوٹا ہے جیسے چڑیا، طوطا، مینا، چوہا وغیرہ تو اب کنویں کی پاکی کے لیے کم از کم بیس (۲۰) ڈول نکالنا ضروری ہے۔ تیس (۳۰) نکالنا مستحب ہے۔

اب تک جانور کے گرنے کی تفصیل بیان ہو رہی تھی اب ہم اس بات کی طرف آتے ہیں جس سے گفتگو شروع کی تھی کہ اگر وہ گرنے والی چیز نجاست ہے تو پھر کیا حکم ہے۔ چنانچہ اگر وہ گرنے والی چیز نجاست ہے تو وہ نجاست تین طرح کی ہو سکتی ہے۔

(۱) اگر وہ نجاست ایسی ہے جو پانی میں گرتے ہی اس میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ اپنا کوئی وجود باقی نہیں رکھتی۔ تو ایسی نجاست کے گرنے سے کنواں ناپاک ہو جائے گا خواہ وہ ایک ہی قطرہ کیوں نہ ہو (جیسے خون، پیشاب، پیپ، شراب وغیرہ) (۲) اگر وہ نجاست ایسی ہے جو پانی میں گرتے ہی تحلیل نہیں ہوتی اور اس کا اپنا وجود باقی رہتا ہے تو اگر وہ ایسی نجاست ہے جس کے نرم ہونے کی وجہ سے اجزاء میں تحلیل ہوتا ہے کہ پانی اس میں جذب ہو جاتا ہے (جیسے پاخانہ، مرغی یا بطخ کی بیٹ) ان کے پانی میں حل جانے کی وجہ سے چونکہ نجاست کے اجزاء پانی کے اجزاء میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اس کی وجہ سے بھی ناپاک ہو جائے گا خواہ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ، نجاست خشک ہو یا تر۔

اگر وہ نجاست سخت ہے (جیسے اونٹ اور بکری کی مینگنی) اگر یہ تھوڑی مقدار میں ہے تو پانی نجس نہیں ہوگا اور اگر زیادہ مقدار میں ہے تو پانی نجس ہو جائے گا۔ زیادہ یا کم ہونے کا معیار یہ ہے کہ جس کو دیکھنے والا زیادہ سمجھے وہ زیادہ ہوگی۔ اور جس کو دیکھنے والا کم سمجھے وہ کم ہوگی۔ اور یہ معیار بھی ہے کہ ہر ڈول میں کوئی نہ کوئی مینگنی آجائے تو وہ زیادہ سمجھی جائیں گی۔ (۳) اگر کنویں میں کبوتر یا چڑیا وغیرہ کی بیٹ گر جائے تو اس سے کنواں ناپاک نہیں ہوگا۔

ٹینکی کی تطہیر کا طریقہ: ہر وہ چیز جس کے گرنے سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے انہی اشیاء کے گرنے سے ٹینکی بھی ناپاک ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل صورتوں میں کنواں ناپاک ہو جاتا ہے:(۱) نجاست (پیشاب، پاخانہ، خون، شراب) گر جائے۔

(۲) ایسا جانور گر جائے جس کا لعاب نجس ہوتا (جیسے درندے) اور اس کا منہ بھی پانی میں ڈوب جائے۔

(۳) ایسا جانور جس کے اندر بہنے والا خون ہوتا ہے، جبکہ وہ گر کر مر جائے اور پھول کر پھٹ جائے۔

اسی طرح اگر یہی صورتیں زمین دوز یا چھت کی اوپر والی ٹینکی میں پیش آئیں، تو بھی پانی ناپاک ہو جاتا ہے، اور کنویں کی طرح اس ٹینکی کو پاک کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ٹینکی خواہ چھت کے اوپر ہو یا زمین دوز اگر ناپاک ہو جائے تو پاک کرنے کا آسان طریقہ ہے کہ ٹینکی کے پانی کو (جو ماء راکد کے حکم میں ہوتا ہے) کسی طرح جاری کر دیا جائے۔ ماء جاری ہوتے ہی یہ ٹینکی پاک ہو جائے گی۔

ٹینکی کی پانی کو جاری کرنے کی صورت یہ ہے کہ ایک طرف موٹر چلادی جائے جس سے پانی ٹینکی میں داخل ہونا شروع ہوجائے اور دوسری طرف سے ٹینکی سے نکلنے والے پائپ کا کوئی سائل (ٹونٹی) کھول دیا جائے۔ پانی کے دخول وخروج کی اس ترکیب سے یہ پانی ماء جاری کے حکم میں داخل ہو کر پاک ہوجائے گا۔ ٹینکی کے پاک ہوتے ہی (کنویں کی دیواروں، ڈول اور رسی کی طرح) اس سے ملنے والی تمام پائپ لائنیں اور نل پاک ہوجائیں گے۔

متفرقات

● کنویں کے پانی کے ناپاک ہونے کی صورت میں جب پانی کی اتنی مقدار نکال لی جائے جتنا نکالنا پانی کو پاک کرنے کے لیے ضروری ہے تو کنواں پاک ہوجائے گا۔ کنویں کے اندر کے کنکر اور دیوار وغیرہ دھونا ضروری نہیں وہ خود ہی پاک ہوجائیں گی۔ اور اسی طرح ڈول اور اس کی رسی بھی پاک ہوجائے گی۔

● ایسے جانور جو پانی میں رہتے ہیں وہ اگر کنویں میں مرجائیں یا خشکی میں مرنے کے بعد کنویں میں گرجائیں تو کنواں ناپاک نہیں ہوگا۔ جیسے مینڈک، مچھلی، کچھوا، کیکڑا وغیرہ وہاں اگر خشکی کے مینڈک میں خون ہو اور وہ پانی میں گر کر مرجائے تو پانی ناپاک ہوجائے گا۔ (بہشتی زیور ص ٦٠)

● جس چیز کے گرنے سے کنواں ناپاک ہوجائے اگر وہ چیز باوجود کوشش کے نہ نکل سکے تو دیکھنا چاہیے کہ وہ چیز کیسی ہے۔ اگر وہ چیز ایسی ہے کہ خود تو پاک ہوتی ہے لیکن ناپاکی لگنے سے ناپاک ہوگی۔ جیسے ناپاک کپڑا، ناپاک گیند اور ناپاک جوتا۔ تب تو اس کا نکالنا معاف ہے ویسے ہی پانی نکال دیں لیکن اگر وہ چیز ایسی ہے کہ خود ناپاک ہے جیسے مردہ جانور، چوہا وغیرہ تو جب تک یہ یقین نہ ہوجائے کہ یہ گل سڑ کے مٹی ہوگئی ہے تو اس وقت تک کنواں پاک نہیں ہوسکتا۔ اور جب یہ یقین ہوجائے اس وقت سارا پانی نکال دیں تو کنواں پاک ہوجائے گا۔ (بہشتی زیور ص ٦٤)

● اگر کنویں میں کوئی جانور گر کر مرجائے اور اسی حالت میں لوگ وضو، غسل اور کپڑوں کی دھلائی میں وہ پانی استعمال کرتے رہے ہوں اور بعد میں وہ مرا ہوا جانور ملے تو اب اس پانی کے استعمال کے ساتھ پڑھی ہوئی نمازوں کا یہ حکم ہے: (الف) اگر تو جانور کے گرنے کا یقینی وقت معلوم ہوجائے تو اس وقت سے پڑھی ہوئی نمازیں لوٹائی جائیں اور دھلے ہوئے کپڑوں کو دوبارہ دھویا جائے۔

(ب) اور اگر گرنے کا یقینی وقت معلوم نہ ہو تو پھر دیکھا جائے کہ گرنے والا جانور پھولا یا پھٹا ہے یا نہیں۔ اگر جانور پھول یا پھٹ چکا ہے تو تین دن اور تین رات کی نمازیں لوٹائی جائیں۔ اور اس مدت میں دھوئے گئے کپڑوں کو دوبارہ دھویا جائے۔ اور اگر جانور ابھی تک پھولا یا پھٹا نہیں تو ایک دن اور ایک رات کی نمازوں کو لوٹایا جائے۔

معذور کا حکم

معذور کی تعریف: شریعتِ مطہرہ کی نظر میں ہر وہ شخص معذور ہے جسے ایسا کوئی عذر لاحق ہو۔ جس کے ہوتے ہوئے اس کا وضو برقرار نہیں رہتا اور اس کو پاکی کا اتنا وقت بھی نہیں ملتا کہ وہ وضو کر کے فرض نماز پڑھ سکے۔ لہٰذا اگر اسے نماز کے پورے وقت میں اتنا وقت مل جاتا ہے کہ پاکی کی حالت میں وضو کر کے صرف فرض نماز ادا کر سکتا ہے تو یہ شخص شریعت کی نظر میں معذور نہیں ہے۔

عذر کی مثالیں، مثلاً کوئی عورت ایسی ہے کہ جسے استحاضہ کا خون آتا رہتا ہے اور مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق اسے وضو اور نماز کا وقت بھی پاکی کی حالت میں نہیں ملتا، یا کسی شخص کو مسلسل نکسیر آرہی ہے کہ خون کسی طرح بند ہی نہیں ہوتا، یا کسی شخص کو مسلسل

پیشاب کے قطرے آتے رہتے ہیں یا کسی کو دائمی دست لگے ہیں۔ یا کوئی ایسا زخمی ہے کہ مسلسل اس کے زخم سے خون رستا رہتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

معذور کا حکم: اگر کوئی شخص (مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں) شریعت کی نظر میں معذور ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ نماز کے وقت آنے پر ایک دفعہ وضو کر لے۔ اور اس وضو سے اس نماز کے اندر فرض، نفل، تلاوت وغیرہ سب کچھ جائز ہے۔ ایسی حالت میں ایک دفعہ وضو کرنے سے وہ شخص باوضو ہو جائے گا۔ خواہ باقی وقت اسے مسلسل خون یا پیشاب کیوں نہ آتا رہے۔ شریعت کی نظر میں معذور ہونے کے بعد یہ چیزیں اس کے لیے ناقض وضو نہیں رہتیں۔ تاہم ان کے علاوہ کوئی دوسری ناقض وضو چیز پائی گئی اور اس چیز میں یہ معذور نہیں ہے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ جب اس نماز کا وقت ختم ہو جائے گا تو اس شخص کا وضو خود بخود ختم ہو جائے گا۔ گویا معذور کے وضو کے لیے ناقض فرض نماز کا وقت ختم ہو جانا ہے۔ پھر اگلی نماز کے وقت کے لیے وضو کر لے اور وہ وضو اگلے سارے وقت کے لیے کافی ہوگا۔

عذر کی مدت: یہ یاد رہے کہ اگر ایک وقت نماز میں کوئی شخص شرعاً معذور ہو گیا تو وہ اس وقت تک معذور سمجھا جائے گا جب تک اس پر کسی نماز کا مکمل وقت اس طرح نہ گزر جائے کہ اس میں وہ عذر لاحق نہ ہو۔ اگر کسی نماز کا مکمل وقت پاکی کی حالت میں گزر گیا تو ایسا شخص شریعت کی نظر میں معذور ہونے سے نکل جائے گا۔

یہ بھی خوب ذہن نشین رہے کہ ایک دفعہ معذور شرعی ہونے کے بعد یہ ضروری نہیں ہے کہ باقی نمازوں کے اوقات بھی مکمل طور پر اسی عذر کے ساتھ گزریں۔ ایک دفعہ معذور ہونے کے بعد اگلے وقت میں اگر ایک دفعہ بھی وہ عذر لاحق ہو گیا تب بھی وہ معذور سمجھا جائے گا۔ اس سے اگلے وقت میں پھر ایک دفعہ وہ عذر لاحق ہو گیا تب بھی شریعت کی نظر میں ابھی وہ مسلسل معذور ہے خواہ باقی وقت پاکی کی حالت میں ہی کیوں نہ گزرے۔

وضو کے تفصیلی احکام

جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: "لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةَ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ۔

(رواہ البخاری: ج:۱: ص ۱۰۳، رقم الحدیث ۱۳۵، ومسلم)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی شخص کی نماز کو اس وقت تک قبول نہیں فرماتے جب تک وہ وضو کے ساتھ نماز نہ پڑھے۔

وضو کا معنیٰ: "وضو کا لغوی معنیٰ ہے اچھی طرح پاکیزگی اور صفائی حاصل کرنا۔ اور اصطلاح شرع میں وضو اسے کہتے ہیں کہ پانی سے چہرہ، ہاتھوں اور پیروں کو دھونا اور سر کا مسح کرنا"۔

وضو کی اہمیت: "نماز وضو کے بغیر جائز نہیں اور قرآن مجید کو وضو کے بغیر چھونا جائز نہیں ہے، جو شخص ہر وقت باوضو رہتا ہے تو اس کو ہر وقت باوضو رہنے کا ثواب ملتا ہے اور اس کے درجات بلند ہوتے رہتے ہیں"۔ (وضو کے فرائض کا ذکر اوپر آچکا ہے)

وضو کے صحیح ہونے کی شرائط: وضو کے صحیح ہونے کے لیے تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ ان میں سے اگر ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو وضو صحیح نہیں ہوگا۔

(۱) جن اعضاء کو وضو میں دھونا واجب ہے ان اعضاء پر پانی بہانا، محض تر کرنا کافی نہیں۔ (۲) اعضاء پر کسی ایسی چیز کا نہ ہونا جو پانی کو کھال تک پہنچنے نہ دے مثلاً ناخن وغیرہ پر آٹا، ناخن پالش، موم بتی یا پینٹ وغیرہ کا لگا ہونا۔ (۳) جن چیزوں سے وضو باطل ہوتا ہے ان کا نہ پایا جانا۔ اگر دوران وضو بھی کوئی ایسی چیز پائی گئی جن سے وضو باطل ہوتا ہے تو از سر نو وضو کرنا پڑے گا ورنہ وضو نہیں

ہوگا۔ مثلاً سر کا مسح کرنے کے بعد منہ یا ناک سے خون نکل آیا یا ہوا خارج ہوگئی تو از سر نو وضو کرنا پڑے گا۔ اگر ان افعال کے سرزد ہونے کے باوجود وضو کو جاری رکھا اور پاؤں بھی دھو لیے تو یہ وضو صحیح نہیں ہوگا۔

وضو کے واجب ہونے کی شرائط :وضو صرف اس شخص پر واجب ہوتا ہے جس میں درج ذیل شرائط پائی جائیں :(۱) بالغ ہونا۔ لہٰذا نابالغ بچے پر وضو واجب نہیں۔ (۲) عاقل ہونا۔ لہٰذا پاگل پر وضو واجب نہیں۔ (۳) مسلمان ہونا۔ لہٰذا کافر پر وضو واجب نہیں۔ (۴) اتنے پانی پر قادر ہونا جتنا تمام اعضاء کے دھونے کے لیے کافی ہے۔ لہٰذا اگر بالکل پانی نہ ہو یا پانی تو ہے مگر کم ہو، تمام اعضاء کے دھونے کے لیے کافی نہ ہو تو پھر وضو واجب نہیں۔ (۵) حدث اصغر کا پایا جانا۔ یعنی اگر کسی نے قضائے حاجت کر لی یا پیشاب کی حاجت ہوئی تو اس کے بعد نماز پڑھنے کا ارادہ کرے یا قرآن کریم ہاتھ میں لے کر تلاوت کرنا چاہتا ہو تو ایسے شخص کو وضو کرنا واجب ہے۔ اور اگر کوئی شخص پہلے سے باوضو ہے تو اس پر وضو کرنا واجب تو نہیں لیکن اگر کر لے تو اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ (٦) حدثِ اکبر نہ ہونا۔

وضو کے آداب و مستحبات

مستحب کی تعریف :ایسا کام جس کے کرنے سے ثواب ہو، نہ کرنے سے کچھ بھی گناہ نہ ہو اور شریعت نے ان کے کرنے کی تاکید بھی نہ کی ہو۔ ''مستحب'' کہلاتا ہے۔

وضو میں درج ذیل کام کرنا مستحب ہے :(۱) وضو کے لیے کسی اونچی جگہ بیٹھنا تا کہ مستعمل پانی کی چھینٹیں نہ پڑیں۔ (۲) قبلہ رخ ہو کر بیٹھنا۔ (۳) وضو کے کام میں کسی سے مدد حاصل نہ کرنا۔ (۴) لوگوں سے بات چیت کرنے سے پرہیز کرنا۔ (۵) وضو کے دوران آنحضرت ﷺ سے منقول دعاؤں کا پڑھنا۔ (٦) دل سے وضو کی نیت کرتے ہوئے زبان سے بھی کر لینا۔ (۷) ہر عضو کے دھوتے وقت ''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ'' پڑھنا۔

(۸) کانوں کے مسح کے دوران تر انگلی کانوں کے سوراخ میں داخل کرنا۔

(۹) انگوٹھی کو حرکت دینا۔ اگر انگوٹھی ایسی تنگ ہو کہ ہلائے بغیر پانی جلد تک نہ پہنچے تو وضو کے صحیح ہونے کے لیے انگوٹھی ہلانا واجب ہے۔ (۱۰) کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے لیے دایاں ہاتھ استعمال کرنا۔ البتہ ناک صاف کرنے کے لیے بایاں ہاتھ استعمال کرنا۔ (۱۱) اگر آدمی معذور نہ ہو تو ہر نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے پہلے وضو کر لینا۔ (۱۲) وضو سے فارغ ہو کر قبلہ رخ کھڑے ہو کر یہ دعا پڑھنا: ''اَشۡهَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَاشَرِيۡكَ لَهٗ وَاَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ ۔ اَللّٰهُمَّ اجۡعَلۡنِيۡ مِنَ التَّوَّابِيۡنَ وَاجۡعَلۡنِيۡ مِنَ الۡمُتَطَهِّرِيۡنَ''۔

وضو کے مکروہات :(۱) بلاضرورت پانی زیادہ استعمال کرنا مکروہ ہے۔ خواہ پانی کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ (۲) بلاضرورت پانی کے استعمال میں بخل سے کام لینا اور کم استعمال کرنا مکروہ ہے۔ (۳) منہ پر زور سے پانی کا طمانچہ مارنا۔ (۴) وضو کے دوران دنیوی گفتگو کرنا۔ (۵) وضو میں دوسروں سے تعاون حاصل کرنا۔ ہاں اگر معذور ہے تو پھر دوسرے سے مدد لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (٦) ہر مرتبہ نیا پانی لے کر سر کا تین مرتبہ مسح کرنا بھی مکروہ ہے۔ (۷) وضو کے دوران آنکھوں یا منہ کو زیادہ زور سے بند کرنا۔ اگر آنکھ یا منہ زور سے بند کیا اور پلک یا ہونٹ کچھ سوکھا رہ گیا یا آنکھ کے کوے میں پانی نہ پہنچا تو وضو نہیں ہوگا۔

وضو کی اقسام :وضو کی تین قسمیں ہیں:(۱) فرض (۲) واجب (۳) مستحب۔

فرض :درج ذیل چار صورتوں میں مُحدِث پر وضو کرنا فرض ہو جاتا ہے:(۱) نماز کی ادائیگی کے لیے خواہ نماز فرض ہو یا نفل۔ (۲) نماز جنازہ کے لیے۔ (۳) سجدۂ تلاوت کے لیے۔ (۴) قرآن کریم کو چھونے کے لیے۔ اسی طرح اگر کوئی بے وضو

آدمی کاغذ یا دیوار یا کسی اور جگہ لکھی ہوئی آیت قرآنیہ کو چھونا چاہتا ہے تو اس کے لیے بھی وضو کرنا فرض ہے۔

واجب :وضو صرف ایک صورت میں واجب ہوتا ہے۔ بیت اللہ شریف کے طواف کے لیے۔

(۱) رات کو سوتے وقت تاکہ طہارت کی حالت میں نیند ہو۔ (۲) نیند سے بیدار ہو کر۔ (۳) ہمیشہ باوضو رہنا۔ (۴) ثواب کی نیت سے وضو کے ہوتے ہوئے وضو کر لینا۔ (۵) غیبت، چغلی یا جھوٹ وغیرہ کسی بھی گناہ کے ارتکاب ہوجانے کے بعد۔ (۶) کسی گندے شعر کے پڑھنے کے بعد۔ (۷) نماز سے باہر قہقہہ لگانے کے بعد۔ (۸) میت کو غسل دینے سے پہلے۔ (۹) جنازہ اٹھانے سے پہلے۔ (۱۰) ہر نماز کے لیے الگ وضو کرنا۔ (۱۱) جنابت کا غسل کرنے سے پہلے۔ (۱۲) جنبی آدمی کے لیے کھانے، پینے یا سونے سے پہلے وضو کرنا۔ (۱۳) غصہ کے وقت وضو کرنا۔ کیونکہ غصہ شیطان کی وجہ سے آتا ہے اور شیطان آگ سے بنا ہے۔ لہٰذا اس ٹھنڈا کرنے کے لیے وضو مستحب ہے۔ (۱۴) زبانی تلاوتِ قرآنِ کریم کے لیے وضو کرنا۔ (۱۵) حدیث شریف پڑھنے یا روایت کرنے سے پہلے۔ (۱۶) علمِ شریعت (فقہ وغیرہ) سیکھنے کے لیے۔ (۱۷) اذان دینے کے لیے وضو کرنا۔ (۱۸) سرکار دو عالم ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت سے مشرف ہونے کے لیے وضو کرنا مستحب ہے۔ (۱۹) میدان عرفات میں وقوف کے لیے۔ (۲۰) ''صفا'' اور ''مروہ'' کے درمیان سعی کے دوران۔

نواقضِ وضو :(وضو کو توڑنے والی چیزیں) درج ذیل صورتوں میں سے کوئی صورت پائی جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے :

(۱) سَبِیلَین (پیشاب اور پاخانے کے مقام) میں سے کوئی چیز نکل آئے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسے پیشاب، پاخانہ، ہوا، منی، مذی، وَدی، حیض ونفاس یا استحاضہ کا خون وغیرہ۔ (۲) بدن سے خون یا پیپ نکلے اور وہ بدن کے اس حصہ کی طرف سے بہہ جائے جس کا دھونا غسل میں واجب ہوتا ہے۔ (۳) منہ سے خون نکلے اور وہ تھوک پر غالب ہوجائے تو تھوک کے برابر ہو تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

(۴) اگر قے ہوجائے تو اس کی مختلف صورتیں ہیں :(الف) اس میں کھانا، پینا یا پتلا نکلے اور قے منہ بھر کر آئی تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (ب) اگر قے میں نرا بلغم ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ خواہ وہ بلغم کتنا ہی کیوں نہ ہو۔ (ج) اگر قے میں خون گرے اور وہ پتلا اور بہتا ہوا ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ خواہ وہ خون تھوڑا ہو یا زیادہ۔ (د) اگر جما ہوا خون ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرے اور وہ منہ بھر کر ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر منہ بھر کر نہ ہو بلکہ کم ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

وضاحت :یہ بات یاد رکھیں کہ اگر تھوڑی تھوڑی کر کے کئی دفعہ قے ہوئی لیکن سب ملا کر اتنی ہے کہ اگر سب ایک ہی دفعہ آتی تو منہ بھر کر آتی تو پھر دیکھا جائے گا کہ متلی (دل کی برائی) برابر باقی ہے یا نہیں۔ اگر متلی برابر جاری رہی تو اس تھوڑا تھوڑا قے آنے سے (جس کی مجموعی مقدار منہ بھر کے ہوجاتی ہے) وضو ٹوٹ جائے گا۔ منہ بھر کر آنے والی وہ قے ہوتی ہے جو بڑی مشکل سے منہ میں رکے۔ اگر قے آسانی سے منہ میں رک سکتی ہے تو اسے منہ بھر کر نہیں کہتے۔

(۵) لیٹے لیٹے آنکھ لگ گئی یا کسی ایسی چیز سے سہارا اور ٹیک لگا کر سو جانا جس کے ہٹانے سے آدمی گر سکتا ہو تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (۶) بے ہوش ہوجانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (۷) پاگل ہوجانا۔ (۸) نشہ آور چیز کھانے سے اس قدر نشہ آجانا کہ صحیح طریقے سے چلا نہیں جا رہا بلکہ قدم ادھر ادھر ڈگمگاتا رہے تو بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (۹) رکوع سجدے والی نماز میں بالغ آدمی کا بیداری کی حالت میں قہقہہ لگانا۔

● لہٰذا نابالغ آدمی کے قہقہہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ ● بالغ آدمی نے قہقہہ لگایا ہے مگر وہ نماز رکوع سجدے والی نہیں

ہے (جیسے نماز جنازہ) تو بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔ ● یا نماز رکوع سجدے والی ہے اور قہقہہ لگانے والا بالغ آدمی ہے مگر نماز کے اندر نیند کی حالت میں قہقہہ لگا دیا تب بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔

ہنسی کی اقسام: (۱) ایسی ہنسی جس میں صرف دانت نکل جائیں لیکن کسی قسم کی کوئی آواز نہ ہو اسے عربی میں "تبسم" کہتے ہیں۔ اس سے وضو ٹوٹتا ہے نہ نماز۔ اور یہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی۔ (۲) ایسی ہنسی جس میں اتنی آواز نکلے کہ آدمی خود سن لے اس کو عربی میں ضحک کہتے ہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے البتہ وضو نہیں ٹوٹتا۔ (۳) اور ایسی ہنسی جس میں اتنی آواز نکلے کہ قریب والا شخص بھی سن لے اسے عربی میں قہقہہ کہتے ہیں۔ اس سے وضو اور نماز دونوں ٹوٹ جاتے ہیں۔

نواقض وضو پر ایک حکیمانہ نظر: وضو کو توڑنے والی چیزیں درج ذیل ہیں: (۱) سبیلین سے طبعی عادت کے مطابق نکلنے والی اشیاء۔ (۲) سبیلین سے عادتِ طبعیہ کے خلاف نکلنے والی اشیاء۔ (۳) پورے بدن سے نکلنے والا خون یا پیپ وغیرہ۔ (۴) منہ سے نکلنے والی قے۔ (۵) نیند: لیٹنے کی صورت میں ہو یا ٹیک لگا کر۔ (۶) بیہوش ہو جانا۔ (۷) پاگل ہو جانا۔ (۸) نشہ آ جانا۔ (۹) نماز میں قہقہہ لگانا۔

وضو توڑنے والے ان تمام اسباب پر اگر ہم نظر ڈالیں تو واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وضو توڑنے والی اصل چیز خروج نجاست ہے۔ چنانچہ جس چیز میں نجاست کے خروج کا یقین ہے یا اس کا گمان اور امکان ہے وہ ناقض وضو ہے۔ اور جس چیز میں یہ صورتحال درپیش نہ ہو وہ ناقض وضو نہیں ہے۔ اب ذرا اوپر ذکر کردہ فہرست پر نظر ڈالیے:

● پہلے نمبر میں سبیلین سے یقینی طور پر نجاست (پیشاب، پاخانہ، حیض، ونفاس، استحاضہ اور خون وغیرہ) کا خروج ہوتا ہے۔ اسی صورت میں طبعی طور پر نکلنے والی ریح (ہوا) کا خروج بھی اسی لیے ناقض ہے کہ یہ ہوا چونکہ نجاست کے مقام سے نکلتی ہے لہٰذا اس میں نجاست کی آلودگی کا قوی امکان ہے۔ ● دوسرے نمبر میں عادتِ طبعیہ کے خلاف نکلنے والی اشیاء (مثلاً کنکر، کیڑا یا علاج کے طور پر استعمال ہونے والی طبعی آلات۔ چونکہ یہ چیزیں بھی نجاست کے مقام سے گزرتی ہیں لہٰذا نجاست کا کچھ نہ کچھ حصہ کے ساتھ ان کی تلویث کی وجہ سے خروج نجاست کا قوی امکان ہے۔ ● تیسرے نمبر پر خون یا پیپ نکل کر بہہ جائے تو اس صورت میں نجاست کا نکلنا آنکھوں سے نظر آتا ہے۔

● چوتھے نمبر قے ہے۔ اگر تھوڑی ہو تو چونکہ جوف معدے کے اوپر والے حصہ سے گزرتی ہے جہاں نجاست نہیں ہوتی لہٰذا یہ قے ناقض وضو بھی نہیں۔ البتہ منہ بھر کر آنے والی قے جوف معدہ کے اس نچلے حصہ سے کھینچ کر آتی ہے جو نجاست کی جگہ ہے۔ لہٰذا اس قے کے ساتھ نجاست کے آنے کا قوی امکان ہے۔ لہٰذا یہ قے ناقض وضو قرار دی گئی ہے۔ ● پانچواں نمبر نیند کا ہے۔ عموماً بدنِ انسانی میں ریح موجود ہوتی ہے۔ جو باہر نکلنے کے لیے پر تولتی رہتی ہے۔ مگر اعضا میں تناؤ کی وجہ سے کبھی نکل نہیں پاتی۔ مگر جوں ہی انسان سو جاتا ہے تو اس کے اعضا ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور ریح کے خروج سے اعضا کے تناؤ کی جو رکاوٹ ہوتی ہے ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ریح کے نکلنے کا قوی امکان پیدا ہو جاتا ہے۔

اب چونکہ نیند کی حالت میں بے خبر انسان کے لیے فیصلہ کرنا اس کی ریح نکلی ہے یا نہیں۔ مشکل تھا لہٰذا شریعت نے طہارت کے متلاشی حضرات کے لیے خروج ریح کے اس قوی نیند پر حکم صادر کیا کہ یہ نیند ناقض وضو ہے۔

● بے ہوشی میں نیند سے بڑھ کر اعضاء میں ڈھیل پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے خروج ریح کا امکان اس میں نیند سے بھی زیادہ ہے۔ ● نشہ اور جنون میں انسان نیند سے بھی کہیں زیادہ بے خبر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ان دو حالتوں میں ریح کی صورت میں خروج نجاست کے امکان کو ٹھکرایا نہیں جا سکتا۔ لہٰذا یہ اسباب بھی ناقض ہیں۔

● قہقہہ میں کسی قسم کی نجاست نہیں نکلتی۔ اس کا ناقض وضو ہونا خلاف عقل ہے۔ آنحضرت ﷺ کے ایک فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے، عقلی وجہ سے چشم پوشی کرکے اس کو ناقض وضو مان لیا گیا۔

ایسی اشیاء جن سے وضو نہیں ٹوٹتا: ذیل میں وہ باتیں ذکر کی جاتی ہیں جو ان چیزوں کے مشابہ ضرور ہے جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے مگر درحقیقت ان سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (١) الف۔ اگر کسی شخص کے بدن سے خون یا پھوڑے پھنسی سے پیپ اور گندا پانی صرف ظاہر ہوا ہو مگر ابھی اپنی جگہ سے بہا نہیں ہے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ خواہ اس خون یا پیپ کو ٹشو وغیرہ سے صاف کر دیا گیا ہو۔
ب۔ اگر کسی نے زخم، پھوڑے پھنسی سے دبا کر خون نکالا ہے، مگر وہ خون بہا نہیں تو اس سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔ ج۔ اگر کسی کے زخم سے تھوڑا تھوڑا کر کے خون رس رہا ہو اور یہ شخص کپڑے یا ٹشو سے برابر اس کو صاف کر رہا ہے تو دیکھا جائے گا کہ اس کے دل کا غالب گمان کیا ہے۔ اگر دل میں یہ بات زیادہ قوت سے آجائے کہ اگر یہ اسے صاف نہ کرتا تو یہ سارا خون جمع ہو کر بہہ پڑتا تب وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر دل میں یہ بات آئے کہ اگر یہ اسے صاف نہ کرتا تب بھی سارا خون جمع ہو کر اپنی جگہ کھڑا رہتا تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (٢) سَبیلَین (پیشاب، پاخانہ کے مقام) کے علاوہ کسی اور جگہ مثلاً زخم یا کان وغیرہ سے کوئی کیڑا نکل آئے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (٣) کسی آدمی نے بلغمی قے کی خواہ وہ تھوڑی ہو یا زیادہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (٤) اگر کوئی شخص سنت کے مطابق نماز پڑھ رہا ہو اور وہ نماز کی حالت میں سو جائے تو اس سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا خواہ وہ قیام کی حالت میں سوئے یا رکوع کی حالت میں، سجدے کی حالت میں سوئے یا تشہد کی حالت میں۔

وضاحت: یہ مسئلہ صرف مردوں کے لیے ہے اور اگر عورت سجدے کی حالت میں سو جائے تو اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔
(٥) اپنے ہاتھوں سے آلۂ تناسل کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (٦) کسی عورت کے چھونے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔ (٧) سونے والے شخص کا جھومنا۔

متفرقات

● اگر کوئی شخص غسل کرلے یا سمندر یا دریا میں ڈبکی لگالے یا بارش میں نہالے اور ضروری اعضاء سب تر ہو جائیں تو اس سے بھی وضو ہو جائے گا۔ پھر سے نیا وضو کرنا ضروری نہیں۔ ● وضو کرتے وقت ایڑی پر یا کسی اور جگہ پانی نہیں پہنچا اور جب وضو پورا ہو چکا معلوم ہوا کہ فلانی جگہ سوکھی رہ گئی ہے تو اب وہاں صرف گیلا ہاتھ پھیر لینا کافی نہیں ہے بلکہ پانی بہانا چاہیے۔

● اگر کسی شخص کی آنکھ میں دانہ تھا اور وہ پھٹ گیا اور اس کا پانی آنکھ میں پھیل گیا اور باہر نہیں نکلا۔ اور اسی طرح کسی کے کان کے اندر زخم ہوا یا گندا پانی نکلا مگر وہ کان کے اندر ہی اندر بہنے لگا لیکن باہر نہیں نکلا۔ ان صورتوں میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ باوجود ناپاک خون یا پانی کے نکل کر بہہ جانے سے وہ ایسی جگہ (جلد) کی طرف نہیں بہا جس کا دھونا غسل میں ضروری ہوا کرتا ہے۔

● ہر ایسی چیز جس کے نکل جانے سے وضو ٹوٹ جائے تو وہ چیز بذات خود نجس ہوتی ہے اگر وہ کپڑوں کو لگ جائے تو نجاست کا احکام جاری ہوں گے۔ جیسے بہنے والا خون اور گندا پانی، منہ بھر کر آنے والی قے وغیرہ اور اگر وہ چیز ایسی ہے جس کے ظاہر ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو وہ چیز بذات خود پاک ہوتی ہے۔

موزوں پر مسح کے تفصیلی احکام

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا وَلِلْمُقِيْمِ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ۔

(رواہ الترمذی، ج ١، ص ٦٣ ۔ ١٧، رقم الحدیث ٩٥)

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: مسافر کو موزوں پر مسح کی اجازت تین دن اور تین راتیں ہیں اور مقیم کو ایک دن اور ایک رات۔ (ترمذی) شریعتِ مقدسہ نے لوگوں کی سہولت کی پیشِ نظر پاؤں کے دھونے کے بدلے میں موزوں پر مسح کی اجازت دے دی ہے۔

موزوں پر مسح کے صحیح ہونے کی شرائط

موزوں پر مسح کے صحیح ہونے کے لیے درج ذیل شرائط ہیں اگر یہ تمام شرائط پائی جائیں تو موزوں پر مسح کی اجازت ہے:

(۱) جب وضو ٹوٹے (حدث لاحق ہو)، اس سے پہلے پہلے موزے مکمل طہارت کی حالت میں پہن چکا ہو۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی کا پہلے سے وضو نہ ہو اور وہ بالکل وضو نہ کرے اور موزہ پہن لے تو ان پر مسح جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر پورا وضو کر کے موزے پہنے ہوں تو مسح جائز ہے اگر صرف پاؤں دھو کر موزے پہن لیے اور باقی وضو نہیں کیا تب بھی مسح جائز نہیں اور اگر پاؤں دھو کر موزے پہن لیے اور حدث لاحق ہونے سے پہلے پہلے وضو مکمل کر لیا اور اس کے بعد وضو ٹوٹ گیا تو اب مسح جائز ہے۔

(۲) موزے ایسے ہوں جو ٹخنوں کو ڈھانپنے والے ہوں۔

(۳) پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کی مقدار کے برابر پھٹا ہوا نہ ہو۔ اگر چھوٹی تین انگلیوں کی مقدار کے برابر یا اس سے زیادہ پھٹا ہوا ہو تو اس پر مسح صحیح نہیں ہوتا۔

(۴) اور اگر موزوں کی سلائی کھل گئی ہے لیکن اس سے پاؤں نظر نہیں آتا تو اس موزے پر مسح کرنا جائز ہے۔ اور اگر سلائی کھلنے کے صورت میں چلتے وقت پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کے برابر یا زیادہ پاؤں دکھائی دیتا ہے تو اس پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر پورا وضو کر کے موزے پہنے ہوں تو مسح جائز ہے اگر صرف پاؤں دھو کر موزے پہن لیے اور باقی وضو نہیں کیا تب بھی مسح جائز نہیں اور اگر پاؤں دھو کر موزے پہن لیے اور حدث لاحق ہونے سے پہلے پہلے وضو مکمل کر لیا اور اس کے بعد وضو ٹوٹ گیا تو اب مسح جائز ہے۔

(۲) موزے ایسے ہوں جو ٹخنوں کو ڈھانپنے والے ہوں۔ (۳) پاؤں کی چھوٹی انگلیوں کی مقدار کے برابر پھٹا ہوا نہ ہو۔ اگر چھوٹی تین انگلیوں کی مقدار کے برابر یا اس سے زیادہ پھٹا ہوا ہو تو اس پر مسح صحیح نہیں ہوتا۔ (۴) اور اگر موزوں کی سلائی کھل گئی ہے لیکن اس سے پاؤں نظر نہیں آتا تو اس موزے پر مسح کرنا جائز ہے۔ اور اگر سلائی کھلنے کی صورت میں چلتے وقت پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کے برابر یا زیادہ پاؤں دکھائی دیتا ہے تو اس پر مسح کرنا جائز نہیں۔ اگر کوئی موزہ کئی جگہ سے تھوڑا تھوڑا پھٹا ہے جس کی مجموعی مقدار تین انگلیوں کے برابر ہو جاتی ہے تب بھی ایسے موزے پر مسح جائز نہیں ہے۔

● یہ بات یاد رکھیں کہ دونوں موزوں میں سے ہر ایک کی پھٹن کا الگ اعتبار ہے۔ اگر دونوں موزوں میں سے ایک موزہ دو انگلیوں کی مقدار پھٹا ہوا ہے اور دوسرا موزہ ایک انگلی کی مقدار اب اگرچہ مجموعی مقدار تین چھوٹی انگلیوں کے برابر ہو جاتی ہے لیکن اس کے باوجود ان موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ کیونکہ الگ الگ ہر موزہ مقررہ مقدار سے کم پھٹا ہوا ہے۔

(۵) موزے اتنے موٹے ہوں کہ پنڈلی کے برابر کھڑے رہیں۔ کپڑے کی طرح ایسے ڈھیلے ڈھالے موزے جو پنڈلی کے برابر کھڑے نہ رہ سکیں اس پر مسح درست نہیں۔ (٦) اتنے موٹے ہوں کہ پانی کے پاؤں تک پہنچنے میں رکاوٹ بنیں۔ اگر اس قدر باریک ہیں کہ موزوں پر لگنے والا پانی قدموں تک پہنچ جاتا ہے تو اس پر مسح درست نہیں ہے۔ (۷) ان موزوں کو پہن کر لگاتار چلنا ممکن ہو۔

مسح کی مقدار: فرض مقدار: ہر پاؤں کے اگلے حصے کی پشت پر ہاتھ کی تین چھوٹی انگلیوں کی بقدر مسح کرنا فرض ہے۔

مسنون مقدار: مسح میں سنت یہ ہے کہ ہاتھ کی انگلیوں کو اس حال میں کہ انگلیاں کھلی ہوئی ہوں پاؤں کی انگلیوں کے

کنارے سے پنڈلی کی طرف کھینچا جائے۔

مسح کی مدت : مقیم (جو شخص مسافر نہ ہو) کے لیے موزوں پر مسح کی مدت ایک دن اور ایک رات ہے اور مسافر کے لیے مسح کی مدت تین دن اور تین راتیں ہیں اس مدت کا اعتبار اس وقت سے کریں گے جس وقت سے وضو ٹوٹا ہے، اس وقت سے اس کا اعتبار نہیں کریں گے جس وقت موزے پہنے ہیں۔ مثال : کسی نے فجر کی نماز کے لیے وضو کرتے وقت موزے پہن لیے۔ پھر ظہر کی نماز کے وقت اس کا وضو ٹوٹا ہے تو اگر یہ شخص مقیم ہے تو یہ اگلے دن کی ظہر کی نماز تک جتنے بھی وضو کرے گا ان کے لیے موزوں پر مسح کرنا درست ہے۔ اور اگر یہ شخص مسافر ہے تو یہ تیسرے دن کی ظہر کی نماز تک جتنی بار وضو کرے اتنی بار مسح کر سکتا ہے۔

ملاحظہ : اگر کسی مقیم نے موزوں پر مسح شروع کیا، ابھی ایک دن اور ایک رات پورا نہیں ہوا تھا کہ اس نے سفر کا آغاز کر دیا، تو اب یہ شخص تین دن اور تین رات مسح کرتا رہے۔ اور اگر سفر شروع کرنے سے پہلے ہی ایک دن اور ایک رات پورا ہو چکا ہو تو چونکہ مدت پوری ہو چکی لہٰذا پیر دھو کر پھر سے موزہ پہنے۔ اس کے برعکس اگر کوئی مسافر تھا اور وہ مقیم ہو گیا۔ اب اگر سفر کی حالت میں موزوں پر مسح کرتے ہوئے ایک دن اور ایک رات سے زیادہ مدت گزر چکی ہے تو اب اسے مسح کی اجازت نہیں ہے۔ موزہ اتار کر پاؤں دھو کر دوبارہ پہنے۔ لیکن اگر سفر کی حالت میں مسح کی مدت کا ایک دن اور ایک رات ابھی پورا نہیں ہوا تھا، تو اب یہ ایک دن رات تک اسے پورا کرلے۔ اس سے زیادہ مدت مسح کرنا درست نہیں۔

مسح کو توڑنے والی چیزیں: پانچ چیزیں موزوں پر مسح کو توڑ دیتی ہیں: (۱) ہر وہ چیز جو وضو توڑ دیتی ہے وہ موزوں پر مسح کو بھی توڑ دیتی ہے۔ (۲) موزہ اتارنے سے بھی مسح ٹوٹ جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے کوئی بھی موزہ اتار ڈالا اور اس کا ابھی وضو نہیں ٹوٹا تھا تو اسے چاہیے کہ یہ دوسرا موزہ بھی اتارے اور پاؤں دھو کر دوبارہ موزے پہن لے اب جب بھی وضو ٹوٹے گا تو مقررہ مدت کے پورا ہونے تک مسح کر سکتا ہے۔ (۳) اگر موزے کی پنڈلی کی طرف پاؤں کا اکثر حصہ نکل آئے تو اس سے مسح ٹوٹ جاتا ہے۔ (۴) مسح کی مدت ختم ہو جائے تو مسح ٹوٹ جاتا ہے۔ (۵) موزے کے اندر کسی پاؤں کے اکثر حصہ تک پانی پہنچ جائے تو مسح ٹوٹ جاتا ہے۔

پٹی اور پلستر کا بیان: ● اگر کسی شخص کے ہاتھ یا پاؤں وغیرہ میں کوئی پھوڑا، زخم یا کوئی اور ایسی بیماری ہے کہ اس پر پانی ڈالنے سے نقصان ہوتا ہے تو وضو کرتے وقت پھوڑے یا زخم وغیرہ پر پانی نہ ڈالے، صرف گیلا ہاتھ پھیر لے، اس کو مسح کہتے ہیں۔ اور اگر پھوڑے یا زخم کی یہ کیفیت ہو کہ گیلا ہاتھ پھیرنے سے بھی تکلیف اور نقصان کا خطرہ ہو تو ایسی حالت میں اس جگہ کا مسح کرنا بھی ضروری نہیں رہتا۔ اتنی جگہ ویسے ہی چھوڑ دے۔ ● اگر زخم پر پٹی بندھی ہوئی ہے اور پٹی کھول کر زخم پر مسح کرنے سے نقصان ہو یا پٹی کھولنے باندھنے میں بڑی دقت اور تکلیف ہو یا کسی چوٹ وغیرہ کی وجہ سے کسی عضو پر پلستر کیا ہوا ہو۔ تو ان تمام صورتوں میں پٹی اور پلستر کے اوپر مسح کرنا درست ہے۔ لیکن اگر پٹی کھولنے میں تکلیف اور نقصان کا خطرہ نہ ہو یا کھولنے یا باندھنے میں کوئی بڑی دقت نہ ہوتی ہو تو ایسی صورت میں پٹی پر مسح کرنا درست نہیں ہے بلکہ پٹی کھول کر زخم پر مسح کرنا چاہیے۔

اگر دونوں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ پر یا دونوں پاؤں میں سے ایک پاؤں پر پٹی یا پلستر کیا ہوا اور دوسرا ہاتھ دوسرا پاؤں صحیح سالم ہو تو پٹی والے ہاتھ اور پاؤں پر مسح کرے اور صحیح سالم ہاتھ پاؤں کو دھونا ضروری ہے۔ (یہ یاد رہے کہ پٹی وغیرہ پر مسح کے جائز ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ طہارت کی حالت میں باندھی ہو۔ لہٰذا اگر پٹی ناپاکی کی حالت میں باندھی ہو تب بھی اس پر مسح کرنا جائز ہے۔) یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ پٹی باندھے ہوئے ہونے کی حالت میں غسل کی ضرورت پیش آ گئی تو پٹی وغیرہ پر مسح کی وہی تفصیل ہے جو وضو کے بیان میں پہلے گزر چکی ہے۔

پٹی پر مسح کو توڑنے والی چیزیں: اگر پٹی وغیرہ کھل کر گر پڑے اور زخم بھی اچھا نہیں ہوا، پھر وہی پٹی باندھ لے یا نئی، وہی پہلا مسح باقی ہے، پھر مسح کرنے کی ضرورت نہیں ہے اگر اب زخم اچھا ہو گیا ہے اور پٹی باندھنے کی ضرورت نہیں رہی تو مسح ٹوٹ گیا، بس اتنی جگہ دھو کر نماز پڑھ لے، سارا وضو دہرانا ضروری نہیں ہے۔

امام کاسانیؒ نے پٹی کے کھل کر گرنے کے مسائل کو خوبصورت انداز میں بیان فرمایا ہے۔ پٹی کے زخم سے اتر جانے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، یا زخم اچھا ہو گیا، یا ابھی اچھا نہیں ہوا ہوگا۔ اگر زخم ابھی اچھا نہیں ہوا تھا کہ پٹی اتر کر گر گئی تو یہ صورت یا تو نماز کی حالت میں پیش آئی ہوگی یا نماز سے باہر۔ ● چنانچہ اگر پٹی اس حالت میں گری کہ ابھی زخم اچھا نہیں تھا اور وہ نماز کی حالت میں گری تو نماز جاری رکھے۔ نماز کو نئے سرے سے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ ایسی حالت میں پٹی گرنے سے وضو اور نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

● اور اگر وہ زخم اچھا نہ ہونے کی صورت میں نماز سے باہر گری تو اب بھی اس پر مسح کا دوبارہ لوٹانا ضروری نہیں ہے۔ وہ پہلے والا مسح کافی ہے خواہ یہی پٹی دوبارہ باندھ لے یا کوئی اور نئی پٹی باندھ لے۔ لیکن اگر وہ پٹی ایسی حالت میں گری کہ زخم اچھا ہو چکا تھا تو اب اس کی بھی وہی دو صورتیں ہیں، یا تو نماز کی حالت میں گری ہوگی یا نماز سے باہر۔

● اگر پٹی ایسی حالت میں گری کہ زخم ٹھیک ہو چکا تھا اور یہ شخص نماز کی حالت میں تھا تو صرف زخم والی جگہ دھو کر دوبارہ نماز پڑھے۔ تاہم سارا وضو لوٹانا ضروری نہیں ہے۔ ● اور اگر پٹی ایسی حالت میں گری ہے کہ زخم اچھا ہو چکا تھا اور یہ شخص نماز سے باہر تھا اب اگر یہ شخص پہلے سے بے وضو تھا تو وضو کرتے وقت یہ زخم والی جگہ دھوئے اور نماز پڑھے۔ یہ وضو بھی اس وقت ضروری ہے جب وہ زخم ان اعضاء پر ہو وضو میں جن کا دھونا ضروری ہوتا ہے۔ ● اگر زخم والی جگہ کسی ایسے عضو پر ہے جن کا دھونا وضو میں ضروری نہیں ہے تو پھر وضو کر لے اور اس زخم والی جگہ کا دھونا ضروری نہیں۔ ● اور اگر یہ شخص پہلے سے باوضو تھا تو صرف زخم والی جگہ دھو لے سارا وضو دھرانا ضروری نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ زخم وضو والے اعضاء پر ہو۔ اگر زخم وضو والے اعضاء پر نہ ہو تو اب بھی اس جگہ کا دھونا ضروری نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع: ج:۱: ص۔ ۱۴)

موزوں اور پٹی پر مسح کرنے میں فرق: پہلا فرق: پٹی پر مسح کی کوئی مدت متعین نہیں ہے۔ جب تک زخم ٹھیک نہ ہو برابر پٹی پر مسح کرتا رہے۔ جبکہ موزوں پر مسح کی مدت متعین ہے۔ مقیم ایک دفعہ موزے پہن کر ایک دن اور ایک رات تک مسح کر سکتا ہے اور مسافر تین دن اور تین راتیں۔ دوسرا فرق: پٹی پر مسح کے جائز ہونے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ طہارت (وضو) کی حالت میں پہنی ہو۔ جب کہ موزوں پر مسح کے لیے شرط ہے کہ جب آدمی کو حدث لاحق ہو تو اس سے پہلے طہارت کاملہ (مکمل وضو) پر موزے پہن چکا ہو۔ تیسرا فرق: پٹی زخم سے اتر جائے اور زخم اچھا نہ ہوا ہو تو اس سے مسح نہیں ٹوٹتا جب کہ کوئی ایک موزہ یا دونوں موزے پاؤں سے اتر جائیں تو اس سے موزوں پر کیا ہوا مسح ٹوٹ جاتا ہے۔

نجاستوں کے تفصیلی احکام

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُورٍ۔ (ترمذی: ج:۱: ص ۱۵۷، رقم الحدیث ۱، مسلم)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بغیر پاکیزگی کے کوئی نماز قبول نہیں فرماتے۔ کتاب الطہارت میں اس باب کو بہت زیادہ اہمیت حاصل

ہے۔اس باب میں ہمیں دو چیزوں سے متعلق گفتگو کرنی ہے۔(۱) نجاست کی تعریف اور اس کی اقسام کیا ہیں؟(۲) وہ چیزیں جو بذاتِ خود پاک ہوتی ہیں مگر نجاست لگنے سے ناپاک ہوجاتی ہیں ان کے پاک کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

نجاست کی تعریف :بدن، کپڑے یا جگہ وغیرہ کا ایسی حالت میں ہونا کہ شریعت اسے گندا خیال کرے۔اور اس سے پاکی حاصل کرنے کا حکم دے ''نجاست'' کہلاتا ہے۔

نجاست کی اقسام :نجاست کی دو قسمیں ہیں :(۱) نجاست حکمیہ (۲) نجاستِ حقیقیہ۔

نجاست حکمیہ :انسان پر ایسی حالت طاری ہونا جس کے ہوتے ہوئے نماز ادا کرنا صحیح نہ ہو۔نجاستِ حکمیہ کو ''حدث'' بھی کہتے ہیں۔ پھر حدث کی دو قسمیں ہیں:(الف) حدثِ اکبر:انسان پر ایسی حالت طاری ہونا جس میں اس پر غسل کرنا واجب ہو اور اس حالت میں نماز پڑھنا جائز نہ ہو اور قرآنِ کریم کی تلاوت جائز نہ ہو۔جیسے آدمی کا جنبی ہونا، عورت کو حیض ونفاس آنا وغیرہ۔

(ب) حدثِ اصغر :ایسی حالت جس کے طاری ہونے پر صرف وضو کرنا ضروری ہو (غسل ضروری نہ ہو) اور اس حالت میں زبانی تلاوت جائز ہو ''حدثِ اصغر'' کہلاتا ہے۔

(۲) نجاستِ حقیقیہ : کپڑے، بدن یا کسی اور چیز کو لگنے والی وہ گندگی جس سے صفائی حاصل کرنا اور اسے دھونا واجب ہو، ''نجاستِ حقیقیہ'' کہلاتی ہے۔جیسے پیشاب پاخانہ، خون پیپ وغیرہ۔حکم کے اعتبار سے ''نجاستِ حقیقیہ'' کی دو قسمیں ہیں :

(الف) نجاست غلیظہ (ب) نجاست خفیفہ۔(۱) نجاست غلیظہ :وہ نجاست جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں کوئی شبہ نہ ہو۔یہ نجاست سخت ہوتی ہے اس کی معاف مقدار تھوڑی ہوتی ہے۔

نجاست غلیظہ کی اقسام:(۱) بہنے والا خون۔(۲) شراب (خمر) (۳) اس جانور کا پیشاب جس کا گوشت کھانا حرام ہے جیسے درندے۔(۴) کتے کا پاخانہ اور حرام جانوروں کا پاخانہ۔(۵) مردہ جانوروں کا گوشت اور ان کی کھال۔(۶) درندوں کا پاخانہ اور ان کا لعاب۔(۷) مرغی اور بطخ کی بیٹ۔(۸) انسانی بدن سے نکلنے والی ہر وہ چیز جس سے اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔جیسے خون، پیپ، منہ بھر کر آنے والی قے، زخموں سے بہنے والا گندا پانی اور چھوٹے دودھ پینے والے بچے کا پیشاب، پاخانہ وغیرہ۔یاد رہے کہ انسانی بدن سے نکلنے والی ان چیزوں میں سے اگر اتنی مقدار نکلے جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تب وہ ''نجاستِ غلیظہ'' کے حکم میں ہوگی۔ اگر یہ چیزیں بدن پر ظاہر ہوئیں۔جس سے وضو نہیں ٹوٹا تو یہ نجاست کے حکم میں نہیں ہوگی۔اگر پیشاب کی چھینٹیں سوئی کی نوک کے برابر پڑ جائیں کہ جب تک غور سے نہ دیکھیں تو دکھائی نہ دیں تو اس کا کچھ حرج نہیں۔اس کا دھونا واجب نہیں۔لیکن اگر دھولیں تو بہتر ہے۔

نجاستِ غلیظہ کا حکم :نجاستِ غلیظہ میں اگر پتلی اور بہنے والی چیز کپڑے یا بدن پر لگ جائے اور اگر وہ پھیلاؤ میں ایک درہم یعنی ہتھیلی کے گہراؤ (پورے تین سینٹی میٹر قطر) کے پھیلاؤ کے رقبے کے برابر یا اس سے کم ہو تو معاف ہے۔یعنی اس کو دھوئے بغیر اگر نماز پڑھ لی تو نماز ہوجائے گی لیکن نہ دھونا اور اسی طرح نماز پڑھتے رہنا مکروہ ہے۔اور اگر نجاستِ غلیظہ پھیلاؤ سے زیادہ ہو تو معاف نہیں ہے۔اس کو دھوئے بغیر نماز نہ ہوگی۔اور اگر نجاستِ غلیظہ کی اقسام میں سے وہ نجاست لگ جائے جو گاڑھی ہوتی ہے۔ جیسے پاخانہ، مرغی وغیرہ کی بیٹ وغیرہ تو ایسی صورت میں پھیلاؤ میں رقبہ کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ وزن کا اعتبار ہوگا۔چنانچہ ایسی نجاست اگر وزن میں ایک درہم (یعنی ساڑھے چار ماشہ (۴٫۳۵ گرام) یا اس سے کم ہو تو معاف ہے دھوئے بغیر نماز پڑھنے سے نماز ہوجائے گی۔اگرچہ اس کا پھیلاؤ کم ہو یا زیادہ۔اور اگر اس سے زیادہ وزن لگ جائے تو معاف نہیں، دھوئے بغیر نماز درست نہیں۔

(۱) نجاستِ خفیفہ :نجاست خفیفہ وہ نجاست ہوتی ہے جسے یقین سے نجاست کہنا ممکن نہ ہو کیونکہ کوئی دوسری دلیل ایسی موجود ہوتی ہے جو اس کے پاک ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ نجاست غلیظہ کے مقابلے میں کم اور ہلکی ہوتی ہے اور اس کی معاف مقدار زیادہ ہوتی ہے اس لیے اس کو نجاستِ خفیفہ کہا جاتا ہے۔

نجاستِ خفیفہ کی اقسام:(۱) گھوڑے کا پیشاب۔(۲) حرام پرندوں (کچّا، باز، گدھ وغیرہ) کی بیٹ۔(۳) حلال جانوروں۔ (مثلاً گائے، بکری، بھینس وغیرہ) کا پیشاب۔

نجاستِ خفیفہ کا حکم:اگر نجاست خفیفہ کپڑے یا بدن پر لگ جائے تو جس حصے یا عضو میں لگی ہے اگر اس کے چوتھائی سے کم میں لگی تو معاف ہے دھوئے بغیر نماز پڑھنے سے نماز ہو جائے گی۔ اور اگر پورا چوتھائی یا اس سے زیادہ نجاست لگی ہو تو معاف نہیں۔ دھوئے بغیر نماز پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی۔ یعنی اگر نجاستِ خفیفہ آستین میں لگی ہو تو آستین کی چوتھائی سے کم ہو، اگر کلی میں لگی ہو تو اس کی چوتھائی سے کم ہو اگر دوپٹہ یا رومال میں لگی ہے تو اس کی چوتھائی سے کم ہو تو معاف ہے۔ اگر بازو میں لگی ہے تو اس کی چوتھائی سے کم ہے تو معاف ہے غرضیکہ جس عضو میں لگے اس کی چوتھائی سے کم ہو تو معاف ہے اور اگر پورا چوتھائی یا اس سے زیادہ ہو تو اس کا دھونا واجب ہے یعنی دھوئے بغیر نماز درست نہیں۔

● نجاستِ غلیظہ جس پانی میں پڑ جائے وہ پانی بھی نجسِ غلیظ بن جاتا ہے اور نجاستِ خفیفہ جس پانی میں پڑ جائے تو وہ پانی نجسِ خفیف بن جاتا ہے۔ ● پانی میں رہنے والے جانوروں مثلاً مچھلی مینڈک وغیرہ اور ایسے جانوروں کا خون نجس نہیں ہوتا جن کا خون بہنے والا نہیں ہوتا۔ جیسے مکھی، کھٹمل اور مچھر وغیرہ کا خون۔

آثار کے اعتبار سے نجاست کی تقسیم:نجاستِ غلیظہ اور نجاستِ خفیفہ میں سے وہ نجاستیں جو لگنے کے بعد نظر آتی ہیں ''نجاستِ مرئیہ'' کہلاتی ہیں جیسے خون، پاخانہ، بیٹ وغیرہ اور اگر نجاست لگنے کے بعد نظر نہ آئے تو ''نجاستِ غیر مرئیہ'' کہلاتی ہیں۔ جیسے پیشاب وغیرہ۔

نجاست لگی چیزوں کو پاک کرنے کا طریقہ:جو چیزیں خود تو نجس نہیں ہیں لیکن نجاست لگنے سے ناپاک ہوگئیں ہیں ان کے پاک کرنے کے مختلف طریقے ہیں بعض چیزیں دھونے سے ہی پاک ہوتی ہیں۔ بعض چیزیں پونچھنے رگڑنے یا مٹی سے مانجھ ڈالنے سے پاک ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح بعض چیزیں ملنے اور کھرچنے سے پاک اور صاف ہو جاتی ہیں۔ بعض چیزیں سوکھ جانے سے ہی پاک ہو جاتی ہیں۔ ان تمام اشیاء کی تفصیل نمبر وار ذکر کی جاتی ہے تا کہ یاد رکھنے میں سہولت ہو۔

پاک کرنے کے طریقے :(۱) دھونا :نجاست کو دور کرنے کے لیے سب سے بڑا طریقہ ''دھونا'' ہے۔ اگر نجاست مرئیہ ہے (یعنی کپڑے یا جسم پر لگنے کے بعد اس کا وجود اور جسم نظر آتا ہے) تو اس سے پاکی حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کپڑے یا بدن وغیرہ کو اتنا دھویا جائے جس سے اس نجاست کا عین اور جسم ختم ہو جائے۔ خواہ یہ مقصد ایک مرتبہ دھونے سے ہی حاصل ہو جائے یا کئی مرتبہ دھونا پڑے اگر نجاست ایک مرتبہ دھونے سے دھل جاتی ہے تو اگرچہ مقصود حاصل ہو جانے کی وجہ سے کپڑا پاک ہو جائے گا تاہم تین بار دھو لینا افضل اور بہتر ہے۔ یہ بات خوب ذہن نشین رہے کہ دھونے میں محض اس نجاست کا عین اور وجود ختم کرنا ضروری ہے اگرچہ اس کا داغ دھبہ اور اس کی بدبو ختم نہ ہو۔ جیسے خون کا داغ اور دھبہ۔ نجاست کا عین یا وجود کو زائل کرنے کے بعد اگرچہ اس کا داغ دھبہ سرف یا صابن سے، یا گرم پانی سے دور کرنا ممکن ہو تب بھی شریعتِ مطہرہ اس بات کی تکلیف نہیں دیتی۔ تاہم اگر کوئی استعمال کرنا چاہے تو اچھا ہے۔

ملاحظہ: یاد رہے کہ ”نجاست مرئیہ“ کے دور کرنے کے لیے جس طرح پانی استعمال کرنا درست ہے۔ اسی طرح وہ مائع چیز (جو بہنے والی ہو) اور پانی کی طرح پتلی ہو تو استعمال کرنا جائز ہے جس سے اس نجاست کا عین زائل ہو سکتا ہے۔ جیسے سرکہ، اور عرق گلاب وغیرہ۔ یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے سرکہ یا عرق گلاب وغیرہ ایسی پاک مائع چیزوں سے طہارت حکمیہ (وضو اور غسل) حاصل نہیں ہو سکتی۔ تاہم طہارتِ حقیقیہ حاصل ہو سکتی ہے۔

اگر کوئی مائع چیز ایسی ہو جو بذات خود طاہر بھی ہو اور بہنے والی بھی ہو، لیکن اس سے نجاست کا عین اور اجزاء کو بدن اور کپڑے وغیرہ سے اچھی طرح چھڑانا اور صاف کرنا ممکن نہ ہو وہ اس سے بھی طہارت حاصل کرنا جائز نہیں۔ جیسے گھی، تیل، دودھ وغیرہ۔ ایسی چیزوں کے استعمال کے باوجود وہ چیز بدستور نجس رہے گی۔ یہ تو تھی تفصیل نظر آنے والی نجاستِ مرئیہ کے بارے میں، لیکن اگر وہ نجاست نظر نہ آنے والی ہو جسے ”نجاستِ غیر مرئیہ“ کہتے ہیں جیسے پیشاب وغیرہ (خواہ وہ نجاست غلیظہ کی اقسام میں سے ہو یا نجاستِ خفیفہ کی) تو اس سے پاکی حاصل کرنے کے لیے پانی (یا پانی جیسی پتلی بہنے والی کسی بھی ایسی پاک چیز سے جس سے نجاست کا اثر زائل کرنا ممکن ہو) سے تین مرتبہ اس طرح دھونا ضروری ہے :(۱) تیسری مرتبہ دھونے کے بعد اتنا نچوڑا جائے کہ اس سے قطرے آنے بند ہو جائیں۔(۲) اور ہر دفعہ نیا پاک پانی استعمال کیا جائے۔

● تین مرتبہ دھونے اور نچوڑنے وغیرہ کا مسئلہ اس وقت ہے جب پانی جاری نہ ہو۔ اگر پانی جاری ہو مثلاً کھلے نل کے نیچے ناپاک کپڑے کو رکھ دیا جائے، یا نہر یا دریا میں ڈال دیا جائے یا سمندری لہر کے سامنے کر دیا جائے اور اس کپڑے پر اتنا پانی بہہ جائے کہ نجاست دور ہو جانے کا اطمینان ہو جائے تو کپڑا پاک ہو جائے گا۔ نچوڑنے کی بھی ضرورت نہیں۔

اسی طرح واشنگ مشین میں اس طرح کپڑے ڈالے جائیں کہ مشین چل رہی ہو۔ مشین کے اوپر نل کھول دیا ہو اور نیچے سے گندا پانی باہر نکل رہا ہو اس صورت میں بھی نجاست کے دور ہو جانے کا اطمینان ہو جانے پر کپڑا پاک ہو جائے گا، نچوڑنے کی بھی ضرورت نہیں۔

(۲) پونچھنا : جس طرح پانی کے استعمال کرنے سے ہر قسم کی نجاست دور ہو جاتی ہے اسی طرح بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو پونچھنے سے پاک ہو جاتی ہیں۔ جیسے آئینہ کا شیشہ، چھری، چاقو، چاندی سونا اور ان کے زیورات، پیتل تانبے لوہے، شیشے وغیرہ کی چیزیں اگر نجس ہو جائیں تو ان کی دو صورتیں ہیں :(الف) ان پر ایسی پتلی نجاست لگی ہوگی جو سوکھنے کے بعد نظر نہیں آتی ہے۔ جیسے پیشاب وغیرہ۔(ب) یا ان پر ایسی گاڑھی نجاست لگی ہوگی جو سوکھنے کے بعد نظر آتی ہے۔ جیسے پاخانہ، خون وغیرہ۔

اگر پہلی صورت ہو (یعنی پتلی نجاست لگی ہو) تو اشیاء کے پاک کرنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ ان کو تین مرتبہ پانی سے دھوئے اور ہر مرتبہ دھو کر اتنی دیر ٹھہرے کہ برتن وغیرہ یا ان اشیاء سے پانی ٹپکنا بند ہو جائے۔

اور اگر نجاست لگنے کی دوسری صورت ہو (یعنی گاڑھی نجاست، پاخانہ وغیرہ لگا ہو) اور دوسری طرف برتنوں کی صورتحال ایسی ہو کہ وہ کھردرے اور نقش و نگار والے ہوں تب بھی ان کو پاک کرنے کے پانی سے اس طرح دھونا ضروری ہے کہ نجاست بالکل دور ہو جائے اور اس کے ذرات نظر نہ آئیں۔ ایسے برتنوں کو اور زیور وغیرہ کو پونچھنا مفید نہیں ہے کیونکہ نجاست ان کے کھردرے پن اور نقوش کی وجہ سے ان کے ریخوں کے درمیان جم جاتی ہے وہ پونچھنے سے نجاست سے مکمل آزادی حاصل نہیں ہوتی۔

لیکن اگر یہ چیزیں اور ان سے بننے والے برتن اور زیور وغیرہ ہموار ہوں تو کپڑے مٹی اور ٹشو پیپر وغیرہ سے خوب پونچھنے سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔

(۴) خشک ہو کر اثر جاتے رہنا :اگر زمین نجاست گرنے کی وجہ سے ناپاک ہو گئی تو اس کے پاک کرنے کا یہ طریقہ ہے۔ کہ زمین ایسی خشک ہو جائے کہ نجاست کا نشان بالکل نہ رہے۔ نجاست کا دھبہ باقی رہے نہ بدبو آئے اس طرح زمین کے خشک ہو جانے سے زمین پاک ہو جاتی ہے۔ اس زمین پر نماز پڑھنا درست ہے۔

یاد رکھیں کہ اس طرح خشک ہو جانے سے زمین خود تو طاہر اور پاک ہوتی ہے مگر مطہر نہیں ہوتی (دوسروں کو پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی)۔ لہٰذا ایسی زمین پر تیمم کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ تیمم میں زمین سے پاکی حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔

ملاحظہ :یہ بات ذہن نشین رہے کہ پاکی اور ناپاکی میں جو حکم زمین کا ہے وہی حکم ان چیزوں کا ہے جو زمین سے ایسی متصل ہو جائیں کہ بغیر کھودے ان کو زمین سے جدا کرنا ممکن نہ ہو۔

مثال : جیسے اینٹیں اور پتھر اگر زمین پر گارے یا سیمنٹ سے جوڑ دیئے جائیں تو چونکہ کھودے بغیر ان کو زمین سے جدا کرنا ممکن نہیں ہے لہٰذا یہ زمین کے حکم میں سمجھے جائیں گے چنانچہ ایسی اینٹوں اور پتھر پر نجاست گر جائے اور وہ اس طرح خشک ہو جائے کہ ان پر نجاست کا اثر باقی نہ رہے نہ داغ دھبہ اور بدبو تو یہ "پاک" ہو جائیں گے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ اگر اینٹیں یا پتھر زمین پر فقط بچھائے گئے ہیں ان کو گارے اور سیمنٹ وغیرہ کے ذریعہ زمین سے جوڑا نہیں گیا تو ان کے ناپاک ہونے کی صورت میں محض خشک ہونا کافی نہیں ہے بلکہ پانی وغیرہ سے دھونا ضروری ہے۔

اوپر بیان کردہ اصول کی روشنی میں پودوں یا گھاس وغیرہ کی ناپاکی کی صورت میں ان کے پاک ہونے کا حکم بھی معلوم ہو گیا چنانچہ گھاس وغیرہ اگر زمین پر اگی ہوئی ہے تو محض خشک ہو جانے اور نجاست کا نشان وغیرہ ختم ہو جانے سے پاک ہو جاتی ہے۔ اور اگر گھاس کٹی ہوئی ہے تو محض خشک ہو جانے سے پاک نہیں ہوگی بلکہ پانی وغیرہ سے دھونا ضروری ہوگا۔

اگر کوئی چیز نجاست کے لگنے سے ناپاک ہو جائے اور اس کو آگ میں ڈال دیا جائے جس کے نجاست کے اثرات ختم ہو جائیں اور اس نجاست کے ذرات جل جائیں تو بھی وہ چیز پاک ہو جاتی ہے۔

مثال ۱ :۔ ناپاک چاقو، چھری، مٹی یا تانبے اور اسٹیل وغیرہ کے برتن اگر دھکتی آگ میں ڈال دیئے جائیں تو بھی پاک ہو جاتے ہیں۔ مثال ۲:۔ ناپاک مٹی سے برتن یا اینٹیں وغیرہ بنائی گئیں تو جب تک وہ اشیاء کچی ہیں ناپاک ہیں۔ اگر انھیں بھٹی میں ڈال کر پکا لیا جائے تو پاک ہو جائیں گی۔ مثال ۳ :۔ اگر تنور وغیرہ نجس پانی یا پیشاب لگنے سے ناپاک ہو جائے اور اس میں آگ لگا دی جائے جس سے اس کی تری خشک ہو جائے تو تنور پاک ہو جائے گا۔ اب روٹی لگانے سے روٹی ناپاک نہیں ہوگی۔

مثال ۴۔ بکری وغیرہ کی ایسی سری یا ران کو جو خون میں لت پت تھی اس کو آگ پر اس طرح بھون لیا گیا کہ اس پر لگا ہوا خون جل گیا اور اس پر خون کا کچھ بھی اثر باقی نہ رہے تو وہ سری اور ران پاک ہو جائے گی۔

(۵) حقیقت کا بدل جانا: اگر کسی چیز کو اس طرح جلا دیا جائے یا اس کو کسی کیمیائی عمل سے اس طرح گزار دیا جائے کہ اس شے کی حقیقت بدل جائے تب بھی وہ چیز پاک ہو جاتی ہے۔ مثال ۱۔ گوبر وغیرہ کے اوپلے اور لید وغیرہ اگر آگ میں جل کر راکھ بن جائے تو یہ راکھ پاک ہے کیونکہ آگ میں جلنے کی وجہ اس کی حقیقت تبدیل ہو گئی ہے لہٰذا اگر یہ راکھ وغیرہ کھانے کی چیز میں لگ جائے تو کچھ حرج نہیں ہے۔ مثال ۲ :۔ شراب جو کہ ناپاک ہوتی ہے اگر پڑے پڑے خود بخود سرکہ بن جائے یا کسی کیمیائی عمل کے ذریعے سرکہ بنا لیا جائے تو چونکہ سرکہ بن جانے کی وجہ سے اس کی حقیقت تبدیل ہو چکی ہے لہٰذا وہ پاک ہو جاتی ہے۔ اس کا استعمال اب ہر طرح صحیح ہے۔ مثال ۳۔ ناپاک تیل یا ناپاک چربی کو کسی کیمیائی عمل سے گزار کر صابن بنا لیا جائے تو چونکہ صابن

بن جانے سے ان اشیاء کی حقیقت بدل جاتی ہے۔ لہٰذا ایسا صابن پاک ہے۔ مثال نمبر: کوئی جانور مثلاً گدھا وغیرہ نمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے یا پانی کے کنویں میں گر کر کچھ عرصے بعد مٹی بن جائے تو وہ کان اور کنواں اس گرنے والے جانور کی حقیقت بدل جانے کی وجہ سے پاک ہے۔

(٦) ذبح سے پاک ہونا : کسی بھی جانور کو ذبح کر دیا جائے تو بہنے والے خون کے نکل جانے کی وجہ سے کھال پاک ہوجاتی ہے۔ (ماسوا آدمی اور خنزیر کی کھال کے) ایسی کھال کی رطوبات وغیرہ کپڑے یا بدن کو لگ جانے سے کپڑا یا بدن ناپاک نہیں ہوں گے۔

(٧) چمڑے کا دباغت سے پاک ہونا: اگر کوئی جانور شرعی طور پر ذبح نہ کیا جاسکا اور ایسے ہی مردار ہوگیا اور اس کی کھال اتار لی گئی تو یہ کھال ناپاک ہے۔ مردہ جانور کی کھال کو پاک کرنے کے عمل کا نام "دباغت" ہے۔ دباغت کے ذریعے ایسی کھال پاک ہوجاتی ہے۔

دباغت کا طریقہ : دباغت کا طریقہ یہ ہے کہ (١) کھال کو دھوپ میں رکھ دیا جائے جس کی وجہ اس کی تمام نجس رطوبات خشک ہوجائیں۔ اور کھال میں کچھ بھی پانی باقی نہ رہے۔ (٢) کھال کو نمک یا کسی بھی کیمیکل سے اس طرح صاف کر دیا جائے کہ اس کا نجس پانی اور نجس رطوبات خشک ہوجائیں۔

ملاحظہ : اوپر ذکر کردہ مسئلہ آدمی اور خنزیر کے علاوہ تمام مردہ جانوروں کی کھال کے بارے میں ہے۔ آدمی اور خنزیر کی کھال دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتی۔ آدمی کی کھال تو اس کے احترام و اکرام کی وجہ سے۔ اور خنزیر کی کھال اس وجہ سے کہ خنزیر نجس العین ہوتا ہے۔ ہر طرح کی صفائی اور دباغت کے باوجود وہ نجس ہی رہتا ہے۔

(٨) ملنا اور کھرچنا: اگر کسی شخص کے کپڑے کو منی لگ جائے تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دیکھا جائے گا کہ کپڑے کو لگنے والی منی خشک ہے یا تر۔ اگر منی تر ہے تو اسے پانی سے دھونا واجب ہے۔ کھرچنے سے کچھ بھی فائدہ نہیں۔ اور اگر منی خشک ہوچکی ہے تو اس کو مل کر کھرچ دینا بھی کافی ہے۔ منی اگر بدن کو لگ جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ تر ہو تو دھونا ضروری ہے اور اگر خشک ہوچکی ہو تو کھرچ دینے سے بدن پاک ہوجاتا ہے۔ کھرچنے کی صورت میں صرف منی کے اجزاء کا دور ہوجانا کافی ہے۔ منی کے داغ اور بدبو کو ختم کرنا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ : چونکہ طبعی کمزوری کی وجہ سے آج کل منی پتلی ہوتی ہے۔ جو کپڑے کے اندر جذب ہوجاتی ہے۔ لہٰذا صرف کھرچنے سے منی کے اجزاء سے چھٹکارا حاصل نہیں ہوتا بلکہ دھونا بھی ضروری ہے۔

(٩) گھسنا اور رگڑنا: چمڑے کے موزے اور جوتے پر نجاست لگ جائے تو اس کو پاک کرنے میں یہ تفصیل ہے :

(١) اگر ایسی نجاست لگے جو گاڑھی اور جسم دار ہے جیسے پاخانہ، گوبر اور منی وغیرہ۔ تو اب اگر (الف) ایسی نجاست خشک ہوجائے تو زمین وغیرہ پر گھسنے اور اس طرح رگڑنے سے موزہ اور جوتا وغیرہ پاک ہوجائے گا۔ کہ نجاست کے اثرات ختم ہوجائیں۔

(ب) اور اگر ایسی نجاست کو خوب اچھی طرح زمین پر گھس دیا جائے یا خوب اچھی طرح پونچھ دیا جائے کہ نجاست کا کچھ بھی اثر یعنی رنگ اور بو باقی نہ رہے تو پاک ہوجائے گا۔ (یہ تو تھی تفصیل نجاست کے گاڑھے ہونے کی صورت میں)

(٢) اور اگر نجاست پتلی ہو جو سوکھنے کے بعد نظر نہیں آتی تو اگر گیلے موزے اور جوتے پر مٹی، ریت یا راکھ وغیرہ ڈال کر رگڑ

دیں اور اچھی طرح پونچھ لیں تو یہ پاک ہو جائیں گے۔

﴿۷﴾ **تذکیر انعامات** :اس میں ظاہری، باطنی، جسمانی اور روحانی سب نعمتیں داخل ہیں۔وَمِيثَاقَهُ الَّذِي **تاکید ایفائے میثاق** :اس "میثاق" سے مراد عہد اَلَسْتُ بھی ہوسکتا ہے۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسلام لاتے وقت آنحضرت ﷺ سے بیعت کرنے کو عہد فرمایا ہے۔کیونکہ اسلام پر بیعت کرنا تمام احکام شرعیہ پر "سَمِعْنَا" اور "اطعنا" کہنا ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد بیعت رضوان ہو جو حدیبیہ کے مقام پر ہوئی۔الغرض اس میثاق کے مذکورہ تمام مصداق ہوسکتے ہیں۔

﴿۸﴾ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ ...الخ **اقامت شہادت کے لئے عدل وانصاف کی اہمیت** :اس آیت میں عدل وانصاف کی اہمیت خلق خدا تعالیٰ کے ساتھ سلوک میں جادہ اعتدال سے ہٹنے نہ پائے کا ذکر ہے۔خواہ واسطہ دشمن سے ہی کیوں نہ پڑے۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں خطاب اگرچہ پوری امت کو ہے،لیکن علماء کی اس بارے میں امتیازی شان ہونی چاہئے انکو "شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ" حق وصداقت کا گواہ اور علم بردار ہونا چاہئے،اگرچہ امت اسلامیہ کا فرض اقوام عالم کا احتساب ہے تو علمائے اسلام کا فرض مسلم معاشرہ کا احتساب کرتے رہنا چاہئے کہ کہاں سے یہ معاشرہ صراط مستقیم سے ہٹ رہا ہے۔کہاں سے اس نے خط مستقیم کو چھوڑا ہے اس بارے میں ان کا کام بالکل بیرومیٹر کا سا ہونا چاہئے۔وہ ہر جگہ،ہر موسم میں ہوا کا دباؤ بتاتا ہے،وہ صحیح شہادت ادا کرتا ہے۔

علماء دین کو قبلہ نما ہونا چاہئے

حضرت اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں دہلی سے چلا اور حیدرآباد پہنچا خدا جانے گاڑی نے کیا کیا رخ بدلے،کن کن علاقوں سے گزری لیکن "قبلہ نما" نے ہمیشہ صحیح قبلہ بتایا،اس نے نہ گاڑی کے پھرنے کی پرواہ کی،نہ سمت کے تبدیل ہونے کی،مجھے بڑا رشک آیا کہ ایک ادنیٰ سی جماداتی چیز،جو انسان کی صنعت ہے وہ اتنی امین ہے ایسی ثابت قدم،ایسی خوددار،اور ایسی پابند اصول ہے کہ اس نے نہ یہ دیکھا کہ گاڑی کس طرح رخ بدل رہی ہے۔

یہ مگر ایک انسان ہے (جو اشرف المخلوقات) ہونے کا باوجود برابر اپنا رخ بدلتا رہتا ہے،ہر جگہ اس نے صحیح طور پر قبلہ بتایا،اور ہم نے اس پر اعتماد کیا اور نماز پڑھی،اس سے مجھے غیرت بھی آئی،اور حیرت بھی ہوئی کہ "قبلہ نما" تو کسی کی پروا نہ کرے اور ہمیشہ سمت قبلہ بتائے،اس نے اپنا مقصد وجود تبدیل نہیں کیا،اور نہ اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں فرق کیا چاہئے تو یہ تھا کہ جس امت کو ایک معین قبلہ دیا گیا ہے اسکو یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ تمہارے دلوں کا قبلہ،تمہارے قبلہ حاجات،تمہاری فکر اور سعی وجہد کا محور ایک ہی ہونا چاہئے نمازوں میں خانہ کعبہ اور اعمال وسعی ومقصد میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہو جو مقصود حقیقی ہے۔ (محصلہ قرآنی افادات،ص ۵۶۳ تا ۵۶۳۸)

استحکام امن کے لئے بین الاقوامی اور ملکی معاہدہ

آنحضرت ﷺ جب مدینہ منورہ میں تشریف لے آئے تو استحکام امن لے لئے کفار مدینہ کے ساتھ معاہدہ کیا کہ جب باہر سے کوئی دشمن حملہ آور ہو تو مسلمان اور کافر مل کر اس کا مقابلہ کریں گے آنحضرت ﷺ نے اس پر ایک تحریری عہد بھی لیا جس کا تفصیلاً ذکر سیرت ابن ہشام اور البدایہ والنہایہ میں مذکور ہے اس وقت ساری دنیا میں عالم کفر مسلمانوں کے خلاف متحد ہو چکا ہے اور دین اسلام کو مٹانے کی سرتوڑ کوشش میں لگا ہوا ہے اور مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں ایسے حالات میں امت مسلمہ کو

چاہئے کہ اپنی بقاء کے لئے اور حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور اپنے فروعی مسائل کو بالا طاق رکھتے ہوئے آپس میں متحد ہو جائیں تا کہ کفر کا نام ونشان ہی دنیا کائنات سے مٹ جائے۔ اتحاد کی برکت سے امت مسلمہ اغیار کے مذموم عزائم سے بچ جائے گی۔

ووٹ کی شرعی حیثیت

یہاں اقامت شہادت میں سے ایک بات یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس پر کچھ گذارش سورۃ النساء کی آیت: ۱۳۵ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے معارف القرآن کے حوالہ سے گزر چکی ہے یہاں اتنی بات یاد رکھیں کہ حضرت مفتی صاحب تفسیر معارف القرآن: ص: ۲۰۷، ج: ۳: میں لکھتے ہیں کہ ہمارا ووٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے ایک شہادت، دوسری شفاعت، اور تیسری حقوق مشترکہ میں وکالت، تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک صالح قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں اسی طرح نا اہل یا غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری شفاعت بھی اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے تباہ کن ثمرات بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے اس لئے ہر مسلمان ووٹر پر فرض ہے کہ ووٹ دینے سے پہلے اس کی پوری تحقیق کر لے کہ جس کو ووٹ دے رہا ہے تو وہ کام کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں اور دیانت دار ہے یا نہیں محض غفلت و بے پرواہی سے بلاوجہ ان عظیم گناہوں کا مرتکب نہ ہو۔

سوال: عالم کفر اور بے دینوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اہل سنت والجماعت سے مسلکی اختلاف رکھنے والے لوگوں سے الیکشن لڑنے کے لئے اتحاد کرنا اور ان کو ووٹ دینا کیا شرعی طور پر جائز ہے؟ **جواب:** جب جماعت کا منشور ایک ہو تو مختلف فرقوں کو اتحاد میں شامل کر کے ان کو ووٹ دیا جا سکتا ہے۔

اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ❶ مسلکی مخالف سے اتحاد برقرار رکھنے کے لئے۔ ❷ جب وہ منتخب ہو کر جائے گا اس کو اپنی رائے استعمال کرنے کا حق نہیں ہوگا بلکہ جماعت کے منشور کے مطابق کام کرنا ہوگا۔ ❸ یہ ووٹ دینے میں ایک دوسرے کے پابند ہوں گے تا کہ معاہدے کی پاسداری ہو۔ ❹ مسلکی مخالفین کو جب ووٹ دیا جاتا ہے تو یہ حقیقت میں ووٹوں کا تبادلہ ہوتا ہے اس میں فائدہ اہل سنت والجماعت کو ہی ہوگا چونکہ یہ اکثریت میں ہوں گے۔

اسلئے مسلمانوں کو چاہئے جب بھی باطل کا مقابلہ کیا جائے تو اتحاد کو قائم اور دائم رکھنے کے لئے اور حالات کے پیش نظر ووٹ کی شہادت کی ضرورت پڑے تو مسلمانوں کو چاہئے مذکورہ تینوں صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے ووٹ کو صحیح استعمال کریں ورنہ کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوں گے اور اپنے تمام ماضی وحال کے اختلافات کو بھول کر انتخابی منشور کو سامنے رکھتے ہوئے ووٹ کے حق کو استعمال کریں اور اپنے مسلمان ہونے اور اسلام کے ساتھ وابستگی کا بھرپور اظہار کریں۔

شہادت کے قیام کے لئے قرآن کریم میں واضح تصریحات موجود ہیں چنانچہ سورۃ بقرہ کی آیت: ۲۸۳: سورۃ نساء کی آیت: ۱۳۵ اور سورۃ مائدہ کی آیت: ۸: اور سورۃ طلاق کی آیت: ۲: میں اللہ تعالیٰ نے قیام شہادت کا حکم بیان فرمایا ہے اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ بوقت ضرورت اہل کفر سے اتحاد کرنا جائز ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے اسی طرح جو لوگ مسلک و مشرب میں اہل سنت والجماعت سے اختلاف رکھتے ہیں ان سے اتحاد کرنا کوئی قباحت نہیں یہ اتحاد محض سیاسی اور ملکی نظام کے استحکام کے لئے قائم کیا جاتا ہے نہ کہ یہ مسلکی اتحاد ہوتا ہے مسلک کے اعتبار سے ہر تنظیم اور جماعت آزاد ہے کوئی کسی کا پابند نہیں۔

﴿۹﴾ متبعین کے لئے مغفرت کا وعدہ: یعنی اس میں متبعین کے لئے مغفرت کے وعدہ کا ذکر ہے۔ فرمایا جو لوگ تعلق بالخالق، و تعلق بالمخلوق کو ٹھیک بنائیں گے وہ مغفرت اور اجر عظیم پائیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ ایمانی

یہ ایسے حضرات تھے جن کا اللہ کے ساتھ تعلق مربوط تھا جس میں معمولی سا ضعف محسوس کرتے تو تڑپ جاتے تھے۔ چنانچہ:
حضرت بنوریؒ بصائر وعبر میں لکھتے ہیں کہ: آفتابِ نبوت کے غروب ہوتے ہی ایمانی روشنی میں اضمحلال وضعف رونما ہونا شروع ہو گیا تھا، عہد نبوت میں ایمان ویقین کی جو تابانی وشدت تھی وہ روز بروز زوال پذیر ہوتی رہی، حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ میں صحابہؓ کی جو ایمانی کیفیت تھی وصال کے بعد اس میں اضمحلال شروع ہوا بلکہ حیاتِ مقدسہ میں حضرو غیبت کا فرق تھا، صحابی رسول حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ''صحیح مسلم'' وغیرہ میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ کہیں جا رہے تھے راستہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ملے، پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ جواب دیا کہ: کیا پوچھتے ہو، حنظلہ تو منافق ہو گیا، صدیق اکبرؓ فرمانے لگے سبحان اللہ! خیر تو ہے کیا کہتے ہو؟ جواب دیا کہ ہم جب حضور اکرم ﷺ کے مجلس میں ہوتے ہیں آپ جب جنت دوزخ کا تذکرہ فرماتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، لیکن گھر آ کر دنیا کے دھندوں میں مشغول ہو کر اور بیوی بچوں میں مصروف ہو کر یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے، حضرت صدیقؓ یہ سن کر فرمانے لگے کہ: اگر یہ نفاق۔ ہے تو پھر میں بھی اس میں مبتلا ہوں دونوں بارگاہِ نبوت میں پہنچے، حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں تو منافق ہو گیا، آپ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ حضرت حنظلہؓ نے صورتحال بیان کی، سننے کے بعد آپ نے فرمایا: "والذی نفسی بیدہ انکم لو تدومون علی ما تکونون عندی و فی الذکر لصافحتکم الملائکۃ علی فرشکم و فی طرقکم ولکن یا حنظلۃ ساعۃ فساعۃ"۔

(صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب فضل دوام الذکر والفکر فی امور الآخرۃ ج ۲: ص ۳۵۵:، ط قدیمی)

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمہاری یہ حالت جو میری مجلس میں ہوتی ہے یا ذکر اللہ کی حالت میں ہوتی ہے ہر وقت باقی رہتی تو (تم اتنے اونچے ہوتے) کہ فرشتے تم سے تمہارے گھروں اور راستوں میں مصافحہ کرتے اور ملتے لیکن اے حنظلہ! یہ کیفیت کبھی کبھی ہوتی ہے (ہمیشہ باقی نہیں رہتی)

اس واقعہ سے یہ بات واضح ہے کہ آپ کی حیات مبارکہ میں حاضری اور غیر حاضری کا فرق نمایاں تھا، ایمان ویقین کی کیفیات کے اندر تفاوت ہوتا تھا، پھر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تو ظاہر ہے کہ یہ تفاوت بہت نمایاں ہو گیا، جامع ترمذی سنن ابن ماجہ میں انس بن مالکؓ صحابی رسول سے مروی ہے: ما کان الیوم الذی قدم فیہ رسول اللہ ﷺ المدینۃ اضاء منہا کل شی فلما کان الیوم الذی مات فیہ اظلم منہا کل شئی قال: و ما نفضنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الأیدی حتیٰ أنکرنا قلوبنا"۔ (سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ ج ۲: ص ۲۰۲:، ط فاروقی کتب خانہ ملتان۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، ابواب ماجاء فی الجنائز، باب ماجاء فی ذکر وفاتہ ودفنہ ﷺ ص ۱۱۷:، ط: قدیمی)

جس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہاں کی ہر چیز روشن ہو گئی لیکن جس دن آپ کی وفات ہوئی تو مدینہ کی ہر چیز تاریک ہو گئی اور فرمایا: ہم نے آپ کو دفن کر کے ابھی مٹی سے ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ اپنے دلوں میں فرق محسوس کرنے لگے۔ اسی قسم کا مضمون ''تاریخ ابن کثیر'' میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ، باب ما اصاب المسلمین من المصیبۃ بوفاۃ ﷺ، ج ٥: ص ٢٧٤، ط: مکتبۃ المعارف بیروت)

''سنن ابن ماجہ'' میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور حدیث مروی ہے جس کا حاصل یہ ہے: ''عہدِ نبوت میں نماز ایسے خشوع سے ہوتی تھی کہ نمازی کی نگاہ قدموں سے آگے متجاوز نہیں ہوتی تھی، عہدِ صدیقی میں اس قدر فرق ہو گیا کہ نگاہ قدموں سے آگے بڑھ کر سجدہ کی جگہ سے آگے نہیں بڑھتی تھی، عہدِ فاروقی میں قبلہ کے رخ سے نگاہ ہٹ کر دائیں بائیں نہیں جاتی تھی جب عہدِ عثمانی آیا اور فتنوں کا دور شروع ہوا تو نمازی کی نگاہ دائیں بائیں جانے لگی''۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، ابواب ما جاء فی الجنائز، باب ما جاء فی ذکر وفاتہ ودفنہ ﷺ ص ١١٨، ط: قدیمی)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا محاسبۂ نفس: سبحان اللہ کیا ٹھکانہ! صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ذکاوتِ حس اور اس دقیق محاسبہ کا کہ کس طرح اپنی عبادات کا جائزہ لیتے تھے اور اپنے قلوب کی کیفیات اور اعمال کا کیسا محاسبہ کرتے تھے، ٹھیک جس طرح ہم آج اپنی معمولی سی جسمانی کیفیت کے فرق کو محسوس کرتے ہیں اور اس کی تدبیر میں لگ جاتے ہیں اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روح وقلب کے تغیرات کا جائزہ لیا کرتے تھے اور اس کی فکر کرتے تھے اور اصلاحِ حال کی تدابیر اختیار فرماتے تھے۔

''صحیح بخاری'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے بعد ہر چیز میں تغیر آ گیا کوئی چیز بھی اپنی حالت پر باقی نہیں رہی بجز نماز اور پھر فرمایا: ''وهذه الصلاة قد ضيعت''۔

(صحیح البخاری، کتاب الصلوۃ، باب فی تضییع الصلوۃ عن وقتھا ج ١: ص ٧٦، ط: قدیمی)

اور یہ نماز بھی ضائع ہو گئی۔ مطلب یہ کہ نماز بھی ایسی نہیں رہی، حقوق وآداب خشوع وخضوع سے جس طرح پہلے ہوتی تھی وہ بات اب نہیں رہی۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ اپنے زمانہ کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''والله لقد أدركت سبعين بدريا أكثر لباسهم الصوف ولو رأيتموهم قلتم مجانين، ولو رأوا خياركم لقالوا ما لهؤلاء من خلاق، ولو رأوا شراركم لقالوا: ما يؤمن هؤلاء بيوم الحساب''۔

(حلیۃ الاولیاء، ذکر الحسن البصری ج ٢: ص ١٣٤، ط: دار الکتاب العربی بیروت)

بخدا میں نے ستر ٧٠ بدری صحابہ کو دیکھا جن کا زیادہ تر لباس صوف ہوتا تھا اور وہ صحابہ ایسے تھے کہ تم اگر ان کو دیکھتے تو تم ان کو دیوانہ کہتے اور اگر وہ تمہارے بہترین لوگوں کو دیکھتے تو کہہ دیتے کہ ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور اگر وہ تمہارے برے لوگوں کو دیکھتے تو فرما دیتے کہ یہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں۔

اس کا حاصل یہی ہے کہ صحابہ اور بالخصوص بدری صحابہ آخرت کے کاموں اور اللہ ورسول کی مرضیات میں ایسے منہمک تھے جس کی وجہ سے ان کو نہ اپنی جان کی فکر تھی، نہ اپنی اولاد کی، نہ دنیا کے عیش وآرام کا خیال، بہر حال ایسے لوگوں کو دیکھ کر یہی کہا جائے گا کہ یہ تو دیوانے ہیں اور تمہارے صلحاء اور بہترین اشخاص بھی اپنی جان، اپنی اولاد کی فکر کو مقصود بنائے ہوئے ہیں اس لیے ان کو دیکھ کر بھی کہا جائے گا کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے اور تمہارے شریر اور بدکار لوگوں کو دیکھ کر کہا جائے گا کہ یہ لوگ آخرت پر ایمان ویقین نہیں رکھتے۔

حسن بصری تابعی ہیں ١١٠ھ میں ان کی وفات ہوئی اور آج ان کی وفات کو ١٢٧٧ برس گزر گئے۔ خیر القرون کے آدمی ہیں جس کی فضیلت زبانِ نبوت سے ثابت ہے حسن بصری آج اگر زندہ ہو جائیں اور ہماری حالت دیکھیں تو سوچئے کیا فتویٰ دیں گے۔

ان حقائق سے آپ اندازہ لگائیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یقین وایمان کا کیا حال تھا اگر عہد تابعین میں صحابہ کرام کی قوت ایمانی کا

اندازہ لگانا مشکل تھا تو آج کیونکر ممکن ہے کہ ہم اس کا اندازہ لگا سکیں جو جنس مارکیٹ میں ہی نہ ہو اس کے حسن و خوبی کا اندازہ کیسے لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز؟ آپ نے فرمایا: وہ جہاد جس میں حضرت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ امیر معاویہؓ شریک تھے اس جہاد کے غبار کا وہ حصہ جو امیر معاویہ کے گھوڑے کی ناک میں گیا ہے وہ بھی ابن عبدالعزیزؒ سے بہتر ہے۔ یہ کوئی شاعری نہیں ہے، ابن المبارک امت محمدیہ کے فقیہ و محدث امام ہیں، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے کبار تلامذہ میں سے ہیں ابن المبارک رحمہ اللہ کے اس فتویٰ کو شیخ ابن حجر ہیثمی نے "تطہیر الجنان" میں نقل کیا ہے۔ (تطہیر الجنان، ص ١٠، ط: بیرون بوہر گیٹ ملتان)

صحابہ کرام کمال ایمان و کمال تقویٰ پر فائز تھے: صحابہ کرام کی فضیلت فوق العادہ ہے جس سے ان نفوس قدسیہ کی قوت ایمانی اور قرب عنداللہ کا اندازہ ہوتا ہے، یہ حضرات کمال ایمان و کمال تقویٰ پر فائز تھے جس کا نام قرآن کریم میں "ولایت" ہے، ارشاد ہے: اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ۔ (یونس: ٦٢، ٦٣)

سنو! اللہ تعالیٰ کے اولیاء جن پر قیامت کے دن نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے وہ لوگ ہیں جو کامل طور پر ایمان لائے اور جنہوں نے کمال تقویٰ اختیار کیا۔ ایمان کے بعد مدارِ قرب و کرامت عنداللہ تقویٰ ہے، جو حضرات سراپا تقویٰ بن جاتے ہیں ان کی صحبتیں، ان کی مجلسیں، ان کی ملاقات اصلاح حال میں عجیب تاثیر رکھتی ہے، یہی ہیں وہ پاک باز نفوس جن کی صحبت سے دل و دماغ پر ایسے نقوش مرتسم ہوجاتے ہیں جو تنہا عبادت و ریاضت سے سالہا سال میں ممکن نہیں اسی کو کہا گیا ہے:

یک زمانہ صحبت با اولیاء — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حدیث نبوی ﷺ میں ولی اللہ کی ایک واضح علامت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ ان کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے، فرمایا: "وخيار عباد الله اذا رؤا ذكر الله"۔ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب الحب فی اللہ و من اللہ ص ٤٢٧، ط، قدیمی)

اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہیں کہ جب ان کو دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ یاد آجائے۔

تاریخ ابن کثیر میں حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں امام یونس بن عبید سے منقول ہے: "كان الرجل اذا نظر الى الحسن انتفع به وان لم ير عمله ولم يسمع كلامه" حضرت حسن بصریؒ کو صرف دیکھنے سے نفع ہوتا تھا اگرچہ ان کے عمل دیکھا نہ جائے اور نہ ان کی گفتگو سنی جائے۔ (البدایۃ والنہایۃ ذکر الحسن البصری ج ٩ ص ٢٦٧ مکتبۃ المعارف بیروت)

یہی وہ جلیس صالح ہے جس کی مثال میں "کحامل المسک" بیان کی گئی ہے یعنی صالح ہم نشین کی صحبت سے ایسا فائدہ ہوتا ہے جیسے مشک اٹھانے والے کو مشک سے، صحبت کی یہی تاثیر ہے جس کی وجہ سے سلاسل صوفیہ میں سے سلسلہ نقشبندیہ میں صحبت شیخ پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاسِ قدسیہ جذب کرنے کا یہ متوارث سلسلہ ہے، اسی لیے شیخ سے عقیدت، ربط و محبت ضروری ہے، اگر شیخ باکمال ہے اور مرید کا یہ حال ہے تو غیر شعوری طور پر خود بخود محب جان نثار اپنے محبوب کا نمونہ ہوگا اور جتنی محبت اور صلاحیت ہوگی اس کے مطابق یہ نقشہ تیار ہوگا، بعض عشاق منازل عشق منٹوں میں طے کرلیتے ہیں جب کہ دوسرے سالہا سال میں اس سے محروم رہتے ہیں۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ عشق و محبت، پاکیزگی کی یہ داستانیں اب کہاں تلاش کی جائیں! معرفت و قرب الٰہی کے یہ خم خانے کہاں

سے لائے جائیں! یہ گلستان اب خزاں کی زد میں آچکا ہے اور اس گلشن کی ویرانی آنکھوں کے سامنے ہے، مشام دماغ کو معطر کرنے کے لیے معرفت کے پھولوں کی مہک کہاں سے لائی جائے۔ مادیت کے اس دور میں بے حیائی وفواحش ومنکرات کے زمانے میں یہ افسانے پارینہ نہیں تو کیا ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ: جس طرح مادرزاد نابینا سیاہ وسفید میں فرق نہیں کرسکتا اسی طرح مادیت کے دور میں اس کا امکان نہیں ہے کہ عہد نبوت وعہد صحابہ اور قرون مشہوٗد لھا بالخیر کی ایمانی کیفیت کا اندازہ لگایا جائے۔

میں تو یہ کہتا ہوں کہ جن دو چار ہستیوں نے دیکھا ہے اور پایا ہے آج ان کے ایمانی ملکات اور اپنے رب سے تعلق کی نظیر کہیں نہیں ملتی اور ان حضرات کا اپنے بزرگوں کے بارے میں یہی نظریہ تھا، یہ تنزل عہد نبوت سے شروع ہو چکا ہے اور چودہ سو سال سے جاری ہے، چونکہ اس دین کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس لیے اس تنزل کے باوجود دین سے تعلق رکھنے والے موجود ہیں اور دین کے مختلف گوشوں میں کام ہورہا ہے یہ بھی غنیمت ہے وہ حضرات کہ مادیت کے اس تاریک دور میں بھی ذکر اللہ اور تعلق مع اللہ سے گلشن معرفت کی آبادی میں لگے ہوئے ہیں لیکن افسوس کہ یہ بقایا صالحین سرعت سے آخرت کی طرف جارہے ہیں۔

﴿۱۰﴾ **منکرین احسانات کا انجام**: کفار کا انجام یعنی ضدی اور ہٹ دھرم جہنم رسید کیے جائیں گے۔

﴿۱۱﴾ **تذکیر بالآء اللہ سے مؤمنین کو بعض انعامات کی یاددہانی**: سورۃ مائدہ کی ساتویں آیت میں میثاق کا ذکر تھا یہ میثاق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طاعت اور احکام شرعیہ کی اتباع کا میثاق ہے جس کا اصطلاحی عنوان کلمہ طیبہ ہے، اور ہر کلمہ گو کو اس میثاق کا پابند ہونا چاہیے۔

اب اس آیت میں خاص طور پر "کفار کے منصوبوں کی ناچاکی" کا ذکر ہے کہ یہود اور دوسرے دشمنوں نے بارہا آنحضرت ﷺ اور اہل ایمان کو مٹانے اور قتل وغارت کردینے کے منصوبے بنائے اور تیاریاں کیں مگر اللہ تعالیٰ نے سب کو خائب وخاسر کیا، ارشاد ہے کہ ایک قوم اس فکر میں تھی کہ تم پر دست درازی کرے، مگر اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے۔ مجموعی حیثیت سے ایسے واقعات تاریخ اسلام میں بے شمار ہیں صرف ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے منقول ہے کہ بنی محارب کے ایک شخص جس کا نام غورث آیا ہے اس نے اپنی قوم سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل نہ کرو؟ لوگوں نے کہا کیسے بس وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے اور تلوار آپ کی گود مبارک میں تھی اس نے دیکھنے کے لئے مانگی آپ نے دے دی اس نے نیام سے نکال کر ہلانا شروع کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارنے کا ارادہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا کیا آپ کو ڈر نہیں لگتا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اس نے تلوار کو دوبارہ نیام میں رکھ دی اور آپ کو واپس کردی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے میری تجھ سے حفاظت فرمائی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ص ۱۷، ۴ ج۔ ۳)

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ

البتہ تحقیق اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد و پیمان لیا اور بھیجے ہم نے ان میں سے بارہ سردار

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرتے رہے اور زکوۃ ادا کرتے رہے اور تم میرے رسولوں پر ایمان لائے

وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ

اوران کی تائید کرتے رہے اور قرض دیا تم نے اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض تو میں ضرور معاف کردوں گا تم سے تمہارے گناہ اور میں ضرور داخل کروں گا تم کو

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١٢﴾

جنتوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جس نے کفر کیا اس کے بعد تم میں سے پس بیشک وہ گمراہ ہوگیا سیدھے راستے سے ﴿١٢﴾

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ

پس بوجہ ان کے توڑ دینے کے اپنا عہد و پیمان ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا وہ تبدیل کرتے ہیں کلام کو اس

مَوَاضِعِهِ ۙ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِنْهُمْ

کے ٹھکانوں سے اور وہ بھول گئے فائدہ اٹھانا اس چیز سے جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اور آپ ہمیشہ مطلع ہوتے رہیں گے ان کی کسی نہ کسی خیانت پر

إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣﴾

مگر بہت کم لوگ ان میں سے آپ معاف کردیں اور درگزر کریں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے احسان کرنے والوں کو ﴿١٣﴾

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا

اوران لوگوں میں سے جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے لیا ان سے پختہ عہد۔ پس بھول گئے وہ

حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ وَسَوْفَ

فائدہ اٹھانا اس چیز سے جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی۔ پھر ڈال دی ہم نے ان کے درمیان عداوت اور دشمنی قیامت تک اور عنقریب

يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١٤﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ

اللہ تعالیٰ ان کو بتلا دے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے ﴿١٤﴾ اے اہل کتاب! تحقیق آگیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول جو ظاہر کرتا ہے

لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ

تمہارے لئے بہت سی وہ چیزیں جن کو تم چھپاتے تھے کتاب میں سے اور درگزر کرتا ہے بہت سی چیزوں سے تحقیق آگیا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف

نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ﴿١٥﴾ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ

سے ایک نور اور کھول کر بیان کرنے والی کتاب ﴿١٥﴾ اللہ اس کے ذریعے ہدایت دیتا ہے اس کو جو پیروی کرتا ہے اس کی خوشنودی کی سلامتی کے راستہ کی اور نکالتا ہے ان کو

مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٦﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ

اندھیروں سے روشنی کی طرف اپنے حکم سے چلاتا ہے ان کو صراط مستقیم پر ﴿١٦﴾ البتہ تحقیق کافر ہوئے وہ لوگ

قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔـا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ

جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ بعینہ مسیح ابن مریم ہے اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے پس کون مالک ہے اللہ کے سامنے کسی چیز کا اگر وہ ارادہ کرے کہ ہلاک کردے

الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

مسیح ابن مریم اور ان کی والدہ کو اور جو زمین میں ہیں سب کے سب اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی

وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿17﴾ وَقَالَتِ الْيَھُوْدُ وَالنَّصٰرٰى

اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ پیدا کرتا ہے جو چاہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۱۷﴾ اور کہا یہودیوں نے اور نصرانیوں نے

نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ ۭ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ

کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں (اے پیغمبر) آپ کہہ دیجئے پس وہ تمہیں کیوں سزا دیتا ہے تمہارے گناہوں پر (ایسا نہیں ہے) بلکہ تم انسان ہو ان میں سے جن کو اللہ نے پیدا کیا

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ

وہ بخشتا ہے جس کو چاہے اور سزا دیتا ہے جس کو چاہے اور اللہ تعالیٰ ہی کیلئے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے

وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿18﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰي فَتْرَةٍ

اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿۱۸﴾ اے اہل کتاب! تحقیق تمہارے پاس آیا ہے ہمارا رسول جو کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لئے رسولوں کے وقفے

مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَاۗءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَاۗءَكُمْ بَشِيْرٌ

پر تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی نہیں آیا خوشخبری سنانے والا، بیشک آیا ہے تمہارے پاس خوشخبری سنانے والا

وَّنَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿19﴾

اور ڈرانے والا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۱۹﴾

﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ ... الخ ربط آیات: اوپر اہل ایمان کے عہد و میثاق کا ذکر تھا اب آگے فرمایا کہ تمہارے میثاق کا وہ حشر نہ ہو جس طرح یہود نے میثاق کا حشر کیا۔

خلاصہ رکوع ۳ بنی اسرائیل سے میثاق، مقدمہ میثاق، دفعات میثاق کی پابندی کے نتائج، نتائج ناقضین اور نقض میثاق کے بقیہ نتائج۔ ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ فریضہ خاتم الانبیاء، نصاریٰ کے بعض خبائث اور ان کے نتائج، اہل کتاب کے لئے نجات کا راستہ و بعثت خاتم الانبیاء، مستفیدین من القرآن، عیسائیوں کے فرقہ یعقوبیہ کا ابطال، اہل کتاب کا ابن اللہ اور محبوب الٰہی ہونے کا دعویٰ، فریقین سے خطاب عام برائے رسالت خاتم الانبیاء۔ ماخذ آیات ۱۲ : تا ۱۹ +

بنی اسرائیل سے میثاق: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود سے ایفائے میثاق کی شرطیں طے کیں اور ان میں بارہ نقیب مقرر کئے چونکہ بنی اسرائیل بارہ خاندانوں پر مشتمل تھے لہذا ہر خاندان کے لئے ایک نقیب سردار یا سرکردہ مقرر فرمایا، جو ان کو اللہ کے عہد

ع ۳ ۷

یاد دلاتا اور ان سے کہا گیا کہ اگر تم ان شرطوں اور عہد کو پورا کرو گے، تو حق تعالیٰ نے تمہاری دنیا و آخرت کی کامیابی کی خود ذمہ داری لی ہے۔ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ :مکالمہ خداوندی :ان بارہ سرداروں سے فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے میثاق کی پابندی کی تو میری امداد تمہارے ساتھ ہوگی۔ اور تم ہر قدم پر اس کا مشاہدہ کرو گے۔ اس میثاق کی خلاف ورزی کر کے تم کسی لمحہ بھی اس کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ الخ : دفعات میثاق: پہلے نمبر پر نماز ہے دوسرے نمبر پر زکوٰۃ کا ادا کرنا ہے اس سے معلوم ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ کے فرائض حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر بھی عائد تھے اور دوسری قرآنی اشارات اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرائض صرف بنی اسرائیل کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر پیغمبر اور ہر شریعت میں ہمیشہ عائد رہے ہیں۔

تیسرا نمبر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب رسولوں پر ایمان لائیں چوتھا نمبر پر اور رسولوں کی مدد کرو یعنی ان کے مقصد رشد و ہدایت میں ہدایت یا کر ان کی اشاعت دین کے لئے امداد کرو۔ پانچویں نمبر پر اللہ تعالیٰ کو قرض دو۔ اچھی طرح کا قرض۔ اچھی طرح کا مطلب یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ ہو کوئی دنیوی غرض اس میں شامل نہ ہو۔ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ :دفعات میثاق کی پابندی کے نتائج۔ فَمَنْ كَفَرَ الخ نتائج ناقضین۔

﴿۱۳﴾ نقض میثاق کے بقیہ نتائج ❶ یعنی ہم نے انکی بدعہدی اور میثاق کی خلاف ورزی کی سزا سے انکو اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ ❷ اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا اب ان میں کسی چیز کی گنجائش نہ رہی۔ جسکی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ "یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ"۔ ❸ یعنی یہ لوگ کلام الٰہی کو اس کے ٹھکانے سے پھیر دیتے ہیں۔ یعنی الفاظ اور معانی اور تلاوت میں تحریف کرتے تھے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ "وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ"۔ ❹ یعنی نصیحت جو انکو کی گئی تھی اس سے نفع اٹھانا بھول گئے، اور پھر سزا ان کی گلے کا ہار بن گئی۔ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ: ❺ یعنی آپ ہمیشہ انکے کسی نہ کسی دغا فریب پر مطلع ہوتے رہیں گے مثلاً :معاہدہ کی خلاف ورزی، آنحضرت ﷺ کے خلاف مشرکوں کی امداد، اور آپ کے قتل کرنے کا ارادہ اور آپ کو زہر دینا وغیرہ۔ "اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ" بجز تھوڑے لوگوں کے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ جو پہلے اہل کتاب کے دین پر تھے پھر سچے مسلمان ہو گئے۔ فَاعْفُ عَنْهُمْ ...الخ فریضہ خاتم الانبیاء: اب اس کا نتیجہ تو ہونا چاہئے تھا کہ آنحضرت ﷺ ان سے انتہائی نفرت کرتے، مگر آخر آیت میں آنحضرت ﷺ کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ آپ انکو معاف کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

فائدہ: حکم عفو حکم قتال کے خلاف نہیں ہے کیونکہ قتال بحکم خدا واجب ہے، اور درگزر کا حکم اس جرم کی سزا سے دیا گیا جو خاص رسول ﷺ کی ذات سے رکھتا ہے۔ یعنی آپ ﷺ کی ذات کو دکھ دینے اور ارادہ قتل کرنے کا جو جرم ان سے سرزد ہوا ہے اس سے درگزر کیجئے۔ (تفسیر مظہری)

﴿۱۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى ...الخ نصاریٰ کے بعض خبائث و نتائج :اس آیت میں عیسائیوں کی عہد شکنی کی سزا کا ذکر ہے اور انکی عداوت آپس میں قیامت تک چلتی رہے گی۔ اس پر سوال ہوتا ہے کہ آج کل ہمیں سب عیسائی باہم متحد نظر آتے ہیں جو کہ اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب اس آیت میں ان عیسائیوں کا ذکر ہے جو حقیقت میں عیسائی ہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے وہ تین فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ مثلاً آج جو عیسائی ہیں وہ اپنا مذہب چھوڑ کر دہری بن گئے ہیں اور حقیقت میں عیسائیوں کی فہرست سے خارج ہیں۔ لہٰذا اس آیت پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

﴿۱۵﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ ...الخ اہل کتاب کی نجات کا راستہ :اے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ تم اس امر کے عادی تھے کہ اپنی کتابوں کے مضامین چھپالیا کرتے تھے، جیسے رجم اور سنگساری کے احکام اور نبی کریم ﷺ کی صفت وثناء، اور آپ ﷺ باوجود تحصیل علوم نہ فرمانے کے خالص وحی کے ذریعہ تمہارے سامنے وہ چیزیں صاف کھول دی ہیں جنکو تم چھپاتے ہو اور بہت سے امور میں وہ تم سے درگزر فرما دیتے ہیں جبکہ ان کے اظہار میں کوئی شرعی مصلحت بھی نہیں ہوتی، جس سے صرف تمہاری رسوائی ہوتی ہے، یہ کمال علمی ان کی نبوت کی کھلی دلیل ہے اور اسی رسول کے ذریعہ سے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور وہ ایک کتاب واضح ہے۔

﴿۱۶﴾ مستفیدین من القرآن :اس کتاب کے ذریعہ اللہ ایسے لوگوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور انکو اپنی توفیق سے کفر و معصیت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان وطاعت کے نور کی طرف لے آتے ہیں، اور انکو ہمیشہ راہ راست پر رکھتے ہیں۔

عقیدہ نور و بشر۔مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات

ہمارا ایمان ہے کہ امام الرسل، خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ بشر بھی ہیں اور نور بھی، جنس اور ذات کے لحاظ سے تو آپ ﷺ بشر ہیں اور صفت و ہدایت کے اعتبار سے آپ نور ہیں آپ کی بدولت دنیائے ظلمت کو روشنی نصیب ہوئی، کفر و شرک کی تاریکی کافور ہوئی ،اور نور ایمان و توحید کی شعاعوں سے سطح ارضی منور ہوئی جو لوگ خواہشات نفسانی اور اہواء و آراء کی تاریکیوں اور باہمی شقاق و خلاف کے گہرے گڑھوں میں پڑے دھکے کھا رہے تھے آپ کی وساطت سے وہ سلامتی کی کھلی اور روشن راہوں پر گامزن ہو گئے کوئی مسلمان اس حقیقت کا منکر نہیں ہاں اگر آنحضرت ﷺ کو بایں معنی نور سمجھا اور کہا جائے کہ معاذ اللہ آپ کی بشریت آدمیت اور انسانیت ہی کا سرے سے انکار کر دیا جائے، تو نصوص قطعیہ صریحہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہم اس کے قطعاً منکر ہیں۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ :اہل بدعت اس آیت سے آنحضرت ﷺ کے نور ہونے پر دلیل پیش کرتے ہیں۔کہ اس میں لفظ "نور" ہے اس سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے اور چونکہ واو عطف سے کتاب کا ذکر کیا گیا ہے اور معطوف و معطوف علیہ مغایر ہوتے ہیں۔لہذا "نور" الگ شئی ہے اور "کتاب" جدا شئی ہے۔

جواب: اس آیت میں لفظ "نور" سے خود قرآن کریم مراد ہے اور عطف محض تفسیری ہے جس میں معطوف و معطوف علیہ کا ذاتاً تغایر نہیں بلکہ محض صفت کے لحاظ سے تغایر ہے مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم روشنی بھی ہے اور وہ بات کو کھول کر بھی بیان کرتا ہے۔اور اس کا ایک قرینہ تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کا ذکر اسی آیت کے شروع میں مستقل طور پر آچکا ہے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ :اے اہل کتاب تحقیق آ گیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول جو ظاہر کرتا ہے تمہارے لئے الخ اور آخر میں کتاب کا ذکر ہے جو روشن بھی ہے اور مبین بھی ہے۔اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ آگے "يَهْدِيْ بِهِ" میں ضمیر مفرد ہے، اگر نور سے آپ کی ذات گرامی اور کتاب مبین سے الگ چیز مراد ہوتی تو ضمیر تثنیہ کی "بهما" مناسب تھی۔ لیکن چونکہ نور اور کتاب مبین ایک شے ہے اسلئے ضمیر مفرد کی "به" مناسب رہی، گویا سیاق و سباق اور ماقبل و مابعد دونوں اس کے معین ہیں کہ اس مقام پر "نور" سے قرآن کریم مراد ہے۔اس کے علاوہ قرآن کریم میں دوسرے چار مقامات پر "نور" قرآن کریم کی صفت بیان ہوئی ہے جیسا کہ سورۃ نساء میں ہے (۱) "وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا" (آیت۔۱۷۴) اور نازل کی ہم نے تمہاری

طرف روشنی واضح۔

(۲) سورۃ اعراف میں ہے "فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" (آیت ۱۵۷) پس وہ لوگ جو نبی آخر الزماں پر ایمان لے آئے، اور اسکی رفاقت کی اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس پر نازل کیا گیا تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔ (۳) سورۃ الشوریٰ میں ہے "مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ" (آیت ۵۲) تو نہ جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان (کی تفصیل) کیا ہے اور لیکن ہم نے اس کتاب کو نور بنایا اس سے رہنمائی کرتے ہیں۔ (۴) سورۃ التغابن میں ہے "فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا" (آیت۔۸) پس ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اسکے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے۔

ان چار مقامات میں "نور" قرآن کریم کو کہا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اکثر مفسرین کرام نے "نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ" میں نور سے قرآن کریم مراد لیا ہے ہاں بعض نے نور سے آنحضرت ﷺ کی مقدس ہستی بھی مراد لی ہے لیکن وہی مفسرین کرام رحمہم اللہ اپنی تفسیروں میں دوسرے مقامات پر آپ کی بشریت اور انسانیت کا کھلے لفظوں میں اقرار کرتے ہیں تو اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ بشر، آدمی اور انسان ہوتے ہوئے نور ہدایت تھے۔ (جیسا کہ خازن اور مدارک وغیرہ میں موجود ہے) خود مولوی نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں! کہ سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا کیونکہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی، اور راہ حق واضح ہوئی (ص:۱۶۰، ف ۵۸) یعنی نور آپ کی صفت ہے۔ (بحوالہ تنقید متین ۸۴ تا ۸۷)

بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی کہ آپ کو انسان ماننے سے العیاذ باللہ آپ کی توہین ہو جائے گی حالانکہ ایسا ہرگز نہیں، بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام اولاد آدم ہیں ان سب کے نسب اور خاندان تھے لہذا انکی بشریت کا انکار سراسر گمراہی ہے۔ نیز یہ بات یاد رکھنے کی قابل ہے کہ حقیقت میں حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ نے نور سے مراد صرف آنحضرت ﷺ ہی کو نہیں لیا بلکہ نور کی تفسیر میں تین اقوال لکھے ہیں چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ❶ نور سے مراد حضرت محمد ﷺ ❷ نور سے مراد اسلام ❸ نور سے مراد قرآن مجید ہے تفسیر کبیر تحت سورۃ مائدہ آیت ۱۵ صرف ایک قول کہ نور سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں کو نقل کرنا باقی اقوال کو نظر انداز کرنا کتمان حق کا واضح ثبوت ہے حضرات علماء کرام کے نزدیک جب کسی لفظ یا آیت مبارکہ کی ایک سے زائد تفاسیر ہوں تو دعویٰ ثابت نہیں ہوا کرتا کیونکہ دلیل میں احتمال آ گیا ہے، اس کا اقرار کھلے لفظوں میں مفتی احمد یار خان نے بھی جاء الحق میں کیا ہے جس کا تذکرہ میں پہلے کئی مقامات پر کر چکا ہوں۔

مولوی غلام رسول سعیدی صاحب توضیح البیان : ص ۱۷۱ : مطبوعہ ثالث حامد اینڈ کمپنی لاہور لکھتے ہیں کہ ❹ انبیاء (علیہم السلام) کو اپنی مثل بشر کہنا ہمیشہ سے کفار کا طریقہ رہا ہے الخ۔

جواب: استاد محترم حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ : اس سے کیا مراد ہے اگر یہ مراد ہے کہ کفار حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو جنس بشر اور نوع انسان میں سے ہونے میں اپنے جیسا مانتے تھے تو معاف رکھنا پھر تو یہ آپ کا اور بقول آپ کے علماء اہل سنت کا مذہب بھی ہے (جیسا کہ آپ نے عقیدہ بشریت کا عنوان دیکر لکھا ہے کہ علماء اہل سنت نے انبیاء علیہم السلام کے جنس بشر اور نوع انسان سے مبعوث ہونے کا کبھی انکار نہیں کیا ہے الخ) اس لحاظ سے جو طریقہ کفار کا تھا سو وہ آپ کا بھی ہے دونوں میں فرق کیا رہا؟ جس کیلئے دہائی دی جا رہی ہے اور اگر مراد یہ ہو کہ کفار اور مشرکین حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو وصف نبوت اور رسالت سے خالی مان کر اور ان کے خداداد کمالات اور فضائل سے انہیں معاذ اللہ تعالیٰ مبرا تسلیم کر کے اپنے جیسا بشر کہتے تھے اور حقیقت بھی یہی ہے جیسا کہ نصوص قطعیہ اور دلائل واضحہ سے ثابت ہے تو اس میں کون مسلمان کفار کے ساتھ شریک ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت ذ

رسالت اور کمالات وفضائل سے الگ کر کے ان کو اپنے جیسا بشر کہتا ہو؟
الغرض کفار جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنے جیسا بشر کہتے تھے تو وہ ان کی نبوت ورسالت کا انکار کر کے ایسا کہتے تھے جسکے ثبوت پر قطعی دلائل موجود ہیں جن میں سے ایک یہ ہے "ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا" الآیۃ (قمر ۲۵) کیا ہم سب میں سے اس پر ذکر اتارا گیا یہاں ذکر سے مراد وحی ہے جیسا کہ اسی ترجمہ کی تشریح میں آپ کے صدر الافاضل لکھتے ہیں وحی نازل کی گئی (ص ٦٧٧) یہ تو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا بیان ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کفار نے کہا "ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا" الآیۃ (سورۃ ص ۸) کیا ان پر قرآن اتارا گیا ہم میں سے، چونکہ وحی نبی پر اترتی رہی ہے اس لئے اس مضمون میں کفار نے ان پر نزول وحی کا انکار کیا ہے اور وحی اور رسالت کا انکار کر کے ان کو اپنے جیسا بشر کہنا یہ کفار کا دستور تھا اور ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی نفس بشریت اور نوع انسانیت میں سے ہونے کا اقرار یہ کفار کا دستور نہیں اسکے تو خود مؤلف مذکور بھی قائل ہیں کما مر لہذا ان کا (ص ۱۷۳۔ ۱۷۴) میں قرآن کریم کی سورۃ ہود اور سورۃ مؤمنون اور سورۃ یٰسین وغیرہا سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں کفار کے یہ مقولہ نقل کرنا "اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا"۔ (ہود۔ ۲۷) "اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" (المؤمنون ۲۴ :)"اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" (المؤمنون ۳۳ :۔ ۳۴) "لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا" (المؤمنون۔ ۴۲) "بَشَرٌ مِّثْلُنَا" (یٰسین ۱۴۔ ۱۵) وغیرہا بالکل غیر متعلق بات ہے کیونکہ کفار نے جس معنی میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنے جیسا بشر کہا وہ ان کو نبوت اور رسالت سے الگ کر کے کہا اور مسلمان جب ان کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جنس بشر اور نوع انسان ہونے میں پیغمبر ہمارے جیسے بشر ہیں یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل وکرم سے ان کو نبوت ورسالت اور کمالات علمیہ وعملیہ سے نوازتا ہے اور ان کمالات میں ان کا کوئی مثل ونظیر نہیں ہوتا اور دونوں باتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

فخر انسانیت خاتم المرسلین جن کا ہم سر زمانے میں کوئی نہیں

خود مؤلف مذکور نے :ص :۱۷۵: میں یہ عنوان قائم کیا ہے بشریت محضہ اور بشریت بحیثیت نبوت کا فرق اور اس کے تحت انہوں نے طویل کلام میں یہ بھی لکھا ہے کہ آدم علیہ السلام کی فضیلت اور برتری کا سبب محض بشریت نہ تھی بلکہ وہ ان کی جلالت علمی اور خلافت ونبوت تھی جس نے فرشتوں کی گردنوں کو سجدہ ریز کر دیا الیٰ قولہ ابلیس کی نظر بشریت پر پڑی اور اس نے سجدہ سے انکار کر دیا "قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ" الآیۃ (الحجر۔ ۳۳) اور :ص :۱۷۷ :محصلہ اور ص ۱۳۸ :: تفسیر کبیر :ج :۲ ۳۰۲ :۲ :کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ فرشتوں کو آدم کے سجدہ کا اسلئے حکم دیا گیا تھا کہ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم آدم کی پیشانی میں تھا جس کی نظر نبی کے نور پر تھی وہ سجدہ میں گر گئے اور قرب خداوندی حاصل کیا اور جس کی نظر نبی کی بشریت پر تھی وہ تکبر کر کے لعنت کا طوق پہن گیا (محصلہ ص ۱۷٦:) مگر مؤلف مذکور کی یہ محنت رائیگاں لاحاصل ہے۔

اولاً۔ اس لئے کہ بشریت کا مقام علی الاطلاق تمام مخلوق سے بلند ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ" الآیۃ۔ (سورۃ اسراء ۷۰:) اور بے شک ہم نے اولاد آدم کو عزت دی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم وعقل اور معتدل قامت اور اس کے علاوہ اور بہت سی فضیلتیں دی ہیں نیز بشریت محضہ اور بشریت بعنوان نبوت وخلافت میں فرق موجود ہے اور اس کا کوئی بھی منکر نہیں ابھی ہم یہ بات عرض کر چکے ہیں۔

ثانیاً۔ اس لئے کہ مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ ابلیس لعین کی نگاہ صرف بشریت پر پڑی قرآن کریم کی تعلیم سے بے خبری کا نتیجہ

ہے کیونکہ قرآن کریم کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو "اُسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ" سے امر کرنا "وَلَا تَقْرَبَا" (الآیۃ) سے نہی کرنا ان کے نبی ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس وقت کوئی اور نبی نہ تھا۔ (شرح عقائد: ص۔۹۹)

اور دوسرے مقام پر ہے کہ جب میں اس کو درست کر چکوں تو تم اس کو سجدہ کرنا فرشتے تو سب سجدہ ریز ہو گئے مگر ابلیس لعین نے انکار کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے اور نہ کرنے میں نری بشریت ملحوظ نہ تھی بلکہ بشریت بعنوان خلافت ونبوت ملحوظ تھی اور اسی کا انکار ابلیس لعین نے کیا تھا نہ کہ محض بشریت کا اور ابلیس لعین کا یہ مقولہ "قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ" (الآیۃ) اسی کی طرف مشیر ہے۔

الغرض حضرت آدم علیہ السلام کی جس بشریت کا تذکرہ ہو رہا ہے وہ بشریت بشرط شئی کے درجہ میں ہے اور مؤلف مذکور نے اپنی کم علمی کی وجہ سے اسے بشرط لاشئی سمجھ رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ الجھن میں پڑے ہوئے ہیں ہم نے تنقید متین: ص: ۸۰:۷ میں اس کی طرف اشارہ بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ بعض الفاظ یہ ہیں اس مضمون کے پیش نظر جو شخص بشر میں اس کے فضائل وکمالات کے انکار کا پہلو دیکھ رہا یا تلاش کر رہا ہے تو وہ ابلیس کے طریقے کو اپنا رہا ہے الخ اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تو خواص بشر میں سے ہیں ان کو ان کے فضائل وکمالات سے الگ کر کے کون مسلمان اس کا تصور کر سکتا ہے؟ آپ کے ہی صدر الافاضل لکھتے ہیں: اور خواص بشر یعنی انبیاء علیہم السلام خواص ملائکہ سے افضل ہیں الخ (ص ۴۱۹ـ۱۵۸)

ثالثاً: حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مبارک کے وجود کا قصہ سند کے لحاظ سے محدثین کرام رحمہم اللہ کے ہاں خاصا بحث طلب ہے قطع نظر اس سے ابلیس لعین کی نظر صرف بشریت پر نہ تھی بلکہ بشریت بعنوان خلافت پر بھی تھی کما مر اور منطق لحاظ سے کسی نوع کا تحقق بغیر جنس کے نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے اس لئے ابلیس لعین کو حکم خداوندی سے انکار اور اباء کی صورت میں "لِبَشَرٍ" اور "خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ" کا سہارا لینا پڑا اور جنس کا ذکر کیا مگر اس کو بشریت محضہ تصور کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے سمجھ رکھا ہے کم فہمی کے سوا کچھ نہیں اور مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ اور جس کی نظر نبی کی بشریت پر تھی اس نے تکبر کر کے لعنت کا طوق پہن لیا (محصلہ) اسی کم فہمی کا نتیجہ ہے مگر شرک وبدعت میں مبتلاء ہو کر دینی امور میں معاملہ فہمی رہتی کہاں ہے؟

(اتمام البرہان فی رد توضیح البیان حصہ سوم: ص ۱۳۱: تا ۱۶۳)

خلاصہ بحث: ہمارے دعویٰ کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بایں معنی نور تسلیم کرنا جس سے آپ کی بشریت کا انکار لازم آئے یہ عقیدہ غلط ہے اور اس سے نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ کا رد لازم آتا ہے جو بجائے خود کفر ہے۔

﴿۱۷﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ... الخ عیسائیوں کے فرقہ یعقوبیہ کا ابطال: سورۂ نساء میں گزر چکا ہے کہ عیسائیوں کا ایک فرقہ یعقوبیہ ملکیہ ہے جن کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ دو چیزیں نہیں بلکہ جس کو حضرت عیسیٰ بن مریم کہا جاتا ہے وہی تو اللہ تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل اختیار کر لی تھی یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے حلول کیا تھا، چونکہ اس عقیدے میں توحید خداوندی کا انکار ہے اس لئے کفر لازم آ گیا، اس لئے فرمایا ایسا کہنے والے اور مسیح ابن مریم کو عین خدا بنانے والے لوگ کافر ہیں ان کے کفر کا اظہار کرنے کے بعد پھر اس غلط عقیدے کا ابطال فرمایا قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ الخ کہ تم بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ ابن مریم کو جن کو تم عین خدا کہتے ہو اور انکی والدہ کو ان سب لوگوں کو جو روئے زمین پر آباد ہیں ہلاک کرنا چاہے تو وہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اس کے ارادے سے روک سکے اور ان کو بچا سکے اور اللہ کے سامنے کسی کا بس چل سکتا ہے؟

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ... الخ ابطال عقیدہ پر دلیل۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ الخ اہل کتاب کا ابن اللہ اور محبوب الٰہی

ہونے کا دعویٰ: یہود، نصاریٰ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے دوست اور اس کے نبیوں کی اولاد ہیں، اور ہم سے دوستوں اور پیاروں کا معاملہ ہوگا۔ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ... الخ ابطال دعویٰ... ارشاد فرمایا اے پیغمبر آپ ان سے فرما دیجئے ایسا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ تم پر عذاب کیوں نازل کرتا ہے دنیا میں تو قتل اور قید کئے جاتے ہو اور مختلف سزاؤں میں مبتلا ہوتے ہو اور آخرت کی سزا کا تم خود اقرار کرتے ہو "لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ" الخ تو جب سزا معلوم ہے تو پھر دعویٰ "نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ" الخ کا غلط اور بلا دلیل ہے۔ تم کہتے ہو کہ قیامت کے دن عذاب کا احتمال بھی نہیں حالانکہ قیامت میں جو تعذیب ہے وہ واقعی تعذیب اور جرم کی سزا ہے کیونکہ وہاں آئندہ کرنے نہ کرنے کا احتمال بھی نہیں "بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ" الخ بلکہ تم بھی عام انسانوں میں سے ہو، جنکو برائی اور بھلائی کا بدلہ ملنا ہے، وہ جس کو چاہے معاف کر دے کیونکہ مغفرت اس کا فضل ہے، اور جس کو چاہے اپنے عدل و انصاف سے عذاب دے۔ کیونکہ سزا دینا اس کا عدل ہے۔ اور کفر کی سزا دائمی عذاب ہے۔ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ... الخ ابطال عقیدہ پر دلیل۔

﴿۱۹﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ الخ فریقین سے خطاب عام برائے رسالت خاتم الانبیاء: اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ احکام خداوندی کو واضح طور پر بتانے کے لئے تشریف لائے جبکہ رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا قرآن کریم نے اسکو "عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ" کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ "فترۃ" اس زمانے کو کہتے ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد کوئی نبی نہیں آیا۔ اس لئے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے، اسی طرح آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء اور آخری نبی ہیں۔ اس فترۃ کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وصی دین کا کام کرتے رہے جس طرح سورۃ یٰسین میں آئے گا۔ انشاء اللہ۔ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا الخ... سُوَالٌ: اہل کتاب کے پاس زمانہ فترت میں بھی توراۃ انجیل موجود تھی اور وہی انکی شریعت تھی پھر ان کے اس کہنے کا کیونکر احتمال ہو سکتا ہے کہ "مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ" ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا۔

جَوَابٌ: یہ بات مسلم ہے کہ اصلی توراۃ و انجیل آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل گڈمڈ ہو چکی تھیں اور اس وقت جس کا نام توراۃ و انجیل تھا وہ جھوٹی اور سچی روایتوں کا مجموعہ تھا دنیا میں تو ان کے عالم بھی نہیں مانتے، لیکن آخرت میں تو راز کھل جائے گا ان کتابوں میں اصل شریعت نہیں رہی تھی، اور اگر آنحضرت ﷺ کی بعثت نہ ہوتی تو ہو سکتا تھا کہ وہ قیامت کے دن اپنی محرومی دیکھ کر یہ کہہ سکتے کہ ہمیں تو تحریف شدہ شریعت اور کتابیں ملیں، اور نہ کسی بشیر اور نذیر نبی نے آکر ہمیں حقیقت حال سے باخبر کیا ہے اس لئے آنحضرت کو مبعوث کیا گیا ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ

اور (وہ واقعہ قابل ذکر ہے) جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! یاد کرو اللہ کے احسان کو جو اس نے تم پر کیا ہے جبکہ اس نے تمہارے اندر نبی بنائے

وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ

اور تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ چیز دی جو اس نے نہیں دی کسی کو جہان والوں میں سے ﴿۲۰﴾ اے میری قوم کے لوگو! داخل ہو جاؤ پاک سرزمین میں

الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝

جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور نہ لوٹو اپنی پشتوں پر پس ہو جاؤ گے تم نقصان اٹھانے والے ﴿۲۱﴾

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ

ان لوگوں نے کہا اے موسیٰ بیشک اس سرزمین میں ایک جبار اور زبردست قوم ہے اور بیشک ہم ہرگز داخل نہیں ہوں گے اس میں جب تک کہ وہ وہاں سے نکل نہ جائیں

فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ

پس اگر وہ وہاں سے نکل جائیں گے تو ہم داخل ہوں گے ﴿٢٢﴾ کہا دو شخصوں نے ان لوگوں میں سے جو خوف کھاتے تھے اللہ نے ان پر انعام فرمایا تھا

عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ

داخل ہوجاؤ ان پر دروازے سے پس جب تم داخل ہوگئے تو بیشک تم غالب آنے والے ہوگے اور چاہئے کہ تم اللہ پر بھروسہ کرو

فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا

اگر تم ایمان والے ہو ﴿٢٣﴾ ان لوگوں نے کہا اے موسیٰ بیشک ہم ہرگز داخل نہیں ہوں گے اس ملک میں کبھی بھی جب تک کہ وہ جبار لوگ اس میں ہوں گے

فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ

پس جاتو اور تیرا پروردگار دونوں جا کر لڑو بیشک ہم تو یہاں بیٹھنے والے ہیں ﴿٢٤﴾ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میرے پروردگار

اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ

میں نہیں اختیار رکھتا مگر اپنے نفس پر اور اپنے بھائی پر پس فیصلہ کردے ہمارے درمیان اور فاسق قوم کے درمیان ﴿٢٥﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے

عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ ع

پس بیشک وہ سرزمین حرام قرار دی گئی ان پر چالیس برس تک یہ سرگرداں ہوں گے زمین میں پس نہ افسوس کر تو نافرمانی کرنے والی قوم پر ﴿٢٦﴾

﴿٢٠﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى ... الخ ربط آیات : اوپر یہود ونصاریٰ اور انکی نافرمانیوں کا ذکر تھا اب یہاں سے بھی ان کی نافرمانیوں کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ❶ تذکیر بآلاء اللہ سے بنی اسرائیل پر انعامات، تفصیل انعام، ارض مقدس میں داخلہ کا حکم، قوم کا مکالمہ برائے، معذرت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تائید کنندہ، بنی اسرائیل کا گستاخانہ مکالمہ، دعائے افتراق، قوم کیلئے سزا حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے تسلی۔ ماخذ آیات ٢٠ تا ٢٦ +

تذکیر بآلاء اللہ بنی اسرائیل پر انعامات : حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد دلائے، اور انکو جہاد کے لیے ابھارا کہ تم نبی زادے بھی ہو، اور شاہزادے بھی ہو، تمہاری غیرت جوش میں آنی چاہیئے، اور اپنے باپ دادے کے ملک شام کو جہاد کے ذریعہ حاصل کرو، چونکہ وہاں قوم عمالقہ قبضہ کرچکی ہے۔

غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر بیت المقدس کے قریب پہنچے اور ان بارہ سرداروں کو جن کا پہلے ذکر آچکا ہے قوم عمالقہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے مخفیہ طور پر بھیجا، اور انکو سمجھا دیا کہ اس قوم کی شان وشوکت کا ذکر لوگوں کے سامنے مت کرنا، البتہ شہر کی رونق اور باغات وغیرہ کا ذکر کرنا، لیکن ہوا یہ کہ یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا کے علاوہ سب نے تفصیلی حالات بتادیے جس

پر بنی اسرائیل کی ہمت ٹوٹ گئی اور بزدلی کا اظہار کیا اور واپس مصر جانے کو تیار ہو گئے۔

اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ الخ تفصیلات انعام ❶: تمہارے اندر نبی بنائے۔ یعنی جتنے انبیاء کرام علیہم السلام بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے اتنے کسی قوم میں نہیں ہوئے۔ وَجَعَلَكُمْ مُلُوْكًا ❷: اور تمہارے اندر بادشاہ بنائے، فرعون کے بعد بنی اسرائیل میں بکثرت بادشاہ ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے جب درپے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے سلسلہ ملوکیت ختم فرمایا اور ان میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی جن وانس اور حیوانوں پر بھی تھی وغیرہ۔ وَاٰتٰكُمْ الخ ❸: اس زمانے کے اعتبار سے جہان والوں پر فضیلت۔

﴿٢١﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الخ فرائض قوم ارض مقدس میں داخلہ کا حکم: بارگاہ الٰہی سے ارض مقدس کا فیصلہ تمہارے حق میں ہو چکا ہے۔ ارض مقدس سے مراد پورا ملک شام ہے یا ارض فلسطین ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ طور اور اس کے آس پاس کے علاقے ہوں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایلیا اور بیت المقدس ہوں، یا اریحا یا دمشق اور فلسطین اور شرق اردن کا کچھ حصہ مراد ہو اور اس ارض کے مقدس ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہمیشہ انبیاء کرام کا مسکن اور مدفن رہا ہے۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ: اس کے کئی معانی مفسرین نے بیان کئے ہیں! ایک یہ ہے کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نماز روزوں کی طرح تم پر یہ کام فرض کر دیا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ اگر تم نے اطاعت کی اور ایمان پر قائم رہے تو یہ ملک تم کو مل جائے گا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارے حصہ میں یہ ملک لکھدیا ہے اگر تم اپنی قربانی کے باعث محروم رہو گے تو تم سے بعد کے آنے والوں کو فتح نصیب ہوگی، اور انکے ہاتھ پر اس ملک کو فتح کرا دیا جائے گا۔

وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ: دھمکی: اس کا آسان مطلب یہ ہے کہ میرے کلمہ کی مخالفت نہ کرو۔ اور میری اطاعت سے پیٹھ نہ پھیرو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قوم عمالقہ کی مقابلہ میں بزدلی نہ دکھاؤ اور پیٹھ دکھا کر نہ بھاگو۔

﴿٢٢﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ... الخ قوم کا مکالمہ برائے معذرت: بے شک وہاں ایک زبردست قوم ہے یعنی قوم عمالقہ، ان کا مقابلہ ہم سے نہیں ہو سکتا اپنی بزدلی کا اظہار کیا۔ صرف دو شخصوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تائید کی جن کا ذکر اگلی آیت میں موجود ہے۔

﴿٢٣﴾ قَالَ رَجُلٰنِ... الخ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تائید کنندہ: ان دو شخصوں سے مراد بظاہر یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا ہیں۔ واللہ اعلم۔ يَخَافُوْنَ: کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دشمنوں سے ڈر رہے تھے اور خوف کھا رہے تھے انہی میں سے دو آدمی جن کو حق تعالیٰ نے اپنی توفیق سے نوازا تھا وہ بول اٹھے کہ تم گھبراؤ نہیں بلکہ تم پیغمبر کے حکم کی تعمیل میں کھڑے ہو جاؤ۔ اور تمہاری فتح ہوگی۔ ان دو متقی اور پرہیزگار آدمیوں کی نصیحت بھی بے اثر ہوئی حتی کہ انکو سنگسار اور پتھر مارنے پر آمادہ ہو گئے۔

﴿٢٤﴾ بنی اسرائیل کا گستاخانہ مکالمہ: تفصیل آیت میں موجود ہے۔

سُؤَال: بنی اسرائیل کا یہ کہنا "فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ" آپ اور آپ کا رب جا کر لڑے کیا یہ کفر نہیں؟

جَوَاب: اگر ظاہری معنی مراد ہوں یعنی خدا بھی جا کر لڑے تب تو کفر ہے، اور اگر انکی مراد یہ ہو کہ آپ لڑیں اور اللہ آپ کی مدد کرے۔ اور اس کو جانے سے تعبیر کیا ہو تو یہ کفر نہیں البتہ حکم کی مخالفت ظاہر ہے، جو بھی انکی مراد ہوگی بہر حال انہوں نے توبہ بھی کی ہوگی، اگرچہ اس کی تفصیل قرآن کریم میں موجود نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

﴿٢٥﴾ دعائے افتراق: حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم سے مایوس ہو کر بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں خداوندا ہم دونوں بھائی تیرے حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہیں اور ہم ان نالائقوں میں رہنا بھی نہیں چاہتے۔ ہمیں ان سے دور کر دے۔

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا میں صرف اپنے اور اپنے بھائی کا استثناء کیا حالانکہ یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا بھی ان کے تابع فرمان تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان پر بھی اختیار حاصل تھا ان کو دعا میں شامل کیوں نہیں کیا؟

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا تنگدلی میں کی تھی اور تنگ دلی کے وقت مختصر الفاظ نکلتے ہیں اس میں جس طرح ہارون علیہ السلام شامل ہیں، اسی طرح از روئے دلالت تابع فرمان ہونے کی وجہ سے یہ دونوں حضرات بھی دعا میں شامل تھے۔

﴿٢٦﴾ قوم کے لئے سزا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تسلی: بنی اسرئیل چالیس سال سزا کے طور پر اس جنگل میں حیران پریشان پھرتے رہے قوم کے بڑے بڑے بوڑھے بڈھے مرگئے، یہاں تک کہ حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اسی میدان تیہ میں وفات پاگئے۔ اب اس مدت میں ایک نئی نسل غیور اور حریت پسند پیدا ہوئی اس نے جا کر اپنے آبائی ملک پر قبضہ جمالیا۔

سوال: جب اس میدان تیہ میں رہنا بطور سزا کے تھا تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام بھی تو اس میدان میں رہے پھر جبکہ انہوں نے دعا بھی کی تھی کہ ہمیں اس نالائق قوم سے جدا کردے۔ تو پھر وہ کیوں رہے؟

جواب: اصل سزا تو بنی اسرائیل کے لئے تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اس سے محفوظ تھے۔ ان حضرات کا وہاں رہنا اس قوم کی ہدایت اور اصلاح کے لئے تھا۔ اور انکو اس میں راحت کا سامان بھی میسر تھا۔ جس طرح دوزخ حقیقت میں دوزخیوں کی سزا کا مسکن ہے مگر وہاں فرشتوں کا ہونا فرائض منصبی کی وجہ سے ہوگا اور وہ وہاں تنگ دل بھی نہیں ہونگے اور اللہ کے عذاب سے بھی محفوظ ہونگے۔

سوال: یہ بات عقل سے بعید ہے کہ جب دن رات سورج چاند ستارے درخت اور پہاڑ، الغرض آسمانی اور زمینی علامتیں موجود تھیں راستہ معلوم کرنے کے لئے۔ پھر بھی وہ میدان تیہ سے باہر نہ نکل سکے۔ یہ عجیب بات ہے۔

جواب: یہ ساری علامتیں موجود تھیں مگر حق تعالیٰ شانہٗ نے دماغی صلاحیتیں قہر خداوندی سے ماؤف کردی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی تائید اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے اس بارے میں ان کو حاصل نہ تھی۔ (محصلہ بیان القرآن)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ

(اے پیغمبر) آپ ان کو پڑھ کر سنائیں حال آدم (علیہ السلام) کے دو بیٹوں کا حق کیساتھ جب کہ ان دونوں نے قربانی پیش کی پس ان میں سے ایک سے قبول کی گئی

مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ

اور دوسرے سے قبول نہ کی گئی۔ دوسرے نے کہا کہ میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا اس نے کہا بیشک اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے متقیوں سے ﴿٢٧﴾ اگر تو بڑھائے گا میری طرف

اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ

اپنا ہاتھ مجھے قتل کرنے کیلئے تو میں نہیں بڑھانے والا اپنا ہاتھ تیری طرف تجھے قتل کرنے کیلئے بیشک میں خوف کھاتا ہوں اللہ تعالیٰ سے

رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْۗاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ

جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿٢٨﴾ میں چاہتا ہوں کہ لوٹے تو میرا گناہ لے کر اور اپنا گناہ پس ہوجائے گا تو دوزخ والوں سے اور یہی سزا ہے ان لوگوں کی

جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٣٠﴾

جو ظلم کرنے والے ہوتے ہیں ﴿٢٩﴾ پس آمادہ کیا اس کو اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر، پھر اس نے اس کو قتل کر ڈالا پس ہوگیا وہ نقصان اٹھانے والوں میں ﴿٣٠﴾

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى

پھر بھیجا اللہ نے کوے کو وہ زمین کو کریدتا تھا تا کہ دکھائے اس کو کہ کس طرح چھپائے وہ اپنے بھائی کی لاش کو وہ کہنے لگا ہائے افسوس!

اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۛ ﴿۳۱﴾

کہ میں عاجز ہو گیا ہوں اس بات سے کہ میں ہو جاؤں اس کوے جیسا کہ میں اپنے بھائی کی لاش کو چھپالوں پھر ہو گیا وہ پچھتانے والوں میں ﴿۳۱﴾

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ

اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ بیشک شان یہ ہے کہ جس نے قتل کیا کسی نفس کو بغیر کسی جان کے بدلے کے

اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ

یا بغیر زمین میں فساد کرنے کے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کر دیا اور جس نے زندہ رکھا اس ایک جان کو پس گویا اس نے زندہ رکھا سب لوگوں کو اور البتہ تحقیق آئے ہیں

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

ان لوگوں کے پاس ہمارے رسول واضح باتیں لے کر پھر بہت سے ان میں سے اس کے بعد زمین میں البتہ اسراف کرنے والے ہیں ﴿۳۲﴾

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْۤا

بیشک جزا ان لوگوں کی جو لڑتے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد کی یہ ہے کہ ان کو قتل کیا جائے یا انھیں سولی پر لٹکایا جائے

اَوْ يُصَلَّبُوْۤا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ

یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور پاؤں الٹے سیدھے یا ان کو دور کر دیا جائے زمین سے۔ یہ ان کیلئے رسوائی ہے دنیا میں

لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ

اور ان کیلئے آخرت میں عذاب عظیم ہے ﴿۳۳﴾ مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کر لی پیشتر اس کے

اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾

کہ تم ان پر قابو پالو تو جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے ﴿۳۴﴾

﴿۲۷﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ... الخ ہابیل اور قابیل کی داستان۔ ربط آیات : گزشتہ رکوع میں اہل کتاب کی بزدلی کا حال ذکر کیا اب یہاں سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تھا۔

خلاصہ رکوع ۵ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانی، قابیل کی دھمکی قتل، جواب دھمکی اور ہابیل کی فراخدلی و تسلی جواب، قاتل کا انجام، نفس کی ترغیب پر بھائی کا قتل، پریشانی برائے تدفین میت اور اظہار افسوس، انسداد قتل ناحق، ڈاکو کی حد، دنیوی سزا اور اخروی سزا، توبہ قبل از گرفتاری۔ ماخذ آیات ۲۷: تا ۳۴ +

حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کی قربانی : حضرات مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سب کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں ہر

حمل سے دو جڑواں بچے پیدا ہوتے تھے، جن میں ایک لڑکا ہوتا اور دوسری لڑکی۔ چنانچہ جب آدم علیہ السلام اپنی زندگی کے ایک ہزار برس مکمل کر کے اس دنیا سے رخصت ہوئے، تو آپ ایک ہزار سے زیادہ اولاد یعنی لڑکے لڑکیاں پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا نسل انسانی کی ابتداء تھی، اور اسے پوری دنیا میں پھیلانا مقصود تھا لہذا حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں ایک حمل کے لڑکے دوسرے حمل کی لڑکی کا آپس میں نکاح کر دیا جاتا، اور اس طرح نسل انسانی بڑھنے اور پھیلنے لگی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے ہابیل اور قابیل دو مختلف بطنوں (حملوں) سے تھے، مگر اتفاق کی بات کہ ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی اچھی شکل وصورت کی نہ تھی، جب کہ قابیل کی جڑواں بہن خوبصورت تھی، اب وقت کی شریعت کے مطابق قابیل کا نکاح ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کے ساتھ ہونا چاہئے تھا۔ مگر وہ اسے پسند نہیں کرتا تھا، اور اس کے بجائے اپنے ساتھ جنم لینے والی خوبصورت لڑکی سے نکاح کا خواہشمند تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے سمجھایا کہ ایسا کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ حکم خداوندی کی خلاف ورزی ہوگی، مگر قابیل اپنی ضد پر اڑا رہا۔ اُدھر ہابیل بھی اسی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا تھا کیونکہ شریعت کے مطابق اس کے نکاح میں وہ آنی چاہئے تھی، آخر کار آدم علیہ السلام نے یہ تدبیر پیش کی کہ دونوں بھائی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نیاز یا قربانی پیش کرو اور جس بھائی کی قربانی قبول ہو جائے گی اس کا موقف درست تسلیم کیا جائے گا۔ چنانچہ ہابیل کا پیشہ گلہ بانی تھا۔ اس نے ریوڑ پال رکھے تھے، اور قابیل کاشتکاری کرتا تھا۔ چنانچہ ہابیل نے اپنے جانوروں میں سے ایک اچھا اور عمدہ جانور منتخب کیا اور اسے اللہ کی راہ میں ذبح کر دیا۔ دوسرے بھائی قابیل نے اپنے غلے کی پیداوار میں ردی مال قربانی کے لئے پیش کیا۔ قربانی کی قبولیت کی نشانی یہ تھی کہ متعلقہ چیز کو ایک خاص مقام پر رکھ دیا جاتا تھا، آسمان سے آگ نازل ہوتی تھی اور قبولیت کی صورت میں قربانی کی چیز کو جلا کر راکھ کر دیتی تھی۔ اسی طریقہ کے مطابق دونوں بھائیوں نے اپنی اپنی قربانی اللہ کی بارگاہ میں پیش کی، اس آیت میں اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے۔ (معالم العرفان: ص ۱۷۱ ج ۶)

قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ : قابیل کی دھمکی قتل: چنانچہ قابیل نے حسد کی آگ میں جل کر ہابیل سے کہا میں تجھے مار ڈالوں گا۔ **قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ : ہابیل کا جواب دھمکی:** فرمایا حق تعالیٰ متقیوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔ اس میں میرا کونسا قصور ہے۔

سوال: ہابیل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کی قربانی قبول کرتا ہے اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ہابیل نے اپنے آپ کو متقیوں میں شمار کیا حالانکہ قرآن کریم میں اسکی ممانعت آئی ہے "فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ" اپنے آپ کو پاکیزہ نہ کہو؟

جواب: ہابیل کا کہنا بطور فخر کے نہ تھا بلکہ اظہار نعمت کے بیان کرنا تھا، اور نیاز کی قبولیت کا سبب بتانا مقصود تھا۔

﴿۲۸﴾ **ہابیل کی فراخدلی و تفصیلی جواب :** کہا اگر تو میرے قتل ناحق کا ارادہ کرے گا، تو میں تیرا مقابلہ نہیں کروں گا میں رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

فائدہ: ہابیل کا قول کہ میں رب العالمین سے ڈرتا ہوں اس میں جو بات بتائی گئی ہے اس کے متعلق اسلامی شریعت میں یہ حکم ہے کہ اگر کوئی شخص مثلاً خالد، زید کو قتل کرنا چاہے اور "زید" قوی قرائن سے سمجھے کہ میں خود "خالد" کو قتل کئے بغیر بچ نہیں سکتا تو "زید" کے لیے "خالد" کو قتل کرنا جائز ہے۔ اور اگر "زید" مدافعت میں مارا جائے تو وہ شہید ہوگا، اور اگر "زید" بالکل مدافعت نہ کرے، اور مارا جائے تو یہ بھی جائز ہے بلکہ ابوداؤد اور ترمذی میں موجود حدیث کی رو سے اس کا افضل ہونا ثابت ہے البتہ جہاں انتقام و مدافعت میں اسلامی مصلحت و ضرورت ہو وہاں مدافعت وانتقام واجب ہے جیسے کافروں اور باغیوں سے لڑائی کرنا، اور حدود وقصاص جاری کرنا۔ (فہم قرآن ملخص بیان القرآن)

﴿۲۹﴾ قاتل کا انجام: میں چاہتا ہوں کہ میرے مقتول ہونے اور تیرے قاتل ہونے کا گناہ تیرے ہی سر پر ہو۔ اسی وجہ سے حدیث میں وارد ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈالے جائیں گے تا کہ ظالم کا عذاب سخت اور مظلوم کا ہلکا ہو جائے۔

﴿۳۰﴾ نفس کی ترغیب پر بھائی کا قتل: اپنے نفس کے کہنے پر بھائی کو قتل کر ڈالا اور خسارہ پایا۔ روایات میں ہے کہ اس کے بعد قابیل کی عقل مسخ ہوگئی۔ اور وہ مخبوط الحواس ہو گیا اور اسی پریشانی و بدحواسی میں مر گیا۔ یہ دنیا کے نقصان کی بات ہے۔

(روح المعانی: ص:۹۰ ج_۵)

آخرت کا خسران یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا قیامت تک جتنے بھی ناحق قتل ہوتے رہیں گے قاتل کے برابر اس کا گناہ اس قابیل کے نامہ اعمال میں بھی اس کے بانی قتل ہونے کی وجہ سے لکھا جائے گا۔ (بخاری و مسلم)

﴿۳۱﴾ پریشانی برائے تدفین میت اور اظہار افسوس: یعنی بھائی کے قتل کرنے کے بعد اسے یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ لاش کے ساتھ کیا سلوک کرے، اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جس نے زمین کو کرید کر دکھایا کہ اپنے بھائی کو اس طرح زمین کھود کر دفن کرو، تب اس قاتل کو افسوس ہوا کہ اسکی عقل کوّے جتنی بھی نہیں رہی۔ اور یہ افسوس اور ندامت اس کو قتل کرنے پر نہیں ہوئی تھی بلکہ قتل کے بعد جو اس نے اپنے نقصانات دیکھے مثلاً لاش کے دفن ہونے میں حیران ہونا اور کوئے کی تعلیم کا محتاج ہونا۔ اور بدحواس ہونا اور حضرت آدم علیہ السلام کے ناراض ہونے پر نادم ہونا اس لئے افسوس کیا تھا۔ (روح المعانی: ص:۹۳ ج_۵)

اور یہ ندامت توبہ کے لئے نہ تھی کیونکہ توبہ کے لئے شرط ہے کہ گذشتہ پر معذرت اور اس کے تدارک کی فکر ہو اور آئندہ نہ کرنے کا عزم ہو، اور قابیل کی ندامت محض طبعی جو عقلی تقاضے سے تھی دین و شریعت کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ قابیل جو جہنم میں گیا ہے کفر کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے گناہ کی وجہ سے جہنم میں گیا ہے۔ واللہ اعلم

استخراج مسئلہ: ❶ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نافرمانی کے باعث انسان سے عقل سلب ہو جاتی ہے کہ وہ حیوان سے بھی گر جاتا ہے۔ ❷ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور مسلمین کے ساتھ محاربہ کرنے کو محاربہ مع اللہ فرمانے سے اس پر دلالت ہوئی کہ اہل اللہ کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرنا ہے۔

﴿۳۲﴾ انسداد قتل ناحق: اللہ پاک نے ایک قانون بنایا ہے کہ آپس میں قتل ناحق کرنے والا ساری قوم کو تباہ کرتا ہے اور قتل ناحق کو بند کرنے والا ساری قوم کو زندگی کے راستہ پر ڈالتا ہے۔ "وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ" یعنی بنی اسرائیل کے پاس اس مضمون کے لکھ دینے کے بعد بہت سارے پیغمبر نبوت کے واضح دلائل لے کر آئے، اور وہ وقتاً فوقتاً اس مضمون کی تاکید کرتے رہے، مگر ان لوگوں پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا حتی کہ بعض نے خود ان انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کر دیا۔ اور بعض مطیع و فرمانبردار بھی تھے۔

﴿۳۳﴾ ڈاکو کی حد: یہاں سے مسرفین کے اعمال کی سزا کا ذکر ہے۔ کیونکہ دنیا کے نظام کو درست رکھنے کے لئے حدود ضروری ہیں۔ ڈاکوؤں کی چار سزائیں ہیں۔ ❶ ڈاکہ ڈالا مال نہ لے سکا اور آدمی قتل کیا اسکی سزا قتل ہے۔ ❷ مال بھی لیا، اور قتل بھی کیا، اسکی سزا سولی پر لٹکانا ہے۔ اس نے دو جرم کئے ہیں اس لئے پہلے اسکو سولی پر لٹکایا جائے پھر نیزے مار مار کر اسکو ہلاک کر دیا جائے۔ ❸ مال لیا، قتل نہیں کیا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹا جائے گا۔ اور اگر ہاتھ بایاں ہے تو پاؤں دائیاں ہو گا یہ ہے "مِنْ خِلَافٍ" کا مطلب۔ ❹ نہ مال لیا، اور نہ قتل کیا، اس میں مجرم کی تعزیر کے متعلق اختلاف ہے۔ "يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ" امام

صاحب کے نزدیک اس سے قید مراد ہے۔امام شافعی ﷫ کے نزدیک جلاوطنی مراد ہے۔

ذٰلِكَ لَهُمْ ...الخ دنیوی سزا۔ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ...الخ اخروی سزا۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا : توبہ قبل از گرفتاری ہاں جس شخص نے اس پر قابو پائے جانے سے قبل توبہ کرلی وہ اپنے جرم پر نادم ہو گیا تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ اس توبہ کی وجہ سے حقوق اللہ ساقط ہو جائیں گے۔ یعنی حد ساقط ہو جائے گی البتہ حقوق العباد دینے پڑیں گے۔ قتل کیا تھا تو قتل کیا جائے گا۔ مال لیا تھا تو مال دینا پڑے گا۔ واللہ اعلم

استخراج مسئلہ : حضرت لاہوری ﷫ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ منظم حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والے کی سزا قتل اور سولی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

اے ایمان والو! ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش کرو اس کی طرف وسیلہ اور جہاد کرو اس کے راستے میں تاکہ فلاح پاجاؤ ﴿۳۵﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ

بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اگر ان کیلئے ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور اس جیسا اور بھی ہو اس کے ساتھ تاکہ وہ فدیہ دیں اس کا قیامت کے دن

عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ

عذاب سے تو نہیں قبول کیا جائے گا ان سے اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے ﴿۳۶﴾ وہ چاہیں گے کہ نکل جائیں دوزخ کی آگ سے

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا

اور نہیں ہوں گے وہ نکلنے والے اس سے اور ان کیلئے عذاب ہوگا دائمی ﴿۳۷﴾ اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت، پس کاٹ ڈالو

اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ

ان کے ہاتھ یہ سزا ہے اس کی جو انہوں نے کمایا یہ عبرتناک سزا ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اور حکمت والا ہے ﴿۳۸﴾ پھر جس شخص نے توبہ کرلی

ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ

اپنے ظلم کرنے کے بعد اور اس نے اصلاح کرلی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے ﴿۳۹﴾ اے مخاطب! کیا تم نہیں جانتے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

کہ بیشک اللہ ہی کیلئے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی۔ سزا دیتا ہے جس کو چاہے اور بخشتا ہے جس کو چاہے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۴۰﴾

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا

اے رسول! نہ غم میں ڈالیں آپ کو وہ لوگ جو دوڑتے ہیں کفر کی طرف ان لوگوں میں سے جنہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے ہیں اپنے منہ سے

بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ

صرف اور ان کے دل ایمان نہیں لائے اور ان لوگوں میں سے جو یہودی ہیں بہت سنتے ہیں وہ جھوٹ کو وہ سنتے ہیں دوسری قوم کیلئے جو آپ کے

لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا

پاس نہیں آئے وہ تحریف کرتے ہیں کلام کو اس کی جگہ سے اور کہتے ہیں کہ اگر دیئے جاؤ تم وہ بات جو تمہارے مرضی کے مطابق ہے پس لے لو اس کو اور اگر تم کو نہ دی جائے

فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ

وہ بات تو بچتے رہو۔ اور جس شخص کے بارے میں اللہ چاہے فتنے ڈالنا پس ہرگز نہیں مالک ہوں گے آپ اس کیلئے اللہ کے سامنے کسی چیز کے۔

شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۙ وَّلَهُمْ

یہی لوگ ہیں کہ نہیں ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے کہ ان کے دلوں کو پاک کرے ان کیلئے دنیا میں رسوائی ہے

فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٤١﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ

اور آخرت میں عذاب عظیم ﴿۴۱﴾ یہ بہت سنتے ہیں جھوٹ کو اور کھاتے ہیں حرام پس اگر یہ آئیں آپ کے پاس آپ فیصلہ کریں

بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ

ان کے درمیان یا اعراض کریں ان سے اور اگر آپ اعراض کریں گے ان سے تو آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر آپ فیصلہ کریں تو فیصلہ کریں

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ

ان کے درمیان انصاف کے ساتھ بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں کے ساتھ ﴿۴۲﴾ اور یہ لوگ کس طرح آپ کو منصف بنائیں گے

التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٣﴾

حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے پھر یہ روگردانی کرتے ہیں اس کے بعد اور نہیں یہ لوگ ایمان والے ﴿۴۳﴾

﴿۳۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...الخ ربط آیات: اوپر جرائم کی سزا کا ذکر تھا اب آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر جرائم سے بچنا چاہتے ہو تو اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

خلاصہ رکوع ❻ خصوصی خطاب، اصول کامیابی، ترغیب، توسل، کفار کے فدیہ کے عدم قبولیت کا بیان، بد اعمالی کا تقاضا، چور کی حد، قانون سرقہ، چوری کرنے والے تائبین کا نتیجہ، ازالہ شبہ، تشریح شبہ ازالہ، تسلی خاتم الانبیاء، یہود کے خبائث۔ ۱۔۲۔۳۔۴۔ ونتائج یہود وتنبیہ۔ ماخذ آیات ۳۵ تا ۴۳+

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: خصوصی خطاب۔ اتَّقُوا اللّٰهَ: اصول کامیابی۔ وَابْتَغُوْا ...الخ ترغیب توسل: وسیلہ کی بحث بقدر ضرورت سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کریں۔ البتہ مختصر اور ضروری بات لکھ دیتا ہوں۔ اگر کوئی شخص یوں کہہ دے کہ اے اللہ بوسیلہ محمد رسول اللہ ﷺ میرا یہ کام کردے یا بحرمت فلاں یا فلاں کی برکت یا طفیل سے میرا یہ کام کردے۔ اس کو توسل کہتے ہیں اسکی

تین صورتیں ہیں۔ ❶ اگر وسیلہ پکڑنے والا اسکو حاضر وناظر اور عالم الغیب سمجھتا ہے تو یہ خالص کفر و شرک ہے۔ ❷ اگر اس کی تعیین نہیں کرتا تو یہ مکروہ ہے۔ ❸ اگر وہ جانتا ہے کہ حاضر وناظر اور علم الغیب کچھ بھی نہیں صرف اس لئے کہ مجھے اس پر ایمان ہے اس کے ساتھ محبت ہے تو اس بناء پر نیک بندوں کے اعمال اور ذات کا نام لے کر دعا کرنا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وظیفہ : شَیْئًا لِلّٰہِ : اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کرنا اے اللہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے وسیلے سے ہماری دعا قبول کر یہ درست ہے مگر لوگ الٹا وظیفہ پڑھتے ہیں "یاشیخ عبد القادر جیلانی شیئًا لله" یعنی اے شیخ عبدالقادر جیلانی! خدا کے وسیلے سے ہمیں کوئی چیز عطا کر دے یہ تو خالص شرک ہے۔ کیونکہ اس جملہ میں شیخ عبدالقادر جیلانی کو مقصود بنا کر ان سے حاجت طلب کرتے ہیں، اور درمیان میں اللہ کو وسیلہ بنایا جاتا ہے۔ اگر اس کا الٹ کر دیا جائے "یا الله شیئًا للشیخ عبد القادر جیلانی" تو درست ہے یعنی اے اللہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے وسیلہ سے میری حاجت پوری کر دے۔ اس میں مقصود اور حاجت روا خدا تعالیٰ کو تسلیم کیا گیا ہے اور شیخ عبدالقادر کی محبت کا وسیلہ پیش ہوگا۔ یہ وسیلہ صرف مباح ہے نہ فرض ہے اور نہ واجب۔ یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرب تلاش کرنے کا حکم دیا ہے اس میں تمام طاعت اعمال فرائض، واجبات، سنن نوافل داخل ہیں یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہیں اس پر دو حوالہ پیش خدمت ہیں۔

❶ عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله قال من عادیٰ لی ولیاً فقد اٰذنته با لحرب وما تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بشیءٍ اَحَبَّ الی مما افترضت علیه ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبته‌ٗ (بخاری ص ۹۶۳ ج ۲)

❷ لما جاء فی الصحیحین من "حدیث الغار" اخذهم المطر فمالوا الی غار فی الجبل فانحطت علی فم غارهم صخرة من الجبل الی ان خرج الله عنهم بتوسل صالح اعمالهم۔

(بخاری ص ۸۸۴۔ ۸۸۳ ج ۲) ؛ صحیح مسلم ص ۳۵۳ ج ۲)

استدل اصحابنا بهذا علی انه یستحب للانسان ان یدعو فی حال کربه وفی دعا الاستسقاء وغیره بصالح عمله و یتوسل الی الله تعالیٰ به لان هؤلاء فعلوه فاستجیب لهم و ذکره النبی صلی الله علیه سلم فی معرض الصناء علیهم و جمیل فضائلهم (شرح نووی علی مسلم ص ۳۵۳ ج ۲) فالتوسل الی الله بالنبیین هو التوسل بالایمان بهم و بطاعته کالصلوٰة و السلام علیهم و محبتهم و موالاتهم و بدعائهم و شفاعتهم۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۳۳ ج ۲۷)

اللہ پاک حقائق کو مسخ کرنے والوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

استخراج مسئلہ : حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو خاص طور پر متنبہ کیا ہے کہ ہر ایک شخص انفرادی زندگی میں اقرب الی اللہ بننے کو نصب العین بنائے، بلکہ اجتماعی زندگی میں بھی اقرب الی اللہ ہونے کو تلاش کیا جائے، اور امام اسے بنایا جائے جو سب سے زیادہ حق کے راستے میں قربانی کر سکے، اور شہوات ورذائل سے پاک ہو۔

۲) مسئلہ توسل و وسیلہ : الحمد للہ! علمائے اہل سنت والجماعت دیوبند کثر اللہ جماعتہم، انبیاء، اولیاء اور صلحاء کے وسیلہ کے قائل ہیں اس مسئلہ کو ہم تفصیل سے سورۃ بقرہ میں عرض کر چکے ہیں تاہم یہاں چند مفید باتیں فیضی صاحب کی تسلی کے لیے تحریر کر دیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ"۔ (المائدہ۔ ۳۵)

یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرو، مفسرین کرامؒ نے لکھا ہے کہ جو چیز رغبت و محبت کے ساتھ بندے کو معبود حقیقی کے قریب کر

دے وہ وسیلہ ہے، اس لیے سلف صالحین صحابہؓ وتابعینؒ نے اس آیت کی تفسیر کا خلاصہ یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرو بذریعہ وسیلہ کے، اسی طرح انبیاء وصلحاء کے ساتھ محبت کرنا اور عقیدت رکھنا بھی اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ اور وسیلہ ہے، بلکہ انبیاء کے ساتھ محبت کرنا ایمان میں داخل ہے، اور صلحاء سے محبت کرنا عمل صالح میں داخل ہے، کیونکہ جو شخص اپنے رب کے حضور نبی یا ولی کا وسیلہ پیش کرتا ہے، اس کی حقیقی بنیاد نبی وولی کی محبت وعقیدت ہے جو اس کے دل میں موجود ہے، اور وہ شخص اسی محبت وعقیدت کی وجہ سے ان کا وسیلہ پیش کر رہا ہے، لہٰذا انبیاء وصلحاء کا وسیلہ درحقیقت ایمان وعمل صالح کے وسیلہ کی ایک صورت ہے اور ایمان اور عمل صالح کے توسل میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، کیونکہ یہ وسیلہ قرآن سے بھی ثابت ہے اور حدیث بخاری سے بھی، جس میں تین غار والوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ غار میں پھنس گئے، نکلنے کی بظاہر کوئی صورت نہ تھی۔

چنانچہ انہوں نے اپنے اپنے اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور غار سے نکلنے کی راہ حاصل کی۔ نیز "وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا" (البقرۃ۔ ٨٩) کی تفسیر میں "روح المعانی" میں لکھا ہے کہ: اہل کتاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری سے پہلے آپ کے وسیلے سے دُعا مانگا کرتے تھے، آیت کی یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے، نیز جامع ترمذی کی ایک صحیح حدیث جو کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، توسل کی دلیل ہے، کیونکہ ایک نابینا آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور دُعا کی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک دُعا سکھائی جس میں یہ الفاظ بھی ہیں: "اللّٰهم انی اسئلك واتوجه اليك بنبيك محمد نبی الرحمة"۔

یعنی اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کے نبی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے توسل جائز ہے۔ یہ روایت ترمذی شریف جلد ٢، ص: ١٩٧ پر موجود ہے۔ صحاح ستہ کی یہ حدیث "هل تنصرون و ترزقون الا بضعفائكم" بھی توسل کی دلیل ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: تمہیں رزق اور فتح ونصرت تمہارے ضعیفوں اور کمزوروں کی وجہ سے دی جاتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ کمزور اور ضعیف ہمارے رزق اور فتح کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ توسل کے مزید دلائل بھی ہمارے پاس موجود ہیں لیکن ہم انہی دلائل پر اکتفا کرتے ہیں۔

اللہ کو معلوم ہے کہ علامہ صاحب ہمارے علمائے دیوبند کو انکار توسل کا طعنہ کیوں دے رہے ہیں؟ حالانکہ علامہ صاحب کے امام احمد رضا خان صاحب بریلوی نے آج سے کچھ عرصہ پہلے علمائے دیوبند کی کتب سے قطع وبرید کر کے اور چند غلط نظریات ان کی طرف منسوب کر کے علمائے حرمین شریفین کو دھوکا دیا اور علمائے حقہ کے خلاف فتاویٰ جات حاصل کیے، اور ہندوستان آ کر "حسام الحرمین" کے نام سے ان کو شائع کر کے علمائے حقہ کو بدنام کرنے کی کوشش کی، لیکن جب حرمین شریفین کے علماء کو احمد رضا خان صاحب کی دھوکا دہی کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے فتاویٰ جات سے رجوع کر لیا اور حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے انہوں نے ایک سوالنامہ مرتب کر کے علمائے دیوبند کی طرف بھیجا تا کہ صحیح صورتحال معلوم ہو جائے۔

چنانچہ علمائے دیوبند نے مشورہ کر کے جوابات لکھنے کے لیے محدث کبیر شارح ابی داؤد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہٗ کا نام نامی منتخب کیا، مولانا موصوف نے ایک ایک سوال کا جواب لکھا اور اس وقت کے تمام علماء نے اس کو پڑھا اور تصدیقی دستخط کیے، اور علمائے حرمین شریفین کو یہ جواب نامہ ارسال کر دیا گیا، وہاں کے علماء نے تصدیق کر دی کہ علمائے دیوبند درحقیقت اہل سنت والجماعت کے ترجمان ہیں اور انہوں نے اقرار کیا کہ ہمیں دھوکا دے کر یہ فتویٰ حاصل کیا گیا ہے، اب جب کہ حقیقت

حال واضح ہو چکی ہے تو ہمارا "حسام الحرمین" کے فتووں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ اس جواب نامہ کو مع تصدیقات علمائے حجاز مقدس ومصر وشام "المھند علی المفند" یعنی عقائد علمائے دیوبند کے نام سے شائع کیا گیا، علمائے حرمین شریفین کے سوالات میں سے تیسرا اور چوتھا سوال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کے توسل کے متعلق تھا، جس کا جواب علمائے حق نے یہ دیا کہ:

"ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء علیہم السلام و اولیاء و صدیقین کا توسل جائز ہے، ان کی حیات میں یا بعد وفات بایں طور کہے کہ: "یا اللہ میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دُعا کی قبولیت اور حاجت برائی چاہتا ہوں" اس جیسے اور کلمات کہے، چنانچہ اس کی تصریح فرمائی ہے ہمارے شیخ مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی ثم المکیؒ نے، پھر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی اپنے فتاویٰ میں اس کو بیان فرمایا ہے، جو چھپا ہوا آج کل لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے، اور یہ مسئلہ اس کی پہلی جلد کے ص ۹۳ پر مذکور ہے، جس کا جی چاہے دیکھ لے۔" (المھند ص ۱۲۔ ۱۳)

الغرض! ہمارے تمام علمائے دیوبند و مشائخ دیوبند توسل کے قائل ہیں، ان کی کتابیں اور فتاویٰ اس پر شاہد عدل ہیں۔ علامہ صاحب بھی بخوبی جانتے ہیں کہ علمائے دیوبند توسل کے قائل ہیں، لیکن عادت سے مجبور ہیں، اس لیے انکار توسل کا الزام علمائے حق پر لگا کر اپنے احمد رضا خان صاحب بریلوی کی سنت ادا کر دی۔ بہر حال توسل انبیاء و اولیاء برحق ہے، لیکن اس کے متعلق دو چیزیں ذہن نشین کر لیں۔

(۱) انبیاء و اولیاء کے توسل سے دُعا مانگنا جائز ہے، فرض، واجب اور لازمی نہیں، جو شخص بغیر توسل کے اللہ تعالیٰ سے مانگ رہا ہے تو اس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے شریعت کے مطابق کر رہا ہے، کیونکہ انبیاء کرامؑ اور صحابہ کرامؓ کی دُعائیں اکثر توسل کے بغیر ہیں، لہٰذا توسل کو ضروری سمجھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ توسل کے بغیر کوئی دعا قبول نہیں ہوتی، ایک غلط نظریہ اور غلط عقیدہ ہے، بس بات اتنی ہے کہ کسی کے توسل سے مانگا جائے تو شرعاً یہ بھی جائز اور ثابت ہے، اور اگر بغیر توسل کے مانگا جائے تو شرعاً یہ بھی جائز اور ثابت ہے، دونوں طریقوں سے دُعا مانگنا درست ہے، کسی کو کسی پر طعن بازی اور فتویٰ بازی جائز نہیں ہے، جب دونوں طریقوں سے دُعا مانگنا جائز ہے تو ایک طریقہ سے مانگنے والے کو دوسرے طریقے والوں پر ناک منہ نہیں چڑھانا چاہیے، بلکہ شریعت کی دی ہوئی ہر گنجائش کو گوارا کر لینا ضروری ہے، غلو کرنا منع ہے۔

۲) دوسری بات ذہن نشین کرنے کے قابل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کا وسیلہ دے کر مانگنے والوں کا یہ عقیدہ نہ ہونا چاہیے کہ توسل والی دُعا اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتے ہیں اور صاحب وسیلہ اللہ تعالیٰ سے زبردستی منوالیں گے، یہ عقیدہ رکھنا خود غلط ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، اس پر کوئی جبر نہیں کر سکتا، اور نہ کسی کی ہستی ہے کہ اس سے زبردستی منوالیں، یہ تو مانگنے والا اللہ کے پیاروں کو اپنا وسیلہ بنا کر مانگ رہا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ خود انہی پیاروں کی بات نہ مانے تو کوئی اُس سے پوچھنے والا نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کے ایمان کی کوشش کرتے رہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر کے لیے استغفار کرتے رہے، اور حضرت نوح علیہ السلام بیٹے کو بچانے کے لیے دُعا کرتے رہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر کی کوشش کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جان کو ایمان نصیب نہیں ہوا، حضرت نوح علیہ السلام دُعا مانگتے رہے لیکن بیٹا غرق ہو گیا، خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باپ کے استغفار سے روک دیا گیا، بہر حال وسیلہ دے کر مانگنے والا یہ عقیدہ رکھ کر مانگے کہ اگر باوجود وسیلہ کے بھی وہ دُعا رد کر دے تو کوئی اُس سے پوچھنے والا نہیں ہے: "لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ!"

علامہ صاحب غور فرمائیں! علامہ صاحب ایک طرف تو توسل کو ثابت کر رہے ہیں اور علمائے دیوبند پر انکار توسل کا الزام دے کر فتویٰ بازی بھی کر رہے ہیں، اور دوسری طرف انبیاء و اولیاء کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ مختار کل ہیں، جو چاہیں کریں، اللہ تعالیٰ نے کائنات کے سارے اختیارات اپنے پیاروں میں تقسیم کر دیئے ہیں، وہ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں، کائنات کے ذرہ ذرہ کے یہ مالک ہیں، ہر چیز کے نفع و نقصان کے مالک بھی یہی ہیں، حالانکہ یہ دونوں عقیدے ایک ساتھ نہیں چل سکتے، کیونکہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے پیارے صرف وسیلہ ہیں، دینے والا مالک اللہ تعالیٰ آپ ہے، تو یہ مختار کل نہیں ہیں، بلکہ وسیلہ ہیں، اور اگر یہ اختیارات کے مالک اللہ تعالیٰ آپ ہے، تو یہ مختار کل نہیں ہیں، بلکہ وسیلہ ہیں، اور اگر یہ اختیارات کے مالک ہیں تو وسیلہ دینے کا کیا مطلب؟ بہر حال علامہ صاحب فکر کریں اور سوچیں کہ وسیلہ اور مختار کل کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟ الحمد للہ! علمائے دیوبند کثر اللہ جماعتہم تو صحیح توسل کے قائل ہیں، لیکن اگر علامہ صاحب نے مختار کل کے عقیدہ کو نہ چھوڑا تو توسل کا خود بخود انکار لازم آئے گا۔

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

نمبر ۱۳۔ علامہ فیضی صاحب لکھتے ہیں: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ محبوبانِ خدا سے توسل کے قائل تھے۔ اللهم انا كنا نتوسل اليك بنبينا صلى الله عليه وسلم فتسقينا وانا نتوسل اليك بعم نبينا فاسقنا، قال فيسقون“۔ (رواہ البخاری ج ۱ ص۔ ۱۳۷)

ترجمہ: اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کا توسل کرتے تھے تو، تو ہمیں بارش عطا فرماتا تھا، اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ تیری بارگاہ میں پیش کرتے ہیں، ہمیں بارش دے، تو بارش سے سیراب کیے جاتے۔ اب جو لوگ محبوبانِ خدا کے وسیلہ کے قائل نہیں اور اس کو حرام و ناجائز کہتے ہیں وہ حضرت فاروق اعظمؓ اور صحابہ کے دشمن ہیں اور گستاخ صحابہ ہیں، چونکہ کُنَّا جمع کا لفظ ہے۔“
(نظریاتِ صحابہ ص ۲۷۔۲۸)

الجواب: سابقہ جواب میں بندہ نے مسئلہ توسل کی وضاحت عرض کر دی ہے کہ ہمارے اکابرین اہل سنت والجماعت علمائے دیوبند کثر اللہ جماعتہم محبوبانِ خدا کے توسل اور وسیلہ کے قائل ہیں، لیکن وسیلہ سے دعا مانگنا ضروری نہیں، بلکہ جائز اور ثابت ہے، اللہ تعالیٰ سے بغیر وسیلہ کے بھی مانگنا جائز ہے اور ثابت ہے، پھر یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وسیلہ والی دعا ضروری قبول ہوگی، بلکہ عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، چاہے تو وسیلہ والی دعا کو بھی قبول نہ فرمائے، کون اس سے پوچھ سکتا ہے؟ اس پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے۔ اب ہم بریلوی مسلک کے محدث مفسر شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی کا حوالہ پیش کرتے ہیں تاکہ دماغ کی نسیں ٹھنڈک محسوس کریں اور راہ حق سمجھ آجائے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: بعض غالی اور ان پڑھ عوام اللہ سے دعا مانگنے کی بجائے ہر معاملہ میں غیر اللہ کی دہائی دیتے ہیں انہی کو پکارتے ہیں اور انہی کی نذر مانتے ہیں۔ (تبیان القرآن، ج:۱، ص ۲۰۸)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں ہمارے زمانے میں بعض جہلاء اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی بجائے اپنی حاجتوں کا سوال پیروں فقیروں سے کرتے ہیں اور قبروں پر جا کر اپنی حاجات بیان کرتے ہیں اور اولیاء کی نذر مانتے ہیں حالانکہ ہر چیز کی دعا اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیے اور اسکی نذر ماننی چاہیے کیونکہ دعا اور نذر دونوں عبادت ہیں غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے البتہ دعا میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا وسیلہ پیش کرنا چاہیے۔ (تبیان القرآن ج ۱ ص ۶۹۱، ۶۹۲)

البتہ ایک بات ملحوظ خاطر رہے کہ علامہ صاحب نے بخاری شریف کی جو حدیث نقل کی ہے اس سے توسل کی ایک خاص صورت ثابت ہوتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتے تھے کہ یا رسول اللہ! آپ

ہمارے لیے بارش وغیرہ کی دُعا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرماتے اور صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا پر آمین کہتے تھے، اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جو حضرت عباسؓ سے توسل کیا تو اس کی بھی یہی صورت تھی کہ حضرت عباسؓ نے دُعا مانگی اور حضرت عمرؓ و دیگر صحابہ نے آمین کہی، توسل کی یہی صورت خیر القرون میں عام رائج تھی، اور توسل کی اس خاص صورت میں کسی کو اختلاف نہیں، اس کے تو سب قائل ہیں، نا معلوم علامہ صاحب کے اس فتویٰ کی گولی کس کو لگے گی؟ جب کہ آگے کوئی نشانہ ہی نہیں ہے۔ واللہ اعلم

﴿۳۶﴾ کفار کے فدیہ کے عدم قبولیت کا بیان: آخرت میں کفار کی بے بسی اور ان کے انجام کا ذکر ہے کہ اگر وہ ساری زمین کے خزانے اور اتنے اور خزانے دے کر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنا چاہیں تو نہیں بچ سکتے، کیونکہ ایک صحیح راستہ مان کر دانستہ اس سے انکار کر رہے ہیں۔

﴿۳۷﴾ بداعمالی کا نتیجہ: یعنی انکی بداعمالی کا نتیجہ یہی ہے کہ انہیں عذاب ہی میں مبتلا رکھا جائے۔ سورۃ الم سجدہ میں ہے کہ جب وہ دوزخ سے باہر نکلنے کی کوشش کریں گے تو انہیں دوبارہ اس دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ جہنم کی آزادی کا واحد ذریعہ ایمان اور تقویٰ ہے۔

﴿۳۸﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ: چوری کی حد۔ قانون سرقہ: حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس مقام پر بیان القرآن میں ایک نہایت لطیف نکتہ بیان کیا ہے۔ پھر اس کا جواب بھی لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں "اَلسَّارِقُ" (چوری کرنے والا مرد) کا ذکر پہلے کیا ہے "اَلسَّارِقَةُ" (چوری کرنے والی عورت) کا ذکر بعد میں کیا، جبکہ سورۃ نور میں جہاں جرم زنا کی سزا کا ذکر ہے وہاں زانیہ عورت کا ذکر پہلے ہے اور زانی مرد کا بعد میں "اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي" فرماتے ہیں کہ اس تقدم اور تاخر کی حکمت کے متعلق میں نے اپنے استاذ محترم حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ سے استفسار کیا آپ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ استاذ محترم نے اسکی تشریح اس طرح فرمائی کہ چوری کے معاملہ میں عورت کی بنسبت مرد طاقتور اور باہمت ہوتا ہے، کام کاج اور محنت مشقت کرنے کے قابل ہوتا ہے لہٰذا اگر وہ چوری کا ارتکاب کرے تو عورت کی بنسبت زیادہ ذمہ دار اور زیادہ گناہ گار ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے چوری کے معاملہ میں اس کا پہلے ذکر کیا "اَلسَّارِقُ" اور عورت چونکہ مرد کے مقابلہ میں کمزور واقع ہوتی ہے زیادہ محنت مشقت بھی نہیں کر سکتی اس لئے اس میں "سرقہ" کا گناہ کم نوعیت کا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر مرد کے بعد کیا ہے۔

جہاں تک تعلق فعل "زنا" کا ہے اسمیں عورت اس فعل شنیع کی زیادہ ذمہ دار ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں شرم وحیا کا زیادہ مادہ رکھا ہے اس لئے اگر عورت اس فعل کا ارتکاب کرتی ہے تو مرد کی بنسبت زیادہ ذمہ دار اور زیادہ گناہ گار ہے یہی وجہ ہے کہ زنا کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے عورت کو مقدم رکھا ہے اور مرد کو مؤخر کیا ہے۔ (معالم العرفان فی دروس القرآن)

چوری قابل حد کی تعریف: جس چوری پر حد لگتی ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ مسلمانوں کے ملک میں کوئی عاقل بالغ، بینا اور قابل گویائی شخص حفاظت میں رکھے ہوئے، دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی یا اتنی مالیت کی کوئی قابل حد شئی چوری کے مقصد سے خفیہ طریقے سے لے لے جبکہ اس مال میں اسکی اپنی ملکیت ہونے کا شبہ نہ ہو۔ فرمایا جو مرد اور عورت مذکورہ مقدار کے برابر چوری کرلیں ان دونوں کے داہنے ہاتھ گٹے پر سے کاٹ ڈالو یہ بطور سزا ہے۔

﴿٣٩﴾ چوری کرنے والے تائبین کا نتیجہ :پس جس نے ظلم یعنی چوری کرنے کے بعد توبہ کرلی جس میں یہ بھی شامل ہے کہ جس کا مال ناحق لیا ہے وہ اس کے مالک کو واپس کردیا ہے یا اس سے معاف کرادیا ہے اور آئندہ چوری وغیرہ نہ کرے اور اپنی توبہ پر قائم رہے تو اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائیں گے اور گذشتہ گناہ معاف فرمادیں گے اور توبہ پر استقامت سے آئندہ مزید عنایت فرمائیں گے۔

﴿٤٠﴾ ازالہ شبہ۔ تشریح شبہ : کہ ڈاکہ اور چوری کی حدود شرعیہ جن میں ہاتھ پاؤں یا صرف ہاتھ کاٹ ڈالنے کے سخت احکامات ہیں یہ احکام شرافت انسانی کے خلاف ہیں، جس طرح آج اہل یورپ اور ان سے متاثر لوگ عام طور پر اعتراض کرتے ہیں بلکہ ناعاقبت اندیش لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ سزائیں وحشیانہ اور شرافت انسانی کے خلاف ہیں۔

ازالہ :اللہ تعالیٰ چونکہ زمین وآسمان کا مالک ہے اس لئے بدامنی کے روکنے کے لئے جو سزا چاہے تجویز کرسکتا ہے۔لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ صرف سزا دیتا ہے بلکہ معاف بھی کرتا ہے چونکہ وہ ہر چیز قدرت رکھتا ہے۔

﴿٤١ تا ٤٢﴾ تسلی خاتم الانبیاء و یہود کے خبائث ونتائج :ان آیات میں اخیر رکوع تک یہود کی ایک خاص خباثت کا ذکر ہے (جس کا پہلے ذکر سورہ عمران میں بھی گزر چکا ہے مگر تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ یہاں دوبارہ ذکر کیا جارہا ہے) قصہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ خیبر کے ایک معزز گھرانے کے ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت نے زنا کا ارتکاب کیا، توراۃ میں زنا کی سزا سنگسار مقرر تھی جب یہودی اس سزا کو معزز گھرانوں میں جاری نہ کرسکے تو توراۃ میں تحریف کی اور اپنی طرف سے یہ تجویز کرلی کہ زانی اور زانیہ کا منہ کالا کرکے انکو گدھے پر سوار کراکر پورے شہر میں پھرایا جائے، اور سو کوڑے لگائے جائیں تو ان لوگوں نے مشورہ کیا کہ اس مقدمہ کو حضرت محمد ﷺ کے پاس لے چلو وہ کیا حکم دیتے ہیں، اور ان لوگوں کو یہ سمجھا دیا تھا کہ اگر وہ درے لگانے کا حکم دیں تو قبول کرلینا ورنہ اس پر عمل نہ کرنا، چنانچہ جب یہ مقدمہ آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش ہوا حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو بذریعہ وحی اطلاع کردی کہ زانی کی سزا توراۃ میں رجم ہے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا توراۃ میں زنا کی سزا کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ منہ کالا کرکے پورے شہر میں تشہیر کردی جائے اور سو کوڑے لگادیئے جائیں، آپ نے اس سزا کو سن کر خاموشی اختیار کرلی اور یہود سے پوچھا کہ تمہارا بڑا عالم کون ہے؟

انہوں نے بتایا کہ ابن صوریا، آپ نے اس سے پوچھا کہ بتاؤ توراۃ میں شادی شدہ زانی کی کیا سزا ہے؟ اس نے اور دیگر علماء یہود نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ منہ کالا کرکے گدھے پر سوار کرکے پورے شہر میں گھما دیا جائے اور سو تازیانے مارے جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا تم غلط کہتے ہو توراۃ کو لاؤ اور اسکو میرے سامنے پڑھو، جب توراۃ لائی گئی آپ کے سامنے آیت رجم (یعنی سنگسار کرنے کا حکم تھا) پڑھ کر سنائی گئی ان میں ایک شخص نے اپنا ہاتھ آیت رجم پر رکھدیا اور ماقبل اور مابعد پڑھ کر سنادیا، حضرت عبداللہ بن سلام ﷺ نے کہا اے اللہ کے دشمن اپنا ہاتھ اٹھاؤ چنانچہ اس نے ہاتھ اٹھایا تو نیچے سے آیت رجم نکلی تب سب نے اقرار کیا کہ حضرت محمد ﷺ سچے ہیں اور انکو مجبوراً ماننا پڑا، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں توراۃ کے مطابق رجم کا حکم دیتا ہوں آپ کے اس حکم کے بعد ان دونوں مجرموں کو سنگسار کیا گیا، ان آیات میں اسی قصہ کا ذکر ہے۔ (قرطبی: ص:١٧٦، ج:٦، ابن کثیر: ص:٥٨، ج۔٢)

مذکورہ دونوں آیات میں یہود کی چار خبائث کا ذکر ہے۔ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ الخ ❶ :یعنی یہ لوگ جھوٹی اور غلط باتیں سننے کے عادی ہیں یہودی غدار علماء کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ الخ ❷ :یہ لوگ بظاہر آپ سے ایک دینی معاملہ کا حکم پوچھنے آتے ہیں حقیقت میں یہ ایک یہودی قوم کے جاسوس ہیں آپ سے صرف زنا کی سزا کے بارے میں آپ کا نظریہ معلوم کرنے آتے ہیں۔ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ الخ ❸ : کتاب اللہ کی تحریف کرتے ہیں۔ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ الخ ❹ :رشوت خوری کرتے ہیں۔

رشوت کی تعریف شرعی : یہ ہے کہ جس کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہ ہو اس کا معاوضہ لیا جائے، مثلاً جو کام کسی شخص کے

فرائض میں داخل ہے اور اس کا پورا کرنا اس کے ذمہ لازم ہو اس پر کسی فریق سے معاوضہ لینا جیسے حکومت کے افسر اور کلرک سرکاری ملازمت کی رُو سے اپنے فرائض ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں وہ صاحب معاملہ سے کچھ کرلیں تو یہ رشوت ہے یا لڑکی کے ماں باپ اس کی شادی کرنے کے ذمہ دار ہیں کسی سے اس کا معاوضہ نہیں لے سکتے وہ جس کو رشتہ دیں اس سے کچھ معاوضہ لیں تو وہ رشوت ہے، یا صوم وصلوٰۃ اور حج اور تلاوتِ قرآن عبادات ہیں جو مسلمان کے ذمہ ہیں، ان پر کسی سے کوئی معاوضہ لیا جائے تو وہ رشوت ہے تعلیم قرآن اور امامت اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (معارف القرآن، ص:١٥١؛ ج:سوم، ش،د)

اس مقام پر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نے چند فوائد تحریر کئے ہیں۔

① امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے قرآن میں آنحضرت ﷺ کو اکثر وبیشتر "یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ" کے لقب سے ذکر کیا ہے مگر "یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ" کا خطاب دو جگہ آیا ہے ایک یہاں اور ایک آئندہ آیت: "یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ" اور چونکہ رسالت کا مرتبہ نبوت سے زیادہ ہے اسلئے یہ خطاب نہایت عظمت اور رفعت پر دلالت کرتا ہے۔

② آیت مذکورہ "سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ" سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ کا سننا بھی نہایت مذموم اور قبیح ہے جس طرح جھوٹ بولنا حرام ہے اسی طرح جھوٹ کا سننا بھی حرام ہے جس طرح زبان احکام شرعیہ کی مکلف ہے اسی طرح کان بھی احکام شرعیہ کے مکلف ہیں۔ قرآن کا سننا عبادت ہے اور گانا سننا معصیت ہے۔ ③ آیت مذکورہ "اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ" کے بارے میں آنحضرت ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس آیت میں "سحت" سے رشوت مراد ہے اور بے شمار حدیثوں میں راشی اور مرتشی پر لعنت آئی ہے۔

جو لینے والے کے حق میں رشوت ہو اور دینے والے کے حق میں رشوت نہ ہو

❶ اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے یا اپنے سے ظلم وزیادتی دفع کرنے کے لئے جو مال دے یہ رشوت نہیں ہے۔

❷ آدمی کو اپنی جان ومال پر ظلم کا خوف ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ کچھ دے کر اپنی خلاصی کرالے۔

❸ وہ مال جو شاعر کو ہجو یا مذمت نہ کرنے کے وعدے پر دیا جائے۔ ❹ کسی کی ناجائز شکایت حکومت کو ہوگئی ہو، ایک شخص جو اس کی درستگی کرانے کی قدرت رکھتا ہے اگر اس کام کیلئے رقم لیتا ہے تو یہ رشوت ہے کیونکہ اس وقت اس شخص کے ذمہ میں ہے کہ وہ ناجائز گرفت سے مظلوم کو بچائے۔ اگر پھنسا ہوا آدمی اس شخص سے شکایت کی درستگی کا مطالبہ کرے اور درستگی کے بعد از خود اس کو کچھ دیدے جب کہ پہلے سے کچھ لینا دینا ذکر نہ ہوا ہو تو یہ جائز ہے۔

❺ بعض کرایہ دار مکان خالی کرنے کے مطالبہ پر مالک مکان سے اس کو مجبور کر کے کچھ رقم لیتے ہیں پھر مکان خالی کرتے ہیں۔ یہ لینے والوں کے حق میں رشوت ہے۔ ❻ ولی نے اپنی زیر نگرانی لڑکی کا نکاح کرنے سے انکار کیا جب تک کہ اس کو اتنی رقم نہ دی جائے لڑکی کے منگیتر نے وہ رقم دے دی تو یہ ولی کے لئے رشوت ہے۔ ❼ ناگزیر ضرورت کا کام ہو اور متعلقہ محکمہ والے کچھ لئے بغیر کام نہ کرتے ہوں مثلاً بجلی کا میٹر لگوانا ہو تو ان کو جو مال دیا جائے۔ وہ لینے والے کے حق میں رشوت ہے دینے والے کے حق میں نہیں۔ (مسائل بہشتی زیور، ص ۵٦۴ تا ۵۷۴ حصہ دوم)

④ حق تعالیٰ شانہ کے اس قول "فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ" سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اہل کتاب کے مقدمات کے فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار تھا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد رحمہ اللہ، عکرمہ رحمہ اللہ، حسن بصری رحمہ اللہ، قتادہ رحمہ اللہ، سدی رحمہ اللہ اور دیگر اکابر سلف سے منقول ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار ابتدا میں تھا بعد میں جب

اسلام کا تسلط اور اقتدار کامل ہو گیا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

اور یہ آیت نازل ہوئی "وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ الخ ان کے نزاعات اور مقدمات کا فیصلہ قانون شریعت کے مطابق کرو اب اعراض اور کنارہ کشی کی ضرورت نہیں یا یوں کہو کہ پہلی آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اسلامی حکومت کے ذمہ نہیں ہیں جیسے ابتدا میں بنی قریظہ اور بنی نضیر کا حال تھا، مسلمانوں سے ان کا کوئی عہد اور ذمہ نہ تھا ایسے لوگوں کے بارے میں امیر مملکت کو اختیار ہے کہ چاہے ان کا فیصلہ کرے یا معاملہ ان کے حوالہ کر دے کیونکہ گذشتہ آیت : "فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ" بنی قریظہ اور بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی اور اس وقت نبی کریم ﷺ کا ان لوگوں سے کوئی عہد اور ذمہ نہ تھا کیونکہ اگر آپ کا ان سے کوئی عہد اور ذمہ ہوتا تو بنی نضیر کو جلاوطن اور بنی قریظہ کو قتل نہ کرتے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جائز ہے کہ یہ حکم اہل حرب کا ہو اور آیت : "وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ" میں قانون شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم اہل ذمہ اور اہل عہد کے بارے میں ہو اس صورت میں ناسخ و منسوخ ماننے کی ضرورت نہ رہے گی۔

(احکام القرآن بحوالہ معارف القرآن: ص:۵۰۲، ج۔۲)

⑤ یہ آیت بالاجماع یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ شان نزول میں گزر چکا ہے۔ اور توراۃ میں بھی رجم کا حکم منسوخ نہیں ہو ورنہ اس کو "حُكْمُ اللّٰهِ" سے تعبیر نہ فرماتے۔ (احکام القرآن للجصاص: ص:۴۳۸، ج۔۲)

﴿۴۳﴾ یہود کو تنبیہ : تفسیر اوپر گزر چکی ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ

بیشک ہم نے اتاری ہے تورات جس میں ہدایت اور روشنی ہے فیصلہ کرتے ہیں اس کے ساتھ اللہ کے نبی جو فرمانبردار تھے (وہ ان لوگوں کیلئے فیصلہ کرتے تھے)

هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ

جو یہودی ہوئے اور اسی کے مطابق فیصلہ کرتے تھے درویش لوگ اور عالم لوگ اس وجہ سے کہ ان کو نگران بنایا گیا تھا اللہ کی کتاب پر اور وہ اس پر گواہ تھے

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ

پس نہ ڈرو تم لوگوں سے اور ڈرو مجھ سے اور نہ خریدو میری آیتوں کے بدلے قیمت تھوڑی اور جو فیصلہ نہ کرے اس کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے۔ پس یہی لوگ

يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ

ہیں کافر ﴿۴۴﴾ اور ہم نے لکھ دیا تھا ان (بنی اسرائیل) پر، اس (تورات) میں کہ بیشک جان کے بدلے جان (کو قتل کیا جائے گا)

بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ

اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت

وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ

اور زخموں کا قصاص ہے پس جس شخص نے معاف کر دیا پس وہ اس کیلئے کفارہ ہوگا اور جس نے حکم نہ کیا اس چیز کے ساتھ

أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ

جس کو اللہ نے نازل کیا ہے پس یہی لوگ ظالم ہیں ﴿٤٥﴾ اور پہلے انبیاء کے پیچھے ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ

جو تصدیق کرنے والے تھے اس چیز کی جو ان سے پہلے تھی تورات، اور ہم نے ان کو انجیل دی اس میں ہدایت اور روشنی تھی

وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾

اور وہ تصدیق کرنے والی تھی اس کی جو اس سے پہلے تھی تورات اور ہدایت اور نصیحت تھی متقیوں کیلئے ﴿٤٦﴾

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ

اور چاہیئے کہ فیصلہ کریں انجیل والے بھی اس کے مطابق جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اس میں اور جو کوئی اللہ کی نازل کردہ چیز کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ

پس یہی لوگ ہیں نافرمان ﴿٤٧﴾ اور ہم نے آپ کی طرف کتاب اتاری حق کے ساتھ جو تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو اس سے پہلے ہیں کتابوں سے اور نگران ہے اس پر۔

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ

پس فیصلہ کریں آپ ان لوگوں کے درمیان اس کے مطابق جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اس چیز کو چھوڑ کر جو آچکی ہے آپ کے پاس حق سے،

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ

ہر ایک کیلئے ہم نے بنائی ہے تم میں سے ایک شریعت اور ایک راستہ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بناتا تم کو ایک ہی امت لیکن

لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

تاکہ آزمائے تم کو اس چیز میں جو اللہ نے تم کو دی ہے پس سبقت کرو نیکیوں کی طرف اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے پس وہ بتلادے گا تم کو

فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ

وہ باتیں جن میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿٤٨﴾ (اور یہ بھی اللہ کا فرمان ہے) کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں اس چیز کے مطابق جس کو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی

اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ

اور بچتے رہیں آپ ان سے کہ کہیں وہ آپ کو فتنے میں نہ مبتلا کردیں بعض ان چیزوں کے بارے میں جن کو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیا ہے پس اگر یہ روگردانی کریں (اور نہ مانیں)

يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ

تو آپ جان لیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان کو سزا دے ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے اور بیشک بہت سے لوگ ایسے ہیں جو نافرمان ہیں ﴿٤٩﴾ کیا یہ لوگ جاہلیت کے زمانے کا فیصلہ تلاش کرتے ہیں

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٥٠﴾

اور کون زیادہ بہتر ہے اللہ سے فیصلہ کرنے کے اعتبار سے اس قوم کیلئے جو یقین رکھتی ہے ﴿۵۰﴾

﴿۴۴﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ ... الخ ربط آیات : گزشتہ آیات میں یہود کی حکم زنا کی سزا کے بارے میں خیانت کا ذکر تھا اب حکم قصاص میں خیانت کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ● فضائل توراۃ، اہل توراۃ کے لئے اصول کامیابی، علماء یہود اور درویشوں کی ذمہ داری، نتیجہ، قانون قصاص میں مماثلت، اہل انجیل کا فریضہ، صداقت قرآن واثبات رسالت خاتم الانبیاء، یہود کے متعلق طریق احتیاط، تسلی خاتم الانبیاء اعمال بد کی سزا، تنبیہ اہل کتاب۔ ماخذ آیات ۴۴ تا ۵۰+

فضائل توراۃ : کہ ہم نے توراۃ نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی تھی یعنی عقائد صحیحہ کی بھی تفصیل تھی اور اعمال کی وضاحت بھی تھی۔ يَحْكُمُ بِهَا ... الخ اہل توراۃ کے لئے اصول کامیابی : انبیاء بنی اسرائیل یہود کو اسی توراۃ کے مطابق حکم دیتے تھے اہل اللہ اور علماء بھی توراۃ کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس لئے انکو کتاب اللہ کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی کہ اسکی نگہداشت اور نگرانی کرو لہٰذا اے یہود تم لوگوں سے مت ڈرو کہ اگر ہم اسلام قبول کرلیں گے تو عوام الناس کی نظروں میں گر جائیں گے۔ تم صرف مجھ ہی سے ڈرو، اور میرے احکام کے بدلے تھوڑے پیسے مت لو، دنیا کا تھوڑا سا فائدہ حاصل کرنے کے لئے، جان بوجھ کر غیر شرعی حکم کو شرعی حکم بنا کر مت پیش کرو۔

اس آیت میں فرمایا ہے "بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ" علماء یہود اور درویشوں کی ذمہ داری : اللہ تعالیٰ نے یہود کو توراۃ کی حفاظت اور نگرانی کا ذمہ دار بنایا تھا مگر انہوں نے توراۃ کی حفاظت کا حق ادا نہ کیا بلکہ اپنی مرضی سے اس میں تحریف کے مرتکب ہوئے تو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے۔

فرمایا "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" اس لئے قرآن کریم آج تک مکمل طور پر محفوظ ہے یہود نے ہوا پرستی کے ہاتھوں اپنی آسمانی کتاب کو ضائع کردیا، اور امت محمدیہ ﷺ نے اپنے سینوں میں اس کتاب کو محفوظ رکھدیا، الحمدللہ آج اسی طرح قرآن کریم محفوظ ہے جس طرح آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا تھا ایک حرف نہ زیر نہ زبر نہ پیش میں نہ کبھی کمی آئی ہے اور نہ زیادتی۔

اس کے مدمقابل توراۃ کو دیکھیں جو الفاظ اور معانی ہر اعتبار سے تبدیل ہو چکی ہے جس کو یہود کے علماء بھی مانتے ہیں۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص منصوص حکم کے خلاف حکم دے یا فیصلہ کرے وہ کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور یہی خوارج کا مذہب ہے۔ اہل سنت والجماعت کا نظریہ اس سے مختلف ہے کہ اگر کوئی شخص حکم خداوندی کو حقیر یا غلط یا خلاف مصلحت یا خلاف تہذیب سمجھ کر انکار کردے اور قانون شریعت میں تغیر وتبدیل کر کے اپنی طرف سے نیا حکم تجویز کردے جیسا کہ یہود نے حکم رجم کے مقابلہ میں اپنی رائے سے ایک نیا حکم تیار کرلیا تھا تو ایسا شخص بلا شبہ کافر ہے۔ اگر دل میں حکم خداوندی کی تصدیق اور اسکی عظمت اور اسکی حقانیت کا اعتراف موجود ہے اور محض غلبہ نفس یا کسی دنیوی اور معذوری کی بنا پر بادل ناخواستہ حکم خدا کے خلاف فیصلہ کردے تو وہ کافر نہ ہوگا بلکہ فقط گناہ گار ہوگا۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے منقول ہے کہ آیت "فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ" میں کفر سے وہ کفر مراد نہیں جو بندہ کو ملتِ اسلام سے خارج کردے۔ اور ایسا کافر بھی نہیں جیسے کوئی اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور کتب رسول کا منکر کافر ہے کیونکہ کفر کے درجات ہیں بعض کفر اعتقادی ہے اور بعض عملی ہر ایک کا حکم جدا ہے۔

(ابن کثیر : ص ۲۰۱ ج ۳ خازن، ص ۴۹۹ ج ۱)

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ : نتیجہ :پس یہی لوگ کافر ہیں اور کفر کی تشریح اوپر گزر چکی ہے۔

﴿۴۵﴾ قانون قصاص میں مماثلت :اس آیت میں فرمایا! جو قصاص کا حکم توراۃ میں تھا وہی حکم قرآن کریم میں یہاں مذکور ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جرائم میں قصاص کا حکم دیا ہے ان میں مماثلت شرط ہے اگر کہیں مماثلت کی شرط مفقود ہو تو پھر قصاص کے بجائے دیت پر فیصلہ ہوگا۔ مثلاً یہ صورت زخموں میں پیش آتی ہے جیسے کوئی زخم گہرا ہے اب اتنا زخم لگانا مشکل ہو جاتا ہے اس لئے جہاں اس قسم کی شکل پیش آئے تو وہاں بجائے قصاص کے دیت پر فیصلہ ہوگا۔ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ :بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص صاحب حق اپنے حق کو صدقہ کر دے یعنی معاف کر دے تو صاحب حق کی طرف سے گناہوں کے کفارہ کا سبب بنے گا۔

اور بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی قاتل کو اولیاء مقتول یا کسی قاطع کو مقطوع یا کسی جارح کو مجروح معاف کر دیں تو یہ مجرم کے لئے کفارہ ہوگا اور قیامت کے دن مجرم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے۔ البتہ معاف کرنے والے کا اجر حق تعالیٰ شانہ کے ذمہ ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ"۔

﴿۴۶﴾ فضائل حضرت عیسیٰ علیہ السلام وانجیل۔ ربط آیات :اس سے پہلی آیت میں قانون قصاص میں مماثلت کا ذکر تھا اب اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کے فضائل ذکر فرماتے ہیں۔ فرمایا! "وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ الخ

اور ان پیغمبروں کے پیچھے ہم نے انہی کے نقش قدم پر حضرت عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جن کا حال یہ تھا کہ "اس توارۃ کی تصدیق کرتے تھے جو ان سے پہلے نازل ہوئی۔ پھر انجیل کی ہدایت کا ذکر فرمایا۔ اس لئے کہ انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کا کثرت سے ذکر ملتا ہے۔ اہل تقویٰ کا ذکر اس لئے فرمایا کہ یہی لوگ حقیقت میں آسمانی ہدایت اور نصیحت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

﴿۴۷﴾ اہل انجیل کا فریضہ :اہل انجیل کو حکم ہے کہ انجیل کے مطابق فیصلہ کریں۔ اور یہود کی طرح انحراف نہ کریں، جس میں نبی امی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کا ذکر ہے اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہدایت اور نصیحت کے مطابق ایمان لاؤ اور جس کے متعلق حضرت مسیح علیہ السلام تم کو یہ ہدایت کر گئے ہیں کہ جب وہ روح حق آئے تو تمہیں سچائی کی راہیں بتائے اسکی تکذیب کر کے خدا کے غضب اور لعنت کو مول نالینا۔

فَائِدَہ: جو شخص حکم خداوندی کے مطابق فیصلہ نہ کرے اس کو پہلی آیت میں کافر اور دوسری آیت میں اسکو ظالم اور تیسری آیت میں اسکو فاسق کہا گیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ احوال مختلف ہیں بعض حالات میں حکم خدا کے خلاف فیصلہ کرنا کفر ہے اور بعض حالات میں ظلم ہے ہے اور بعض حالات میں فسق ہے جیسا حال ہوگا ویسا ہی حکم ہوگا۔ (محصلہ روح المعانی، ص۱۵۰ ج۔ ۶)

﴿۴۸﴾ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ...الخ صداقت قرآن واثبات رسالت خاتم الانبیاء

ربط آیات :اوپر توراۃ وانجیل کے واجب العمل ہونے کا ذکر کیا اب بعد میں قرآن کریم کی صداقت اور واجب العمل ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور یہ سلسلہ کلام نہایت عجیب ہے حق تعالیٰ نے اولاً توراۃ کی مدح فرمائی اور بنی اسرائیل کے لئے موجب ہدایت ہونا بیان کیا۔ مگر یہود بے بہبود نے اس نور ھدایت سے اعراض اور انحراف کیا۔ اس کے بعد انجیل کی مدح فرمائی اور نصاریٰ حیاریٰ کا اس سے انحراف بیان کیا اور بتلایا کہ یہود کی طرح نصاریٰ بھی انجیل کی ھدایت اور نور سے مستفید نہ ہوئے اب سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو مشعل ہدایت بنا کر نازل کیا اور یہ آخری کتاب آخری نبی پر نازل ہوئی یہود و نصاریٰ کو چاہیے کہ موقع غنیمت سمجھیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح اس نور ھدایت سے فائدہ حاصل کریں۔ (ابن کثیر ۹۰،ج۔ ۲)

شان نزول :حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود کا باہم کوئی نزاع ہو گیا، تو یہود کے بڑے علماء یعنی کعب بن اسید،

عبداللہ بن صوریا، شماس بن قیس وغیرہ اس مقدمہ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں لے آئے کہ آپ ہمارے حق میں فیصلہ کردیں ہم مسلمان ہوجائیں گے اور ہماری پیروی میں دوسرے یہود بھی مسلمان ہوجائیں گے آنحضرت ﷺ نے ان کے رشوتی اسلام کو منظور نہ کیا، اور انکی خواہشات کی پیروی سے صاف انکار کردیا، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (محصلہ قرطبی: ص ۲۰۰، ج ۶، ابن کثیر: ص ۱۲، ج ۲، خازن: ص ۵۰۲، ج ۱، مظہری: ص ۱۲۴، ج ۳، روح المعانی: ص ۱۴۲، ج ۶، معالم التنزیل: ص ۵۰، ج ۲)

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ : یہ قرآن کریم کتب سابق کا محافظ اور نگہبان ہے محرف اور غیر محرف سے ممتاز کرتا ہے۔ (فتح الرحمٰن)

شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا : یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے یہ شریعت اور شاہراہ مقرر کی ہے اس شاہراہ پر چلئے اور اس شاہراہ کو چھوڑ کر دوسرے راستوں پر چلنے کا خیال بھی نہ کیجئے۔ "شرعة" کے معنی شریعت کے ہیں اور "منهاجاً" کے معنی طریقت کے ہیں شریعت اصل میں پانی کے گھاٹ کو کہتے ہیں اور پانی پر زندگی کا دارومدار ہے اور اصطلاح شریعت میں احکام خداوندی کے مجموعہ کو کہتے ہیں جو بمنزلہ آب حیات کے ہیں کہ ان کے پینے سے یعنی ان پر عمل کرنے سے دائمی زندگی حاصل ہوتی ہے اور "منهاج" سے طریقہ عمل اور طریقہ اصلاح مراد ہے یعنی تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کا طریقہ مراد ہے۔ اور طریقت شریعت کے علاوہ کوئی چیز نہیں بلکہ اس کے ماتحت ہے اور یہ دونوں طریقے قرآن وسنت سے ثابت ہیں اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستے ہیں۔

لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً : یعنی اللہ تعالیٰ تم سب کو ایک جماعت کردیتا اور تم سب کے لئے ایک ہی شریعت مقرر کردیتا اور تم سب کو ایک ہی قسم کے اصول وفروغ کا پابند بنادیتا چونکہ وہ حکیم مطلق ہے اس لئے اس نے مختلف اوقات میں ہر زمانہ کی مناسبت سے مختلف احکام دیئے اس میں تمہاری آزمائش ہے کہ اچھے کاموں میں کون سبقت کرتا ہے اور فضول بحثوں میں کون پڑتا ہے۔

﴿۴۹﴾ یہود کے متعلق طریق احتیاط: اس آیت میں حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ اگر کسی وقت یہ لوگ آپ کو اپنے کسی معاملہ کا فیصل بنائیں تو آپ صرف ان احکام کے مطابق فیصلے کریں جو آپ کی شریعت میں ہیں اور انکی غیر شرعی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور آئندہ بھی اہل کتاب کے معاملہ میں احتیاط کریں۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ تسلی خاتم الانبیاء اور اعمال بد کی سزا: پھر اگر یہ لوگ اس فیصلہ سے اعراض کریں تو آپ اس بات کا بھی یقین کریں کہ ان کے بعض گناہوں کی سزا دنیا میں دینی منظور ہے اور اکثر لوگ ان میں نافرمانی کے عادی ہیں۔ اس میں آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی کا مضمون ہے۔

﴿۵۰﴾ تنبیہ اہل کتاب: یعنی یہ اہل کتاب قرآن کریم کے خلاف کیا جاہلیت کے بے تکے بے ڈھنگے اور بے اصولے ریاکاری کے فیصلے چاہتے ہیں یہ بات نہایت ہی احمقانہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے بہتر فیصلہ انہیں کہاں سے مل سکتا ہے۔ دور حاضر کے نام نہاد مسلمان بھی جاہلیت کے فیصلوں پر راضی ہیں: قرآن وسنت کے قانون کو جو شرف حاصل ہے اس میں قیامت تک کے انسانوں کی فلاح وابستہ ہے اس میں انسانی زندگی کے تمام تقاضوں کو احسن طور پر پورا کرنے کی صلاحیت ہے چاہئے ان کا تعلق عبادات ومعاملات سے ہو یا معاشی ومعاشرتی شعبے سے ہو مگر جو لوگ مسلمان ہونے کے مدعی ہیں یا مسلمان حکومتیں ہیں وہ قرآن وسنت کے فیصلوں پر راضی ہیں بلکہ یورپین قوانین کے دلدادہ ہیں اور اسلام کے پاکیزہ قوانین کو فرسودہ نظام کہتے ہیں ایسے لوگ اس آیت کا پورا مصداق ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ

اے ایمان والو نہ بناؤ یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست بعض ان کے دوست ہیں بعض کے اور جو شخص ان سے دوستانہ کرے گا تم میں سے پس بیشک وہ انہی میں سے ہوگا

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ

بیشک اللہ تعالیٰ نہیں راہنمائی کرتا اس قوم کی جو ظلم کرنے والی ہے ﴿۵۱﴾ پس دیکھے گا تو (اے مخاطب) ان لوگوں کو جن کے دلوں میں

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ

روگ ہے (نفاق کی بیماری) کہ وہ دوڑتے ہیں ان کے اندر جا ملنے کیلئے کہ ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہمیں زمانے کی گردش نہ پہنچے۔ پس امید ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح لائے گا

بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ

یا اپنی جانب سے کوئی اور معاملہ پس ہوجائیں گے یہ لوگ نادم اس چیز پر جو انہوں نے اپنے نفسوں میں چھپائی ہے ﴿۵۲﴾ اور کہیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے کیا یہ وہی لوگ ہیں

اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ

جو اللہ کے نام کی پختہ قسمیں اٹھاتے تھے کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں ان کے اعمال ضائع ہوگئے

فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ

پس ہوگئے وہ نقصان والے ﴿۵۳﴾ اے ایمان والو! جو شخص پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے پس عنقریب لائے گا اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو

بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ

پیدا کریگا جن سے اللہ کو محبت ہوگی اور وہ اللہ سے محبت کرنے والے ہونگے وہ ایمان والوں پر نرم ہیں اور کفر والوں پر غالب (زبردست) ہیں وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

اور نہیں خوف کھاتے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ دیتا ہے جس کو چاہے اللہ تعالیٰ وسعت والا

عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

اور سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۵۴﴾ بیشک تمہارا دوست اللہ اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں قائم کرتے ہیں نماز اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ

وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور وہ رکوع (عاجزی) کرنے والے ہیں ﴿۵۵﴾ اور جو شخص دوستی کرے گا اللہ سے اور اس کے رسول سے اور ایمان والوں سے پس بیشک جماعت اللہ تعالیٰ کی وہی غالب ہے ﴿۵۶﴾

﴿۵۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... الخ ربط آیات: گذشتہ آیات میں یہود و نصاریٰ کی قباحتوں کا ذکر تھا اب ان سے دوستی کرنے سے ممانعت کا ذکر ہے کہ جو ان سے دوستی و محبت کرے گا وہ ان میں شمار ہوگا۔

خلاصہ رکوع ① اہل کتاب سے دوستی کی ممانعت، منافقین کی کیفیت، منافقین کا شکوہ اور جواب شکوہ، مسلمانوں کا تعجب، تنبیہ مؤمنین اور ان کے اوصاف، مسلمانوں کی تسلی اور دوستی کے مراکز، دوستی کا نتیجہ۔ ماخذ آیات ۵۱ تا ۵۶ +

اہل کتاب سے دوستی کی ممانعت: فرمایا یہود و نصاریٰ سے دوستانہ تعلقات منقطع کردو۔ ورنہ آہستہ سے ان کے عادات واخلاق تم میں سرایت کرجائیں گے اور تم بھی اللہ کی نظر میں گر جاؤ گے۔

﴿۵۲﴾ منافقین کی کیفیت: جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے وہ ڈر کے مارے یہود و نصاریٰ سے مقابلہ نہیں کرتے اس لئے کہ کہیں دنیوی فوائد جو ان سے وابستہ ہیں وہ ختم نہ ہوجائیں اور ہم گردش کی لپیٹ میں نہ آجائیں یہاں تک کہ منافقین میں ایسے بدبخت لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو کفار کے لئے جاسوسی بھی کرتے ہیں اور مسلمانوں کے اندرونی حالات سے بھی کفار کو مطلع کرتے رہتے ہیں ایسے لوگوں کو نہ آخرت کی فکر ہے نہ اہل اسلام کی بھلائی کی فکر ہے بلکہ ان کا مطمع نظر دنیا اور دنیا میں رہنا ہے اور سمجھتے ہیں مشکل وقت میں ہمیں یہود و نصاری سے ہی پناہ مل سکتی ہے۔ ایسے لوگ فَاِنَّهُمْ مِنْهُمْ " (آیت ۔۵۱) کا حقیقی مصداق ہیں۔ يَقُوْلُوْنَ ... الخ :منافقین کا شکوہ : کہ کفار سے ترک موالات اور قطع تعلق کرنے میں تو ہمارے لئے خطرات ہیں۔ فَعَسَى اللهُ : جواب شکوہ : یہ لوگ اس تصور میں ہیں کہ مشرکین اور یہود مسلمانوں پر غالب آجائیں گے، مگر حق تعالیٰ شانہ فیصلہ فرماچکے ہیں کہ ایسا نہیں ہوگا بلکہ قریب ہے کہ مکہ فتح ہوجائے یا فتح مکہ سے پہلے پہلے ان منافقین کے نفاق کا پردہ چاک کرکے ان کو رسوا کردیا جائے تو اس وقت یہ اپنے مخفی خیالات پر نادم ہونگے۔

﴿۵۳﴾ مسلمانوں کا تعجب :یعنی مسلمان بطور تعجب کے کہیں گے یہ تو ہماری جماعت میں شمولیت کے دم مارتے تھے اب ان کا حال یہ ہے کہ اپنے تمام اعمال برباد کرکے بیٹھے ہیں۔

﴿۵۴﴾ تنبیہ مؤمنین :یعنی اے مسلمانو اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرکے دشمنان خدا سے علیحدگی اختیار نہ کی تو اللہ تعالیٰ دوسری جماعت پیدا کردے گا۔ فَسَوْفَ يَأْتِي اللهُ الخ اوصاف مؤمنین۔ اس جماعت کے اوصاف۔ ❶ اللہ تعالیٰ ان کو محبوب رکھتا ہے اور وہ اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔ ❷ جو مومنوں پر نرم اور دشمنان اسلام کے حق میں سخت گیر ہوگے۔ ❸ اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوں گے۔ ❹ اور وہ دین میں بڑے ٹھوس ہیں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے یہ خوبیاں اور اوصاف اللہ تعالیٰ جسکو چاہے عطا کردیتا ہے وہ صاحب وسعت اور بڑا صاحب علم ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے آنحضرت ﷺ سے بیعت ان شرطوں پر کی کہ حکم سنیں گے اور مانیں گے اور جہاں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے اللہ کے معاملہ میں کسی برا کہنے والے کے برا کہنا کا اندیشہ نہیں کریں گے۔ (متفق علیہ) لومة ایک بار ملامت کرنا دونوں کو نکرہ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی ملامت گر کی کسی ایک ملامت کی بھی ان کو پرواہ نہ ہوگی یہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی شان تھی، سبحان اللہ۔

تقیہ کی تردید

اس آیت میں روافض کے تقیہ کی تردید دو طرح سے واضح ہے۔ ❶ اس آیت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعریف ہے جو علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ سے جہاد کرتے ہیں اور ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے حضرت علی نے تینوں خلفاء کی بیعت کی اور تینوں کے ساتھ مل کر (۲۳) برس تک نمازیں پڑھیں، جہاد کئے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح دیا، کیا یہ سب کچھ تقیہ کے ساتھ لوگوں کے دباؤ کے زیر اثر تھا، اگر تھا تو پھر آپ کا شمول اس آیت کے حکم میں نہ ہوگا، اس قول کے کہنے کی جرأت سوا شیعوں کے کوئی سنی تو کرہی نہیں سکتا۔ ❷ آگے آیت ۵٦ میں ہے "فان حزب الله هم الغالبون" بتارہی ہے کہ صرف اہل السنت والجماعت نجات یافتہ ہیں، شیعہ روافض یا کوئی دوسرا فرقہ نجات یافتہ نہیں ہو سکتا کیونکہ غالب ہمیشہ اہل السنت والجماعت رہے ہیں اور انشاء اللہ رہیں گے بلکہ رافضی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حضرت

علیؓ محض تقیہ کے ساتھ خلفاء ثلاثہ کی خلافت قبول کرتے رہے اور اپنے ساتھیوں کی پوشیدہ طور پر دین کی تعلیم دیتے رہے اور پوشیدہ رہنے کا ہی حکم دیتے رہے ایسی روایات کتب معتبرہ شیعہ میں موجود ہیں۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بعض قومیں اسلام سے مرتد ہوئیں، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی پہلے اطلاع فرمادی کہ اس وقت حق تعالیٰ ایسی قوم لائے گا جو مرتدین کا قلع قمع کرے گی، اللہ اس قوم سے محبت رکھتا ہوگا اور وہ قوم اللہ سے محبت رکھتی ہوگی۔

عرب کے گیارہ قبائل مرتد ہوئے

صاحب کشاف لکھتے ہیں کہ عرب کے گیارہ قبیلے مرتد ہوئے تین قبیلے تو آنحضرت ﷺ کے آخر زمانہ میں مرتد ہو گئے اور ہر ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اسکی قوم نے تصدیق کی اور فساد عظیم برپا کیا۔

پہلا قبیلہ : بنی مدلج ہے جس کا سردار اسود عنسی تھا بڑا شعبدہ باز تھا یمن کا باشندہ تھا اور آنحضرت ﷺ کے عمال کو وہاں سے نکال دیا تھا آپ ﷺ نے اسکی سرکوبی کے لئے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو خط لکھا حضرت فروز دیلمی رضی اللہ عنہ جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ساتھی تھے ان کے ہاتھوں سے جہنم رسید ہوا۔ جس رات اس کے قتل کی خبر آئی اس کے اگلے دن آنحضرت ﷺ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

دوسرا قبیلہ : بنی حنیفہ ہے ان کا سردار مسیلمہ کذاب تھا اس نے یمامہ میں دعویٰ نبوت کیا اس کی سرکوبی کیلئے آپ نے کوئی انتظام نہ کیا تھا کہ آپ اس دنیا سے رحلت فرما گئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کی معیت میں اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے یہ شخص جہنم رسید ہوا۔

تیسرا قبیلہ : بنی اسد ہے جن کا سردار طلیحہ بن خویلد تھا اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا مگر یہ شخص شکست کھا کر ملک شام کی طرف بھاگا بعد میں مسلمان ہو کر جنگ قادسیہ میں نمایاں کردار ادا کیا۔

آپ ﷺ کی وفات کے بعد فتنہ ارتداد بلند ہوا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سات قبیلے مرتد ہوئے ان ساتوں سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا اور ان کی خوب خبر لی اور ان کا دماغ درست کیا اور ان تمام قبائل کا کام تمام کرادیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو فتح دی۔ ایک قبیلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جبلہ بن ایہم مرتد ہوا۔ حرمین شریفین اور قریہ جُواثی کے سوا اکثر عرب مرتد ہو گئے۔ اور بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا الغرض جس طرح نماز کی فرضیت کا انکار کفر اور ارتداد ہے۔ اسی طرح مثلاً زکوٰۃ یا روزہ کی فرضیت کا انکار بھی ارتداد ہے۔ (محصلہ معارف القرآن، م، ک، د)

مواعظ ونصائح

لوگوں کی باتوں کی پرواہ نہ کیجئے: ان میں بعض لوگ نصیحت کرنے میں مخلص ہوتے ہیں لیکن ان کو نصیحت کرنے کا طریقہ نہیں آتا۔ بعض ناصح حاسد ہوتے ہیں جن کا مقصد ہی آپ کو رنج وغم میں مبتلا کرنا ہوتا ہے۔ بعض ناصح کم علم ہوتے ہیں اور بے سمجھے سوچے جو منہ میں آتا ہے بولتے رہتے ہیں، ایسوں کا خاموش رہنا ان کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ تنقید کرنا ان کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے اور وہ دنیا کی ہر چیز کو کالی عینک سے دیکھتے ہیں۔ اگلے لوگوں نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ اگر سب لوگوں کا مزاج اور ذوق ایک جیسا ہو جائے تو سب کاروبار ٹھنڈے پڑ جائیں۔

شیخ چلی کا قصہ: شیخ چلی کا ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ گدھے پر سوار ہو کر جا رہا تھا اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا

پیدل چل رہا تھا۔ وہ دونوں لوگوں کے ایک مجمع کے پاس سے گزرے تو ان لوگوں نے کہا: ”اس خبیث باپ کو دیکھو، خود تو سوار ہو کر آرام سے جا رہا ہے اور بیٹے کو پیدل دھوپ میں چلنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔“ شیخ چلی نے جب یہ سنا تو گدھے کو روک کر خود نیچے اتر گیا اور اس پر اپنے بیٹے کو سوار کر دیا۔ اب دونوں چل پڑے۔ شیخ چلی بڑا فخر محسوس کر رہا تھا۔ آگے چل کر وہ چند دوسرے لوگوں کے پاس سے گزرے، تو ان میں سے کسی نے کہا دیکھو اس بے ادب بیٹے کو خود تو گدھے پر سوار ہے اور باپ کو دھوپ میں پیدل چلنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔“

شیخ چلی نے جو یہ سنا تو گدھے کو روکا اور بیٹے کے ساتھ خود بھی گدھے پر سوار ہو گیا تا کہ لوگوں کے برا بھلا کہنے سے بچاؤ ہو جائے۔ آگے وہ پھر ایک دوسرے گروہ کے پاس سے گزرے۔ ان لوگوں نے جب دونوں کو ایک گدھے پر سوار دیکھا تو کہنے لگے: ”دیکھو ان ظالموں کو بیچارے جانور پر بھی ان کو رحم نہیں آتا۔“ یہ سن کر شیخ چلی گدھے سے اتر گیا اور بیٹے سے کہا: ”بیٹا! تم بھی اتر جاؤ۔“ بیٹا بھی اتر گیا اور اپنے باپ کے ساتھ ساتھ پیدل چلنے لگا۔ اب گدھے پر کوئی سوار نہیں تھا۔ کچھ دور چلے تھے کہ وہ چند دوسرے لوگوں کے پاس سے گزرے۔ ان دونوں کو اس حال میں دیکھ کر وہ لوگ بولے: ”ان بیوقوفوں کو دیکھو، پیدل چل رہے ہیں اور گدھا خالی جا رہا ہے۔ یہ تو ہوتا ہی سواری کے لیے ہے۔“

شیخ چلی چیخ پڑا اور اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر گدھے کے نیچے گھس گیا اور دونوں نے گدھے کو اپنی پیٹھ پر اٹھا لیا۔ اگر اس وقت میں وہاں ہوتا اور شیخ چلی کا یہ حال دیکھتا تو اس سے کہتا: ”میرے پیارے دوست! جو تمہارے جی میں آئے وہ کرو، لوگوں کی باتوں کی پرواہ نہ کرو۔ ان کو راضی رکھنے کی فکر کی تو کچھ نہیں کر سکتے۔“ کسی عرب شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

”کون ہے جو لوگوں کی تنقید سے بچ سکے   خواہ وہ گدھ کے پروں میں جا کر چھپ جائے۔“

بعض لوگ تو بغیر سوچے سمجھے رائے دینے لگتے ہیں۔ مثلاً آپ کا نکاح ہونے کے بعد کوئی آپ کے پاس آکر کہے: ”بھئی تم نے اس لڑکی سے شادی کیوں کر لی؟“ اس وقت آپ کا ضرور دل چاہے گا کہ اس کے منہ پر چیخوں اور کہوں: ”میرے بھائی! مجھے شادی کرنی تھی، میں نے کر لی، بس معاملہ ختم۔

اب کون تم سے مشورے طلب کر رہا ہے؟“ یا آپ نے اپنی کار فروخت کر دی، اب کوئی آپ سے آکر کہے: ”کاش تم نے مجھے پہلے بتایا ہوتا۔ فلاں خریدار اس سے زیادہ قیمت میں خرید لیتا۔“ ایسوں سے تو یہی کہنا چاہیے کہ ”بس اب تو مالک نے کار بیچ دی ہے، معاملہ ختم ہوا۔ اب اس کے بعد اس کو پریشان نہ کرو۔“ کسی عرب شاعر نے کہا ہے۔

”انسان مخالفت سے بچ نہیں سکتا   خواہ وہ پہاڑ کی چوٹی پر تنہا بیٹھ جائے۔“

لہٰذا ہمارا مشورہ یہی ہے کہ لوگوں کی باتوں کی وجہ سے آپ اپنی جان کو ہلکان نہ کیجیے۔

﴿۵۵﴾ **مسلمانوں کی تسلی اور دوستی کے مراکز** :یعنی اے مسلمانو! تمہارے دوست صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا رسول اور مخلص ایمان والے حضرات ہیں۔ اور اس آیت میں مسلمانوں کے تین صفات کا ذکر ہے۔ ❶ نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ ❷ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ ❸ ان میں خشوع ہوتا ہے حضرات مفسرین فرماتے ہیں ”راکعون“ سے مراد عاجزی کرنے والے ہیں۔ (خازن: ص: ٥٠٦، ج: ١، مظہری: ص: ١٣٢، ج: ٣، کشاف: ص: ٦٤٩، ج: ١، ابوسعود: ص: ٥٩، ج: ٢)

﴿۵۶﴾ **دوستی کا نتیجہ** :اور یہی جماعت غالب آنے والی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مہاجرین وانصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جو لوگ ان سے دوستی اختیار کریں گے وہی غالب آنے والے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اے ایمان والو! ان لوگوں کو جنہوں نے ٹھہرایا ہے تمہارے دین کو ٹھٹھہ اور کھیل ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ

اور کافروں کو (بھی نہ بناؤ) دوست اور اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو ﴿۵۷﴾ اور جب تم پکارتے ہو

اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ

نماز کی طرف تو ٹھہراتے ہیں اس کو ٹھٹھہ اور کھیل یہ اس وجہ سے کہ بیشک یہ بے عقل لوگ ہیں ﴿۵۸﴾ اے پیغمبر (ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب!

هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ

تم ہم میں کیا عیب پاتے ہو سوائے اس کے کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور جو چیز اتاری گئی ہے ہماری طرف اور جو نازل کی گئی ہے اس سے پہلے

فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ

اور بیشک تم میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں ﴿۵۹﴾ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کیا میں بتاؤں تم کو اس سے زیادہ بدتر باعتبار جزا کے اللہ کے نزدیک وہ ہے جس پر اللہ نے لعنت کی ہے

غَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ

اور اس پر غضب کیا ہے اور بنایا ہے ان میں سے بعض کو بندر اور خنزیر اور وہ جنہوں نے شیطان کی پوجا کی یہی لوگ ہیں بدترین درجے کے اعتبار سے اور زیادہ بہکے ہوئے ہیں

عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ﴿٦٠﴾ وَاِذَا جَاۗءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ

سیدھے راستے سے ﴿۶۰﴾ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں حالانکہ وہ کفر کے ساتھ داخل ہوئے ہیں اور وہ کفر کے ساتھ نکلے ہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں ﴿۶۱﴾ اور دیکھے گا تو بہتوں کو ان میں سے کہ وہ دوڑتے ہیں گناہ اور تعدی کی طرف اور حرام کھانے

وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ

کی طرف بہت برا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں ﴿۶۲﴾ کیوں نہیں منع کرتے ان کو درویش اور عالم ان کی گناہ کی بات کہنے سے

قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ

اور ان کے حرام کھانے سے البتہ بہت بری ہے وہ کارگزاری جو وہ کرتے ہیں ﴿۶۳﴾ اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ جکڑ دیئے گئے ہیں ان (یہودیوں) کے

مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ

ہاتھ جکڑ دیئے گئے ہیں اور ان پر لعنت کی گئی ہے اس وجہ سے جو انہوں نے کہا بلکہ اللہ کے ہاتھ تو کشادہ ہیں وہ خرچ کرتا ہے جس طرح چاہے اور البتہ ان میں سے

كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ

بہتوں کے لئے زیادہ کرے گا وہ چیز جو اتاری گئی ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے ان کیلئے سرکشی اور کفر کو۔ اور ہم نے ڈال دی ہے ان کے درمیان عداوت

وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ

اور دشمنی قیامت تک جب بھی یہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اس کو بجھا دیتا ہے اور یہ کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد کی۔

فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا

اور اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا فساد کرنے والوں کو ﴿۶۴﴾ اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور ڈرتے البتہ ہم ان کو معاف کردیتے

لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ

ان کی برائیں اور ہم ضرور داخل کرتے ان کو نعمتوں کے باغوں میں ﴿۶۵﴾ اور اگر یہ لوگ قائم کرتے تورات

وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِم مِّن رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم ۚ

اور انجیل کو اور جو چیز نازل کی گئی ہے ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے البتہ کھاتے وہ اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے۔ ان میں سے ایک

مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿٦٦﴾

امت میانہ روی والی ہے اور وہ بہت سے ان میں سے وہ ہیں جو بہت برے کام کرتے ہیں ﴿۶۶﴾

﴿۵۷﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ... الخ ربط آیات : گذشتہ آیات میں یہود کی دوستی سے ممانعت کا ذکر تھا اس آیت میں بھی یہود کی محبت اور دوستی سے روکا جا رہا ہے مگر اب عنوان مختلف ہے کہ جس میں آخر رکوع تک انکی شرارتوں اور قباحتوں کا بیان ہے۔

خلاصہ رکوع ❾ یہود سے مقاطعہ، یہود کا شعائر اسلام (اذان) سے استہزاء، اہل حق کی عیب جوئی کی وجہ، فریضہ پیغمبر سے تنبیہ یہود، یہود میں سے بعض منافقین کا باطل دعویٰ، بعض یہود کی اخلاقی پستی، تنبیہ مشائخ وعلماء، یہود کا اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور جواب گستاخی، اہل کتاب کے لئے اصول کامیابی۔ ا۔ ۲۔ ماخذ آیت ۵۷: تا ۶۶ +

یہود سے مقاطعہ : کیونکہ اہل کتاب اور کفار تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ﴿۵۸﴾ یہود کا شعائر اسلام (یعنی اذان) سے استہزاء : مثلاً اذان وغیرہ کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس کی نقلیں اتارتے ہیں "وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ" یعنی جب تم نماز کے لئے پکارتے ہو تو وہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں۔

اذان کی مشروعیت

جمہور محققین مثلاً علامہ نوویؒ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور صاحب درمختار کے نزدیک اذان کی مشروعیت سن ۱ہجری میں ہوئی۔ (اوجز المسالک: ص: ۳، ج۔ ۲) ابتداء مدینہ طیبہ میں ہوئی سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع عبداللہ بن زیدؓ نے صبح کو دی پھر عبداللہ بن زیدؓ سے فرمایا کہ بلالؓ تم سے بلند آواز ہیں ان کو اذان کی تعلیم دو، چنانچہ حضرت بلالؓ کو مؤذن مستقل مقرر کیا گیا اور انہوں نے اذان دی۔

مسئلہ: ❶ اذان سنت مؤکدہ ہے مگر امام محمد کے نزدیک واجب ہے اہل شہر جو اس کے ترک پر جمع ہو جائیں ان کے

ساتھ قتال کیا جائے گا۔ (شامی ص: ۲۸۳ ج:۱؛ حاشیہ ہدایہ ص: ۸۴ ج۔۱)

مسئلہ: ❷ اذان واقامت صرف نماز پنج گانہ اور جمعہ کی خصوصیت ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری: ص: ۵۳ ج۔۱) کتاب الصلوٰۃ، الباب الثانی فی الاذان، الفصل الاوّل)

مسئلہ: ❸ نماز تہجد کے لئے اذان منسوخ ہو چکی ہے۔ چنانچہ احسن الفتاویٰ ص: ۲۹۱ ج۔۲) میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ صبح صادق سے کچھ قبل اذان دیا کرتے تھے تاکہ تہجد میں مشغول حضرات ذرا آرام کرلیں اور سوئے ہوئے لوگ اٹھ کر فجر کی تیاری کریں، مگر بعد میں یہ اذان منسوخ ہوگئی، اس لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم نے اس پر عمل نہیں فرمایا:

قال ابن نجیم رحمہ اللہ وعند ابی حنیفۃ و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ لا یؤذن فی الفجر قبلہ لما رواہ البیہقی انہ علیہ الصلوٰۃ و السلام قال یا بلال لا تؤذن حتی یطلع الفجر قال فی الامام رجال اسنادہ ثقات (البحر الرائق: ص: ۲۶۳ ج:۱) واخرج الامام ابو جعفر الطحاوی رحمہ اللہ عن ابراھیم قال شیّعنا علقمۃ الی مکۃ فخرج بلیل فسمع مؤذنا یؤذن بلیل فقال اما ھذا فقد خالف سنۃ اصحاب رسول اللہ علیہ وسلم لو کان نائماً کان خیراً لہ فاذا طلع الفجر اذن، فاخبر علقمۃ ان التأذین قبل طلوع الفجر خلاف لسنۃ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (شرح معانی الآثار: ص: ۹۷ ج:۱، بحوالہ احسن الفتاویٰ طبع پنجم ایچ ایم سعید کراچی)

شیعہ اثنا عشریہ کا اذان میں اضافہ

اہل السنت والجماعت کی اذان مشہور ہے جو ائمہ اربعہ کے مقلدین روزانہ پانچ وقت مسجدوں میں دیا کرتے ہیں البتہ اہل تشیع کی اذان اہل السنت سے مختلف ہے۔ چنانچہ شیعہ عالم سید منظور حسین نقوی لکھتا ہے کہ دو مرتبہ کہئے "اشھد ان محمد رسول اللہ اشھد ان محمد رسول اللہ" اس کے بعد دو مرتبہ کہئے "اشھد ان امیر المؤمنین وامام المتقین علیاً ولی اللہ ووصی رسول اللہ وخلیفتہ بلا فصل"۔ (نماز جعفریہ باتصویر: ص ۲۲ء، ۲۳ ناشر افتخار بک ڈپو رجسٹرڈ اسلام پورہ لاہور نمبر ۱)

مصنف لکھتا ہے کہ یہ کتاب نماز جعفریہ مترجم مطابق فتاویٰ سید محسن الحکیم طباطبائی، سید ابوالقاسم الخوئی نجف اشرف، سید روح اللہ خمینی ایران، سید محمد رضا گلپائیگانی مجتہد اعظم ایران اور خمینی توضیح المسائل: ص: ۱۴۶: طبع ایران میں لکھتا ہے مسئلہ: ۱۹۱۹: اشھد ان علیا ولی اللہ جزو اذان اقامت نیست ولی خوبست" یہ جملے اگرچہ اذان اور اقامت کا حصہ نہیں مگر ہیں بہت خوب اور بعض روافض اذان کی ابتداء میں یوں بھی اضافہ کرتے ہیں: "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۞" پھر اللہ اکبر سے اذان شروع کرتے ہیں اور بعض روافض نے "اشھد ان محمد رسول اللہ" کے بعد "اشھد ان امیر المؤمنین وامام المتقین وقاتل المشرکین الخ" کا بھی اضافہ کیا ہے (روزمرہ اہل تشیع کے ہاروں سے یہ الفاظ سنائی دیتے ہیں)

جواب: ان الفاظ کے ساتھ یہ اذان شیعہ روافض کی کسی کتاب میں ان کے ائمہ معصومین کے اقوال سے ثابت نہیں۔ چنانچہ شیعہ مجتہد ملا صدوق ابی جعفر محمد بن علی محمد بن حسین بن بابویہ القمی المتوفی ۳۸۱ھ لکھتے ہیں کہ معراج کی رات حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جو اذان دی تھی اس کو "اللہ اکبر" سے شروع کیا۔ (من لا یحضرہ الفقیہ: ص: ۱۰۹ ج:۱؛ رقم الحدیث: ۸۶۴؛ باب الاذان الخ) اور حدیث نمبر ۸۶۵ میں لکھتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اذان سکھائی: ص: ۱۱۰ و ۱۱۲ پر یہ پوری اذان نقل کی ہے جو "اللہ اکبر" سے شروع ہوتی ہے اور "لا الہ الا اللہ" پر ختم ہوتی ہے اس میں صرف "حی علی خیر

العمل" کا اضافہ بھی صرف اس لئے کہ مسلمانوں اور شیعہ روافض کے درمیان فرق ہو جائے۔

اور یہی اذان شیخ طوسی المتوفی ٤٦٠ھ اپنی معتبر کتاب الاستبصار: ص: ٣٠٤؛ ج: ١؛ ص: ٦٧؛ باب عدد الفصول فی الاذان والاقامت رقم الحدیث ٢، ٣، ٤، ٥ میں اور اپنی دوسری کتاب تہذیب الاحکام: ص ٢٨٠: ٢؛ ٢٧٩ باب عدد فصول الاذان والاقامت الخ میں لکھتا ہے کہ اس اذان کے شروع اور درمیان میں کوئی اضافہ نہیں ہے ملا صدوق اذان میں اضافہ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وقال مصنف هذا الکتاب رحمة الله۔ هذا هو الاذان الصحیح لا یزاد فیه ولا ینقص منه، والمفوضة لعنهم الله قد وضعوا اخباراً وزادوا فی الاذان "محمد وآل محمد خیر البریة" مرتین، وفی بعض روایاتهم بعد اشهد ان محمد رسول الله، اشهد ان علیاً ولی الله مرتین ومنهم من روی بعد ذلک اشهد ان علیاً امیر المؤمنین حقاً مرتین، ولا شك فی ان علیاً ولی الله وانه امیر المؤمنین حقاً وان محمداً وآله صلوات الله علیهم خیر البریة ولکن لیس ذلك فی اصل الاذان"۔

(من لا یحضرہ الفقیہ: ص ١١٢؛ ١١٣؛ ج۔ ١)

ترجمہ: ملا صدوق جو اس کتاب من لا یحضرہ الفقیہ کے مصنف ہیں وہ کہتے ہیں جو اذان امام جعفر صادق نے بیان کی ہے وہ صحیح ہے اس میں نہ زیادتی کی جائے اور نہ کمی کی جائے اور شیعوں کے مفوضہ فرقہ پر اللہ کی لعنت ہو انہوں نے اپنی طرف سے حدیثیں بنالی ہیں اور اذان میں "محمد وآل محمد خیر البریه" کے الفاظ دو دفعہ زیادہ کر دیئے ہیں، اور ان کی بعض روایات میں "اشهد ان علیا ولی الله" کا دو دفعہ اضافہ اور بعض نے اس کی جگہ پر "اشهد ان علیا امیر المؤمنین حقا" کے الفاظ دو مرتبہ اضافہ کیا ہے اس میں تو کوئی شک نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کے دوست اور برحق امیر المؤمنین ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ محمد اور آل محمد ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو تمام مخلوقات سے افضل ہیں، لیکن یہ کلمات اضافہ کردہ اصلی اذان میں نہیں ہیں۔ میں نے یہ اس لئے ذکر کیا ہے تا کہ اس زیادتی کرنے سے وہ لوگ پہچانے جائیں جو تفویض سے متہم ہیں اور چھپکے سے ہم شیعوں میں گھس آئیں ہیں۔

ملا صدوق مفوضہ کے بارے میں (اعتقادیہ شیخ صدوق: ص ١٠٨) میں لکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں وہ یہود و نصاریٰ مجوس بدعتیوں اور خواہش پرست تمام گمراہ فرقوں سے زیادہ برے ہیں، بہر حال ملا صدوق کے نزدیک اذان میں محمد اور آل محمد اور خیر البریہ کے الفاظ ہیں یہ لعنتیوں کا اضافہ کردہ ہے تو جنہوں نے اذان کے شروع میں اور آخر میں اضافہ کیا ہے تو بقول ملا صدوق ان کو بھی لعنتی کہا جائے گا، ایسے لعنتیوں سے ہمارا مطالبہ ہے کہ اپنی کتب اصول اربعہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لیکر حضرت امام حسن عسکری تک کسی امام سے اضافہ والی اذان جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ثابت کریں، ورنہ خود ساختہ اذان بند کریں تا کہ لعنتیوں کے گروہ سے نکل جائیں اور اس ملک پاکستان سے فتنہ عظیم کا سد باب ہو جائے۔

اہل تشیع کا اعتراض کہ اہل السنت کی فجر کی اذان میں الصلوۃ خیر من النوم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اضافہ کردہ ہے اور اس کا جواب

اہل تشیع کہتے ہیں کہ اگر ہماری اذان اضافہ شدہ ثابت نہیں ہے تو تمہاری صبح کی اذان میں "الصلوة خیر من النوم" دو مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایجاد کردہ بدعت ہے۔ (حاشیہ فصل الخطاب: ص: ٢٠١؛ ج۔ ٣ مصنف کریم خان کرمانی؛ تحت باب

التثویب فی الاذان والاقامت) تو یہ اذان بھی آنحضرت ﷺ سے ثابت نہ ہوئی؟ اہل تشیع اس حدیث سے بھی استدلال پکڑتے ہیں "وعن مالك بلغه ان المؤذن جاء عمر يؤذنه بصلاة الصبح فوجده نائماً فقال الصلوٰة خير من النوم فامره عمر ان يجعلها في نداء الصبح" رواه في المؤطا مشکوٰۃ ص: ٦٤: ج ١:)

ترجمہ :امام مالک کے بارے میں منقول ہے کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ مؤذن صبح آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس صبح کی نماز کے لئے انہیں خبردار کر دیتا تھا چنانچہ ایک دن حضرت عمر کو سوتا ہوا پایا تو کہا "الصلوٰة خير من النوم" حضرت عمر نے کہا یہ کلمہ صبح کی اذان میں کیا جائے، تو اس حدیث کا بہتر جواب یہ ہے کہ جب مؤذن نے حضرت عمرؓ کو سوتا ہوا دیکھ کر یہ کلمہ کہا تو انہیں ناگوار ہوا اور فرمایا کہ یہ کلمہ صبح کی اذان میں کہا جائے یعنی یہ کلمہ فجر کی اذان ہی میں کہنا سنت ہے تو اسی موقع پر یہ کلمات کہنا چاہئے اذان کے سوا سوتے ہوئے کو جگانے کے لئے یہ کلمات استعمال کرنا مناسب نہیں ہیں۔

(مظاہر حق : ص:٦٨ ٣: ج١: حاشیہ مؤطا امام مالک : ص:٥٧: اوجزو المسالک : ص:٣٠٠ ج٢: زرقانی شرح مؤطا : ص ٢١٨: اعلاء السنن: ص:١١٥: ج ٢: مرقاۃ: ص ١٥٧: ج ٢: التعلیق الصبیح: ص:١٠ ٣: ج١: شرح الطیبی: ص:١٩٩: ج۔ ٢)

علامہ طیبی لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے اضافہ نہیں کیا بلکہ یہ سنت ہے اور آپ ﷺ سے یہ الفاظ سنے تھے اس پر ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث واضح دلیل ہے چنانچہ حضرت ابومحذورہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اذان کا طریقہ سکھا دیجئے روای کہتے ہیں کہ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے حضرت ابومحذورہ کی پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور پھر فرمایا کہو" الله اكبر. الله اكبر "پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فان كانت صلوٰة الصبح قلت الصلوٰة خير من النوم "یعنی اگر صبح کی اذان کہنا چاہو تو صبح کے لئے یہ کلمات "الصلوٰة خير من النوم" "الصلوٰة خير من النوم" کہو "الله اكبر. الله اكبر. لا اله الا الله" (رواہ ابوداؤد مشکوٰۃ: ص: ٦٣: ج۔١)

حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ حضرت بلالؓ کو آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ "الصلوٰة خير من النوم" کے کلمات کو صبح کی اذان میں داخل کرلو۔ (مرقاۃ: ص:١٥٨: ج۔ ٢) اس سے واضح ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کلمات کا اضافہ نہیں کیا بلکہ یہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے جو انہوں نے پورا کیا۔

الحمد للہ اہل السنت کی صبح کی اذان میں "الصلوٰة خير من النوم" کے کلمات آنحضرت ﷺ کی سنت سے ثابت ہیں ولا شک فیہ مگر روافض خلیفہ بلا فصل والی اذان انشاء اللہ قیامت تک اپنے ائمہ معصومین کے فرامین سے ثابت نہیں کر سکتے، یہ قرض ان کے سر پر قیامت تک باقی رہے گا البتہ اہل السنت والجماعت "الصلوٰة خير من النوم" کے کلمات شیعہ کی معتبر کتب ہی سے ثابت کر سکتے ہیں تا کہ ان کا اعتراض اہل السنت کے سر پر نہ رہے ❶ چنانچہ ابی جعفر محمد بن علی بن حسین بن بابویہ القمی المتوفی ٣٨١ھ من لا یحضرہ الفقیہ ص ٣١٢ ج١ میں لکھتے ہیں "ولا باس ان يقول في صلوٰة الغداة على اثر حي على خير العمل الصلوٰة خير من النوم مرتين للتقية"۔ ترجمہ حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ صبح کی اذان میں "حی علی خیر العمل" کے بعد "الصلوٰة خير من النوم" دو مرتبہ کہنا بطور تقیہ کے تو کوئی حرج نہیں ہے، اگر یہ کلمات بطور تقیہ کے بھی کہے پھر بھی اہل السنت کی تائید ہوتی ہے اور یہی بات کریم خان کرمانی فصل الخطاب ص ٢٠٠ باب کیفیۃ الاذان والاقامۃ وعدد حروفہا میں بھی لکھی ہے۔

❷ کریم خان کرمانی فصل الخطاب ص ٢٠١ ج ٣ تحت باب التثویب فی الاذان والاقامت میں لکھتا ہے ۔ وقال اذا كنت في اذان الفجر فقل الصلوٰة خير من النوم بعد حي على خير العمل ولا تقل في الاقامت الصلوٰة

خیر من النوم انما ھذا فی الاذان "اور حضرت امام جعفر صادق نے کہا جب تو فجر کی اذان کہے تو "حی علی خیر العمل" کے بعد "الصلوٰۃ خیر من النوم" کہے اور یہ کلمات اقامت میں نہ کہے "الصلوٰۃ خیر من النوم "صرف اذان میں کہا جاتا ہے۔الغرض امام جعفر صادق کے اقوال سے اہل السنت کی اذان "الصلوٰۃ خیر من النوم "ثابت ہے مگر اہل تشیع کی اذان جو اپنے ائمہ سے محبت کا دم بھرتے ہیں ان پر لازم ہے کہ اپنے ائمہ سے اظہار محبت کے لئے ایسے الفاظ کو اپنی اذان سے خارج کر دیں ورنہ جھوٹا دعویٰ محبت چھوڑ دیں۔واللہ وھو یھدی السبیل۔

اہل بدعت کا اذان کے شروع میں صلوٰۃ وسلام پر استدلال اور اس کا تفصیلاً جواب

نمبر ۷۔علامہ منظور احمد فیضی صاحب اس نمبر میں لکھتے ہیں :"حضرت بلال رضی اللہ عنہ صحابی مؤذن،اذان کے بعد پڑھتے تھے السلام علیک یارسول اللہ۔

الجواب:علامہ صاحب نے یہ روایت تو لکھ دی لیکن اپنی عادت کے مطابق اس سے اخذ کردہ نتیجہ تحریر نہیں فرمایا،اور کوئی فتویٰ بھی نہیں لگایا،لیکن ظاہر ہے کہ علامہ صاحب اس سے اذان کے بعد مروجہ صلوٰۃ وسلام کو ثابت کرنا چاہتے ہیں،اور استدلال اس روایت سے کرتے ہیں،لیکن علامہ صاحب کا استدلال باطل ہے۔

اولاً:اس لیے کہ اس روایت کا ایک راوی کامل ابو العلاء منکر الحدیث ہے،چنانچہ علامہ ابو الفضل محمد بن طاہر المقدسی المعروف بابن القیر انی المتوفی ۵۰۷ھ لکھتے ہیں :"ان المؤذن کان یأتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیقول :السلام علیك یا رسول اللہ!حی علی الصلوٰۃ۔فیہ کامل ابو العلاء منکر الحدیث۔"(معرفۃ التذکرۃ ص۔۱۲۶)

ترجمہ"یہ روایت کہ :مؤذن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر"السلام علیک یارسول اللہ" آئیے نماز کی طرف" کہتا تھا،منکر ہے،کیونکہ اس میں کامل ابو العلاء منکر الحدیث ہے۔" جب سرے سے روایت صحیح نہیں،بلکہ منکر ہے،تو یہ استدلال خود بخود باطل ہے۔

ثانیاً:بر سبیل تنزل اگر علامہ صاحب کی پیش کردہ روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی ان کا اس سے استدلال کرنا باطل ہے،کیونکہ اس روایت کا صاف صریح اور صحیح مطلب یہ ہے کہ :مؤذن رسول حضرت بلال رضی اللہ عنہ،اذان سے فارغ ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نماز کے لیے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے،پہلے آپ کو سلام عرض کرتے،پھر نماز کی اطلاع کرتے،یہی طریقہ تمام صحابہ کرامؓ کا تھا کہ جس مقصد کے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو پہلے آپ کو سلام عرض کرتے،پھر آنے کا مقصد پیش کرتے،اور یہی اسلامی طریقہ ہے کہ جب بھی کوئی مسلمان کسی مسلمان کو ملے تو سب سے پہلے سلام کرے،پھر کوئی اور بات،پس حضرت بلالؓ بھی اسی دستور اسلامی کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر سلام عرض کرتے تھے۔

اذان کے بعد مروجہ صلوٰۃ وسلام کے ساتھ اس کو کوئی تعلق نہیں،لیکن کمال کر دیا علامہ صاحب کے قلم نے کہ اس روایت کو ایسے انداز میں پیش کیا کہ عام پڑھنے والے کو دھوکا لگ جائے کہ سچ مچ حضرت بلالؓ اذان کے بعد سلام پڑھتے تھے،علامہ صاحب! نہ دھوکا کھائیے اور نہ دھوکا دیجئے،حضرت بلالؓ اذان کے بعد مروجہ صلوٰۃ وسلام نہیں پڑھتے تھے اور یقیناً نہیں پڑھتے تھے،وہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلامی طریقہ کے مطابق سلام عرض کرتے تھے،یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی کے وقت حضرت بلالؓ سلام عرض نہیں کرتے تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت موجود نہیں ہوتے

تھے، اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے تو پھر بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ یہ سلام عرض نہیں کرتے تھے، کیونکہ مقصد تو تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی اطلاع دینا، اور اس اطلاع سے پہلے سلام عرض کرتے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی کی صورت میں نہ اطلاع کی ضرورت درپیش آتی تھی اور نہ ہی سلام عرض کرنے کی نوبت۔

چونکہ اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام کا مسئلہ چل پڑا، لہٰذا اس مسئلہ کے متعلق ضروری گزارشات آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔

اذان کے اوّل میں مروّجہ صلوٰۃ وسلام کی ابتداء: بریلوی حضرات کی مساجد میں اذان سے پہلے مروجہ صلوٰۃ وسلام کا رواج غالباً چودھویں صدی میں شروع ہوا ہے، کیونکہ اس کا بدعت ہونے کی حیثیت سے بھی کتابوں میں تذکرہ نہیں ملتا ہے، گویا یہ مروجہ صلوٰۃ وسلام اس دور کی ایجاد ہے، اور چودھویں صدی میں اس بدعت کو اذان کے اوّل میں ملا کر اس کو دین و مذہب کا درجہ دے دیا گیا، میری دانست کے مطابق بریلویوں میں سے سنجیدہ لوگ اس احداث فی الدین کو اچھا نہیں سمجھتے، بلکہ اپنے ہم مسلک لوگوں کو اس کے چھوڑ دینے کا بھی مشورہ دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بریلویوں کی بعض مساجد میں اذان کے شروع میں مروجہ صلوٰۃ وسلام نہیں کہا جاتا ہے۔

اذان کے بعد مروجہ سلام خوانی کی ملاوٹ اور اس کی ابتداء: اذان کے بعد مروجہ سلام خوانی ساتویں صدی ہجری میں شروع کی گئی، پوری سات صدیاں اس بدعت سے خالی نظر آتی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے بعد یہ سلام خوانی کرائی اور نہ ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور دوسرے کسی موذن کو اس کا حکم دیا، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دورِ مسعود میں بھی اذان کے آخر میں یہ مروجہ صلوٰۃ وسلام نہیں پڑھے جاتے تھے، خیر القرون میں بھی اس کا رواج نہیں تھا، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور سے لے کر پورے سات سو سال تک سیدھی سادی اذان مسلمانوں میں جاری رہی، یعنی ”اللہ اکبر“ سے شروع ہو کر ”لا الٰہ الا اللہ“ پر ختم ہوتی تھی، اس عرصہ میں اذان کے اول یا آخر میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں کی گئی، ہر جگہ، ہر مسجد میں اور ہر طبقہ کے مسلمانوں میں سنت کے مطابق اذان بلالی جاری وساری رہی، لیکن آٹھویں صدی ہجری میں اذان کے بعد سلام خوانی کی رسم شروع کی گئی، چنانچہ بریلویوں کے امام احمد رضا خان صاحب درمختار سے نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ”التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر ۷۸۱ھ سبع مائة واحدی و ثمانین فی عشاء لیلة الاثنین۔“ (احکام شریعت ج ۱: ص۔ ٦۵)

یعنی اذان کے بعد سلام خوانی ربیع الآخر ۷۸۱ھ میں شروع ہوئی اور وہ بھی سوموار کے دن صرف عشاء کی اذان میں سلام خوانی ہوتی تھی۔ دس سال تک تو یہ سلام خوانی ہفتہ میں ایک دن اور وہ بھی صرف ایک نماز عشاء کی اذان میں چلتی رہی، لیکن درمختار جلد ۱: ص: ۲۸۷ پر ہامش ردالمختار میں لکھا ہے کہ: پھر نماز جمعہ کی اذان میں اس کا اضافہ کیا گیا، اور پھر دس سال بعد سوائے مغرب کے بقیہ نمازوں کی اذانوں میں بھی اس کو شامل کر لیا گیا، پھر کچھ عرصہ بعد مغرب کی اذان میں بھی یہ سلام خوانی شروع کر دی گئی۔

قارئین کرام! یہ ہے مروجہ صلوٰۃ وسلام کی ابتدائی تاریخ اور کہانی، جس کو آپ نے اعلیٰ حضرت کی زبانی سن لیا کہ یہ بدعت ۷۸۱ھ میں ایجاد کر کے اذان میں شامل کر دی گئی۔

وجہ ایجاد: مروجہ سلام خوانی ۷۸۱ھ میں جاری کی گئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں مصر میں فاطمی سلاطین کی حکومت تھی، اور سلاطین فاطمیہ مذہباً اسماعیلی شیعہ تھے، انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں اذان کے بعد امام ظاہر پر سلام کرنے کا رواج جاری کر رکھا تھا، اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب شیعہ اقتدار کو ختم کر کے ملک مصر فتح کیا تو ان کو اذان کے بعد کہے جانے والے ”السلام علی الامام الظاھر“ کے ختم کرنے کی فکر لاحق ہوئی، لیکن مصر والوں پر سابقہ شیعہ حکومت کے اثرات باقی تھے، چنانچہ اس بدعتِ قبیحہ کو یکسر ختم کرنے میں اہل مصر کی طرف سے سلطان مذکور کو بغاوت اور شورش برپا کرنے کا خطرہ محسوس ہوا،

کیونکہ اس کی نئی نئی حکومت بنی تھی، اس خطرہ کے پیش نظر سلطان صلاح الدین ایوبی اس بدعت کو فوراً ختم نہ کر سکے، بلکہ وقتی طور پر مصلحتاً اس کا ازالہ کر دیا، پس اس نے "السلام علی الملک الظاہر" کی بجائے "السلام علیٰ رسول الله" شروع کرا دیا، ان کی اس حکمت عملی کی وجہ سے "السلام علی الملك الظاهر" کا رواج ختم ہو گیا اور کچھ عرصہ بعد جب ان کی حکومت کو استحکام حاصل ہوا اور شیعہ حکومت کے اثرات بھی زائل ہوئے تو رفتہ رفتہ "السلام علیٰ رسول الله" کا رواج بھی جاتا رہا، یہی وجہ ہے کہ مصر میں آج بھی اذان کے بعد سلام خوانی نہیں ہوتی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس سلام خوانی کو دین اور عبادت سمجھ کر شروع نہیں کرایا اور نہ ہی وہ اس کو کارِ ثواب سمجھتے تھے، بلکہ ایک بہت بڑی بدعتِ قبیحہ کو مٹانے کے لیے انہوں نے اس کو وقتی طور پر گوارا کر لیا۔

بدعتِ حسنہ کا مطلب: پہلے سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے البتہ یہاں موقع کی مناسبت سے یہ بات یاد رکھیں۔ جن علماء نے اذان کے بعد سلام خوانی کو بدعتِ حسنہ کہا ہے، ان کا مطلب یہی ہے کہ چونکہ اس بدعت کے ذریعہ ایک بہت بڑی بدعت قبیحہ کو مٹایا گیا ہے، اس لحاظ سے یہ حسنہ ہے، یا دوسرے لفظوں میں سلام خوانی والی بدعت شیعوں والی بدعت سے نسبتاً اچھی ہے، ورنہ فی نفسہ اس میں کوئی خوبی اور اچھائی نہیں، بلکہ بدعت اور احداث فی الدین ہونے میں دونوں برابر ہیں، البتہ نسبتاً ایک بدعت دوسری بدعت سے اچھی ہے، شاید سلطان صلاح الدین ایوبی کے پیش نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہو کہ جو شخص دو مصیبتوں میں سے ایک مصیبت میں لازماً مبتلا ہونے کا خطرہ محسوس کر رہا ہو تو اس کو اهون البليتين کو اختیار کرنا چاہیے، یعنی دو مصیبتوں میں سے جو نسبتاً ہلکی اور آسان ہو اس کو اختیار کرے، چونکہ سلطان صاحب بھی اسی میں مبتلا تھے اسی لیے اهون البليتين کو اختیار کیا، یہ ہے بدعتِ حسنہ کا مطلب، کیونکہ شرعی بدعت میں کسی قسم کی بھلائی اور خوبی نہیں ہوتی اور نہ اس کو فی نفسہ حسنہ کہا جاتا ہے، البتہ بہ نسبت کے اس کو کبھی حسنہ بھی کہہ دیا جاتا ہے، امام ربانی حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا ہے: "فقیر، کسی بدعت میں حسن نہیں دیکھتا، نہ اس میں کسی قسم کی نورانیت محسوس کرتا ہے، نور تو صرف سنت میں ہے، اور بدعت میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔"

پس ثابت ہوا کہ اذان کے اول میں سلام خوانی بدعتِ قبیحہ ہے، اور اذان کے بعد بھی بدعت ہے، اور اس کے بدعت ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے، اسی لیے تو "بہارِ شریعت" کے مؤلف مولانا حکیم ابوالعلی محمد امجد علی صاحب اعظمی رضوی نے اذان سے پہلے والی سلام خوانی کا تذکرہ تک نہیں کیا، شاید وہ اس کے قائل ہی نہیں، اسی لیے اس کو ذکر نہیں کیا، البتہ اذان کے بعد والے سلام کو تثویب کے ضمن میں ذکر کیا، لیکن ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کر دی کہ یہ سلام خوانی متاخرین (بعد کے لوگوں) کی ایجاد ہے، اور یہی وجہ ہے کہ پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پور ضلع سیالکوٹ کے پیروکاروں نے اس مسئلہ میں بریلویوں کی کھل کر مخالفت کی ہے۔

مزید اضافہ: آپ کو معلوم ہو گیا کہ مروجہ صلوٰۃ وسلام ۷۸۱ھ میں شروع کی گئی، لیکن اس کے الفاظ صرف اتنے تھے "السلام عليك يارسول الله" جس کو ایک حیثیت سے بدعتِ حسنہ کا درجہ بھی دیا گیا، لیکن پاک وہند کے بریلویوں نے اس میں مزید اضافے بھی کیے ہیں، مثلاً "السلام عليك يا نور من نور الله"، "اغثني يارسول الله۔ ادركني يا حبيب الله" وغیرہ، کیا علامہ صاحب ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ مزید اضافے کہاں لکھے ہیں؟ کیا کسی فقیہ نے ان کو بھی بدعتِ حسنہ کا درجہ دیا ہے؟ اگر دیا ہے تو ثابت کریں! اگر اس اضافہ کا کہیں بھی ثبوت نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے، تو کیا آپ لوگوں کو اذان ونماز وغیرہ عبادات میں اضافہ کرنے کا حق حاصل ہو گیا ہے؟ اگر آپ لوگوں کو عبادات میں ترمیم واضافہ کا حق حاصل ہے تو اذان کے آخری کلمہ "لا اله الا الله" کے بعد متصل "محمد رسول الله" کا اضافہ بھی کر لیں، کیونکہ "محمد رسول الله" پیارا کلمہ ہے، اللہ تعالیٰ کے محبوب کا نام ہے، ہر مسلمان کے عقیدہ اور ایمان کا حصہ ہے، اگر کوئی شخص پوری زندگی "لا اله الا الله" پڑھتا رہے اور وہ مسلمان نہیں کہلائے

گا، جت تک "محمد رسول الله" کو اس کے ساتھ نہ پڑھے، لہٰذا تم پر تمہاری منطق کے مطابق اذان کے آخری جملہ کے ساتھ "محمد رسول الله" کا اضافہ لازم ہے، اب سے اس پر عمل کرو اور کراؤ اور اگر تم لوگوں کو عبادات میں ترمیم و اضافہ کا حق حاصل نہیں، تو اذان کے اول و آخر میں سلام خوانی کا اضافہ کیوں کیا؟ ہاں علامہ صاحب! اذان میں "لا الٰہ الا الله" کے بعد "محمد رسول الله" شامل کر دیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ کیا کہیں اس سے منع کیا گیا ہے؟ آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی ہے، کیوں اس کو اس مقام میں شامل نہیں کیا جاتا؟ آخر وجہ کیا ہے؟

اہلِ سنت یا اہل بدعت؟ علامہ صاحب اگر اہل سنت ہیں تو ان کو چاہیے کہ اذان سنت کے مطابق دیں، کیونکہ یہ سلام خوانی ہرگز ہرگز سنت سے ثابت نہیں، بلکہ اس کو مستحسن کہنے والے بھی اس کو بدعت کہتے ہیں، البتہ "حسنہ" کا لفظ ملا کر دل کو تسلی دینے کی کوشش کرتے ہیں، پس اگر علامہ صاحب اس بدعت حسنہ پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کرتے ہیں تو اگر بدعتِ حسنہ پر عمل کرنے کی وجہ سے ان کو "اہل بدعتِ حسنہ" کہا جائے تو کیا علامہ صاحب اس کو گوارا کر لیں گے؟ دوسرے لفظوں میں علامہ صاحب کو سنی کے بجائے "حسین و جمیل اور خوبصورت بدعتی" کا لقب دے دیا جائے تو ناراض تو نہیں ہوں گے؟

علامہ صاحب کی مذہبی برادری کا ایک حدیث سے استدلال اور اس کا ابطال: علامہ صاحب کی مذہبی برادری اپنے مروجہ صلوٰۃ وسلام کو ثابت کرنے کے لیے مسلم اور ابوداؤد کی ایک روایت سے استدلال کرتی ہے، اور وہ روایت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول، ثم صلّوا علیّ فانہ من صلیٰ علیّ صلوٰۃ صلّی الله علیہ عشرًا، ثم سلوا الی الوسیلۃ"

ترجمہ: "جب مؤذن کی اذان سنو، تو جس طرح مؤذن کہہ رہا ہے، تم بھی اسی طرح کہو، پھر مجھ پر درود پڑھو، یقیناً جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، پھر میرے لیے وسیلہ کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرو۔"

الجواب: اس حدیث کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ تم جب اذان کی آواز مؤذن سے سنو تو اس کے ساتھ تم بھی انہی کلمات کو پڑھو جو مؤذن کہہ رہا ہے، اور جب اذان ختم ہو جائے مجھ پر درود پڑھو اور وسیلہ کی دعا بھی کرو، لیکن جس طرح وسیلہ کی دعا آہستہ پڑھی جاتی ہے، اسی طرح درود بھی آہستہ پڑھنا چاہیے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر پورے سات سو سال تک اسی طرح اس حکم پر عمل ہوتا رہا کہ ہر مسلمان جب اذان سنتا تھا تو مؤذن کے ساتھ اذان کے کلمات کو دہراتا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھی پڑھتا تھا، اور وسیلہ کی دعا بھی کرتا تھا، لیکن مروجہ سلام خوانی کسی نے بھی اس سے نہیں سمجھی، حتیٰ کہ جب ۷۸۱ھ میں اس کو ایجاد کیا گیا تو اس وقت بھی اس کو بدعت کا لقب دیا گیا، البتہ "حسنہ" کہہ کر چشم پوشی کر لی گئی، اگر مروجہ سلام خوانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ثابت ہوتی تو اس کو "بدعتِ حسنہ" کیوں کہا گیا؟ کیونکہ پھر یہ تو سنت ہوتی نہ کہ بدعت، اگر حدیث سے مروجہ صلوٰۃ وسلام ثابت ہے تو امام احمد رضا خان صاحب نے "احکام شریعت" میں کیوں فرمایا کہ: "اذان کے بعد سلام پڑھنا ۷۸۱ھ میں ایجاد ہوا" کیا امام احمد رضا خان صاحب اس حدیث کا مفہوم نہیں سمجھتے تھے؟ اگر اس حدیث سے سلام خوانی ثابت ہوتی تو حکیم امجد علی صاحب برکاتی کیوں فرماتے کہ: "سلام خوانی کو متاخرین (بعد کے لوگوں) نے مستحسن سمجھا۔" کیا حکیم امجد علی صاحب اس حدیث کو نہیں سمجھتے تھے، پس ثابت ہوا کہ حدیث کے ٹکڑے "ثم صلّوا علیّ" سے مروجہ صلوٰۃ وسلام کو ثابت کرنا نری سینہ زوری ہے، کیونکہ حدیث پاک کا مفہوم وہی معتبر ہے جو کہ چودہ سو سال سے سمجھا جاتا رہا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اذان کا جواب بھی آہستہ آہستہ دینا ہے، اور اذان کے بعد درود بھی آہستہ پڑھنا ہے، اور وسیلہ کی دعا بھی آہستہ پڑھنی ہے۔

علامہ صاحب کو چاہیے کہ پوری حدیث پر عمل کریں: گزشتہ سطور میں ہم نے عرض کر دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم مبارک سے اذان کے ساتھ بلند آواز سے پڑھی جانے والی مروّجہ سلام خوانی ثابت نہیں ہوتی، حتیٰ کہ امام احمد رضا خان صاحب اور حکیم امجد علی صاحب نے بھی اس حدیث سے استدلال نہیں کیا، لیکن اگر علامہ صاحب بضد ہیں کہ اگرچہ پورے چودہ سوسالوں میں کسی عالم، فقیہ یا مجتہد نے اس حدیث سے مروجہ صلوٰۃ وسلام ثابت نہیں کیا، لیکن میں ثابت کرتا ہوں اور پورے چودہ سو سال میں یہ راز کسی پر نہیں کھلا، لیکن مجھ پر کھل گیا، تو ہم دومنٹ کے لیے علامہ صاحب کے دعویٰ کو مان لیتے ہیں، بشرطیکہ علامہ صاحب پوری حدیث پر عمل کریں اور کرائیں، حدیث پاک ''اذا سمعتم المؤذّن فقولوا مثل مایقول'' سے شروع ہوتی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں اذان سننے والوں کو ہدایات دے رہے ہیں کہ جب تم اذان سنو تو موذّن کی طرح تم بھی وہ الفاظ دُہراؤ، جب اذان ختم ہو تو مجھ پر درود پڑھو اور پھر وسیلہ کی دُعا کرو، پس ثابت ہوا کہ درود پڑھنے کا حکم سننے والوں کو ہے اور اس پر سننے والوں نے عمل کرنا ہے، لہٰذا علامہ صاحب اور ان کی تمام مذہبی برادری کو چاہیے کہ اپنے من مانے مطلب کے مطابق حدیث پر یوں عمل کریں کہ اذان ختم ہوتے ہی سب بریلوی بلند آواز سے سلام خوانی کیا کریں تاکہ پوری حدیث پر عمل ہو جائے، اذان ختم ہوتے ہی دُکاندار دُکانوں میں، کسان کھیتوں میں، علماء، طلباء مدرسوں میں، ماسٹر اور بچے اسکولوں میں، راہ گیر راستوں میں اور عورتیں گھروں میں باآوازِ بلند پکارنا شروع کر دیا کریں: ''الصلوٰۃ و السلام علیك یارسول اللہ الصلوٰۃ و السلام علیك یا حبیب اللہ'' اور روزانہ پانچ وقت اُونچی اُونچی آواز سے ''ثم صلّوا علیّ'' پر عمل کریں۔

علامہ صاحب کی برادری ''صلّوا علیّ'' کو دیکھ کر خوش ہو گئے کہ ماشاء اللہ! اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام کا ثبوت مل گیا، لیکن خوشی میں آ کر یہ بھول گئے کہ دُرود کا حکم کن کو ہے؟ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کے مخاطب کون ہیں؟ بھائی یہ درود شریف کا حکم تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اذان سننے والوں کو دے رہے ہیں، ''صلّو علیّ'' کا امر موذّن کے بجائے سننے والوں کو ہے، کتنی بے انصافی کی بات ہے کہ جن کو حکم ہے وہ تو مروجہ صلوٰۃ وسلام نہیں پڑھتے اور جس کو حکم نہیں دیا گیا اس بے چارے سے باآوازِ بلند سلام خوانی کرائی جاتی ہے، میں حسن ظن رکھتا ہوں کہ علامہ صاحب اور ان کی برادری اذان کے بعد درود پڑھتے ہوں گے، لیکن موذّن کی طرح اُونچی آواز سے نہیں پڑھتے اور یقیناً نہیں پڑھتے، حالانکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم ایسے کہو جیسے موذّن کہتا ہے، تو اب بندہ عرض کرتا ہے کہ اے بریلویو! جس طرح تمہارا موذّن باآوازِ بلند سلام خوانی کرتا ہے تو تم بھی اسی کی طرح بلند آواز سے سلام خوانی کیا کرو، اور اگر تم بلند آواز سے درود نہیں پڑھ سکتے اور یقیناً نہیں کر سکتے تو برائے مہربانی اپنے موذّن کو بھی آہستہ درود کا حکم دیں، تاکہ مساوات اور برابری ہو جائے، اور ''مثل مایقول'' پر عمل بھی پورا پورا ہو جائے۔ مجھے امید ہے کہ علامہ صاحب اور ان کی مذہبی برادری میری گزارشات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔ اس مسئلہ پر چند گزارشات آگے بھی آئیں گی ان شاء اللہ۔

نوٹ: دُعا بعد الجنازہ ثابت کرنے کے لیے یہ حضرات جن بے اصولیوں کا ارتکاب کرتے ہیں جن کی تفصیل ہم نے سورۃ طٰہٰ میں کر دی ہے اسی طرح بعینہٖ اذان کے ساتھ سلام خوانی ثابت کرنے کے لیے بھی انہی بے قاعدگیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم پر قائم رکھے اور بدعات سے بچائے۔

اذان اور اقامت کے تفصیلی احکام

اذان اور اقامت کا حکم: پانچوں وقت کے فرضِ عین نمازوں اور جمعہ کو جماعت سے ادا کرنے کے لیے اذان دینا مردوں پر

سنتِ مؤکدہ ہے اور ترک پر گناہ ہے۔ یہ ہر شہر و بستی کے لیے سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے یعنی ہر شہر اور بستی میں ایک شخص کی اذان کفایت کرتی ہے اور اگر کسی ایک نے اذان نہ کہی تو وہاں کے سب لوگ گناہ گار ہوں گے۔ اور اگر شہر وسیع ہو اور بڑے بڑے محلے ہوں کہ ایک محلے کی اذان دوسرے محلے میں نہ پہنچتی ہو تو محلے والے اگر ترک کریں تو وہ بھی سب گناہ گار ہوں گے۔

اگر اہلِ شہر اذان کے ترک پر اتفاق کرلیں امام محمدؒ کے نزدیک ان سے جنگ حلال ہے۔ کیونکہ اذان اسلام کے شعائر (بڑی علامتوں) میں سے ہے اور اس کے ترک میں دین کی قدر و قیمت کو گھٹانا ہے۔

اقامت بھی پانچوں فرضِ عین نمازوں اور جمعہ کے لیے سنت ہونے میں اذان کی مانند ہے۔ البتہ اذان کا سنت ہونا اقامت کی نسبت زیادہ مؤکد ہے۔ ان کے علاوہ جو نمازیں ہیں خواہ وہ فرضِ کفایہ ہوں یا واجب یا سنت و نوافل جیسے نمازِ جنازہ، وتر، عیدین، کسوف، خسوف، استسقاء، تراویح اور دیگر نوافل ان سب کے لیے اذان اور اقامت نہیں ہے۔

مسجد کے اندر اذان اور اقامت کے بغیر فرض نماز کو جماعت سے پڑھنا سخت مکروہ ہے۔

اذان کے مستحبات: درج ذیل امور اذان کے لیے مستحب ہیں: (۱) مؤذن باوضو ہو۔ (۲) مؤذن سنت طریقے اور نماز کے اوقات کو جاننے والا ہو۔ (۳) مؤذن نیک و صالح آدمی ہو۔ (۴) مؤذن اذان کے وقت قبلہ رخ ہو۔ (۵) مؤذن اذان کے وقت اپنی انگلیوں کو کانوں میں داخل کرے۔ (۶) مؤذن جب "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" کہے تو اپنے چہرے کو دائیں جانب پھیرے۔ اور جب "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کہے تو اپنے چہرے کو بائیں جانب پھیر لے۔ (۷) مؤذن اذان اور اقامت کے درمیان اتنا وقفہ کرے کہ نماز با جماعت پر ہمیشگی کرنے والے حاضر ہو جائیں۔ بہر حال جب نماز کا وقت فوت ہونے کا خطرہ ہو تو نماز کو مؤخر نہ کیا جائے۔

(۸) مؤذن مغرب کی اذان اور نماز میں تین چھوٹی آیت یا تین قدم چلنے کی مقدار وقفہ کرے۔

(۹) مستحب ہے اس شخص کے لیے جو اذان سنے کہ اپنی مصروفیات ترک کر دے اور جو الفاظ مؤذن کہے اس کے جواب میں اسی طرح کہے لیکن "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" اور "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کے جواب میں "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ" اور صبح کی اذان میں "اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" کے جواب میں "صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ" کہے۔

یاد رہے کہ اشهد أن محمد رسول الله کے جواب میں یہی کلمات کہنے چاہیے۔ چونکہ آپ کا نام نامی سنا اور کہا گیا ہے۔ لہٰذا ساتھ درود شریف بھی پڑھ لے۔ اگر کئی مساجد سے اذان کی آواز آرہی ہو تو پہلی اذان کا جواب دے دوسری اذانوں کا جواب ضروری نہیں۔ (۱۰) مؤذن اور سامع کے لیے اذان کے بعد ان کلمات کے ساتھ دعا کرنا مستحب ہے۔

"اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِيْ وَعَدْتَّه"۔ اذان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف اور درج ذیل دعا پڑھنا بھی ثابت ہے: "رَضِيْتُ بِاللهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا"۔

اذان کے مکروہات: اذان کے مکروہات مندرجہ ذیل ہیں: (۱) گانے کی طرز پر اذان دینا مکروہ ہے۔ (۲) بے وضو کی اذان اور اقامت مکروہ ہے۔ (۳) جنبی کی اذان مکروہ ہے۔ (۴) ناسمجھ بچے کی اذان مکروہ ہے۔ (۵) پاگل کی اذان مکروہ ہے۔ (۶) نشے کی حالت میں اذان دینا مکروہ ہے۔ (۷) عورت کا اذان دینا مکروہ ہے۔ (۸) فاسق کا اذان دینا مکروہ ہے۔ (۹) بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے۔ (۱۰) اذان اور اقامت کے دوران مؤذن کے لیے کلام کرنا مکروہ ہے۔ اگر مؤذن نے اذان میں کلام کیا تو اذان کا اعادہ کرنا مستحب ہے۔ اور اگر مؤذن نے اقامت میں کلام کیا تو اقامت کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ (۱۱) شہر میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز کے لیے اذان اور

اقامت کہنا مکروہ ہے۔ اذان میں کراہت ہو تو اس کا اعادہ کرنا مستحب ہے۔ اگر اقامت میں کراہت ہو تو اس کا اعادہ نہ کیا جائے۔

فوت شدہ نماز کے لیے اذان اور اقامت کا حکم: جس شخص کی ایک سے زائد نمازیں فوت ہو جائیں اور وہ ایسی جگہ پر ہے جہاں پہلے اذان اور اقامت نہیں ہوئی تو پہلی فوت شدہ نماز کے لیے اذان اور اقامت دونوں کہے گا اور باقی میں اس کو اختیار ہے اذان اور اقامت دونوں کہے یا صرف اقامت پر اکتفا کرے۔ لیکن اگر شہر اور بستی میں جہاں باقاعدہ اذان اور جماعت کا اہتمام ہوتا ہے وہاں اگر کسی کی نماز قضاء ہو جائے تو اس کے لیے اذان مسنون نہیں ہے۔

اذان دینے کا مسنون طریقہ: اذان کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اذان دینے والا دونوں حدثوں سے پاک ہو اور اگر لاؤڈ اسپیکر نہ ہو تو کسی اونچے مقام پر خواہ مسجد سے علیحدہ ہو یا مسجد کی چھت پر قبلہ رو کھڑا ہو اور اپنے دونوں کانوں کے سوراخوں کو شہادت کی انگلی سے بند کر کے اپنی طاقت کے موافق بلند آواز سے ان کلمات کو کہے "اللہ اکبر" (چار بار) پھر "اشھدان لا إلٰه الا اللہ" (دومرتبہ) پھر "اشھدان محمدا رسول اللہ" پھر دومرتبہ "حیّ علی الصّلوٰۃ" (دومرتبہ) پھر "حیّ علی الفلاح" (دومرتبہ) پھر اللہ اکبر" (دومرتبہ) پھر "لا إلٰه الا اللہ" (ایک مرتبہ) اور حیّ علی الصّلوٰۃ" کہتے وقت اپنے چہرے کو داہنی طرف اور حیّ علی الفلاح کہتے وقت اپنے چہرے کو بائیں طرف پھیر لیا کرے۔ اس طرح کہ سینہ اور قدم قبلے سے نہ پھرنے پائیں اور فجر کی اذان میں حیّ علی الفلاح کے بعد "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" (دومرتبہ) کہے۔ اس طرح فجر کی اذان میں کل سترہ کلمات اور باقی اذانوں میں کلمات کل پندرہ ہیں۔

● اذان اور اقامت میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ ہر کلمہ کے آخر کو ساکن پڑھا جائے۔ اس پر اعراب پڑھنا خلاف سنت ہے۔ بلکہ یوں پڑھے اللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اکبرْ پڑھنا غلط ہے۔ یعنی اذان میں تو ہر کلمہ کے بعد وقف کرنا چاہیے۔ اور اقامت میں دو کلمات کے بعد وقف کرے۔ یہ یاد رہے کہ اذان اور اقامت میں دو تکبیروں کو ایک کلمہ شمار کیا جاتا ہے۔

﴿۵۹﴾ **اہل حق کی عیب جوئی کی وجہ:** اے اہل کتاب تم ہم میں عیب کی کوئی وجہ نہیں پاتے سوائے اس کے کہ ہم خدا پرست قرآن کو مانتے ہیں اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والے ہیں اور تم اس نعمت سے محروم ہو۔

﴿۶۰﴾ **فریضہ پیغمبر ﷺ سے تنبیہ یہود:** اے یہود تم اپنے گریبان میں تو منہ ڈال کر دیکھو؟

ہم جب بھی عبادت کرتے ہیں کبھی رکوع میں کبھی سجدہ میں اس میں دیکھیے اگر کوئی شخص کھڑا ہے تو انسان ہے رکوع میں جھکا کبڑا ہوا تو پھر بھی انسان ہے سجدہ میں گیا تو تب بھی انسان ہے "حی علی الصلوٰۃ" کہا اذان میں تو تب بھی انسان ہے اور ہم تمہیں بتائیں کہ تم پر اللہ کی لعنت اور غضب نازل ہوا تمہارے بڑوں کو اللہ نے بندر اور خنزیر بنایا، اب تم بتاؤ اذان کے لئے منہ کھولنا زیادہ برا ہے یا شکلوں کا مسخ ہو جانا زیادہ برا ہے۔ ذرا شرم و حیا کی عینک لگا کر دیکھو۔ اور تم نے شیطان کی بندگی کی، بدترین تو تم ہو اور مذاق ہمارا اڑاتے ہو، یہ واقعہ مسخ شکلوں کا یاد رکھیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں پیش آیا۔

﴿۶۱﴾ **یہود میں سے بعض منافقین کا باطل دعویٰ:** ظاہری طور پر تمہارے پاس حاضر ہو کر کہتے ہیں کہ ہمیں تو کوئی اختلاف نہیں ہم تو ایماندار ہیں حالانکہ دل میں بے ایمانی اور نفاق رکھتے ہیں۔

﴿۶۲﴾ **بعضے یہود کی اخلاقی پستی:** ان کے اکثر افراد اثم، عدوان اور حرام خوری میں مبتلا ہیں۔

﴿۶۳﴾ **تنبیہ مشائخ و علماء:** دنیا دار تو ان کے خراب ہی تھے لیکن ان کے درویش (صوفی) اور عالم بھی ان کو برائیوں سے نہیں روکتے تھے، وہ بھی بہت ہی برا کر رہے ہیں۔ ﴿۶۴﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ ... الخ یہود کا اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور جواب

گستاخی۔ یہود کا ایک اور شوشہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ "یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا" تو یہود نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھ گئے یعنی معاذ اللہ محمد ﷺ کا خدا بخل کرنے لگا۔ (قرطبی: ص: ۲۲۴: ج ۔۱۶)

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کو ہر طرح کی عیش وعشرت عطا کر رکھی تھی جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کی نافرمانی کی اور آپ ﷺ کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے انکی روزی تنگ کر دی اس وقت فخاص بن عازوراء نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی: ص: ۲۲۴: ج: ۶: روح المعانی: ص: ۷۵ ج: ۶: معالم التنزیل: ص: ۱۱ ج: ۲: ابو سعود: ص: ۶۴: ج ۔۲)

جواب گستاخی۔ اللہ نے فرمایا "غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ ... الخ انہیں کے ہاتھ بند ہیں اور انہیں یہ کہنے پر لعنت ہے۔ "بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ" بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ اس میں متقدمین اور متاخرین کا خاصہ اختلاف ہے متقدمین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام صفات پر ایمان لانا ضروری ہے "يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ" حقیقت پر محمول ہے مگر اسکی کیفیت معلوم نہیں، اور حضرات متاخرین فرماتے ہیں کہ ان جیسی صفات کو حقیقت پر محمول نہیں کریں گے۔ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ان کے کفر اور سرکشی میں زیادتی کرتی ہے حالانکہ یہ کتاب تو ہدایت ہے تو اس کا سب سے مختصر اور آسان جواب شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ بارش اگر اچھی جگہ پر برستی ہے تو اچھی اچھی چیزیں پیدا ہوتی ہیں، اور اگر خراب جگہ پر برستی ہے۔ تو خراب اور بے کار چیزیں پیدا ہوتی ہیں ایسے ہی قرآن کریم جب اچھے دلوں پر اترے تو "فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا" اور جب برے دلوں پر اترے تو زیادہ کرتا ہے ان کے طغیان اور کفر کو۔

وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ: اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک عداوت اور دشمنی ڈال دی ہے۔ چنانچہ ان میں مختلف فرقے پائے جاتے ہیں اور ہر فرقہ دوسرے کا دشمن ہے، چنانچہ باہمی عداوت اور بغض کی وجہ سے جب کبھی مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کا ارادہ کرتے ہیں تو حق تعالیٰ ان کی لڑائی کی آگ کو بجھا دیتے ہیں۔ اول تو اس لئے کہ یہود کے آپس کے اختلاف کی وجہ سے ان میں اتفاق کی نوبت نہیں آتی یا مرعوب ہو جاتے ہیں، اور اگر لڑائی کا کچھ سامان بھی کر لیں تو جلد مغلوب ہو جاتے ہیں، جب دونوں طریقوں سے ناکام ہو جائیں تو پھر خفیہ طریقہ سے نو مسلموں کو بہکانا عوام کو توراۃ کے تحریف شدہ مضامین سنا کر اسلام سے روکنا، اس لئے مبغوض ہیں، اور اس فساد کی سزا دنیا اور آخرت میں خوب ہوگی۔

﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ... الخ اہل کتاب کے لئے اصول کامیابی ❶ ربط آیات: اوپر اہل کتاب کی شرارتوں کا ذکر تھا اب آگے انکو اصول کامیابی یعنی ایمان کی طرف دعوت اور ترغیب دی جا رہی ہے کہ اب بھی توبہ کر کے نبی پاک ﷺ پر ایمان لے آئیں اور تقویٰ اختیار کریں تو توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔

﴿۶۶﴾ ❷ اگر یہ توراۃ اور انجیل اور جو کتاب قرآن کریم انکے پاس آنحضرت ﷺ کے واسطے سے بھیجی گئی ہے اور اس میں جن باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس پر پورا عمل کرتے تو آنحضرت ﷺ پر ایمان کی برکت سے اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کے خزانوں کے دھانے انکی خدمت کے لئے وقف کر دیتا مگر بعض لوگ کفر پر مصر رہے اس لئے تنگی میں مبتلا ہو گئے۔ اور ان میں سے ایک میانہ رو جماعت موجود ہے جیسے عبد اللہ بن سلام اور اسکے ساتھی، لیکن ایسے قلیل ہیں لیکن ان میں سے اکثر کے کردار برے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ

اے رسول اپہنچا دیں وہ چیز جو نازل کی گئی ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے اس کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ

اور اللہ تعالیٰ آپ کو بچائے گا لوگوں سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا کفر کرنے والی قوم کو ﴿٦٧﴾ اے پیغمبر! کہہ دیجئے اے اہل کتاب! نہیں ہو تم

عَلٰي شَيْءٍ حَتّٰي تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ

کسی چیز پر حتی کہ تم قائم کرو تورات اور انجیل کو اور اس چیز کو جو نازل کی گئی ہے تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اور البتہ زیادہ کرے گی

كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾

ان میں سے اکثریت کے لئے جو چیز اتاری گئی ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے۔ سرکشی اور کفر پس نہ افسوس کریں آپ ان لوگوں پر جو کفر کرنے والے ہیں ﴿٦٨﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور صابی فرقے والے اور نصرانی جو شخص ان میں سے ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے دن پر

الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ

اور اس نے اچھا عمل کیا پس نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿٦٩﴾ البتہ تحقیق ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ہم نے ان کی طرف

اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا

بہت سے رسول بھیجے جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آیا ایسی چیز کو لے کر جس کو ان کے نفس نہیں چاہتے تھے تو انہوں نے ایک گروہ کو

كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ

جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر ڈالا ﴿٧٠﴾ اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ کوئی فتنہ نہیں ہوگا پھر وہ اندھے اور بہرے ہوئے پھر توبہ قبول کی اللہ نے ان کی۔

عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧١﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ

پھر اندھے اور بہرے ہوئے بہت سے ان میں سے اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ﴿٧١﴾ البتہ تحقیق کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ

قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ

بیشک اللہ تعالیٰ وہ مسیح ابن مریم ہی ہے حالانکہ مسیح (علیہ السلام) نے کہا اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے

رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ

بیشک جس شخص نے شرک کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تحقیق حرام کر دی اللہ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ

اور نہیں ہے ظلم کرنے والوں کا کوئی مددگار ﴿٧٢﴾ البتہ تحقیق کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ بیشک تیسرا ہے تینوں میں۔ حالانکہ نہیں ہے کوئی الٰہ

إِلَّا إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾

مگر ایک ہی اللہ اور اگر یہ باز نہ آئیں گے اس چیز سے جو کہتے ہیں تو البتہ ضرور چھوئے گا ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ان میں سے عذاب الیم ﴿٧٣﴾

أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧٤﴾ مَّا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا

یہ توبہ کیوں نہیں کرتے اللہ کے سامنے اور کیوں نہیں اس سے بخشش طلب کرتے حالانکہ اللہ بہت بخشش کرنے والا اور از حد مہربان ہے ﴿٧٤﴾ نہیں ہیں مسیح ابن مریم

رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انظُرْ كَيْفَ

مگر اللہ کے رسول تحقیق گزر چکے ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول اور ان کی ماں صدیقہ (بہت راست باز خاتون ہے) یہ دونوں کھانا کھاتے تھے، دیکھو ہم ان کیلئے

نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٧٥﴾ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا

کس طرح دلائل بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھو یہ لوگ کدھر الٹے چلے جا رہے ہیں ﴿٧٥﴾ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کیا تم عبادت کرتے ہو، اللہ کے سوا

يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٧٦﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ

ان چیزوں کی جو نہیں مالک تمہارے نقصان کے اور نہ نفع کے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی ہے سننے والا اور جاننے والا ﴿٧٦﴾ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب نہ تجاوز کرو اپنے دین میں

غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِن قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا

ناحق اور نہ پیروی کرو ان لوگوں کی خواہشات کی جو اس سے پہلے گمراہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے

عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٧٧﴾

اور سیدھے راستے سے بہک گئے ہیں ﴿٧٧﴾

ع ۱۰ / ۱۱ / ۱۴

﴿٦٧﴾ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ... الخ **ربط آیات:** گزشتہ آیات میں اہل کتاب کی شرارتوں اور کفر و نافرمانیوں کا ذکر کر کے تورات و انجیل اور قرآن کریم یعنی تمام کتب آسمانی کی پابندی کی ترغیب دی گئی تھی۔ اب اس آیت میں آپ کو حکم ہے کہ دعوت و تبلیغ کے فریضہ کو نبھانے کے لئے آپ بغیر کسی خوف و خطر کے پیغام خداوندی کو آگے پہنچاتے رہیں۔

خلاصہ رکوع ۱۰ فریضہ تبلیغ، تنبیہ اہل کتاب، تمام اولاد آدم کے لئے اصول کامیابی و بشارت، یہود کی امراض ثلاثہ۔ ❶ نقض عہد۔ ❷ تکذیب رسل۔ ❸ قتل انبیاء، بنی اسرائیل کی بے حیائی، نصاریٰ کے فرقہ یعقوبیہ کا رد، عقیدہ تثلیث کی تردید، ترغیب توبہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے الوہیت کی نفی اور انکی بشری حاجات، فرائض خاتم الانبیاء و تنبیہ مشرکین، غلو فی الدین کی ممانعت۔ ماخذ آیات ٦٧: تا ٧٧ +

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ : یہاں سے آپ کے فرائض منصبی کا ذکر ہے فرمایا اے رسول ﷺ جو چیز آپ پر نازل ہوتی ہے اسے دوسرے لوگوں تک پہنچا دیں یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ فریضہ تبلیغ میں چند وجوہ سے کوتاہی ہوتی ہے۔ ❶ فرض کی اہمیت کا احساس نہ ہونا۔ ❷ لوگوں کی عام مخالفت سے نقصان سے سخت خطرہ کا ہونا۔ ❸ لوگوں کی عام سرکشی سے نتائج کا کما حقہ برآمد نہ ہونا۔ ان تینوں کے جواب میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ " يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الخ میں فریضہ تبلیغ کی

اہمیت دلائی۔ "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ: حفاظت کا وعدہ خداوندی: میں لوگوں سے خطرہ کے تدارک کا ذکر فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ" میں نتائج سے مایوسی کے تدارک کا ذکر فرمایا ہے۔ اس آیت کے نزول کے بارے میں علامہ سیوطیؒ الاتقان: ص: ۱۹: ج۔۱) میں لکھتے ہیں کہ غزوہ بنی انمار کے موقعہ پر نازل ہوئی اور وہ ۵ھ میں واقع ہوا ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے آپ ﷺ کو کفار سے جسمانی اذیتیں پہنچیں ہیں، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کوئی شخص آپ کو تکلیف نہیں پہنچا سکا۔

خاتم الانبیاء ﷺ کے وجود اقدس کی حفاظت کا وعدہ

جامع ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب رات کو آپ ﷺ کی حفاظت کے لئے پہرا دیا کرتے تھے، جب آیت "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے خیمہ سے اپنا سر مبارک نکال کر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اب تم میرے پاس سے چلے جاؤ اللہ میرا نگہبان ہے اس نے خود میری حفاظت کی ذمہ داری لے لی ہے۔

باقی جہاد و جنگ میں عارضی طور پر کوئی تکلیف پہنچ جائے تو وہ اس کے خلاف نہیں ہے چونکہ یہ چیزیں ہر انسان کا لازمی حصہ ہیں اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان کی لغزشیں معاف کرتا ہے اور انہیں اعلیٰ درجہ پر فائز کرتا ہے۔ نیز یہاں "یعصم" مضارع کا صیغہ ہے جو زمانہ حال و استقبال دونوں پر واضح دلالت کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ آیت کے نزول کے بعد سے لیکر قیامت تک اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے جسد مبارک کا محافظ ہے۔ لاشک فیہ۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ (سنن نسائی ص ۲۰۳۔ ۲۰۴) واللفظ لہ مستدرک حاکم (ص: ۵۶۰: ج۔۴) ہٰذا حدیث صحیح علی شرط الصحیحین بے شک اللہ جل شانہ نے زمین پر اس کو حرام قرار دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔ اور میرا اور میرے تمام اکابر کا بھی یہ عقیدہ ہے جیسے علامہ سیوطیؒ نے (الحاوی للفتاوی ص: ۱۴۷: ج۔۲) میں تحریر فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی اپنی قبروں میں حیات ہونا ہمارے نزدیک علم قطعی سے ثابت ہے، اس لئے کہ اس سلسلہ میں ہمارے نزدیک دلائل و اخبار درجہ تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں۔

اس پر صرف دو تاریخی نظائر ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اور دوسری حضرات شیخین کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں:

❶ چھٹی صدی ہجری میں عیسائیوں نے یہ اسکیم بنائی کہ مسلمانوں کے پاس ایک بڑی دولت قبر النبی ﷺ ہے لہٰذا جسد رسول اللہ ﷺ کو قبر سے نکال لیا جائے دو آدمی اس کام کیلئے تیار ہوئے انہوں نے روضہ اطہر کے قریب ایک مکان کرایہ پر لے لیا مسلمانوں کے بھیس میں رہ کر درود وسلام اور صلوٰۃ وقیام میں مشغول ہو گئے اکثر لوگ ان کے معتقد ہو گئے یہ دونوں حضور ﷺ کی قبر کی طرف سرنگ کھودنے میں لگ گئے مٹی جنت البقیع میں ڈال دیتے سرنگ قبر رسول ﷺ کے قریب پہنچ گئی۔ اس اثناء میں اس وقت کے مشہور مسلمان مجاہد سلطان نور الدین زنگی مرحوم نے آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ ﷺ نے ان دونوں آدمیوں کو خواب میں ان کے سامنے کر کے فرمایا "ان بدبختوں سے میری قبر کی حفاظت کرو" بادشاہ بیدار ہوا سخت پریشانی ہوئی وضو کیا اور نماز پڑھی پھر کچھ دیر بعد پھر سوئے تو دوبارہ بھی خواب آیا بیدار ہوتے نماز پڑھی پھر سوئے تو تیسری مرتبہ بھی کچھ خواب میں نظر آیا۔ بادشاہ نے علماء کو بلا کر یہ خواب بیان کیا انہوں نے جواب دیا کہ مدینہ منورہ میں ضرور کوئی حادثہ پیش آنے والا ہے۔ لہٰذا بادشاہ فوری طور پر اپنے وزیر جمال الدین الموصلی کے ساتھ تیز رفتار سواریوں پر مدینہ منورہ روانہ ہو گیا یہ سفر سولہ دن میں طے کیا جو اس زمانے کے لحاظ سے تیز ترین سفر تھا۔ مدینہ پہنچ کر بادشاہ نے غسل کیا اور ریاض الجنہ

میں نماز پڑھی اور آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں صلوۃ وسلام پیش کیا اور اپنے وزیر سے کہا انعامات تقسیم کرنے کیلئے لوگوں کو جمع کیا جائے بادشاہ نے تمام لوگوں کا بغور جائزہ لیا لیکن اس صورت کے آدمی نظر نہ آئے جو خواب میں دکھائے گئے تھے چنانچہ اس نے لوگوں سے پوچھا کہ کوئی آدمی ایسا بھی باقی ہے جو یہاں نہ آیا ہو لوگوں نے جواب دیا کہ صرف دو بزرگ ترین آدمی رہ گئے ہیں جو ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور دنیا سے بے تعلق ہیں بادشاہ نے انہیں بھی حاضر ہونے کا حکم دیا، چنانچہ ان دونوں کو بادشاہ کے روبرو پیش کیا گیا، بادشاہ پہچان گیا پوچھا تمہارا قیام کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم فلاں جھونپڑی میں رہتے ہیں بادشاہ ان کے ساتھ ہولیا ان کی رہائش گاہ کا معائنہ کیا تلاشی لی مگر کچھ نہ ملا آخر مصلیٰ اٹھایا تو اس کے نیچے ایک پتھر نظر آیا پتھر اٹھایا تو نیچے سے ایک سرنگ نظر آئی جو حضور ﷺ کے جسد اطہر کی طرف کھودی گئی تھی جس رات یہ نقب قبر شریف کے پاس پہنچنے والی تھی کثرت سے بادل آئے بارش ہونے لگی اور گرج چمک نے وہ زور باندھا کہ زلزلہ عظیم پیدا ہو گیا تھا اس رات کی صبح کو سلطان پہنچے۔ بادشاہ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم عیسائی ہیں یورپ کے عیسائیوں نے ہمیں دولت کی لالچ دے کر اس کام کیلئے تیار کیا سلطان نے ان کی باتیں سنیں تو آتش غضب بھڑک اٹھی ساتھ ہی رقت بھی طاری ہو گئی روتے رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی سعادت کیلئے منتخب فرمایا بالآخر حجرہ شریف کے نیچے ان کی گردن ماردی گئی اور پھر ان کی ناپاک لاشوں کو جلا کر خاک کر دیا گیا سلطان نے پھر قبر رسول ﷺ کے اردگرد خندق کھدوا کر اس میں سیسہ بھروا دیا تاکہ پھر کوئی بدبخت اس قسم کی جرأت نہ کر سکے۔ تفصیلاً دیکھیں علامہ سمہودیؒ کی وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ: الباب الرابع: ص: ١٨٥ :ج۔ ٢) خاتمہ فیما نقل من عمل نور الدين الشهيد الخ

❷ رافضیوں کے اسلامی شعائر کے ساتھ اور خصوصاً شیخین رضی اللہ عنہم کے ساتھ جو بغض وعناد ہے وہ سب میں معروف ہے آئیے اس کی جھلک دیکھتے ہیں: حلب کے رافضیوں کا ایک ٹولہ امیر مدینہ کے پاس بہت سا قیمتی سامان اور تحائف نادرہ لیکر آیا یہ سب امیر مدینہ کی خدمت میں دیکر یہ کہا کہ ہمیں حجرہ شریف سے حضرت ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کو نکالنے کی اجازت دیں امیر مدینہ اپنی مذہبی بے حسی اور حب دنیا کی وجہ سے اس پر راضی ہو گیا اور حرم شریف کے خادم کو حکم دیا کہ جب یہ جماعت آئے تو ان کیلئے حرم کا دروازہ کھول دینا اور اس میں یہ لوگ جو کرنا چاہیں مت روکنا، کرنے دینا۔ خادم کا بیان ہے کہ امیر مدینہ کی بات سن کر میں چلا آیا سارا دن حجرہ شریف کے پیچھے بیٹھے روتے ہوئے گزر گیا ایک منٹ کو آنسو نہ تھمتے تھے اور کسی کو خبر نہ تھی کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے؟ آخر عشاء کی نماز ہو چکی اور سب دروازے بند ہو گئے تو چالیس آدمی پھاوڑے، کدال، شمع، گرانے اور کھودنے کے اوزار لیکر باب السلام سے اندر آ گئے میں نے امیر کے حکم کے مطابق دروازہ کھول دیا خود ایک کونے میں جا بیٹھا، میں روتا تھا اور دل میں سوچتا تھا کہ کب قیامت قائم ہو گی؟ لیکن سبحان اللہ یہ لوگ منبر شریف کے قریب ہی پہنچے تھے کہ زمین پھٹی اور ان شقی وبدبختوں کو ان کے تمام سازوسامان کے ساتھ نگل گئی۔

امیر مدینہ ان کی واپسی کا منتظر تھا اور اس تاخیر کا سبب سوچ رہا تھا اس نے مجھے بلایا اور پوچھا کہ جماعت کا کیا حال ہے؟ میں نے جو کچھ دیکھا تھا صاف صاف بتا دیا اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا میں نے کہا آپ خود چل کر زمین کے دھنسانے کے اثرات دیکھ لیں اور کپڑے وغیرہ بھی کچھ باقی رہ گئے ہیں وہ بھی نشان کے طور پر پڑے ہیں یوں رافضیوں کی پوری جماعت اپنے ناپاک ومکروہ عزائم کے ساتھ زندہ دفن ہو گئی اور حرم مدنی ان کے شر سے محفوظ رہا۔

شیعہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر استدلال اور اس کی حقیقت

اہل تشیع کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کی تبلیغ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

انہوں نے اس آیت کا اضافہ کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ آخری حج سے واپسی کے موقع پر غدیر خم کے مقام پر پہنچے تو اس وقت آنحضرت ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کا اعلان فرما دیجئے چنانچہ آپ نے سب صحابہ کو جمع فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا بایں الفاظ اعلان فرمایا۔

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ یعنی جس کا میں دوست ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے دوست ہیں اور اصل آیت اس طرح تھی "يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ إِنَّ عَلِيًّا مَوْلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت غدیر خم سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ یہ شیعوں کی محض تحریف قرآن ہے۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ترمذی وغیرہ کی روایت جو اوپر گزر چکی ہے اس کے متعلق لکھا ہے، کہ حاکم نے مستدرک میں اس روایت کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت غدیر خم سے برسوں پہلے نازل ہوئی ہے۔ (ابن کثیر: ص:۱۳۱: ج:۳، معارف القرآن، م، ک، د)

حدیث "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ" کا پس منظر: جب آنحضرت ﷺ حجۃ الوداع سے واپس ہوئے تو راستے میں حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کچھ شکایت کی۔ تو آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان "غدیر خم" کے مقام پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا! کہ میں بشر ہوں ممکن ہے کہ عنقریب میرے پروردگار کی طرف سے کوئی قاصد مجھے بلانے کے لئے آجائے (مراد قرب زمانہ وفات) بعد ازاں اہل بیت کی محبت کی تاکید فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ" جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کا دوست ہے۔

خطبہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مبارک باد دی اور حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کا قلب بھی صاف ہو گیا۔ اس خطبہ سے حضور ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ کے محبوب اور مقرب بندہ ہیں ان سے اور میرے اہل بیت سے محبت رکھنا مقتضائے ایمان ہے اور ان سے بغض وعداوت نفرت وکدورت سراسر مقتضائے ایمان کے خلاف ہے۔ حدیث کا مقصد صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا وجوب بتلانا ہے امامت اور خلافت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

یہ بات اہل علم حضرات سے ڈھکی چھپی نہیں کہ محبت اور چیز ہے اور خلافت اور چیز ہے۔ محبت اور خلافت میں تلازم نہیں کہ جس سے محبت ہو وہ خلیفہ بلا فصل بھی ہو۔ محبت تو والدین، اولاد سب دوستوں سے ہوتی ہے تو کیا سب خلیفہ ہو جائیں گے؟۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت حسین اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما سب آپ کے نور بصر اور محبوب نظر تھے۔ اگر محبت دلیل خلافت ہے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ پہلے ہونے چاہئے پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور چوتھا نمبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا آئے گا۔ کیونکہ پہلے تینوں حضور کے زیادہ اقرب ہیں۔

نیز "غدیر خم" کے موقعہ پر جو خطبہ ارشاد فرمایا اس وقت اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے کسی نے بھی اس جملے کا مطلب یہ نہیں لیا کہ آپ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلا فصل ہوں گے؟ اس واقعہ کے دو ماہ بعد آنحضرت ﷺ کی وفات حسرت آیات ہوئی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے جو غدیر خم کے اس خطبہ کے وقت موجود تھے کسی نے اس حدیث سے خلافت علی رضی اللہ عنہ بلا فصل پر استدلال نہیں کیا، اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور نہ ہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور نہ بنی ہاشم میں سے کسی نے اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل پر پیش کیا۔ الحمد للہ اہل سنت بے عقل نہیں ہیں کہ محبت کو خلافت بلا فصل کی دلیل سمجھنے لگیں محبت تو اہل بیت کے ہر فرد سے لازم ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تمام قریبی رشتہ داروں کو خلیفہ بلا فصل بنالیں گے۔ واللہ اعلم (خیر الفتاوی ۸۷۔۹۷ ج۔۱)

﴿۶۸﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ الخ ربط آیات: تبلیغ کا پہلا رکن احقاق حق ہے اور دوسرا رکن ابطال باطل ہے، گذشتہ آیات

میں اجمالاً احقاق حق کا ذکر تھا اب اس کے بعد اس آیت میں اجمالاً ابطال باطل کا بیان ہے جس میں اہل کتاب کو خصوصی خطاب ہے۔ پھر اگلی آیات میں نصاریٰ کے عقیدہ فاسدہ کا تفصیلاً ابطال ہے اور مقصود اہل کتاب کو اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب ہے کہ باطل کو چھوڑ کر حق کی اتباع کریں۔

تنبیہ اہل کتاب: فرمایا اے اہل کتاب تم کسی راہ پر نہیں کیونکہ غیر مقبول راہ پر ہونا مثل بے راہ ہونے کے ہے اور ہم تمہیں یہ نہیں کہتے کہ اپنی اپنی کتب کی تصدیق کرو بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کتابوں کے ساتھ اسکی بھی تصدیق کرو اور ایمان لاؤ اکثر ان میں سے اس ترمیم کے ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

﴿۶۹﴾ تمام اولاد آدم کے لئے اصول کامیابی و بشارت: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم آئے اس پر ایمان لایا جائے اور اسکو عملی جامہ پہنایا جائے تو ایسے لوگوں کے لئے نجات ہے قیامت کے دن کوئی غم اور خوف نہ ہوگا۔

سؤال: اس آیت میں تحصیل حاصل ہے وہ اس طرح کہ پہلے ہے۔ "اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" پھر اس کے بعد ہے "مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ" تو اس کا جواب یہ ہے علامہ نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" سے مراد جو صرف زبان سے ایمان لے آئے یعنی منافقین اس پر دلیل یہ ہے کہ "لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ" (تفسیر مدارک: ص:۵۱۳: ج۔۱)

اور علامہ خازن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "مَنْ اٰمَنَ" سے مراد وہ ہیں جو اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے اور اپنے نفاق سے رجوع کرلیا۔ (لہٰذا کوئی تحصیل حاصل نہیں ہے) (تفسیر خازن: ص:۵۱۳: ج۔۱)

﴿۷۰﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ... الخ یہود کی امراض ثلاثہ ① نقض عہد: یعنی تورات میں بنی اسرائیل سے توحید الٰہی کا وعدہ لیا گیا تھا اور نیک اعمال کی پابندی کرنے کا اور جو رسول تمہارے پاس شریعت کے احکام لے کر آئیں ان پر ایمان لانے کا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے پاس رسول آنے شروع ہوئے تاکہ ان لوگوں کو تورات پر پابندی سے عمل کرائیں۔ اور غلط کاریوں سے منع کریں، تو جب ان کے پاس کوئی رسول آتا تو انہوں نے خواہشات کی وجہ سے نقض عہد کیا۔ ② تکذیب رسول: اور انکی تکذیب کی جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ۔ ③ قتل انبیاء: بعض رسولوں کو قتل کیا جیسے حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام اور ان کا فاسد نظریہ یہ تھا کہ ایک رسول دوسرے رسول کی شریعت کے خلاف حکم لاتا ہے لہٰذا اس وجہ سے اس کا قتل اور تکذیب درست ہے۔

﴿۷۱﴾ بنی اسرائیل کی بے حیائی: بے دھڑک ہو کر کہتے ہیں کہ ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔ یہ خیال انہوں نے اس لئے کیا کہ اللہ کی طرف سے گرفت میں تاخیر ہوگئی تھی یا وہ اپنے آپ کو اللہ کا محبوب سمجھتے تھے اس لئے اندھے اور بہروں کی طرح نہ دین حق کو تلاش کرتے اور نہ انبیاء کی بات سنتے پھر جب تنبیہ کے طور پر سزا ملتی تو توبہ کرلیتے اللہ تعالیٰ نظر کرم سے معاف کردیتا پھر یہ اندھے بہرے بن کر وہی شیوہ اختیار کرلیتے۔

نصاریٰ کے فرقہ یعقوبیہ کا رد

﴿۷۲﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ... الخ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی نفی: اس آیت میں عیسائیوں کے فرقہ یعقوبیہ اور ملکانیہ کا رد ہے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کرگیا ہے وہ بعینہٖ حضرت عیسیٰ ہیں حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام خود بنی اسرائیل سے کہہ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ اور جو شخص اللہ کی الوہیت

میں کسی غیر کو شریک بنائے گا، اس پر ہمیشہ کے لئے جنت حرام ہے اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ایسے مشرکوں کا قیامت کے دن کوئی دستگیر نہ ہوگا۔

﴿۴۳﴾ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ : عقیدہ تثلیث کی تردید: یہ قول مرقوسیہ اور نسطوریہ کا ہے (یعنی موجودہ نام رومن کیتھولک اور براٹسٹنٹ) کیونکہ یہ عیسائیوں کا گروہ کہتا ہے کہ تین خدا ہیں اور اللہ کی الوہیت تینوں میں مشترک ہے یعنی اللہ، عیسیٰ اور مریم میں اور بعض کے نزدیک حضرت جبرئیل علیہ السلام الغرض اللہ تعالیٰ تینوں میں سے ایک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ کا رد فرمایا ہے۔ "وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" (حصر الالوہیت) بعض عیسائی اس اشتراک کی اس طرح توجیہہ کرتے ہیں کہ تین اقانیم ہیں، باپ بیٹا اور روح القدس یعنی روح حیات اور یہ تینوں مل کر ایک معبود ہیں اور یہ تینوں علیحدہ علیحدہ بھی معبود ہیں جس طرح آفتاب، آفتاب کی ٹکیا اور شعاع اور حرارت سب کے مجموعہ کا نام آفتاب ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی تینوں اقانیم کے مجموعہ کا نام ہے۔ ① ذات۔ ② کلمہ ③ حیات ان تینوں کے مجموعہ کے نام "الٰہ" ہے کلمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس طرح مل گیا جس طرح دودھ پانی میں مل جاتا ہے، پس الٰہ اور "کَلِمَةُ اللّٰهِ" یعنی بیٹا الٰہ اور روح یعنی حیات "الٰہ" اور ان تینوں کا مجموعہ "الٰہ" ہے۔ (تفسیر خازن، ص: ۵۱۵، ج۔۱)

الغرض نصاریٰ کے عقائد باطلہ کا ذکر فرمایا اور درمیان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول بھی ذکر کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ عیسائیوں کے عقائد خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حلول سے بھی پاک ہے اور الوہیت میں اشتراک سے بھی پاک ہے۔

﴿۴۴﴾ ترغیب توبہ: اس آیت میں فرمایا کہ توبہ اور استغفار کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور ان عقائد باطلہ کفریہ پر جمے رہنا کوئی عقل مندی کی دلیل نہیں بلکہ عقلمندی کی نشانی یہ ہے کہ جب غلطی کا احساس ہو جائے تو فوراً رجوع کرے۔

﴿۴۵﴾ حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت کی نفی۔ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ : بشری حاجات: وہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے۔ ظاہر بات ہے جو کھانا کھاتا ہے وہ اس عالم میں بہت سی چیزوں کا محتاج ہوتا ہے۔ زمین کا محتاج ہوگا کہ اس میں فصل کرے پانی کا محتاج ہوگا کہ فصل کو لگائے، ہوا کا محتاج ہوگا تا کہ اس فصل کو لگے، سورج کی کرنوں کا محتاج ہوگا تا کہ اسکی فصل پکے اسی طرح چاند اور ستاروں کی روشنی کا محتاج ہوگا تا کہ پھلوں میں مٹھاس پیدا ہو۔ قضاء حاجت کی اسکو ضرورت ہوگی الغرض جو اتنی چیزوں کا محتاج ہو وہ کیسے الٰہ اور خدا بن سکتا ہے؟ خدا وہی ہے جو تمام ضرورتوں سے پاک ہے۔ يُؤْفَكُوْنَ : بمعنی "یصرفون" پھر کدھر شرکت کرتے پھرتے ہو۔ ﴿۴۶﴾ فریضہ خاتم الانبیاء و تنبیہ مشرکین : کیسے بے سمجھ ہو، ایسی ہستیوں کو خدا بناتے ہو جن کے قبضہ میں نہ تمہاری مضرت ہے اور نہ تمہارا نفع ہے۔ (خازن، ص: ۵۱۵، ج۔۱)

﴿۴۷﴾ غلو فی الدین کی ممانعت : یعنی اے اہل کتاب غلو فی الدین چھوڑ دو یہود نے تو عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی اور عیساؤں نے انہیں یہاں تک بلند کیا کہ خدا بنا دیا۔ لہٰذا اے اہل کتاب یہ گمراہی کا راستہ چھوڑ دو اور سیدھے ہو کر خدا پرست بن جاؤ۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا

لعنت کی گئی ہے ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل میں سے داؤد (علیہ السلام) اور عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کی زبان پر۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی کی

عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٩﴾

اور وہ حد سے گزر گئے ﴿٧٨﴾ وہ منع نہیں کرتے تھے ایک دوسرے کو برائی سے جو وہ کرتے تھے البتہ بری ہے وہ کارگزاری جو وہ کرتے تھے ﴿٧٩﴾

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ

تو دیکھے گا ان میں سے بہتوں کو کہ وہ دوستانہ کرتے ہیں ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے کفر کیا البتہ بری ہے وہ بات جو آگے بھیجا ہے ان کیلئے ان کے نفسوں نے وہ یہ ہے

عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ

کہ اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ ﴿٨٠﴾ اور اگر یہ ایمان لاتے اللہ پر اور اللہ کے نبی پر اور اس چیز پر جو اتاری گئی

مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً

ہے اس نبی پر تو نہ بناتے ان کافروں کو اپنا دوست لیکن بہت سے ان میں سے ایسے ہیں جو نافرمانی کرنے والے ہیں ﴿٨١﴾ البتہ پاؤ گے تم زیادہ شدید عداوت کے اعتبار سے

لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا

مومنین کے حق میں یہود کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا اور البتہ پاؤ گے تم زیادہ قریب دوستی میں ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے ان لوگوں کو

اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾

جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس واسطے کہ بیشک ان میں اہل علم اور تارک الدنیا لوگ ہیں اور بیشک وہ تکبر نہیں کرتے ﴿٨٢﴾

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا

اور جس وقت سنا انہوں نے اس چیز کو جو اتاری گئی ہے رسول کی طرف تو دیکھے گا ان کی آنکھوں کو کہ وہ اشکبار ہو رہی ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے

مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا

پہچانا ہے حق کو اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے ہیں پس لکھ دے ہمیں گواہی دینے والوں میں ﴿٨٣﴾ اور کیا ہے ہمیں کہ ہم نہ ایمان لائیں اللہ پر

جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٤﴾

اور جو چیز ہمارے پاس آئی ہے حق سے اور کیوں نہ امید رکھیں اس بات کی کہ داخل کرے گا ہمیں ہمارا پروردگار نیک لوگوں کے ساتھ ﴿٨٤﴾

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ

پس دیا اللہ تعالیٰ نے ان کو بدلہ اس کا جو انہوں نے کہا جنتوں کا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور یہی بدلہ ہے

جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٨٦﴾

نیکی کرنے والوں کا ﴿٨٥﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو یہی لوگ ہیں جہنم والے ﴿٨٦﴾

طریق تبلیغ میں نصاریٰ مقدم ہیں

﴿۷۸﴾ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ... الخ ربط آیات: اوپر اہل کتاب کا ذکر تھا اب آگے بھی انہی کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ⑪ یہود پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی لعنت، یہود کی ضد، یہود کی مشرکین سے دوستی، نتیجہ ضد یہود کا ساز باز، مسلمانوں کے دشمن یہود و مشرکین ہیں اور محبت میں قریب تر نصاریٰ ہیں، معترفین اسلام کی کیفیت، اور انکی آرزو اور نتیجہ، منکرین کا انجام۔ ماخذ آیات ۷۸ تا ۸۶ +

فائدہ: حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس وقت سلسلہ تبلیغ شروع کریں گے تو پہلے نصاریٰ کو تبلیغ کریں گے کیونکہ نصاریٰ کو فقط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا قائل کرنے کی ضرورت پڑے گی اور یہود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبوت منوانے کی بھی ضرورت پڑے گی لہٰذا یہود کے متعلق ہمارا کام دوگنا ہوجائے گا اگر نصاریٰ کو پہلے اپنے ساتھ ملالیں تو پھر یہود کو تابع بنانا آسان ہوگا۔ یہود پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی لعنت: بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر اور بداعمالی کو اپنا اڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ان پر لعنت کی گئی کیونکہ یہ آسمانی کتاب اور دین کی مخالفت کے عادی تھے اور حدود شرعیہ سے تجاوز کر گئے تھے۔ واللہ اعلم

﴿۷۹﴾ یہود کی ضد: بنی اسرائیل میں بہت برا مرض یہ تھا کہ ایک دفعہ غلطی کر بیٹھتے تو اس پر ضد کرتے اور باز نہ آتے۔ اور نہ ایک دوسرے کو منع کرتے۔

﴿۸۰﴾ یہود کی مشرکین سے دوستی: اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ آپ ان (یہود) میں سے اکثر کو دیکھیں گے کہ وہ اللہ کے دشمنوں (مشرکین) سے دوستی رکھتے ہیں حالانکہ یہ بدیہی بات ہے کہ دشمن کا دوست دشمن ہوتا ہے۔ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ ... الخ نتیجہ ضد: اس وجہ سے اللہ پاک ان سے ناخوش ہیں، اور ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا، اور ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

﴿۸۱﴾ یہود کا ساز باز: اگر یہ لوگ خدا پرست ہوتے تو کفار سے دوستی کیسے رکھتے؟ اس آیت میں اگر نبی سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو کتاب سے مراد قرآن کریم ہوگا۔ (روح المعانی: ص: ۵۱۹: ج۔ ۶)

اور اگر نبی سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں تو کتاب سے مراد توراۃ ہے مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم پر عمل کرتے تب بھی ان کا یہ فرض ہوتا کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتے اور مشرکین کے مقابلہ میں ان کے معاون ہوتے نہ کہ آخری پیغمبر کے مقابلہ میں مشرکین سے ساز باز کرتے۔

﴿۸۲﴾ مسلمانوں کے دشمن یہود و مشرکین ہیں اور محبت میں قریب تر نصاریٰ ہیں: ابتداء اسلام میں اہل ایمان کو تین طبقات سے واسطہ پڑا۔ ① پہلا طبقہ مشرکین: کا تھا جو صدیوں سے انبیاء علیہم السلام کی مبارک تعلیمات سے محروم تھے، محض حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے سب کو اپنے سے گھٹیا سمجھتے تھے۔ شرک پرستی اور شرک کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔ ② دوسرا طبقہ یہود: کا تھا یہ بظاہر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے قائل تھے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر تھے۔ ③ تیسرا طبقہ نصاریٰ: کا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے تھے اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انکی والدہ کو حق تعالیٰ شانہ کی الوہیت میں شریک ٹھہراتے تھے۔ اسلام سے یہود کو تو ایسی ہی عداوت ہے جیسے مشرکین کو، البتہ نصاریٰ بنسبت

یہود کے کم دشمن تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں ایسے علماء اور صوفی موجود تھے جو حق بات کو ماننے میں تامل نہیں کرتے تھے۔ جلد متاثر ہو جاتے، عوام تو عوام خواص بھی اس میں داخل ہیں جیسے نجاشی، مقوقس اور ہرقل کے واقعات اسلام دوستی کے مشہور و معروف ہیں۔ دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ اس آیت کا تعلق ہر زمانے کے نصاریٰ سے نہیں بلکہ ان نصاریٰ سے ہے جن میں حق قبول کرنے کی صلاحیت موجود تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے صحیح معنیٰ میں پیروکار تھے اور تثلیث کا عقیدہ بھی نہیں تھا، اور آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

حافظ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیتیں ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جن میں مذکورہ اوصاف موجود ہوں خواہ وہ حبشہ کے ہوں یا کسی اور ملک کے ہوں۔ ابوبکر جصاص رازی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بعض جاہلوں کا خیال ہے اس آیت میں نصاریٰ کی تعریف ہے اور اس بات کو بتاتا ہے کہ نصاریٰ یہود سے بہتر ہیں حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ (بحوالہ کشف الرحمٰن: ص ۱۰۱۳: ج۔۱)

﴿۸۳﴾ وَاِذَا سَمِعُوْا ...الخ معترفین اسلام کی کیفیت: سعید ابن جبیر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان آیتوں میں اس وفد کی طرف اشارہ ہے جو نجاشی نے چالیس افراد کا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا اور انہوں نے حضور پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن کریم سنا اور سب مسلمان ہو گئے۔ اور بعض مفسرین نے تعداد زیادہ بھی بتائی ہے۔ اور بعض نے اس وفد کو اہل نجران کا وفد بتایا ہے۔ (تفسیر مظہری: ص ۱۵۴: ۱۵۵: ج۔۳)

میرے استاذ محترم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان آیات کے مصداق وہ عیسائی ہیں جو حبشہ سے آ کر مسلمان ہوئے تھے سارے عیسائی ان آیتوں کے مصداق نہیں ہیں، انگریز کے دور میں بعض مولوی اور پیر جو انگریز کے پٹھو اور وظیفہ خور تھے ان آیات کو انگریزوں پر چسپاں کرتے تھے کہ یہ ہمارے دوست ہیں علماء حق ان کو جواب دیتے تھے کہ بھائی اگلی آیات بھی تو پڑھو کہ انہوں نے کہا، "رَبَّنَا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ" اے ہمارے رب ہم ایمان لائے پس تو لکھ دے ہمیں حق کے گواہوں میں سے تو کیا انگریز ایمان لایا ہے اور قرآن سننے کے بعد اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے ہیں تو انگریز ان آیتوں کا مصداق کس طرح بن گیا؟ (ذخیرہ ص ۲۶۷، ج۔۵)

﴿۸۴﴾ معترفین اسلام کی آرزو: ہمیں حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے کہ اس شریعت محمدیہ پر ایمان نہ لائیں بلکہ ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مقبول لوگوں کی معیت میں داخل کر دے گا۔

﴿۸۵﴾ معترفین اسلام کا نتیجہ: یعنی ایسے لوگ حق پر ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں پوری عزت پائیں گے۔

﴿۸۶﴾ منکرین کا انجام: آخر میں منکرین کے انجام کا ذکر فرمایا کہ ان میں سے جو لوگ ہٹ دھرمی اور ضد سے باز نہ آنے والے ہیں جہنم کا ایندھن بنائے جائیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اے ایمان والو! مت حرام ٹھہراؤ پاکیزہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال قرار دی ہیں اور نہ حد سے آگے بڑھو۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ

حد سے آگے بڑھنے والوں کو ﴿۸۸﴾ اور کھاؤ اس چیز میں سے جو اللہ نے تم کو رزق دیا ہے حلال اور پاکیزہ چیزیں اور ڈرو اس اللہ تعالیٰ سے جس پر تم

بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا

ایمان رکھتے ہو ﴿۸۸﴾ اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں کرتا تم سے تمہاری لغو یعنی بیہودہ قسموں کے بارے میں لیکن وہ مواخذہ کرتا

عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ

ہے تم سے اس کے بارے میں جو تم نے پختہ طریقے پر قسمیں کھائیں ہیں پس اس کا کفارہ کھانا کھلانا ہے دس مسکینوں کو درمیانے درجے کا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے

اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ

ہو یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنانا یا گردن یعنی غلام آزاد کرنا پس جو شخص نہ پائے ان میں سے کوئی چیز پس اس کی قسم کا کفارہ تین دن کے روزے رکھنے سے ہوگا یہ کفارہ ہے

اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ

تمہاری قسموں کا جب تم قسم اٹھا بیٹھو اور محفوظ رکھو اپنی قسموں کو اسی طرح اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمہارے لئے

تَشْكُرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ

اپنے احکام تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿۸۹﴾ اے ایمان والو! بیشک شراب اور جوا اور بت اور تقسیم کے تیر گندگی ہے اور شیطان کے کام سے ہے پس بچو

عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ

اس سے تاکہ تم فلاح پاجاؤ ﴿۹۰﴾ بیشک وہ ارادہ کرتا ہے شیطان کہ ڈال دے تمہارے درمیان دشمنی اور

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝

نفرت شراب اور جوئے کے سلسلے میں اور روک دے تم کو اللہ کے ذکر اور نماز سے پھر کیا تم باز آؤ گے؟ ﴿۹۱﴾

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ

اور فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی۔ اور ڈرتے رہو۔ پس اگر تم روگردانی کروگے تو جان لو کہ بیشک ہمارے رسول کے ذمے پہنچا دینا ہے

الْمُبِيْنُ ۝ لَيْسَ عَلَي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا

کھول کر ﴿۹۲﴾ نہیں ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے کوئی گناہ اس چیز میں جو انہوں نے کھایا جبکہ وہ ڈرتے رہے

وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور ایمان لائے اور اچھے کام کئے پھر وہ ڈرتے رہے اور ایمان پر قائم رہے پھر وہ ڈرتے رہے اور نیکی کے کام کئے انہوں نے اور اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے نیکی کرنے والوں کو ﴿۹۳﴾

﴿۸۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔۔۔ الخ ربط آیات: سورۃ کی ابتداء میں احکامات شرعیہ کا بیان تھا پھر درمیان میں یہود ونصاریٰ کا ذکر تھا۔ اب پھر احکامات بیان فرماتے ہیں۔

خلاصہ رکوع ⑫ تحریمات ۶ ادکی تردید، حلال کھانے کی ترغیب، اصول کامیابی، قسم لغو پر عدم مواخذہ، قسم منعقدہ کے کفارہ کی چار صورتیں، شفقت خداوندی، تحریمات انہیہ یعنی شراب اور جوئے کی حرمت کے وجوہات، ازالہ شبہ ۱۔ ۲۔

ماخذ آیات ۸۷ تا ۹۳ +

تحریمات عباد کی تردید : اے مسلمانو! خواہ تم گھر پر موجود ہو یا سفر تبلیغ پر یا کسی ایسی ذاتی ضرورت کے لئے گئے ہو تو حلال کو حلال اور حرام کو حرام ہی سمجھنا اور لوگوں کے سامنے اصلی چیز کی حقیقت پیش کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مشرکین کی طرح حلال کو حرام ٹھہرانے لگو۔ ﴿۸۸﴾ **حلال کھانے کی ترغیب:** یہ حلال چیزیں استعمال کرو۔ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ... الخ اصول کامیابی :** اصل چیز تقویٰ ہے اس کا البتہ پورا لحاظ رہے۔

﴿۸۹﴾ **لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ... الخ قسم لغو پر عدم مواخذہ۔ قسم منعقدہ کے کفارہ کی چار صورتیں :** قسم کی تین قسموں کا ذکر سورہ بقرہ کی آیت: ۲۲۴: کے تحت گزر چکا ہے وہاں ملاحظہ کریں البتہ یہاں سے قسم منعقدہ کے کفارہ کا ذکر ہے۔ جسکی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔ اب مثال کے طور پر کوئی شخص قسم اٹھاتا ہے کہ خدا کی قسم میں نماز نہیں پڑھوں گا، یا روزہ نہیں رکھوں گا، یا مسجد میں نہیں جاؤں گا یا میں اپنے باپ سے نہیں بولوں گا یہ قسمیں صحیح نہیں ہیں پس جو شخص اس طرح کی قسموں کا بہانہ بنا کر اپنے آپ کو مجبور اور معذور سمجھے یہ غلط ہے بلکہ ایسے شخص کو اپنی قسم توڑنی چاہیئے اور اس کا کفارہ ادا کرنا چاہیئے۔

قسم کے کفارے کی پہلی صورت : دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلانا ہے پیٹ بھر کر۔ یہاں یہ بات قابل توجہ رہے کہ ان دس مسکینوں کے لئے کچھ شرائط اور پابندیاں بھی ہیں۔

❶ یہ سارے مسلمان ہوں، ان میں کوئی کافر نہ ہو ایک تو کھلے کافر ہیں، انکو تو ساری دنیا جانتی ہے۔ دوسرے وہ کافر ہیں جو شریعت کی رو سے تو کافر ہیں مگر وہ اپنے آپ کو کافر نہیں کہتے جیسے قادیانی کافر ہیں۔ بہائی فرقے والے کافر ہیں۔ رافضی کافر ہیں۔ شرک کرنے والے کافر ہیں وغیرہ۔

❷ دوسری شرط یہ ہے کہ ان مساکین میں سے کوئی سید نہ ہو۔ کیونکہ قسم کے کفارے کا اور عشر کا، زکوٰۃ کا، فطرہ کا نذر منت کا سید مصرف نہیں ہے۔

سادات : یعنی سید کون ہیں؟ حضرت علی ﷛، حضرت عباس ﷛، حضرت جعفر ﷛، حضرت عقیل ﷛، کی اولاد اور آنحضرت ﷺ کے چچا حارث کی اولاد، حارث اگرچہ خود مسلمان نہیں تھا مگر انکی اولاد مسلمان تھی۔ ان پانچ بزرگ ہستیوں کی اولاد کو شریعت سادات کہتی ہے اور وہ مساکین صاحب نصاب نہ ہوں، صاحب نصاب وہ شخص ہے جس کے پاس گھر کی ضروریات اصلی کے علاوہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کا کوئی سامان ہو وہ صاحب نصاب ہے۔

❸ ان دس مسکینوں میں نابالغ بچہ کوئی نہ ہو۔ ❹ ان میں سے کوئی بیمار نہ ہو۔ ❺ ان میں سے کوئی اتنا بوڑھا نہ ہو کہ جو کھا، پی نہ سکے۔ ❻ جو مسکین صبح کھائیں وہی شام کو کھائیں اور کھانے سے مراد، وہ کھانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو دیا کرتے ہو۔

دوسری صورت : دس مسکینوں کو لباس پہناوے، اور لباس ایسا ہو جس میں نماز جائز ہو۔ مثلاً چادر یا شلوار اور کرتا اور ٹوپی بس یہ تین کپڑے کافی ہیں۔

تیسری صورت : ایک غلام یا لونڈی آزاد کرے، اس دور میں غلام تو موجود نہیں اگر ہو تو آزاد کر دے۔

چوتھی صورت : اگر مذکورہ تینوں چیزوں میں سے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا تو پھر تین روزے رکھے۔

(محصلہ ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن تفسیر سورۃ بقرہ)

﴿۹۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ تک تحریمات الٰہیہ کا بیان یعنی شراب اور جوئے کی حرمت کی سات وجوہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ ❶ اس آیت میں شراب اور جوئے کو رِجْسٌ یعنی گندی چیز بتایا ہے اور پھر سورۂ اعراف میں "يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ" فرمایا ہے اس تصریح کے ہوتے ہوئے بھی کوئی شخص شراب اور جوئے کو حرام نہ سمجھے تو اس کے بے دین ہونے میں کیا شک ہے۔ ❷ پھر یہ فرمایا "مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ" کہ یہ شیطانی کاموں میں سے ہے۔ ❸ پھر فرمایا "فَاجْتَنِبُوْهُ" کہ اس سے بچو۔ ❹ فرمایا "لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ معلوم ہوا کہ جوئے اور شراب میں مشغول ہونا ناکامی کا سبب ہے۔ جو دنیا اور آخرت میں سامنے آئے گی۔ ❺ فرمایا "اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ" شیطان یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے اندر دشمنی اور بغض ڈالدے۔ ❻ فرمایا "وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ" شیطان شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکنا چاہتا ہے۔

سُؤَال: ذکر اللہ میں تو نماز داخل ہے پھر نماز کو علیحدہ بیان کرنے کی کیا حکمت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں نماز کی اہمیت اور ذکر اللہ کے تمام اقسام میں افضل واشرف ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے نماز کا مستقل طور پر علیحدہ ذکر فرمایا ہے۔

❼ آخر میں فرمایا "فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ" کیا تم باز آنے والے ہو؟

احادیث نبوی کی روشنی میں شراب پر وعیدات

❶ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "شَارِبُ الْخَمْرِ كَعَابِدِ الْوَثَنِ" یعنی شراب پینے والا ایسا مجرم ہے جیسے بت کو پوجنے والا اور بعض روایات میں ہے۔ "شَارِبُ الْخَمْرِ كَعَابِدِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى" یعنی شراب پینے والا ایسا ہے جیسا لات وعزیٰ کی پرستش کرنے والا۔

❷ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں حاضرین کو شراب پلا رہا تھا۔ (یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے والد تھے) اسی اثناء میں یہ حکم نازل ہو گیا کہ شراب حرام ہے باہر سے آنے والی آواز سنی کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کوئی شخص اعلان کر رہا ہے۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ باہر نکل کر دیکھو یہ کیا آواز ہے؟ میں باہر نکلا تو میں نے واپس ہو کر بتایا کہ پکارنے والا یوں پکار کر کہہ رہا ہے کہ خبردار شراب حرام کر دی گئی ہے یہ سن کر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا جاؤ یہ جتنی شراب ہے سب کو گرا دو۔ چنانچہ شراب پھینک دی گئی جو مدینہ کی گلیوں میں بہہ رہی تھی۔ (انوار البیان: ص ۱۷۵، ج ۳)

تفسیر درمنثور میں اس واقعہ کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زبانی یوں بیان کیا کہ میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ اور ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو شراب پلا رہا تھا میرے ہاتھ میں پیالہ تھا۔ جسے میں بھر بھر کر ایک دوسرے کو دے رہا تھا۔ اسی حال میں ہم نے آواز سنی کہ کوئی شخص پکار کر آواز دے رہا تھا۔ "الا ان الخمر قد حرمت" (خبردار شراب حرام کر دی گئی) آواز کا سننا تھا کہ نہ کوئی اندر آنے پایا تھا کہ اور نہ باہر نکلنے پایا تھا کہ ہم نے شراب کو گرا دیا اور مٹکے توڑ دیئے۔ جس کی وجہ سے مدینہ کی گلی کوچوں میں شراب پانی کی طرح بہنے لگی۔ (درمنثور، ص: ۲۲۱، ج: ۲، ورواہ مسلم بحذف بعض الاسماء، ص: ۱۶۳، ج ۲)

﴿۹۲﴾ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ... الخ **احکام میں اطاعت کا حکم:** اس آیت میں گزشتہ حکم کو آسان کرنے اور اس پر عمل کو سہل بنانے کے لئے قرآن کریم نے اپنے خاص اسلوب بیان کے تحت فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم تمہارے فائدہ کے لئے ہے اگر تم نہ مانو، تو نہ اللہ تعالیٰ کا نقصان ہے، نہ اس کے رسول کا اللہ تعالیٰ کا اس

کے نفع و نقصان سے بالاتر ہونا ظاہر ہے۔

ازالہ شبہ ❶ اور اگر کسی کے خیال میں یہ ہوسکتا ہے کہ رسول کی جب بات نہ مانی گئی تو ان کی شان میں کوئی کمی یا قدر و منزلت میں شاید کوئی فرق آجائے گا تو اس شبہ کے ازالہ کے لئے ارشاد فرمایا "فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ" یعنی اگر تم میں سے کوئی بھی ہمارے رسول کی بات نہ مانے جب بھی اسکی قدر و منزلت میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ اس کی ذمہ داری صرف پیغام خداوندی پہنچا دینا ہے۔ باقی جو شخص نہیں مانتا اس کا اپنا نقصان ہے۔ اللہ کے نبی کا کچھ نہیں بگڑتا۔

﴿۹۳﴾ ازالہ شبہ ❷ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ خیال ہوا کہ ہم میں سے بہت سے لوگ مقتول ہو چکے ہیں جنکے پیٹوں میں شراب تھی (یعنی جو لوگ اب تک شراب پیتے رہے اور اب دنیا میں موجود نہیں تو وہ اپنے پیٹوں میں شراب لے کر چلے گئے) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ "لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا" نازل فرمائی۔ (بخاری ص: ۶۶۴ ج۔۲)

اس آیت میں بار بار تقویٰ اور پرہیزگاری کا حکم اس لئے دیا ہے کہ شراب ایسی چیز ہے جو چھوٹتی نہیں ہے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کی اس سے حفاظت فرمائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ

اے ایمان والو! البتہ ضرور آزمائے گا تمہیں اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ شکار میں سے کہ پہنچیں گے اس تک تمہارے ہاتھ اور نیزے تاکہ معلوم کرے (یا تمیز کردے)

اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اللہ تعالیٰ اس شخص کو جو خوف کھاتا ہے اس سے بغیر دیکھے پس جو شخص تعدی کرے گا اس کے بعد پس اس کیلئے دردناک عذاب ہوگا ﴿۹۴﴾ اے ایمان والو!

لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ

نہ مارو شکار اس حالت میں کہ تم احرام میں ہو اور جو شخص قتل کرے گا اس شکار کو تم میں جان بوجھ کر پس بدلہ ہے اس کے قتل کیے جانے کے برابر مویشیوں میں سے فیصلہ کریں گے

مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ

اس کے ساتھ دو انصاف والے تم میں سے اور یہ ہدی ہے کعبے تک پہنچنے والی یا کفارہ اس کا طعام ہوگا مسکینوں کا یا اس کے برابر روزے ہوں تاکہ

عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ

وہ شخص چکھے وبال اپنے کام کا۔ اللہ نے معاف کردیا جو پہلے گزر چکا اور جو شخص پلٹ کر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ

اور اللہ غالب ہے انتقام لینے والا ﴿۹۵﴾ حلال قرار دیا گیا ہے تمہارے لئے دریا کا شکار اور اس کا کھانا یہ فائدہ ہے تمہارے لئے اور قافلے کے مسافروں کیلئے

عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ

اور حرام قرار دیا گیا ہے تم پر خشکی کا شکار جب تک تم احرام کی حالت میں ہو اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے جس کی طرف تم سب اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿۹۶﴾ بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے

الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا

کعبے کو عزت اور بزرگی کا گھر وہ لوگوں کے قیام کا ذریعہ ہے اور اللہ نے حرمت کے مہینوں اور نیاز کے جانوروں اور پٹے ڈالے ہوئے

اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

جانوروں کو بھی ایسا ہی بنایا ہے (یہ بات ایسی ہے) تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿۹۷﴾ اچھے طریقے سے

شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ

جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے اور (یہ بات بھی کہ) بیشک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور مہربان ہے ﴿۹۸﴾ نہیں ہے رسول کے ذمے مگر پہنچا دینا اللہ جانتا ہے جس چیز کو تم ظاہر کرتے ہو

وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

اور جس چیز کو تم چھپاتے ہو ﴿۹۹﴾ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے نہیں برابر خبیث چیز اور پاک چیز اگرچہ تم کو تعجب میں ڈالے خبیث چیز کی کثرت، پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے

يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

اے عقلمندو تاکہ تم فلاح پا جاؤ ﴿۱۰۰﴾

﴿۹۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... الخ ربط آیات : گزشتہ آیات میں دائمی چیزوں کی حرمت کا ذکر تھا اب عارضی چیزوں کی حرمت کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ۱۳ امتحان خداوندی، تحریمات وقتیہ کا بیان، تحریمات وقتیہ، سبب تعظیم وتحریم بیت اللہ۔ ا۔ ۲۔ نیازات الٰہیہ ۔ ۳۔ ۴۔ تاکید احکام، ترہیب وترغیب، فریضہ خاتم الانبیاء، خبیث وطیب کے درمیان عدم مساوات۔ ماخذ آیات ۹۴: تا ۱۰۰+

امتحان خداوندی : اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمانبردار بندوں کا امتحان ہے کہ وہ حالت احرام میں ہوں اور شکار ان کے سامنے ہو اور مارنے پکڑنے کی قدرت بھی رکھتے ہوئے خدا کے حکم کو سامنے رکھتے ہیں۔ یہ واقعہ حدیبیہ میں پیش آیا جس میں آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام ؓ کی کامل اتباع کا ذکر ہے کہ شکار اتنا قریب ہے کہ ہاتھ سے پکڑ سکتے ہیں لیکن نہیں پکڑتے، بخلاف یہود کے کہ شکار سے روکا جاتا ہے مگر پھر بھی حیلے بہانے سے شکار کو پکڑ لیتے ہیں۔

﴿۹۵﴾ تحریمات وقتیہ کا بیان : تحریمات وقتیہ کے احکام بتائے جا رہے ہیں کہ جب تم اپنے اصلی مرکز بیت اللہ کی طرف آؤ تو ان کے آداب کا خوب لحاظ رکھو۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب مدینہ منورہ سے حج، عمرہ کے لئے تشریف لے جاتے تو ذوالحلیفہ سے احرام باندھتے تھے اور یہ میقات مدینہ طیبہ سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور سب سے لمبا میقات ہے اور راستے میں ان کو شکار کے جانور بہت ملتے اور اتنے قریب آ کر بیٹھ جاتے کہ ان کو ہاتھ سے بھی پکڑ سکتے اور نیزے سے شکار بھی کر سکتے تھے ایسی صورت حال کے متعلق احکام بیان فرماتے ہیں۔ یعنی حالت احرام میں حج کا احرام ہو یا عمرہ کا خشکی کا جانور شکار کرنا حرام ہے اگر کوئی شخص قصداً حالت احرام میں خشکی کا کوئی جانور شکار کرے خواہ اس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو تو اسکی سزا اس آیت میں مذکور ہے یاد رہے کہ صید یعنی شکار ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو وحشی ہوں، انسانوں سے مانوس نہ ہوں ان سے دور بھاگتے ہوں جیسے شیر، گیدڑ، ہرن، خرگوش، نیل گائے، کبوتر، فاختہ، وغیرہ اور جو جانور انسانوں سے مانوس ہیں اور ان کے پاس رہتے ہیں جیسے گائے اونٹ،

بھیڑ بکری مرغی یہ شکار میں داخل نہیں ہیں، اور جو وحشی جانور ہوں ان میں سے بعض جانوروں کا مارنا حالت احرام میں بھی جائز ہے۔ یہ استثناء احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہے ان میں کوا اور چیل بھیڑ اور سانپ اور بچھو اور کاٹنے والا کتا اور چوہا شامل ہیں۔ یعنی محرم کو ان کا قتل کرنا جائز ہے اور جو جانور محرم پر حملہ کردے اس کا قتل کرنا بھی جائز ہے اگرچہ ان جانوروں میں سے نہ ہو جن کے قتل کی اجازت ہے۔

احرام میں شکار مارنے کی جو جزا آیت بالا میں مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو جانور قتل کیا اس کا ضمان واجب ہوگا۔ اور اس ضمان کی ادائیگی یا تو اس طرح کردے کہ جانور خرید کر بطور ھدی کعبہ شریف کی طرف یعنی حدود حرم میں بھیج دے جسے وہاں ذبح کردیا جائے، اور اگر ھدی نہ بھیجے تو اسکی قیمت مسکینوں کو دے دے یا اس کے بدلے روزے رکھ لے "مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ" یعنی جو جانور قتل کیا ہے اس جانور کا مثل بطور جزا کے واجب ہوگا۔ اس کے بارے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ جسامت میں اتنا بڑا جانور ہو جتنا بڑا جانور اس نے قتل کیا ہے مثلاً شتر مرغ قتل کیا ہے تو اس کے بدلہ اسی جیسا اونٹ ذبح کیا جائے۔ اور جس جانور کا مثل جسامت کے طور پر نہ ہو اس کی قیمت لگادی جائے ان کے مذہب کی تفصیلات کتب شافعیہ میں مذکور ہیں۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جسامت میں "مثلیت" کا اعتبار نہیں یعنی "مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ" سے مثل صوری (یعنی جسمانیت والی برابری) مراد نہیں ہے ان کے نزدیک "ابتداً وانتہاءً" مثل معنوی ہی مراد ہے مثل معنوی سے مراد یہ ہے کہ مقتول جانور کی قیمت لگادی جائے پھر اس قیمت سے جانور خرید کر بطور ھدی حدود حرم میں ذبح کردیا جائے۔

جس محرم نے شکار کیا ہے اسے اختیار ہے کہ قیمت کے عوض ھدی کا جانور حدود حرم میں ذبح کردے یا کسی دوسرے شخص سے ذبح کرادے، اور اگر ھدی کا جانور ذبح کرانے کی بجائے اس قیمت کو مسکینوں پر صدقہ کرنا چاہے تو یہ بھی کرسکتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ فی مسکین بقدر صدقہ فطر غلہ یا اسکی قیمت صدقہ کردے۔ اور اگر غلہ یا اسکی قیمت دینا نہ چاہے تو بحساب فی مسکین نصف صاع گندم کے حساب سے اتنی شمار کے برابر روزے رکھ لے، اگر فی مسکین بقدر صدقہ فطر حساب کرکے دینے کے بعد اتنے پیسے بچ گئے جن میں ایک صدقہ فطر کی برابر غلہ نہیں خریدا جاسکتا تو اختیار ہے کہ یہ پیسے ایک مسکین کو دیدے یا اس کے عوض ایک روزہ رکھ لے۔

جس جانور کو قتل کیا ہے اسکی قیمت کون تجویز کرے؟ اس کے بارے میں ارشاد ہے "يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ" یعنی مسلمانوں میں سے دو انصاف والے آدمی اسکی قیمت کا تخمینہ لگائیں۔ یہ تخمینہ اس جگہ کے اعتبار سے ہوگا جہاں وہ جانور قتل کیا ہے۔ اگر جنگل میں قتل کیا تو جو آبادی وہاں سے قریب تر ہو اس کے اعتبار سے قیمت کا تخمینہ لگایا جائے۔

احرام میں جو جانور شکار کیا گیا ہو اس کے متعلق چند مسائل

مسئلہ: (۱) محرم کو جس جانور کا قتل کرنا حرام ہے اس کو زخمی کردینا یا پر اکھاڑ دینا ٹانگ توڑ دینا بھی حرام ہے، اگر ان میں سے کوئی صورت پیش آجائے تو تخمینہ کرایا جائے کہ اس جانور کی کتنی قیمت ہوگی پھر اس قیمت کے بارے میں انہی تین صورتیں میں سے کوئی صورت اختیار کرلی جائے جو قتل کی سزا میں مذکور ہوئیں۔ مسئلہ: (۲) مذکورہ جانوروں کا انڈا توڑنا ممنوع ہے اگر محرم نے کسی جانور کا انڈا توڑ دیا تو اس پر اس کی قیمت واجب ہوگی، اگر انڈے میں سے مرا ہوا بچہ نکل آیا تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔ مسئلہ: (۳) اگر دو محرموں نے مل کر شکار کیا تو دونوں پر جزا کامل واجب ہوگی۔ مسئلہ: (۴) اگر کسی نے حاملہ ہرنی کے پیٹ میں مار دیا اور اس میں سے مردہ بچہ نکلا اور وہ بھی مرگئی تو دونوں کی قیمت واجب ہوگی۔

مسئلہ: (۵) اگر کسی غیر محرم نے شکار کیا پھر احرام باندھ لیا اس پر واجب ہے کہ شکار کو چھوڑ دے۔ اگر نہ چھوڑا اور اس کے ہاتھ میں مرگیا تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔

مسئلہ: (۶) مچھر کے قتل کرنے سے کچھ واجب نہیں ہوتا۔ مسئلہ: (۷) احرام میں چیونٹی کا مارنا جائز ہے جو ایذاء دیتی ہے اور جو ایذاء نہ دے اس کا مارنا جائز نہیں لیکن اگر مار دیا تو کچھ واجب نہیں ہوگا۔ مسئلہ: (۸) اگر کسی محرم نے جوں ماردی تو کچھ صدقہ کردے۔ مسئلہ: (۹) اگر کوئی محرم ٹڈی ماردے تو جتنا جی چاہے تھوڑا بہت صدقہ کردے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو فرمایا ایک کھجور ٹڈی سے بہتر ہے۔ مسئلہ: (۱۰) اگر بھول سے یا خطاً شکار کو قتل کردے تو اس میں بھی جزاء ہے جمہور کا یہی مذہب ہے۔

ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور فقہاء امصار کا یہی مذہب ہے اور قرآن کریم میں جو لفظ "متعمداً" آیا ہے یہ ان حضرات کے نزدیک خطا ونسیان سے احتراز کے لیے نہیں بلکہ یہ لفظ اس لئے بڑھایا گیا ہے کہ "وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ" جو آگے آرہا ہے وہ اس پر متفرع ہوسکے کیونکہ خطاء ونسیان پر مؤاخذہ نہیں ہوتا۔ بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خطا ونسیان میں قتل صید کی جزا واجب نہیں شیخ ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "فالقول الاول هو الصحيح" یعنی پہلا قول ہی صحیح ہے پھر اس کی دلیل میں فرماتے ہیں۔ لِاَنَّه قَدْ ثَبَتَ اَنَّ جِنَايَاتِ الْاِحْرَامِ لَا يَخْتَلِفُ فِيْهَا الْمَعْذُوْرُ وَغَيْرُ الْمَعْذُوْرِ فِيْ بَابِ وُجُوْبِ الْفِدْيَةِ اَلَا تَرٰى اَنَّ الله تعالٰى قَدْ عَذَرَ الْمَرِيْضَ وَمَنْ بِهٖ اَذًى مِّنْ رَّأْسِهٖ وَلَمْ يخلهما مِنْ اِيْجَابِ الْكَفَّارَةِ۔

مسئلہ: (۱۱) شکار کی طرف اشارہ کرنا یا شکاری کو بتانا کہ وہ شکار جارہا ہے محرم کے لئے یہ بھی حرام ہے، اگر محرم نے شکار کی طرف اشارہ کردیا اور شکاری نے اسے قتل کردیا تو بتانے والے پر بھی جزاء واجب ہوگی۔ مسئلہ: (۱۲) اگر کسی غیر محرم نے شکار کیا اور محرم کو اس کا گوشت پیش کردیا تو اس کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ محرم نے شکاری کو نہ اشارہ سے بتایا ہو نہ زبان سے۔

مسئلہ: (۱۳) اگر ایسے محرم نے شکار کیا جس نے قران کا احرام باندھا ہوا تھا تو اس پر دوہری جزا واجب ہوگی کیونکہ اس کے دو احرام ہیں۔ مسئلہ: (۱۴) مُحرم کا شکار کو بیچنا خریدنا حرام ہے۔ اگر کسی محرم نے ایسا کرلیا تو بیع باطل ہوگی۔

مسئلہ: (۱۶) محرم کے لئے حرم اور غیر حرم دونوں میں شکار کرنا حرام ہے۔ مسئلہ: (۱۵) حرم کا شکار محرم اور غیر محرم دونوں کے لئے حرام ہے۔ البتہ اس کے قتل کردینے سے محرم پر اور غیر محرم پر ایک ہی جزا واجب ہوگی۔

مکہ مکرمہ کے چاروں طرف سرزمین حرم ہے جس کی مسافتیں مختلف ہیں جدہ کی طرف تقریباً ۱۵ کلومیٹر ہے اور عرفات کی طرف تقریباً ۱۴ کلومیٹر ہے منٰی اور مزدلفہ دونوں حرم میں داخل ہیں اور تنعیم جو مدینہ منورہ کے راستہ میں آتا ہے یہ حرم سے خارج ہے۔ پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ تنعیم مکہ مکرمہ سے تین میل ہے لیکن اب مکہ معظمہ کی آبادی تنعیم بلکہ اس سے بہت آگے تک چلی گئی ہے۔

حرم شریف کی گھاس اور درخت کاٹنے کے مسائل

مکہ معظمہ کے حرم کی گھاس کاٹنا اور ایسے درخت کو کاٹنا جو کسی کی مملوک نہیں جسے لوگ بوتے نہیں یہ بھی ممنوع ہے۔

اگر کوئی شخص محرم یا غیر محرم حرم کا شکار مارے تو اسکی جزا دینا واجب ہوگی۔ اسی طرح اگر گھاس کاٹ دی یا غیر مملوک درخت

کاٹ لیا تو اسکی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ اگر کوئی درخت حدود حرم میں کسی شخص کی ملکیت میں اُگ آیا تو اس کے کاٹنے پر ایک قیمت حرمت حرم کے وجہ سے واجب ہوگی جس کا صدقہ کرنا لازم ہوگا۔ اور ایک قیمت بطور ضمان اس کے مالک کو دینی ہوگی۔ اور اگر حرم کے کسی ایسے درخت کو کاٹ دیا جسے لوگ اگاتے ہیں۔ تو اس صورت میں صرف مالک کو قیمت دینا واجب ہوگا۔
(انوار البیان: ص ۱۸۱ تا ۱۸۵ ج۔ ۳)

احرام میں سمندر کا شکار کرنے کی اجازت

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ۔ (الآیۃ) تخصیص شکار: مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے سمندر کا شکار کرنا اور اس کا کھانا حلال ہے اس میں مُحرم اور غیر مُحرم دونوں برابر ہیں پہلے سے دریائی شکار کر کے سفر میں جاتے وقت ساتھ لے گئے یا سفر میں دریائی شکار کرلیں، یہ مسافروں کے لئے درست ہے محرم ہوں یا غیر مُحرم۔
وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ : تحریمات وقتیہ برائے شکار خشکی : خشکی کا شکار محرم کے لئے حرام قرار دیا گیا خواہ کسی قسم کے احرام میں ہو (احرام عمرہ ہو یا احرام حج) وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ: یعنی جملہ احکام کی پابندی کرو اللہ سے ڈرو اس کے اوامر ونواہی کی مخالفت نہ کرو۔ اسکی طرف سب کو جمع ہونا ہے۔ وہاں پیشی ہے حساب ہے لہٰذا وہاں کے لئے فکر مند رہو۔
﴿۹۷﴾ سبب تعظیم وتحریم بیت اللہ : اس آیت میں حق تعالیٰ نے امن واطمینان کے چار ذرائع کا ذکر فرمایا ہے۔
اول کعبہ : اسکی تشریح سورۃ آل عمران آیت: ۹۶: میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ دوم: حرمت والے مہینے ان کا ذکر سورہ بقرہ کی آیت: ۱۹۰: کے تحت گزر چکا ہے وہاں ملاحظہ کریں۔
تیسری : چیز (یعنی نیازات الٰہیہ) ہدی ہے ہدی اس جانور کو کہا جاتا ہے جس کی قربانی حرم شریف میں کی جائے ایسے جانور جس شخص کے ساتھ ہوں عام عرب کا معمول تھا کہ اسکو کچھ نہ کہتے تھے، وہ امن واطمینان کے ساتھ سفر کرتا اور اپنا مقصد پورا کر سکتا تھا اس لئے ھدی بھی قیام امن کا ایک سبب ہوتی۔
چوتھی : چیز "قَلَآئِدَ" قلائد، قلادۃ کی جمع ہے۔ گلے کے ہار کو کہا جاتا ہے جاہلیت عرب کی رسم یہ تھی کہ جو شخص حج کیلئے نکلتا تو اپنے گلے میں ایک ہار بطور علامت کے ڈال لیتا تھا، تاکہ اسکو دیکھ کر لوگ سمجھ لیں کہ یہ حج کے لئے جارہا ہے کوئی تکلیف نہ پہنچائیں، اسی طرح قربانی کے جانوروں کے گلے میں بھی اس طرح ہار ڈالے جاتے تھے انکو بھی قلائد کہتے ہیں اس لئے قلائد بھی قیام امن وسکون کا ایک ذریعہ بن گئے۔ یہ چاروں چیزیں کعبہ شہر حرام، ھدی اور قلائد سب کے سب بیت اللہ کے متعلقات میں سے ہیں ان کا احترام بھی بیت اللہ ہی کے احترام کا ایک اہم شعبہ ہے۔
﴿۹۸﴾ تاکید احکام ترہیب وترغیب : اس آیت میں فرمایا جو شخص مرکز اصلی بیت اللہ سے تعلق توڑے گا حق تعالیٰ کی طرف سے شدید العقاب کا مستحق ہوگا، قیامت کے دن (یہ ترہیب ہے) اور اگر اس سے تعلق قائم رکھا تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحیم ہے (یہ ترغیب ہے) اور اگر کوئی غلطی بھی صادر ہوگئی تو اللہ تعالیٰ درگزر فرمائیں گے۔
﴿۹۹﴾ فریضہ خاتم الانبیاء : آنحضرت ﷺ کا کام صرف راستہ دکھانا ہے باقی عمل کرنا تمہارا اپنا فرض ہے۔
﴿۱۰۰﴾ خبیث اور طیب کے درمیان عدم مساوات: اس آیت میں ایک اصولی بات بیان فرمادی کہ خبیث اور طیب برابر نہیں۔ خبیث، بری چیز کو اور طیب، اچھی عمدہ چیز کو کہتے ہیں۔ آیت کا مفہوم عام ہے اچھے برے اعمال اور اچھے برے افراد

سب کو شامل ہے۔ استاذ محترم مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اطیب اسکو کہتے ہیں جس کے ساتھ کسی اور کا حق متعلق نہ ہو مثال کے طور پر گندم حلال ہے اور اگر کسی سے رشوت میں لی ہو یا غصب کی ہو یا چوری کی ہو، تو وہ طیب نہیں ہے کھا نہیں سکتا۔ الغرض کھانے کے لئے دو شرطیں ہیں ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کھانے کی اجازت دی ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ دوسرے کا حق اس کے ساتھ متعلق نہ ہو، یا یوں کہہ لیں حلال میں اللہ تعالیٰ کے حق کو ملحوظ رکھے، اور طیب میں بندے کے حق کو ملحوظ رکھے۔ اگر کسی غیر کا حق ہے تو وہ اسی طرح حرام ہے جس طرح خنزیر حرام ہے۔ (محصلہ ذخیرہ ص ۶۴، ج۔ ۲)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــَٔلُوْا عَنْ اَشْيَاۗءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْــَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ

اے ایمان والو نہ سوال کرو ایسی چیزوں کے بارے میں کہ اگر وہ ظاہر کردی جائیں تمہارے لئے تو تم کو ناگوار گزریں اور اگر تم سوال کروگے ان کے بارے میں

يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ

جبکہ قرآن نازل کیا جارہا ہے تو وہ تمہارے لئے ظاہر کردی جائیں گی اللہ نے معاف کردیا ہے جو اس سے پہلے گزر چکا اور بہت بخشش کرنے والا اور تحمل والا ہے ﴿۱۰۱﴾ بیشک پوچھا ہے

ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَاۗىِٕبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّ

ایسی باتوں کے بارے میں ان لوگوں نے جو تم سے پہلے گزرے پھر ہوگئے وہ ان کے ساتھ کفر کرنے والے ﴿۱۰۲﴾ نہیں ٹھہرایا اللہ تعالیٰ نے کوئی بحیرہ اور نہ کوئی سائبہ اور نہ کوئی وصیلہ

لَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ

اور نہ کوئی حام لیکن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ افتراء باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو عقل نہیں رکھتے ﴿۱۰۳﴾ اور جب کہا جاتا ہے

لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ

ان لوگوں سے آؤ اس چیز کی طرف جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور رسول کی طرف وہ کہتے ہیں ہمارے لئے کافی ہے وہ چیز جس پر پایا ہے ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اگرچہ

اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَـيْــــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ

ان کے آباؤ اجداد نہ جانتے ہوں کسی چیز کو اور نہ ہدایت پاتے ہوں ﴿۱۰۴﴾ اے ایمان والو لازم پکڑو اپنے اوپر اپنے نفسوں کو، تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا

مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

وہ جو گمراہ ہو جبکہ تم ہدایت کی راہ پر قائم رہے۔ اللہ ہی کی طرف تم سب کا لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تم کو بتلادے گا جو کام تم کیا کرتے تھے ﴿۱۰۵﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ

اے ایمان والو گواہی تمہارے درمیان جس وقت کہ آجائے تم میں سے کسی ایک کے پاس موت وصیت کے وقت دو شخص انصاف والے ہوں تم میں سے یا دو اور ہوں

ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ

تمہارے سوا دوسروں سے اگر تم سفر کرو زمین میں اور پہنچ جائے تم کو موت کی مصیبت۔ ان دونوں گواہوں کو روک رکھو۔

الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا

نماز کے بعد پس وہ قسم اٹھائیں اللہ کی اگر تم کو شک ہو کہ ہم اس (قسم) کے بدلے کوئی قیمت نہیں خریدنا چاہتے اگرچہ قرابتداری کیوں نہ ہوں اور ہم نہیں چھپاتے

وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا

اللہ کی گواہی کو۔ بیشک ہم اس وقت البتہ گناہگاروں میں سے ہوں گے ﴿۱۰۶﴾ اگر اطلاع ہوجائے اس بات پر کہ

اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ

یہ دونوں گناہ کے مستحق ہوئے ہیں پس دوسرے دو کھڑے ہوجائیں ان کی جگہ پر ان میں سے کہ جن پر یہ پہلے دو شخص گناہ کے مستحق ہوئے ہیں

بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى

وہ اللہ کے نام پر قسم اٹھائیں اور یہ کہیں کہ ہماری گواہی زیادہ تحقیقی ہے ان کی گواہی سے اور ہم نے تعدی نہیں کی بیشک اس وقت ہم ظلم کرنے والوں میں سے ہوں گے ﴿۱۰۷﴾ یہ بات

اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

(جو تمہیں بتلائی گئی ہے) زیادہ قریب ہے کہ یہ لوگ گواہی کو اس کے صحیح طریقے پر قائم کریں یا پھر خوف کھائیں کہ رد کردی جائیں گی قسمیں ان کی قسموں کے بعد اور

وَاسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور سنو۔ اور اللہ نہیں راہنمائی کرتا اس قوم کی جو نافرمانی کرنے والی ہو ﴿۱۰۸﴾

﴿۱۰۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا ... الخ ربط آیات: اوپر ان چیزوں کی حرمت کا ذکر تھا جو حسی طور پر حرام ہیں مثلاً جوا شراب وغیرہ، اب ان چیزوں کی حرمت کا ذکر ہے جو معنوی طور پر حرام ہیں اور ان کے متعلق سوالات کرنا ممنوع ہیں۔

خلاصہ رکوع ۱۴ لایعنی سوالات کی ممانعت، حکمت ممانعت، تحریمات عباد کی تردید، دعوت باپ دادے کی غلط تقلید کی ممانعت، نفس کی حفاظت، مجازات اعمال، وصیت کے احکام، قائم مقام گواہ، متبادل شہادت کی حکمت۔ ماخذ آیات ۱۰۱ تا ۱۰۸+

لایعنی سوالات کی ممانعت: اس آیت میں ان لوگوں پر تنبیہ ہے جن کو احکام الٰہیہ میں بلا ضرورت تدقیق اور بال کی کھال نکالنے کا شوق ہوتا ہے اور جو احکام نہیں دیئے گئے ان کے متعلق بغیر کسی داعیہ ضرورت کے سوالات کیا کرتے ہیں اس آیت میں ایسے سوالات کرنے سے منع کیا ہے تاکہ کوئی مشقت میں نہ پڑ جائے، اور آزادی کا دائرہ تنگ نہ ہوجائے اور نزول قرآن کے زمانہ میں اگر تم ایسے سوالات کروگے تو بذریعہ وحی اس کا جواب آجائے گا۔

شان نزول: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ باہر تشریف لائے اس وقت غصے کی حالت میں تھے، چہرہ انور سرخ ہو رہا تھا، آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوگئے، ایک شخص نے سوال کیا کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا دوزخ میں ہے، پھر ایک اور آدمی کھڑا ہوا اس نے کہا میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔

یہ منظر دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور (آپ ﷺ کا غصہ ٹھنڈا کرنے اور آپ ﷺ کو راضی کرنے کے لئے) یہ پڑھنے لگے۔ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيًّا وَّبِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا۔ ہم راضی ہیں اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ماننے پر اور قرآن کو امام ماننے پر اس کے بعد عرض کیا! یا رسول اللہ ہم لوگ جاہلیت اور شرک میں مبتلا تھے نئے

نئے مسلمان ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ ہمارے باپ کون ہیں یہ سن کر آپ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(ابن کثیر: ص: ۱۷۵، ج: ۳، حاشیہ مظہری: ص: ۱۹۲، ج۔ ۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ آنحضرت ﷺ سے بطور تمسخر و استہزاء کے پوچھا کرتے تھے، کوئی کہتا تھا میرا باپ کون ہے؟ اور کوئی کہتا تھا میری اونٹنی کہاں ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

(خازن: ص: ۱۵۳، ج: ۱، مظہری: ص: ۱۹۳، ج: ۳، معالم التنزیل: ص: ۵۷، ج: ۲، اسباب النزول: ص: ۱۲۰، صحیح بخاری: ص: ۶۶۵، ج۔ ۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا" نازل ہوئی۔ تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی حاضرین نے دوبارہ سوال کیا تو فرمایا نہیں! (ہر سال فرض نہیں ہے) اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا واجب ہو جاتا۔ اور اگر ہر سال واجب ہو جاتا تو تم اسکی طاقت نہ رکھتے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (ابن کثیر: ص: ۱۷۸، ج: ۱، منیر: ص: ۸۰، ج: ۷، معالم التنزیل: ص: ۵۷، ج۔ ۲)

﴿۱۰۲﴾ حکمت ممانعت: یعنی پہلی قومیں اس طرح تباہ ہو چکی ہیں کہ ہر بات اپنے نبی سے پوچھی پھر ان کا دائرہ تنگ کر دیا گیا پھر عمل نہ کر سکے اور نافرمانی کے جرم میں مارے گئے۔

﴿۱۰۳﴾ تحریمات عباد کی تردید: یعنی اسلام کے دائرہ میں آنے کے بعد رسومات جاہلیت سے بھی تائب ہو جائے کیونکہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حامی یہ سب رسومات جاہلیت میں سے ہیں۔ حضرات مفسرین نے انکی تفسیر میں بہت اختلاف کیا ہے، ممکن ہے کہ ان میں سے ہر ایک لفظ کا اطلاق مختلف صورتوں پر ہوتا ہو۔ سید التابعین سعید بن المسیب رحمہ اللہ کی تفسیر بخاری شریف میں مندرجہ ذیل منقول ہے۔

بحیرہ: وہ جانور ہے جس کا دودھ بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے اور اپنے کام میں نہ لاتے تھے۔

سائبہ: وہ جانور ہے جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ جیسے ہمارے زمانہ میں سانڈھ کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

حام: وہ نر اونٹ ہے جو ایک خاص عدد سے جفتی کر چکا ہو، اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔

وصیلہ: وہ اونٹنی ہے جو مسلسل مادہ بچہ جنے درمیان میں کوئی نر بچہ پیدا نہ ہو۔ تو اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔

الغرض اس آیت میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جس طرح فضول و بیکار سوالات کر کے احکام شرعیہ کے ذریعہ آزادی کا دائرہ تنگ کرنا جرم ہے اس سے کہیں بڑھ کر یہ جرم ہے کہ بغیر حکم شارع کے محض اپنی آراء باطلہ سے حلال و حرام مت تجویز کرو۔

﴿۱۰۴﴾ دعوت باپ دادے کی غلط تقلید کی ممانعت: جب ان معاندین حق کو جاہلانہ تباہ کن رسومات سے روکا جاتا ہے تو اپنے باپ دادا کی پاسداری کے باعث اتباع حق سے انکار کرتے ہیں، اور یہی شیطانی استدلال ہے جس نے لاکھوں انسانوں کو معمولی سمجھ بوجھ اور علم و ہنر رکھنے کے باوجود گمراہ کیا ہے قرآن کریم نے واضح دوٹوک الفاظ میں اپنے باپ دادا کے طریقہ کی تردید فرمائی "اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا" قرآن کریم کے اس ایک جملے نے کسی خاص شخص یا جماعت کی اقتداء کرنے کا ایک معقول اور صحیح اصول بیان کر کے عقل کے اندھوں کے لئے عقل و خرد کی بینائی کا اور جاہل و غافل کے لئے حقیقت کا مکمل سامان فراہم کر دیا ہے کہ ہر ایرے غیرے اور نتھو خیرے کی اقتداء مت کرو۔ کسی کو مقتدا بنانے کے لئے علم صحیح اور عمل مستقیم کے معیار سے جانچنا ضروری ہے، محض باپ دادا ہونا یا بہت سے لوگوں کا لیڈر ہونا، یا صاحب مال و دولت ہونا، یا صاحب حکومت و سلطنت ہونا، ان میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں جس کا معیار اقتداء سمجھا جائے۔ یہاں تک نظر ثانی بیت اللہ شریف میں ہوئی۔ ۲۰۱۱/۳/۱۴۔

غیر مقلدین کا استدلال : کہ اس آیت میں تقلید کی تردید کی گئی ہے لہذا ائمہ کرام کی تقلید کرنا ناجائز ہے۔ جواب : تقلید کی دو قسمیں ہیں: (۱) محمود (۲) مذموم۔ اس آیت میں جس تقلید کی تردید ہے وہ تقلید مذموم ہے ہم بھی اس تقلید کے قائل نہیں۔ ہم تو تقلید محمود کرتے ہیں جو کہ دیگر مضبوط دلائل یعنی قرآن وسنت سے ثابت ہے۔

﴿۱۰۵﴾ نفس کی حفاظت :اس آیت میں فرمایا کہ اپنی اصلاح کے بعد کہیں رعونت اور تکبر میں مبتلا نہ ہو جانا، بلکہ اپنے نفس کی حفاظت میں لگے رہنا۔

سُؤال: اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو صرف اپنے عمل اور اپنی اصلاح کی فکر کافی ہے دوسرے کچھ بھی کرتے رہیں ان پر دھیان دینے کی کیا ضرورت ہے؟ جب کہ یہ بہت سی قرآنی تصریحات کے خلاف ہے کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین اسلام کا اہم فریضہ ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر بحر محیط میں لکھتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ تم اپنے تمام واجبات شرعیہ کو ادا کرتے رہو جن میں جہاد اور امر بالمعروف بھی داخل ہے، یہ سب کچھ ہونے کے بعد بھی جو لوگ گمراہ ہیں تو تم پر کوئی نقصان نہیں۔ (بحر محیط: ص: ۶۰ ج: ۴ طبع بیروت)

اور "اِذَا اهْتَدَيْتُمْ" کے الفاظ سے بھی مذکورہ تفسیر واضح ہو جاتی ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں کہ جب تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو تو دوسروں کی گمراہی تمہارے لئے مضر نہیں، اور ظاہر ہے کہ جو شخص امر بالمعروف کے فریضہ کو ترک کر دے وہ سیدھی راہ پر نہیں چل رہا ہے۔ فَيُنَبِّئُكُمْ: مجازات اعمال۔

حالت سفر میں مال کی وصیت

﴿۱۰۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...الخ وصیت کے احکام۔ شان نزول: ان آیات کے شان نزول میں مفسرین کرام یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں مکے مدینے کے لوگ تجارت کے لئے شام کا سفر اختیار کرتے تھے۔ یہ بڑے بڑے تجارتی مراکز تھے۔ درمیان میں ایک ہزار میل کا فاصلہ تھا مگر موجودہ زمانے کی طرح رسل ورسائل کی سہولت حاصل نہ تھی۔ لوگ اونٹوں پر تجارتی مال لاد کر قافلوں کی شکل میں سفر کرتے تھے، بعض اوقات سواری کے لئے گھوڑے اور بار برداری کے لئے خچر اور گدھے بھی استعمال ہوتے تھے، کہتے ہیں کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام بدیل بن ورقا سہمی رضی اللہ عنہ جو کہ مسلمان تھا۔

تجارت کی غرض سے ملک شام گیا راستے میں دو غیر مسلم بھی اسکے ہم سفر بن گئے جو اسی علاقہ کے باشندے تھے۔ ان میں ایک آدمی تمیم داری (رضی اللہ عنہ) تھا جو اس وقت عیسائی تھا۔ مگر بعد میں مسلمان ہو گیا۔ اور دوسرا شخص عدی بن بدا بھی عیسائی یا مشرک تھا جب شام میں پہنچے تو اتفاق ایسا ہوا کہ بدیل سہمی رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے، جب اسمیں زندگی کی امید باقی نہ رہی تو اس نے اپنا سامان باندھا اور سارے سامان کی فہرست بھی اسی سامان میں خفیہ طور پر رکھ دی، پھر اپنا سامان اپنے غیر مسلم ساتھیوں کے سپرد کر دیا کہ وہ اسکے وارثوں تک پہنچا دیں۔ مسلمان فوت ہو گیا اور اس کے ساتھی اس کا سامان لے کر واپس آ گئے۔ اس سامان میں چاندی کا ایک قیمتی پیالہ بھی تھا۔ جس پر سنہری کام کیا ہوا تھا۔ ایسے ظروف بڑے حکام، امراء یا بادشاہ ہی استعمال کرتے تھے۔ کیونکہ اس پیالے کی قیمت ایک ہزار درہم سے کم نہ تھی۔

واپس پہنچ کر ان دونوں ساتھیوں نے پیالہ نکال کر بیچ دیا۔ اور اسکی رقم باہم تقسیم کر دی۔ اور باقی سامان متوفی کے وارثوں تک پہنچا دیا جب انہوں نے سامان کھولا۔ تو اسمیں سامان کی فہرست بھی برآمد ہوئی۔ پھر جب انہوں نے فہرست کے ساتھ سامان کا موازنہ کیا تو وہ قیمتی پیالہ نہ پایا ان دو آدمیوں سے دریافت کیا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا متوفی کے ورثاء کی تسلی نہ ہوئی۔ چنانچہ معاملہ

حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ سامان لانے والے دونوں آدمیوں کو طلب کیا گیا تو انہوں نے قسم اٹھائی کہ انکے پاس متوفی کا کوئی سامان نہیں ہے چنانچہ انہیں چھوڑ دیا گیا۔ پیالہ مکہ کے ایک سنارے کے پاس فروخت کیا گیا تھا۔ وہ برآمد ہو گیا اور اس نے بتایا کہ یہ پیالہ اس نے تمیم اور عدی سے خریدا تھا اس پر وہی مقدمہ نظر ثانی کے لئے دوبارہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ ملزمان کو دوبارہ طلب کیا گیا۔ اور انہیں بتایا گیا کہ متنازعہ پیالہ فلاں سنارے سے ملا ہے جس کے پاس تم نے بیچا تھا۔ تو ان دونوں نے اپنا بیان یوں بدل لیا کہ پیالہ انہوں نے متوفی بدیل رضی اللہ عنہ سے زر نقد کے عوض خرید لیا تھا پھر اپنی مرضی سے آگے فروخت کر دیا۔ کہنے لگے چونکہ اس خرید و فروخت پر کوئی گواہ نہیں تھا۔ اسلئے ہم نے پہلی مرتبہ اسے ظاہر کرنے سے احتراز کیا۔

معاملہ واضح ہو چکا تھا۔ بدیل کے ورثاء کا شک یقین میں بدل گیا اور ان میں سے دو آدمیوں نے قسم اٹھا کر کہا کہ یہ پیالہ متوفی نے انکے پاس فروخت نہیں کیا تھا۔ یہ غلط بیانی کر رہے ہیں لہذا یہ پیالہ انہیں ملنا چاہئے۔ اس پر فیصلہ ورثاء کے حق میں ہو گیا۔ یہ آیات اس واقعہ کے حق میں نازل ہوئیں اور اس طرح ایک شہادت کو رد کر کے دوسری شہادت کو قبول کرنے کا قانون بھی ثابت ہو گیا۔

(معالم العرفان: ص ۵۵، ج ۶)

گواہوں کے تقرر کے متعلق ایک عام قانون سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے "وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ" کہ تم میں سے دو مرد گواہ بن جائیں، اور اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہونی چاہیئے مگر چونکہ یہاں سفر کا معاملہ ہے اسلئے آسانی پیدا کی گئی کہ "ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ" تم میں سے دو صاحب عدل ہوں۔ بعض فقہاء فرماتے ہیں یہاں "مِنكُمْ" سے مراد اقرباء ہیں جو مسلمان ہوں "غَيْرِكُمْ" سے مراد غیر رشتہ دار ہیں انکی دلیل یہ ہے کہ کسی مسلمان کے حق میں یا اسکے خلاف کسی غیر مسلم کی گواہی معتبر نہیں ہوتی۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر فقہا کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ سفر کے دوران مسلمان گواہوں کا ہونا لازم نہیں ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کا استدلال "غَيْرِكُمْ" سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے ہم مذہب نہ ہوں تب بھی انکی شہادت پر مقدمہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے جیسے کہ مذکورہ واقعہ میں ہوا۔ دو گواہوں میں سے ایک عیسائی اور دوسرا مشرک تھا "مِن بَعْدِ الصَّلَاةِ" یہاں صلٰوۃ سے مراد نماز عصر ہے۔ (کشاف ص ۶۸۷ ج ۱، منیر ص ۳۰۳ ج ۷، کبیر ص ۵۳ ج ۴، قرطبی ص ۲۷ ج ۶، خازن ص ۵۴۶ ج ۱)

فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ: پھر وہ اللہ کی قسم اٹھائیں۔ إِنِ ارْتَبْتُمْ: اگر تمہیں شک ہو مقصد یہ ہے کہ اگر گواہوں کے بیان میں شک پڑ جائے کہ یہ جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ تو نماز عصر کے بعد ان سے حلفیہ بیان لو کہ وہ اس گواہی کے بدلے کوئی مالی مفاد نہیں حاصل کرنا چاہتے بلکہ ہم ٹھیک ٹھیک حقیقت حال واضح کرنا چاہتے ہیں۔

﴿۱۰۷﴾ قائم مقام گواہ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے معاملے میں دوسری صورت بھی بیان فرمائی "فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا" اگر یہ ظاہر ہو جائے کہ مذکورہ گواہ گناہ کے مستحق ہوئے ہیں۔ یعنی انہوں نے جھوٹی گواہی دی ہے جیسا کہ شان نزول کے واقعہ میں گزر چکا ہے۔ متنازعہ پیالہ برآمد ہونے پر گواہان کی شہادت جھوٹی ثابت ہو گئی۔

فرمایا! اگر وارثان کو یقین ہو جائے کہ گواہوں نے جھوٹی گواہی دی ہے "فَآخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا" تو ان کی جگہ پر دوسرے دو آدمی کھڑے ہو جائیں "مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ" اور وہ ایسے آدمی ہونے چاہئیں کہ جن پر پہلے لوگوں نے گناہ کا استحقاق حاصل کیا ہے یعنی متوفی کے وارثان سے دو آدمی پہلی شہادت کے مقابل دوسری شہادت پیش کریں "فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ" وہ بھی اللہ کی قسم اٹھا کر کہیں "لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِن شَهَادَتِهِمَا" کہ ہماری شہادت پہلوں کی شہادت سے زیادہ مبنی بر تحقیق ہے "وَمَا اعْتَدَيْنَا" اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی ہمارا مقصد کسی کو نقصان پہنچانا نہیں اور اگر ہم کسی شخص کی حق تلفی کریں گے

"اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ" توہم ظالموں میں سے ہوجائیں گے گویا کہ دوسرے گواہ بھی اپنی گواہی کا اسی طرح یقین دلائیں جس طرح پہلوں نے دلایا تھا۔

﴿۱۰۸﴾ متبادل شہادت کی حکمت: متبادل شہادت کے متعلق فرمایا "ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ" یہ بات اسکے زیادہ قریب ہے کہ گواہ ٹھیک ٹھیک گواہی دیں "اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ" یا پھر انہیں خوف ہوگا کہ انکی قسمیں دوسرے آدمیوں کی قسموں کے بعد رد کردی جائیں گی۔ یعنی وہ اس خوف سے غلط بیانی نہیں کرسکیں گے کہ انکی گواہی بھی غلط ثابت ہوسکتی ہے اور اسکے بجائے متبادل شہادت پر فیصلہ ہوسکتا ہے۔ اس طرح انہیں لوگوں کے سامنے رسوا ہونا پڑے گا اور سوسائٹی میں ان کا وقار گرجائے گا۔ (محصلہ تفسیر معالم العرفان: ص: ۶۰ ہ ج۔ ۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حاضر وناظر اور عالم الغیب کی نفی

اہل بدعت کہتے رہتے ہیں کہ گواہ کا موقع پر موجود ہونا ضروری ہے؟ اس کا جواب یاد رکھیں کہ یہ واقعہ حضرت بدیل رضی اللہ عنہ کے وارثوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر مسلمان کو حسب فرمان خداوندی یہ حکم ہے کہ جب بھی تمہیں میت کے گواہوں پر اعتماد نہ ہوتو تم کھڑے ہوکر گواہی دو بس اس کے لئے بقدر ضرورت علم کا ہونا ضروری ہے جو کسی معتبر اور ثقہ کے بتانے سے یا کوئی عقلی نقلی شواہد کے ملنے سے ہو نہ کہ اصل حقیقی واقعہ میں موجود ہونا ضروری ہے اور یہ سورۃ ان سورتوں میں ہے جن کا نزول آخر میں ہوا ہے اس سے واضح ثابت ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے نہ حاضر وناظر، ورنہ آپ پہلے ہی اصحاب حق کا حق دلوا دیتے لیکن جب صحیح واقعہ اللہ تعالیٰ نے بتادیا تو آپ نے حق دار کو حق دلوایا اور اس کی رسید پر بھی عمل کیا، کیا جو حاضر وناظر اور عالم الغیب ہو تو وہ جان بوجھ کر دوسرے کی حق تلفی کرتا ہے؟ (العیاذ باللہ)

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

اللہ سارے رسولوں کو اکٹھا کرے گا پس فرمائے گا (ان سے) کہ تم کو کیا جواب دیا گیا (تمہاری امتوں کی طرف سے) وہ (رسول) کہیں گے ہم کو کچھ علم نہیں پس پوشیدہ باتوں کو جاننے والا تو ہی ہے ﴿۱۰۹﴾

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ

جب فرمائے گا اللہ اے عیسیٰ مریم کے فرزند یاد کر میری نعمتیں جو میں نے تم پر کیں اور تیری والدہ پر جب میں نے تیری تائید کی پاک روح کے ساتھ تو کلام کرتا تھا

الْقُدُسِ ۫ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ

لوگوں کے ساتھ گہوارے میں اور ادھیڑ عمر میں اور جب میں نے سکھائی تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل اور جب تم بناتے تھے

وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِيْ

مٹی سے ایک پرندے کی شکل میرے حکم سے پھر انہیں پھونکتے تھے۔ پس وہ ہو جاتا تھا پرندہ اڑنے والا میرے حکم سے

وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ

اور جبکہ تم تندرست کرتے تھے مادرزاد اندھوں اور کوڑھی مریضوں کو میرے حکم سے اور جب تم نکالتے (زندہ کرتے) تھے مردوں کو میرے حکم سے اور جب میں نے روکا بنی اسرائیل

عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

کو تم سے جبکہ تم آئے ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر۔ پس کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا تھا ان میں سے نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو ﴿۱۱۰﴾

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا

اور جبکہ میں نے وحی کی تھی حواریوں کی طرف کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسولوں پر تو کہا انہوں نے ایمان لائے ہم اور تو گواہ رہ بیشک ہم فرمانبرداری کرنے والوں

مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ

میں سے ہیں ﴿۱۱۱﴾ جب کہا عیسیٰ (علیہ السلام) کے حواریوں نے اے عیسیٰ مریم کے فرزند! کیا تیرا پروردگار ایسا کرسکتا ہے کہ وہ اتارے ہمارے اوپر دسترخوان آسمان کی طرف سے

عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ

کہا عیسیٰ (علیہ السلام) نے ڈرو اللہ سے اگر تم ایمان والے ہو ﴿۱۱۲﴾ انہوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ کھائیں اس سے اور

مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

ہمارے دل مطمئن ہوں اور ہم جان لیں کہ تو نے سچ کہا ہے ہم سے اور ہوجائیں ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ﴿۱۱۳﴾

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا

عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے اللہ! اے ہمارے پروردگار اتار دے ہم پر ایک بھرا ہوا دسترخوان آسمان کی طرف سے کہ ہوجائے وہ ہمارے لئے عید ہمارے پہلوں کیلئے

لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا

اور ہمارے پچھلوں کے لئے نشان ہو خاص تیری طرف سے اور رزق دے ہمیں اور بیشک تو بہتر روزی دینے والا ہے ﴿۱۱۴﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک میں اتارنے والا

عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

ہوں اس کو تم پر پس جو شخص ناشکری کرے گا تم میں سے پس میں اس کو سزا دوں گا کہ نہیں سزا دوں گا میں ایسی کسی کو بھی جہان والوں میں سے ﴿۱۱۵﴾

﴿۱۰۹﴾ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ ۔۔الخ ربط آیات :اوپر قیامت کا ذکر تھا "اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ" اب آگے بھی قیامت کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ⑮ تذکیر بما بعد الموت سے انبیاء علیہم السلام کی گواہی، حفاظت عیسیٰ از یہود، یہود کا شکوہ، حکم خداوندی، حواریوں کا قبول ایمان، حواریوں کا سوال اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جواب سوال، حواریوں کے سوال کا مقصد، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا اور اجابت دعا، ناشکری کا نتیجہ۔ ماخذ آیات ۱۰۹: تا ۱۱۵ +

تذکیر بما بعد الموت سے انبیاء علیہم السلام کی گواہی :فرمایا! جس دن اللہ پاک سب پیغمبروں کو جمع کرے گا پھر کہے گا تمہیں دعوت الٰہی کی اجابت میں کیا جواب دیا گیا تھا؟ تو وہ انبیاء علیہم السلام عرض کریں گے "لَا عِلْمَ لَنَا" ہمیں کچھ خبر نہیں تو ہی سب پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے۔ اب یہاں سوال ہوتا ہے کہ پیغمبروں کو کچھ نہ کچھ تو علم ہوگا تو پھر "لَا عِلْمَ لَنَا" کیوں کہا؟ تو اس کا

جواب یہ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، سدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ چونکہ قیامت کا دن بڑا ہولناک ہوگا اس دن کی ہولناکی کی وجہ سے پیغمبروں کے ہوش وحواس خطاء ہوں گے اور کہیں گے "لَا عِلْمَ لَنَا" پھر جب گھبراہٹ ختم ہوگی پھر اپنی امتوں پر گواہی دیں گے۔ (مظہری: ص: ۲۰۲: ج۔ ۳)

مگر حضرات مفسرین نے اس تفسیر کارد کیا ہے اس لئے کہ آگے آتا ہے "لَا یَحْزُنُھُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ" کہ مؤمنوں کو بھی گھبراہٹ نہ ہوگی تو پیغمبروں کو کیا گھبراہٹ ہوگی؟ تو وہ حضرات مفسرین "لَا عِلْمَ لَنَا" کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اے پروردگارا تیرے علم محیط اور علم تفصیلی کے مقابلہ میں ہمارے علم میں کچھ نہیں، اور بعض اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب تک ہم قوم میں تھے تو ظاہری طور پر ان کے عادات کو جانتے تھے ہمارے بعد انہوں نے کیا کیا انکو ہم نہیں جانتے۔ ابن جریج تابعیؒ کی تفسیر یہ ہے کہ اے اللہ جو ہمارے قریب اور سامنے تھے ہم تو ان کے حالات سے واقف تھے باقی جو ہم سے دور رہتے تھے یا بعد میں آئے ان کے بارے میں علم نہیں ہے۔

﴿۱۱۰﴾ تمہید برائے داستان حضرت عیسیٰ علیہ السلام و معجزات۔ وَاِذْ کَفَفْتُ... الخ حفاظت عیسیٰ علیہ السلام از یہود۔ فَقَالَ الَّذِیْنَ... الخ یہود کا شکوہ۔ حیات مسیح علیہ السلام پر دلیل: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جس قدر نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آنے سے بھی روک دیا اگر بالفرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل ہو گئے یا سولی پر لٹکا دیئے گئے ہیں تو پھر اس تطہیر اور کف کے وعدہ اور انعام کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہی۔ وَاِذْ کَفَفْتُ میں "کف" کا مفعول بنی اسرائیل کو بنایا ہے نہ کہ "کاف" ضمیر مخاطب کو یعنی میں نے دور ہٹائے رکھا بنی اسرائیل (یہود) کو تجھ سے۔ یہ نہیں فرمایا "کَفَفْتُكَ عَنْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ" (ہٹا دیا تجھ کو بنی اسرائیل سے) کیونکہ ضرر پہنچانے کا ارادہ یہودیوں کا تھا پس انہی کو ہٹائے رکھنے کا ذکر مناسب ہے۔ (۲) یہ کہ "کف" کا صلہ "عَنْ" ذکر کیا ہے جو بُعد کے لئے آتا ہے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے۔ "لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ (سورۃ یوسف ۲۴:) ہم نے یوسف علیہ السلام سے برائی اور بے حیائی کو دور ہٹا دیا یہ نہیں فرمایا "لِنَصْرِفَكَ عَنِ السُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ" یوسف علیہ السلام کو برائی سے ہٹا دیں یہ اگر ہوتا تو شبہ ہوتا کہ یوسف علیہ السلام کے دل میں برائی (قصد زنا) آ گیا تھا بلکہ اللہ نے برائی اور بدی کے ارادہ کو ہی دور دور رکھا اور یوسف علیہ السلام تک پہنچنے ہی نہ دیا، اسی طرح اللہ نے یہود کو حضرت مسیح علیہ السلام سے دور رکھا، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے "وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ" (بقرۃ آیت ۴۹:) اے بنی اسرائیل اس وقت کو یاد کرو کہ جب ہم نے تم کو فرعونیوں کے عذاب سے بچایا اور نجات دی، اس لیے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ عنوان اختیار فرماتے تو یہ شبہ ہوتا کہ بنی اسرائیل کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دشمنوں سے ایذائیں اور تکلیفیں اٹھائیں مگر آخیر میں اللہ نے ان مصائب اور تکالیف سے نجات دی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کوئی ایذا کیا پہنچا تا وہ خود بھی ان تک نہ پہنچ سکا اللہ نے دشمنوں کو دور ہی رکھا اور کسی بدذات کو پاس بھی نہ پھٹکنے دیا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیج کر آسمان پر اٹھا لیا۔ تمام معتبرہ تفاسیر میں یہی مرقوم ہے۔

مرزا قادیانی کی تحریف: مرزا قادیانی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام صلیب سے رہا ہو کر کشمیر پہنچے اور ستاسی سال کے بعد کشمیر میں وفات پائی۔ حالانکہ کشمیر اس وقت کفر و شرک اور بت پرستی کا گھر تھا جو ملک شام سے کسی طرح بہتر نہ تھا شام حضرات انبیاء کا مسکن اور وطن تھا اور اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں۔ "و مطھرك من الذین کفروا" کہ میں تجھ کو کافروں سے پاک کرنے والا ہوں، نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے کما قال تعالیٰ وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ، ان کی نبوت صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی لہٰذا بنی اسرائیل کو چھوڑ کر کشمیر جانے کے کیا معنیٰ؟

﴿۱۱۱﴾ حکم خداوندی جب اللہ تعالیٰ نے انجیل میں سب حواریوں کو حکم دیا تھا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاؤ تو انہوں نے جواب میں کہا ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے ہیں اور آپ گواہ رہیں ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔

﴿۱۱۲﴾ **حواریوں کے سوال کا جواب**: سوال: حواریوں نے مائدہ کے نزول کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے استدعا کی۔ جسکی تفصیل شروع سورۃ میں گزر چکی ہے۔ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ ... الخ جواب سوال: آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اس سے معلوم ہوا کہ ایماندار بندہ کو یہ لائق نہیں کہ وہ اس قسم کی فرمائش کر کے خدا کو آزمائے اور اس سے خرق عادت کی چیزوں کا مطالبہ کرے بلکہ اس کو چاہئے کہ روزی وغیرہ کو انہی ذرائع سے طلب کرے جو قدرت نے مقرر کر رکھے ہیں۔

﴿۱۱۳﴾ **حواریوں کے سوال کا مقصد**: تا کہ مشاہدہ سے انکو اطمینان قلبی نصیب ہو اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ پر عینی گواہ بنیں۔ ﴿۱۱۴﴾ **حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا**: قوم کی فرمائش پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی۔ "تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا الخ" جو ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لئے عید ہو۔ "اَوَّلِنَا" اور "اٰخِرِنَا" سے کون مراد ہیں: اسکی ایک تفسیر یہ ہے بنی اسرائیل کا پہلا طبقہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔ ان پر اللہ نے "من" اور "سلویٰ" نازل کیا تھا اب ہم آخر میں ہیں ہمیں مائدہ ملے۔ دوسری تفسیر: یہ ہے کہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لئے۔ پہلوں سے مراد ہم ہیں ہم پر مائدہ نازل فرما ہم کھائیں اور قیامت تک ہمارے جو پیروکار آئیں گے ان کے لئے خوشی یہ ہوگی کہ وہ کہیں گے کہ ہمارے بڑوں پر مائدہ نازل ہوا تھا۔

﴿۱۱۵﴾ **اجابت دعا**: منہ مانگی مراد تو حاصل ہوگی۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ ... الخ **ناشکری کا نتیجہ**: یعنی ناشکری کے نتیجہ میں ایسی سزا دوں گا جو دنیا میں کسی کو نہ دی ہوگی۔ بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ مائدہ نازل نہیں ہوا مگر قرآن کریم کا سیاق یہ بتاتا ہے کہ مائدہ نازل ہوا اور بعض احادیث میں بھی مائدہ نازل ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ص: ۴۳ ج: ۶: طبع پشاور) اور تفسیر در منثور: ص: ۳۴۸ ج: ۲: میں بحوالہ ترمذی وغیرہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان سے مائدہ نازل کیا گیا تھا اس میں روٹی اور گوشت تھا انکو حکم تھا کہ خیانت نہ کریں اور کل کے لئے نہ رکھیں لیکن ان لوگوں نے خیانت بھی کی اور ذخیرہ بھی بنا کر رکھا۔ لہٰذا وہ بندروں اور سوروں کی شکلوں میں مسخ کر دیئے گئے۔ (حدیث مرفوع لکن قال الترمذی الوقف اصح)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری بہت بری چیز ہے اس کا بڑا وبال یہ ہے کہ ناشکری کرنے سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ

اور جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے کہا تھا لوگوں کیلئے کہ مجھے اور میری ماں کو معبود ٹھہرالو اللہ کے سوا کہیں گے (عیسیٰ علیہ السلام) پاک ہے

اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ

تیری ذات اے اللہ نہیں لائق میرے لئے کہ میں کہوں ایسی بات جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا اگر میں نے کہی ہو تو ضرور اس کو جانتا ہے۔ تو جانتا ہے جو کچھ میرے جی

مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ

میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے بیشک تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے ﴿۱۱۶﴾ میں نے نہیں کہی ان لوگوں سے مگر وہی بات

اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا

جس کا تو نے مجھے حکم دیا کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی اور میں ان کی خبر رکھتا تھا جب تک میں ان کے اندر تھا جب تو نے

تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ

مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگران تھا۔ بیشک تو ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے ﴿۱۱۷﴾ اگر تو ان کو سزا دے تو

فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ

بیشک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو زبردست حکمت والا ہے ﴿۱۱۸﴾ اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ وہ دن ہے کہ نفع دے گا

الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ

سچوں کو ان کے سچ کا ان کیلئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اللہ تعالیٰ

اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا فِیْهِنَّ ؕ

ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ یہ ہے کامیابی سب سے بڑی ﴿۱۱۹﴾ اللہ ہی کیلئے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمینوں کی اور جو کچھ ان کے اندر ہے

وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۲۰﴾

اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۱۲۰﴾

﴿۱۱۶﴾ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ... الخ عیسیٰ بن مریم کی تعلیم۔ ربط آیات: پہلے رکوع میں حق تعالیٰ نے اپنی نعمتیں گنوائیں اب یہاں سے مقصد انبیاء علیہم السلام کو بیان کرتے ہیں۔

خلاصہ رکوع ۱۶ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال خداوندی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب ومعروضات، اسلوب دعا، متبعین کا انجام، حصر المالکیت، کمال قدرت باری تعالیٰ۔ ماخذ آیات ۱۱۶: تا ۱۲۰+

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال خداوندی: فرمایا اے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کیا تو نے امت کو یہ تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو خدا مان لو یہ خطاب تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہوگا اور مورد عتاب نصاریٰ ہوں گے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس قابل نہیں کہ آن سے باز پرس کی جاسکے کیونکہ کسی مولود کو عقلاً اپنے معبود ہونے کا گمان ہی نہیں ہو سکتا جو کسی کے پیٹ سے پیدا ہو وہ کیسے خدا ہو سکتا ہے؟ عرب کے نصاریٰ حضرت مریم کو بھی خدا کہتے تھے اس لئے سوال میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ انکی والدہ کا بھی ذکر کیا گیا۔ قیامت کے دن یہ سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے محض انکی امت کی سرزنش کے لئے کیا جائے گا تا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے جواب سے وہ جھوٹے ٹھہریں اور ان پر اللہ کی حجت قائم ہو۔ قَالَ سُبْحٰنَكَ الخ جواب عیسیٰ علیہ السلام ومعروضات ۱ اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی بیان منقول ہے۔ ﴿۱۱۷﴾ معروضات ۲ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں نے تو انہیں تیری عبادت کا پیغام پہنچایا تھا۔ اے پروردگار عالم میں ان کا نگران اور نگہبان اس وقت تک تھا کہ میں ان میں رہا یعنی مجھے ان کے صرف وہ حالات معلوم ہیں جو میرے سامنے پیش آئے پھر جب آپ نے مجھے اپنے قبضہ میں لے لیا اور دنیا سے اٹھا لیا تو میری نگرانی ختم ہو گئی اور اس وقت آپ ہی ان پر

نگران اور نگہبان تھے یعنی آسمان پر اٹھالے جانے کے بعد جو کچھ ہوا مجھے اسکی خبر نہیں کہ انہوں نے کس طرح مجھ کو اور میری ماں کو خدا بنالیا یہ سب کچھ میری تعلیم و تلقین کے خلاف ہے۔

﴿۱۱۸﴾ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ... الخ معروضات۔ ❸ اے پروردگار اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں تجھ پر کوئی اعتراض نہیں تو مالک و مختار مطلق ہے اور مالک مطلق کو اپنی ملک میں ہر قسم کے تصرفات کا اختیار ہے نافرمان بندوں کو سزا دینا نہ خلاف انصاف ہے اور نہ قابل اعتراض مالک اپنی کسی مملوک چیز کو تنور میں ڈال دے تو کوئی اعتراض نہیں۔

لہذا اگر آپ چاہیں تو ان کو سزا دیں تو عین عدل ہے اور اگر معاف کر دیں تو یہ محض تیرا فضل ہے تجھے نہ کوئی عدل سے روک سکتا ہے اور نہ فضل سے روک سکتا ہے۔ تو عزیز ہے یعنی زبردست اور غالب ہے کوئی مجرم تیرے قبضہ قدرت سے نکل نہیں سکتا۔ اور تو حکیم ہے یعنی حکمت والا ہے تیرا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں تو اگر کسی مجرم کو معاف کرے گا تو وہ معافی بھی بے موقع اور خلاف حکمت نہ ہوگی۔ اہل علم تفسیر کبیر: ص:۸۶؍ج:۳ کی طرف مراجعت کریں۔

تین اہم مسائل

① خلف وعید۔ ② امکان کذب۔ ③ امکان نظیر وغیرہ۔

یہ مسائل نہایت دقیق، بے حد مشکل اور افہام و تفہیم اور دلائل کے لحاظ سے خالص منطقیانہ پہلو کے حامل ہیں۔ اور عوام الناس ان کے سمجھنے سے اکثر قاصر رہتے ہیں اسلئے اہل بدعت بہت شور مچاتے ہیں۔ ان کا نظریہ معتزلہ، خوارج۔ مناطقہ اور فلاسفہ وغیرہ کا ہے۔ اور اہلسنت والجماعت ان باطل فرقوں کے مسلک کے بالکل برعکس عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان تین مسائل کا خلاصہ استاذ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان ﷫ کی کتب سے مختصر تحریر کیا جاتا ہے۔

اس مسئلہ میں تین عنوان ہیں۔ ① خلف عید۔ ② امکان کذب۔ ③ امکان نظیر۔

امکان کذب: امکان کذب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خلاف واقع جملہ بولنے پر قادر ہیں یا نہیں؟ اگرچہ اللہ نے نہ خلاف واقعہ بولا ہے اور نہ بولتا ہے اور نہ ہی بولے گا۔ اہل حق کہتے ہیں کہ خلاف واقعہ بولنے پر قادر ہے۔

جبکہ معتزلہ، خوارج، روافض اور اہل بدعت وغیرہ کہتے ہیں کہ خلاف واقعہ بولنے پر قادر نہیں مثلاً ابولہب کو دوزخ میں ڈالے گا اس میں تو کوئی شک ہی نہیں۔ اب کیا اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر دے۔ تو اہل حق کہتے ہیں کہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔ لیکن اگر اسکو جنت میں داخل کرنا چاہے تو کر سکتا ہے جبکہ یہ باطل فرقے کہتے ہیں کہ نہیں کر سکتا۔ اسکو اہل حق (متکلمین) کی اصطلاح میں خلف وعید اور امکان کذب سے تعبیر کرتے ہیں مگر یاد رہے کہ امکان کذب سے مراد اصل امکان کذب نہیں بلکہ صورت کذب مراد ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص:۲۰، ج۔)

تیسرا امکان نظیر ہے: اللہ تعالیٰ نے جو رسول اللہ ﷺ کو اوصاف عطا فرمائے ہیں اور جو آپ کو مناقب دیئے ایسا نہ کوئی پیدا ہوا اور نہ ہے نہ پیدا کرے گا لیکن اگر پیدا کرنا چاہے تو اہل حق کہتے ہیں کہ پیدا کر سکتا ہے مگر ایسا کرتا نہیں۔

جبکہ معتزلہ خوارج اور روافض اور آج کل کے مبتدعین کہتے ہیں کہ پیدا نہیں کر سکتا۔ اس کو کہتے ہیں امکان نظیر کہ آپ ﷺ کی نظیر ممکن ہے یا نہیں۔ چنانچہ ہمارے اکابر علماء دیوبند "کثر اللہ جماعتھم" نے بھی اس مسئلہ پر بہت کچھ لکھا ہے فتاویٰ رشیدیہ، المہند علی المفند اور الشہاب الثاقب وغیرہ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نے ایک مستقل کتاب جہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل دو جلدوں میں اس مسئلہ پر تصنیف فرمائی۔ جو علماء حق کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی ہے۔

اہل حق کے چند دلائل

پہلی دلیل۔ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم کو معبود بنایا۔ "ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" انکے مشرک وکافر ہونے میں کوئی شک نہیں عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے "اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ" اگرانکو سزا دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر تو انکو بخش دے تو "فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ"۔

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قدرت بتلاتی ہے کہ اگر تو بخشنا چاہے تو بخش سکتا ہے سزا دے تو تیرے بندے ہیں۔

"وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ" اگر تو بخشنا چاہے۔ لفظ "اِنْ" کے ساتھ فرمایا نہ کہ "اذا" کے ساتھ۔ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ

اور اسی سورۂ مائدہ میں گزر چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی پاکیزگی اور لوگوں سے برأت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا "اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ"۔ (آیت۔۷۲)

بے شک جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا سو حرام کی اللہ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کوئی نہیں ہے ظالموں کی مدد کرنے والا۔ تو پھر مشرکوں کی مغفرت کا کیا سوال جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ چاہے تو ان کی مغفرت و بخشش فرما دے وہ اس پر قادر ہے مگر ایسا کرے گا نہیں۔ چونکہ اس کا وعدہ ہے کہ مشرکوں کی بخشش نہیں ہوگی۔

دوسری دلیل : سورۂ ابراہیم میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بچا مجھے بھی اور میرے والد کو بھی "اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ" (آیت۔۳۵) آگے فرمایا "رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ"۔ (آیت۔۳۶) معلوم ہوا کہ مشرک کا بخشنا رب کی قدرت میں ہے مگر بخشے گا نہیں۔

تیسری دلیل: سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں "وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ" (آیت ۸۶) اگر ہم چاہیں تو یہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھین بھی سکتے ہیں۔ کرسکنا اور ہے اور کرنا اور ہے۔

چوتھی دلیل: اللہ تعالیٰ مشرکین کے ایک بے بنیاد سوال کا حاکمانہ انداز میں جواب دیتے ہوئے سورۃ الشوریٰ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ "اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ وَیَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَیُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ" (آیت۔۲۴)

کیا وہ کہتے ہیں کہ باندھا اس نے اللہ پر جھوٹ سو اگر چاہے اللہ مہر کر دے تیرے دل پر اور مٹا دے اللہ جھوٹ کو اور ثابت کر دے سچ کو اپنی باتوں سے اسکو معلوم ہے جو دلوں میں ہے۔ اس آیت میں واضح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تیرے دل پر (معاذ اللہ) مہر لگا دے۔ وحی کا سلسلہ بند کر دے بلکہ سلب کر لے اور بغیر تیری وساطت کے ازخود ہی باطل کو مٹا دے اور حق کو ثابت کر دے۔ تو ایسا کرسکتا ہے لیکن نہ تو اس نے ایسا کیا ہے اور نہ کرے گا گو اس کو قدرت حاصل ہے اور وہ عاجز اور قاصر نہیں ہوگا۔ اور اگر "وَیَمْحُ اللّٰهُ" سے جملہ مستانفہ مراد ہو جیسا کہ بعض مفسرین کرام نے کہا ہے تب بھی ہمارا مدعا ثابت ہے۔

الغرض اہلسنت کے نزدیک قرآن کریم کی ہر آیت اپنی حقیقت پر ہے اور بغیر کسی تاویل کے صحیح ہے۔ کسی نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ کسی نیک آدمی کو دوزخ میں ڈالنے پر قادر ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فاروقی جلال میں آکر نیک لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر ھمہ را بدوزخ فرستاد و عذاب ابدی فرماید جائے اعتراض نیست: (مکتوبات حصہ چہارم دفتر اول۔۱۲۰)

اگر وہ سب کو (معاذ اللہ) دوزخ میں بھیج دے اور انکو ہمیشہ کا عذاب دے تب بھی اس پر اعتراض کی کوئی مجال نہیں ہے۔
مذکورہ تینوں مسائل میں حضرت شیخ الحدیث استاذ یم حضرت مولانا محمد سرفراز خان کی تنقید متین اور دیگر کتب کی طرف مراجعت کریں۔
﴿۱۱۹﴾ متبعین کا انجام :اس آیت میں گزشتہ تفتیش اور محاسبہ کے نتیجہ کا ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا
آج تو جو دنیا میں اپنے عقائد و اعمال اور اقوال میں سچے تھے اور حق کے متبعین تھے ان کے لئے عزت و نجات اور کامیابی مخصوص ہے۔
﴿۱۲۰﴾ حصر المالکیت اور کمال قدرت باری تعالیٰ : آسمان و زمین کی بادشاہی کا مالک صرف وہی اکیلا ہے وہ جو چاہے
فیصلہ کر سکتا ہے۔ اسی کا یہ فیصلہ ہے جو گزشتہ آیت میں مذکور ہے اس میں چون و چرا کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

الحمد للہ دوسری جلد سورۃ مائدہ پر اختتام پذیر ہوئی، اللہ رب العزت اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائے۔ (آمین)

بندہ عبدالقیوم قاسمی

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین